20 بیس علمائے حق

مرتّبہ

حافظ قاری محمّد اکبر شاہ بُخاری

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیس علمائے حق

مرتبہ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	....	بیس علمائے حق
مصنف	....	حافظ قاری محمد اکبر شاہ بخاری
باہتمام	....	حاجی مقبول الرحمٰن
ناشر	....	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
مطبع	....	منیر عباس پرنٹرز
تعداد	....	۱۱۰۰

انتساب

انہی بیس علمائے حق
کے نام
جن کا پاکیزہ تذکرہ زیر نظر
کتاب میں شامل ہے۔

از: محمد اکبر شاہ بخاری عفی اللہ عنہ
ناظم اعلیٰ مرکز تبلیغ مجلس صیانۃ المسلمین
مدرسہ اشرفیہ احتشام العلوم جامع مسجد عثمانیہ
جام پور ضلع راجن پور (پنجاب)

انه من سليمان وانه
بسم الله الرحمن الرحيم

بیس علمائے حق

۱۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
۲۔ مناظر اسلام مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ
۳۔ سید الملت علامہ سید سلیمان ندویؒ
۴۔ مخدوم الامت مفتی محمد حسن امرتسریؒ
۵۔ بدر العلماء مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ
۶۔ استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ
۷۔ شیخ المحدثین علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ
۸۔ شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ
۹۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ
۱۰۔ محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
۱۱۔ خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ
۱۲۔ حکیم الاسلام علامہ قاری محمد طیب قاسمیؒ
۱۳۔ شمس العلماء علامہ شمس الحق افغانیؒ
۱۴۔ شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ
۱۵۔ محدث کبیر علامہ محمد شریف کشمیریؒ
۱۶۔ فقیہ العصر مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ
۱۷۔ مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانیؒ
۱۸۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
۱۹۔ فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ
۲۰۔ فقیہ ملت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	لکھنے والے	صفحہ نمبر
	حمد ونعت	خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ	11
	پیش لفظ	مولانا نذیر احمد فیصل آبادی مدظلہ	13
	تقریظ	مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ	14
	دارالعلوم دیوبند ایک جائزہ	محمد اکبر شاہ بخاری	16
	دیوبند (نظم)	مولانا ظفر علی خان مرحوم	23
	اکابر دیوبند کیا تھے؟	علامہ مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ	26
1-	شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ	مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانیؒ	52
	علامہ عثمانیؒ، شخصیت و کردار	حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ	62
	شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور تحریک پاکستان	مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	69
	شیخ الاسلام پاکستان	مولانا محمد مالک کاندھلویؒ	76
	گلہائے عقیدت (منظوم)	پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹیؒ	81
	علامہ عثمانیؒ حضرت لاہوریؒ کی نظر میں	علامہ ڈاکٹر خالد محمود پی ایچ ڈی	82
	علامہ عثمانیؒ حضرت مدنیؒ کی نظر میں	مولانا عبدالرحمٰن اشرفی مدظلہ	85
	علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا حسین احمد مدنیؒ	حافظ محمد اکبر شاہ بخاری	87
2-	حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ	مولانا عطاء الرحمٰن رحمانی	94
	سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	98
3-	سید الملت علامہ سید سلیمان ندویؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	103
	علامہ ندویؒ کے علمی کارنامے	پروفیسر عبدالغنی	111
	سید سلیمان ندویؒ	پروفیسر واصل عثمانی	116
4-	حضرت مفتی محمد حسنؒ (سیرت و سوانح)	مولانا محمد میاں صدیقی کاندھلوی	122
	بانی جامعہ اشرفیہ لاہور	مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب	129

	بیادِ مفتی محمد حسنؒ (نظم)	حافظ نور محمد انور	137
	حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ	حکیم محمد حسن قریشی	138
	حضرت مفتی محمد حسن اور حضرت لاہوریؒ	حافظ فضل الرحیم صاحب	146
-5	بدر العلماء حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ	حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری	150
	حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ	سید محبوب حسن واسطی	154
-6	استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھریؒ	حافظ محمد اکبر شاہ بخاری	166
	حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ (سیرت و کردار)	مولانا محمد ازہر صاحب مدظلہ	175
	بانی جامعہ خیر المدارس مولانا خیر محمدؒ	مولانا اعجاز احمد خان سنگھانوی	187
	آثارِ خیر	مولانا محمد ازہر مدیر الخیر	192
-7	شیخ المحدثین علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	197
	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ (احوال و آثار)	ڈاکٹر محمد سعد صدیقی	206
	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیعؒ	216
	محدث کاندھلویؒ	علامہ محمد یوسف بنوریؒ	222
	شیخ الحدیث مولانا ادریس کاندھلویؒ	مولانا کوثر نیازی مرحوم	225
-8	شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ	مولانا صوفی محمد اقبال قریشی	231
	شیخ الاسلام (میرے شیخ کامل)	مولانا مفتی عبد الشکور ترمذیؒ	243
	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ	علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ	248
	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	علامہ مفتی محمد تقی عثمانی	251
	استاذ المحدثین مولانا عثمانیؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	256
-9	مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ	مولانا محمد اقبال قریشی صاحب	264
	ان کی یادوں میں گلوں کی خوشبو	مولانا محمد محترم فہیم عثمانی	275
	مفتی اعظم پاکستان	مولانا کوثر نیازی	289
	فقیہ العصر مفسر قرآن مفتی اعظمؒ	مولانا سمیع الحق	296
	بیادِ مفتیٔ اعظم (منظوم)	مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ	301
	مفتیٔ اعظمؒ (نظم)	جناب مسلم غازی	303

	آہ مفتیٔ اعظم قدس سرہ	مولانا مشرف علی تھانوی	304
10-	محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ	مولانا سلیم اللہ خان	308
	حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ	مولانا عبدالرشید ارشد	313
	شیخ الحدیث حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر نفیس الدین صدیقی	322
	آہ! مولانا محمد یوسف بنوریؒ	مولانا سمیع الحق	325
	علامہ بنوریؒ	جناب مسلم غازی	329
11-	خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانویؒ	مولانا محمد صدیق ارکانی	331
	خطیب پاکستان رحمۃ اللہ علیہ	محمد اکبر شاہ بخاری	354
	آہ! مولانا تھانویؒ (نظم)	مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ	365
	خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ	مولانا محمد متین الخطیبؒ	367
	ایک ممتاز عالم' ایک عظیم خطیب	مولانا امیر احمد للیانوی	374
	مولانا احتشام الحق اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ	مولانا محمد شریف جالندھریؒ	379
	مولانا تھانویؒ، اکابر و معاصر کی نظر میں	محمد اکبر شاہ بخاری	386
12-	حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی	393
	یادِ ایام (خود نوشت)	قاری محمد طیب قاسمیؒ	401
	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ	مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ	406
	حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ	مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ	421
	حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ	مولانا ازہر شاہ قیصر	428
	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	مولانا محمد تقی عثمانی	432
	حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	437
	مرقع عقیدت (نظم)	قاری عبدالعزیز شوقی مرحوم	442
13-	شمس العلماء علامہ شمس الحق افغانیؒ	مولانا فضل حق ترنگزئی	444
	علامہ افغانیؒ، عظمت والوں کی نظر میں	مولانا عبدالغنی بہاولپوری	453
14-	شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلویؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	463
	مولانا محمد مالک کاندھلویؒ	علامہ محمد تقی عثمانی	481

	حضرت مولانا مالک کاندھلویؒ	مولانا محمد اکرم کاشمیری	484
15-	محدث کبیر علامہ محمد شریف کشمیریؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	489
	علامہ کشمیریؒ کی حسین یادیں	مولانا محمد حنیف جالندھری	492
	علامہ کشمیریؒ کا علمی ذوق	مولانا منظور احمد ملتانی	498
	جامع المعقول والمنقول علامہ کشمیریؒ	مولانا محمد ازہر صاحب	503
16-	مخدوم العلماء مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	515
	حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ صدر مفتی	مولانا محمود اشرف عثمانی	525
	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ	مولانا محمد اکرم کاشمیری	544
	حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحبؒ	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	549
	آہ مفتی جمیل احمد تھانویؒ (نظم)	مولانا مشرف علی تھانوی	552
	ایک شمع رہ گئی تھی	مولانا محمد زاہد صاحب	555
	میرے استاذ و مربی	مفتی شیر محمد علوی	557
	میرے محسن فقیہ العصر	مولانا مقبول الرحمٰن قاسمی	569
	سرپرست مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان	صوفی محمد اقبال قریشی	572
	موت العالِم موت العالَم	مولانا وکیل احمد شیروانی	576
	آہ! حضرت مفتی صاحبؒ	مولانا محمد اسعد تھانوی	579
	فقیہ العصر کا سانحۂ ارتحال	مولانا محمد ازہر مدیر الخیر	582
	مفتیٔ اعظم کی یاد میں (نظم)	محمد اکبر شاہ بخاری	584
17-	مناظر اسلام مولانا محمد منظور نعمانیؒ	م۔خ۔ندوی صاحب	587
	حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ	مرغوب احمد راجپوری	592
	مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	مفتی تقی عثمانی	599
18-	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	مولانا محمد عیسیٰ منصوری	608
	حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ	مولانا محمد تقی عثمانی	631
	سید ابوالحسن علی ندویؒ (ایک نظر میں)	مولانا عمیر الحسینی ندوی	639
	آہ مولانا ندویؒ (نظم)	پروفیسر واصل عثمانی	643

-19	فقیہہ العصر مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ		
	حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	645
	فقیہہ العصر حضرت ترمذیؒ	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	652
	منظوم خراجِ تحسین	مولانا محمد اکرم کاشمیری	656
	محدث العصر حضرت مفتی عبدالشکور ترمذیؒ	مولانا مشرف علی تھانوی	659
	موت العالم موت العالم	مولانا محمد ازہر صاحب مدیر الخیر	662
-20	فقیہہ ملت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ	محمد اکبر شاہ بخاری	664
	فقیہہ الامت کا سانحۂ ارتحال	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	669
		مولانا محمد اکرم کاشمیری	675

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ
خلیفہ اجل، حکیم الامت حضرت تھانویؒ

حمد

ظاہر مطیع و باطن ذاکر مدام تیرا زندہ رہوں الٰہی ہو کر تمام تیرا
بگڑے نظامِ دیں کو میرے بھی ٹھیک کر دے ہر دوسرا میں کیا کیا ہے انتظام تیرا
نہ نہار ہو نہ شیطان عاجز پہ تیرے غالب بندہ نہ نفس کا ہو ہر گز غلام تیرا
یہ بد لگام و بدرگ نفس شریر و سرکش اے شہسوار خوباں ہو جائے رام تیرا
چھوڑوں نہ زندگی بھر پابندیٔ شریعت ہو مثل زلف دلبر مرغوب دام تیرا
دُوری میں شاہ خوباں ابتر ہے حال بیحد ہو جائے منکشف ہاں اب قرب نام تیرا
زورِ کشش سے تیرے کر جائے قطع دم میں راہِ دراز تیری یہ ست گام تیرا
پردہ خودی کا اٹھ کر کھل جائے رازِ وحدت ہر مستِ جام الفت یہ تشنہ کام تیرا
باطن میں میرے یا رب بس جائے یاد تیری ہر دم رہے حضوری دل ہو مقام تیرا
مونس ہو میری جاں کی فکر مدام تیری ہمدم ہو میرے دل کا فکر دوام تیرا
دل کو لگی رہے دھن لیل و نہار تیری مذکور ہو زباں پر صبح و شام تیرا
مورد رہے یہ ہر دم تیری تجلیوں کا ہو جائے قلب میرا بیت الحرام تیرا
سینہ میں ہو منقش یا رب کتاب تیری جاری رہے زباں پہ ہر دم کلام تیرا
ہے اب تو یہ تمنا اس طرح عمر گذرے ہر وقت تیرا دھندا ہر وقت کام تیرا

دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب تو ہی تو ہو
ہو پختہ کارِ وحدت مجذوب کام تیرا

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

نعت

ہو جائے جو یہ عشق میں قربان محمد   کہلائے مری جانِ حزیں جان محمد
میں اور مرے ماں باپ ہو قربان محمد
ہیں لعل و جواہر لب و دندان محمد   گویا ہے دہن پاک بدخشان محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
رکھتا ہے ستوں چار یہ ایوان محمد   وہ چار جو ہیں خاصۂ خاصان محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
یا رب رہوں دن رات غزل خوان محمد   ہو جائے حسن پہ بھی تراحسان محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
ہو نعت بشر کیا کوئی شایان محمد   ہے جب کہ خدا خود ہی ثنا خوانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
اللہ رے جولان گہ عرفان محمد   ہے ہر دو جہاں گوشۂ دامان محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
ہے آیت حق نامِ خدا شان محمد   تفسیر اسی کی ہے یہ قرآن محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
درکار و سزا وار و مریضانِ محمد   درمانِ مسیحا نہیں درمانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد
تھمتے نہیں اشک غم ہجران محمد   رہتے ہیں سدا طالب دامانِ محمد
میں اور مرے ماں باپ ہوں قربان محمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہ اللہ تعالیٰ
(مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد)

برصغیر پاک و ہند میں ایسی ایسی عظیم اور مقدس شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ جن کی نظیر ملنا مشکل ہے خصوصاً دارالعلوم دیو بند سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے حق جن کی علمی' دینی' روحانی اور سیاسی وملی خدمات جلیلہ نا قابل فراموش ہیں۔ان اکابر علماء واولیاء کی مقدس زندگیاں ہمارے لیے مشعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

ہمارے عزیز محترم سید اکبر شاہ صاحب بخاری نے ماضی قریب کے اہم ترین اور مفید ترین اکابر امت کے ایمان افروز معلومات وحالات وکمالات کو بڑے سلیقہ سے جمع فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی بہت سی تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں سے اکابر علماء دیو بند۔ کاروان تھانویؒ۔ چالیس بڑے مسلمان۔تحریک پاکستان اور علمائے دیو بند۔تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین۔خطبات مفتی اعظمؒ۔خطبات احتشام۔حیات احتشام' خطبات ادریس تذکرہ اولیائے دیو بند' خطبات اکابر اور مقالات عثمان بے حد مفید اور نافع تالیفات ہیں۔یہ سب تالیفات میرے قریب رہتی ہیں اور میں ان سے محظوظ ہوتا رہتا ہوں۔عزیز گرامی نے ان دُررثمینہ کی جمع وترتیب میں اپنی محنت شاقہ کے علاوہ صلاحیت خاصہ کا سکہ بھی منوالیا ہے۔اکابر علماء ومشائخ کے فیوضات پہلے بھی مختلف اسالیب سے جاری ہیں مگر عزیزم سید اکبر شاہ صاحب کی محنت اور قابل تحسین سعی وکاوشوں نے علماء واولیاء اور قائدین امت کے فیوضات وبرکات کی اشاعت میں قابل قدر اضافہ فرمادیا ہے۔جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

زیر نظر تالیف بھی بیس علمائے حق ومشائخ کا مقدس تذکرہ ہے جس میں ان بڑے علماء واولیاء کے حالات' کمالات اور خدمات کو بڑے احسن طریقے پر مرتب کیا گیا ہے اور ان اکابر کے متعلق معلومات کا ذخیرہ جمع فرمایا گیا ہے دعا ہے حق تعالیٰ ان اکابر کی برکات سے ان اکابر کے کمالات کے کچھ اثرات ہم پر نمودار فرمادیں اور حق تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ زیر نظر کتاب بھی دیگر تصانیف کی طرح مفید و نافع اور مقبول ثابت ہوگی۔دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس سے خوب استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ان اکابر اولیاء اللہ کی برکات سے مصنف اور قارئین کرام کو مالا مال فرمائیں۔آمین۔

نذیر احمد غفرلہ
خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۱۱/ رجب ۱۴۲۳ھ

تقریظ

فخر اسلاف حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری حفظہ اللہ تعالیٰ
مہتم جامعہ خیر المدارس ملتان

الحمد لله وسلام و علی عباده الذین الصطفی، اما بعد!

اس پرفتن دور میں جبکہ اولیاء اللہ اور علماء حق کے قافلے نہایت سرعت سے عالم آخرت کی طرف جا رہے ہیں۔ تکمیل باطن کے لیے اہل اللہ کی مجالس و ملفوظات اور ان کی پر خلوص دینی اور روحانی خدمات کے تذکرے ان کی بابرکت محبت کے کسی حد تک بدل ہیں۔ ان کے دینی اور علمی کارنامے' پر خلوص خدمات' اخلاص و ایثار' پراثر ارشادات وہدایات' اخلاص وللّٰہیت ہمت و استقامت اور راہ حق میں ان کی سرفروشانہ جد جہد آنے والی نسلوں کے لیے دیر تک مشعل راہ رہے گی۔

برصغیر میں کیسی کیسی عظیم شخصیات نے دین کے مختلف شعبوں میں کیسی کیسی مجاہدانہ خدمات انجام دیں ان کے سر سری مطالعہ سے بھی انسان حیرت میں گم ہو جاتا ہے' علماء حق کے ان کارناموں کو اجاگر کرنا نہ صرف عبادت بلکہ ایک اہم دینی خدمت ہے جن کے مطالعہ سے عمل صالحہ کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ برادر مکرم جناب سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری کو حق تعالیٰ نے بزرگان دین کے حالات و کمالات اور واقعات وسوانح کی ترتیب و تالیف کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے' اکابر علماء کے پُر خلوص محبت اور عقیدت نے ان کے قلم کو بابرکت بنا دیا ہے۔ نتیجۃً اب تک اس موضوع پر ان کی متعدد تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں اکابر علماء دیو بند ہے۔ ''کاروان تھانویؒ''۔ ''خطبات اکابر''۔ ''مقالات اکابر''۔ ''تذکرۂ شیخ الاسلام پاکستان''۔ ''تذکرۂ خطیب الامت ذکر خیر محمد''۔ ''سوانح جلیلؒ''۔ ''حیات احتشام''۔ ''خطبات احتشام''۔ ''ذکر طیب'' ''حیات ظفر عثمانیؒ''۔ ''مقالات عثمانی''۔ ''سیرت بدر عالمؒ''۔ ''مفتی محمد حسنؒ اور ان کے خلفاء'' ''چالیس بڑے مسلمان''۔ ''خطبات مفتی اعظمؒ''۔ ''مقالات مفتی اعظمؒ''۔ ''تذکرۂ اولیائے دیو

بند''۔''خطبات ادریسؒ''۔تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین اور حیات مالکؒ' معروف اور متداول ہیں۔ان میں سے بعض تالیفات پانچ پانچ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

اب زیر نظر تالیف:''بیس علماء حق''۔بھی اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی ہے۔جس میں مؤلف ممدوح نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ' علامہ سید سلیمان ندویؒ' مفتی محمد حسن امرتسریؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ' علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ' علامہ ظفر احمد عثمانیؒ' حضرت مفتی محمد شفیعؒ' علامہ یوسف بنوریؒ' حضرت قاری محمد طیبؒ' علامہ افغانیؒ' مفتی جمیل احمد تھانویؒ' سید ابوالحسن علی ندویؒ' مولانا احتشام الحق تھانویؒ' اور مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ سمیت دیگر اکابر واسلاف پر ممتاز اہل علم وقلم کے مضامین ومقالات کو نہایت حسن ترتیب کے ساتھ جمع فرما دیا ہے۔احقر کے نزدیک یہ کتاب صرف معلومات افزا ہی نہیں۔ایمان افروز اور روح پرور ہے۔ویسے بھی حضرات اولیاء اور عارفین کرام کی محبت ومعیت سے انسان کے باطنی اوصاف فاضلہ میں ترقی ہوتی ہے اور بعض اوقات ان اہل حق کی تھوڑی دیر کی مجالس ومصاحبت' بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا۔صرف اظہار عقیدت ہی نہیں بلکہ ایک عظیم حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی دیگر تالیفات کی طرح اسے بھی مقبولیت عامہ خاصہ سے سرفراز فرمائیں اور اسے ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائیں۔آمین۔

محمد حنیف جالندھری۔

ازمحمد اکبر شاہ بخاری (مرتب)

حرف آغاز

دارالعلوم دیوبند

ایک جائزہ: ایک تعارف:

دارالعلوم دیوبند ایک عظیم علمی و دینی یونیورسٹی ہے اس کی نظیر پوری دنیائے اسلام میں ملنی مشکل ہے، یوں تو آپ کو مصر میں جامعہ ازہر جیسا مرکز علم دیکھنے میں آ سکتا ہے جس کو اسلامی سلطنت کی سرپرستی ہمیشہ سے حاصل رہی ہے لیکن روحانیت اور علمیت کا بہترین امتزاج جو آپ کو سرزمین دیوبند کے اس دارالعلوم میں ملے گا وہ دنیا کے کسی علمی ادارے میں ڈھونڈنے سے بھی آپ نہ پاسکیں گے۔ روایت ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ مجاہدین سربکف کے ایک قافلے کے ساتھ دیوبند کی سرزمین سے گزرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں آج کل دارالعلوم کی عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں، تو رک گئے اور ہمرائیوں سے خوش ہو کر فرمایا۔ ''مجھے اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے۔'' اس الہامی اور وجد آفرین پیشگوئی کے ٹھیک سو برس بعد سرزمین دیوبند سے علم و ہنر کے سوتے پھوٹے اور تمام عالم میں نہریں رواں ہوئی۔ اسی طرح بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک زمانے میں یہ خواب دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں، ان کے ہاتھوں اور پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطراف عالم میں پھیل رہی ہیں، انہوں نے یہ خواب اپنے شیخ و مربی حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کی خدمت میں بیان کیا اور تعبیر دریافت کی، حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا۔ ''میاں قاسم! مبارک ہو تمہارے ذریعے مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے انشاء اللہ چشمے جاری ہوں گے۔'' ایک عجیب بات اور یہ ہے کہ دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ مہاجر مدنی نے یہ خواب بھی اس زمانے میں دیکھا کہ علوم دینیہ کی چابیاں ان کے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں۔ پھر کل عالم نے دیکھا کہ یہ خواب، خواب نہ رہا حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ۔ ''تیرھویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی

تھی ۔ ہندوستان میں اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا' اسلامی شعائر رفتہ رفتہ رو بہ زوال تھے' دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو رہی تھیں' علمی خانوادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا' دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ مشرقی روشنی چھپتی جا رہی تھی اور مغرب تہذیب وتمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا' دہریت' الحاد' فطرت پرستی اور بے حیائی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں چمن اسلام خزاں کا دور دورہ تھا اور یقین ہو چلا تھا کہ اب ہندوستان بھی سپین کی تاریخ دہرانے کے لیے کمر بستہ ہو چکا ہے کہ اچانک چند نفوس قدسیہ ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' یہ لوگ وقت کے اولیاء اللہ تھے ان کے قلوب پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت ایک اسلامی دینی مدرسے کا قیام ہے اور نفوس قدسیہ کے سر براہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھا اور اسے ایک تجویز کی صورت دی۔ دیگر نفوس قدسیہ جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خصوصی رفقاء میں شامل ہیں ان میں حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ (والد ماجد حضرت شیخ الہندؒ) حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ (والد گرامی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ) اور حضرت حاجی سید عباس حسین صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ حضرات خصوصیت سے حضرت نانوتویؒ کے دست و بازو رہے ہیں اور ابتداء ہی سے یہ حضرات بنائے دار العلوم میں معاون رہے۔

الہامی مدرسہ:

دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں ایک انار کا درخت ہے اسی درخت کے نیچے ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو اس ادارے کا آغاز کیا گیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ مدرسے کے اجراء کے لئے مستعار ہوئے' ملا محمود صاحبؒ میرٹھ میں مدرس تھے ان کو بلا کر کہا کہ آپ اپنے وطن دیوبند تشریف لے چلیں وہیں پڑھائیں' حضرت ملا محمود صاحبؒ نے سر تسلیم خم کیا اور مسجد چھتہ میں جو دار العلوم سے آج بھی متصل ہے' ملا محمود صاحبؒ نے صرف ایک شاگرد مولانا محمود حسن صاحبؒ (شیخ الہند) کو سامنے بٹھا کر مدرسہ دیوبند کا آغاز کر دیا' آہستہ آہستہ طلباء کی تعداد بڑھنے لگی' حضرت نانوتویؒ نے مدرسے کے لئے آٹھ اصول وضع فرمائے' یہ اصول ایسے مستحکم ثابت ہوئے کہ ایک صدی گزرنے کے بعد بھی علی حالہ قائم ہیں اور مدرسے کی بنیاد ابھی تک انہیں پر کھڑی ہے' تحریک خلافت کے زمانے میں جب مولانا محمد علی جوہر مرحوم دیوبند گئے اور دار العلوم میں پہنچے تو یہ آٹھ اصول حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے قلم سے لکھے ہوئے انہیں دکھائے گئے' مولانا محمد علیؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا ان اصولوں کا عقل سے کیا تعلق' یہ تو خزانہ غیب اور مخزن معرفت سے نکلے ہوئے ہیں' حیرت ہے کہ جن نتائج تک ہم سو برس میں دھکے کھا کر پہنچے ہیں یہ بزرگ سو برس پہلے ہی ان نتائج تک پہنچ چکے تھے۔

دار العلوم دیوبند کی اولین عمارت کی تعمیر کا واقعہ بھی عجب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں بھی ایک غیبی اشارہ

پنہاں تھا جو دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ پر ظاہر ہوا' مولانا رفیع الدین نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے صاحب کشف و کرامات تھے' وہ جگہ جہاں سید احمد شہید بریلویؒ کو علم کی بو آئی تھی مدرسے کی عمارت کے لئے قرعہ فال اسی زمین کے نام پڑا' پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ اسی زمین پر حضرت اقدس نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں عصا ہاتھ میں ہے' حضور کریمؐ نے مولانا رفیع الدین صاحبؒ سے فرمایا وہ شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے مدرسے کا صحن چھوٹا اور تنگ رہے گا چنانچہ حضورؐ نے اپنے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے تاکہ مدرسے کا صحن وسیع رہے' کہتے ہیں کہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ یہ مبارک خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح بنیادوں کے معائنے کے لئے تشریف لے گئے تو حضور ﷺ کا لگایا ہوا نشان اسی طرح بدستور موجود تھا۔ مولانا نے پھر کسی سے مشورہ کیا نہ پوچھا اسی نشان پر بنیاد رکھوا دی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہو گئی۔ سنگ بنیاد جن بزرگوں نے رکھا ان میں بھی سب وہ اہل اللہ شامل تھے جو اتباع اور روحانیت میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔

انہیں مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے کچھ عرصے بعد ایک اور خواب دیکھا کہ دارالعلوم کے احاطہ مولسری کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس کی من پر حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں' پہلے لینے والے آ رہے ہیں اور دودھ لے جا رہے ہیں کوئی گھڑا لے کر آ رہا ہے کوئی لوٹا کوئی پیالہ' کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے' مولانا رفیع الدین نے فرمایا کہ۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقع کا مطلب کیا ہے؟ مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورت مثال دارالعلوم کی ہے اور دودھ صورت مثال علم کی ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندہ علم نبی کریم ﷺ ہیں اور یہ آ آ کر دودھ لے جانے والے طلباء ہیں جو حسب ظرف علم لے لے کر جا رہے ہیں۔ یہ مبارک خواب بھی سراسر حقیقت بن گیا' دیوبند کی ایک قدیم چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں انار کا درخت ہے اس درخت کے نیچے سے علم کا یہ چشمہ پھوٹا اس چشمے نے ایک طرف دین کے چمن کی آبیاری کی' دوسری طرف اس کی تیز و تند رو نے شرک بدعت' فطرت پرستی' الحاد' دہریت اور آزادی فکر کے ان خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستے سے ہٹانا شروع کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روز بد دکھایا تھا۔

دارالعلوم کا سلسلہ اسناد:

دارالعلو دیوبند کا سلسلہ اسناد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے گزرتا ہوا نبی کریم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ولی اللہی سلسلے کے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا بلکہ اس میں مزید رنگ بھرا' اور دارالعلوم کے ذریعے ساری اسلامی دنیا میں اس رنگ کو پھیلا دیا' مولانا نانوتویؒ کے وصال کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دارالعلوم کے سرپرست رہے انہوں نے دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا' ان کے بعد دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے

دارالعلوم کی تعلیمات میں عاشقانہ والہانہ اور مجذوبانہ جذبات کا رنگ بھرا جس سے یہ صہبائے دیانت سہ آتشہ ہو گئی' مولانا محمد یعقوبؒ کے بعد دارالعلوم کے سر پرست شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ ہوئے جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تلمیذ خاص بلکہ علم وعمل میں نمونہ خاص تھے۔ شیخ الہندؒ نے چالیس سال دور صدارت میں تمام علوم وفنون کو اسلامی دنیا میں پھیلایا اور ہزارہا تشنگان علوم ان کے دریائے علم سے سیراب ہو کر اطراف عالم میں پھیلے اور دینی وعلمی خدمات میں مصروف رہے' حضرت شیخ الہندؒ کے فیض علمی سے سیراب وشاداب ہونے والے چند ممتاز حضرات یہ ہیں' امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مولانا عبید اللہ سندھیؒ مفتی کفایت اللہ دہلویؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' مولانا اشرف علی تھانویؒ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ۔

دارالعلوم کا مسلک:

مولانا قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں کہ:

''علمی حیثیت سے یہ ولی اللہیؒ جماعت مسلکاً'' اہل سنت والجماعت ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع و قیاس پر قائم ہے۔ اور اس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے' دارالعلوم کے فیض یافتہ ایک طرف علمی وقار استغناء (علمی حیثیت سے اور غناء نفس اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے وہیں فروتنی خاکساری اور ایثار وزہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور ہوئے' علم واخلاق' خلوت وجلوت اور مجاہدہ وجہاد کے مخلوط جذبات سے ہر دائرہ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کا امتیازی شان بن گئی' اس دارالعلوم کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدث' فقیہ' مفسر' مفتی' متکلم' صوفی اور حکیم ومربی ثابت ہوا' دارالعلوم نے اپنی علمی خدمات سے شمال میں سائبیریا سے لے کر جنوب میں سماترا اور جاوا اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہؐ روشنی پھیلا دی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔

دوسری طرف سیاسی خدمات سے بھی اس کے فضلائے کرام نے کسی وقت بھی پہلو تہی نہیں کی حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ تاہم تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت مسئلہ تعلیم ہی کو حاصل رہی اور اسی پہلو کو دارالعلوم نے نمایاں رکھا۔ اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم ومعرفت جامع عقل وعشق' جامع عقل واخلاق' جامع مجاہدہ وجہاد' جامع دیانت وسیاست' جامع روایت ودرایت' جامع خلوت وجلوت' جامع عبادت ومدنیت' جامع حکم و حکمت' جامع ظاہر وباطن اور جامع حال وقال ہے۔''

علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب:

دارالعلوم دیوبند نے اس نوعیت کے افراد پیدا کئے جنہوں نے تعلیم وتزکیۂ اخلاق وتصنیف رفتاء مناظرہ' صحافت' خطابت' تذکیر' تبلیغ' حکمت اور طب میں بیش بہا خدمات انجام دیں' ان ہزار ہا افراد نے کسی مخصوص خطے میں نہیں بلکہ پاک و ہند کے ہر صوبے اور بیرون ملک میں قابل قدر کارنامے انجام دیئے۔ ۱۲۸۲ھ سے ۱۴۱۰ھ تک کی مدت میں اگر دارالعلوم کی ان خدمات کا جائزہ لیا جائے جو اس نے انجام دیں تو معلوم ہوگا کہ ان گنت آفتاب و ماہتاب ہیں جو آسمان علم پر چمکے اور مخلوق خدا کو ظلمت جہل سے نکال کر نور علم سے مالا مال کر دیا دارالعلوم کے ان مشاہیر اور اہل علم کی فہرست تو بڑی طویل ہے تاہم چند اسمائے گرامی یہاں درج کئے جاتے ہیں ان میں سے ہر شخص اپنی جگہ ادارہ تھا اور ان کی خدمات ہر شعبے میں اتنی ہمہ گیر ہیں کہ ان کے تذکرے کے لئے الگ دفتر چاہیے۔ ان میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ' حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ' شیخ المشائخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ' مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ' مفتی کفایت اللہ دہلویؒ' مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ' مولانا عبید اللہ سندھیؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مولانا مناظر احسن گیلانیؒ' مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ' مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ' مولانا شمس الحق افغانیؒ' مولانا بدر عالمؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ' مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مفتی محمودؒ وغیرہم مثالی شخصیات ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے فیضان نے ایک طرف تو ایسی شخصیتیں پیدا کیں جس میں سے ایک ایک فرد اپنی جگہ مستقل جماعت کی حیثیت رکھتا ہے' دوسری طرف برصغیر میں دینی مدرسوں کا سلسلہ قائم کیا اندازہ ہے کہ دارالعلوم کی تاسیس کے بعد سے اب تک تقریباً تین ہزار مدارس ہندوستان و پاکستان کے مختلف حصوں میں قائم ہوئے' بیرون برصغیر بھی دارالعلوم کے علمی اثرات دور دور تک پہنچے' حتیٰ کہ مرکز اسلام وضبط وحی کی خدمت کے لئے بھی دارالعلوم ہمہ تن حاضر رہا' اس کے متعدد فضلاء نے حجاز مقدس میں مستقل افادہ و درس کا سلسلہ جاری کیا' مثلاً مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے حرم نبوی ﷺ میں برس ہا برس تک علوم کتاب وسنت کے دریا بہائے جن سے ہزاروں حجازی' شامی' عراقی اور مختلف بلاد اسلامیہ کے لوگوں نے اپنی پیاس بجھائی اور ان تک دارالعلوم کی سند پہنچی' پاکستان میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار' جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ خیر المدارس' دارالعلوم کراچی' جامعہ علوم اسلامیہ بنوری کراچی' جامعہ فاروقیہ کراچی' دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' جامعہ اشرفیہ پشاور' جامعہ اشرفیہ سکھر وغیرہ دینی مدارس دارالعلوم دیوبند کا نمونہ ہیں اور علمی خدمات میں مصروف ہیں۔

دارالعلوم کا سیاسی مسلک:

سیاسی میدان میں دارالعلوم دیوبند کی خدمات سورج کی طرح روشن ہیں' آزادی ہند کی تحریک اور پھر تحریک پاکستان میں دارالعلوم کے اکابر و اصاغر نے خوب خوب حصہ لیا اور مسلم لیگ کی تائید وحمایت کر کے تحریک پاکستان کو

زبردست تقویت بخشی۔ پاکستان کا وجود قائداعظم مرحوم کے بعد اکابر دیوبند کا مرہون منت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے کانگریس کا ساتھ دیا تھا اور اس سلسلے میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم کا نام نامی پیش کیا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ دارالعلوم کے شیخ التفسیر علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ دارالعلوم کے مہتمم علامہ قاری محمد طیب قاسمیؒ، دارالعلوم کے جلیل القدر محدث وفقیہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، دارالعلوم کے استادان حدیث مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ مولانا رسول خان ہزارویؒ، مولانا شمس الحق افغانی، اور دوسرے سینکڑوں فضلاء کرام جو مسلم لیگی تھے تحریک پاکستان میں ان کی خدمات کو نظر انداز کرنا تاریخی حقائق سے منہ موڑنا ہے، دارالعلوم دیوبند کا سیاسی مسلک کانگریس کی تائید وحمایت ہرگز نہ تھا بلکہ حضرت مدنیؒ کی یہ انفرادی رائے تھی، دارالعلوم کے پانچ بڑے عہدیداروں میں چار مسلم لیگی اور نظریۂ پاکستان کے حامی تھے ایک مولانا مدنیؒ کانگریس کے ہم خیال تھے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اکابر دیوبند مسلم لیگ میں شرکت کر کے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سواداعظم کی رہبری نہ کرتے تو مسلم لیگ کی طرف ہوا کا رخ موڑنا اور نظریۂ پاکستان کی طرف سیاست کے دھارے کا منہ پھیرنا ناممکن نہیں تو دشوار بہت تھا اس سلسلہ میں علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ:

''یہ کہنا تاریخی حقائق کا منہ چڑانا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام خدام یا متعلقین کانگریس کے موئید تھے، دارالعلوم کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے کانگریس کے خلاف مسلمانوں کی علیحدہ سیاسی تنظیم کی علی الاعلان حمایت کی اور مسلم لیگ کو مسلمانوں کے لئے بہتر قرار دیا، دارالعلوم کے صدر مہتمم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کی نہ صرف پرزور حمایت کی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظم کے بعد تصور پاکستان کے خاکہ میں رنگ بھرنے کا سب سے موثر عمل حضرت علامہ عثمانیؒ ہی کا تھا تو بے جا نہ ہوگا، آپ نے قرارداد پاکستان میں بیان جاری فرمائے۔ جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی، مضامین لکھے، پرزور تقاریر کہیں، پیرانہ سالی میں ہمت کو جوان کر کے قائداعظم کا پورا پورا ساتھ دیا یہاں تک کہ ہندوستان کی فضائیں پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھیں، مولانا ابوالکلام آزاد کی سحر آفرین خطاب کا جواب مسلم لیگ کے پاس شیخ الاسلام پاکستان کی وجد آفرین زبان تھی اور صوبہ سرحد اور سلہٹ مشرقی پاکستان کا ریفرنڈم تو شیخ الاسلام نے جیتا تھا شیخ الاسلام اگر پاکستان کی حمایت میں نہ نکلتے تو آج یہ علاقے بھی ہندوستان کے پاس ہوتے، صوبہ سرحد وسلہٹ کی پاکستان میں شمولیت دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم اور محدث اعظم کا پاکستان پر احسان عظیم ہے، حلقہ دیوبند سے شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ ہی پاکستان کی حمایت میں نہیں نکلے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ، حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ اور حکیم الامت تھانویؒ کے سب ہی دوسرے تمام خلفاء

پاکستان کے حامی تھے' دارالعلوم دیوبند کے پانچ بڑے عہدیداران سرپرست' صدر مہتمم' صدر مدرس' صدر مفتی اور مہتمم میں سے چار مسلم لیگ کے ہم خیال تھے اورعلی الاعلان مسلم لیگ کا ساتھ دیا' جولوگ پاکستان کی مخالفت میں دارالعلوم کا نام لیتے ہیں وہ پاکستان کی حمایت میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اوران کے رفقاء کی کوششوں کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے؟ انہیں اصولاً اس وقت کے سیاسی اختلافات سے دلچسپی نہیں بلکہ علماء کے خلاف ایک اندرونی بغض ہے جس کو وہ لوگ وقتاً فوقتاً اگلتے رہتے ہیں' مسلمانوں کو ایسے بے رحم انداز گفتگو سے محتاط رہنا چاہیے۔ علمائے دین کے خلاف اس قسم کے خیالات دین سے بیزاری کا ایک نیا عنوان ہے۔'' (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے احقر کی کتاب ''تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند''۔

مولانا ظفر علی خان:

دیوبند

شاد باش وشاذری اے سرزمین دیوبند ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
ملتِ بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند حکمت بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دو چند
اسم تیرا بامسمیٰ، ضرب تیری بے پناہ دیو استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند
تیری رجعت پر ہزار اقدام سو جاں سے نثار قرن اول کی خبر لائی تری الٹی زقند
تو علم بر دار حق ہے، حق نگہبان ہے ترا خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو کر لیا ان عالمانِ دین قیم نے پسند
جان کر دیں گے جو ناموس پیغمبرؐ پر فدا حق کے رستے پر کٹا دیں گے جو اپنا بند بند
کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند
اس میں قاسم ہوں کہ انور شہ کہ محمود الحسن سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج
جن سے پرچم ہے روایات سلف کا سر بلند

شاد باش وشاد زی اے سرزمین دیو بند

دارالعلوم دیو بند کی خدمات کی ہمہ گیری اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ شبلی کے جانشین سید سلیمان ندویؒ۔ دارالعلوم دیو بند کے سرپرست حکیم الامت تھانویؒ سے مجاز ہوئے۔ شیخ الہندؒ نے جامعہ ملیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ برصغیر پاک و ہند کے سب سے بڑے اشاعتی علمی ادارے کی بنیاد مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے رکھی۔ آج کل ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم سید ابوالحسن علی ندویؒ دارالعلوم کے ایک سرپرست حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے مرید باصفا ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے صدر شعبہ دینیات' دیو بند کے ایک معنوی فرزند مولانا سید احمد اکبرآبادیؒ ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے تحریک آزادی میں اتنا اہم رول ادا کیا کہ جس کی مثال مشکل ہی سے ملے گی اس دارالعلوم سے وابستہ ایک فرد سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب ہوئے۔ اور اسی دارالعلوم دیو بند کے ایک نامور بزرگ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی بدولت تحریک پاکستان کو خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ اور پھر جب پاکستان بنا تو اس نئی مملکت اسلامیہ کی پرچم کشائی کے لیے قائداعظم نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو منتخب کیا۔ اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ پاکستان کے شیخ الاسلام قرار پائے۔ اور ان کے بعد آج تک کسی کو یہ لقب قوم نے نہیں دیا۔

اکابر دیو بند

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِّ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سُخندانی

اکابر دیو بند کیا تھے؟

از شیخ الاسلام علامہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ اللہ تعالیٰ

اس کا جواب مختصر لفظوں میں یوں بھی دیا جا سکتا ہے کہ وہ خیر القرون کی یادگار تھے' سلف صالحین کا نمونہ تھے' اسلامی مزاج و مذاق کی جیتی جاگتی تصویر تھے' لیکن ان مختصر جملوں کی تشریح و تفصیل کرنے بیٹھیں تو اس کے لیے دفتر بھی ناکافی ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی خصوصیات کو لفظوں میں سمیٹنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔ اس لیے کہ ان کی خصوصیات کا تعلق درحقیقت اس مزاج و مذاق سے ہے جو صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کی سیرتوں اور ان کے طرز زندگی سے مستنیر تھا اور مزاج و مذاق وہ چیز ہے جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعہ ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کیا جا سکتا' جس طرح گلاب کی خوشبو کو سونگھا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی پوری کیفیت کو الفاظ میں ڈھالنا ممکن نہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے مزاج و مذاق کو ان کی صحبتوں اور ان کے واقعات سے سمجھا جا سکتا ہے مگر اس کی منطقی تعبیر ناممکن ہے۔

لہٰذا اس مضمون میں اکابر دیو بند کی خصوصیات و امتیازات کی نظری طور سے بیان کرنے کے بجائے ان کے چند متفرق واقعات سنانے مقصود ہیں جن سے ان کی خصوصیات زیادہ واضح اور آسان طریقے سے سمجھ میں آ سکیں گی۔ و باللّٰہ التوفیق۔

علم و فضل اور اس کے ساتھ تواضع وللّٰہیت

اگر صرف وسعت مطالعہ' قوت استعداد اور کثرت معلومات کا نام علم ہو تو یہ صفت آج بھی ایسی کمیاب نہیں لیکن اکابر دیو بند کی خصوصیت یہ ہے کہ علم و فضل کے سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود ان کی تواضع و فنائیت اور للّٰہیت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محاورہ زبان زد عام ہے کہ ''پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکتی ہے۔'' لیکن ہمارے زمانے میں اس محاورے کا عملی مظاہرہ جتنا اکابر دیو بند کی زندگی میں نظر آتا ہے اور کہیں نہیں ملتا۔ چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

۱- بانئ دار العلوم دیو بند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم بحر ناپیدا کنار تھے۔ ان کی تصانیف آب حیات' تقریر دلپذیر' قاسم العلوم' اور مباحثہ شاہ جہاں پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ ''میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے۔ اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے۔''

اور حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اب بھی مولانا (نانوتویؒ) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور و خوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں۔ اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔''[1]

ایسے وسیع و عمیق علم کے بعد، بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو، عموماً علم و فضل کا زبردست پندار ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں:

''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے، اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے، اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا۔''[2]

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ:

''حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھالیا کرتے تھے۔''[3]

۲- یہی حال حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ انہیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر حضرت مولانا نانوتویؒ نے ''ابوحنیفہ عصر'' کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامیؒ کو ''فقیہ النفس'' کا مرتبہ دینے کے لیے تیار نہ تھے، حضرت گنگوہیؒ کو ''فقیہ النفس'' فرمایا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ واقعہ سناتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا گنگوہیؒ رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی۔ سب طلباء کتابیں لے لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے۔''[4]

۳- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ؟ لیکن حضرت تھانویؒ راوی ہیں کہ ''ایک مرتبہ مراد آباد تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے وعظ کہنے کے لیے اصرار کیا۔ مولاناؒ نے عذر فرمایا کہ مجھے عادت نہیں ہے مگر لوگ نہ مانے تو اصرار پر وعظ کے لیے کھڑے ہو گئے اور حدیث "فقیه واحد اشد علی الشیطن من

---

۱ اشرف السوانح ص ۱۳۶، ۱۳۷ ج ۱۔ ۲ ارواح ثلاثہ ۱۶۷ نمبر ۲۳۰۔
۳ ارواح ثلاثہ ص ۲۰۶-۲۸۸۔ ۴ ایضاً ص ۲۲۷-۳۳۸۔

الف عابد" پڑھی اور اس کا ترجمہ یہ کیا کہ:

''ایک عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔''

مجمع میں ایک مشہور عالم موجود تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ:

''یہ ترجمہ غلط ہے اور جس کو ترجمہ بھی صحیح کرنا نہ آئے اس کو وعظ کہنا جائز نہیں۔''

حضرت شیخ الہندؒ کا جوابی ردعمل معلوم کرنے سے پہلے ہمیں چاہئے کہ ذرا دیر گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے؟ ترجمہ صحیح تھا اور ان صاحب کا انداز بیان توہین آمیز ہی نہیں' اشتعال انگیز بھی تھا۔ لیکن اس شیخ وقت کا طرز عمل سنئے' حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر:

''مولانا فوراً بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ''میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے وعظ کی لیاقت نہیں ہے مگر ان لوگوں نے نہیں مانا۔ خیر اب میرے پاس عذر کی دلیل بھی ہوگئی' یعنی آپ کی شہادت۔''

چنانچہ وعظ تو پہلے ہی ختم فرما دیا۔ اس کے بعد ان عالم صاحب سے بطرز استفادہ پوچھا کہ ''غلطی کیا ہے؟ تاکہ آئندہ بچوں'' انہوں نے فرمایا کہ اشد کا ترجمہ اثقل (زیادہ بھاری) نہیں بلکہ اضر (زیادہ نقصان دہ) کا آتا ہے۔'' مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ حدیث وحی میں ہے "یاتینی مثل صلصلة الجرس وھو اشد علی" (کبھی مجھ پر وحی گھنٹیوں کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے۔) کیا یہاں بھی اضر (زیادہ نقصان دہ) کے معنی ہیں؟ اس پر وہ صاحب دم بخود رہ گئے۔[1]

۴- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جب کانپور میں مدرس تھے۔ انہوں نے مدرسہ کے جلسہ کے موقع پر اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کو بھی مدعو کیا۔ کانپور میں بعض اہل علم معقولات کی مہارت میں معروف تھے اور کچھ بدعات کی طرف بھی مائل تھے۔ ادھر علمائے دیوبند کی زیادہ توجہ چونکہ خالص دینی علوم کی طرف رہتی تھی۔ اس لیے یہ حضرات یوں سمجھتے تھے کہ علمائے دیوبند کو معقولات میں کوئی درک نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ اس وقت نوجوان تھے اور ان کے دل میں حضرت شیخ الہندؒ کو مدعو کرنے کا ایک داعیہ یہ بھی تھا کہ یہاں حضرتؒ کی تقریر ہوگی تو کانپور کے ان علماء کو پتہ چلے گا کہ علمائے دیوبند کا علمی مقام کیا ہے اور وہ منقولات و معقولات دونوں میں کیسی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور حضرت شیخ الہندؒ کی تقریر شروع ہوئی۔ حسن اتفاق سے تقریر کے دوران کوئی معقولی مسئلہ زیر بحث آ گیا۔ اس وقت تک وہ علماء جن کو حضرت تھانویؒ شیخ الہندؒ کی تقریر سنانا چاہتے تھے' جلسہ میں نہیں آئے تھے جب حضرتؒ کی تقریر شباب پر پہنچی اور اس معقولی مسئلہ کا انتہائی فاضلانہ بیان ہونے لگا تو وہ علماء تشریف لے آئے جن کا حضرت تھانویؒ کو انتظار تھا۔ حضرت تھانویؒ اس موقع پر بہت مسرور ہوئے کہ اب ان حضرات کو شیخ الہندؒ کے علمی مقام کا اندازہ ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ

---

1 ارواح ثلاثہ ص ۲۸۶-۲۳۶

جوں ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ان علماء کو دیکھا۔ تقریر کو مختصر کر کے فوراً ختم کر دیا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ موجود تھے' انہوں نے یہ دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ:

''حضرت! اب تو تقریر کا اصل وقت آیا تھا' آپ بیٹھ کیوں گئے؟''

شیخ الہندؒ نے جواب دیا:

''ہاں دراصل یہی خیال مجھے بھی آ گیا تھا۔''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ مشہور ہے کہ کسی یہودی نے ان کے سامنے آنحضرت ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کر دی تھی تو وہ اس پر چڑھ دوڑے اور اسے زمین پر گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ یہودی نے جب اپنے آپ کو بے بس پایا تو کھسیانا ہو کر اس نے حضرت علیؓ کے روئے مبارک پر تھوک دیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ اس کو چھوڑ کر فوراً الگ ہو گئے اور پوچھنے پر بتایا کہ میں پہلے آنحضرت ﷺ کی محبت کی بناء پر اس یہودی سے الجھا تھا۔ اگر تھوکنے کے بعد کوئی کارروائی کرتا تو یہ اپنے نفس کی مدافعت ہوتی۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس عمل سے حضرت علیؓ کی یہ سنت تازہ فرما دی۔ مطلب یہی تھا کہ اب تک تو تقریر نیک نیتی سے خالص اللہ کے لیے ہو رہی تھی لیکن یہ خیال آنے کے بعد اپنا علم جتانے کے لیے ہوتی' اس لیے اسے روک دیا۔[1]

۵- مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا محمد معین الدین صاحب معقولات کے مسلّم عالم تھے۔ انہوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی شہرت سن رکھی تھی' ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا تو ایک مرتبہ دیو بند تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر پہنچ گئے۔ گرمی کا موسم تھا۔ وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے۔ مولانا معین الدین صاحبؒ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ ''مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے ملنا ہے۔'' وہ صاحب بڑے تپاک سے مولانا اجمیریؒ کو اندر لے گئے' آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ''ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔'' مولانا اجمیریؒ منتظر رہے' اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو پلایا۔ اس کے بعد مولانا اجمیریؒ نے کہا ''حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو اطلاع دیجئے۔'' ان صاحب نے فرمایا ''آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں'' تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا' مولانا اجمیریؒ نے کہا کہ ''میں مولانا محمود حسن صاحب سے ملنے آیا ہوں' آپ انہیں اطلاع کر دیجئے۔'' ان صاحب نے فرمایا ''انہیں اطلاع ہو گئی ہے آپ کھانا تناول فرمائیں ابھی ملاقات ہو جاتی ہے۔'' مولانا اجمیریؒ نے کھانا کھا لیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا

---

[1] یہ واقعہ مذکورہ تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اور اسی کا خلاصہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۷ میں بھی کیا ہے۔

شروع کر دیا۔ جب دیر گذر گئی تو مولانا اجمیریؒ برہم ہو گئے اور فرمایا کہ آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہو چکی ہے' ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی۔ اس پر وہ صاحب بولے کہ:

''دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں' البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے۔''

مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے اور پتہ چل گیا کہ حضرت شیخ الہندؒ کیا چیز ہیں؟[1]

۶- امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنی ایک مجلس میں نقل کیا کہ ایک عیسائی فیلسوف نے لکھا ہے کہ ''اسلام کی حقانیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزالیؒ جیسا محقق اور مدقق اسلام کو حق سمجھتا ہے۔'' یہ واقعہ بیان کر کے حکیم الامتؒ نے فرمایا'' میں کہتا ہوں کہ میرے زمانے میں مولانا انور شاہ صاحبؒ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایسا محقق اور مدقق عالم اسلام کو حق سمجھتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔''[2]

انہی حضرت شاہ صاحبؒ کا واقعہ حضرت مولانا محمد انوری صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مقدمہ بہاولپور کے موقع پر جب حضرت شاہ صاحبؒ نے قادیانیوں کے کفر پر بے نظیر تقریر فرمائی اور اس میں یہ بھی فرمایا کہ'' جو چیز دین میں تواتر سے ثابت ہو اس کا منکر کافر ہے۔'' تو قادیانیوں کے گواہ نے اس پر اعتراض کیا:

''آپ کو چاہئے کہ امام رازیؒ پر کفر کا فتویٰ دیں' کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلومؒ نے لکھا ہے کہ امام رازیؒ نے تواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔''

اس وقت بڑے بڑے علماء کا مجمع تھا' سب کو پریشانی ہوئی کہ فواتح الرحموت اس وقت پاس نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب کس طرح دیا جائے؟ مولانا محمد انوریؒ جو اس واقعے کے وقت موجود تھے' فرماتے ہیں:

''ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب نہ تھی۔ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے؟''

لیکن اس حیرانی کے عالم میں حضرت شاہ صاحبؒ کی آواز گونجی:

''جج صاحب! لکھئے' میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی' اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے۔ امام رازیؒ دراصل یہ فرماتے ہیں کہ حدیث لا تجتمع امتی علی الضلالۃ تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں

---

[1] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے ایک ہم سبق عالم مولانا مغیث الدین صاحب سے سنا تھا جو دیوبند سے فارغ ہو کر معقولات پڑھنے کے لئے اجمیر چلے گئے تھے اور آخر میں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ لیکن چونکہ واقعہ سنے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا تھا اس لئے چند سال پہلے حضرت والد صاحب مدظلہم نے ان سے حرم نبویؐ میں اس کی تصدیق فرمائی۔

[2] حیات انور ص ۱۱۹ بروایت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔

پہنچی، لہٰذا انہوں نے اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے، نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کا۔ ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے۔ ان کو کہو کہ عبارت پڑھیں، ورنہ میں ان سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں۔''

چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی۔ واقعی اس کا مفہوم وہی تھا جو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا۔ مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

''جج صاحب! یہ صاحب ہمیں مفحم (لاجواب) کرنا چاہتے ہیں۔ میں چونکہ طالب علم ہوں، میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں، میں ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔''[1]

ایک طرف علم و فضل اور قوت حافظہ کا یہ محیر العقول کارنامہ دیکھئے کہ بتیس سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا ایک جزوی حوالہ کتنی جزرسی کے ساتھ یاد رہا، دوسری طرف اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو نہ جانے کتنے بلند بانگ دعوے کرتا، لیکن خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے؟ اور یہ محض لفظ ہی نہیں ہیں وہ واقعتہً اپنے تمام کمالات کے باوصف اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبویؐ کے مظہر تھے کہ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا۔

حضرت مولانا محمد انوریؒ ہی راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحبؒ کشمیر تشریف لے جا رہے تھے، بس کے انتظار میں سیالکوٹ اڈے پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں۔ فرمایا ''نہیں! میں طالب علم ہوں۔'' اس نے کہا ''آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟'' فرمایا ''کچھ کچھ۔'' پھر ان کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ ''تم غلط سمجھے ہو۔ اس کی یہ شکل نہیں ہے۔'' پھر نبی کریم ﷺ کی نبوت پر چالیس دلائل دیئے، دس قرآن سے، دس تورات سے، دس انجیل سے، اور دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا کہ اگر مجھے اپنے مفادات کا خیال نہ ہوتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ نیز یہ کہ مجھے خود اپنے مذہب کی بہت سی باتیں آپ سے معلوم ہوئیں۔[2]

۷- احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے بار بار یہ واقعہ بیان فرمایا کہ جب میں دارالعلوم دیوبند میں ملا حسن پڑھاتا تھا تو ایک روز اس کی عبادت پر کچھ شبہ ہوا جو حل نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے اس کے بارے میں استفسار کرنا چاہئے چنانچہ میں کتاب لے کر ان کی تلاش میں نکلا، وہ اپنی جگہ پر نہیں تھے اور جب وہ اپنی جگہ پر نہ ہوں تو ان کا کتب خانہ میں ہونا متعین تھا۔ میں کتب خانہ میں پہنچا تو وہ کتب خانے کی بالائی

---

۱ انوار انوری، مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۳۲۔

۲ انوار انوری، مؤلفہ مولانا محمد انوریؒ ص ۳۶۔

گیلری میں بیٹھے مطالعہ میں مشغول تھے۔ میں ابھی نیچے ہی تھا کہ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اوپر ہی سے میرے آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ "ملاحسن کے ایک مقام پر کچھ اشکال ہے وہ سمجھنا تھا۔" وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا "عبارت پڑھیے" میں نے عبارت پڑھنی شروع کی تو بیچ میں ہی روک کر فرمایا: "اچھا! یہاں آپ کو یہ شبہ ہوا ہوگا" اور پھر بعینہ وہی اشکال دہرا دیا جو میرے دل میں تھا۔ میں نے تصدیق کی کہ واقعی یہی شبہ ہے۔ اس پر انہوں نے اس کے جواب میں وہیں سے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام اشکال کافور ہو گئے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ عرصہ دراز سے حدیث کی تدریس میں مصروف تھے اور منطق کی کتابوں سے واسطہ تقریباً ختم ہو گیا تھا لیکن اس کے باوجود یہ حافظہ اور یہ استحضار کرشمہ قدرت نہیں تو اور کیا ہے؟

۸- احقر نے اپنے والد ماجد سے بھی سنا ہے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہم سے بھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ۱۳۲۱ھ میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ کی مشہور شرح ہدایہ "فتح القدیر" اور اس کے تکملہ کا مطالعہ بیس سے کچھ زائد ایام میں کیا تھا اور کتاب الحج تک اس کی تلخیص لکھی تھی اور انہوں نے صاحب ہدایہ پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کا جواب بھی لکھا تھا۔ اس کے بعد مدت العمر "فتح القدیر" کی مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور کسی تازہ مطالعہ کے بغیر اس کی نہ صرف باتوں بلکہ طویل عبارتوں تک کا حوالہ سبق میں دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ انہوں نے ۱۳۴۷ھ میں ہم سے یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا:

> "چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا' اگر مراجعت کرو گے تو تفاوت کم پاؤ گے۔"[۱]

۹ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مدظلہم حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ درس سے فراغت کے بعد میں جب بھی حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو پہلے سے لکھے ہوئے متعدد سوالات کے جواب ان سے معلوم کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کی حاضری میں ترمذی شریف کی ایک عبارت کا حوالہ میں نے دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے' بہت غور کیا لیکن حل نہیں ہو سکا۔ فرمایا "مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا' مجھے خوب یاد ہے کہ جس سال آپ دورہ میں تھے' اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہو گئی ہے لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور انہیں پتہ نہیں چلتا' ورنہ یہ اشکال سب کو پیش آنا چاہئے۔" پھر فرمایا کہ "صحیح عبارت اس طرح ہے۔" مولانا نعمانی مدظلہم لکھتے ہیں:

> "اللہ اکبر! یہ بات بھی یاد رہتی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات فرمائی تھی۔"[۲]

۱۰- حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ایک تصنیف کے سلسلہ میں ابوالحسن کذاب کے

---

۱ نفحۃ العنبر ص ۷۲ طبع مجلس علمی کراچی۔ ۲ حیات انور ص ۱۳۹۔

حالات کی ضرورت تھی، مجھے ان کی تاریخ نہ ملی۔ چنانچہ میں حسب معمول حضرت شاہ صاحبؒ کے در دولت پر پہنچ گیا۔ اس وقت مرض وفات اپنی آخری حد پر پہنچ چکا تھا اور دو تین ہفتے بعد وصال ہونے والا تھا۔ کمزور بے حد ہو چکے تھے، ابتدائی گفتگو کے بعد میں نے آنے کی غرض بتائی تو انہوں نے فرمایا کہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجئے! اور تقریباً آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسماء یاد بھی نہ رہیں گے۔ نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لیے اتنا طویل وعریض مطالعہ کروں۔ بس آپ ہی اس شخص کی دروغ گوئی کے متعلقہ واقعات کی دو چار مثالیں بیان فرما دیں، میں انہی کو آپ کے حوالہ سے جزوِ کتاب بنا دوں گا۔ اس پر مسکرا کر ابوالحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وار بیان فرمانی شروع کر دی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے رہے۔ آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔

حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان اس طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلاً اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے تعجب آمیز لہجے میں عرض کیا کہ ''حضرت! شاید کسی قریبی زمانے ہی میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہوگی''؟ سادگی سے فرمایا'' جی نہیں! آج سے تقریباً چالیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا۔ خدیوی کتب خانہ میں مطالعہ کے لیے پہنچا تو اتفاقاً اسی ابو الحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آ گیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا، بس اسی وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظہ میں محفوظ ہو گئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہو گئیں جن کا میں نے اس وقت تذکرہ کیا۔''[1]

۱۱- یہی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ تحریک خلافت کے دور میں جب امارت شرعیہ (عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنے) کا مسئلہ چھڑا تو مولوی سبحان اللہ خان صاحب گورکھپوری نے اپنے بعض نقاط نظر کی تائید میں بعض سلف کی عبارت پیش کی جو ان کے نقطہ نظر کی تو مؤید تھی مگر مسلک جمہور کے خلاف تھی، یہ عبارت وہ لے کر خود دیوبند تشریف لائے اور مجمع علماء میں اسے پیش کیا۔ تمام اکابر و دارالعلوم حضرت شاہ صاحبؒ کے کمرے میں جمع تھے۔ حیرانی یہ تھی کہ نہ اس عبارت کو رد ہی کر سکتے تھے کہ وہ سلف میں سے ایک بڑی شخصیت کی عبارت تھی اور نہ اسے قبول ہی کر سکتے تھے کہ مسلک جمہور کے صراحۃً خلاف تھی۔ یہ عبارت اتنی واضح اور صاف تھی کہ اسے کسی تاویل و توجیہ سے بھی مسلک جمہور کے مطابق نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ استنجاء کے لیے تشریف لے گئے ہوئے تھے وضو کر کے واپس ہوئے تو اکابر نے عبارت اور مسلک کے تعارض کا تذکرہ کیا اور یہ کہ ان دونوں باتوں میں تطبیق بن نہیں پڑتی۔ حضرت ممدوحؒ حسب عادت ''حسبنا اللہ''

---

[1] حیات انور ص ۲۲۵ تا ۲۲۸

کہتے ہوئے بیٹھ گئے اور عبارت کو ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا کہ اس عبارت میں جعل اور تصرف کیا گیا ہے اور دو سطروں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہے۔ درمیان کی ایک سطر چھوڑ دی گئی ہے۔ اسی وقت کتب خانہ سے کتاب منگائی گئی۔ دیکھا تو واقعی اصل عبارت میں سے پوری ایک سطر درمیان سے حذف ہوئی تھی۔ جوں ہی اس سطر کو عبارت میں شامل کیا گیا عبارت کا مطلب مسلک جمہور کے موافق ہو گیا اور سب کا تحیر رفع ہو گیا۔[1]

۱۲- حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہم فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے علماء میں اختلاف ہو گیا۔ فریقین نے حضرت شاہ صاحبؒ کو حکم بنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دونوں کے دلائل غور سے سنے۔ ان میں سے ایک فریق اپنے مؤقف پر فتاویٰ عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

''میں نے دارالعلوم کے کتب خانہ میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں یہ عبارت ہرگز نہیں ہے لہٰذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں۔''[2]

ایسے علم و فضل اور ایسے حافظہ کا شخص اگر بلند بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق پہنچ سکتا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اس قافلہ رشد و ہدایت کے فرد تھے جس نے من تواضع للہ کی حدیث کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب انہوں نے حضرت مولانا بنوری مدظلہم کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کے ساتھ ''الحبر البحر'' (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لے کر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوری سے فرمایا:

''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''[3]

پھر ایسا شخص جو ہمہ وقت کتابوں ہی میں مستغرق رہتا ہو' اس کا یہ جملہ ادب و تعظیم کتب کے کس مقام کی نشان دہی کرتا ہے کہ:

''میں مطالعہ میں کتاب کو اپنا تابع کبھی نہیں کرتا' بلکہ ہمیشہ خود کتاب کے تابع ہو کر مطالعہ کرتا ہوں۔''

چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

''سفر و حضر میں ہم لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ لیٹ کر مطالعہ کر رہے ہوں یا کتاب پر کہنی ٹیک کر مطالعہ میں مشغول ہوں' بلکہ کتاب کو سامنے رکھ کر مؤدب انداز سے بیٹھتے' گویا کسی شیخ کے آگے بیٹھے ہوئے استفادہ کر رہے ہوں۔''

---

[1] حیات انور ص ۲۲۹' ۲۳۰۔

[2] نفحۃ العنبر ص ۲۷۔

[3] حیات انور ص ۲۳۳۔

اور یہ بھی فرمایا کہ:

''میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک دینیات کی کسی کتاب کا مطالعہ بے وضو نہیں کیا۔''[۱]

۱۳- دارالعلوم کی تاریخ میں یہ جملہ بہت معروف ہے کہ دارالعلوم کی ابتداء دو ایسے بزرگوں سے ہوئی جن دونوں کا نام محمود تھا اور دونوں قصبہ دیوبند کے باشندے تھے۔ ان میں شاگرد تو وہ محمود تھے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے نام سے معروف ہوئے اور استاد حضرت ملا محمود صاحبؒ تھے۔ راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملا محمود صاحبؒ نے فرمایا کہ سنن ابن ماجہؒ پر جو حاشیہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ محدث دہلویؒ کے نام سے چھپا ہوا ہے اس کا بڑا حصہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے مجھ سے لکھوایا ہے۔ ان کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طلباء نے اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ وجہ یہ تھی کہ علم کے دعوے اور نام ونمود کی خواہشات سے اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ خصلت بزرگ کو ایسا پاک رکھا تھا کہ عام آدمی کو یہ پہچاننا بھی مشکل تھا کہ یہ کوئی بڑے عالم ہیں۔

اپنا گھریلو سودا سلف اور گوشت ترکاری خود بازار سے خرید کر لاتے اور گھر میں عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارتے تھے مگر علوم کے استحضار اور حفظ کا عالم یہ تھا کہ راقم کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب کی ایک بڑی کتاب (جو غالباً منطق یا اصول فقہ کی کتاب تھی) اتفاقاً درس سے رہ گئی تھی، انہیں یہ فکر تھی کہ دورہ حدیث شروع ہونے سے پہلے یہ کتاب پوری ہو جائے چنانچہ انہوں نے ملا محمود صاحبؒ سے درخواست کی، ملا صاحبؒ نے فرمایا کہ اوقات مدرسہ کے علاوہ بھی میرے تمام اوقات اسباق سے بھرے ہوئے ہیں صرف ایک وقت ہے کہ جب میں گھر کا گوشت ترکاری لینے کے لیے بازار جاتا ہوں، یہ وقت خالی گذرتا ہے تم ساتھ ہو جاؤ تو اس وقفے میں سبق پڑھا دوں گا۔ احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ فرماتے تھے کہ کتاب بڑی اور مشکل تھی جس کو دوسرے علماء غور و مطالعہ کے بعد بھی مشکل سے پڑھا سکتے تھے۔ مگر ملا محمود صاحبؒ نے کچھ راستہ میں، کچھ قصاب کی دوکان پر یہ تمام کتاب ہمیں اس طرح پڑھا دی کہ کوئی مشکل ہی نظر نہ آئی۔[۲]

۱۴- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے، حضرتؒ طالب علمی کے زمانے ہی سے اپنی قوت استعداد ذہانت و فطانت اور علم و عمل میں مصروف تھے۔ لیکن جب ۱۳۰۰ھ میں آپ دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے، اور دستار بندی کے لیے دیوبند میں بہت بڑا اور شاندار جلسہ منعقد کرنے کی تجویز ہوئی تو حضرت تھانویؒ اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ ''حضرت! ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی اور سند فراغ دی

---

۱ حیات انور ص ۲۳۳۔

۲ ''میرے والد ماجد'' مؤلفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۵۴، ۵۵۔

جائے گی۔ حالانکہ ہم اس قابل ہرگز نہیں اس تجویز کو منسوخ فرمادیا جائے ورنہ اگر ایسا کیا گیا تو مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی۔'' حضرت نانوتویؒ کو یہ سن کر جوش آ گیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے' یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لیے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے' باہر جاؤ گے تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی' جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے۔[1]

سادگی اور مخلوق خدا کا خیال

۱۵- حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی اکابر دیوبند میں ہے۔ ان کے علم وفضل کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد اور حضرت عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے ہم سبق ہیں۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لیے جارہا تھا' بوجھ زیادہ تھا اور وہ بمشکل چل رہا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا!'' اجی! تم کہاں رہتے ہو؟'' انہوں نے کہا:'' بھائی! میں کاندھلہ میں رہتا ہوں۔'' اس نے کہا:'' وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں'' اور یہ کہہ کر ان کی بڑی تعریفیں کیں' مگر مولاناؒ نے فرمایا:'' اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے' ہاں نماز تو پڑھ لے ہے۔'' اس نے کہا'' واہ میاں! تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو''؟ مولاناؒ نے فرمایا:'' میں ٹھیک کہتا ہوں۔'' وہ بوڑھا ان کے سر پر ہو گیا' اتنے میں ایک اور شخص جو مولاناؒ کو جانتا تھا' اس نے بوڑھے سے کہا'' بھلے مانس! مولوی مظفر حسین یہی ہیں'' اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔''[2]

۱۶- انہی مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی عادت یہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرۃ یہ کہ اس زمانے میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے' عموماً چیزیں غلے کے عوض خریدی جاتی تھیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے تھے۔[3]

۱۷- یہی حال دیوبند کے مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ علم وفضل کا تو یہ عالم کہ آج ان کی'' عزیز الفتاوی'' عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور فتویٰ کے

---

[1] اشرف السوانح۔ ج ا ص ۳۲۔

[2] ارواح ثلاثہ ص ۱۴۸ نمبر ۱۸۸۔

[3] ارواح ثلاثہ ۱۵۳-۱۹۷۔

ساتھ شغف کا یہ حال کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا تھا۔[1] لیکن سادگی، تواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''کوئی کیسے سمجھے کہ یہ کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامات صوفی اور صاحب نسبت شیخ ہیں جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار کا سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ ۔ے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا بھی خود لاتے، بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کو پہنچاتے۔''[2]

راقم الحروف نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ہی سے زبانی سنا کہ اسی سودا سلف لانے میں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب حضرت مفتی صاحبؒ کسی عورت کو سودا دینے کے لیے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی:

''مولوی صاحب! یہ تو آپ غلط لے آئے ہیں، میں نے یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی۔'' چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا۔

۱۸- حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد تھے، ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں ہوں گے، علوم قرآن وسنت کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق، مگر بہت کم گو، حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔

انہی کا واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں، ہر سال برسات کے مواقع پر اس کی لپائی تپائی ناگزیر تھی جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم) نے حضرت میاں صاحبؒ سے کہا کہ: ''حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں، اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کر لیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات ہو۔''

یہ سن کر فرمایا: ''ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی، ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا۔'' پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی اور تب پتہ چلا کہ یہ حضرات کس مقام سے سوچتے تھے؟ فرمایا کہ:

''میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں، اگر میں اپنا مکان پکا بنوا لوں تو غریب پڑوسیوں کو

---

[1] نقوش وتاثرات: مولفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم ص ۳۴۔

[2] مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۴۳۔

حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے مکان پکے بنواؤں۔''

حضرت والد صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوسکتی' چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے۔''[1]

۱۹- انہی حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب مدظلہم ان کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آموں سے تواضع کی' جب آم چوس کر فارغ ہو گئے تو والد صاحب مدظلہم گٹھلیوں اور چھلکوں سے بھری ہوئی ٹوکری اٹھا کر باہر پھینکنے کے لیے چلے' حضرت میاں صاحبؒ نے دیکھا تو پوچھا: ''یہ ٹوکری کہاں لے کر چلے؟'' عرض کیا: ''چھلکے باہر پھینکنے جا رہا ہوں'' ارشاد ہوا'' پھینکنے آتے ہیں یا نہیں؟'' والد صاحب نے کہا کہ'' حضرت! یہ چھلکے پھینکنا کون سا خصوصی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟'' فرمایا: ''ہاں! تم اس فن سے واقف نہیں' لاؤ' مجھے دو۔'' خود ٹوکری اٹھا کر پہلے چھلکے گٹھلیوں سے الگ کئے' اس کے بعد باہر تشریف لائے اور سڑک کے کنارے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے معین جگہوں پر چھلکے رکھ دیئے اور ایک خاص جگہ گٹھلیاں ڈال دیں۔ والد صاحب کے استفسار پر ارشاد ہوا کہ ہمارے مکان کے قریب و جوار میں تمام غرباء و مساکین رہتے ہیں' زیادہ تر وہی لوگ ہیں جن کو نان جویں بھی بمشکل ہی میسر آتی ہے' اگر وہ پھلوں کے چھلکے یکجا دیکھیں گے تو ان کو اپنی غریبی کا شدت سے احساس ہوگا اور بے مائیگی کی وجہ سے حسرت ہوگی اور اس ایذاء دہی کا باعث میں بنوں گا اس لیے متفرق کر کے ڈالتا ہوں اور وہ بھی ایسے مقامات پر جہاں جانوروں کے گلے گزرتے ہیں' یہ چھلکے ان کے کام آ جاتے ہیں اور گٹھلیاں ایسی جگہ رکھی ہیں جہاں بچے کھیلتے کودتے ہیں' وہ ان گٹھلیوں کو بھون کر کھا لیتے ہیں' یہ چھلکے اور گٹھلیاں بھی بہر حال ایک نعمت ہیں' ان کو بھی ضائع کرنا مناسب نہیں۔''

راقم الحروف کے برادر مرحوم مولانا محمد زکی کیفی صاحب جو اس واقع کے وقت موجود تھے' تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنے کی ہے کہ میاں صاحبؒ خود تو شاید ہی کبھی کوئی آم چکھ لیتے ہوں' عموماً مہمانوں ہی کے لیے ہوتے تھے اور محلے کے غریب بچوں کو بلا بلا کر کھلانے میں استعمال ہوتے تھے' اس کے باوجود چھلکے گٹھلیوں کا یکجا ڈھیر کر دینے سے گریز فرماتے تھے کہ غریبوں کی حسرت کا سبب نہ بن جائیں۔''[2]

۲۰- انہی حضرت میاں صاحبؒ کا معمول تھا کہ جو کھانا گھر سے آتا تھا' خود تو بہت کم خوراک کھاتے تھے' باقی کھانا محلے

---

[1] نقوش و تاثرات ص ۴۰

[2] ماہنامہ البلاغ کراچی۔ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص ۳۸'۳۹ ج ا مضمون حضرت میاں صاحب۔

کے بچوں کو کھلا دیتے تھے جو بوٹی بچ جاتی اس کو بلی کے لیے دیوار پر رکھ دیتے اور جو ٹکڑے بچ جاتے ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے چڑیوں کے لیے اور دستر خوان کے ریزوں کو بھی ایسی جگہ جھاڑتے تھے جہاں چیونٹیوں کا بل ہو۔[1]

۲۱- شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم کے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کے عشاق اب بھی شاید لاکھوں سے کم نہ ہوں' ان کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ طلباء ان کے نام سے تھراتے تھے حالانکہ مارنے پیٹنے کا کوئی معمول نہ تھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم بھی ان کے شاگرد ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے ساتھ ہم چند آدمی سفر پر روانہ ہوئے' سفر کے آغاز میں مولاناؒ نے فرمایا کہ ''کسی کو اپنا امیر بنا لو۔'' ہم نے عرض کیا کہ ''امیر تو متعین ہے'' مولاناؒ نے فرمایا: ''مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے لیکن امیر کی اطاعت کرنی ہوگی۔'' ہم نے عرض کیا ''ان شاء اللہ ضرور!'' اب جو روانگی ہوئی تو مولاناؒ نے اپنا اور ساتھیوں کا سامان خود اٹھا لیا۔ ہم نے دوڑ کر سامان لینا چاہا تو فرمایا ''نہیں! امیر کی اطاعت ضروری ہے'' پھر سفر کے ہر مرحلے میں مشقت کا ہر کام خود کرنے کے لیے آگے بڑھتے اور کوئی کچھ بولتا تو اطاعت امیر کا حکم سناتے۔

۲۲- حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دار العلوم دیوبند کے خسر محترم جناب مولانا محمود صاحب رام پوریؒ رام پور کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دینی شغف اور دنیوی وجاہت وریاست دونوں کے اعتبار سے ممتاز تھا' اور تمام اکابر دیوبند سے اس کے تعلقات تھے۔ جب یہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دیوبند آئے تو ان کا قیام دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں ہوا جو ''چھوٹی مسجد'' ہی کے نام سے معروف تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم سے آتے جاتے ادھر ہی سے گزرا کرتے تھے۔ ایک روز وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں مولانا محمود صاحب رام پوری کھڑے تھے' حضرت شیخ الہندؒ کو ان کے دیوبند آنے کا حال معلوم نہ تھا' اس لیے ان سے پوچھا کہ کب آئے؟ کیسے آئے؟ انہوں نے تفصیل بیان کی اور بتایا کہ اسی مسجد کے ایک حجرے میں مقیم ہیں۔ حضرتؒ حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کے رہنے کی جگہ دیکھی۔ وہاں ان کے سونے کے لئے ایک بستر فرش ہی پر بچھا ہوا تھا' اس وقت تو حضرتؒ یہ دیکھ کر تشریف لے آئے لیکن یہ خیال رہا کہ مولانا محمود صاحب رام پور کے رئیس زادے ہیں' انہیں زمین پر سونے کی عادت نہیں ہوگی اور یہاں تکلیف اٹھاتے ہوں گے' چنانچہ گھر جا کر ایک چارپائی خود اٹھالی اور اسے لے کر چھوٹی مسجد کی طرف چلے' وہاں سے فاصلہ کافی تھا' لیکن حضرتؒ اسی حالت میں گلیوں اور بازار سے گزرتے ہوئے چھوٹی مسجد پہنچ گئے۔ اس وقت مولانا محمود صاحبؒ مسجد سے نکل رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کو خیال آیا کہ یہ مجھے چارپائی اٹھائے ہوئے دیکھیں گے تو انہیں ندامت ہوگی کہ میری خاطر شیخ الہندؒ نے اتنی تکلیف اٹھائی' چنانچہ انہیں دیکھتے ہی چارپائی نیچے رکھ دی اور فرمایا:

---

[1] ماہنامہ البلاغ کراچی' ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ ص ۳۹ ج ۱۔

''لومیاں! یہ اپنی چارپائی خود اندر لے جاؤ، میں بھی شیخ زادہ ہوں کسی کا نوکر نہیں۔''[1]

انابت وتقویٰ

۲۳- اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو انابت وتقویٰ کے ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ یہ "سیماھم فی وجوھھم" کی مثال بن گئے تھے۔ اور لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے۔ مولانا محمد انوریؒ فرماتے ہیں کہ مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ گاڑی کے انتظار میں تشریف فرما تھے، ارد گرد خدام کا مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لیے آرہے تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے اور پھر یہ زیارت ہی ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئی۔ وہ کہتے تھے کہ ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے۔''[2]

۲۴- تمام اکابر دیوبند کا مشترک رنگ یہ تھا کہ وہ حروف ونقوش کے کتابی علم کو اس وقت تک اہمیت نہیں دیتے تھے جب تک اس کے ساتھ انابت الی اللہ اور صلاح وتقویٰ نہ ہو۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے جب خانقاہ تھانہ بھون میں مدرسہ امدادیہ قائم فرمایا تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو اس کی اطلاع دی، حضرتؒ نے جواب میں تحریر فرمایا:

''اچھا ہے بھائی، مگر خوشی تو جب ہوگی جب یہاں اللہ اللہ کرنے والے جمع ہو جاویں گے۔''[3]

۲۵- چنانچہ دار العلوم دیوبند کی بنیاد ہی انابت الی اللہ پر تھی، راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ فرماتے تھے کہ

''ہم نے دار العلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جس میں صدر مدرس سے لے کر ادنیٰ مدرس تک اور مہتمم سے لے کر دربان اور چپراسی تک سب کے سب صاحب نسبت بزرگ اور اولیاء اللہ تھے۔ دار العلوم اس زمانہ میں دن کو دار العلوم اور رات کو خانقاہ معلوم ہوتا تھا کہ اکثر حجروں سے آخر شب میں تلاوت اور ذکر کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور در حقیقت یہی اس دار العلوم کا طغرائے امتیاز تھا۔''[4]

۲۶- دار العلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ اگرچہ ضابطے کے عالم نہ تھے لیکن حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلویؒ کے خلیفہ اور اس درجے کے بزرگ تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا:

---

[1] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے اور ان کو خود حضرت مولانا محمود صاحب رام پوری رحمہ اللہ نے سنایا تھا۔　[2] انوار انوری ص ۴۰۔　[3] ارواح ثلاثہ ص ۲۲۴ نمبر ۲۲۷۔

[4] ''میرے والد ماجد'' از حضرت مفتی محمد شفیع مدظلہم ص ۵۲

''مولانا رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ میں سوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہیؒ عالم ہیں اور وہ عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں۔''[1]

ان کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک گائے پال رکھی تھی جس کی دیکھ بھال ایک خادم کے سپرد تھی۔ ایک روز اتفاقاً وہ خادم کسی وجہ سے گائے کو مدرسہ کے صحن میں باندھ کر کسی کام کو چلا گیا۔ دیوبند کے باشندے کوئی صاحب ادھر آ نکلے، مولاناؒ کی گائے کو مدرسہ کے صحن میں دیکھا تو مولاناؒ سے شکایت کی کہ ''کیا مدرسہ کا صحن آپ کی گائے پالنے کے لیے ہے''؟ مولاناؒ نے ان سے کوئی عذر بیان کرنے کے بجائے یہ گائے دارالعلوم ہی کو دے دی اور قصہ ختم کر دیا، حالانکہ مولانا کا عذر بالکل واضح اور ظاہر تھا، مگر یہ حضرات اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کا پہلو اختیار ہی نہ کرتے تھے۔[2]

۲۷- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے اس دور کے مہتمم تھے۔ جب دارالعلوم کا کام بہت زیادہ پھیل گیا تھا، طلباء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ بہت سے نئے شعبے قائم ہو چکے تھے اور ان کا انتظام شبانہ روز مصروفیات کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن احقر نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ظلہم سے سنا ہے کہ اس دور میں بھی نماز اور تلاوت کے دیگر معمولات کے علاوہ روزانہ سوا لاکھ اسم ذات کا معمول کبھی قضا نہیں ہوتا تھا اور اللہ پر توکل کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان اٹھا اور بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی جان کے بھی دشمن ہو گئے، ایسے حالات میں وہ رات کو دارالعلوم کی کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے، بعض بہی خواہوں نے عرض کیا کہ ایسے حالات میں آپ کو اس طرح نہ سونا چاہئے بلکہ احتیاط کے مدنظر کمرے کے اندر سونا چاہئے۔ مولاناؒ نے جواب میں فرمایا کہ: میں تو اس باپ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا، لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔''[3]

یہ دیوبند کے وہ بزرگ ہیں جو خالص انتظامی کاموں میں مصروف تھے اور جیسا کہ انتظامی امور کا خاصہ ہے وہ بعض مرتبہ مورد اعتراض بھی بنے اور عموماً اولیاء اللہ کی فہرست میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

۲۸- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم و تدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہو جاتے اور فجر تک نوافل و ذکر میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا، حضرتؒ کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتی تھی اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے،

---

[1] اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۳۹۔

[2] ''میرے والد ماجد'' ص ۶۰۔

[3] یہ واقعہ احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے (م ت ع)

یہاں تک کہ حضرتؒ کے پاؤں پر ورم آ جاتا اور حتی تو رمت قدماہ کی سنت نبویہ نصیب ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرتؒ کا ضعف بہت زیادہ ہو گیا' اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا۔ آخر مجبور ہو کر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحب کو کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجئے۔ حضرتؒ کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا اس لیے خوشی سے منظور کر لیا۔ تراویح ختم ہو گئی اور اندر حافظ صاحب لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہندؒ۔ لیکن تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے' انہوں نے ہوشیار ہو کر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہندؒ تھے۔ ان کی حیرت و ندامت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن مولاناؒ فرمانے لگے کہ: ''نہیں بھائی' کیا حرج ہے؟ تمہاری طبیعت اچھی نہیں' ذرا راحت آ جائے گی۔''[1]

۲۹- حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات پہلے بھی آ چکے ہیں' ان کا علم و فضل اور حیرت انگیز حافظہ اس قدر مشہور ہوا کہ ان کی دوسری خوبیاں ان میں گم ہو گئیں ورنہ انابت و تقویٰ اور سلوک و تصوف میں بھی انہیں ممتاز مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم سے انہوں نے خود بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ میں کشمیر سے آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک صاحب مل گئے جو پنجاب کے ایک مشہور پیر کے مرید تھے' ان کی خواہش اور ترغیب یہ تھی کہ میں بھی ان پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اتفاق سے وہ مقام میرے راستے میں پڑتا تھا۔ اس لیے میں نے بھی ارادہ کر لیا۔ ہم پیر صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑے اکرام سے پیش آئے' کچھ باتیں ہوئیں' پھر وہ مریدین کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان پر توجہ ڈالنی شروع کی جس سے وہ بے ہوش ہو ہو کر لوٹنے اور تڑپنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا ''میرا جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ پر بھی یہ حالت طاری ہو سکے تو مجھ پر آپ توجہ فرمائیں۔'' انہوں نے توجہ دینی شروع کی' اور میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پاک کا مراقبہ کر کے بیٹھ گیا۔ بے چاروں نے بہت زور لگایا لیکن مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا' کچھ دیر کے بعد انہوں نے خود فرمایا کہ آپ پر اثر نہیں پڑ سکتا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بتاتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ واقعہ سنا کر غیر معمولی جوش کے ساتھ فرمایا:

> ''کچھ نہیں ہے' لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک کرشمہ ہے ان باتوں کا خدارسیدگی سے کوئی تعلق نہیں' اگر کوئی چاہے اور استعداد ہو تو ان شاء اللہ تین دن میں یہ بات ہو سکتی ہے کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز سنائی دینے لگے۔ لیکن یہ بھی کچھ نہیں۔ اصل چیز تو بس احسانی کیفیت اور شریعت و سنت پر استقامت ہے۔''[2]

---

[1] حیات شیخ الہندؒ۔ از مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۹۔

[2] حیات انور ص ۱۵۵ تا ۱۵۷۔

تبلیغ و دعوت کا انداز

۳۰- اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جہاں تبلیغ و دعوت دین کا جذبہ عطا فرمایا تھا وہاں اسے ''حکمت'' اور ''موعظہ حسنہ'' کے اصول پر انجام دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی تھی۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کا تذکرہ پہلے بھی آ چکا ہے۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کا گزر جلال آباد یا شاملی سے ہوا۔ وہاں ایک مسجد ویران پڑی تھی' آپ نے پانی کھینچ کر وضو کیا' مسجد میں جھاڑو دی اور بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی ہیں اور رنڈی باز ہیں' اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔

مولاناؒ یہ سن کر خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے' وہ نشہ میں مست تھے اور رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ مولاناؒ نے ان سے فرمایا: ''بھائی خان صاحب! اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں! اور یہ مسجد آباد ہو جائے۔'' خان صاحب نے کہا کہ مجھ سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بری عادتیں چھٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے وضو ہی پڑھ لیا کرو اور شراب نہیں چھوٹتی تو وہ بھی پی لیا کرو۔ اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے' کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت! آپ سے دو باتیں ایسی سرزد ہوئیں جو کبھی نہ ہوئی تھیں' ایک یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں بہت روئے۔ فرمایا کہ: ''سجدے میں' میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت! کھڑا تو میں نے کر دیا' اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔'' چنانچہ ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا' اپنا عہد یاد آیا' پھر خیال آیا کہ آج پہلا دن ہے' لاؤ غسل کر لیں' کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے۔ چنانچہ غسل کیا' پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد باغ کو چلے گئے۔ عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی' مغرب کے بعد گھر پہنچے تو ایک طوائف موجود تھی۔ پہلے کھانا کھانے گھر میں گئے۔ وہاں جو بیوی پر نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ باہر آ کر رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔[1]

۳۱- امیر شاہ خان صاحب (مرحوم) راوی ہیں کہ جب منشی ممتاز علی کا مطبع میرٹھ میں تھا۔ اس زمانہ میں مطبع میں مولانا نانوتویؒ بھی ملازم تھے۔ اور ایک حافظ جی بھی نوکر تھے۔ یہ حافظ جی بالکل آزاد تھے۔ رندانہ وضع تھی چوڑی دار پاجامہ پہنتے تھے۔ داڑھی چڑھاتے تھے۔ نماز کبھی نہ پڑھتے تھے۔ مگر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ان کی نہایت گہری دوستی تھی۔

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۵۰'۱۵۱ نمبر ۱۹۱۔

وہ مولانا کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے اور مولانا ان کو نہلاتے اور کمر ملتے تھے۔ مولانا ان کے کنگھا کرتے تھے اور وہ مولانا کے کنگھا کرتے تھے۔ اگر کبھی مٹھائی وغیرہ مولانا کے پاس آتی تو ان کا حصہ ضرور رکھتے تھے غرض بہت گہرے دوست تھے۔ مولانا کے بعض دوست ایسے آزاد شخص کے ساتھ مولانا کی دوستی سے ناخوش تھے' مگر وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کا دن تھا حسب معمول مولانا نے حافظ جی کو نہلایا اور حافظ جی نے مولانا کو جب نہلا چکے تو مولانا نے فرمایا حافظ جی مجھ میں اور تم میں دوستی ہے اور یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارا رنگ اور ہو میرا رنگ اور اس لئے میں بھی تمہاری ہی وضع اختیار کر لیتا ہوں تم اپنے کپڑے لاؤ میں بھی وہی کپڑے پہنوں گا اور میری یہ داڑھی موجود ہے تم اس کو بھی چڑھاؤ اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ نہ کپڑے اتاروں گا نہ داڑھی۔ وہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ مجھے اپنے کپڑے دیجئے میں آپ کے کپڑے پہنوں گا اور یہ داڑھی موجود ہے اس کو آپ اتار دیں چنانچہ مولانا نے ان کو کپڑے پہنائے اور داڑھی اتار دی اور وہ اس روز سے پکے نمازی اور نیک وضع بن گئے۔[1]

۳۲- دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب جن کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے' ایک مرتبہ انہوں نے محسوس کیا کہ بعض حضرات مدرسین دارالعلوم کے مقررہ وقت سے کچھ دیر میں آتے ہیں تو آپ نے حاکمانہ محاسبہ کے بجائے یہ معمول بنالیا کہ روزانہ کو دارالعلوم کا وقت شروع ہونے پر دارالعلوم کے دروازے کی قریب ایک چارپائی ڈال کر اس پر بیٹھ جاتے اور جب کوئی استاد آتے تو سلام و مصافحہ اور دریافت خیریت پر اکتفاء فرماتے زبان سے کچھ نہ کہتے کہ آپ دیر سے کیوں آئے۔ اس حکیمانہ سرزنش نے تمام مدرسین کو وقت کا پابند بنا دیا البتہ صرف ایک مدرس اس کے بعد بھی کچھ دیر سے آتے تھے ایک روز جب وہ وقت مقررہ کے کافی بعد مدرسہ میں داخل ہوئے تو سلام اور دریافت خیریت کے بعد انہیں پاس بٹھا کر فرمایا۔

> ''مولانا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے مشاغل بہت ہیں ان کی وجہ سے دارالعلوم پہنچنے میں دیر ہو جاتی ہے ماشاءاللہ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اور میں ایک بے کار آدمی ہوں خالی پڑا رہتا ہوں آپ ایسا کریں اپنے گھریلو کام مجھے بتلا دیا کریں میں خود جا کر ان کو انجام دے دیا کروں گا تا کہ آپ کا وقت تعلیم کے لئے فارغ ہو جائے۔''

اس حکیمانہ طرز خطاب کا اثر ہونا تھا وہ ہوا اور وہ مدرس بھی آئندہ ہمیشہ کے لئے وقت کے پابند ہو گئے۔[2]

۳۳- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاح خلق کی توفیق خاص

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۲۴۷ نمبر ۲۲۶۔

[2] ''میرے والد ماجد'' از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۵۹۔

اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔ اردو کے مشہور شاعر جناب جگر مرادآبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے حضرت تھانویؒ سے ذکر کیا کہ جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا اس لیے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں؟ حضرت نے خواجہ صاحب سے پوچھا پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ میں نے کہہ دیا ہاں یہ تو صحیح ہے ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ''واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریق کو سمجھ گئے ہیں مگر معلوم ہوا ہے کہ ہمارا خیال غلط تھا۔'' خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیتے کہ ''جس حال میں ہو اسی میں چلے جاؤ ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اسی بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے۔''

چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہوگئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنایا انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سن کر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کرلیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے پاس نہ جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے حالت نازک ہوگئی۔ اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدرِ ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی۔ لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس ام الاخبائث کو ہاتھ نہ لگایا۔ اللہ تعالیٰ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں اس وقت بھی حق تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفاء کامل حاصل ہوئی اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا۔[1]

۳۴- غالباً شملہ کے کسی کالج میں حضرت تھانوی کا بیان ہوا وہاں آپ نے فرمایا کہ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو جو شبہات پیدا ہوتے ہیں وہ صرف نصاب تعلیم کا ہی قصور نہیں بلکہ اس کا بڑا سبب وہ لادینی ماحول ہے جس میں ہماری نئی نسل پلتی اور ڈھلتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ بزرگ علماء وصلحاء کی مجلسیں بحمد اللہ ہر جگہ کچھ نہ کچھ قائم ہیں کچھ دن اس ماحول میں رہنے کی عادت ڈالیں۔

غالباً اسی مجلس میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کو انگریزی پڑھنے والوں سے نفرت ہے؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں ان لوگوں سے کوئی نفرت نہیں البتہ ان کے بعض اعمال و افعال سے نفرت ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ یہ صاحب بولے وہ اعمال و افعال کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ ''مختلف لوگوں کے مختلف اعمال ہیں سب یکساں نہیں'' یہ صاحب بھی خوب آزاد آدمی تھے کہنے لگے کہ ''مثلاً مجھ میں کیا ہیں؟'' آج کل کے عام وضع طلباء کی طرح ان کی بھی داڑھی نہیں تھی حضرت نے فرمایا ''بعض چیزیں تو ظاہر ہیں مگر مجمع میں اس کا اظہار کرنے سے حیاء مانع ہے اور

---

[1] مجالس حکیم الامت، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۵۸۔

آپ کے باقی حالات و معاملات مجھے معلوم نہیں جس پر کوئی رائے ظاہر کرسکوں۔'' یہ جلسہ ختم ہوا حضرت تھانہ بھون واپس آ گئے پھر اتفاقاً کالج کی تعطیل ہوئی تو ایک طالب علم کا خط آیا خط میں لکھا تھا کہ ہماری اس وقت تعطیل ہے میں آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق کچھ دن آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں مگر میری ظاہری صورت بھی شریعت کے مطابق نہیں اور اعمال و افعال میں بھی بہت گڑبڑ ہے۔ ان حالات میں حاضری کی اجازت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا جس حالت میں ہیں چلے آئیں فکر نہ کریں۔ یہ صاحب آ گئے اور عرض کیا کہ مجھے بہت سے شبہات و اشکالات ہیں ان کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مناسب ہے مگر ان کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ آپ کے جتنے شبہات ہیں ان سب کو لکھ لیں اور آپ مجلس میں بیٹھ کر ہماری باتیں سنیں کوئی سوال نہ کریں جب آپ کی مدت قیام کے تین دن رہ جائیں اس وقت یاد دلائیں تو میں آپ کو سوالات کا مستقل وقت دوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو سوالات آپ لکھ کر رکھیں گے اس عرصہ میں کسی سوال کا جواب سمجھ میں آ جائے تو اس کو کاٹ دیں۔

ان صاحب نے ایسا ہی کیا اور جب رخصت سے تین روز پہلے حضرت نے سوالات کا وقت دیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے سوالات کی بہت طویل فہرست تھی مگر دوران قیام اکثر سوالات کے جواب خود سمجھ میں آ گئے ان کو کاٹتا رہا اب صرف چند سوال باقی ہیں چنانچہ یہ سوالات انہوں نے پیش کئے اور حضرت سے ان کے جوابات پا کر ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو گئے۔[1]

مخالفین سے سلوک

۳۵- اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بداخلاقی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے نہ ان کی تردید میں دل آزار اسلوب کو پسند کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے بلکہ جہاں تک ہو سکتا بداخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی و خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خادم خاص حضرت امیر شاہ خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا خورجہ تشریف لائے اور وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چونکہ وہ مخالفین مسلک کے تھے اس لئے) میری زبان سے (طنز کے طور پر) بجائے فضل رسول فصل رسول نکل گیا مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ ''لوگ ان کو کیا کہتے ہیں''؟ میں نے کہا ''فضل رسول'' آپ نے فرمایا تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟ حضرت تھانوی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ حضرات تھے جو لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب کے پورے عامل تھے حتیٰ کہ مخالفین کے

---

[1] مجالس حکیم الامت: حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص ۶۰-۶۲۔

معاملہ میں بھی'' ۔[1]

۳۶- بریلی کے مولوی احمد رضا خان صاحب نے اکابر دیو بند کی تکفیر اور ان پر سب وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے' ان فرشتہ خصلت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن حضرت گنگوہیؒ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے' ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے فرمایا کہ ان کی تصنیفیں ہمیں سنادو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں اس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا:

''اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں تم سناؤ آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کرلیں'' ۔[2]

اللہ اکبر یہ ہے حق پرستوں کا شیوہ کہ مخالفین بلکہ دشمنوں کی باتیں بھی ان کی دشنام طرازیوں سے قطع نظر اس نیت سے سنی جائیں کہ اگر اس سے اپنی کوئی غلطی معلوم ہو تو اس سے رجوع کرلیا جائے۔

۳۷- مولانا محمود صاحب رام پوری (جن کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے) فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے' میں حضرت شیخ الہند کے ہاں مہمان ہوا اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھانا کھا کر میرے پاس آ گیا کہ میں بھی یہاں ہی رہوں گا اس کو ایک چارپائی دے دی گئی۔ جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے' میں لیٹا رہا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو میں امداد کروں گا ورنہ خواہ مخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے کیوں پریشان کروں۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے اور اس کی چارپائی پر بیٹھ کر اس کے پیر دبانے شروع کیے۔ وہ خراٹے لے کر خوب سوتا رہا۔ مولانا محمود صاحب کہتے ہیں کہ میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آپ تکلیف نہ کریں میں دبا دوں گا۔ مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سوؤ یہ میرا مہمان ہے میں ہی اس کی خدمت انجام دوں گا مجبوراً میں چپ رہ گیا اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔[3]

۳۸- مولانا احمد احسن صاحب پنجابی مدرس کانپور نے ''ابطال امکان کذب'' میں ایک مبسوط رسالہ تحریر کر کے شائع کیا جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور ان کے ہم عقیدہ حضرات کو فرقہ ضالہ مزداریہ میں (جو معتزلہ میں سے ایک گروہ ہے) داخل کر دیا اور اس پر تقریظ لکھنے والوں نے تو اکابر دین کی نسبت زبان درازی کی انتہاء کر دی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کو یہ رسالہ دیکھ کر طیش تو بہت آیا لیکن علم وتقویٰ کا مقام بلند ملاحظہ فرمایئے گا کہ غیظ وغضب کے جذبات

---

[1] ارواح ثلاثہ ص ۱۷۵۔۲۲۸

[2] ارواح ثلاثہ ص ۲۱۱-۳۰۸

[3] ارواح ثلاثہ ص ۲۸۵-۴۳۲

کو پی کر ارشاد فرمایا:

''ان گستاخ لوگوں کو برا کہنے سے تو اکابر کا انتقام پورا نہیں لیا جا سکتا اور ان کے اکابر کی نسبت کچھ کہہ کر اگر دل ٹھنڈا کیا جائے تو وہ لوگ معذور بے قصور ہیں۔''[1]

۳۹- حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح وتربیت کے لئے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ جون پور میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا۔ وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں دو چار باتیں کہی گئی تھیں ایک تو یہ کہ تم جولا ہے ہو دوسرے یہ کہ جاہل ہو تیسرے یہ کہ کافر ہو اور چوتھے یہ کہ سنبھل کر بیان کرنا۔

حضرت تھانویؒ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ'' یہ جو لکھا ہے کہ تم جولا ہے ہو تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے میں یہاں کوئی رشتہ ناتے کرنے تو نہیں آیا احکام الٰہی سنانے کے لئے حاضر ہوا ہوں سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟ دوسرے یہ چیز اختیاری بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرما دیا سب تو میں اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور سب اچھی ہیں اگر اعمال واخلاق اچھے ہوں۔ یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی۔ رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی لیکن پھر بھی اگر کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وطن کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجئے معلوم ہو جائے گا میں جولاہا ہوں یا کس قوم کا؟ اور اگر مجھ پر اطمینان نہ ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں' رہا جاہل ہونا اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں جاہل بلکہ اجہل ہوں لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو تو اس پر عمل نہ کرے۔ اور کافر ہونے کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں۔''

اشھدان لا الہ الا اللّٰہ واشھدان محمد رسول اللّٰہ۔

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا تو لیجئے اب نہیں رہا۔ آخر میں سنبھل کر بیان کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا۔ رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف

---

[1] حیات شیخ الہندؒ از حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ص ۱۸۳۔

عرض کئے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے۔ قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس میں کسی گروہ کی دل آزاری ہو یا فساد پیدا لیکن اگر اصول شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایسے مسئلہ کے ذکر کی ضرورت ہی پیش آ جاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رکتا بھی نہیں اس لئے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔ سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیجئے اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روکے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا اور بیٹھ جاؤں گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے یا اگر خود کہتے ہوئے انہیں شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا پڑھا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں۔ یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب اور بدعتی خیال کے تھے اور جن کا وہاں بہت اثر تھا کڑک کر بولے'' یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے آپ وعظ کہئے آپ کیسے فاروقی ہیں؟'' حضرت نے فرمایا:

''میں ایسی جگہ کا فاروقی ہوں جہاں کے فاروقیوں کو یہاں کے لوگ جولا ہے سمجھتے ہیں۔''

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے مسجد کا تو احترام کیجئے۔ پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زور شور کا وعظ ہوا اتفاق سے دوران وعظ میں بلا قصد کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا بھی ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے بلا خوف لومۃ لائم خوب ہی رد کیا لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو وعظ روک دیں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ' سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے کیونکہ اس وقت تصوف کے رنگ پر بیان ہو رہا تھا لیکن جب رد بدعات پر ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی خدا کا بڑا فضل تھا کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی انہوں نے وہیں ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا لیکن اس وقت انہوں نے دم نہیں مارا چپکے بیٹھے سنتے رہے لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہو گیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑھے اور جواب دینا چاہا لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں پھر حضرت والا نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی ورنہ میں احتیاط کرتا' میں نے تو جو بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا مگر اب کیا ہو سکتا ہے اب تو بیان ہو چکا ہے ہاں ایک صورت اب بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر رہے گی۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد سب لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے جب بہت شور وغل ہوا تو حضرت والا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

''صاحب ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں میں آج مچھلی شہر جا رہا ہوں اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں کہ جنہوں نے خط بھیجا ہے وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے فساد کی ہرگز ضرورت نہیں۔''

پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کے لئے آگے بڑھے تھے کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

''صاحبو آپ جانتے ہیں کہ میں مولویہ بھی ہوں، قیامیہ بھی مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔''[1]

۴۰- احقر نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے متعلقین میں سے کسی صاحب نے اہل بدعت کی تردید میں ایک رسالہ لکھا تھا اہل بدعت نے اس کا جو رد لکھا اس میں انہیں کافر قرار دیا۔ اس عمل کے جواب میں ان صاحب نے دو شعر کہے۔

مراد کافر گر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے راجزا باشد دروغے[2]

انہوں نے حضرت شیخ الہند کو یہ شعر سنائے تو آپ نے شعری لطافت کی تو تعریف کی لیکن ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ تم نے ان کو لطافت کے ساتھ ہی سہی کافر تو کہہ دیا حالانکہ فتویٰ کی رُو سے وہ کافر نہیں ہیں' اس لیے ان اشعار میں اس طرح ترمیم کرلو۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغ کذب رانہ بود فروغے

---

[1] اشرف السوانح ج۱ص ۶۸-۷۲۔

[2] تم نے مجھے کافر کہا' مجھے اس کا غم نہیں کیونکہ جھوٹ کا چراغ جلانہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا' کیوں کہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہوسکتی ہے۔

مسلمانت بخوانم در جوابش
دہم شکر بجائے تلخ دوغے
اگر تو مومنی فبہا' والاّ
دروغے را جزابا شد دروغے[۲]

یہ چند واقعات ہیں جو کسی خاص اہتمام اور تحقیق و جستجو کے بغیر زیر قلم کئے۔ اس مختصر مضمون میں اس قسم کے واقعات کا احاطہ مقصود نہیں' اگر کوئی بندہ خدا مزید تحقیق و جستجو اور مطالعہ کے بعد ان حضرات کے ایسے واقعات یکجا کر دے تو علم و دین کی بڑی خدمت ہو لیکن مذکورہ چند واقعات اکابر دیو بند کے حسن و جمال کی ایک جھلک دکھانے کے لئے امید ہے کافی ہوں گے۔

للّٰہ الحمد اولا و اخرا۔

---

[۱] ''تم نے مجھے کافر کہا' مجھے اس کا غم نہیں کیوں کہ جھوٹ کا چراغ جلا نہیں کرتا۔ میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہوں گا اور تلخی کا جواب شیرینی سے دوں گا۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو خیر ورنہ جھوٹ کی سزا جھوٹ ہی ہو سکتی ہے۔''

﴿۱﴾

شیخ الاسلام پاکستان

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۰۵ھ

وفات: ۱۳۶۹ھ

حضرت مولنا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام پاکستان

(از------------مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی)

''مدیر الفرقان نے جناب مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی زید مجدہم سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے عم محترم استاذنا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر ایک مقالہ تحریر فرمائیں۔ ہم شکرگزار ہیں کہ انہوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود مندرجہ ذیل مقالہ ارقام فرمادیا جو بلا مبالغہ دریا بکوزہ کی مثال ہے مفتی صاحب نے یہ مقالہ ایک سفر میں عجلت میں تحریر فرمایا ہے اس لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بعض اہم واقعات اس میں ذکر سے رہ گئے ہیں۔ راقم سطور کے توجہ دلانے پر مفتی صاحب نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر توفیق ملی تو ان شاء اللہ کبھی اس کا تکملہ لکھ دیا جائے گا۔''

عم محترم کا پہلا نام ''فضل اللہ'' تھا۔ دوسرا نام جس سے مشہور ہوئے ''شبیر احمد'' ہوا۔ جو شاید عشرۂ محرم میں پیدائش کی وجہ سے رکھا گیا تھا------------فوائد قرآن مجید کے ختم پر تحریر فرمایا ہے:

العبد الفقیر فضل اللّٰہ الموعوبہ شبیر احمد بن مولانا فضل الرحمن عثمانی و کان ابی سمانی فضل اللّٰہ و کان ینشد ذلك فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء ولو کرہ الاعداء من کل حاسد۔

ولادت:

تاریخ ولادت ۷ رمحرم الحرام ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۵ء ہے۔ دادا مرحوم مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ان دنوں بریلی کے علاقے میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے' مولانا کی ولادت وہیں ہوئی ہے۔ شجرہ نسب حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے جو معلوم ومعروف ہے۔ والد ماجد حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند اور بڑے چچا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند' آپ کے بڑے بھائی تھے اور دوسرے بھائی مولوی محبوب الرحمٰن (مولوی یعقوب الرحمٰن مرحوم سابق لکچرار دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے والد) اور مولانا مطلوب الرحمٰن (میاں عامر

عثمانی مرحوم کے والد) تھے جو دونوں ان سے بڑے تھے۔ بابو سعید احمد پوسٹل پنشنر اور سابق ناظم محاسبی دارالعلوم دیوبند اور بابو فضل حق پوسٹ ماسٹر چھوٹے بھائی تھے بابو فضل حق فضلی کی لڑکی عزیزہ منیبہ مولانا کی زیر پرورش رہی' گویا یہی ان کی اولاد تھی۔ بھائیوں میں اب کوئی نہیں' سب رخصت ہو چکے ہیں۔ مولوی محبوب الرحمٰن صاحب ملک کی تقسیم سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے' بابو سعید احمد تقسیم کے بعد ہندوستان میں اور بابو فضل حق فضلی پاکستان میں فوت ہوئے۔

ابتدائی تعلیم:

۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ قرآن کے استاذ حافظ محمد عظیم صاحب دیوبندی کے سامنے ''بسم اللہ'' کی تقریب ہوئی اور قرآن مجید کے ساتھ اردو کی بعض کتابیں بھی پڑھیں۔ یہاں یہ بات لائق ذکر ہے کہ مرحوم اگرچہ بہت صاف اور رواں قرآن پڑھتے تھے لیکن باضابطہ حافظ نہیں تھے ایک زمانہ کے بعد حفظ قرآن کا شوق ہوا اور بیس پارے یاد کر لئے۔ سولہ پارے شروع کے اور چار آخر کے قرآن مجید پہلے ہی سے خوب رواں تھا۔ باقاعدہ حفظ کے بعد تو اس روانی میں عجیب کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک سال ہماری مسجد (چھوٹی مسجد) میں پورے مہینے کا اعتکاف کیا۔ دن رات کے بڑے حصے میں تلاوت ہی کرتے تھے۔ میں نے ایک دفعہ عرض کیا'' بیس پارے تو آپ نے باقاعدہ حفظ کر لئے ہیں۔ باقی دس بھی ہو جاتے تو اچھا تھا۔'' فرمایا۔'' اب منشابہے قابو میں نہیں آتے اور کچا حفظ اچھا نہیں لگتا۔ انہیں بیس پاروں کو قابو میں رکھتا ہوں۔

حضرت والد ماجد کی رحلت کے بعد ایک مرتبہ چھوٹی مسجد میں میرا قرآن پاک تراویح میں بڑے شوق سے سنا۔ میں نے چاہا ختم کی تقریب یوں ہی سادہ طریقہ سے ہو جائے۔ شیرینی وغیرہ کا اہتمام نہ کیا جائے' فرمایا اس خشکی اور سختی کی ضرورت نہیں ہے شیرینی تقسیم ہوگی۔'' چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

۱۳۱۴ء میں حساب کے مشہور استاذ مولانا ظہور احمد صاحب استاذ درجہ علیا دارالعلوم دیوبند کے والد جناب منشی منظور احمد صاحب سے حساب اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور فارسی کی بڑی کتابیں استاذ الکل مولانا محمد یٰسین صاحب والد ماجد مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم سے پڑھیں۔ میری ولادت کے سال ۱۳۱۹ھ میں دارالعلوم میں عربی کی تعلیم شروع کی۔

فراغت اور تدریس کا آغاز:

۱۳۲۵ھ میں فراغت پائی' دورۂ حدیث میں اول نمبر آئے' فراغت کے بعد چند ماہ دارالعلوم میں درس دیا اور پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو کر تشریف لے گئے مرحوم کے دو پرانے ساتھی علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم دیوبندی بھی اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہو کر پہنچ گئے' اس طرح تینوں قدیم دوست یکجا ہو گئے ۱۳۲۵ھ میں جد محترم مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا انتقال ہو گیا۔ میری عمر اس وقت ۶ سال کی تھی۔ اس وقت کی

بہت سی باتیں یاد ہیں۔ دادا مرحوم ڈولے میں بیٹھ کر پنشن لینے جایا کرتے تھے اور واپس آ کر بچوں کو پیسے تقسیم کرتے تھے' مجھے بھی دو آنے دیا کرتے تھے۔

دارالعلوم کا جلسہ دستار بندی اور اس میں مولانا کی تقریر:

۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیو بند کا عدیم النظیر تاریخی جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ اسی اجتماع سے دارالعلوم کی غیر معمولی شہرت کا آفتاب بام عروج پر پہنچا اور نشاۃ ثانیہ کی ابتداء ہوئی۔ مرحوم کی پہلی وہ تقریر جس سے تقریر و بیان میں ان کا تفوق امتیاز ظاہر ہوا اسی اجتماع میں ہوئی تھی' اسی تقریر پر ایک بزرگ نے فرمایا تھا ''شبیر کو اچھی تقریر کرنے کا ڈھنگ آ گیا ہے اس وقت کسی کو خبر نہ تھی کہ آگے چل کر یہی شبیر ملک بلکہ دنیائے اسلام کے عظیم خطیب اور عدیم المثال مقرر ہوں گے۔

دارالعلوم میں باضابطہ استاذ کی حیثیت سے تقرر:

اسی سال ۱۳۲۸ھ میں آپ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ اور دارالعلوم کے دوسرے ذمہ دار حضرات نے دارالعلوم میں استاد کی حیثیت سے آپ کے باضابطہ تقرر کا فیصلہ کیا اور شروع ہی سے اہم اسباق آپ کے ذمہ ہوئے اور پانچ چھ سال کے بعد جب حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۳۳۳ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا تو اس کے بعد سے بالخصوص مسلم شریف کا درس آپ ہی سے متعلق رہا جس کی ملک کے درسی حلقوں میں غیر معمولی شہرت تھی۔

موتمر الانصار کا اجلاس مراد آباد اور مرحوم کا زبردست مقالہ:

شوال ۱۳۲۸ھ مطابق اپریل ۱۹۱۱ء میں موتمر الانصار مراد آباد کے باوقار اور عظیم الشان اجلاس میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی فرمائش پر مولانا نے اپنا مشہور مقالہ ''الاسلام'' پڑھا۔ اس مقالہ میں وجود باری تعالیٰ' توحید و رسالت' حشر نشر اثبات ملائکہ اور دوسرے اہم مسائل پر جدید محققانہ رنگ میں بحث کی گئی تھی۔ اس ماحول اور اس وقت کے لحاظ سے یہ مقالہ غیر معمولی تھا۔ علمی دنیا میں اس کے انداز بیان اور طریق استدلال کی خوب خوب داد دی گئی۔ یہ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ اس مقالہ کی اشاعت کے بعد مرحوم کی قوت تحریر و تقریر کی پورے ملک میں دھوم مچ گئی۔

العقل والنقل اور دوسرے اہم مضامین و رسائل:

۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں ''العقل والنقل'' کے نام سے ایک اہم معیاری کتاب تالیف فرمائی۔ اس کتاب میں نہایت دلکش اور دل پذیر انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور کبھی عقل کی کوتاہی یا نقل کی صحت میں قصور کی وجہ سے اختلاف پیش آ جائے تو اس کا فیصلہ کس طرح ہونا چاہئے۔

دراصل یہ مقالہ اس وقت کی خاص فضا اور عقل زدہ ماحول کے ہنگاموں سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد

مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کے میدان میں تیزی سے قدم بڑھائے۔ ''الدار الآخرہ'' ''اعجاز القرآن'' ''الشہاب'' ''تحقیق خطبہ جمعہ'' سجود الشمس'' ''حجاب شرعی'' ''خوراک عادات'' ''الروح فی القرآن'' وغیرہ متعدد تصانیف اور مقالے لکھے۔

''الدار الآخرہ'' .... موتمر الانصار کے اجلاس میرٹھ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ مطابق اپریل ۱۹۱۲ء میں یہ مقالہ لکھا تھا اس اجلاس میں میں بھی شریک تھا۔ یہ میری عمر کا بارھواں سال تھا۔ اس اجلاس میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بھی بڑی غیر معمولی تقریر ہوئی تھی۔ ''الدار الآخرہ'' فلسفیانہ رنگ میں ہے اور آخرت کے وجود اور اثبات کے لئے اس کے دلائل دل پذیر اور تقاضۂ وقت کے مطابق ہیں۔ مولانا مرحوم نے یہ مقالہ بھی حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی فرمائش اور مسلسل تقاضوں پر تحریر فرمایا تھا۔ مقالے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ہمارے محترم بزرگ مولانا عبیداللہ ناظم جمعیۃ الانصار جنہوں نے کسی نامعلوم مصلحت اور حسن ظن کی بنا پر یہ عنوان میرے سپرد کیا ہے اس کے گواہ ہیں کہ میں نے اس جلسے سے تین روز پہلے بنام خدا یہ تحریر لکھنا شروع کر دی۔ (القاسم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ)

''اعجاز القرآن'' .... اپنی نوعیت اور اپنے رنگ کا نہایت مدلل رسالہ ہے جس میں قرآن کریم کے اعجاز اور اس کے خدا کا کلام ہونے پر ادبی اسلوب و بیان میں فاضلانہ بحث کی گئی ہے اور قرآن پاک کے معجز ہونے کے دلائل ایسے انداز میں دیئے گئے ہیں جس کے بعد کسی سلیم الفطرت کو شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔

''الشہاب'' .... قتل مرتد کے ثبوت میں یہ ایک محققانہ رسالہ ہے۔ کوٹھی (دارالاہتمام دارالعلوم دیوبند) میں تمام اساتذہ کی موجودگی میں جب یہ مضمون پڑھا گیا تو ایک عجیب طرح کا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ میں اس اجتماع میں شریک تھا۔ مولانا کے پڑھنے کا طریقہ ایسا دل آویز و دلکش ہوتا تھا کہ زبان یا قلم سے اس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔

''سجود الشمس'' .... یہ مقالہ ماہنامہ القاسم ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں شائع ہوا تھا بعد میں یہ مستقل رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا۔ اس مضمون کا حوالہ ''فوائد القرآن'' میں حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے:

> ''حدیث میں ہے کہ سورج شام کو جب غروب ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جا کر سربسجود ہوتا ہے اور طلوع سے پہلے بارگاہ خداوندی میں عرض کرتا ہے میں اب کہاں سے طلوع ہوں؟ حکم ہوتا ہے کہ حسب دستور مشرق سے، تا آنکہ ایک روز وہ وقت آئے گا کہ اس کو مغرب سے طلوع ہونے کا حکم ہوگا۔ اس آیت "والشمس تجری لمستقر لھا ذلك تقدیر العزیز العلیم۔" کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے یہاں اس کی تشریح کا موقع نہیں اس پر ہمارا مستقل مضمون ''سجود الشمس'' کے نام سے چھپا ہوا ہے، ملاحظہ کر لیا جائے۔''

''حجاب شرعی'' .... یہ مضمون قیام ڈابھیل کے زمانے میں تحریر فرمایا تھا۔ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں ہم سب

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مدرس تھے اور مرحوم کے ساتھ ایک بلڈنگ میں رہتے تھے۔ تحریر مضمون کا خاص داعیہ یہ ہوا تھا کہ شاہ امان اللہ خان امیر کابل ۱۹۲۷ء کے شروع میں اپنی اہلیہ ثریا بیگم کے ہمراہ یورپ گئے تھے۔ ملکہ ثریا کے متعلق افواہیں پھیلیں کہ وہاں انہوں نے پردہ ترک کر دیا ہے' اس پروپیگنڈے نے اتنا زور پکڑا کہ افغانستان میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ اور امیر امان اللہ خاں کو تخت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا تھا۔ اس میں اپنے خاص رنگ میں دلائل شرعیہ سے پردۂ شرعی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اساتذہ جامعہ کے اجتماع میں مرحوم نے یہ مضمون ایک خاص جذبے کے ساتھ پڑھا تھا۔ مضمون میں شرعی دلائل کے علاوہ مصلحت عامہ کے فلسفے سے بھی بحث کی گئی ہے اور اس طرح یہ مقالہ مدلل ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہو گیا ہے۔ ''فوائد قرآن'' میں یہ آیات حجاب کی تفسیر کے سلسلے میں مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ تفصیل ہمارے رسالے ''حجاب شرعی'' میں ہے۔''

''خوارق عادات'' .... یہ رسالہ بھی ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء میں تحریر فرمایا تھا۔ اس میں معجزات و کرامات اور قانون قدرت کے باہمی تعلق پر عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں جدید طرز پر گفتگو کی ہے اور اس سے مرحوم کی قدیم و جدید معلومات کی وسعتوں کا صحیح طرح اندازہ ہوتا ہے' اس مضمون کو پڑھ کر حضرت سیدی واستاذی مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ نے جو تقریظ تحریر فرمائی وہ پڑھنے کے لائق ہے۔ خود مولانا نے ''فوائد قرآن'' میں اس مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے ''خوارق عادات'' پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔''

''الروح فی القرآن'' .... اس رسالے میں مسئلہ روح پر نہایت وسیع و لطیف اور فلسفیانہ پیرایہ بیان میں فاضلانہ بحث کی گئی ہے مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں مرحوم کا یہ مقالہ پڑھ کر یہ رائے تحریر فرمائی تھی کہ اس کتاب کا ایک ایک لفظ میرے لئے بصیرت افروز ثابت ہوا اور اس مشکل مسئلے کو اس قدر آسان بیان کرنے کی داد جس قدر میرا دل دے رہا ہے اس برعظیم میں ایسے بہت کم لوگ ملیں گے۔ میں حضرت علامہ کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کی قوت بیانیہ کا مثل جانتا ہوں۔''

تفسیر عثمانی یعنی فوائد قرآن کریم .... یہ ایک متوسط حجم کی نہایت جامع تفسیر ہے' جس کی غیر معمولی خصوصیات کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پاک کے ساتھ یہ تفسیری فوائد حاشیہ پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اس تفسیر کو پڑھ کر بڑی ضخیم تفسیروں کے دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مسلک کی مضبوطی اور اعتدال و میانہ روی کے ساتھ اس کا اسلوب اور انداز بیان جدید اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہے اور غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر نے ان فوائد میں تمام قابل ذکر تفسیروں کو عطر کشید کر کے رکھ دیا ہے۔ مختصر تفسیروں میں یہ اپنے رنگ کی بہترین سمجھی گئی ہے جس میں سلف صالحین کے مسلک قدیم کی پوری پوری رعایت کی گئی ہے اور زبان بھی ایسی

صاف وشگفتہ استعمال کی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کے جملے آب کوثر سے دھوئے گئے ہیں۔''

مولوی مجید حسین صاحب مرحوم مالک اخبار مدینہ بجنور نے حضرت شیخ الہندؒ کا ترجمہ ان کے وارثوں سے معقول معاوضہ دے کر لے لیا تھا۔ تفسیری فوائد مولانا عثمانیؒ سے لکھوائے اور باضابطہ ماہ بہ ماہ مالی خدمت کرتے رہے۔

اس قرآن مجید کے بہت سے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ افغانستان سے تفسیر وترجمے کا فارسی ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔ یہ پوری تفسیر مولانا نے قیام ڈابھیل کے زمانہ میں تحریر فرمائی تھی۔ دوران تالیف حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خوب خوب استفادہ کیا تھا خاص طور پر مشکلات القرآن کے متعلق .... غالباً ساڑھے تین سال کی محنت شاقہ کے بعد ۱۳۵۰ھ میں یہ کام مکمل ہوا اور ۱۳۵۵ھ میں مدینہ پریس بجنور سے اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مرض وفات میں مولانا کی ملاقات ہوئی تو فرمایا میں نے اپنا تمام کتب خانہ وقف کر دیا ہے البتہ دو چیزیں جن کو میں زیادہ محبوب رکھتا ہوں اپنے پاس رکھ لی ہیں۔ ایک آپ کی تفسیر والا قرآن مجید اور دوسری کتاب ''جمع الفوائد''۔

حضرت الاستاذ علامہ انور شاہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا تھا ''مولانا شبیر احمد عثمانی نے یہ تفسیر لکھ کر دنیائے اسلام پر بڑا احسان کیا ہے۔'' .... مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے جب پہلی مرتبہ یہ تفسیر دیکھی تو مفسر کو تحریر فرمایا۔ ''آپ نے قرآن مجید کی جو تفسیر لکھی ہے اس میں حضرت شیخ الہندؒ کی روح کارفرما ہے ورنہ اس جیسی تفسیر کا لکھا جانا میرے خیال سے باہر ہے۔''

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحبؒ نے تفسیر عثمانی پر جو مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی اس میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے علامہ زماں، محقق دوراں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنا دیا ہے۔ مولانا موصوف کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب وغریب حافظہ وغیرہ کمالات علمیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی منصف مزاج ان میں تامل کر سکے۔ قدرت نے مولانا موصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ازالہ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لیے عدیم النظیر حجت بالغہ قائم کر دی ہے۔ یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندروں کو کوزے میں بھر دیا ہے۔''

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ان کے علمی اور تصنیفی کمالات کا نمونہ اردو میں ان کے قرآن کے حواشی ہیں۔ ان حواشی سے مرحوم کی قرآن فہمی اور تفسیروں پر عبور اور عوام کے دل نشیں کرنے کے لئے ان کی قوت تفہیم حد بیان سے بالاتر ہے۔

''فتح الملہم شرح صحیح مسلم'' .... صحاح ستہ کی مشہور ومعروف کتاب مسلم شریف جس کا درجہ بخاری شریف کے بعد سب سے اعلیٰ اور بلند سمجھا گیا ہے یہ اسی کی عربی شرح ہے علامہ مرحوم نے سالہا سال تک دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کا شاندار درس دیا تھا غالباً اسی زمانہ وتدریس میں اس کی شرح لکھنی شروع کر دی تھی۔ یہ بات خود مجھ سے علامہ نے

کی ہے۔ پھر یہ سلسلہ شاید اس وجہ سے منقطع ہو گیا کہ اتنے عظیم کام کی تکمیل اور پھر طباعت کے وسائل سامنے نہیں تھے اور برسوں تک یہ انقطاع قائم رہا یہاں تک کہ مولاناؒ کے تعلقات ریاست حیدرآباد سے قائم ہو گئے اور ان کی دلپذیر اور بصیرت افروز تقریروں سے ریاست کے در و دیوار گونجنے لگے۔ اب وقت آ گیا تھا کہ شرح مسلم کے رکے ہوئے کام کا نظام حیدرآباد سے تعارف کرایا جائے اور علم و دین کی اس خدمت کی اہمیت واضح کی جائے۔ ریاست کے اس وقت کے بڑے بڑے افسروں اور ذمہ داروں نے اس نیک کام سے دلچسپی لی اور بالآخر نظام کی طرف سے اس کام کی تکمیل کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا اور یہ بھی طے ہو گیا کہ کتاب کی جو جلد تیار ہو اس کی طباعت کا پورا خرچ دیا جائے گا۔ اس کے بعد اطمینان سے کام ہونے لگا اور سال ہا سال کی مسلسل محنت کے بعد اس ضخیم شرح کی تین جلدیں طبع ہو گئیں۔ تیسری جلد ابواب نکاح پر ختم ہوئی۔ چوتھی جلد کی ابتداء کتاب الرضاع سے ہوئی۔ افسوس ہے کہ ایسی اہم اور بہترین شرح نامکمل رہ گئی۔ شیخ محی الدین نووی شافعی کی شرح مسلم معروف و مشہور ہے لیکن صحیح مسلم کی حنفیوں کی کوئی شرح نہیں تھی۔ مرحوم نے یہ کمی پوری کرنی چاہی اور مطالب حدیث کی تحقیق کے ساتھ مسلک احناف کے دلائل کے بھی انبار لگا دیئے۔ دیگر خصوصیات حسن ترتیب وغیرہ کے علاوہ مسلم شریف کی سب سے اہم خصوصیت اس کا محققانہ مقدمہ اور کتاب الایمان اور ابواب ایمان کی جامعیت، دل کشی و دلپذیری ہے واقعہ یہ ہے کہ شارح علامہ مرحوم نے صحیح مسلم کے مقدمہ اور ان اہم ابواب کی شرح و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے پھر فن حدیث اور صحیح مسلم کے متعلق خود بھی ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

فتح الملہم جس پایہ کی شرح ہے اس کا بیان اس بہت چھوٹے سے مضمون میں جس کا تعلق مرحوم کے صرف مختصر سوانح حیات سے ہے نہیں ہو سکتا اس کے لئے کسی دوسری فرصت کا انتظام کرنا چاہئے۔ فتح الملہم کے متعلق اس وقت کے اکابر علماء، حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم اور دنیائے اسلام کے مشہور فاضل اور محقق علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری مرحوم نے جو اظہار رائے کیا ہے وہ مطالعہ کے قابل ہے خاص طور پر حضرت علامہ انور شاہ صاحب اور علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری نے کتاب کی غیر معمولی خصوصیات کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے اس اہم کتاب کا مقام اور پایۂ تحقیق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ (تفصیل کے لیے تجلیات عثمانی کا مطالعہ کرنا چاہئے)

مولانا مرحوم کی ملی سیاسی اور ملکی خدمات:

سوانح حیات کے اس چھوٹے سے پیمانے میں مرحوم کی سیاسی بصیرت ملی خدمات اور عام اجتماعی زندگی پر لکھنے کی گنجائش نہیں ہے پھر بھی یہ اشارہ کرنا ضروری ہے۔ علامہ مرحوم ایک جلیل القدر اور بلند پایہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی اور اجتماعی مسائل میں بھی غیر معمولی درک رکھتے تھے اور ایک وقت میں ان کی سیاسی باریک بینی اور سوجھ بوجھ کی دھاک سارے ملک میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ مالٹا سے واپس تشریف

لائے تو ملک ترک موالات اور خلافت کے نعروں سے گونج رہا تھا۔ یہ جون ۱۹۲۰ء کی بات ہے کہ حضرت اسارت سے رہا ہو کر ایسی حالت میں تشریف لائے تھے کہ قوائے جسمانی جواب دے چکے تھے اور یہ جسم پرنور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو کر رہ گیا تھا ضعف و اضمحلال کی اسی حالت میں حضرت نے یو۔ پی کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کیا اور تحریک ترک موالات کی حمایت کے ساتھ برطانوی حکومت کی جرأت مندانہ اور بے باکانہ مخالفت کی راہ ہموار کی۔ ان تاریخ اسفار میں حضرت کے جذبات اور دل کی باتوں کو جس نے عامۃ المسلمین کے سامنے رکھا۔ انہی علامہ عثمانیؒ کی زبان حق ترجمان تھی۔ مرحوم ہی نے اپنے مرشد اور استاذ کے پاکیزہ خیالات کی ترجمانی کی اور ایسی کی کہ مسلمانوں کی حرارت ایمانی میں جوش آ گیا۔ مرحوم کی اس وقت کی سہارنپور، کانپور، غازی پور، الہ آباد اور بنارس وغیرہ کی ولولہ انگیز تقریریں ان شہروں کی فضا میں آج بھی پیوست ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اسی کیفیت اضمحلال میں علی گڑھ تشریف لے گئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس تاریخی موقع پر حضرت کی طرف سے جو درد انگیز اور ایمان افروز پیغام پڑھا گیا تھا وہ (شیخ الہندؒ کے حکم سے) علامہ مرحوم ہی کا تحریر کردہ تھا۔ اور مرحوم ہی نے اسے پڑھ کر سنایا تھا۔ پھر نومبر ۱۹۲۰ء میں حضرت کی صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کا جو اجلاس دہلی میں ہوا تھا اور جس میں غیر معمولی نقاہت کی وجہ سے حضرت بنفس نفیس شریک بھی نہیں ہو سکے تھے بلکہ برائے علاج ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی پر تشریف فرما تھے اس اجلاس میں ترک موالات کے متعلق حضرت کی طرف سے جو آخری تحریر پڑھی گئی تھی وہ بھی حضرت کے حکم سے علامہ مرحوم ہی نے تحریر فرمائی تھی۔

ترک موالات اور تحریک خلافت کی ہنگامہ خیزیوں کے اس دور میں جذبات اسلامی میں ڈوبی ہوئی اُن کی جو معرکۃ الآراء تقریریں ہوا کرتی تھیں ان کا نقشہ آج تک آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔ نصف شب کے سناٹے میں ہزاروں کا مجمع جذبات سے سرشار بیٹھا ہے اور پوری خطیبانہ شان کے ساتھ مرحوم کی تقریریں ہو رہی ہیں کبھی کبھی اشعار کی کیفیت اور شیرنی کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ سہارنپور کے محلہ قاضی میں ایک عظیم الشان اجتماع تھا میں بھی اس میں شریک تھا۔ مرحوم کی ساحرانہ خطابت کا آفتاب بام عروج پر تھا کہ مضمون کی مناسبت سے ذوق دہلوی کا یہ شعر پڑھا:

؎ شعلہ آہ میں بجلی کی طرح چمکاؤں
پر مجھے ڈر ہے کہ وہ دیکھ کے ڈر جائیں گے

پھر اسی غزل کے مقطع کے متعلق فرمانے لگے کہ حضرت شیخ الہندؒ مرزا ابراہیم ذوق کے اس مقطع کو یوں بدل کر پڑھا کرتے تھے۔

ذوق جو مدرسوں کے بگڑے ہوئے ملّا نے
مے کدے میں انہیں لے آؤ سنور جائیں گے

حضرت اس کو یوں پڑھتے تھے:

ذوق جو مدرسوں کے بگڑے ہوئے ملّا نے
مالٹا میں انہیں لے آؤ سنور جائیں گے

اور ساتھ ہی اس غزل کے یہ شعر بھی پڑھتے:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے
آگ دوزخ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی　　جب یہ عاصی عرق شرم میں تر جائیں گے

مرحوم نے جمعیۃ علماء ہند اور خلافت کے پلیٹ فارم سے جو زبردست سیاسی اور اجتماعی خدمت کی ہے وہ ناقابل فراموش ہے ۱۹۲۱ء میں جمعیت علماء ہند کے اجلاس لاہور ۱۹۲۲ء میں اجلاس کیا۔ ۱۹۲۵ء میں اجلاس مراد آباد اور یونیٹی کانفرنس الہ آباد میں جو تقریریں ہوئیں ان سے ان کی غیر معمولی سیاسی بصیرت کا پوری طرح اندازہ ہوسکتا ہے ان دنوں ریکارڈنگ کا انتظام نہیں تھا ورنہ آج بھی یہ تقریریں سنی جاسکتی تھیں۔ سچ تو یہ ہے ایک زمانہ دراز تک جمعیۃ علماء کا پلیٹ فارم انہی کی تقریروں سے گرم اور پر رونق رہا۔

یہ واقعہ ہے کہ ملک کی تقسیم سے پہلے وہ جمعیۃ کے طریق کار سے آزردہ بلکہ بددل ہو گئے تھے اور ان کی یہ پختہ رائے ہوگئی تھی کہ اب جبکہ ملک کی آزادی سامنے ہے ہمیں کانگریس کے واسطے سے اس ملک کی اکثریت سے باضابطہ معاہدہ کرنا چاہیے اس مرحلے پر کانگریس کی غیر مشروط حمایت کو وہ پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ملت کے لئے مضرت رساں خیال کرتے تھے اس سلسلہ میں دوسرے حضرات سے بار بار گفتگو کی نوبت بھی آئی لیکن افسوس ہے کہ اختلاف اور بعد بڑھتا ہی گیا اور بالآخر ایک قابل فخر ہستی کو جمعیۃ علماء ہند کے اس وقت کے نظام سے بے تعلق ہونا پڑا۔ ایک بات طے شدہ ہے کہ حالات کی انتہائی پیچیدگی کے باوجود اگر جمعیۃ کے اس وقت کے بعض دوسرے اور تیسرے درجہ کے اصحاب نامناسب طرز عمل اختیار نہ کرتے جو اس وقت انہوں نے اختیار کیا تو مفاہمت کی راہ پیدا ہوسکتی تھی اور اس صورت میں دین وملت کا یہ قدیم پلیٹ فارم مولانا جیسے عالم دین وسیاست کی خدمات سے محروم نہ رہتا بہر حال جو مقدر تھا وہ ظہور میں آیا ملک تقسیم ہو گیا اور ہم اس خزانہ علم و دانش سے محروم ہو گئے۔

وفات:

۸ر دسمبر ۱۹۴۹ء بہاولپور کے وزیر اعظم کی درخواست پر جامعہ اسلامیہ کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے ۱۲ر دسمبر کی شب میں بخار ہوا۔ صبح کو طبیعت بہتر ہوگئی ۹ بجے صبح پھر سینے میں تکلیف محسوس ہوئی اور سانس میں رکاوٹ ہونے لگی۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ر صفر المظفر ۱۳۶۹ھ سہ شنبہ کے روز گیارہ بج کر چالیس منٹ پر یہ آفتاب علم وفضل غروب ہوگیا۔ بوقت وصال ۶۴ سال ایک ماہ ۱۲ر یوم کی عمر تھی۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین) ''الفرقان''

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شخصیت و کردار

(حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ)

میری سعادت:

حضرت الاستاذ علامہ شبیر احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی سوانح کے سلسلہ میں محترم عاشق عمر صاحب عباسی کا امر ہے کہ میں بھی سوانح نگاروں کی فہرست میں نام درج کرالوں، تعمیل امر سعادت ہے۔ لیکن حضرت علامہ کے مناقب کی فہرست اتنی طولانی ہے کہ ہم جیسے ناقص المعلومات کی چند سطریں اس کے چند عنوانات کا بھی حق ادا نہیں کر سکتیں۔ تاہم یہ کیا کم سعادت ہے کہ ان کے سوانح نگاروں کی فہرست میں میرا نام ہی آ جائے۔ گو چند نا تمام سطریں ہی لکھ کر ہو جن میں کوئی خاص ترتیب یا مضمون نگارانہ تشکیل نہیں۔ قلم برداشتہ ذکر محاسن کے طور پر جو بات بے ساختہ ذہن میں آئی اور بات سے بات کی طرف ذہن منتقل ہوا اسے سپرد کاغذ کر دیا ہے۔ پس یہ سوانح یا سوانح کا عرفی نہیں۔ محض ایک تذکرہ ہے جس سے اپنی اور ناظرین کی تسلی اور تحفیظ مقصود ہے۔ (وباللہ التوفیق)

ذوقِ علم کا رنگ:

حضرت علامہ میرے استاذ تھے اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ مولانا اپنی جامعیت علوم کے ساتھ خصوصیت سے علوم عقلیہ سے طبعی دلچسپی رکھتے تھے، خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں حضرت مولانا نانوتوی قدس سرّہ کی تصانیف نہ دیکھ لیتا تو نہ معلوم اعتزال کے کس گھڑے میں پڑا ہوا ہوتا۔ لیکن حضرت نانوتویؒ کے علوم نے مجھے سنبھالا، علوم عقلیہ سے پہلے سے دلچسپی تھی، حکمت قاسمیہ کے مطالعہ نے معقولات ایمانی کا راستہ دکھایا، نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا میں متکلمانہ رنگ کا غلبہ ہو گیا۔ اسی لئے اسلام کے اصول وکلیات سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے اور اس موضوع پر ان کا کلام نہایت بسیط اور محققانہ ہوتا تھا۔ ابتداء میں معقولات کی کتابیں، حمد اللہ وغیرہ زیادہ پڑھاتے تھے۔ مگر آخر میں یہ تمام مشاغل ترک ہو گئے تھے اور صرف کتاب وسنت اور فنون دینیہ کا شغل باقی رہ گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ بالآخر مولانا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی خدمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ قرآن شریف کے تفسیری فوائد لطیف وشیریں زبان اور شگفتہ طرز ادا کے ساتھ ان کی قلمی کاوشوں کا شاہکار اور صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم آپ کی علمی محنتوں کا نچوڑ ہے۔ اس تفسیر وحدیث کی خدمت کے سلسلہ

میں بہت سے اہم مسائل کا سہل عنوانات کے ساتھ حل فرما گئے ہیں۔ جس سے حضرت ممدوح کے علم کا انداز ہوتا ہے۔

تقریر و بیان کا رنگ:

تقریر و بیان آپ کا خاص حصہ تھا۔ قوت استدلال نہایت مضبوط اور مستحکم تھی معمولی سی بات کو اس خوبصورتی اور قوت سے ادا کرتے تھے کہ وہ ایک اہم مگر حل شدہ مسئلہ نظر آنے لگتی تھی اور اس کے تمام پہلو متانت کے ساتھ صاف ہو جاتے تھے۔ تحریر کا ایک خاص رنگ تھا جس میں نہ زمانہ حال کی بے قید شوخی تھی نہ قدیم طرز کی کہنگی' حال کی فصاحت اور ماضی کی متانت سے ملا جلا رنگ تھا' جو آپ کی تحریر کا نمایاں پہلو تھا۔ بلاغت کلام' کلام پر برستی تھی جو ہر طبقہ کے جذبات کو اپیل کرتی تھی۔

طرز تدریس:

درس میں مضامین کو جامعیت اور استقصاء کے ساتھ ادا کرتے تھے' کلام میں بسط ہوتا تھا مگر غیر مہمل۔ ایک مسئلہ کو اس کے تمام شقوق و جوانب کے ساتھ کھولنے اور صاف کرنے کی روش تھی۔ اس لئے درس میں کمیت پر نہیں کیفیت پر نظر رہتی تھی سبق خواہ تھوڑا ہو مگر تمام ہو اسی لئے درس و تدریس کے سلسلے میں وقت کے کچھ زیادہ پابند نہ تھے' تنقیح مسئلہ اور اس میں تدبر و تفکر پر وقت زیادہ صرف ہوتا تھا مگر اسباق کا یہ تخلل اس لئے گراں نہ ہوتا تھا کہ ایک ہی دن کے درس میں کیفی طور پر کئی دنوں کے درس کا مواد فراہم ہو جاتا تھا اور کسر نکل جاتی تھی۔

میری ابتدائی تعلیم کے دوران حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے خود ہی فرمائش کی کہ اسے معقولات میں پڑھاؤں گا اور مجھے فرمادیا کہ منطق تجھے میں پڑھاؤں گا چنانچہ خصوصیت سے صغریٰ کبریٰ شروع کرائی اور مرقات تک پہنچے' گو یہ کتابیں بیچ میں رہ گئیں۔ لیکن جس قدر پڑھایا اتنے ہی سے فن سے کافی مناسبت پیدا ہو گئی کیونکہ ان کی ابحاث کا نقطۂ نظر کتاب نہیں ہوتی تھی بلکہ فن ہوتا تھا اور طلبہ کو حسب استعداد فن سے مناسبت پیدا ہو جاتی تھی۔

احقر جب کہ متوسط کتابیں ہدایہ' جلالین وغیرہ پڑھتا تھا تو میں نے خود فرمائش کی کہ ترجمہ قرآن شریف پڑھا دیجئے دوسرے طلبہ بھی بکثرت شائق اور ملتجی ہیں۔ فرمایا کہ اول اول تو طلبہ شوق میں نام لکھا دیتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے آخر کار جماعت صفر کے درجہ میں رہ جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کم از کم مجھ پر تو اطمینان فرمائیے۔ نہ میں ناغہ کروں گا نہ بدشوقی دکھلاؤں گا' مگر آپ بھی پابندی فرمادیں' وعدہ فرمالیا اور بڑی شفقت سے قرآن کا درس شروع کرا دیا۔ ابتداء میں سو' سوا سو طلبہ کا جمگھٹا جمع ہو گیا' مگر آخر کار وہی ہوا کہ طلبہ گھٹنے شروع ہوئے اور آخر میں میں تنہا رہ گیا' قدرتی طور پر مولانا کی تدریسی امنگ بھی کم ہو گئی اور ناغے بکثرت ہونے لگے۔ مگر میں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ اس گھنٹہ میں مولانا جہاں بھی ہوتے وہیں پہنچ جاتا' خواہ مکان پر یا دفتر میں یا کتب خانہ مدرسہ میں اور وہ گھنٹہ میں ان کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے گزار دیتا تھا' کبھی پڑھا دیتے کبھی عذر فرما دیتے' مگر میں یہ وقت ان کے پاس پورا ہی کر دیتا۔ آخر کار ایک

دن فرمایا کہ بھائی میں ہار گیا اور تو جیت گیا' تو نے اپنی بات پوری کر دکھائی۔

کمال اخلاق:

اخلاقی طور پر ایک خاص وصف یہ تھا جو بہت ہی اونچا تھا کہ ظاہر و باطن میں یکسانی تھی۔ وہ اپنے قلبی جذبات کے چھپانے یا ان کے خلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے اگر کسی سے خوش ہیں تو ظاہر و باطن خوش اور اگر ناخوش ہیں تو اعلانیہ اس کا اظہار ان کے چہرہ بشرہ سے ہو جاتا تھا اور کہہ بھی دیتے تھے' دارالعلوم کے معاملات میں اگر ذمہ داروں سے انہیں کوئی گرانی پیش آتی اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم (جو ان کے بڑے بھائی بھی تھے) کچھ رنجش ہو جاتی تو اکثر روٹھ کر بیٹھ جاتے یا سفر میں چلے جاتے انہیں منانے اور راضی کرنے کے لئے اکثر میں مامور ہوتا تھا کیونکہ مجھ پر شفقت زیادہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ خفا ہو کر تھانہ بھون تشریف لے گئے تو یہ احقر وہاں گیا اور راضی کر کے لے آیا----- ایک دفعہ ناخوش ہو کر گھر بیٹھ رہے اور مدرسہ میں آنا جانا ترک کر دیا' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے طے فرمایا کہ تو ہی جا کر لا سکتا ہے۔

میں حاضر ہوا اور عرض معروض کی تو راضی ہو گئے اور دارالعلوم میں چلے آئے۔ طبیعت اس قدر صاف تھی کہ جس وقت بھی بات ان کے ذہن میں آ جاتی تھی تو اسی لمحہ گرانی رفع ہو کر حقیقتاً بشاشت چہرہ نمودار ہو جاتی اور ایسے خوش اور منشرح ہو جاتے کہ گویا کوئی گرانی ہی نہیں۔ ایک عالم دین کے لئے یہ وصف ایک عظیم مقام ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور بہ تکلف نہیں بلکہ بلاتصنع و بناوٹ اس کی قلبی رفتار ہی یہ ہو۔

حق تعالیٰ نے علم و فضل کا ایک وافر حصہ عطا فرمایا تھا لیکن ساتھ ہی میں نے یہ بھی بارہا دیکھا کہ ان کے بڑوں نے اگر بھری مجلس مین بھی انہیں تہدید آمیز لہجہ سے کوئی بات کہی تو اف کبھی نہ کرتے تھے' اگر بات ان کے نزدیک قابل تسلیم بھی نہ ہوتی تب بھی اپنے اکابر کے حقوق کی رعایت فرماتے۔

حق پسندی

قلبی جذبات کو بالکل صفائی سے کہہ ڈالتے خواہ وہ اپنی ہی کوئی کمزوری ہو۔ ایک بار ناخوش ہو کر گھر بیٹھ گئے ہیں حسب معمول منانے کے لئے گیا تو غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ بھائی نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے' جو اس طرح سے مجھ سے قطع نظر کر لی تو سن لو کہ اس قطع نظر کرنے پر میرے دل میں دو قسم کے جذبے پیدا ہوئے ایک جذبہ للّٰہیت سے اور ایک نفسانیت سے۔ نفسانیت سے تو یہ کہ اگر انہوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا ہے تو میں انہیں اپنی زندگی باور کراؤں؟ اور اس کا یہ اور یہ طریقہ ہوتا جو انہیں میری زندگی سمجھوا دیتا۔ دوسرا جذبہ للّٰہیت سے پیدا ہوا اور وہ یہ کہ میں دیوبند سے کہیں باہر جا کر

صحیح مسلم کی شرح لکھنے میں لگ جاؤں۔ میری طرف سے کچھ بھی ہوتا رہے نہ میں یہاں رہوں گا نہ یہ روز روز کی کوفت اٹھانی پڑے گی۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت ان دونوں جذبوں میں سے کون سے کو آپ نے ترجیح دی ہے؟ فرمایا للّٰہیت والے جذبے کو۔ میں نے کہا الحمد للہ مگر میں نے کہا کہ حضرت آپ کے لئے تو اس میں بلاشبہ اجر ہے اور یہ نیت یقیناً پاک ہے مگر اس پر بھی تو دھیان فرمایئے کہ کیا اس قسم کی چھوٹی چھوٹی طبعی ناگواریوں سے جماعتی کام کا ترک کر دیا جانا مناسب ہوگا جب کہ کاموں کا دارو مدار آپ ہی جیسے حضرات کے اوپر ہے اسی طرح کل کو جماعت کے دوسرے بزرگ بھی ایسی ہی وقتی اور ہنگامی ناگواریوں کے سبب جو کبھی نہ کبھی آپ کی طرف سے اس میں پیش آ جاتی ہیں یہی فیصلے کر لیں کہ ہمیں کام چھوڑ دینا چاہئے تو فرمایئے کہ یہ کام آخر کس طرح چلے گا؟ اور اسے کون سنبھالے گا؟ میرے نزدیک تو آپ نے یہ اپنے کو یکسو کرنے کا فیصلہ نہیں فرمایا' بلکہ اس جماعتی کام کو ختم کر دینے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ کیا یہ مناسب ہے؟

بس اتنا سن کر ایک دم چہرے پر بشاشت آ گئی اور فرمایا ہاں یہ تو نے صحیح کہا' بس! میں نے اب یہ دوسرا جذبہ بھی دل سے نکال دیا اور کل سے دارالعلوم پہنچ کر کام کروں گا' چنانچہ علی الصبح حسب وعدہ تشریف لائے اور ایسے انداز سے آئے کہ گویا کوئی بات پیش ہی نہیں آئی تھی۔

یہ درحقیقت وہی ظاہر و باطن کی یکسانی' قلب کی صفائی اور حقیقت پسندی کا اثر تھا کہ دل میں کبھی کچھ نہیں رکھتے تھے۔

اندازِ تحریر

بہر حال علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا جس نے ان کی بڑائی دلوں میں بٹھا دی تھی' قلبی طور پر استغناء اور ناز کی کیفیت کا غلبہ زیادہ تھا۔ کام کے سلسلہ میں جب تک کہ دوسروں کی طرف سے طلب اور کافی طلب ظاہر نہ ہوتی تھی' متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ کتب بینی اور مطالعہ کا شغف بہت زیادہ تھا خود بھی کبھی کبھی فرماتے تھے کہ کیا کام کروں میں تو کتابوں کا کیڑا بن کر رہ گیا ہوں۔ پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ تفسیری فوائد اور شرح مسلم جیسے دو اہم اور عظیم الشان کام یادگار زمانہ چھوڑے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اعلیٰ ترین تصانیف ''العقل والنقل'' ''الاسلام''۔ ''الشہاب الثاقب'' ''صدائے ایمان'' ''اعجاز القرآن''۔ اور دوسرے مفید ترین رسائل و مسائل پر قلم زنی فرمائی اور حق یہ ہے کہ بیان مسائل کا حق ادا کر دیا ہے۔ حضرت علامہ الاستاذ الکشمیری نور اللہ مرقدہٗ انہیں اس لحاظ سے لسان الغیب فرمایا کرتے تھے۔

ذکاوت و ذہانت طبعی تھی' فہم تیز اور طبیعت سادھا تھی۔ علم کی بنیاد فہم ہی ہے جب اسے کتاب و سنت میں استعمال کیا گیا تو علم کا دو چند ہو جانا قدرتی امر تھا۔ تحریر کی شگفتگی مسلم تھی' ایک ہی مضمون کئی آدمی لکھتے اور اسی کو وہ قلم بند فرماتے تو

سب پر ان کی تحریر کی شگفتگی نمایاں رہتی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے واپسی پر مالٹا کے بعد ترک موالات کا استفتاء کیا گیا۔ حضرت نے اپنے تین ارشد تلامذہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہم کے سپرد کیا کہ فتویٰ یہ حضرات مرتب کریں اور غایت احتیاط و تدین سے فرمایا کہ انگریزوں کے بارے میں مجھے اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے۔ مجھ پر ان کے بغض و عداوت کا غلبہ ہے ہوسکتا ہے کہ فتویٰ میں جذبات کا رنگ آ جائے۔ اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔

''تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف سے کام نہ لو' انصاف کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔''

اس لئے اس استفتاء کا جواب آپ تینوں حضرات لکھیں۔ چنانچہ تینوں حضرات نے قلم بند فرمایا اور حضرت نے تینوں کے جوابات ملاحظہ فرما کر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے جواب کے بارے میں فرمایا کہ جواب تو ماشاءاللہ سب ہی بہتر اور جامع ہیں۔ لیکن بھائی میں اگر لکھتا تو وہ اس کے قریب ہوتا جو شبیر نے لکھا ہے۔

بہرحال ان کی تحریر کی جامعیت شگفتگی اور بلاغت کو خود ان کے اکابر بھی مانتے تھے اور اس کی کافی داد دیتے تھے۔

نظم و شعر

مولانا نظم اور شعر و شاعری سے بھی عاری نہ تھے' گو اس کا ذوق نہ تھا' چند مواقع ایسے بھی پیش آئے کہ جذبات دلی کی ترجمانی آپ نے نظم میں فرمائی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ''نالۂ دل'' کے نام پر ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی اور ایک بار میرے متعلق ایک نظم قلم بند فرمائی جس کا واقعہ یہ ہوا کہ میرا رشتہ رام پور میں مولوی محمود صاحب مرحوم رام پوری کے یہاں ہو چکا تھا' نکاح ابھی تک نہیں ہوا تھا کہ یہ میری اہلیہ جے پور اپنے تایا کے پاس گئی ہوئی تھی اور شدید علیل ہوئی' حالت نازک دیکھ کر غلطی' یا غلط فہمی سے وہاں سے انتقال کا تار دے دیا جس سے یہاں دیوبند میں صف ماتم بچھ گئی' تیسرے دن تار پہنچا کہ وہ انتقال کا تار غلط تھا۔

اس پر بساط شادی بچھ گئی اور تہنیتی جلسے گھروں میں اور مدرسہ میں ہونے شروع ہو گئے۔ تقریباً پندرہ بیس دن تک جلسہ ہائے شیرینی و تہنیت کا سلسلہ قائم رہا۔ ان مجالس میں مختلف حضرات کی طرف سے مبارک بادی نظمیں بھی پڑھی جاتی تھیں' اس سلسلہ میں حضرت مولانا نے بھی ایک جلسہ میں نہایت بلیغ نظم لکھی اور سنائی' جس کا واقعاتی شعر یہ تھا ؎

غلط ایک تار برقی پہنچی تھی جے پور سے' جس نے
جلایا خرمنِ مقصود کو برقِ تپاں ہو کر

اس طرح کبھی کبھی کسی خاص محرک کے ماتحت نظم بھی کہہ لیتے تھے، مگر یہ چیز ذوق کے درجہ میں نہ تھی صرف ضرورت کے درجہ میں تھی اور طبیعت اس سے عاری اور عاجز نہ تھی۔ بہر حال حضرت علامہ کی ہستی تقریر، تحریر، نظم و نثر اور علم و فضل کی ایک مجسم تصویر تھی، جس کے اٹھ جانے کے بعد یہ مخصوص کمالات بھی گویا اٹھ گئے۔ یوں حق تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے اور وہ شخصیتیں پیدا فرماتا رہے گا جو اس کے دین اور اس کے نبی کے علم کو سنبھالتے اور تازہ بہ تازہ کرتے رہیں گے لیکن جن کے سامنے علم و فضل کی ہستیاں اٹھتی ہیں ان کی نگاہوں میں تو اندھیر ہو جاتا ہے اور وہ جس قسم کے فضل و کمال سے مانوس اور مالوف ہوتے ہیں اس کے اٹھنے سے یہ پسماندہ بالیقین یتیم رہ جاتے ہیں۔

سیاسی خدمات

آخر میں سیاسی لائنوں پر ان سے جو مہم کام انجام پائے یہ بھی فی الحقیقت ان کی زندگی کا ایک شاہکار تھا۔ یہ بات تو الگ ہے کہ ان کی رائے سے بہت سے اکابر کو اختلاف تھا۔ اختلاف رائے اپنی جگہ پر ہے اور اس میں ہر شخص اپنی حجت سے مجبور ہے لیکن عزم و عمل کی جو طاقتیں مولانا ممدوح سے پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد ظاہر ہوئیں دوسرے انہیں خلاف توقع سمجھتے تھے مگر حق تعالیٰ نے یہ حصہ ان کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے پاکستان بننے کے بعد دین اور علماء دین کو کافی سنبھالا۔ قدرت نے تنہا انہیں وہاں کی مرکزی شخصیت بنا دیا اور اس سے وہ کام لیا جو مرکزی شخصیتوں سے لیا جاتا رہا ہے، آج اگر وہ زندہ ہوتے تو وہاں کے کاموں کی نوعیت اور ہوتی۔ یہاں کے لوگ ان کی رائے سے تو اختلاف رکھتے مگر ان کے جذبات اور صدق و خلوص کی قدر بھی کرتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر اختلاف رائے کے حلیہ سے حضرت ممدوح وہاں نہ پہنچتے تو دین کا جو کام ہوا بظاہر اسباب وہ نہ ہو سکتا۔

خراج تحسین

غرض مجموعی حیثیت سے حضرت علامہ کی شخصیت ایک ممتاز ترین شخصیت تھی جس کے علم و فضل کا سکہ ملک بھر نے مانا ہوا تھا۔ اور بیرونی ممالک میں بھی اس کا شہرہ پہنچا ہوا تھا جس کے سامنے اہل علم و فضل سر جھکانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔

ان کے تفسیری فوائد کا حکومت افغانستان کی طرف سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا جانا اور ان فوائد کا انتخاب عمل میں آنا درحقیقت ان کے فضل و کمال کے سامنے جھک جانا تھا، فتح الملہم کو علامہ زاہد کوثری مشہور فاضل مصر کا خراج تحسین ادا کرنا ہی ان کے فضل و کمال کا اعتراف تھا۔ بہر حال جہاں جہاں بھی ان کے فضل و کمال کا کوئی اثر پہنچا وہیں اعتراف و تسلیم کا شیوہ بھی اختیار کیا گیا۔ اس طرح حضرت مولانا کی شخصیت صرف ہندوستان ہی کے لئے مایہ ناز نہ تھی بلکہ دنیائے اسلام کے لئے سرمایہ نازش تھی۔

تعمیل حکم

اگر اس طرح سے قلم چلاتا ہوا چلا جاؤں جس طرح سے وہ بے ساختہ چل رہا ہے اور اس مجلس میں چند سطور سپرد قلم ہوگئیں تو ممکن ہے کہ قلم چلتا ہی رہے اور بات پر بات یاد آتی چلی جائے مگر سوئے اتفاق سے وقت ختم کیا۔ میں بہار کے سفر کے لئے پابرکاب ہوں، ریل کا وقت آ گیا اس لئے قلم کو روک دینا پڑا، اگر قلم چلتا ہی رہتا تب بھی مناقب کی طولانی فہرست نہ ہوسکتی اور اسے رک جانا پڑتا۔ اس لئے اگر رک بھی گیا تو مضائقہ نہیں، تکمیل فہرست جب ہوتی نہ اب اس لئے یہ سطور بے ساختگی کے ساتھ حافظہ سے باہر آ گئیں اور محترم عاشق صاحب کے حکم کی تعمیل ہوگئی اور میں بھی اس حیلہ سے مولانا کے سوانح نگاروں کی فہرست میں شامل ہوگیا، جو میرے فخر کے لئے کافی ہے۔

ربنا لا تو خذنا ان نسینا او اخطانا۔

''اے رب ہمارے، مت پکڑ ہم کو اگر بھول گئے ہم یا خطا کی ہم نے۔''

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور تحریک پاکستان

(از حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ۔ مفتی اعظم پاکستان)

حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک نشری تقریر جو دسمبر ۱۹۶۹ء میں ریڈیو پاکستان کی فرمائش پر کراچی سے نشر ہوئی۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بانیان پاکستان کے سرفہرست ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے سرکاری حلقوں نے ان کو بہت جلد بھلا دیا۔ لیکن پاکستان کی بناء اور بقاء میں ان کے ناقابل فراموش کارنامے اب بھی زندہ جاوید ہیں جن کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ ہندوستان میں تحریک آزادی کی ابتداء تو خلافت کمیٹی کے ذریعہ ہوئی تھی جس نے انگریزی اقتدار کی چولیں ہلا ڈالی تھیں۔ اس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھیں بعد میں ہندو کانگریس بھی اس میں شامل ہوگئی۔ لیکن عرصہ کے بعد خلافت اور کانگریس کی یہ تحریک تقریباً مردہ ہوگئی اور مسٹر گاندھی نے از سر نو کانگریس کو منظم کر کے یہ تحریک چلائی تو اس کی قیادت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔

بہت سے اہل بصیرت علماء اور عوام تو اسی وقت ہوا کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر اس سے الگ ہو گئے تھے۔ مگر جمعیت علماء ہند کانگریس کے ساتھ وابستہ رہی۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ جمعیت علماء ہند کے اہم رکن تھے۔ مگر اس وقت عملاً اس سے یکسو ہو گئے تھے جس کا ذکر انہوں نے اپنے اجلاس کلکتہ کے پیغام میں اس طرح فرمایا ہے۔

قدیم جمعیت علماء ہند اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بری نہ تھی وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے لحاظ سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے۔ جو کچھ اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ اس کے اخیر چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے کہ اس جماعت کا اخیر چند سالہ طرز عمل اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ ہندو کانگریس کا اجیر اور ہندوؤں کی من گھڑت متحدہ قومیت کی علمبردار بن گئی تھی۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے ہندو کانگریس کے در پردہ عزائم کو محسوس کر کے دو قومی نظریہ کے ماتحت تقسیم ملک اور آزاد اسلامی مملکت پاکستان کا مطالبہ پیش کر دیا جو تمام مسلمانوں کے دل کی آواز تھی۔ اس وقت مولانا محمد علی جوہر شوکت علی مرحوم جو کانگریس کی بڑی قوت تھے وہ بھی اس سے منقطع ہو کر مسلم لیگ میں جمع ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ

مسلمانوں کی اکثریت مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگی۔

علماء ہند کی بڑی تعداد پاکستان کی حامی تھی لیکن جمعیت علماء ہند کے دینی اثر و رسوخ کی وجہ سے اس کی راہ میں مشکلات پیش آ رہی تھیں جس کے لئے پاکستان کے حامی علماء کی ایک تنظیم ضروری سمجھ کر ۱۹۴۵ء کلکتہ میں ہر مکتب فکر کے علماء ہند کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں حامی پاکستان علماء کی تنظیم جمعیت علماء اسلام کے نام سے عمل میں آئی اور حضرت شیخ الاسلام نے اپنی معذوری کی بنا پر شرکت کی بجائے اس میں اپنا پیغام بھیجا جو کلکتہ کے اس عظیم الشان تاریخی اجتماع میں پڑھا گیا جس نے پورے اجلاس میں ایک بےخودی کا عالم پیدا کر دیا۔ یہ پیغام تمیں صفحات پر شائع ہوا اور اس نے مسلم لیگ کی تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی۔

اس اجلاس عام میں جمہور علماء نے باتفاق حضرت شیخ الاسلام کو پہلا صدر منتخب کیا اور آپ نے اپنی بیماری اور معذوری کے باوجود اس کو اسلام کی وقتی اور اہم ضرورت سمجھ کر قبول کر لیا اور بتائید ربانی پورے ملک کا دورہ کیا۔ میرٹھ' دہلی' لاہور' پشاور' مردان' حیدرآباد اور مدارس وغیرہ میں بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔

صوبہ سرحد کا ریفرنڈم:

جون ۱۹۴۷ء میں جب مسلم ممبران اسمبلی کی اکثریت نے مطالبۂ پاکستان کو منظور کر کے قرارداد کے مطابق گویا پاکستان بنا دیا تو مجلس سے فارغ ہونے کے بعد شیخ الاسلام بمعیۃ چند رفقاء کے جن میں احقر بھی شریک تھا' قائداعظمؒ کے مکان پر مبارکباد دینے اور آئندہ اقدامات کے لئے مشورہ دینے کے واسطے گئے تو مبارک باد کے ساتھ ہی قائداعظم نے حضرت شیخ الاسلامؒ سے کہا کہ ابھی اطمینان کرنے کا وقت نہیں جب تک صوبہ سرحد اور سلہٹ کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں کامیاب نہ ہو جائے۔ اب یہ کام آپ کا ہے۔ شیخ الاسلام نے اس میں سعی کا وعدہ فرما لیا اور وعدہ کے مطابق پورے صوبہ سرحد کے چھ ضلعوں کا تفصیلی دورہ کیا جس میں احقر بھی ساتھ تھا۔ گرمی کے زمانہ میں موٹر پر روزانہ سینکڑوں میل کا سفر ہوتا۔ جا بجا قیام کر کے اجتماعات اور تقریریں ہوتی تھیں۔

حضرت پیر مانکی مرحوم اور پیر زکوڑی شریف اس دورہ کا انتظام کرنے والے تھے۔ ان حضرات کے انتظام اور شیخ الاسلام کی تقریروں نے چند روز میں اس خطہ کی کایا پلٹ دی۔ کیونکہ اب تک یہاں سرخ پوش کانگریسیوں کا غلبہ تھا جو مطالبۂ پاکستان کی مخالفت پر سرگرم عمل تھیں جس کی وجہ سے سرحد کے اکثر حصہ میں مسلم لیگ کو اپنے کھلے اجلاس کرنے میں بھی بڑی مشکلات حائل تھیں مگر اب ہر طرف مطالبۂ پاکستان کی موافقت ہونے لگی۔ جمعیت کے عظیم الشان اجلاس پشاور اور مردان میں ایک تاریخی حیثیت رکھنے والے اجتماع تھے ان میں شیخ الاسلام کے خطبات نے ملک میں نئی روح پھونک دی تھی۔ اس طرح ریفرنڈم میں حق تعالیٰ نے پاکستان کو کامیاب فرمایا۔

جمعیت علماء اسلام کی عظیم الشان کانفرنس لاہور

۲۵،۲۶،۲۷ر جنوری ۱۹۴۶ء میں صوبہ پنجاب جمعیت علماء اسلام کی عظیم الشان کانفرنس حضرت شیخ الاسلام کی صدارت میں ہوئی جس میں ہر طبقہ اور ہر مکتب فکر کے علماء سیاستدان اور عام مسلمانوں کا عجیب وغریب اجتماع تھا اس کے خطبۂ صدارت میں آپ نے پاکستان کی حقیقت اور اس کی اسلامی اور سیاسی ضرورت پر سیر حاصل بحث فرمائی اور جغرافیائی حیثیت سے پاکستان کی پوزیشن پر اہم معلومات پیش فرمائی تھیں۔ یہ تاریخی خطبہ ۸۰ صفحات میں شائع ہوا تھا جس کے متعلق پنجاب کے اخبارات اور اہل سیاست نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ہمیں بھی پاکستان کی صحیح حقیقت کا علم اس خطبہ سے ہوا۔ اس خطبہ نے پورے پنجاب کی سیاست کو مسلم لیگ کے حق میں پلٹ کر رکھ دیا۔

ایک رویاء صادقہ مجددی تلوار:

اسی زمانے میں جب یہ کانفرنس ہونے والی تھی جالندھر یا لدھیانہ سے کسی صاحب نے اپنے مکتوب میں حضرت شیخ الاسلام کو لکھا کہ:

''میں نے خواب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی آپ نے مجھے ایک چمکدار تلوار عطا فرما کر کہا کہ عزیزم! تم دیوبند جا رہے ہو میں تمہیں یہ تلوار دیتا ہوں، وہاں پہنچ کر میرا یہ تحفہ سلام مسنون کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی کو دے دینا۔''

اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

حضرت مولانا نے خواب کا واقعہ معلوم کر کے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مسلم لیگ کی فتح یقینی ہے۔ یہ وہ مجددی تلوار ہے جس نے اکبر کی قومیت متحدہ اور دین الٰہی نام کی تحریک کو فنا کیا تھا۔ اب اسی سے کانگریس کی متحدہ قومیت اور گاندھی ازم کو شکست ہوگی۔

میرٹھ کانفرنس کا خطبۂ صدارت:

۳۰/۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء میں میرٹھ کی مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ اس کے خطبہ میں واضح فرمایا کہ اس وقت کی انتخابی جنگ شخصیتوں کی جنگ نہیں بلکہ اصول کی جنگ ہے۔ متحدہ قومیت کے علمبرداروں کو ووٹ دینا انجام کار ہندو کانگریس کو ووٹ دینا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

قیام پاکستان

تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی تاریخ:

قائداعظم اور لیاقت علی خان مرحوم نے علامہ عثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کراچی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ ہی آپ کراچی تشریف لائے۔

شیخ الاسلام کا اپنے وطن دیو بند سے یہ سفر اچانک عمل میں آیا تھا۔ اہل وعیال اور کل سامان دیو بند میں تھا مگر اعلان پاکستان کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی نیت سے پاکستان کو اپنا وطن بنالیا اور اس کے بعد کبھی اتفاقی صورت سے بھی وطن جانا نہیں ہوا۔

شیخ الاسلام کا اخلاص اور زاہدانہ زندگی:

پاکستان بننے کے بعد یہاں سے ہندوستان منتقل ہونے والے ہندوؤں کے مکانات اور متروکہ جائدادیں کراچی اور ہر شہر وقصبہ میں کھلی پڑی ہوئی تھیں، اور پاکستان میں آنے والے مہاجرین ان پر با اجازت یا بلا اجازت قبضہ کر رہے تھے۔ بناء پاکستان میں حصہ لینے والے اکثر حضرات کو بھی بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنگلے اس طرح ہاتھ آئے مگر شیخ الاسلام اس وقت بھی اپنے مختلف دوستوں کے مکانات میں عاریۃ رہتے رہے۔ اس طرح مختلف مکانات بدلے اور آخر عمر تک زندگی یوں ہی گزار دی کہ وفات کے وقت بھی ایک صاحب کے مکان کے ایک حصے میں مقیم تھے جس کے دو کمرے انہوں نے حضرت شیخ الاسلام کو عاریۃ دے رکھے تھے۔ اپنے لئے نہ مکان لیا نہ بنایا۔ شب و روز پاکستان کی صلاح وفلاح کی فکروں اور کوششوں میں ہمہ تن مصروف رہتے اور عسرت کے ساتھ متوکلانہ زندگی گزارتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے کہ نہ کوئی مکان نہ دوکان نہ بینک بیلنس نہ ساز وسامان۔

پاکستان میں اسلامی دستور وقانون کی مساعی:

پاکستان بننے کے بعد حضرت شیخ الاسلام کو سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوؤں کے دست تغلب سے نجات عطا فرما کر ایک آزاد اسلامی مملکت تو بنا دی مگر اب اس کو صحیح اسلامی بنانے کے لئے بڑے اہم اور دشوار گزار مراحل سامنے تھے جن میں سب سے پہلا مسئلہ دستور مملکت کا تھا۔ ابھی حکومت کے پیمانہ پر دستور ساز اسمبلی نہیں بنی تھی کہ حضرت شیخ الاسلام نے اس کی فکر فرمائی کہ اسلامی دستور کا ایک خاکہ مرتب ہو جائے جس کے لئے چند علماء کو ہندوستان سے بلانا تجویز ہوا۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی اور احقر محمد شفیع، جن میں حضرت سید صاحب اس وقت اپنے بعض اعذار کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ باقی سب نے کراچی میں جمع ہو کر تین ماہ

میں غور و فکر، بحث و تمحیص کے بعد ایک خاکہ دستور اسلامی کا مدون و مرتب کر دیا۔

دوسری طرف پاکستان مغربی اور مشرقی کے دورے کر کے مسلمانوں کو اسلامی دستور و قانون کی ضرورت اور اس کی برکات سے آگاہ کیا جس کے لئے ڈھاکہ، چاٹگام، سلہٹ وغیرہ میں بڑے بڑے عظیم الشان اجتماعات ہوئے۔ بالآخر حکومت کی طرف سے دستور ساز اسمبلی اس کام کے لئے قائم ہوگئی اور اس میں علماء کی ایک جماعت تدوین دستور میں اسلامی حیثیت سے اسمبلی کو مشورہ دینے کے لئے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ہی کے انتخاب سے بنام بورڈ تعلیمات اسلام قائم ہوگئی۔

دستور کی قرارداد مقاصد:

دستور ساز اسمبلی کے سامنے دستور سازی سے پہلے اس کی بنیادی اصول متعین کرنا تھے۔ اس کا اصل مسودہ حضرت شیخ الاسلامؒ ہی نے مرتب فرمایا۔ بعض غیر مسلم اقلیتوں اور سوشلسٹ ذہن رکھنے والے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی جس پر اسمبلی میں گرما گرم بحثیں رہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس پر اسمبلی میں جو زبردست تقریر فرمائی وہ پاکستان کی تاریخ میں ایک عظیم یادگاری حیثیت رکھتی ہے جس نے پورے ایوان کو ہلا دیا اور بالآخر لیاقت علی صاحب کی طرف سے ۱۷ر مارچ ۱۹۴۹ء کو یہ تجویز پیش ہو کر قرارداد مقاصد کے نام سے اسمبلی میں منظور ہوئی۔ اس طرح پاکستان میں اسلامی دستور کی بنیاد حضرتؒ رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے ہاتھ سے رکھ دی اور مستقبل کے لئے اپنے قائم مقام ایک جماعت بنا دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مساعی کے بارآور ہونے کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔

پاکستان کی دوسری فوری ضرورت تعلیم کی اصلاح تھی

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان میں جن مقاصد کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا ان میں سے ایک اہم کام تعلیم کی اصلاح اور اسلامی تعلیم کی ترویج تھی۔ اس سلسلے کی مساعی میں ان کا مقصد تھا کہ کراچی میں پاکستان کے شایان شان کوئی بڑا دار العلوم تعلیم کے لئے قائم کیا جائے۔ اس کے لئے کوشش جاری تھی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے ذمہ داروں نے بھی اپنے جامعہ کی نئی تشکیل خالص دینی مقاصد اور ملکی ضروریات کی بنیاد پر کرنے کا عزم کیا اور حضرت شیخ الاسلام کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آ چکا تھا۔ بہاولپور میں ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۲ر صفر ۱۳۶۹ھ بروز منگل پونے بارہ بجے دوپہر کو حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک انتقال ہو گیا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

وہ اگرچہ آج دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں مگر پاکستان کی آزاد مملکت اور اس کے گوشہ گوشہ میں ان کی زندہ جاوید

یادگاریں قائم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر فتنہ سے محفوظ رکھیں۔

شیخ الاسلامؒ کا علمی مقام:

اب کچھ حضرت علیہ الرحمہ کے علمی مقام کے بارے میں عرض ہے۔ توجہ فرمائیے:

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ، علم وفضل کے پہاڑ تھے۔ ایک عظیم الشان مفسر محدث، محقق، متعلم، فقیہہ، مصنف، ادیب وخطیب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کے علوم ومعارف کے شارح اور ترجمان کی حیثیت سے شہرت عامہ عطا فرمائی تھی۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم بھی تھے اور شیخ التفسیر بھی۔ ہزاروں طالبان علم آپ کے چشمہ علم سے سیراب وشاداب ہوئے۔ متعدد تصانیف منصۂ شہود پر آئیں۔ جن میں تفسیر عثمانی، اعجاز قرآن، العقل والنقل اور فتح الملہم، شرح مسلم اور شرح بخاری علمی شاہکار ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے جب فتح الملہم شرح مسلم تصنیف فرمائی تو اس کا مسودہ حرمین شریفین لے گئے تھے۔ جہاں روضہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کی اور پھر روضہ اقدس ﷺ پر بھی اور حرم شریف مکہ معظمہ میں ملتزم پر بھی مسودہ سر پر رکھ کر دعا فرمائی تھی کہ

> ''یہ مسودہ احقر نے بے سروسامانی کے عالم میں مرتب کیا ہے۔ یا اللہ! اس کو قبول فرمالیجئے اور اس کی اشاعت کا انتظام بھی فرمادیجئے۔''

اس کے بعد جب حرمین شریفین سے واپس آئے تو نظام حیدرآباد دکن کی طرف سے پیش کش کی گئی کہ ہم اس کتاب کو اپنے اہتمام سے شائع کرائیں گے۔ چنانچہ وہ نظام حیدرآباد ہی کے مصارف پر بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع ہوئی اور اس نے پوری علمی دنیا سے اپنا لوہا منوالیا۔

علامہ عثمانیؒ کی خطابت اور نزاکت ونفاست:

اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام علامہ عثمانی کو خطابت کا غیر معمولی کمال عطا فرمایا تھا۔ لیکن ساتھ ہی طبیعت میں نزاکت و نفاست بھی بہت تھی۔ چنانچہ جب طبیعت میں ذرا کوئی تکدر ہوتا تو وعظ وتقریر پر آمادگی ختم ہو جاتی تھی۔ فیروز پور میں جب قادیانیوں کے ساتھ ہمارا مناظرہ ہوا تو اہل شہر نے رات کے وقت ایک بڑے جلسہ عام کا اہتمام کیا۔

خیال تھا کہ اس وقت فیروز پور میں اکابر علماء دیوبند جمع ہیں، جن میں حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ اور حضرت علامہ عثمانی صاحبؒ وغیرہ جیسے آفتاب و ماہتاب شامل تھے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہل شہر کو ان سے مستفید کیا جائے۔

یوں تو یہ تمام ہی حضرات علم وفضل میں اپنی نظیر آپ تھے لیکن جہاں تک خطابت کا تعلق ہے سب کی نظریں حضرت علامہ عثمانی پر لگی ہوئی تھیں، کیونکہ ان کی تقریر عالمانہ ہونے کے ساتھ عام فہم بھی ہوتی تھی اور عام لوگ اس کا اثر زیادہ قبول کرتے تھے۔

چنانچہ جلسے کے پروگرام میں آپ کی تقریر کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ لیکن جب جلسے کا وقت قریب آیا تو حضرت علامہ عثمانی کی طبیعت کچھ ناساز ہوگئی۔ تقریر کے لئے انشراح باقی نہ رہا اور حضرت علامہ نے تقریر سے عذر کر دیا۔ جتنے علماء اس وقت موجود تھے ان سب نے حضرت علامہ کو آمادہ کرنا چاہا مگر حضرتؒ آمادہ نہ ہوئے بلکہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ تو علامہ عثمانیؒ پر ناراض بھی ہوئے لیکن میں جانتا تھا کہ حضرت علامہ اس معاملے میں معذور ہیں اور جب تک از خود آمادگی پیدا نہ ہو وہ تقریر نہیں فرما سکتے۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ یہاں تک کہ جب تمام حضرات جلسے میں جانے لگے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ حضرات تشریف لے جائیں میں بعد میں آؤں گا۔

اب قیام گاہ پر صرف میں حضرت علامہ کے ساتھ رہ گیا۔ جب کچھ دیر گزری تو میں نے عرض کیا۔ حضرت! آپ کی طبیعت میں کچھ انقباض ہے۔ یہاں قیام گاہ پر تنہا رہنے سے یہ انقباض اور بڑھے گا۔ اگر آپ جلسے میں صرف تشریف لے چلیں اور بیان نہ کریں تو شاید کچھ طبیعت بہل جائے۔ فرمانے لگے:

''لوگ مجھے خطاب پر مجبور کریں گے۔''

میں نے عرض کیا:

''اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کی مرضی اور رضامندی اور خوش دلی کے خلاف کوئی آپ سے اصرار نہ کرے گا۔'' اس پر حضرت علامہ راضی ہو گئے اور تھوڑی دیر بعد ہم جلسہ گاہ پہنچ گئے۔ وہاں پر دوسرے علماء کرام تقاریر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجمع کا ذوق وشوق دیکھ کر حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے دل میں خود بخود آمادگی پیدا ہوگئی اور پھر خود ہی اسٹیج سیکرٹری سے کہا کہ میں بھی کچھ کہوں گا۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ حضرت علامہ کی تقریر ہوئی جس نے حاضرین کو سیراب وشاداب کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کو تقریر کے ساتھ تحریر کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور جب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آزادی ہند کی جدو جہد کے لئے جمعیۃ علماء ہند قائم فرمائی اور اس غرض کے لئے دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس طلب فرمایا تو اس کا خطبہ صدارت حضرت شیخ الہندؒ کو دیا تھا۔ حضرت کو از خود لکھنے کا موقع نہ تھا۔ اس لئے اپنے تلامذہ میں سے متعدد حضرات کو یہ خطبہ لکھنے پر مامور فرمایا۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے متعدد حضرات نے اپنے اپنے انداز میں یہ خطبہ لکھا۔ لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے اس خطبے کو پسند اور منظور فرمایا' جو حضرت علامہ عثمانی کا تحریر فرمودہ تھا۔ چنانچہ وہی خطبہ پڑھا اور وہی شائع بھی ہوا۔

الغرض حضرت علامہ عثمانی خطابت و ذہانت اور نفاست و نزاکت میں اپنی مثال آپ تھے۔ عرصہ دراز تک دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث بھی دیا۔ صدر مہتمم بھی رہے۔ شیخ التفسیر بھی رہے اور تقریر وتحریر کے ذریعہ دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین!

شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند)

(از شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہ)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ان کا علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور خلوص وللّٰہیت بے نظیر تھا وہ اپنے دور کے مفسر اعظم، محدث پاکباز، فقیہ بے بدل اور بے مثل متکلم تھے تحریر وتقریر کے میدان کے شہسوار، علوم معقول ومنقول کے جامع اور شریعت وسیاست دونوں کے مرد میدان تھے ان کی شخصیت اپنے کمالات اور خصوصیات میں ایک عجیب امتیازی شان اور عظمت کی حامل تھی وہ ایسے عالم دین اور نائب رسول ﷺ تھے کہ ان کو بجا طور پر محقق اسلام، دانائے شریعت اور واقف اسرار کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتیں مسلمانوں پڑھائیں اور سکھائیں جن کے واسطے ان کی تفسیری خدمات تا ابد باقی رہنے والا ثبوت ہے تعلیم کتاب و حکمت اور تفہیم سنت میں اس کی شرح حدیث کی بے مثال خدمات درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمات عالم اسلام کے سامنے ہمیشہ باقی رہیں گی۔ زندگی میں بے شمار جلسوں، مجلسوں، صحبتوں اور درسگاہوں میں مسلمانوں کو کس قدر اسرار شریعت سنائے اور سکھائے ہوں گے کس قدر حقائق ومعارف سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہوگا، کتنوں کے قلوب کا تزکیہ وتطہیر فرمائی ہوگی، کتنے افراد کو جہل کی تاریکیوں سے نکال کر علم ودانش کا نور عطا کیا ہوگا کتنے گمراہ افراد کو ہدایت اور رشد وفلاح کی عظیم تر سعادتوں سے ہمکنار بنایا ہوگا، کتنے لوگوں کے اذہان وقلوب کے شکوک واوہام زائل کر کے صراط مستقیم پر ان کے قدم مضبوطی سے جما دیئے ہوں گے۔؟

اللہ اللہ! کیا علم تھا کیسا تقویٰ اور تدبر تھا کہ ایک ایک لفظ علم وفہم اور تدبر وحکمت اور تقویٰ وطہارت کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا، عہد طفلی اور ابتداء شباب ہی میں علمی بصیرت اور تبحر کا عالم تھا کہ ہر بات سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ کی یاد تازہ ہوتی تھی، ایک دفعہ حضرت شیخ الہندؒ کے دولت خانہ پر ہر جمعہ کو درس قرآن کریم کا سلسلہ شروع فرمایا جس میں طلباء اور حتیٰ کہ اکابر علماء بھی شریک ہوتے، شیخ الاسلام علم وحکمت کے وہ دریا بہاتے کہ روحیں

تازہ ہو جاتیں' باطنی نسبت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نسبت ولی اللہی کا ایک عظیم حصہ آپ کے علم وفضل کی خصوصیت بنا ہوا تھا' دارالعلوم دیوبند کے تو تمام ہی اکابر علماء فضلاء خاندان ولی اللہی کا فیض اور پرتو تھے' ان پر شاہ ولی اللہؒ' شاہ عبدالعزیزؒ' شاہ عبدالقادرؒ' شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کے فیوض و برکات جلوہ فگن تھے' لیکن حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی حیات پر ایک نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے ان تمام علوم وفیوض کا جوہر سمیٹ رکھا ہے پھر نسبت محمودیؒ کا ایسا رنگ غالب نظر آتا تھا کہ جس کسی نے ان کی تصانیف وتحقیقات کو ذرا بھی نظر غور سے دیکھا تو یہ کہنے پر مجبور ہوا' کہ شیخ الاسلام کی زبان حضرت شیخ الہندؒ کے علوم ومعارف کی ترجمان ہے' علم وعمل' ایمان وتقویٰ' فہم و بصیرت میں شیخ الہندؒ کا پورا نمونہ تھے ان کی حق گو زبان کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے سامنے بھی حق کا کلمہ بولنے میں ادنیٰ سی جھجک نہیں محسوس کرتی تھی' قرارداد مقاصد کا منظور کرانا ان کے ہی عزم اور حوصلہ اور قوت ایمانی کا کام تھا قرارداد مقاصد کی منظوری سے پہلے بعض ذیلی کمیٹیوں میں جب دستور اسلامی کے سلسلہ میں لیت ولعل اور ہیر پھیر سے کام لیا جارہا تھا تو اس وقت آپ ہی کی حق گو زبان نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر اسلامی دستور کو حسب وعدہ پاکستان میں رائج کرنے کو پس پشت ڈالا گیا تو میرا راستہ اور ہوگا اور آپ کا اور۔ نہ صرف یہ بلکہ میں قوم کو بتا دوں گا۔ اہل اقتدار دستور اسلامی کے سلسلہ میں اچھی نیت نہیں رکھتے' اسی حق گوئی کا نتیجہ تھا کہ بحمد للہ مارچ ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد منظور ہوئی۔ انہوں نے اپنی ہدایات وتعلیمات سے وہ سب باتیں بھی بتا دی اور سکھا دی تھیں جن کی تعمیل کر کے ہم واقعۃً اپنے ملک میں اسلامی نظام جاری کر سکیں' لیکن افسوس ہے کہ ہم آج تک خواہ کاغذی طور سے کتنی ہی پیش رفت کر چکے ہوں' اعلانات اور دعوے بہت ہی بلند و بالا کرتے ہیں مگر ہماری عملی زندگی اور نظام معاشرت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ اسلام اور نظام صرف اعلان اور کاغذوں کی دستاویز تک محدود رہنے والی چیز نہیں' اسلام اور نظام تو مسلم قوم کے معاشرہ اور اس کے ہر ہر شعبہ حیات میں سرایت کر جانے والے رنگ اور طرز کا نام ہے۔ ان تمام بلند پایہ خصوصیات کے ساتھ ان کے سیاسی تدبر اور فہم کا مقام وہ ہے جو ان کی تاریخ سے بخوبی واضح ہے' تحریک پاکستان سے بہت پہلے ہی ان کی سیاسی بصیرت نہایت بلند پایہ عظمت رکھتی تھی' ترک موالات تحریک خلافت' وکانگریس ہندو مسلم اتحاد غرضیکہ ہر شعبہ سیاست میں ان کا ایک خاص مسلک اور امتیازی مقام تھا اور ان تمام مراحل میں وہ کہیں بھی اسلامی امتیازات کو پست اور مغلوب ہوتے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے' جمعیت علماء ہند کے ایک سالانہ اجلاس ۱۹۲۱ء میں جو مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں تھا جس میں ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے گائے کی قربانی کو بہت سے سیاسی لیڈر مصلحت کا شکار بنانا چاہتے تھے اور اس پر کچھ حضرات مصر بھی تھے' حتیٰ کہ یہ بھی کہا گیا کہ گائے کی قربانی کوئی واجب تو نہیں ہے کہ بس گائے کی قربانی کی جائے تو جب اور جانور بھی قربانی کئے جا سکتے ہیں تو کیا حرج ہے' اس لئے ہم کو ہندو مسلم اتحاد کی خاطر اور ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی ترک کر دینی چاہئے' اس میں بعض کی زبان سے یہ بھی نکلا کہ اب اس تجویز میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہیں

کی جائے گی' اشارہ تھا حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب۔تو اس پر شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے ایمانی حقائق اور دلائل سے تمام اکابر و سیاسی زعماء کو لا جواب کر ڈالا اور ثابت کیا کہ کسی حلال اور مباح چیز کو حرام کرنے کی تو اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بھی اجازت نہیں دی اور حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں آیت نازل فرما دی۔

ترجمہ: ''اے پیغمبر ﷺ آپ کیوں حرام کرتے ہیں وہ چیز جو اللہ نے آپ کے واسطے حلال کی۔''

شیخ الاسلام نے بڑی ہی جرأت اور ایمانی اور علمی قوت کے ساتھ کہا کہ جب کسی مباح اور حلال چیز کو اللہ کے پیغمبر ﷺ کے لئے اپنی ازواج کی خوشنودی کے واسطے ترک کر دینا درست نہیں تو ہمیں یہ کیسے روا ہوسکتا ہے کہ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے کی قربانی کی مخالفت کا فتویٰ دے دیں' یہ وہ جواب تھا جس پر علم وفہم کے پہاڑ جیسے حضرات بھی سرنگوں ہو گئے اور اپنی ٹوپی اتار کر شیخ الاسلام کے قدموں پر ڈال دی' یہ شیخ الاسلام کا مقام تھا کہ اس کو اٹھایا اور چوما اور سر پر رکھ کر فرمایا یہ تو سر پر رکھنے کے قابل ہے مگر اللہ کا قانون وہ ہے جس کے سامنے ہمارے سب کے سر جھکے ہوئے ہیں۔

جس زمانہ میں شاہ افغانستان امان اللہ خان اپنی بیگم ثریا کے ساتھ یورپ کی سیر کر رہے تھے اور ان حالات میں ملکہ ثریا کی بے حجابی کا کافی چرچا تھا اور لوگ اس چیز کی وجہ سے شاہ سے متنفر ہو رہے تھے' کیونکہ ایمانی محبت رکھنے والے مسلمانوں کو یہ بات پسند نہیں ہوسکتی کہ ان کے سربراہ کی بیگم بے پردہ لوگوں کے سامنے آئے اس وقت آپ نے حجاب شرعی پر اپنی تقاریر اور بیانات میں ایک نہایت مدلل اور حقائق سے لبریز سلسلہ شروع کیا اور نہ صرف یہ کہ پردہ کی اصل حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ساتھ ہی ان بعض مضمون نگاروں کی خوشامدانہ روش پر بھی تنقید بلکہ تنبیہ کی جو شاہ کی خوشامد میں معیار سے ہٹ کر کچھ لکھنے لگے تھے اور یہ پیغام شاہ امان اللہ تک بھجوا دیا' کاش کوئی صاحب محبت و دولت عالیہ افغانستان کے امیر غازی اور ان کی اہلیہ ثریا جاہ کے سمع ہمایوں تک حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ پہنچا دے۔

> ترجمہ: ''اے ابوعبید تم دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل حقیر اور کمتر تھے تم کو اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی' اس لئے سمجھ لو جب کبھی بھی تم عزت اللہ کے در سے ہٹ کر کسی اور سے حاصل کرنے کا ارادہ کرو گے خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔''

الغرض شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک حق گو عالم دین تھے ان کی ذات گرامی علم وعمل کا سرچشمہ تھی' ان کی زبان وقلم نے اللہ کے دین کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ شیخ الاسلام ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء سے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے اس سے قبل وہ دارالعلوم میں درس حدیث وتفسیر کی خدمت سرانجام دیتے رہے' ان کے صدارت اہتمام کے زمانہ میں ناچیز کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم حیدر آباد دکن میں مقیم تھے' حضرت شیخ الاسلام نے تحریک کی کہ دارالعلوم میں دورہ حدیث کے طرز پر دورہ تفسیر کا بھی

اہتمام کیا جائے اور طلباء تفسیر پڑھنا چاہیں' انہیں اس میں دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد داخلہ دیا جائے چنانچہ دارالعلوم میں دورہ تفسیر کا اضافہ کیا گیا اور شیخ الاسلام نے بحیثیت صدر مہتمم' دارالعلوم دیوبند والد صاحبؒ کو حیدرآباد دکن خط لکھا کہ!

''یہاں دارالعلوم میں دورہ تفسیر کا اضافہ کیا گیا ہے اور آپ کو' شیخ التفسیر'' منتخب کیا گیا آپ اپنی منظوری اور تاریخ آمد سے مطلع فرمائیں۔

شیخ الاسلام کے فرمانے پر والد صاحبؒ ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد دکن کا قیام ترک کر کے دیوبند چلے آئے اور دس برس کے وقفے کے بعد پھر آپ اساتذہ' احباب اور ساتھیوں کے ساتھ اسی علمی مرکز میں آ کر خدمت دین میں مصروف ہو گئے جہاں سے دینی علوم کی تکمیل کی تھی اور ایک عرصہ تک درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دے چکے تھے' یہاں یہ بات بھی ضروری ہے کہ والد صاحبؒ جہاں حضرت شیخ الاسلام کے چہیتے شاگرد تھے وہاں ایک علمی مشیر بھی تھے' شیخ الاسلام باوجود اپنے علمی تبحر کے اکثر اہم اور مشکل علمی مسائل میں والد صاحبؒ سے گفتگو فرماتے اور رائے لیتے اور بارہا یہ فرمایا کرتے تھے کہ!

مولانا محمد ادریس صاحب کی بات نہایت ہی جچی تلی ہوتی ہے اور علمی نقول نکال لانے میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا۔ اور کبھی کبھی بڑی ہی محبت کے انداز میں فرمادیا کرتے کہ یہ صرف عالم ہی نہیں یہ تو چلتا پھرتا کتب خانہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام کی نظر میں اپنے ایک شاگرد کی کیا حیثیت تھی اور اسی لئے دارالعلوم کے شیخ التفسیر کے عہدہ جلیلہ کے لئے کس قدر و منزلت کے ساتھ والد صاحبؒ کو انہوں نے بلایا اور یہ بھی واضح کر دوں کہ شیخ الاسلام نے والد صاحبؒ کو کسی ذاتی تعلق یا قرابت کی بناء پر اس عظیم منصب کے لئے ہرگز ہرگز نہیں بلایا تھا بلکہ ان کے سامنے علم و فضل کا انتخاب تھا جو انہوں نے دارالعلوم کے لئے کیا اس کا ایک واقعہ بھی ذکر کر دوں جب والد صاحبؒ حیدرآباد سے دیوبند بطور شیخ التفسیر تشریف لے آئے تو دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور طلباء نے شرکت کی' شیخ الاسلام نے والد صاحبؒ کے بارے میں کلمات توصیف کہے اور اپنی تقریر کے آخر میں سب سے عجیب بات یہ کہی کہ۔

''قیامت کے روز اگر اللہ تعالیٰ نے سوال کیا کہ شبیر احمد!

ہم نے تجھے دارالعلوم دیوبند کا صدر مہتمم بنایا تھا' بتاؤ تم نے دارالعلوم کی کیا خدمت کی؟

تو میں جواب دوں گا کہ پروردگار عالم دارالعلوم میں تیری کتاب کی تفسیر پڑھانے کے لئے میں نے مولوی محمد ادریس کو بلایا تھا۔''

''مجھے یقین ہے میرے اس عمل پر اللہ تعالیٰ میری بخشش فرما دیں گے۔''

والد صاحبؒ ہمیشہ شیخ الاسلام کے نظریہ سیاسی کے حامی رہے اور تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام ہی کی جماعت سے وابستہ رہے' ایک قومی نظریے کی تردید اور دو قومی نظریے کی تائید و حمایت کرتے رہے تعلیم پاکستان کے اسلامی نظام کے لئے شیخ الاسلام کی قیادت میں جدوجہد کرتے رہے' انہوں نے اسلامی نظام کے لئے اپنی پوری کوششوں سے قرارداد

مقاصد منظور کرائی' آج اس ملک میں بسنے والے ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس مملکت میں کلیتہً عملی طور سے اسلامی نظام رائج کرے' اسلامی معاشرہ کا اجراء کرے' مغربی ذہن اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنانے کے لئے مستعد اور متحد ہو جائے' شیخ الاسلام نے ہمیں یہی پیغام دیا ہے۔

''فرماتے ہیں کہ۔''

میرے نزدیک ہمارے فوز وفلاح کا راز اسلامی نظام کے قیام میں ہے اور میرے ان چار لفظوں کو ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کرلیں اور ان پر عمل پیرا رہیں۔

☆ ۱- صبر و استقامت

☆ ۲- تقویٰ وطہارت

☆ ۳- اتحاد ملت

☆ ۴- اعداد قوت حسب استطاعت

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اپنا تعلق صحیح رکھا جائے تاکہ اس کی امداد و نصرت کے مستحق ہوسکیں اور اس راہ میں پیش آنے والی سختیوں کو صبر و استقلال سے برداشت کیا جا سکے اور ساری ملت اسلامیہ اتحاد کر کے متحد و یک جان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ابلیسی لشکروں کے حوصلے شکست کھا جائیں۔

بہر حال شیخ الاسلام کی حیات طیبہ اور تعلیمات اسلامیہ ہمارے لیے مشعل راہ ہیں ایسی عظیم ہستیاں امت میں روز روز پیدا نہیں ہوا کرتیں۔ ان کی دینی وعلمی خدمات بے بہا ہیں جن کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے' ہمارے محترم جناب مولانا پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی مرحوم نے شیخ الاسلام کے علم تفسیر' حدیث وفقہ' علم کلام' فلسفہ ومنطق' مناظرہ وتقاریر' اردو' فارسی' عربی ادب اور سیاسی وملی کارناموں کی تفصیلات بڑی تحقیق کے ساتھ کئی جلدوں میں شائع کی ہیں جو عقیدت مندوں پر ان کا احسان عظیم ہے اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں' آمین۔ اب ہمارے عزیز حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب نے ''تذکرۂ شیخ الاسلام پاکستان'' لکھ کر منصفین کے دلوں کی تسلی کے لئے مزید سامان تسکین مہیا کر دیا ہے' عزیز موصوف کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اکابر دیوبند سے غایت درجہ عقیدت ہے اس سلسلہ میں ان کی متعدد تصانیف طبع ہو چکی ہیں' ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عزیز مؤلف کو اکابر دیوبند کے علوم و معارف اور سیرت طیبہ سے متعارف کرانے کی مزید توفیق نصیب فرمائیں اور ان کی اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین۔

محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور (پاکستان)

شیخ الاسلام علامہ عثمانی کی یاد میں

گلہائے عقیدت

(از پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی)

رہ رو راہ شریعت راہ دکھلاتا رہا
منزل مقصود تک ملت کو پہنچاتا رہا
ترجمان فقہ و تفسیر و حدیث مصطفیٰ ﷺ
آفتاب علم دیں دنیا کو چمکاتا رہا
لکھ کے شرح مسلم و تفسیر قرآن کریم
امت اسلام پر احسان فرماتا رہا
تھا زباں پر اس کی قال اللہ اور قال الرسولؐ
نغمہائے سنت و قرآن سدا گاتا رہا
رحمتہ اللعالمین کے دین کی لے کر ضیاء
اپنے علم و فضل کے انوار برساتا رہا
حکمت رازیؒ و اسرار غزالیؒ کا امیں
حکمت و اسرار کے عقدوں کو سلجھاتا رہا
تھا زباں قاسمؒ کی اور روح ولی اللہ تھا
جس پہ محمود الحسنؒ بھی فخر فرماتا رہا
تھا لسان الغیب انور شاہؒ کی نظروں میں وہ
غیب کے مضمون ہمیں آنکھوں سے دکھلاتا رہا
یاد ہے اب تک تری شیری کلامی جس سے تو
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتا رہا
تجھ پہ نازاں ہے ترا دارالعلوم دیوبند
مادر علمی پہ تو بھی ناز فرماتا رہا
اہل پاک و ہند تیری ذات کے ممنون ہیں
جن پہ اپنے فیض کی بارش تو برساتا رہا
تھا صداقت اور حق گوئی ترا شیوہ سدا
حق بیاں کرتا رہا باطل کو ٹھکراتا رہا
کیا ہی نعمت تھی مگر علامہ عثمانی کی ذات
پھول بن کر گلشن ہستی کو مہکاتا رہا

وہ ہوئے دنیا سے کیا رخصت کہ انوار الحسن
زندگی کا لطف جینے کا مزا جاتا رہا

تحریک پاکستان کے رہنما

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی نظر میں)

(پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود پی ایچ ڈی لندن)

برصغیر پاک و ہند کے جلیل القدر محدث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کے علم وفضل اور کمالات کا بیان ہر شخص کے بس کی بات نہیں ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے ان کا ظہور کہیں صدیوں میں جا کر ہوتا ہے پھر یہ حضرات جو چراغ جلا جاتے ہیں ان کی روشنی صدیوں تک امت کو راہیں دکھلاتی ہے۔

مت سہل انہیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

آیئے حضرت علامہ عثمانی کے علم وفضل اور کمالات کے تذکرہ کے لیے ان شخصیتوں کی طرف رجوع کریں جن کے اپنے کمالات زبان زد عام و خاص ہیں کہیں حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس اللہ اسرارھا کی نظر وفکر معلوم کیجئے یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الہندؒ کی نظر کا انتخاب ان کی فکر کے ترجمان تھے۔

ہندوؤں کے خلاف فطرت دینی نظریات کے باعث اسلام ہندوستان میں بڑی تیزی سے پھیلا حضرات صوفیہ کرام اور مشائخ طریقت کی روحانیت عامہ خلائق کو بڑی تیزی سے اسلام میں جذب کرتی رہی بستیوں کی بستیاں اور شہروں کے شہر داخل دائرہ اسلام ہوئے یہ نئے نئے مسلمان ان بزرگوں کی تربیت میں اسلام کی سیدھی راہ پر خوب چلے لیکن جب خانقاہیں خاندانوں میں وراثت بننے لگیں تو تربیت کا ہاتھ کمزور پڑ گیا جونہی تربیت میں کمی آئی شرک و بدعت کے گہرے بادل ہر سو چھا گئے پھر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا بیسویں صدی میں انگریز حکومت کی ہندوستان میں یہ دینی پیش رفت تھی۔

ان حالات میں جن بزرگوں نے اس ظلمت کے خلاف آواز اٹھائی اور لوگوں کو قرآن کے گرد جمع ہونے کی آواز دی ان میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری پہلی صف میں نظر آتے ہیں۔ آپ نے اہل لاہور کو اسلام کا اصلی چہرہ دکھانے کے لیے پنجاب میں اکابر علماء دیو بند کا درد ضروری سمجھا انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے شیرانوالہ دروازہ میں ایک کھلے جلسے کا اہتمام کیا اکابر دیو بند کی لاہور میں یہ پہلی تشریف آوری تھی۔ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری محقق

العصر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی اقلیم ہند وحضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اس قافلے کی مرکزی شخصیات تھیں جوان دنوں راوی کے کنارے اترا۔

رات کے اجلاس میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر تھی علامہ ڈاکٹر اقبال سٹیج سے اٹھ کر حضرت علامہ عثمانی کے سامنے عوام کے ساتھ جا بیٹھے اور کہا ان جلیل القدر علماء کی عظمت تقاضا کرتی ہے۔ کہ میں ان کے سامنے زمین پر بیٹھ کر ان سے استفادہ کروں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دنوں مدرسہ قاسم العلوم لاہور نیا نیا قائم کیا تھا آپ فارغ التحصیل علماء کو اپنے خاص رنگ میں تفسیر اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھاتے تھے امتحان لے کر پھر آپ ان علماء کو سند دیتے وہ خدام الدین شیرانوالہ لاہور کے مسلک کا ایک نشان تھا۔

اس سند میں چار اکابر دیوبند کے نام سرفہرست ہیں' اور اس ترتیب سے لکھے ہیں۔

☆ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ

☆ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

☆ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

☆ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے انجمن خدام الدین لاہور کی طرف سے ایک علمی اور اصلاحی پرچہ ہفت روزہ خدام الدین جاری فرمایا اس میں حضرت شیخ التفسیر کا خطبہ جمعہ باقاعدہ چھپتا تھا آپ اس میں جہاں کہیں کوئی آیت پیش فرماتے اس کے ساتھ حاشیہ شیخ الاسلام کی جلی سرخی سے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے فوائد نقل کرتے حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ کے دور میں بھی ہفت روزہ خدام الدین کی یہ پالیسی برابر قائم رہی دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ حضرت مولانا احمد علیؒ پاکستان میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی نظر وفکر کے پورے امین رہے اور یہ وہ نقطہ اعتدال ہے جو پاکستان کے علماء حق کو اپنے اکابر سے ملا ہے۔

پاکستان بنے چالیس سال ہونے کو ہیں یہ وہ مدت ہے جسے کسی دعوے کے صدق وکذب کے لیے بطور تمہید پیش کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان جس عنوان سے قائم ہوا تھا اس کے تحت کیا یہاں اس مدت میں کوئی مضمون دیکھا گیا؟ اس کا جواب نہ دیا جائے تو بہتر ہے۔ اس کا غلط اثر یہ ہوا کہ وہ طاقتیں جو پاکستان بننے کے خلاف تھیں اب پھر سے میدان میں نکل آئی ہیں کبھی یہ بات سننے میں آتی ہے کہ پاکستان اسلام کے لیے نہیں مسلمانوں کی صرف معاشی پھر کچھ الحادی طاقتیں سیاست اور جمہوریت کے نام پر میدان عمل میں آنکلی ہیں۔ روس کا برفانی چیتا ویسے ہی آنکھیں دکھا رہا ہے۔ اور کچھ لوگ انجام پر نظر کئے بغیر اس سے نظریں ملا رہے ہیں۔ ہمیں ایسے موقع پر علماء حق کو کس طرف ہونا چاہئے؟ یہ وقت کا اہم ترین سوال

ہے؟ الحمد للہ کہ پاکستان کی تاریخ کے اس نازک ترین مرحلہ میں حضرت مولانا احمد علیؒ کے جانشین حضرت مولانا عبید اللہ انور نے اپنے والد محترم کے مسلک اعتدال کو قائم رکھا ہے اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے اپنی سیاسی عقیدت برابر قائم رکھی یہاں تک کہ اس اہم سیاسی فیصلے پر قوم نے انہیں امام الہدیٰ کہا۔

ہندوستان کی سیاسی فضا میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ حضرت مدنیؒ کے جہاد حریت کے بہت مدح سرا تھے لیکن آپ نے انجمن خدام الدین لاہور کے ماحول کو ہمیشہ ایک فکری توازن میں رکھا علم الٰہی میں مقدر تھا کہ یہ علاقہ ایک دن پاکستان بنے گا اور اس کے حالات اور تقاضے کچھ مختلف ہوں گے حضرت لاہوری نے شروع سے ہی اسے ایک متوازن فکر سے جلایا اور تاریخ کے کسی موڑ پر اسے کانگریس کا مرکز نہ بننے دیا حضرت مدنیؒ کے بہت عقیدت مند تھے مگر اس فکری توازن میں آپ نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صاحب کو بھی ساتھ ساتھ رکھا حضرت لاہوری کا یہ فکری توازن الہامی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کو منظور تھا ملک تقسیم ہوگا اور پاکستان بنے گا علمائے حق ملک کے دونوں حصوں میں ہوں گے پاکستان میں علمی اور فکری قیادت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ہوگی لاہور اس کا قطب البلاد ہوگا اس میں علماء حق کا انداز عمل ابھی سے متوازن ہونا چاہیے تاکہ جب وہ وقت آئے حال ماضی سے مربوط ہو قدرت نے حضرت لاہوری کے ذہن کو تقسیم سے تقریباً چالیس برس پہلے اس طرف متوجہ کر دیا کہ یہاں شیرانوالہ دروازہ لاہور میں علماء دیوبند وہ فکری توازن قائم رکھیں جو اس وقت علماء کے دو حلقوں کے مابین نقطہ اشتراک ہو سکے۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب جب صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے لیے (کہ صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہو یا ہندوستان میں) دیوبند سے پشاور جا رہے تھے کہ راہ میں لاہور سے گزرے آپ نے حضرت مولانا احمد علی صاحب کو پہلے سے پیغام بھیج رکھا تھا کہ وہ لاہور ریلوے سٹیشن پر آپ سے ملیں حضرت مولانا لاہوری حضرت علامہ عثمانی سے لاہور ریلوے اسٹیشن پر ملے حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ بھی ساتھ تھے حضرت شیخ التفسیر نے حضرت شیخ الاسلام کو پاکستان کی حمایت پر مبارکباد دی اور کہا کہ آپ کے اس بروقت اقدام سے پاکستان میں علماء حق کا مستقبل محفوظ ہوگیا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد حضرت شیخ التفسیر نے ایک مجلس میں بتایا کہ انہیں حضرت مولانا حسین مدنیؒ کا خط ملا ہے کہ تقسیم ملک سے ہمارا نصف صدی کا سیاسی رشتہ (کہ انگریز کو کسی طرح جلد ملک سے نکالا جا سکے) اب آپ سے منقطع ہوگیا ہے یہاں کے حالات اور ہیں اور آپ کے ہاں کے حالات اور ہوں گے آپ وہاں کے مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی خدمت کے لیے جو عمل بہتر سمجھیں اس پر عمل فرمائیں ہمارے ساتھ آپ کا اب کوئی سیاسی اشتراک نہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی سیاسی دیانت لائق تحسین ہے کہ آپ نے پاکستان کو جمعیت علما ہند کی سیاست سے کلی طور پر علیحدہ رکھا اور ہمیشہ اس کے لیے دعا گو رہے اور آپ کی برابر یہ تمنا رہی کہ وہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا ہے واقعی مسلمانوں کے لیے نفع مند رہے پھر جب تک حضرت مدنیؒ زندہ رہے جمعیت علماء ہند نے پاکستان کے کسی سیاسی مسئلے میں بھی کسی طرح کا کوئی دخل نہیں دیا۔

تحریک پاکستان کے راہنما

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

(حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی نظر میں)

(مولانا عبدالرحمٰن صاحب استاذ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے ایک دفعہ بتلایا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا مجھے خط ملا ہے کہ ''برصغیر کی تقسیم سے ہمارا نصف صدی کا سیاسی رشتہ (کہ انگریز کو کس طرح جلد اس ملک سے نکالا جا سکے) اب ٹوٹ چکا ہے یہاں کے حالات اور تقاضے اور ہیں اور آپ کے ہاں کے اور اب آپ جمعیت علمائے ہند کی بجائے وہاں کے مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی خدمت کے لیے جو راہ سوچیں اور اس پر عمل فرمائیں۔''

حضرت مولانا مدنیؒ کی سیاسی دیانت لائق تحسین ہے کہ آپ نے علماء پاکستان کو جمعیت علما ہند کی سیاست سے بالکل علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا اور دعا گو رہے کہ جو ملک اسلام کے نام پر بنا ہے اس میں واقعی مسلمانوں کا فائدہ ہو اور اسلام کی خدمت ہو پھر آپ جب تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے جمعیت علماء ہند نے پاکستان کے کسی سیاسی معاملہ میں کبھی کوئی دخل نہیں دیا۔

حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت مدنیؒ کے اس خط کے بعد یہاں کے علماء حق کی سیاسی جماعت جمعیت علماء اسلام میں باضابطہ شرکت کر لی۔ اور پھر ایک وقت آیا کہ آپ کل جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے امیر منتخب ہوئے۔

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی راہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے مختلف تھی لیکن آپ حضرت علامہ عثمانیؒ کی علمی بصیرت کے پورے شرح صدر سے قائل تھے حضرت علامہ کی تفسیر پر آپ کے الفاظ یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے علامہ زماں محقق دوراں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی زید مجدہم کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا ہے مولانا موصوف کی بے مثل ذکاوت سے مثل تقریر سے مثل تحریر عجیب وغریب حافظہ عجیب و غریب تبحر وغیرہ کے کمالات علمیہ ایسے نہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج انہیں تامل کر سکے جن حضرات کو مولانا سے کبھی بھی کسی قسم کے استفادہ کی نوبت آئی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں ان ازمنہ اخیرہ میں حسب وعدہ ازلیہ انا نحن نزلنا

الذکر وانا له لحافظون۔ اورثم ان علینا بیانه قدرت قدیمہ نے جس طرح امام الائمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کو با محاورہ ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ فرما کر صلاح عبّاد کے لیے عظیم الشان سامان ہدایت مہیا فرما دیا تھا اسی طرح اس کے بعد مولانا شبیر احمد صاحب موصوف کی توجہ تکمیل فوائد اور ازالہ مغلقات کی طرح منعطف فرما کر تمام عالم اسلامی اور بالخصوص اہل ہند کے لیے عدیم النظیر حجۃ بالغہ قائم کر دی ہے ان حواشی اور مہتمم باشان فوائد سے نہ صرف ترجمہ مذکورہ میں چار چاند لگ گئے بلکہ ان سے بے شمار شکوک وشبہات کا بھی قلع قمع ہوگیا ہے جو کہ کوتاہ فہموں کو کتاب اللہ اور اس دین حنیف کے متعلق پیش آتے رہے ہیں۔ یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندروں کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔

از: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور:

شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
اور
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے' وہ اپنے زمانے کے جید عالم دین' اسلام کے عظیم مجاہد اور اپنے وقت کے عارف کامل تھے' اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔

آپ کی تاریخ ولادت ۱۹ر شوال المکرم ۱۲۹۶ھ ہے' آبائی وطن موضع الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔

آپ کا تاریخی نام چراغ محمد ہے' آپ حسینی سید ہیں اور آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحبؒ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے خلیفہ خاص تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد کی زیر نگرانی ہوئی' آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے پانچ سپارے قرآن شریف کے پڑھے اور بقیہ پارے والد صاحب سے پڑھے۔ جب آپ کی عمر ۱۳ سال ہوئی تو آپ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحبؒ اور شفیق استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی زیر نگرانی دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پاتے رہے' باوجودیکہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ دورہ حدیث کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے' لیکن آپ کو ہونہار پاکر ابتدائی کتابیں بھی خود ہی پڑھائیں اور توجہات خصوصیہ سے نوازا' آثار سعادت اور جذبہ خدمت آپ میں پہلے ہی سے موجود تھا' اس پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی توجہات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا' سترہ فنون پر مشتمل درس نظامی کی ۶۷ کتابیں آپ نے ساڑھے چھ سال کی مدت میں ختم کر ڈالیں اور علم نبوت کے نیر اعظم بن کر دارالعلوم کے در و دیوار کو منور کرنے لگے ہر ایک استاذ کی نظر شفقت آپ پر پڑنے لگی' اساتذہ غایت شفقت اور محبت کی وجہ سے' نیز کم عمر ہونے کے باعث آپ کو ''مستوراتی منشی'' کہہ کر پکارا کرتے تھے' اساتذہ کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خدمت کرنے میں آپ کو کبھی عار محسوس نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں سے کسی نے بھنگی کی فرمائش کی بھنگی سے نالی صاف کرا دو بھنگی نہیں ملا مگر نالی صاف ہو کر دھل بھی گئی' معلوم ہوا کہ اس نالی کو حسین احمد نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا تھا۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بہت سے مہمان آ گئے تھے' بیت الخلاء صرف ایک ہی تھا' لہٰذا دن بھر کی گندگی سے پُر ہو جاتا تھا' لیکن تعجب تھا کہ روزانہ صبح صادق سے پہلے ہی صاف ہو جاتا تھا' چنانچہ ایک دن اس راز کو معلوم کرنا چاہا تو دیکھا گیا کہ رات کے دو بجے آپ ٹوکرا لے کر پاخانے میں داخل ہوئے اور پاخانہ ٹوکرے میں بھر کر جنگل کا رخ کیا۔ سبحان اللہ! یہ تھی تواضع اور خاکساری جس نے آپ کو فنائیت کے درجے پر پہنچایا ہوا تھا۔

بہر حال جب آپ ۱۳۱۶ھ میں دارالعلوم دیو بند سے فارغ ہوئے تو آپ کی چند خارج از درس کتابیں طب' ادب' ہیئت میں باقی رہ گئی تھیں کہ آپ کے والد ماجد نے عزم ہجرت کیا تو آپ بھی معہ والدین و برادران وغیرہ مدینہ منورہ کے لیے روزانہ ہو گئے اور ادبیات میں باقی کتابیں مدینہ منورہ کے معمر اور مشہور ادیب مولانا الشیخ آفندی عبدالجلیل برادہؒ سے پڑھیں۔

آپ کو حدیث میں علاوہ حضرت شیخ الہند قدس سرّہ کے' حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ' مولانا شیخ حسب اللہ شافعی المکی اور مولانا سید احمد برزنجی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

جس وقت آپ کے استاذ مکرم حضرت شیخ الہند قدس سرہ آپ کو مدینہ منورہ رخصت کر رہے تھے تو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا چاہے ایک دو ہی طالب علم ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاذ کی اس نصیحت کو ایسا گرہ میں باندھا کہ آخر دم تک پڑھاتے رہے۔ مدینہ منورہ کی فاقہ کشی کی زندگی اور ہندوستان کی قید و بند کی زندگی میں برابر اس نصیحت پر عمل پیرا رہے اور اشتغال بالعلم رکھا اور علم کے دریا بہاتے رہے۔

مرکز علم مدینہ منورہ میں آپ کو وہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ عرب کی حدود سے نکل کر آپ ممالک غیر میں بھی ''شیخ حرم نبویؐ'' مشہور ہو گئے اور عرصہ دراز تک حرم نبوی میں پڑھانے کے بعد ۱۳۲۶ھ میں آپ ہندوستان واپس تشریف لائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے حلقہ درس میں شرکت فرمائی اور ارباب اہتمام و شوریٰ نے آپ کو معقول تنخواہ پر دارالعلوم دیو بند میں مدرس رکھ لیا۔ اس کے بعد ۱۳۳۹ھ میں آپ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور اسارت مالٹا کے زمانے تک برابر درس و تدریس میں مشغول رہے' مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے کچھ دنوں امروھہ کے مدرسہ جامع مسجد میں بھی تعلیم دی' پھر وہاں سے حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنی خدمات میں بلا لیا۔ کچھ دنوں کے بعد کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا تو حضرت شیخ الہندؒ کے حکم پر آپ کلکتہ تشریف لے گئے اور تدریس میں مشغول ہو گئے۔ کراچی کے مشہور مقدمہ تک آپ کلکتے میں رہے۔ بعد میں آپ اس کی مدرسی سے بوجہ گرفتاری و جیل علیحدہ ہو گئے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۸ء تک تقریباً چھ سال بنگال میں اور پھر سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ ،

الحدیث کی حیثیت سے پڑھاتے رہے' اس ۳۱ سالہ زمانہ تدریس میں ہزاروں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفید ہوئے۔

سلوک وتصوف میں بھی آپ کامل شیخ تھے' ۱۳۱۶ھ میں آپ آستانہ عالیہ رشیدیہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت ہوئے' اس وقت آپ کا ارادہ مکہ معظمہ جانے کا تھا اس وجہ سے حضرت گنگوہی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ

''میں نے تو تمہیں بیعت کر لیا ہے' اب تم مکہ معظمہ جا رہے ہو' وہاں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس اللہ سرہ موجود ہیں' ان سے عرض کرنا وہ تمہیں ذکر کی تلقین فرما دیں گے۔''

غرض یہ کہ آپ مکہ معظمہ پہنچ کر بارگاہ امدادیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''حضرت گنگوہیؒ نے ہم کو بیعت تو کر لیا تھا۔ مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرتؒ سے حاصل کر لینا۔'' اس پر حضرت حاجی صاحبؒ نے آپ کو تلقین ذکر فرمائی اور فرمایا کہ صبح آ کر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو۔ ان توجہات باطنی کے ساتھ آپ کی تربیت روحانی ہوتی رہی' اور جب آپ مکہ شریف سے مدینہ طیبہ کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ ''تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔''

اس کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو عرصہ دراز تک حرم نبوی میں نبوت محمدیہ کی نشر و اشاعت کرتے رہے اور ذکر و مراقبہ میں مشغول رہے جس کی وجہ سے متعدد رؤیائے صالحہ اور بشارات آپ کو حاصل ہوئیں۔

۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کا والا نامہ برائے طلبی مدینہ منورہ پہنچا اور آپ حسب الارشاد آستانہ عالیہ گنگوہ حاضر ہوئے اور کچھ دنوں کے بعد بارگاہ رشیدی سے آپ کو اجازت بیعت حاصل ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ نے دستار خلافت اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر باندھی اور اس طرح آپ کمالات رشیدیہ وامدادیہ کے مجمع البحرین ہو گئے۔

بہر حال آپ کمالات علمیہ اور روحانیہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ اس کا اندزہ حضرت شیخ الہند کے اس ارشاد گرامی سے ہو سکتا ہے جس کو حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ

''مولانا حسین احمد صاحبؒ جو اس زمانے میں ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد'' کے مصداق ہو گئے ہیں' ہمیشہ سفر و حضر میں خدمت کر کے آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو راحت پہنچاتے رہتے تھے' ایک دن حسب عادت پاؤں دبانے لگے اور خاکسار محروم الخدمت کو بھی حرص آئی اور دوسرا پاؤں دبانے بیٹھ گیا اور ہنس کر میں نے مولانا حسین احمد صاحبؒ سے کہا کہ ''مولوی صاحب آج تو ہم بھی آپ کے برابر ہو گئے ہیں۔' اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: ''بھائی تم کہاں کہاں ان کی برابری کرو گے؟''۔

ان بزرگانہ توجہات کے باعث آپ کو وہ مقام حاصل ہوا کہ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے عارف، اور محدث کو بھی لکھنا پڑا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تمام تلامذہ میں یہ خصوصیت اور کمال کسی کو حاصل نہیں تھا جو حضرت مدنیؒ کو

حاصل تھا اور بقول حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ۔

''حضرت مدنیؒ اس زمانے میں اولیاء اللہ کے امام تھے۔''

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

''حضرت الاستاذ مولانا مدنی قدس سرہ حضرت شیخ الہندؒ کے صحیح علمی وسیاسی جانشین تھے' اور ولی کامل تھے۔''

الغرض تدریسی اور روحانی خدمات کی مصروفیات کے باوجود آپ اسلام کے سیاسی رخ سے بھی غافل نہیں تھے اور بڑی تن دہی سے سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ جمیعت العلماء ہند کے صدر اور قائد کی حیثیت سے آپ نے ایک بلند مقام حاصل کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی کے سلسلے میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور بالآخر ملک کو آزاد کرالیا اور تمام عمر آزادی ہند کی خاطر اپنی جانی اور مالی قربانیوں سے بھی دریغ نہیں کیا اور ملکی آزادی کے لیے سیاسی جدو جہد میں سردھڑ کی بازی لگادی' جیلوں میں سختیاں جھیلیں اور فرنگی تشدد آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھی لغزش میں نہ لا سکا اور ہمیشہ فرنگی حکومت کو پائے استحقار سے ٹھکراتے رہے۔

آپ کے سیاسی کارناموں میں زبردست کارنامہ یہ ہے ۱۹۴۷ء میں جب ہندوؤں نے بھارت میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا اور چاروں طرف ہندو اور سکھوں کے سفاک ہاتھوں نے مسلمانوں کے قتل عام سے ہاتھ رنگین کر کے سرزمین ہند کو لالہ زار بنا دیا تھا اس وقت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ گولیوں کی بوچھاڑ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و ناموس کی خاطر دہلی' سہارنپور' مرادآباد اور میرٹھ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے' اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قیادت کا سہرا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سر تھا اور پاکستان کی قیادت کا سہرا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سر تھا۔ یہ دونوں حضرات ایک ہی مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے فرزند اور ایک ہی مکتب فکر کے سربلند عالم تھے ایک دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس تھا اور دوسرا دارالعلوم دیوبند کا صدر مہتمم تھا' دونوں ایک ہی استاذ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور حضرت شیخ الہندؒ کے علمی و روحانی جانشین تھے' مگر ایک نے اپنے غور و فکر اور علمی اجتہاد سے کانگرس کا ساتھ دیا اور دوسرے نے مسلم لیگ کے ساتھ رہنا اپنے اجتہاد کا ثمرہ سمجھا اور دونوں حضرات اپنے اپنے موقف اور سیاسی نظریے کے مطابق خلوص نیت سے دینی' ملکی اور ملی خدمات انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات اکابر کی قبروں پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے باہمی تعلقات کے بارے میں حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ ''تجلیات عثمانی'' میں فرماتے ہیں۔ کہ:

مجاہد اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی ذات مسودہ صفات سے کون ہے جو واقف نہیں۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے جان نثار پروانوں اور ممتاز شاگردوں میں سے ہیں جن کے متعلق ایک صحبت میں علامہ عثمانی نے فرمایا تھا کہ

''مولانا حسین احمد صاحب ہماری جماعت میں ایک مجاہد شخصیت ہے۔'' ستائیس اٹھائیس سال سے دارالعلوم دیو بند میں حضرت شیخ الہندؒ کی مسند درس پر علامہ انور شاہ صاحبؒ کے بعد متمکن ہیں۔ حضرت علامہ عثمانی اور حضرت مولانا مدنیؒ دونوں ایک مادر علمی، ایک ہی شیخ کے روحانی فرزند ہیں، دونوں پر دلالت مطابقی کی نسبت صادق آتی ہے یعنی شبیر اور حسین۔ احمد اور احمد۔ اب آپ ہی بتایئے کہ ایک شبیر احمد اور دوسرے حسین احمد ہوتے ہوئے ان میں کوئی فرق معلوم ہوتا ہے جس ہستی کا نام حسین تھا اسی کا نام شبیر تھا بہر حال علامہ عثمانی کی وفات پر دارالعلوم دیو بند کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا۔ ''حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی شخصیت بے مثال تھی علم وفضل میں آپ کا پایہ بلند تھا اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے مولانا کے علم وفضل اور بلند پایہ شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا علمی طور پر ان کی شخصیت مسلمہ کل تھی۔ تحریر وتقریر کا خداداد ملکہ مولانا کا حصہ تھا اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔'' (الجمعیۃ دہلی ۱۶ دسمبر ۴۹ء)

اسی طرح تفسیر عثمانی پر مولانا مدنیؒ کے تاثرات گزشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں جس سے مولانا مدنی کی نگاہ میں علامہ عثمانی کا علمی مقام اظہر من الشمس ہے۔ یہ دونوں حضرات حضرت شیخ الہندؒ کی آنکھ کے تارے اور دارالعلوم دیو بند کے مایہ ناز فرزند ہیں جن پر اس مادر علمی کو ہمیشہ فخر رہے گا یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی دل سے قدر کرتے تھے اور ایک دوسرے کے علم وفضل کے قائل تھے۔ وہ نفوس سعادت سے بہت دور ہیں جو ان میں باہمی آویزش کے نذر کرنے اور افتراق کی خلیج کو وسیع کرنے میں کوشاں رہے۔ رہا سیاسی نظریات اور افکار کا اختلاف یہ علم وفضل اور دانش وعقل کے خلاف نہیں۔ اختلاف نظر وفکر سے انسانی فطرت کو رونق نصیب ہوتی ہے یہ کس دانا نے بتایا ہے کہ ایک گلشن علم کے دو خوبصورت پھولوں کو گلے کا ہار بنانے کی بجائے ان کی پتیوں کو افتراق کی بادخزاں میں اڑا دیا جائے۔ ان دونوں مایہ ناز شخصیتوں کو قریب سے دیکھئے اور قریب لانے کی کوشش کیجئے اور علامہ عثمانی کے پیغام کلکتہ اور خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ کی وہ عبارت پڑھئے جس میں علامہ عثمانی نے مسلم لیگ کے حامیوں کو مولانا حسین احمد مدنیؒ اور ابوالکلام آزاد جیسی جلیل القدر شخصیتوں کی شان میں گستاخیاں کرنے والوں کی پرزور مذمت کی ہے اور اسی طرح قائداعظم کو کافر کہنے والے کانگریسیوں کی بھی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کی، علامہ نے لیگ اور کانگریس کے معتقدین اور سیاستدانوں کو حد اعتدال اور دائرہ تہذیب میں رہ کر کام کرنے کی طرف پورے خلوص اور حسن نیت سے توجہ دلائی ہے۔ خطبہ صدارت مسلم لیگ کانفرنس میرٹھ میں علامہ عثمانیؒ نے مولانا مدنیؒ کے متعلق تحریر فرمایا۔ ''بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے میں اس پر اظہار بیزاری کئے بغیر نہیں رہ سکتا مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو ان کا علم وفضل بہر حال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لئے ان کی عزیمت وہمت اور انتھک جدوجہد ہم جیسے کاہلوں کے لئے قابل عبرت ہے اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں۔'' یہ تھے دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات اور محبت بھرے تاثرات کہ آپس میں کتنی قدر ومنزلت تھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے متعلق ہر قسم کی بدگمانی سے بچائے۔ آمین۔

مفتی اعظم پاکستان سیدی ومرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو حضرت شیخ الہندؒ کے اخص تلامذہ میں سے ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں تعلیم سے فراغت پاکر تزکیۂ نفس کے لیے چند سال حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں رہے اور بالآخر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے اور اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ مسجد نبوی میں علوم قرآن وحدیث کا درس دیا' پھر اپنے استاد مکرم حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ جہاد آزادی میں شرکت فرماکر چار سال مالٹا جیل میں ان کے ساتھ رہے' پھر رہائی کے بعد بھی اسی مشن کی تکمیل میں جدوجہد کرتے رہے اور آخر میں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک ۳۲ سال دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے۔'' (بحوالہ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۱۴۷)

الحاصل آپ ساری زندگی اسلام اور ملک وملت کی خدمت میں مصروف رہے اور آخرکار یہ مرد حق ۱۳ جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ بروز جمعرات بعد نماز ظہر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی قبرستان قاسمی دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔ حق تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(تفصیلی حالات آپ کی خودنوشت سوانح نقش حیات میں ملاحظہ فرمائیے)

﴿۲﴾

رئیس المناظرین

حضرت مولٰنا مرتضٰی حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۸۵ھ

وفات ۱۳۷۰ھ

رئیس المناظرین حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ

(مولانا عطاء الرحمٰن رحمانی مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ ڈیرہ اسماعیل خان)

ولادت:

آپ کی ولادت ۱۲۸۵ھ کے لگ بھگ ہوئی۔ آپ کے والد حکیم سید بنیاد علی صاحب قصبہ چاند پور ضلع بجنور کے مشہور اور حاذق طبیب تھے آپ کے اجداد میں عارف باللہ شیخ طریقت اور صاحب کرامات جناب سید عارف علی شاہ صاحبؒ تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔

تعلیم:

آپ درس نظامی کی تعلیم کے لئے ۱۲۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ آپ ہمیشہ اپنی جماعت میں اعلیٰ و امتیازی نمبر حاصل کرتے رہے۔ آپ کے جلیل القدر اور ممتاز اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ، مولانا محمد محمودؒ اور مولانا منفعت علی شامل تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہ کر مکرر دورۂ حدیث پڑھا اور فیض صحبت حاصل کیا۔ فن معقولات میں تحصیل کمال کی غرض سے معقولات کے نامور اور مشہور استاذ حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کی اعلیٰ کتب پڑھ کر اس فن میں مہارت تامہ حاصل کی۔

مراجعت وطن:

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن چاند پور واپس آ گئے اور اپنے والد کے مطب میں مشغول ہو کر تشخیص امراض و تجویز نسخہ جات میں اور فن دوا سازی میں بدرجہ کمال عبور حاصل کیا۔ اب آپ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر و حاذق طبیب بھی تھے۔

تدریس:

اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی نے در بھنگہ کے قریب مدرسہ

امدادیہ قائم کیا اور حضرت تھانویؒ سے ایک قابل مدرس کی فرمائش کی۔ حضرت تھانویؒ کی فرمائش پر آپ طبی شغل چھوڑ کر دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں علمی درس میں مصروف ہو گئے۔ ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس رہے پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں صدر مدرس رہے۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر پھر دارالعلوم دیوبند میں واپس آنے کا حکم دیا اور حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے غیر معمولی اصرار فرمایا۔ چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا۔ ساتھ ہی سلسلہ تدریس بھی جاری رہا۔

بیعت وارشاد:

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میں رہ کر تعلیم و تربیت سے مستفیض ہوئے۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی اور مکرر حدیث پڑھی اور تعلیم و تربیت وارشاد سے ایک عرصہ تک مستفیض رہے۔ زمانہ قیام کانپور اکثر مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی طرف رجوع کیا۔ پھر حضرت شاہ عبدالرحیمؒ رائپوری کی سرپرستی میں زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ کو اپنا سرپرست اور مربی بنایا۔ حضرت مونگیری کے بعد آپ نے اپنا بزرگ و سرپرست حضرت تھانویؒ کو بنا لیا۔ باوجودیکہ حضرت تھانویؒ آپ کے ہم عصر تھے۔ اور دونوں حضرات نے ایک ہی اساتذہ سے استفادہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت تھانویؒ سے آپ کو تعلق اور عقیدت ایسی ہی تھی جیسے اکابر واسلاف سے تھی۔

حج بیت اللہ:

فراغت علوم کے بعد جب آپ اپنے والد کے پاس طبی مشغلہ میں مصروف تھے۔ اسی زمانہ میں جناب حکیم بنیاد علی صاحب اپنے دونوں صاحبزادوں کو ہمراہ لے کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی بقید حیات تھے۔ حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحبؒ سے بے حد عقیدت تھی اور حضرت حاجی صاحبؒ کو بھی ان سے خصوصی تعلق تھا۔ حکیم صاحب نے مع مولانا چاند پوریؒ حج کی سعادت حاصل کی۔ اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحب کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوتے رہے۔ بعد فراغت حج حکیم صاحب کا مدینہ منورہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ صاحبزادگان کو حکیم صاحب کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ نے دونوں کی سرپرستی فرمائی اور ان کو تسلی و تشفی دیتے رہے۔ دوسری مرتبہ جب مولانا چاند پوری حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کتب علمیہ کا کافی ذخیرہ خرید کر لائے تھے۔ تیسری مرتبہ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی رفاقت میں حج کیا۔ اس سفر میں مخصوص رفقاء شامل تھے جب فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو امیر

قافلہ بنا دیا تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی تھی اور منجملہ دیگر کمالات کے اس میں بھی ان کو خاص کمال تھا مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا تھا اور جملہ خدمات نوبت بنوبت انجام پاتی تھیں۔ چونکہ تمام رفقاء اہل علم ایک مذاق تھے اس لئے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھ طے ہوا۔ (سفرنامہ شیخ الہندص ۲۵)

دعوت وتبلیغ:

مولانا چاند پوریؒ اپنے دور کے مشہور ومقبول مقرر تھے۔ ملک کے اطراف واکناف کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید نہ ہوا ہو۔ آپ کوفن تقریر میں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ وعظ سے قبل دل میں کوئی مضمون نہیں ہوتا۔ خطبہ پڑھنے کے بعد ہی مضمون اس وقت ذہن میں آتا ہے۔ اسی پر بعونہ تعالیٰ تقریر شروع کردیتا ہوں آپ کی تقریر پند ونصائح کے ساتھ لطائف علمیہ ونکات حکمیہ' معرفت' عبادات' قصص وحکایات سے مملو ہوتی تھی۔ آپ کوفن مناظرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ آریہ سماج کے مشہور ومعروف مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں مناظرہ ہوا اور پنڈت کو لاجواب ہوکر دہلی واپس جانا پڑا۔

تصنیف وتالیف:

آپ نے باطل فرقوں کے خلاف بکثرت رسائل تصنیف فرمائے۔ ابتداء میں جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تردید میں بکثرت رسائل تصنیف کئے۔ جن میں سے چند رسائل بنام'' مجموعہ رسائل چاند پوری'' پاکستان میں انجمن ارشاد المسلمین لاہور کی طرف سے طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کے زمانہ قیام مرادآباد میں آریہ سماج مرادآباد کی جانب سے بنام اہل مرادآباد متعدد سوالات شائع کئے گئے تھے۔ مولاناؒ نے ان کے جواب میں بے مثال جوابی رسائل تحریر فرمائے۔

آپ نے قادیانیت کے رد میں بھی بہت سے رسائل تحریر فرمائے جو اس وقت خصوصیت کے ساتھ پنجاب' صوبہ سرحد میں بہت مقبول اور پسندیدہ ہوئے۔ جن میں سے کچھ رسائل بنام'' مجموعہ رسائل''، مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کی طرف سے طبع ہو چکے ہیں جس میں درج ذیل رسائل شامل ہیں۔

فتح قادیان کا مکمل نقشہ جنگ' مرزائیوں کو چیلنج' قادیان میں قیامت خیز زلزلہ' مرزائیت کا خاتمہ' مرزائیت کا جنازہ بے گوروکفن' مرزائیوں سے خدائی مباہلہ' مرزا اور مرزائیوں کو دربار نبوت سے چیلنج' الابطال لاستدلال الدجال' تعلیم الخبیر فی حدیث ابن کثیر' مرزائیوں کے گلے میں لعنت کا طوق' صاعقہ آسمانی برقادیانی' اس کے علاوہ مولانا کا رسالہ'' اشد العذاب علیٰ مسلیمۃ الفنجاب'' بھی ہے۔

مولانا ردمرزائیت کے سلسلہ میں اپنے رسائل کے متعلق نہایت پراعتماد لہجہ میں فرماتے ہیں۔

'' مسلمانوں کے پاس اگر کفریات مرزا' اول السبعین' دوسری سبعین' یعنی یہی مرزائیت کا جنازہ' دفع العجاج'

مرزائیت کا خاتمہ، مرزائیوں کی تمام جماعتوں کو چیلنج صرف یہی رسائل اور اشتہارات ہوں تو بڑے سے بڑا مرزائی بھی خدا چاہے ایک ادنیٰ مسلمان سے بات نہ کر سکے گا۔ اور ان رسائل میں عام فہم باتیں ہیں جو لا جواب ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ لا جواب ہیں۔ بڑا ہی مایہ ناز مسئلہ جو مرزائیت کا لب لباب ہے بلکہ تخم اور درخت اور پھل پھول وہی ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا فوت ہونا اور کسی مثل مسیح کا عروج اور نزول جسمانی کا محال ہونا یہ بھی اس رسالہ میں بفضلہٖ تعالیٰ مرزا صاحب کے اقرار سے ایسا ثابت ہوا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مرزائی جواب نہیں دے سکتے چاہے سب کے سب متفق ہو جائیں اور ہمت ہو تو متفق ہو کر دیکھ لیں۔ اپنی طرف سے کچھ کہا ہی نہیں۔ مرزا صاحب کی عبارات ہیں اور ان کا مطلب ہے۔''

(مجموعہ رسائل ص ۲۴)

''تاریخ دارالعلوم دیو بند'' میں آپ کا سوانحی تذکرہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''آپؒ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے اور حضرت تھانویؒ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ ذکی طباع اور تیز فہم علماء میں سے تھے۔ آپ کی تقریر مشہور اور معروف تھی زبردست مناظر تھے مبتدعین اور قادیانیوں کو تابہ دروازہ آپ ہی نے پہنچایا۔ عرصہ دراز تک دربھنگہ اور مراد آباد میں صدارت تدریس کے فرائض انجام دیئے اور آخر میں دارالعلوم کے عہدہ نظامت تعلیم اور پھر نظامت تبلیغ پر فائز ہوئے۔ دارالعلوم میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آپ کی نمایاں اور غیر معمولی خطابت نے ملک کے گوشہ گوشہ کو مستفیض کیا۔ آپ کو رد بدعات اور رد قادیانیت سے خاص شغف تھا۔ اور اس سلسلہ میں آپ کی بہت سی قابل قدر تصانیف ہیں جو طبع ہو چکی ہیں۔'' (تاریخ دارالعلوم دیو بند)

وطن واپسی:

چونکہ عوارضات ضعف پیری عیاں ہو چکے تھے۔ اس لئے تقریباً نصف صدی سے زائد اپنے وطن چاند پور سے باہر رہ کر واپس آ گئے اور یہاں صرف ذکر و عبادات اور اوراد میں تاحیات مصروف رہے۔

وفات:

دسمبر ۱۹۵۱ء میں آپ کو عشاء کے وضو کے بعد معمولی سردی معلوم ہوئی کچھ دیر بعد حرارت ہو گئی۔ آپ نے نماز عشاء ادا فرمائی اس کے بعد پھر وہی سردی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حالت غشی طاری ہو گئی۔ اس حالت میں بھی زبان متحرک اور مصروف ذکر رہی۔ کچھ ہوش آنے پر ذکر میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔ تقریباً ایک ہفتہ تک یہی حالت رہی۔ ذکر کے سوا زبان سے کچھ نہیں نکلتا تھا۔ اس عرصہ میں توجہ الی اللہ کے ساتھ ذکر کرتے رہے۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۱ء کو آواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

از سید محمد اکبر شاہ جام پوری:

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ

(صدر مبلغ و مناظر دار العلوم دیو بند)

صدر المبلغین، مناظر اسلام، مجاہد تحفظ ختم نبوت حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ علماء حقہ کے اس قافلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے دین متین کے تحفظ کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیتے ہیں اور تمام زندگی خدمت اسلام اور خدمت مسلمین میں گذار دیتے ہیں۔

آپؒ ۱۲۸۵ھ کو قصبہ چاند پور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم سید بنیاد علی صاحب ضلع بجنور کے مشہور اور حاذق طبیب تھے۔ آپ کے اجداد میں عارف باللہ شیخ طریقت اور صاحب کرامات بزرگ حضرت سید عارف علی شاہ صاحب تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ آپ درس نظامی کی تکمیل کے لیے ۱۲۹۷ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیو بند میں داخل ہوئے اور بڑی امتیازی شان سے سند فراغت تعلیم حاصل کی۔ آپ کے جلیل القدر اور ممتاز اساتذہ میں استاد الاساتذہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیو بندیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر دورۂ حدیث پڑھا اور فیض صحبت حاصل کیا۔ چونکہ آپ کو فن معقولات سے خاص دلچسپی تھی اس لئے اس فن میں تحصیل کمال کی غرض سے معقولات کے نامور اور ماہر استاذ مولانا احمد حسن صاحبؒ کی خدمت میں کانپور حاضر ہوئے اور معقولات کی اعلیٰ کتب پڑھ کر اس فن میں کمال و مہارت تامہ حاصل کی۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ اپنے وطن چاند پور واپس آ گئے اور اپنے والد کے مطب میں مشغول ہو کر تشخیص امراض و تجویز نسخہ جات وفن دوا سازی میں بدرجہ کمال حاصل کیا اور ایک جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر و حاذق طبیب بھی بن گئے۔ اسی زمانہ میں مولانا منور علی صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے دربھنگہ کے قریب مدرسہ امدادیہ قائم کیا اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے ایک اعلیٰ و قابل مدرس کی فرمائش کی تب حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی فرمائش پر آپ طبی شغل چھوڑ کر دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں علمی درس میں مشغول ہو گئے اور ایک زمانہ تک وہیں صدر مدرس رہے۔ پھر کچھ عرصہ مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں رہے اس دوران میں آپ نے آریہ سماج کے رد

میں متعدد رسائل تحریر فرمائے اور بابو رام چندر سے مشہور تاریخی مناظرہ کیا۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی پر پھر دارالعلوم دیوبند واپس آنے کا حکم دیا اور مولانا حافظ محمد احمد صاحب قاسمیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے غیر معمولی اصرار فرمایا چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں آپ کو ناظم تعلیمات مقرر فرما دیا گیا' ساتھ ہی سلسلہ تدریس بھی جاری رہا۔ اس دور میں آپ نے قادیانیت کے رد میں بکثرت رسائل تحریر فرمائے جو خصوصیت کے ساتھ پنجاب وصوبہ سرحد میں بہت مقبول اور پسندیدہ ہوئے چونکہ عوارضات ضعف پیری عیاں ہو چکے تھے اس لئے تقریباً نصف صدی سے زائد اپنے وطن چاند پور سے باہر رہ کر واپس آ گئے اور یہاں صرف ذکر وعبادت اور اوراد میں تا حیات مصروف رہے آپ کے علمی شغف کا یہ حال تھا کہ آپ کی تمام عمر کا ذخیرہ تقریباً آٹھ دس ہزار کتب منتخبہ کی صورت میں موجود ہے۔

تحریک ختم نبوت اور تحریک پاکستان میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور پورے برصغیر کا دورہ فرماتے رہے تحریک پاکستان میں اپنے رفقاء شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی' مفتی اعظم مولانا محمد شفیع دیوبندی' مولانا ظفر احمد عثانی' مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور مولانا شبیر علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کے شانہ بشانہ کام کیا اور قائداعظم اور دوسرے مسلم لیگی زعماء کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نقطہ نظر سے آگاہ فرماتے رہے۔ قادیانیت کے خلاف ملک کے کونے کونے کا دورہ کیا اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ کے ہمراہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں مرزائیت کے خلاف تقریریں اور مناظرے کرتے رہے۔

بہر حال آپ حضرت حکیم الامتؒ کی طرح اس دور کے مشہور ومعروف مقرر' واعظ اور مناظر تھے ملک کے اطراف واکناف کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ ہوگا جو آپ کے مواعظ حسنہ سے مستفید نہ ہوا ہو۔ آپ کو فن تقریر میں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وعظ سے قبل دل میں کوئی مضمون نہیں ہوتا خطبہ پڑھنے کے بعد جو بھی مضمون اس وقت ذہن میں آتا ہے اسی پر بعونہ تعالیٰ تقریر شروع کر دیتا ہوں۔ آپ کی تقریر پند ونصائح کے ساتھ لطائف علمیہ ونکات حکمیہ' معرفت عبادات' قصص و حکایات سے مملو ہوتی تھی۔ آپ کو فن مناظرہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ابتداء میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تردید میں بکثرت رسائل تصنیف فرمائے۔ آپ کے زمانہ قیام مراد آباد میں آریہ سماج مراد آباد کی جانب سے بنام اہل مراد آباد متعدد سوالات شائع کئے گئے تھے۔ مولانا نے ان کے بے مثال جوابی رسائل تحریر فرمائے۔ اسی زمانے میں آریہ سماج کے مشہور ومعروف مقرر پنڈت رام چندر سے امروہہ میں مناظرہ ہوا اور پنڈت کو لاجواب ہو کر دہلی واپس جانا پڑا۔ فراغت علوم کے بعد جب آپ اپنے والد کے پاس طبی مشغلہ میں مصروف تھے اسی زمانہ میں حکیم بنیاد علی اپنے دونوں صاحبزادوں کے ہمراہ حج پر روانہ ہو گئے اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ بقید حیات تھے حکیم صاحب کو حضرت حاجی صاحبؒ سے بے حد عقیدت تھی اور حضرتؒ کو بھی حکیم صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ حکیم صاحب نے مع مولانا چاند

پوریؒ حج کی سعادت حاصل کی اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحبؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے بعد فراغت حج حکیم صاحب کا مدینہ منورہ میں ہی انتقال ہو گیا۔ صاحبزادگان کو حکیم صاحب کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے دونوں صاحبزادوں کی سر پرستی فرمائی اور ان کو تسلی وتشفی دیتے رہے۔ دوسری مرتبہ جب مولانا چاند پوریؒ حج کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کتب علمیہ کا کافی ذخیرہ خرید کر لائے تھے۔ تیسری مرتبہ آپ نے حضرت صاحبؒ کے علاوہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ کی رفاقت میں حج کیا۔ اس سفر میں صرف مخصوص رفقاء شامل تھے جب فریضہ حج کی ادائیگی کے بعد سب لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا چاند پوریؒ اور دیگر رفقاء کو حضرت شیخ الہندؒ نے واپسی وطن کا حکم دیا چنانچہ آپ ہندوستان تشریف لائے۔

آپ تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے بیعت ہوئے اور حضرت شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے اور زمانہ قیام مکہ معظمہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر استفادہ فرمایا۔ حضرت شاہ رفیع الدین کے انتقال کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ سے بیعت کی اور مکرر حدیث پڑھی اور تعلیم وتربیت وارشاد سے ایک عرصہ تک مستفیض ہوتے رہے۔ زمانہ قیام کانپور اکثر حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے۔ حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت شیخ الہندؒ کی طرف رجوع کیا' پھر حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ کی سر پرستی میں زندگی بسر کرنے لگے ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کو سر پرست و مربی بنایا۔ حضرت مونگیریؒ کے انتقال کے بعد آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''سب ہی بزرگ اور سر پرست اللہ کو پیارے ہو گئے بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جس کا کوئی سر پرست یا بزرگ نہیں' بھائی میں نے تو اب اپنا بزرگ و سر پرست حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کو بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ مولانا تھانوی کے فیوض جاریہ سے مجھ کو بھی مستفید فرمائے۔'' باوجودیکہ مولانا تھانویؒ آپ کے ہمعصر تھے اور دونوں حضرات نے ایک ہی اساتذہ سے استفادہ کیا تھا لیکن اس کے باوجود حضرت تھانویؒ سے آپ کو تعلق وعقیدت ایسی ہی تھی جیسے اکابر واسلاف سے تھی اور حضرت تھانوی کو بھی نسبت بیعت سے قبل آپ سے خصوصیت رہی۔ چنانچہ جب کبھی آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے حضرت تھانویؒ نے آپ کو اپنا مہربان اور خصوصی مہمان بنایا اور بعد ظہر مجلس ارشاد میں کسی کو بولنے کی جرأت نہ تھی صرف مولانا چاند پوریؒ اس سے مستثنیٰ رہے اور آپ اکثر علمی سوالات کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ زمانہ قیام تھانہ بھون میں آپ کے صاحبزادوں اور قریبی عزیزوں کو مولانا تھانویؒ نے مدعو کیا۔ مولانا چاند پوریؒ نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے درخواست کی کہ آپ ان چاروں کو بیعت فرمالیں۔ حضرت تھانویؒ نے درخواست منظور فرماتے ہوئے کہا کہ آپ کے ساتھ یہ خصوصیت ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر اور آپ کے صرف ایک مرتبہ کہنے پر ان چاروں لڑکوں کو بیعت کرتا ہوں۔

الغرض ساری زندگی خدمت اسلام میں مصروف رہے۔ دسمبر ۱۹۵۱ء کو عشاء کے وضو کے بعد سردی معلوم ہوئی اور نماز کے بعد حرارت بھی ہوگئی اس حالت میں زبان متحرک اور مصروف ذکر رہی۔ ایک ہفتہ تک یہی حالت رہی آخرکار ۲۱ دسمبر ۱۹۵۱ء کو بآواز بلند کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

﴿۳﴾

سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۰۲ھ

وفات: ۱۳۷۲ھ

از سید اکبر شاہ بخاری:
ناظم اعلیٰ مدرسہ اشرفیہ احتشام العلوم:

سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۲۳ر صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۲ر نومبر ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد حکیم ابوالحسن صاحب ایک ممتاز و متین عالم دین تھے اور آپ کا وطن بہار کے ضلع پٹنہ میں ویسنہ کا علاقہ ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے گھر ہی میں حاصل کی۔ کیونکہ آپ کا سارا گھرانہ علمی تھا۔ ابتدائی اور متوسط تعلیم کے بعد ۱۹۰۱ء میں آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ جہاں سے پانچ سال تک حصول تعلیم کے بعد ۱۹۰۶ء میں فراغت وتکمیل کی سند ملی۔ اسی ماحول میں آپ کو علامہ شبلی جیسے مشہور زمانہ ادیب، مورخ، متکلم، فلسفی، محقق ومفکر کی تربیت ونگہداشت کا ماحول میسر آیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام کے دوران آپ نے جو کچھ حاصل کیا اس میں بعض دیگر اساتذہ کرام کا بھی حصہ قابل ذکر ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا محمد فاروق، مولانا حفیظ اللہ، مفتی عبداللطیف اور مولانا عبدالحیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

آپ کی ذہانت اور علمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ جب دارالعلوم کے فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کے سلسلہ میں مارچ ۱۹۰۷ء میں لکھنو کے وسیع ہال میں جلسہ دستار بندی منعقد ہوا تو اس جلسے کی صدارت مولانا غلام محمد فاضل ہوشیار پوری نے کی۔ اس جلسہ میں بڑے بڑے ماہر فن علم وفضل شریک تھے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کو عین وقت پر جلسہ عام میں عربی میں تقریر کرنے کے لئے کہا گیا اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم نے موضوع تقریر ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی'' مقرر کیا۔ آپ نے اس موضوع پر عربی میں اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے ہر طرف طرف سے احسنت اور آفرین کی صدائیں بار بار بلند ہو رہی تھیں۔ اور تمام جلسہ محو حیرت تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر آپ کے استاذ علامہ شبلی مرحوم نے جوش مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت علامہ ندویؒ کے سر پر باندھا جو آپ کے واسطے ہمیشہ کے لئے طرۂ امتیاز بن گیا۔

دینی وعلمی کارنامے:

مختلف علوم وفنون کے حصول سے فارغ ہونے کے بعد چالیس برس تک مسلسل آپ علمی تحقیقی اور تصنیفی مشاغل میں

مصروف رہے۔ فراغت کے فوراً بعد ''الندوہ'' جیسے بلند پایہ خالص علمی ماہنامے کا آپ کو نائب مدیر بنا دیا گیا۔ رسالے کی ادارت برائے نام تھی اصل میں یہ ایک شعبۂ تصنیف و تالیف تھا۔ اس رسالے کا معیار اس قدر اعلیٰ تھا کہ ملک کے چیدہ چیدہ اہل قلم کے مضامین ہی اس میں ترتیب اشاعت ہو سکتے تھے۔

علامہ ندویؒ کے معاصر شہیر مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''نگاہیں جس شوق اور بے تابی سے علامہ شبلیؒ کی تحریروں کی منتظر رہتی تھیں اس سے کچھ کم اشتیاق حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے علمی افادات کا بھی نہیں رہتا تھا۔'' (صدق جدید ۲۲ رجنوری ۱۹۵۴ء)

حضرت علامہ مرحوم نے اس زمانے میں جس قسم کے مضامین سپرد قلم کئے ان کی اہمیت' وقت پسندی اور گونا گونی کا اندازہ آپ چند مضامین کے عنوانات ہی سے کر سکیں گے۔

''اشتراکیت اور اسلام''۔ علم ہیئت اور مسلمان۔ ''اسلامی رصد خانے''۔ ''مسئلہ ارتقاء''۔ ''برنابہ کی انجیل''۔ ''مکررات القرآن''۔ ''طبقات ابن سعد کا تعارف''۔ ''قیامت ایمان بالغیب''۔ وغیرہ سید سلیمان ندویؒ کی علمی قابلیت و جامعیت کا اعتراف عظیم اہل علم اور اساتذہ نے کیا۔ علامہ شبلی اس سلسلہ میں اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ندوۃ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۱۹۱۲ء میں اپنے خطبہ میں برملا فرمادیا:

''ندوہ نے کیا کیا؟ کچھ نہیں کیا' صرف ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے۔''

اس زمانے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں جدید عربی اور علم کلام کے ایک اعلیٰ استاذ کی ضرورت پیش آئی۔ علامہ شبلیؒ نے یہ اہم مسند درس اپنے اس جوان عمر لیکن پختہ علم شاگرد کے سپرد کر دی اور وقت نے ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب بلاشبہ لاجواب تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب علامہ ندوی کی عمر صرف پچیس سال کے لگ بھگ تھی۔ تدریس و تعلیم کا یہ سلسلہ وقفوں کے ساتھ عرصے تک جاری رہا۔ اس زمانۂ تدریس میں جن ممتاز طلباء نے علم حاصل کیا ان میں مولانا مسعود عالم ندوی۔ مولانا محمد ادریس نگرامی اور مولانا شاہ معین الدین کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

۱۹۱۲ء میں برصغیر کی سیاست میں اسلامی اتحاد کی تحریک پیدا ہوئی تو مولانا ابوالکلام آزاد کلکتہ سے اپنا شہرۂ آفاق رسالہ ہفت وار ''الہلال'' نکال رہے تھے۔ انہوں نے ان حالات میں حضرت علامہ ندوی کی معاونت کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے الہلال کے ادارۂ تحریر میں شامل ہونے کے لئے زور دیا۔ مولانا آزاد کی اس خواہش و کوشش پر علامہ شبلی نے خود علامہ سید سلیمان ندوی کو یہی مشورہ دیا اور آپ آزاد صاحب کے ساتھ مل کر تحریر کے میدان میں علمی و ادبی خدمات سرانجام دینے لگے۔ آج تک چار دانگ عالم میں ''الہلال'' کی علمی و ادبی اور سیاسی خدمات کا جو شہرہ ہے بلاشبہ اس میں علامہ سید سلیمان ندوی کی کوششوں کا بھی ایک بڑا حصہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ ''الہلال'' کی معاونت چھوڑ کر پونے میں درس و تعلیم کی غرض سے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ادارت کا کام اس قدر متاثر ہوا کہ آزاد صاحب ان الفاظ میں

علامہ صاحب سے واپس چلے آنے کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

''آپ نے پونا میں پروفیسری قبول کر لی۔ حالاں کہ خدا نے آپ کو درس وتعلیم سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے۔ خدا کے لئے میری سنئے آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت دل میں رکھتا ہوں آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی کی راہ دکھا سکتے ہیں آپ آ کر ''الہلال'' بالکل لے لیجئے اور جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجئے میں صرف اپنے مضامین دے دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا۔ آپ فوراً وہاں سے استعفیٰ دے دیں اور کلکتہ چلے آئیں۔

یہ خط آزاد صاحب نے علامہ ندوی صاحب کو ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کو لکھا تھا۔ دیکھئے مولانا آزاد ایسے نابغہ روزگار حضرت علامہ کی معاونت کی کتنی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ علامہ مرحوم کے جو مضامین ''الہلال'' میں شائع ہوئے وہ مضامین سید سلیمان ندوی کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں۔

نومبر ۱۹۱۴ء کی بات ہے کہ علامہ شبلیؒ کا وقت آخر نزدیک تر آ گیا۔ انہوں نے علامہ ندوی کو تار دے کر پونا سے طلب فرمایا اور ہمیشہ کے لئے اپنے لب اور آنکھیں بند کرنے سے پہلے انہیں نہایت شفقتِ ومحبت سے اپنی زیر تکمیل علمی مہمات بالخصوص ''سیرت النبی'' کو مکمل کرنے کی وصیت فرمائی اور یہ عہد مستحکم کر کے ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو اس بزم رنگ و بو کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحلت فرما گئے۔

اب علامہ شبلیؒ کی مسند خالی تھی اور اس عظیم مسند کی جانشینی کا شرف علامہ ندوی کو حاصل ہوا۔ پھر اپنے استاذ سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا اور ''سیرت النبی'' کی باقی جلدیں لکھ کر بہت بڑا فریضہ سرانجام دیا۔

۱۹۱۵ء میں اعظم گڑھ تشریف لائے اور دارالمصنفین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے لئے آپ نے اپنے قلب و دماغ کی جملہ صلاحیتوں کو اس طرح مرکوز کر دیا کہ کچھ عرصہ بعد علمی دنیا میں دور دور تک اس کی علمی خدمات کا شہرہ پھیل گیا۔ اس کے علاوہ آپ کی علمیت وعظمت وفضیلت کے لئے آپ کی تصانیف شاہد ہیں۔ جن میں ''سیرت النبی''۔ ''خطبات مدراس''۔ ''سیرت عائشہؓ''۔ ''عرب و ہند کے تعلقات''۔ ''ارض القرآن''۔ ''خیام''۔ حیات شبلیؒ اور دیگر مضامین مقالات اور خطبات بڑی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔

قومی وسیاسی خدمات:

دارالمصنفین کے قیام کے بعد حضرت علامہ مرحوم کے روز وشب پہلے سے بھی بڑھ کر علمی مشاغل میں صرف ہونے لگے۔ اس دور میں کچھ موقعوں پر قومی رہنماؤں نے ملکی سیاسی سرگرمیوں کی طرف دعوت دی۔ لیکن آپ سیاست میں آنے سے اجتناب کرتے تھے۔ ورنہ اگر سیاست میں پوری طرح داخل ہوتے تو شاید ملک وقوم کی سیاسی رہنمائی میں بھی وہ چوٹی کا مقام حاصل کر لیتے سیاسی سرگرمیوں سے بہت حد تک الگ تھلگ رہنے کی خواہش وکوشش کے باوجود ان کے ہم عصران

کی سیاسی بصیرت وفراست کے قائل ومعترف تھے۔

ایک بار گاندھی جی نے ان کے بارے میں کہا تھا۔

''یہ بڑا چاتر مولوی ہے۔''

حضرت علامہ صاحب نے سیاست میں باقاعدہ حصہ نہ لینے کے باوجود اپنی زندگی میں بعض ایسے کارہائے نمایاں بھی انجام دئے جنہیں ہم ان کی شاندار ملکی وقومی خدمات قرار دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں۔

آپ نے ۱۹۱۷ء میں مجلس علمائے بنگال کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرمائی اور اس میں انگریزی حکومت کے جبر وتشدد کے باوجود ایسا جرأت آموز خطبہ دیا جس سے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں سے انگریز کی مرعوبیت اٹھ گئی۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالباری فرنگی محل وغیرہ کے اصرار پر وفد تحریک خلافت کے ساتھ علماء ہند کے واحد نمائندہ کی حیثیت سے یورپ تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے نمائندگی کا حق ادا کر دیا۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے جمعیت علماء ہند کے اجلاس منعقدہ کلکتہ کی صدارت فرمائی۔ اس اجلاس کے شرکاء میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جیسے جلیل القدر عالم دین بھی شریک تھے۔ اس اجلاس میں آپ نے جو خطبۂ صدارت دیا وہ مسلمانوں کی سیاست میں قابل یادگار رہے۔

۱۹۲۷ء میں آپ نے انجمن حمایت اسلام کی دعوت پر عہد رسالت میں اشاعت اسلام کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ اس اجلاس میں دیگر علماء وفضلاء کے علاوہ اقبال مرحوم ایسے مشاہیر بھی شامل تھے۔ جنہوں نے آپ کی علمیت وفضیلت اور اہلیت وصلاحیت کا اعتراف فرمایا۔ ہندوستان کی آزاد اور متحدہ حکومت کی صورت میں جو مسائل پیدا ہو سکتے تھے اور جو خدشات پیش آ سکتے تھے۔ انہیں اپنی خداداد بصیرت اور فراست سے بھانپ کر انہوں نے اعلان کر دیا تھا۔ کہ:

''آئندہ حکومت میں مسلمانوں کے خاص مذہبی اور شخصی قوانین کے تحفظ وترقی' اصلاح اور استحکام کے لئے علیحدہ انتظام ہونا چاہئے۔''

حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''دارالعلوم دیوبند محدثین دہلی کے نظر وفکر کی نشاۃ ثانیہ تھی۔ اس کے بانی اور پہلے سرپرست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں باقاعدہ شریک تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پہلے اور دوسرے ذہن کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کے لئے صحت عقائد پر سرسید احمد خان مرحوم سے خط وکتاب کی جو انہی دنوں ''تصفیۃ العقائد'' کے نام سے شائع ہوگئی۔ پھر ان حضرات کے ارشد تلامذہ اور دیوبند کے پرنسپل شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ خود علی گڑھ تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند مرحوم اور ان کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریروں سے نہ

صرف دونوں ذہن ایک دوسرے کے قریب ہوئے بلکہ پہلے طبقے کی کافی حد تک دینی اصلاح بھی ہوگئی۔ علامہ شبلی مرحوم اور ندوۃ العلماء کے ذریعہ جو جدید اسلام کے نام سے سامنے آ رہے تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے دارالعلوم دیوبند نے خاصی سعی فرمائی جو تاریخ دیوبند کا بہترین سرمایہ ہے۔ سید الملت حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے سرپرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے۔ بلکہ ان کے ارشد خلفاء میں شمار ہوئے۔ جن کی علمی عظمت کا اعتراف علامہ اقبال مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

''مولانا شبلی کے بعد علامہ سید سلیمان ندوی استاد الکل ہیں۔ اور علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندویؒ کے اور کون ہے۔ حضرت علامہ سید صاحب قلندر ہیں۔

(مکاتیب اقبال جلد اول)

ڈاکٹر اقبال مرحوم کا دردمند دل جب سوئی قوم کو جگا رہا تھا تو علماء دیوبند نے محسوس کیا کہ مبادا ڈاکٹر اقبال مرحوم کی فکر اسلام کی اسنادی علم سے ذرا مختلف ہو جائے۔ اس لئے فلسفہ اسلام کی بعض گہرائیوں پر اقبال مرحوم سے گفتگو ہونی چاہئے چنانچہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لاہور تشریف لائے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم سے اہم ملی مسائل اور اسلام کی فکری گہرائیوں پر کئی دن تبادلہ افکار رہا۔ انجمن حمایت اسلام سے ڈاکٹر صاحب نے قادیانیوں کے متعلق جو موقف اختیار کیا وہ زیادہ تر انہی مذاکرات کی صدائے بازگشت تھی بہر حال ڈاکٹر صاحب کے خیالات و افکار کی اصلاح میں علمائے دیوبند کا بہت بڑا دخل ہے اور انہیں حضرات خصوصاً علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی کوششوں کا ثمرہ ہے۔ کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے افکار سلف سے کہیں نہیں ٹکرائے۔ اور نازک سے نازک مسائل میں وہ اسلام کی شاہراہ عظیم سے ذرا ادھر ادھر نہیں ہوئے۔ علامہ اقبال مرحوم اور علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ جداگانہ قومی نظریئے پر متفق ہوئے جس کی صدائے بازگشت ہندوستان کے سیاسی میدانوں میں برسوں بعد تک سنی جاتی رہی اسی طرح علامہ اقبال نے ستر خطوط علامہ سید سلیمان ندوی کے نام لکھے۔ جن میں مسئلہ زمان ومکان، ختم نبوت، حقیقت وحی۔ قرآن میں ناسخ ومنسوخ اور اسلام میں خلیفہ کے اختیارات وغیرہ ایسے فلسفیانہ اور متکلمانہ قرآنی اور فقہی مسائل میں سید صاحب سے استفادہ کیا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان)

حصول پاکستان اور نظام اسلام کے لیے جدوجہد:

ہندوستان کی تحریک آزادی میں علماء دیوبند نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ تحریک پاکستان میں نہ صرف زبانی بلکہ عملی تائید کی بلکہ قائداعظم کی قیادت کو مسلمانوں کے لئے ان حضرات نے مفید تصور کیا اور کبھی قائداعظم کی مخالفت نہ کی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو تحریک پاکستان کے حامی علماء کی قیادت فرما رہے تھے انہوں نے قائداعظم سے باقاعدہ خط وکتابت کی۔ تھانہ بھون سے مسلم لیگ کے اجلاسوں میں تبلیغی وفود بھیجے گئے۔ اور ۱۹۳۸ء کے

اجلاس پٹنہ میں حضرت حکیم الامت کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ۱۹۴۳ء میں حضرت تھانویؒ کو دعوت شرکت دی گئی۔ بہر حال حضرت تھانویؒ اوران کے رفقاء کار شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی۔ حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ اور ان کے تمام خلفاء عظام خصوصاً علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا خیر جالندھریؒ اور مولانا اظہر علی صاحب سلہٹیؒ وغیرہ حضرات نے حصول پاکستان کے لئے بڑی جدو جہد کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تحریک پاکستان کے دوران ۱۹۴۵ء کے لیاقت کاظمی الیکشن میں جو کارنامہ سرانجام دیا اس کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے جو لیاقت علی خان مرحوم نے الیکشن کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو لکھا انہوں نے تحریر فرمایا۔

> ’’میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھا سکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا کی اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدو جہد بہت باعث برکت ثابت ہوئی۔ آپ حضرات کا اس نازک موقعہ پر گوشہ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں آنا اور اس سرگرمی سے جدو جہد کرنا بے حد مؤثر ثابت ہوا۔اس کامیابی پر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ خصوصاً اس حلقہ انتخاب سے جہاں ہماری جماعت نے مجھے کھڑا کیا تھا۔ آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بڑی حد تک ختم کر دیئے ہیں۔ اس سے بھی سخت معرکہ سامنے ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بڑی امید ہے کہ دشمنان ملت اس معرکہ میں بھی خاسر و نامراد ہوں گے۔ آپ کی تحریریں‘ تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتد بہ حد تک ختم کر دیں گی۔‘‘

سلہٹ اور سرحد ریفرنڈم میں ان حضرات نے جو کارنامے سرانجام دیئے اخبارات کے پرانے فائل اس کے گواہ ہیں اور ان حضرات کی تحریک پاکستان میں خدمات کے پیش نظر ہی نئی مملکت اسلامیہ کے پرچم کشائی کی رسم کی ادائیگی کا اعزاز انہیں علماء دیو بند کے دو جرنیلوں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمان کو بخشا گیا تھا۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ ساری زندگی اپنے شیخ کے مسلک ومشرب پر قائم رہے۔ اور اپنے علم وفضل سے دنیائے اسلام کو سیراب وشادات کرتے رہے آپ نے بھی ملکی سیاسیات میں اہم کردار ادا کیا۔تحریک خلافت میں بھر پور حصہ لیا۔ اور پھر اپنے شیخ حضرت تھانوی کے سیاسی نظریات کی مکمل حمایت فرمائی آپ کی تحریر اور تقریر سے کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ آپ نے مسلم لیگ یا پاکستان کی مخالفت کی ہو اور یہ نا قابل تردید حقیقت ہے کہ آپ نے مسلم لیگ اور پاکستان کی مکمل حمایت فرمائی۔

کلکتہ کے مشہور اخبار ’’عصر جدید‘‘ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۴۶ء میں ایک فتویٰ ڈھاکہ کے ایک شخص محی الدین کے استفسار کے جواب میں کہ آیا مسلم لیگ کی حمایت کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ شائع ہوا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر حضرات نے یہ فتویٰ دیا کہ:

''اس وقت مسلمان' کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔''

اس فتویٰ پر علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے بھی دستخط موجود ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علامہ ندوی صاحبؒ بھی پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ یہاں یہ بات بھی پوری ذمہ داری ہے واضح کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے تمام خلفاء اور متعلقین تحریک پاکستان کے حامی رہے اور اپنے شیخ کے سیاسی نظریات کی مکمل تائید وحمایت کرتے رہے۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے سبھی خلفاء پاکستان کے حامی تھے اور دارالعلوم دیوبند کے پانچ بڑے عہدیداران' سرپرست' صدر مہتمم' صدر مدرس' صدر مفتی اور مہتمم میں سے چار مسلم لیگ کے ہم خیال تھے۔ سرپرست حکیم الامت تھانویؒ تھے۔ صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب تھے۔ صدر مدرس حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ''کانگریس میں تھے۔

ہمیں ان دوستوں پر بہت افسوس ہے جو پاکستان کی مخالفت میں تو دیوبند کا ذکر کرتے ہیں لیکن پاکستان کی حمایت میں اکابر دیوبند کی خدمات کا اعتراف نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ ان اکابر کی خدمات کے بغیر پاکستان کی تعمیر کسی طرح ممکن نہ تھی۔ حلقۂ دیوبند کا ایک بہت بڑا طبقہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں علی الاعلان مسلم لیگ کے ساتھ تھا۔ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے تمام خلفاء پاکستان کے حامی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے مسلمانوں سے کیئے گئے اس وعدے کو پورا کیا کہ پاکستان کا دستور قرآن وسنت پر مبنی ہوگا۔ اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد پاس کرائی۔ جس میں اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہوگا اور اس کے قوانین شریعت اسلامیہ پر مبنی ہوں گے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ اور بڑی محنت سے قرارداد مقاصد پاس کرائی۔ مگر افسوس کہ علامہ کی وفات کے بعد ملکی قیادت کے مدوجزر نے اس قرارداد کو بھی ایک یادگار ماضی بنا کر رکھ دیا۔ حالانکہ یہ قرارداد پاکستان کی روح تھی اور اسی مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔

لیاقت علی خاں مرحوم نے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے ارشاد کے مطابق تعلیمات اسلامیہ کا ایک بورڈ قائم کیا' جو شریعت کی روشنی میں پاکستان کی قانون سازی کرے۔ اور پھر یہ سفارشات دستور ساز اسمبلی میں پیش ہوں کہ بعض اعیان حکومت کا خیال تھا کہ علماء اسلام وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلامی قانون جزئیات مرتب نہ کرسکیں گی۔ اور روایات

کے اختلاف میں الجھ کر رہ جا یں گے۔ مگر علمائے دیو بند نے وقت کے اس چیلنج کو بھی قبول کر لیا اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب اور حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ خلیفہ خاص حضرت حکیم الامت تھانویؒ جو اس بورڈ کے ممبران میں سے تھے انہوں نے اس بیدار مغزی، روشن خیالی اور وسعت نظر سے اسلام کی قانونی جزئیات مرتب کیں کہ حکمران طبقے کے لئے اعتراض کا کوئی موقعہ نہ رہا۔ سوائے اس کے کہ وہ قانونی مسودات کو سرخ فیتے سے باندھ رکھیں اور دستور ساز اسمبلی تک پہنچنے ہی نہ دیں۔ ہمیں اس وقت اس کی علت و غایت سے بحث نہیں۔ ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ علماء دیو بند نے وقت کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ہر موقع پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اکابر علماء اسلام نے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کی بھی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اجتہاد آزاد نہ ہو پچھلے مجتہدین کرام کے بیان کردہ اصولوں کے ماتحت ہو۔ اور اس کا مقصد بھی نئے مسائل کا حل ہو۔ پہلے فیصلوں کی تردید و تنقیص نہ ہو۔ اس قسم کے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا نئے اجتہاد کا مطلب پچھلے مجتہدین کی تغلیط نہیں۔ پچھلے ذخیرہ اجتہاد پر ایک ضروری اضافہ ہے علماء دیو بند نے اس قسم کے اجتہاد کو کبھی منع نہیں کیا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کی اجازت انہی لوگوں کو ہو جو اس کے اہل ہوں اور پچھلے فقہاء و مجتہدین کے اصول و فروغ پر پوری نظر رکھتے ہوں۔

(ماخذ ماہ نامہ الرشید دار العلوم دیو بند نمبر)

الغرض حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اور دوسرے اکابر علماء دیو بند نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا اور پاکستان میں نظام اسلام کے نفاذ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے اور پوری طرح پاکستان کے حامی اور خیر خواہ رہے۔ علامہ شبیر احمد عثانی کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں تعلیمات اسلامی بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اور بائیس نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا۔ پھر ۱۹۵۲ء میں دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی اس کی صدارت آپ ہی نے فرمائی۔ اسی طرح ۱۹۵۳ء کے اوائل میں تحریک ختم نبوت کے لئے علماء کرام کی جو مجلس عمل تشکیل دی گئی اس کے بھی آپ صدر منتخب ہوئے اور آخر کار خدمت اسلام انجام دیتے ہوئے ۲۲ رنومبر ۱۹۵۳ء کو آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین (اکابر علماء دیو بند مؤلفہ احقر بخاری غفرلہ)

از پروفیسر عبدالمغنی شعبہ انگریزی پٹنہ یونیورسٹی:

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا علمی کارنامہ

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غیر منقسم ہندوستان کے ان معدودے چند عظیم ترین علمائے کرام میں ایک تھے جنہوں نے عصر حاضر کی علمی زندگی پر اپنا نقش دوام ثبت کیا ہے۔

چنانچہ بقول اقبالؒ جوئے اسلام کے جس فرہاد نے شبلی، اقبال اور ابوالکلام آزاد سبھی کے خواب شیریں کی تعبیر نکالی اور اس کو پورا کرنے کے لئے تحقیق وتصنیف کی ایک شاہراہ تعمیر کی، نیز اس پر گامزن ہونے کے لئے ایک پورا قافلہ مرتب کیا اور اس کو منزل کی طرف گامزن کر دیا اس کا نام سید سلیمان ندویؒ ہے۔ اس فرہاد علم وتحقیق نے اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کو پروان چڑھایا اور ندوۃ العلماء کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ دارالمصنفین کے ترجمان کی حیثیت سے ماہنامہ ''معارف'' جاری کیا سیرۃ النبیؐ تکمیل کی، سیرۃ عائشہؓ مرتب کی، عرب و ہند کے تعلقات کا سراغ لگایا، خطبات مدراس دیئے، نقوش سلیمانی تحریر کئے، عمر خیام کی حقیقت واہمیت واضح کی اور تاریخ اسلام سے لے کر سیر الصحابہؓ اور بزم صوفیہ تک تصنیف کرائی اس کے علاوہ سید سلیمان ندویؒ نے تحریک خلافت سے عالم اسلامی تک بین الاقوامی اور بین الملّی سطح پر ملک وملت کی یادگار خدمات انجام دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تقسیم ہند سے قبل کے ہندوستان میں سید صاحب کے زیر قیادت ادارے علماء وقت کے مراکز بن گئے اور علمی وتحقیقی کاموں کے لئے ان کے تمام ہم عصر علماء نے ان اداروں کے ساتھ ہر طرح تعاون کیا۔

سیرۃ النبیؐ علامہ ندویؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس کی سات عظیم الشان جلدوں میں پانچ انہی کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس کتاب میں پہلی بار دنیا کی کسی زبان میں سیرت رسولؐ کے موضوع پر تمام مضامین ومضمرات کا احاطہ جدید ترین معلومات کی روشنی میں کیا گیا، چنانچہ سیرت پر کوئی اتنی جامع کتاب آج تک نہ تو اس سے قبل تحریر کی گئی نہ اس کے بعد۔ یہی وہ تاریخی دستاویز ہے جس کے ذریعہ مستشرقین کہلانے والے علماء مغرب کی ان جہالتوں کا پردہ چاک کر دیا گیا جو وہ سیرت رسولؐ پر اپنے متعصّبانہ حملوں میں ظاہر کرتے رہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیرت النبیؐ کے ذریعہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسلام کے اس نظام حیات کا مکمل نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی جو شارع اسلامؐ نے خود اپنی زندگی میں احکام وحی کے تحت مرتب کر دیا تھا

اور اس کے ہر پہلو پر عمل کر کے بھی دکھایا تھا۔ سیرۃ النبیؐ میں قرآن وحدیث کے علاوہ سیرۃ کے تمام قدیم مآخذ کا عطر پیش کر دیا گیا اور اس سلسلہ میں جدید مباحث کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اب یہ کتاب بجائے خود سیرت نبویؐ کا ایک اہم ترین ماخذ بن گئی ہے اور سیرت پر کوئی علمی کام اس سے بے نیاز ہو کر نہیں کیا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ایک کتاب نے اپنے مواد واثر دونوں سے سیرت کی بے شمار کتابیں اور مضامین ومقالات پیدا کر دیئے' نیز لاتعداد خطیبوں کو مستند مقرر بنا دیا۔ پوری دنیا میں اس کتاب کے علمی معیار و وقار کو تسلیم کیا جا چکا ہے اور متعدد زبانوں میں اس کے تراجم کی کوششیں کی گئی ہیں جو ابھی تک شاید کتاب کے وزن وحجم کے سبب جزوی طور پر ہی کامیاب ہو سکی ہیں۔ کتاب کے مباحث سید صاحبؒ کو بیک وقت سیرت نگار' محدث' مفسر' فقیہ' متکلم اور ادیب کی اعلیٰ حیثیتوں میں پیش کرتے ہیں۔

سیرت نبویؐ کے ساتھ اسی شغف نے علامہ سید سلیمان ندویؒ سے تین اور زبردست علمی کام کرائے جن میں ایک ''ارض القرآن'' ہے جو دراصل سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ کے طور پر ایک مبسوط مقالہ کی شکل میں تصنیف کی گئی تھی اور اس میں قرآن کریم کی تاریخی وجغرافیائی تفسیر کے طور پر ان مقامات واقوام کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کا ذکر اور حوالہ قرآن کریم میں آیا ہے اس کا کچھ حصہ سیرت النبیؐ میں شامل کیا گیا۔ پھر پورے مواد کو زیادہ شرح وبسط کے ساتھ ایک مستقل کتاب کی صورت دے دی گئی۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب کے مقدمہ سے بڑھ کر جو چیز بجائے خود ایک مستقل کتاب بن گئی وہ قرآن کے مباحث اور شارع اسلام علیہ السلام کی سیرت کا مکمل جغرافیائی وتاریخی پس منظر پیش کرتی ہے اور اس کے مطالعہ سے آشکارا ہوتا ہے کہ اصولی طور پر کتاب اللہ میں اور عملی طور پر سنت رسولؐ کے نمونہ میں نظام اسلام کا جو بنیادی خاکہ مرتب ہوا وہ تاریخ کے کن احوال اور روئے زمین کے کن مقامات کے پس منظر میں رونما ہوا۔ یہ کتاب ابھی تک اپنے موضوع پر سب سے اہم علمی تصنیف ہے اور اس سے بہتر کوئی تصنیف دنیا کی کسی زبان میں مرتب نہیں ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری چیز ''خطبات مدراس'' ہے جس میں سیرت رسولؐ کی جامعیت کو بڑے جامع' مختصر اور دلنشیں انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب سیرت رسولؐ کا عطر ہے اور حد درجہ مؤثر ہے۔ سیرت کے موضوع پر یہ عالمانہ ومحققانہ خطبات اپنے مواد وانداز دونوں کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ مساجد کے منبروں اور جلسہ سیرت کی محفلوں میں ان خطبات کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔ نئی نسلوں نے سیرت اور سنجیدہ خطبات کے کتنے ہی سبق ان خطبات سے لئے۔ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب سیرت رسولؐ کا بہترین خلاصہ پیش کرتی ہے۔

تیسری سیرت رسولؐ جو سید صاحبؒ کے قلم سے نکلی، ''رحمت عالم'' ہے۔ جو نوجوانوں اور عام طالب علموں کے لئے مختصر پیمانے پر اور سادہ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ کتاب متعدد درسگاہوں کے نصاب میں داخل رہی ہے یہ اپنے موضوع پر سب سے آسان اور عام فہم تصنیف ہے جس کا مطالعہ کر کے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سیرت رسولؐ کی مستند واقفیت حاصل کر سکتا ہے اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی سنوار سکتا ہے۔

سیرت عائشہ اپنے موضوع پر ایک نادر تصنیف ہے جس میں ام المومنینؓ کی زبردست شخصیت کا مکمل و مؤثر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی مثالی عورت کیا اور کیسی ہوسکتی ہے اور کس طرح وہ پردے کی شرعی حدود میں رہتے ہوئے سماج کی بہترین علمی و عملی خدمات انجام دے سکتی ہے نیز بحیثیت عورت اپنی شخصیت کے تمام امکانات کو بروئے کار لاسکتی ہے۔ یہ کتاب بھی اعلیٰ تحقیق کا نمونہ ہے اور اپنے موضوع کے جدید قدیم ماخذ کا احاطہ کرتی ہے' اس کے صفحات میں رسول کریم ﷺ کے اہل بیت کا ایک مستند نقشہ ملتا ہے اور دنیا کے سب سے بڑے انسان کی پاکیزہ خلوتوں کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اسلام کی ان خالص دینی خدمات کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ملت اسلامیہ کی تاریخ اور مسلمانوں کے کارناموں کی تحقیق سے بھی حد درجہ شغف رکھتے تھے اس سلسلہ میں متعصب انگریز مؤرخوں اور ان کے مقلد فرقہ پرست ہندو تاریخ نویسوں کی طرف سے آئے دن جو فتنے جاہلانہ' وحشیانہ انداز میں اٹھائے جاتے تھے ان کا مسکت مؤثر جواب دینے کے لیے سید صاحبؒ کے زیر قیادت پورا دارالمصنفین اور اس کا رسالہ ''معارف'' تو سرگرم تھا ہی' خود سید صاحبؒ نے ایک بہت ہی وسیع اور اہم موضوع ''عرب و ہند کے تعلقات'' کو ایک مبسوط محققانہ تصنیف کے لئے منتخب کیا اور اپنی معلومات و دلائل سے ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے ساتھ عربوں کے تعلقات اس ملک پر مسلمانوں کی فوج کشی کے بہت قبل اور قدیم ترین ادوار سے تجارتی ثقافتی اور علمی سطحوں پر رہے تھے لہذا ہندوستان میں مسلمان اجنبی حملہ آوروں کی طرح نہیں داخل ہوئے نہ انہوں نے اپنے مفتوحین کے ساتھ جاہل وحشیوں جیسا سلوک کیا بلکہ وہ اس ملک میں ایک ایسے زبردست تہذیبی و اصلاحی عنصر کی طرح داخل ہوئے جس نے اپنی سیاسی و عسکری طاقت سے بھی زیادہ اپنے علمی و اخلاقی کمالات سے پورے ملکی سماج کی نشاۃ ثانیہ کا سامان کیا۔

عرب دنیا میں اسلام کے پیغام کے علمبردار اولین تھے اور انہوں نے آج کی نئی دنیا کی بنیاد رکھی تھی دور جدید کے علوم وفنون کی بہترین ایجادات و انکشافات کی راہیں عربوں نے ہی ہموار کی تھیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق و تفتیش کے ذریعہ مشرق و مغرب کی طنابیں کھینچ کر ملا دیں اور عہد وسطیٰ میں سائنسی آلات کے ساتھ ساتھ حکیمانہ نقشے بنا کر پوری دنیا کی سیر و سیاحت کی۔ نئی دنیاؤوں کی دریافت میں واسکوڈی گاما اور کولمبس کی پیش روی اور رہبری عربوں ہی نے کی لیکن احسان فراموش اہل مغرب اپنے جاہلانہ تعصبات کی بناء پر عربوں کے ان کارناموں کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ انہیں دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ ایک طرف اپنی ذہنی برتری کا سکہ عالم انسانیت پر جمائے رکھیں اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو احساس کمتری میں مبتلا رکھیں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس سلسلہ میں ایک اہم موضوع ''عربوں کی جہاز رانی'' پر صرف چار خطبات میں علمائے مغرب کے فریب کا پردہ چاک کر دیا اور واضح کر دیا کہ عصر حاضر کی جہاز رانی کے استاد اول عرب ہی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستان میں عربی زبان و ادب کی اشاعت کی طرف بھی توجہ دلائی۔ وہ خود عربی کے عالم اور ادا شناس تھے انہوں نے اس زبان کی ترویج کے لئے ایک طرف ''دروس الادب'' لکھی جو عربی دانی کی ابتدائی نصاب کے طور پر درسگاہوں میں تجویز کی گئی اور دوسری طرف ایک ''لغات جدید'' کی تالیف کر کے جدید عربی صحافت و ادب کے تمام مروجہ الفاظ ومحاورات و اصلاحات کی تشریح کی۔ اس کے علاوہ اپنی نگرانی میں عربی رسالہ ''الضیاء'' کا اجراء کیا۔ یہی وہ رسالہ ہے جس نے پہلی بار ہندوستان کے ساتھ عالم عرب کا براہ راست رابطہ قائم کرایا اور عالم ندوی نیز ابوالحسن علی ندوی جیسے عربی کے ادیب پیدا کئے اور مقبول ترین اثاثہ بنا دیا۔ ابوالحسن علی ندوی کے عربی خطبات دنیائے عرب میں نشر ہوئے اور ان کے بعض مضامین سے اقبال کے کلام و پیام کی تفہیم کا بھی کچھ کام عربی زبان میں ہوا۔

سید صاحب فارسی ادب کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے اور اس زبان کے محاورات پر ان کی نظر اتنی گہری اور وسیع تھی کہ بعض وقت علامہ اقبالؒ جیسے فارسی کے عظیم ترین شاعر کو انہوں نے زبان و بیان کے بعض امور کی طرف متوجہ کیا اور اقبالؒ نے بہت خوش دلی کے ساتھ اس سلسلہ میں سید صاحبؒ سے تبادلہ خیال کیا جس کا ثبوت مکاتیب اقبالؒ میں موجود ہے۔ سب سے بڑھ کر ''عمر خیام'' پر سید صاحبؒ کی معرکۃ الآراء کتاب عصر حاضر کے ہندوستان میں شعرالعجم کے بعد فارسی تنقید کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور اس کی بہت ہی شاندار پذیرائی ایران و افغانستان اور دوسرے ممالک کے فارسی دان طبقوں میں ہوئی۔ یہاں تک کہ علامہ اقبالؒ نے یہ داد دی کہ خیام پر سید صاحب نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ماضی میں خیام پر کی ہوئی تمام تحقیق وتنقید میں زبردست اضافہ ہے۔ بلکہ آئندہ بھی کوئی اضافہ خیام کے متعلق سید صاحبؒ کی تصنیف پر متوقع نہیں ہے۔ یہ نادر کتاب اس مقالہ پر مبنی ہے جو سید صاحبؒ نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں پیش کیا تھا۔ یہی وہ تصنیف ہے جس میں پہلی بار خیام کے بارے میں کم علم مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ فارسی کا یہ مشہور ترین رباعی گو کوئی رند شاہد باز نہیں، اپنے وقت کا ایک عظیم فلسفی اسکالر اور سائنس دان تھا۔

اردو زبان و ادب کے تو سید صاحبؒ ایک عظیم محقق، عالم، ادیب اور خطیب تھے ہی زبان کے سلسلہ میں ان کی تحقیق اور ادب پر ان کی تنقید کا اعلیٰ نمونہ ان کے مجموعہ مضامین ''نقوش سلیمانی'' میں موجود ہے۔

اور جس طرح صحیح تاریخ نویسی کے ذریعے سید صاحبؒ ماضی کا ریکارڈ درست کرانا چاہتے تھے تاکہ حال کی درستگی کا سامان ہو، اسی طرح نصاب تعلیم کی اصلاح کر کے وہ مستقبل کے بہتری اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کا انتظام بھی کرانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر انہوں نے متعدد اہم تجویزیں پیش کیں اور کثرت کے ساتھ تعلیمی اجتماعات سے خطاب کیا چنانچہ نہ صرف پورے ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی انہیں مشرقی تعلیمات پر ایک سند تسلیم کیا گیا اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے درسیات کی ترتیب میں ان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس سلسلہ میں قدیم علماء کے ساتھ ساتھ جدید فضلاء

کو بھی علوم شرقیہ میں ان کی مہارت پر کامل اعتماد تھا یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بعض صوبوں کی حکومتوں سے لے کر حکومت افغانستان تک نے اپنی درسگاہوں کے نظام و نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کے لئے سید صاحبؒ کو دعوت دی اور انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ یہ مشکل کام انجام دیا۔

تقسیم ہند سے قبل تقریباً نصف صدی تک علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ذات ہندوستان میں علوم مشرقی کا مرکز و مرجع تھی اور ملک کے تمام علمی ادارے خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید' اپنے اہم ترین امور میں ان کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھتے تھے شاید ہی کوئی تعلیمی یا تہذیبی سرگرمی ہو جس میں حضرت سید صاحبؒ کے مشورے شامل نہ ہوں۔ مختلف مذہبی' سماجی اور سیاسی تحریکوں میں بھی ان کی شمولیت اور ہدایت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ عالم اسلام کے مسائل میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کو جو اعلیٰ قیادت دلچسپی لیتی اور بین الاقوامی سطح پر کام کرتی تھی اس کے ایک اہم ترین رکن سید صاحبؒ بھی تھے۔ ان کے نزدیک زیر ادارات دارالمصنفین کا ترجمان ماہنامہ ''معارف'' ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی ترجمان تھا اور اس دور ادارت کا شاید ہی کوئی واقعہ' قومی یا بین الاقوامی دائرے میں ایسا ہو جس پر محکم اور مؤثر تبصرہ ''معارف'' میں نہ ہوتا ہو۔ ملک کی تحریک آزادی ہو یا مشرق کی نشاۃ ثانیہ یا مغرب کی دو عظیم جنگوں کے اثرات' یا عالم اسلام کے واقعات' سبھی کے تاریخ ساز پر مدیر معارف کی عالمانہ و عاقلانہ رائے کا وزن محسوس کیا جاتا تھا۔

لیکن اپنے تمام علمی کمالات اور عملی مجاہدات کے باوجود سید صاحبؒ نے عصر حاضر کے اجتماعی مسائل کے حل کے لئے نہ تو کوئی باضابطہ تحریک چلائی نہ مستقل تنظیم قائم کی صرف ندوۃ العلماء کے تعلیمی دارالمصنفین کے تصنیفی اور معارف کے علمی اداروں سے کام لیتے رہے۔ ایسا اس لئے ہوا کہ وہ بڑے پیمانے پر منظم اقدام اور پیہم جدوجہد کے لئے آمادہ نہ تھے خاص کر کسی سیاسی کش مکش کی قیادت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے ان کی شخصیت کا یہی وہ میلان تھا جو انہیں تصوف کی طرف لے گیا اور وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ (ملخص معارف)

پروفیسر واصل عثمانی:

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ندوۃ میں فارغ التحصیل طلباء کی دستار بندی کا جلسہ ہو رہا ہے۔ مشاہیر علماء وفضلا بھی اس تقریب میں موجود ہیں مگر ان سب میں علامہ شبلی پیش پیش ہیں کیونکہ وہ اپنی انتھک کوششوں کا ثمران طلباء کی شکل میں دیکھ رہے تھے جو آج شاداں و فرحاں اپنی کارگذاریوں پر انعامات حاصل کرنے کی توقع میں جمع تھے۔ انہیں طلباء میں سے ایک طالب علم دستار بندی کے بعد مجمع کو عربی زبان میں مخاطب کر کے حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ سامعین میں سے کسی نے کہا کہ عربی کی استعداد کا اندازہ اس طرح سے نہیں لگایا جا سکتا کہ پہلے سے تیار کی ہوئی تقریر جلسہ میں کی جائے بلکہ عربی زبان اور علمی استعداد کا اندازہ تو اس وقت ہو سکتا ہے جب اسی وقت موضوع دیا جائے اور اس پر طالب علم تقریر کرے اس سوال پر اسی وقت ایک موضوع دیا گیا جس پر اس طالب علم نے برجستہ بڑی مدلل اور مفصل تقریر عربی زبان میں کر دی چاروں طرف سے داد و تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے اور شمس العلماء شبلی نعمانی نے اپنا عمامہ اتار کر اس عزیز شاگرد کے سر پر رکھ دیا گویا اس طرح سے انہوں نے اپنا جانشین اپنی زندگی میں ہی نامزد کر دیا۔ یہی طالب علم جو اس وقت ارباب علم وفکر کی نگاہوں کا مرکز ومحور بنا سید سلیمان ندوی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آگے چل کر اس طالب علم نے ندوہ کا نام روشن کیا اور ندوہ اور سلیمان لازم وملزوم بن کر رہ گئے۔ ندوہ کی تاریخ میں یوں تو ابتدا سے آج تک بہت سے اصحاب کے اسم گرامی جلی حروف سے لکھے جائیں گے۔ مگر دارالعلوم ندوہ نے سید سلیمان ندوی جیسی دوسری شخصیت آج تک پیدا نہیں کی۔ خود ندوہ سید صاحب کے علم وفضل کی وجہ سے شناخت کیا جانے لگا۔ ارباب فکر ونظر نے ندوے کی استناد سید سلیمان ندوی کے حوالے سے دینا شروع کر دیا سلیمان اور ندوہ دونوں ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہو کر رہ گئے کہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ جتنا ندوے نے سید سلیمان کو دیا اس سے کہیں زیادہ سلیمان نے ندوے کو بخشا سید سلیمان ندوے کی آبرو تھے۔ جنہوں نے اپنی علمی تحقیق، ادبی نگارشات، مورخانہ دیانتداری اور فقیہانہ شعور کو اتنا مصفیٰ ومزین کر رکھا تھا کہ ان کا اسم گرامی ہی کسی روایت کو صادق وصحیح ثابت کرنے کے لئے کافی تھا۔ انہوں نے جس روایت کو نقل کر دیا وہ مستند ومعتبر تصور کی جانے لگی۔ شبلی کی کوششوں نے ندوہ کو زندہ بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے ندوہ کے عشق کو اپنے دوسرے

مشاغل ومصروفیات پر ایسی فوقیت دے رکھی تھی کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اپنی اس علمی محبوبہ کو وہ دنیا کے سامنے اس طرح پیش کرنا چاہتے تھے کہ جو دیکھے وہ حیرت زدہ ومبہوت ہو کر رہ جائے۔ حالانکہ آخر ۱۹۱۳ء میں انہوں نے مخالفوں کی ہرزہ سرائی کی بناء پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ مگر ان کے خون سے سیراب کیا ہوا پودا ایک تناور درخت کی شکل میں اس وقت نمودار ہوا۔ جب سید سلیمان ندوی کے عمامے کا شملہ عرب وعجم کے ادبی وعلمی افق پر لہرانے لگا۔ باالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شبلی نے اس کی بنیادوں کو مستحکم کیا اور سید سلیمان ندوی نے علوم ومعارف کے اینٹ گارے سے اس کی بلندی و رفعت میں اضافہ کیا' تحقیق کے جھاڑ و فانوس نصب کئے۔ اور اپنی سلیس وشگفتہ صاف وشفاف اردو کا غازہ اس کے عارض ورخسار کو بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا علمی مینار آج بھی اسی تب وتاب سے جگمگا رہا ہے۔ بحیرہ دارالعلوم ندوہ سے نکلی ہوئی ایک آب جو اعظم گڑھ میں دارالمصنفین کے نام سے موجود ہے جس سے تشنگان علم وادب محققین ومورخین اپنی پیاس بجھا رہے ہیں۔ اور اپنے رشحات قلم سے دنیا کے سامنے وہ ادب پیش کر رہے ہیں۔ جسے علوم متعارفہ میں گراں قدر اضافہ کا لقب دیا جا رہا ہے۔ دراصل ندوہ اور دارالمصنفین سب اسی مرکزی شخصیت کے مرہون منت ہیں جس نے بقول پروفیسر خورشید الاسلام کے یونانی ہوتے ہوئے مسلمانوں میں جلوہ نمائی فرمائی تھی۔ یونانیوں کی طرح ذہنی اپج رکھنے والا اسلامی جذبے سے سرشار شبلی ملت مسلمہ کی تاریخ کے صفحہ پر اس طرح مچلتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ دوسرے اہل قلم اس سے کترا کر گذر ہی نہیں سکتے اس نے اپنے جانشین سید سلیمان ندوی کی کچھ اس طور سے تربیت کی تھی کہ تحریر کی شگفتگی' انداز بیان' طرز استدلال' تفصیل وتشریح سبھی کچھ تو اس شاگرد رشید نے اپنے استاد کے ہی انداز میں اپنی جملہ تصانیف میں پیش کر دی تھیں۔ ادب کے عام قاری کے لئے یہ دشوار ہو جاتا ہے کہ وہ سید سلیمان ندوی اور شبلی کی تحریر میں امتیاز پیدا کر سکے۔ اس کی جیتی جاگتی مثال سیرت النبیؐ کے وہ اوراق ہیں جن میں استاد وشاگرد اپنے قلم کی جولانیوں کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ دشوار ہو جاتا ہے کہ سید سلیمان ندوی اور شبلی کے قلم کی حدود کا تعین کیا جا سکے۔ نقوش سلیمانی اور سیرت النبیؐ علامہ سید سلیمان ندوی کی عظیم تصانیف میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان تصانیف نے ادیبوں' نقادوں اور دانشوروں کو غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ ان اوراق میں علامہ ندوی نے علوم ومعارف کے وہ دریا بہائے ہیں کہ ان کی قابلیت وعلمیت کا سکہ ادب سیرت اور تاریخ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیٹھ گیا ہے۔ تقریر وتحریر میں آپ کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ خطبات مدراس' ارض القرآن' عمر خیام' حیات شبلی' سیرت عائشہؓ میں آپ نے جس تحقیق کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال کم ملتی ہے۔ عرب و ہند کے تعلقات پر بھی آپ کے قلم اعجاز رقم نے جس تحقیق وجستجو کا ثبوت دیا ہے اس سے آپ کی عالمانہ شان کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ حقائق جن پر صدیوں سے پردہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے بڑی چابکدستی سے ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کر دیا ہے اس کا مفصل و مدلل انداز بیان قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کس طرح دو متضاد تہذیب ومعاشرت قبل اسلام بھی آپس میں میل ومحبت سے ایک دوسرے کے گلے

میں باہیں ڈالے ہوتے تھے۔ اور جب اسلام کی کرنوں نے دنیا میں اجالا پھیلایا تو کس طرح دونوں تہذیبیں شیر وشکر ہو گئیں اور ان میں اخوت بھائی چارگی موانست ومودت کے جذبات ابھرے اور عرب و ہند کس طرح ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی وغمگسار ٹھہرے۔

سید صاحب کا ادبی قد خواہ کچھ بھی ہو مگر ان کی علمیت اور ان کی تحقیق اور ان کی فہم وفکر سے کوئی بھی ذی عقل انکارنہیں کرسکتا۔ سیاستداں، مفکر، صوفی، مبلغ، صحافی وادیب سبھی ان کی قابلیت کا دم بھرتے ہیں۔ ہم یہاں کچھ اصحاب کے اقوال سید صاحب کے متعلق پیش کر کے اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ وہ صرف کھرے مولانا نہ تھے۔ کٹھ ملائی سے انہیں نفرت تھی بلکہ وہ بڑے خوشگو شاعر تھے۔ شعر گوئی اور شعرفہمی ان کی سرشت تھی ان میں ادب کا نہایت نکھرا ذوق تھا۔ تدبر وتفکر ان کا مزاج تھا۔ ان کی متحمل مزاجی اور معاملہ فہمی کی لوگ داد دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے ایک بار سید صاحب کو خط میں لکھا۔

''اگر آپ کا خط نہ آتا تو اقبال کافر مرتا''

ایک اور مقام پر اقبال فرماتے ہیں۔

''رازی وغزالی کا علم اور شبلی کا تقویٰ ایک جگہ جمع ہو کر سید سلیمان ندوی بن گیا ہے۔''

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ علامہ اپنے ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں۔

''مولانا شبلی کے بعد آپ استاذ الکل ہیں علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج کل ہندوستان میں سوائے سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔''

اسی طرح عمر خیام جو سید صاحب کی ایک بڑی مشہور ومعروف تصنیف ہے۔ علامہ اقبال کے قلم سے یوں خراج تحسین حاصل کرتی ہے۔

عمر خیام میں آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔

یوں تو گاندھی کا جمعیت العلماء ہند پر بڑا گہرا اثر تھا۔ مگر سید سلیمان ندوی جو جمعیت العلماء ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ کبھی گاندھی کی شخصیت سے متاثر ومرعوب نہیں ہوئے انہوں نے اپنی مذہبی وملی سطح کو برقرار رکھتے ہوئے ایمان کی سلامتی کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ علامہ کی ذات میں مومن کی فراست و ذکاوت بدرجہ اتم موجود تھی ان کی اسی خدا داد فراست کا گاندھی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ مولوی بڑا چاتر ہے۔''

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی جن کا پاکستان کی تحریک میں اہم کردار ہے سید سلیمان ندوی کا بڑا احترام کرتے

تھے۔ جب پاکستان میں اسلامی دستور کی تشکیل کا مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے وزیراعظم لیاقت علی خان سے واشگاف الفاظ میں کہا کہ

اس اہم کام کے لئے ہندوستان و پاکستان میں صرف علامہ سید سلیمان ندوی کی ذات ہے جو صحیح خطوط پر اسلامی دستور پیش کر سکتی ہے۔''

شیخ الاسلام کا اعتراف اس امر کی بین دلیل ہے کہ وہ سید صاحب کو اپنے سے زیادہ ذی علم اور فہیم تصور کرتے تھے۔

ابوالکلام آزاد آخر دم تک مولانا کی علمی صلاحیت اور ادبی قابلیت کے معترف تھے۔ ایک جگہ خود انہوں نے اپنے قلم سے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلامی تاریخ کے سید سلیمان ندوی مستند مؤرخ ہیں۔ جنہوں نے اس گئے گذرے دور میں روایت کی دیانت داری کا ثبوت دیا اور تحقیق کا حق ادا کر دکھایا ہے۔ جس سے ان کے استاد شبلی کی روح نے مسرت حاصل کی ہوگی۔

مناظر احسن گیلانی سیرۃ پر عمیق مطالعہ کی وجہ سے علماء میں ایک خاص مقام رکھتے تھے انہوں نے علامہ سید سلیمان ندوی کی تصنیف کردہ سیرۃ النبی کو انسائیکلو پیڈیا سے تعبیر کیا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو سید صاحب کے پیر مرشد اور شیخ طریقت بھی تھے سید صاحب کے زور قلم اور استخراج مطالب کے قائل تھے۔ ان کی مؤرخانہ خدمات کا اعتراف انہوں نے اپنی مجلسوں اور تصانیف میں بار بار کیا ہے۔ بزم اشرف کے چراغ کے حوالے سے یہ بات نقل کی جا رہی ہے کہ مولانا تھانویؒ نے ایک بار فرمایا۔

مولانا سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لائے میں مکان پر تھا سنتے ہی حاضر ہوا میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل وعریض تھا۔ ملا تو معتدل الخلقت پا کر قلب کو بہت انس ہوا پھر ملاقات و مکالمت سے ان کی تواضع و سادگی رعایت جلیس کو دیکھ کر تو مسخر ہی ہو گیا۔''

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی سے سید صاحب نے ۱۹۳۸ء میں اصلاح تعلق پیدا کیا مرید و مرشد میں اتنی مناسبت تھی کہ بہت جلد سید صاحب سلوک کے مدارج طے کر گئے۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سید صاحب کو خلافت دے کر فرمایا:

''الحمد للہ مجھے اب کچھ فکر نہیں میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں۔''

سید صاحب ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو دلسنہ ضلع پٹنہ صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں وفات پا گئے۔ ۶۹ سال کی اس عمر میں سید صاحب نے کئی مراتب طے کئے۔ ملکوں کی سیر و سیاحت کی۔ لندن افغانستان وغیرہ جا کر ان کو دنیا کے دوسرے لوگوں کو دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا جس کے تجربات انہیں اپنی تصنیفی و تالیفی زندگی میں بڑے کام آئے۔ ان کی زندگی کی سب سے عجیب بات یہ لگتی ہے کہ ایک ہی وقت میں وہ شبلی کے شاگرد رشید بھی نظر آتے ہیں۔ اور

مولانا اشرف علیؒ کے مرید و خلیفہ بھی۔ علامہ شبلی بڑے روشن خیال تھے اور علماء دیو بند کی شدت آمیز روش سے متفق نہ تھے۔ بلکہ ان کی اس ذہنی تنگی سے نالاں بھی رہتے تھے۔ ان کی نگاہ میں علمائے دیو بند بہت متشدد اور نئے علوم وفنون سے گریز پا تھے دوسری طرف اشرف علی تھانوی ان کی اس درجہ روشن خیالی کو مناسب نہ تصور کرتے تھے وہ شیخ محمود الحسنؒ کے شاگرد تھے۔ جن کا زاویہ فکر شبلی ہے بہر کیف مختلف تھا۔ مگر سید سلیمان ندوی نے ان دو کناروں کو اپنی جاذب شخصیت کی وجہ سے متحد و متفق کر لیا ہے اور ان دونوں روش کی امتزاجی کیفیت کا اظہار اپنی تصانیف اور نجی زندگی میں پیش کیا۔ ان کے اس طور طریقے سے ایک عام قاری حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ کس طرح علامہ ندوی نے اس دشوار گذار وادی کو طے کیا۔

سید صاحب نے اسلام اور پاکستان کی خدمت کس انداز سے اور کس کس طرح کی اس کا پاکستان کی تاریخ سے بہت گہرا رشتہ ہے۔ ۱۹۴۵ء کا معارف آج بھی کتب خانوں میں دستیاب ہے۔ جس میں بڑے پر زور طریقے سے مولانا موصوف نے مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کی تھی۔ مگر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس ملک کی بدقسمتی تھی کہ اتنے بڑے فقیہہ اسلامی دستور کے ماہر، مورخ، مفکر اور مستند عالم کے علم وفضل سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا گیا۔ اور علوم و معارف کے اس گوہ گراں کے جسد خاکی کو ایک ایسے گوشے میں سپرد خاک کر دیا جہاں کبھی کبھی چند مریدان باصفا کے علاوہ فاتحہ تک پڑھنے کے لئے کوئی نہیں جاتا ابھی چند سال ہوئے کہ حکومت وقت نے ان دو بزرگوں (علامہ شبیر احمد عثانی اور سید سلیمان ندوی) کی پذیرائی اس طرح کی ہے کہ ان کی قبور اور اطراف کے فرش کو سنگ مرمر کا بنوا کر نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ دیوار پر ان کی حیات کا مختصر سا خاکہ کندہ کرا دیا گیا ہے تاکہ امتداد زمانہ ان کے کار ہائے نمایاں پر جھول کی گرد ڈال کر ان کی خدمات اور محاسن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا نہ دے۔ اسلامیہ کالج کراچی سے متصل ان بزرگوں کے مزارات ہماری بے توجہی اور پاکستان کی تاریخ سے عدیم واقفیت اور ملی بے حسی کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

﴿۴﴾

مخدوم الامت

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۹۷ھ

وفات: ۱۳۸۰ھ

حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مختصر سیرت وسوانح

(مولانا محمد میاں صدیقی اسلام آباد)

مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زیرنظر مضمون کی نوعیت مکمل سوانحی خاکہ کی نہیں۔ ایک تاثراتی تحریر و تجزیہ کی ہے۔ناچیز راقم کو جن علماء سے ملنے' ان کی مجالس میں بیٹھنے اور ان کے علم وفضل سے استفادے کا موقعہ ملا' ان کے بارے میں اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں۔ یہ تحریر بھی انہیں تاثرات کا ایک حصہ ہے۔(م۔م۔ص)

ایک تذکرہ نگار کے لیے یہ بات کتنی المناک ہے کہ تاریخ بہت سی یگانہ روزگار شخصیتوں کے بارے میں بھی اس حد تک غفلت برتتی ہے کہ لوگ ان کے قریب تر زمانے میں بھی' ان کے کمالات' فضائل' علمی وعملی خدمات سے پورے طور پر آشنا نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ لوگوں کو یہاں تک معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں پیدا ہوئے۔ زندگی کے ابتدائی مراحل میں کن مسائل سے دوچار ہوئے۔اور فضل وکمال کے اعلیٰ مرتبہ تک کیوں کر پہنچے۔

تاریخ نے یہی ناانصافی اور ستم ظریفی' موجودہ صدی کے ایک ایسے عالم دین اور عارف باللہ (حضرت مفتی محمد حسنؒ) کے ساتھ روا رکھی' جن کو خود ہماری چشم گنہگار نے دیکھا' ان کی مجلسوں میں شریک ہوئے۔ان کی تقریریں سنیں' اور ان کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بہرکیف مفتی صاحب مرحوم کے قریبی اعزۃ' اور ہم عصر علماء کے ذریعہ' ان کی تاریخ پیدائش کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوسکا' وہ اتنا کہ آپ کم وبیش ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔

وطن مالوف:

مفتی صاحبؒ ضلع اٹک (پنجاب) کے ایک غیر معروف گاؤں ''مل پور'' میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں' مشہور تاریخی

مقام' حسن ابدال' سے سات میل کے قریب ہے۔ جس وادی میں یہ گاؤں واقع ہے اس نے اپنے پہلو میں رنگا رنگ تہذیبوں کو جنم دیا ہے۔ شمالی ہند میں یہ وادی بدھ تہذیب کا سب سے بڑا گہوارہ بنی' قبل مسیح ہزاروں مذہبی شخصیتوں نے اس وادی میں چلّے کھینچے' سکندر اور پورس کا تاریخی مقابلہ بھی اسی وادی میں ہوا۔

قرآن حکیم' اور فارسی کی ابتدائی تعلیم:

اس دور میں قاضی محمد نور راولپنڈی کے مشہور قصبہ ''سنگ جانی'' کی معروف شخصیت تھے' قاضی صاحب انتہائی سادہ' خدا ترس اور صاحب فضل و کمال بزرگ تھے۔ انہی سے مفتی صاحبؒ نے قرآن حکیم پڑھا' اور فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی انہیں سے پڑھیں۔

ابتدائی عربی تعلیم:

جب آپ قاضی محمد نور سے قرآن حکیم اور فارسی کتابیں پڑھ چکے تو آپ کے بزرگوں نے آپ کو عربی صرف ونحو پڑھنے کی غرض سے قاضی گوہر دین کھوڑی کی خدمت میں بھیج دیا' آپ نے ان سے صرف ونحو کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اور اس کے بعد ''مکھڈ'' (ضلع اٹک) چلے گئے۔ شرح ملا جامی تک' درس نظامی کی تعلیم ''مکھڈ'' کے مدرسہ میں حاصل کی' عقلی علوم اور درس نظامی کی انتہائی کتب اپنے دور کے مشہور عالم دین مولانا محمد معصوم سے پڑھنے کی خاطر' ڈھینڈہ ضلع ہزارہ کا عزم کیا مفتی صاحب' درست نظامی کی تکمیل نہیں کرنے پائے تھے کہ آپ کے استاذ خاص مولانا محمد معصوم ڈھینڈہ سے مدرسہ غزنویہ امرتسر میں استاد ہو کر چلے گئے۔

مولانا محمد معصوم اپنے زیرک اور صالح شاگرد سے حد درجہ مانوس تھے' اس لیے ان کو بھی مدرسہ غزنویہ امرتسر میں بلا لیا' چنانچہ مفتی صاحب نے کتب حدیث' تفسیر اور فقہ کی تکمیل یہیں کی' اور یہیں سے دورۂ حدیث کا امتحان دیا۔

امرتسر میں ایک بلند پایہ عالم دین' اور صوفی مولانا عبدالجبار غزنویؒ کی مسند درس ان دنوں اہل علم کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی' پنجاب کے مختلف حصوں سے آ کر طلباء ان سے علمی استفادہ کر رہے تھے۔ مفتی صاحب نے امرتسر میں سب سے پہلے انہی کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا' ان کے علاوہ مولانا نور احمد اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی بھی امرتسر میں درس و تدریس میں مشغول تھے' ان دونوں بزرگوں سے بھی مفتی صاحبؒ نے علمی استفادہ کیا۔

امرتسر میں مستقل قیام:

مفتی صاحب کی امرتسر میں آمد کا سبب' آپ کے اولین استاد مولانا محمد معصوم کی ذات گرامی بنی' اس کے ساتھ آپ کو مولانا عبدالجبار غزنوی' مولانا نور احمد اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی جیسے مخلص و مشفق اساتذہ میسر آ گئے' ان حضرات کی شفقت اور علمی کشش نے مفتی صاحب کو اپنا آبائی وطن خیر باد کہہ دینے پر مجبور کر دیا۔ اور آپ تعلیم کی غرض سے امرتسر ایسے آئے کہ یہیں کے ہو گئے۔

ان محرکات واسباب سے بڑھ کر سب سے بڑا محرک مفتی صاحب کے امرتسر میں مستقل طرح اقامت ڈال دینے کا یہ ہوا کہ مولانا نور احمد صاحب جس مسجد میں دعوت وارشاد کی محفلیں گرم رکھتے تھے اور جو انہی کے نام سے (مسجد نور) مشہور ہوئی' اس کی خطابت انہوں نے اپنی زندگی ہی میں مفتی صاحب کے سپرد کر دی تھی۔

اس مسجد میں مفتی صاحب نے اپنے درس وتدریس اور دعوت وارشاد کی مجلسیں آراستہ کیں۔

دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث:

عربی علوم کی تکمیل مدرسہ غزنویہ امرتسر میں کی اور وہیں سے دورۂ حدیث کیا۔ لیکن جب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں بیعت ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے تو مولانا نے بیعت کے لیے تین شرطیں عائد کیں' مولانا کی عادت تھی کہ جب لوگ ان سے بیعت ہونے کے لیے جاتے تو ان کے مزاج اور استعداد کے مطابق کچھ شرطیں عائد کرتے۔

چنانچہ جب مفتی صاحب نے مولانا کے حلقہ بیعت ارادت میں داخل ہونے کی درخواست کی تو ان سے بھی مولانا نے تین شرطیں لگائیں۔ جن میں سے دو یہ تھیں کہ دارالعلوم دیوبند میں جا کر دوبارہ دورۂ حدیث پڑھیں' اور کسی قاری و مجود سے قرآن حکیم کا تلفظ صحیح کرو' مفتی صاحب نے مولانا کی تمام شرطیں پوری کیں۔ دارالعلوم دیوبند میں جا کر داخلہ لیا اس دور کے فاضل علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے حدیث پڑھی اور قرآنی تلفظ کی صحت کے لیے امرتسر میں قاری کریم بخش (امرتسری) کو منتخب کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ' دورۂ حدیث پڑھنے کے لیے حضرت تھانویؒ نے اس لیے فرمایا کہ مفتی صاحب نے امرتسر میں جس مدرسہ اور جن اساتذہ سے حدیث پڑھی تھی' وہ حنفی المسلک نہ تھے' حضرت تھانوی کا منشا یہ تھا کہ جس فقہی مسلک کے ہم پیروکار ہیں' اس مسلک کے جید علماء سے بھی حدیث پڑھنا ضروری ہے تاکہ اس مسلک کی وجوہ ترجیح معلوم ہو سکیں۔

بہر حال آپ نے دیوبند جا کر علامہ انور شاہ کشمیری جیسے یگانہ روزگار اساتذہ سے کتب حدیث پڑھیں' اور اس طرح اپنے شیخ اور مرشد کا منشا پورا کیا۔

حضرت تھانوی سے شرف بیعت:

۱۱ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ کو حضرت تھانوی کی باطنی رہنمائی اور رفاقت کا شرف عطا ہوا اور آپ کو طریقت کے چاروں سلسلوں میں بیعت کیا گیا' تین سال کی عبادت وریاضت اور تزکیہ نفس کے بعد آپ کو خلعت خلافت عطا کی گئی۔ حکیم الامت حضرت تھانوی کی طرف سے اشارہ ہوا۔

''میرے قلب میں بار بار اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ میں آپ کو ''توکلا علی اللّٰہ'' بیعت وتلقین کی

اجازت دوں' اگر کوئی طالب حق درخواست کرے۔ انکار نہ کریں اور اپنے خاص دوستوں کو اس کی اطلاع کر دیں اور مجھ کو اپنا پتہ جس سے ڈاک پہنچ سکے' لکھ بھیجیں' میں اپنی یادداشت میں درج کر لوں گا۔فقط۔''

خلافت کا شرف حاصل ہونے کے بعد حضرت تھانویؒ نے مفتی صاحب کو ۷ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ کو مسجد حوض والی تھانہ بھون میں دوبارہ شرف بیعت بخشا' یہ اس موقعہ کی بات ہے جب ایک جماعت حضور نبی کریم علیہ السلام کا جبہ مبارک زیادت کے لیے لے کر آئی۔ زیارت کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا خیر محمد صاحبؒ (جالندھری) کو بیعت سے نوازا گیا' مفتی صاحبؒ کو بیعت مکرر کا امتیاز بخشا گیا۔

مسند درس کا آغاز:

درسی علوم کی تکمیل کے بعد امرتسر ہی میں درس و تدریس کا آغاز کیا آپ کی علمی استعداد اور شبانہ روز محنت کی بنا پر چند روز بعد ہی آپ کو مدرسہ نعمانیہ کا صدر مدرس بنا دیا گیا' منطق اور علم معانی میں آپ کو خاص مہارت تھی' چند ہی روز میں آپ کے درس کی اتنی شہرت ہوئی کہ امرتسر کے علماء اور طلباء آپ کو''ملاحسن'' کہنے لگے۔

آپ کا درس اس حد تک مقبول ہوا کہ عام مسلمانوں نے درخواست کی کہ آپ ہر روز درس قرآن دیا کریں' ابتداً میں درس قرآن سے گریز کرتے رہے لیکن لوگوں کا اصرار بڑھا تو آپ نے اپنے شیخ و مرشد' حضرت تھانوی سے رجوع کیا کہ اگر شیخ کی اجازت ہو تو میں درس قرآن شروع کروں' حضرت تھانوی نے تحریر فرمایا: ''آپ ضرور درس قرآن شروع کریں' اگر اس علاقہ میں کوئی اور صحیح تفسیر بیان کرنے والا ہوتا تو میں اجازت نہ دیتا' مگر عام طور پر لوگ صحیح تفسیر بیان نہیں کرتے' اور خطرہ ہے کہ کوئی اور کرے گا تو تفسیر بالرائے سے کام لے گا آپ سے یہ امر ناممکن ہے۔''

شیخ کا اجازت نامہ ملنے کے بعد مفتی صاحب نے جمعہ کے روز اعلان کر دیا کہ کل نماز فجر کے بعد سے قرآن حکیم کا درس ہوا کرے گا۔

درس قرآن کا آغاز ہوا اور اس شان سے ہوا کہ سلف کی یاد تازہ ہوگئی۔ آپ کے درس کو حق تعالیٰ نے وہ درجہ اور قبولیت عطا کی کہ عوام اور طلباء تو شریک ہوتے ہی تھے' تمام دینی مدرسوں کے اساتذہ اور علماء بھی درس میں شامل ہوتے اور عام تلامذہ کی طرح استفادہ کرتے۔

آپ کے درس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی کہ اگر کوئی فقہی اختلافی مسئلہ آ جاتا تو کسی اہل مسلک کے بارے میں کوئی دل خراش بات نہ کرتے' صرف قرآن کے اسرار و حکم بیان کرتے حنفی اور غیر حنفی مسائل پر بحث نہ کرتے۔

قرآن حکیم میں سب سے مشکل مباحث' میراث کے ہیں۔ لیکن آپ ان مشکل اور پیچیدہ مسائل کو اتنے سہل طریقہ سے حل فرماتے کہ علماء تو علماء عوام بھی اچھی طرح سمجھ کر اٹھتے۔

آپ نے قرآن حکیم کے مطالب و معانی پر کس بسط و تفصیل کے ساتھ کلام کیا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلا درس قرآن تقریباً دس سال میں ختم ہوا۔ جب کہ ہم آج یہ دیکھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مسجدوں میں ان لوگوں نے، جن کا عربی تلفظ تک صحیح نہیں ہے مسانید درس سجالی ہیں ایک ایک چلہ (چالیس دن) میں درس قرآن کے ختم اور تکمیل کا دعویٰ کرتے ہیں۔

پہلے ختم درس قرآن پر امرتسر کے اہل علم اتنے خوش تھے کہ با قاعدہ ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا، دارالعلوم دیو بند سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ[1] اور قاری محمد طیبؒ صاحب[2] (مہتمم دارالعلوم) اور دوسرے بہت سے علماء کو مدعو کیا گیا، اور بڑی تعداد میں اہل علم، اس مبارک تقریب میں شریک ہوئے۔

مفتی محمد شفیع صاحب آپ کی مجلس درس قرآن سے اتنا متاثر ہوئے کہ بے ساختہ ایک نظم کہی۔ جس میں اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی اور مفتی صاحب کی مجلس درس کا نقشہ یوں کھینچا۔

یہ اعجوبہ یہ فضل و فیض مولانا حسن دیکھا | کہ امرتسر میں ہم نے آج اک تھانہ بھون دیکھا
سنا وہ درس قرآن دل کی آنکھیں کھول دیں جس نے | معارف ہائے قرآنی کا دریا موجزن دیکھا
شریعت میں طریقت کو، طریقت میں حقیقت کو | کھلی آنکھوں سے ہر حاضر نے گویا ہم قریں دیکھا
منادی حرم کی پھر سنی آواز مستانہ | پھر ان آنکھوں نے گویا وہ مدینہ کا چمن دیکھا[3]

مسلمانوں نے اپنی مرضی سے ایک خطیر رقم جمع کی تھی وہ ختم درس قرآن کی خدمت میں پیش کی۔ لیکن مفتی صاحب نے لوگوں کے بے حد اصرار کے باوجود قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا میں نے محض اللہ کی خوشنودی کی خاطر درس دیا ہے دنیا کی نہ کوئی چیز مجھے مطلوب تھی، اور نہ اب منظور ہے۔'' چنانچہ مفتی صاحب کی اجازت سے یہ رقم، مدرسہ نعمانیہ میں جمع کرا دی گئی۔

تقسیم ہند کے بعد جب دین و دانش کی بہت سی محفلیں اجڑ گئیں اور اہل علم ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر

---

[1] مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی (م:۱۹۷۶ء) تقسیم ملک سے قبل طویل عرصہ تک دارالعلوم دیو بند میں منصب افتاء پر فائز رہے۔ تقسیم کے فوراً بعد پاکستان تشریف لائے۔ دستور اسلامی کی ترتیب میں نمایاں حصہ لیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی وفات کے بعد تعلیمات اسلامی بورڈ جو دستور سازی اسمبلی کے زیر نگرانی قائم کیا گیا تھا کے رکن ہوئے۔

[2] قاری محمد طیب صاحبؒ (م:۱۹۸۲) پوتے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ کم و بیش پچاس برس دارالعلوم دیو بند کے مہتمم رہے۔

[3] القدس العزیز حصہ دوم، مرتبہ: مولانا عزیز الرحمٰن لاہور ۱۹۶۷ء ص:۲)

درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد سے انتقال سے تین سال پہلے تک تقریباً ساٹھ سال یوں تو زبان سے کہہ دینے کی بات ہے لیکن یہ اتنا طویل عرصہ ہے، جس میں تیسری پشت آ جاتی ہے۔

گئے۔ تو مفتی صاحب کے کئی ارادت مندوں کو یہ کہتے سنا: گھر بار اجڑنے اور جائداد سے محروم ہونے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا مفتی صاحب کے درس قرآن سے محرومی کا ہے۔''

خصوصیات درس:

عربی مدارس میں عام طور پر تدریس کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے جماعت میں سے ایک طالب علم کتاب کی عبارت پڑھتا ہے اس کے بعد مدرس لفظی ترجمہ کرتا ہے' پھر اہم اور مشکل مسائل پر تقریر کرتا ہے طلبہ استاد کی تقریر کو عبارت پر منطبق کر لیتے ہیں۔ لیکن مفتی صاحب کا طریقہ تدریس اس سے بالکل جداگانہ تھا۔ جب جماعت ان کے پاس پہنچتی تو کسی ایک سے پوچھتے کہ بتاؤ اپنے مطالعہ سے کیا سمجھ کر آئے ہو۔ ان کی کوشش یہ ہوتی کہ طلبہ سبق میں آنے سے پہلے کم سے کم سبق کا آدھا حصہ سمجھ کر آئیں۔ اس طریقہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ طلبہ پہلے خوب اچھی طرح مطالعہ کر کے جاتے' اور مشکل مسائل حل کرنے کی شروح وحواشی کی مدد سے از خود کوشش کرتے۔ ناچیز راقم نے تین سال جامعہ اشرفیہ میں گزارے۔ ۱۹۵۳ء میں میری فنون کی انتہائی کتب تھیں' جن استاد کے پاس' علم معانی کی معروف اور مشکل کتاب مطول تھی وہ طویل رخصت پر چلے گئے' امتحان قریب تھا' اتفاق سے مطول میں صرف دو طالب علم تھے۔ ایک راقم' اور ایک اور صاحب مفتی صاحب نے دریافت فرمایا: مطول کا کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا حضرت سبق بند ہے۔ پوچھا: شرکاء کی تعداد کتنی ہے''؟ میں نے عرض کیا: صرف ہم دو شریک ہیں۔ فرمایا: کل سے کتاب لے کر میرے پاس آیا کرو۔'' مفتی صاحب کا یہ حکم سن کر ہم بہت ڈرے۔ اگلے روز مطالعہ کر کے حاضر ہو گئے۔ اس وقت تک ہمیں معلوم نہ تھا کہ مفتی صاحب نے فرمایا: تقریر کرو' کیا سمجھ کر آئے ہو' میں نے مطالعہ سے جو کچھ تھوڑا بہت سمجھا تھا' بیان کیا' پھر مفتی صاحب نے تقریر فرمائی تقریر مختصر تھی' لیکن اتنی جامع اور مدلل تھی کہ ہم دونوں ایک ایک لفظ سمجھ کر اٹھے۔ مفتی صاحب نے بڑے مشفقانہ انداز میں فرمایا: تم نے ایک چوتھائی عبارت کا مطلب ٹھیک بتایا تھا' تین چوتھائی کا مجھے بتانا پڑا' آج رات کو اور اچھی طرح مطالعہ کرنا۔ رات کو اور زیادہ مطالعہ کیا۔ اگلے روز پھر مفتی صاحب نے مجھ سے تقریر کرائی اور فرمایا: ''آج تقریباً آدھا مطلب حل کر کے لائے ہو۔'' دو تین روز میں ہم اس محنت سے مطالعہ کے عادی ہو گئے اور پھر بیس روز بعد جب ہمارے وہ استاد آ گئے جن کے پاس مطول تھی تو ہمیں مفتی صاحب سے باقی کتاب نہ پڑھنے کا بے حد افسوس ہوا۔

عبارت کی صحت پر مفتی صاحب بہت زیادہ زور دیتے۔ جب کوئی اعراب غلط پڑھتا تو اسے فوراً روک دیتے اور فرماتے۔ اس جملہ کی ترکیب کرو۔ اگر وہ طالب علم ترکیب بخوبی نہ کر سکتا تو کسی دوسرے طالب علم سے ترکیب کراتے اور پوچھتے کہ بتاؤ یہ عبارت کس طرح ٹھیک ہے۔؟

ایک روز میں نے مطول کی عبارت پڑھی۔ اس میں ایک لفظ آیا ''نہر جار'' میں نے نون کے فتحہ کو پوری طرح ظاہر نہ کیا اور نہر کا تلفظ کچھ اس طرح کیا جیسے اردو میں کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کی نظریں یک لخت اوپر اٹھ گئیں۔ میں سمجھ

گیا کہ میں نے ''نہر'' کا تلفظ عربی قواعد کے مطابق صحیح نہیں کیا۔ فوراً اس لفظ کو دہرایا۔ مفتی صاحب بہت خوش ہوئے اور ایک ہلکی سی مسکراہٹ ان کے نورانی چہرہ پر پھیل گئی۔

۱۹۵۴ء میں جامعہ اشرفیہ میں پہلا دورہ حدیث ہوا۔ ابوداؤد کی پہلی جلد مفتی صاحب نے اپنے لئے منتخب فرمائی۔ اسباق کا آغاز ہوا' ٹانگ کی معذوری کی بنا پر اوپر اپنے کمرہ ہی میں سبق پڑھاتے۔ جماعت وہیں چلی جاتی۔ طلبہ پر مفتی صاحب کا خاصا رعب تھا حالانکہ سب پر بہت شفقت فرماتے۔ ابتدائی دو تین روز تک میں مفتی صاحب کے سبق میں بالکل پیچھے بیٹھتا رہا جس کی وجہ یہ تھی کہ طلبہ کے لیے عربی مدارس کے جو تقاضے ہوتے ہیں میں انہیں پورا کرنے سے قاصر تھا۔ تین چار روز کے بعد میں نے ابوداؤد کی عبارت پڑھی۔ مفتی صاحب نے چشمہ کے اوپر سے دیکھا (چشمہ ناک کی پھنگل پر رکھتے تھے) فرمایا کچھ نہیں۔ اگلے روز میں پھر حسب دستور سب سے پیچھے بیٹھ گیا۔ مفتی صاحب نے پوری جماعت پر نظر ڈالی اور میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''تسی اگے آ جاؤ'' میری جان میں جان آئی۔ اور پھر اس روز سے آگے بیٹھنے لگا۔ اگر کبھی مجھے تین چار روز گزر جاتے اور میں عبارت نہ پڑھتا تو مفتی صاحب خود فرماتے۔ ''تسی پڑھو''۔ طویل وقت گزر گیا لیکن مفتی صاحب کے یہ الفاظ آج بھی مجھ ناچیز گنہگار کے کانوں میں گونجتے ہیں۔ اور حکم فرماتے وقت جو مسکراہٹ اور بشاشت ان کے چہرے پر ہوتی وہ آج بھی میری نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

بانی جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بصیرت افروز کردار سیاسی خدمات

(از مولانا حافظ فضل الرحیم مدظلہ)

آپ کی پیدائش تقریباً ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء کومل پور نامی ایک غیر معروف گاؤں میں خانوادہ اتمان ذئی پٹھان قبیلہ کے ایک دین دار گھرانے میں ہوئی یہ گاؤں تاریخی مقام حسن ابدال سے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا اللہ داد بن محمد افضل خان اپنے وقت کے معروف عالم دین محدث اور صاحب نسبت بزرگ تھے جو شہر کے ہنگاموں شور وشغب اور بیہودگیوں سے دور اللہ اللہ کرتے مسئلے مسائل بتاتے اور جمعیت قلب اور سکون دل کے ساتھ سیدھے سادھے بھولے بھالے دیہاتیوں کی صحبت میں دنیاوی شہرت ونمو سے بے نیاز انتہائی گم نامی کے ساتھ اپنے شب وروز گزارتے۔

حضرت مفتی صاحب، مولانا نور محمد صاحب مولوی فضل الٰہی صاحب مولوی معین الدین صاحب اور مولوی غلام ربانی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا اللہ داد کے صاحبزادگان اسی مختصر سے نیک وصالح گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان حضرات نے ایسے پاکیزہ ماحول میں آنکھیں کھولیں جہاں کا ذرہ ذرہ قال اللہ وقال الرسول سے منور ہو رہا تھا سن شعور تک پہنچنے سے پہلے نیک والدین نے بے جا لاڈ پیار سے بگاڑنے اور بھوتوں چڑیلوں اور پریوں کی مافوق الفطر کہانیاں سنانے کے بجائے معصوم ذہنوں میں بات اچھی طرح بٹھانے کی کوشش کی تھی کہ

ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

ترجمہ: اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لئے۔

اور اسی طرح گویا آغاز ہی میں زندگی کے اصل مقصود کی طرف واضح راہنمائی فرمائی تھی۔

وجہ تسمیہ:

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے والد صاحب رات کے آخری حصہ میں سحری کے وقت نفی و اثبات کا ذکر کیا کرتے تھے۔

جب والد صاحب بھوئی نامی گاؤں میں پڑھانے جاتے تو راستے میں نالہ ہود کو عبور کرتے اس وقت صحیح مسلم شریف کو سر پر رکھ لیتے۔ بھوئی۔ کے درس میں ملاحسن وغیرہ پڑھنے والے طلبہ بھی ہوتے تھے اس وجہ سے والد صاحب نے میرا نام محمد حسن رکھ دیا۔

محمد حسن آیت ذوالجلال' محمد حسن راز دار جمال' فقیہ زماں مفتی دین حق امام وخطیب عدیم المثال۔

تحصیل علم

گاؤں کی کھلی فضا اور صاف ستھری آب و ہوا میں بچپن گزارا اور یہیں اپنے شفیق والد سے ابتدائی تعلیم حاصل کی کچھ بڑے ہوئے تو انہیں اپنے مشفق والدین دلکش اور دلفریب دیہات اور چھوٹے سے پاکیزہ و پرسکون مکان کو چھوڑ کر قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم کے لئے محترم جناب قاضی محمد نور صاحب کی خدمت بابرکت میں راولپنڈی کے موضع سنگ جانی جانا پڑا وہاں قرآن اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھ چکے تو مولانا قاضی گوہر دین صاحب گھوڈوی کی خدمت میں ضلع کیمل پور پہنچے۔

پھر وہاں سے مکھڈ شریف چلے گئے۔ یہاں شرح ملا جامی تک تعلیم حاصل کر کے ضلع ہزارہ کے موضع ڈھینڈہ (جو ہری پور سے تین میل مغرب کی طرف ہے) میں منطق اور فلسفہ پڑھنے کے لئے مولانا محمد معصوم صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے۔

مولانا محمد معصوم صاحب مدرسہ غزنویہ میں مدرس مقرر ہوئے تو انہوں نے آپ کو بھی اپنے ہی پاس بلا لیا یہاں پر آپ نے بقیہ علوم وفنون تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی تکمیل کی آپ کی طبیعت شروع ہی سے مائل بہ تصوف تھی امرتسر میں مولانا عبدالجبار غزنوی مولانا نور محمد اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ جو خود تصوف و سلوک کے بھی استاذ مانے جاتے تھے حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حمد اللہ سے خاص مناسبت ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ میں نے تبرک کے طور پر اس کے دو چار صفحہ حضرت فاضل مولانا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی سے پڑھے تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی کے ارشاد گرامی پر تجوید کی مشق استاذ القراء جناب قاری کریم بخش صاحب سے امرتسر میں کی پھر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث کی تجدید کر کے ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۵ء میں سند فراغ حاصل کی۔

درس و تدریس

تکمیل تعلیم کے بعد مفتی صاحب نے سلسلہ درس و تدریس ہی کو پسند فرمایا کہ محبوب حقیقی کی باتیں ہوں گی کچھ کہیں گے اور کچھ سنیں گے اور کچھ سکھائیں گے اور سیکھیں گے۔

موجودہ دور کے ماہرین تعلیم پچھلی نصف صدی سے اس اہم ترین نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ درس و تدریس کا طریقہ ایک الہامی طریقہ ہے جس میں سکھانے والا خود بھی سیکھتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب اسی مبارک مشغلہ کو پسند فرما کر مدرسہ نعمانیہ میں بحیثیت مدرس اپنے فرائض کی انجام دہی میں تن من دھن سے مشغول ہو گئے ایسی محنت ایسا لگاؤ ایسی لگن آندھی آئے یا موسلا دھار پانی برسے مفتی صاحب کو وقت مقررہ پر مدرسہ پہنچنا ہوتا تھا۔

کبھی سبق کا ناغہ نہ فرماتے۔ ساتھیوں سے حسب مراتب ادب محبت خلوص اور عقیدت کا برتاؤ طلبہ پر ایسی شفقت کہ شاید والدین بھی نہ کر سکیں تھوڑے ہی عرصہ میں ہر طرف مفتی صاحب کا طوطا بولنے لگا نتیجہ یہ ہوا کہ صدر مدرس کی جگہ خالی ہوتے ہی مدرسہ کی دوررس انتظامیہ نے باتفاق رائے۔ مفتی صاحب کا اسم گرامی اس اہم جگہ کے لئے تجویز کر لیا۔

مفتی صاحب نے تقریباً ۳۵ سال تک تدریس کی خدمت انجام دی اس دوران میں نزدیک و دور کے صدھا طلبہ نے حضرت والا سے علوم فاضلہ حاصل کئے جن میں سے بکثرت باقاعدہ فارغ التحصیل ہو کر جامع معقولات و منقولات ہوئے اور آج ان میں سے اکثر و بیشتر اپنی اپنی جگہ پر مقتدا کی حیثیت سے دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دارالعلوم دیوبند کے اس گروہ کے سربراہ تھے جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

آپ کے تمام خلفاء اور متوسلین حصول پاکستان کی جدوجہد میں معروف تھے۔

حضرت مفتی صاحب نے اپنے شیخ کی ہدایت پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی علامہ ظفر احمد عثمانی حضرت مفتی محمد شفیع اور دوسرے اکابر علماء کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور بڑی دلچسپی سے اس کے قرب و جوار کے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دے کر بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا اگرچہ حضرت کا اصل مقصد سیاست کے بجائے کچھ اور تھا وہ اسلام کی سربلندی چاہتے تھے اور اسی لئے قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لیا۔

اس سلسلہ میں جناب احسان قریشی صابری صاحب لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۸ء میں حضرت مفتی صاحب کے شیخ طریقت

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی امرتسر تشریف لائے موسم گرما اپنے شباب پر تھا۔
مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب موجودہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور راقم الحروف کے ذمے حضرت حکیم الامت کی خدمت تھی۔
مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس مجلس میں امرتسر کے بہت سے علماء اور صوفیاء کرام جمع تھے حضرت مفتی صاحب سے یوں مخاطب ہوئے۔
محمد حسن! مجھ سے اکثر مجلس میں آج کل کانگریس اور مسلم لیگ کے سلسلہ میں سوالات کئے جاتے ہیں اور کئی اصحاب جناح صاحب کے بارے میں مجھ سے پوچھتے ہیں میری عرض ہے کہ مسلم لیگ کی قیادت جناح صاحب کے ہاتھ میں ہے جناح صاحب سیاست میں مسلمانان ہند میں قابل ترین شخصیت مانے جاتے ہیں۔ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ جناح صاحب سرکاری آدمی نہیں ملک وقوم یعنی مسلمانان ہند کی آزادی کے لئے ان کے دل میں انتہائی تڑپ ولولہ اور جذبہ ہے اس لئے برطانوی حکومت کے مقابلہ میں بھی اور کانگریس کے مقابلہ میں بھی انہوں نے ہمیشہ مسلمانان ہند کی بہتری کے لئے آواز بلند کی ہے جناح صاحب کے خلاف کئی کم فہم مسلمان یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ وہ جاہ پسندی کے لئے یہ سب کام کر رہے ہیں ایسا غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کو شرم آنی چاہئے اگر جناح صاحب جاہ پسند ہوتے تو کسی خطاب یا عہدہ کے لئے کوشش کرتے جس کا ملنا آسان تھا انہوں نے اس کی خواہش نہ کی وہ انتہائی دیانت دار اور مخلص مسلمان ہیں ان کی کوششیں یقیناً کامیاب ہوں گی۔
باری تعالیٰ مسلمانوں کے لئے علیحدہ ریاست کے قیام کا سہرا انشاء اللہ جناح صاحب کے سر باندھیں گے میں نے اپنے تمام خلفاء متبعین اور مریدین کو کہہ دیا ہے کہ ہر بات میں جناح صاحب کا ساتھ دیں محمد حسن! آپ بھی اس سلسلہ میں جو کچھ ہو سکے کر گزرنا۔
حضرت تھانوی کی ہدایت پر حضرت مفتی صاحب نے امرتسر میں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں خاموش لیکن بے بہا کام کیا حضرت تھانوی تو ۱۹۴۳ء میں انتقال فرما گئے لیکن حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۷ء کے چار سالوں میں مسلم لیگ کے لئے اپنی جدوجہد تیز کر دی اور قیام پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔

جمعیت علماء اسلام کی صدارت:

۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے وصال کے بعد جمعیت علماء اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ ایک کے بجائے کئی جمعیتیں وجود میں آ گئیں مولانا احتشام الحق صاحب اور مولانا اطہر علی صاحب (مشرقی پاکستان) باہمی متحد القائد علماء کا یہ اختلاف اہل علم اور ہم مشرب حضرات کے لئے بہت تکلیف دہ تھا اس لئے حضرت مولانا احمد علی لاہوری کی تحریک سے باہمی اتحاد کی صورت پر غور کیا گیا۔

جمعیت علماء اسلام کی جدید تشکیل عمل میں آئی پہلے کراچی میں جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی اور مولانا احتشام الحق تھانوی صدر منتخب ہوئے پھر کل پاکستان کی بنیاد پر اس تنظیم کو قائم کیا گیا مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے مکان پر اجتماع ہوا۔

اس میں علامہ سید سلیمان ندوی مولانا خیر محمد جالندھری مولانا داؤد غزنوی اور مولانا محمد متین خطیب جیسے اکابر علماء شریک ہوئے اس اجتماع میں حضرت مفتی صاحب کو صدر اور حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا احمد علی لاہوری کو نائب صدر منتخب کیا گیا اور مولانا محمد متین خطیب ناظم اعلیٰ منتخب کئے گئے حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب چونکہ بوجہ علالت و معذوری صدارت کے فرائض انجام دینے سے قاصر تھے اس لئے آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو جمعیت کا قائم مقام صدر مقرر فرما دیا اور پھر یہ علماء کرام بڑی سرگرمی سے اسلامی نظام کے قیام کی جدو جہد میں مصروف ہو گئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی کی ہدایات کے مطابق اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر شب و روز کی محنت سے تین ماہ میں دستور اسلامی کا خاکہ تیار کر لیا۔ اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا۔ حضرت اقدس مفتی محمد حسن صاحب نے پاکستان میں اسلامی نظام کی جدو جہد کے ساتھ ساتھ باطل نظریات کے خلاف بھی عملی جہاد کیا۔

قیام پاکستان کے بعد کچھ مغرب نواز لوگ اپنے ان خیالات کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہو گئے کہ اولاً تو اسلام میں سرے سے کوئی دستور مملکت ہی نہیں ہے اور بفرض محال ہو بھی تو مختلف فرقوں کے علماء ایک دستور پر ہرگز متفق نہیں ہو سکتے عام طور پر ایسے حضرات کی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے عوام الناس سے پوچھا جاتا تھا کہ بلاشک وشبہ اسلام برحق ہے لیکن آپ کون سا اسلام چاہتے ہیں دیو بندیوں کا؟ اہل حدیث کا؟ شیعوں کا؟ گویا بالفاظ دیگر صاف الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ پاکستان جس مقصد یعنی لا الہ اللہ کے لئے معروض وجوذ میں آیا اس پر عمل پیرا ہونا قطعی ناممکن ہے اور گویا ملک کے اتحاد اور اتفاق کا تقاضا یہ ہے کہ انگریز آقاؤں کی غلامی کی زنجیر سے جوں کا توں اپنے دست و پا کو جکڑا رہنے دیا جائے۔

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے نہ صرف اس پھیلتے زہر کے مہلک اثرات کو محسوس کیا بلکہ اس کا تریاق بھی ڈھونڈ نکالا اور انہوں نے مختلف مکاتب فکر کے علماء کو کراچی مدعو کیا تاکہ ایسا دستور ملک تیار کیا جا سکے جس پر علماء کرام کا ہر فرقہ متفق ہے اور تین چار دن کے مختصر ترین عرصہ میں بنیادی اصولوں کی تکمیل کے بعد اسے شائع کر کے یہ بتا دیا کہ الحمدللہ آپس کے اختلافات کے باوجود آج بھی اسلام کے نام کو ترجیح دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہو اس متبرک اجلاس میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن کو بھی مدعو کیا گیا اور ان کی رائے کو بے حد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا کیونکہ وہ ہمیشہ اس بات کے قائل تھے کہ نظریات و خیالات میں اختلاف ہو سکتا

ہے لیکن اس اختلاف کی بنیاد پر کسی کو کفر و شرک کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا تاوقتیکہ کفر و شرک کھل کر سامنے نہ آ جائے۔

اس اجلاس میں مختلف مکاتب فکر کے اکابر علماء نے شرکت کی اس اجلاس کے کچھ دنوں بعد ۱۹۵۳ء میں بنیادی اصول اسلامی مملکت پاکستان پر دوبارہ غور و خوض اور ضروری ترمیم و اضافہ کرنے کے لئے انہی ۳۱ علماء کرام کا ایک اور اجتماع کراچی میں ہوا حضرت مفتی صاحب اپنی درویشانہ صفت اور بے تعصبی کے باعث حسب سابق اس اجتماع میں بھی روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے ان کی ہر رائے کو انتہائی قیمتی اور وزنی تصور کیا جاتا تھا۔

اور اس پر ہر طبقہ کے علماء سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر فرمایا کرتے تھے اس کے علاوہ نومبر ۱۹۵۲ء میں پاکستان کے اس دور کے وزیر اعظم ناظم الدین کی جانب سے دستور مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے پاکستان کے جن علماء کو مدعو کیا گیا ان میں حضرت قبلہ مفتی صاحب کا بھی اسم گرامی شامل تھا۔

حضرت مفتی صاحب نے پاؤں کی شدید تکلیف اور سرد ترین موسم کے باوجود دستوری مسائل کے لئے تیسری بار کراچی کا سفر کیا۔

سیرت و کردار:

حضرت مفتی صاحب کا سینہ عشق الٰہی کا گنجینہ تھا۔ ان کی رگ رگ میں ذکر الٰہی کے انوار کی تجلیات کوندتی تھیں۔

مگر اس وفور و جذب و عشق کے باوجود وہ ہوش مند بھی ویسے تھے کہ اچھے اچھے عقلاء ان کی اصابت رائے کے معترف رہے۔ حضرت ایک صوفی صافی بظاہر زاویہ نشین تھے۔ مگر امت محمدیہ کے حالات سے آگاہ اور سیاسی اونچ نیچ تک سے باخبر رہتے تھے اور مسلمانوں کے فلاحی کاموں میں مرنجاں مرنج انسان تھے مگر حق و باطل کے اظہار میں بڑے باہمت و بے باک تھے گورنر جنرل غلام محمد مرحوم کے زمانے میں جو مخالف قادیانیت تحریک اٹھی اور چل دی گئی اس سلسلے میں تحقیقاتی کمیشن نے علماء کے بیانات بھی لئے تھے۔

اس وقت حضرت مفتی صاحب نے پوری شان جلالی سے یہ فرمادیا تھا کہ قادیانیت کا رد ہمارا مذہبی فریضہ ہے ہم نے قادیانیت کی تردید کی ہے اور ہزار بار کریں گے۔

مفتی صاحب دینی و اصلاحی خدمات میں مصروف تھے کہ ان کے پاؤں پر ایک پھوڑا ہو گیا جس نے رفتہ رفتہ پنڈلی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ٹانگ میں شدید تکلیف رہنے لگی آخر ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق ٹانگ کاٹ دی گئی اس تمام تکلیف میں صابر و شاکر رہے اور کوئی کلمہ شکایت زبان پر نہ لائے ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء ۲۰ شوال ۱۳۷۱ ہجری کو فالج کا حملہ ہوا دوا دارو سے افاقہ ہو گیا مگر چلنا پھرنا موقوف ہو گیا۔

طویل علالت کے بعد ۱۴ ذوالحجہ ۱۳۸۰ھ یکم جون ۱۹۶۱ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری (خلیفہ مولانا تھانوی) نے پڑھائی اور سوسائٹی کے قبرستان میں دفن کئے گئے قومی پریس نے ان کی رحلت کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

روزنامہ کوہستان نے اپنے تعزیتی اداریئے میں مفتی صاحب کے سیرت و کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا آپ کی دین داری اور پرہیز گاری کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی مجلس میں کبھی دنیا چرچے اور دنیا کی باتیں نہیں ہوئیں ہمیشہ آخرت کا ذکر اور خدا کے دین کی باتوں کا چرچا رہا منکرات سے اجتناب کی یہ کیفیت کہ آپ کی مجلس میں کبھی کوئی غیبت نہیں سنی گئی دین کی تبلیغ اور اشاعت کا جذبہ وشوق اتنا تھا کہ جوں ہی خود تحصیل علم سے کلی طور پر فراغت حاصل کی امرتسر میں مسجد خیرالدین میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اور آپ کی تبلیغ وتلقین نے ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا۔

اہل وعیال

حضرت مفتی صاحب نے دو نکاح کئے تھے پہلا نکاح اپنی بھاوج سے کیا جو بیوہ اور صاحب اولاد تھیں اور خود ان کی اپنی خواہش تھی کہ مفتی صاحب انہیں اپنی زوجیت میں قبول فرمالیں تو انہیں اپنے ساتھ ساتھ اولاد کی مناسب پرورش اور حسن تربیت کی ضمانت مل جائے۔ مفتی صاحب نے یتیم بچوں کی تعلیم وتربیت کے خیال سے اس پیش کش کو قبول فرمالیا۔

اور ایسا کرنے میں حضور ﷺ کی سنت پر بھی عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوگئی اس سے بہت پہلے آپ کا رشتہ ایک اور جگہ طے ہو چکا تھا۔ اہلیہ کلاں کی اجازت سے دوسرا نکاح بھی کچھ عرصہ بعد کر لیا گیا اور دونوں آپ کی زوجیت میں تقریباً اڑسٹھ سال تک رہیں پہلی اہلیہ آپ کے وصال سے پندرہ سال قبل رحلت کر گئی تھیں دوسری اہلیہ تادم تحریر حیات ہے ان عابدہ اور زاہد اہلیہ محترمہ سے مفتی صاحب کے سات فرزندان اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔ جن میں ایک فرزند اور دو صاحبزادیوں کی رحلت مفتی صاحب کی زندگی ہی میں ہوگئی تھیں آپ نے اپنی ہونہار اولاد کی دینی تعلیم وتربیت کو دنیاوی تعلیم پر مقدم رکھا اور مال و دولت کی فراوانی کی مضرتوں سے بچانے کے لئے دولت وثروت کے زہر کو بلا ارادہ باطل کر دیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہان اور نعمتوں سے سرفراز فرمایا وہاں صالح اور دین دار اولاد سے بھی نوازا آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب شیخ الحدیث اور مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور کی علمی شخصیت قلمی عبقریت اور اخلاص وللّٰہیت سے ہر اہل علم بخوبی واقف ہے ان کا شمار اکابر علماء میں ہوتا ہے عصر حاضر کے دینی اداروں میں حکمت تدریس اور اہتمام وانصرام میں شاید ہی ان کا کوئی ثانی ہو آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن استاذ

الحدیث اور نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور شان جمالی کے حامل ہے شیریں بیان خطیب اور تفسیر نکات القرآن کے مؤلف ہے آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب استاذ الحدیث و نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ انار کلی لاہور کو بھی اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے مذکورہ تینوں بھائی حافظ قرآن اور بہترین قاری بھی ہیں ان کے ایک بھائی حاجی ولی اللہ صاحب جامعہ اشرفیہ میں ہاسٹل کے ناظم اور دوسرے عبید اللہ صاحب کاروبار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو دین کی خدمت کی مزید توفیق عنایت فرمائے اور حضرت مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

بیاد حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

(حافظ نور محمد انور سلطانپورہ لاہور)

آہ! آج اک مرد حق دنیا سے رحلت کر گیا
جو سراپا با عمل تھا متقی پرہیز گار
جس کے فیض و علم کا چرچا تھا سارے ملک میں
ہو گیا ہم سے جدا وہ عالم دین باوقار
ہو گئی محروم ملت تجھ سے اے حضرت حسنؒ
آج ہے فرقت میں تیری ساری ملت اشکبار
بجھ گیا وہ علم دیں کا ایک تابندہ چراغ
بے شبہ تھی ذات جس کی باعث صد افتخار
زیست جس کی وقف تھی دین کی اشاعت کیلئے
تھا دل و جاں سے یقیناً دین حق پر جو نثار
حضرت اشرف علیؒ کے اے مرید با کمال
ہوں ہزاروں رحمتیں تجھ پر بفضل کرو گار
الوداع اے آفتاب علم و حکمت الوداع
الوداع اے فخر ملت دین کے خدمت گزار
الوداع اے مفتی دیں ہادی شرع متیں
الوداع اے عاشقان مصطفیٰ کے تاجدار
حشر تک زندہ رہے گا نام تیرا دھر میں
خدمت دیں کا صلہ دے گا تجھے پروردگار
انور عاصی کی ہے حق میں ترے اب یہ دعا
تیری تربیت پہ خدا کی رحمتیں ہوں بے شمار

حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ
بانیٔ جامعہ اشرفیہ

(ازقلم: شفاء الملک حکیم محمد حسن قریشی)

برصغیر پاکستان و بھارت کے مسلمانوں کے زوال کے بعد جن بزرگوں نے احیاء دین کی مساعی کیں ان میں شاہ ولی اللہؒ سب سے بلند مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اسلامی علوم وفنون میں ایک نئی منزل کی نشان دہی کی بلکہ اسلامی معاشرے کے عروج وزوال کا تجزیہ بھی کیا اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے مثبت اقدامات کئے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس طرح عوام کو قرآن سمجھ کر اس پر عمل پیرائی کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام میں اجتماعی نظام کی حقیقت اور معاشرے میں معاشی قوتوں کی اہمیت کو آج سے دوسو سال پہلے واضح کیا۔ شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات نے ہندوستان میں انقلابی تحریک پیدا کی۔ ان کے نامور فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کے دوسرے افراد نے اس تحریک کی آبیاری کی۔ چنانچہ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ اور مولانا شاہ محمد اسحٰقؒ نے حضرت سید احمد شہید بریلوی کی قیادت میں جہاد کیا۔

اکابر خمسہ:

حضرت شاہ صاحب کے خاندان سے جن اصحاب نے استفادہ کیا ان میں دو نامور بزرگ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی تھے۔ ان دونوں کی مساعی سے دارالعلوم دیوبند کی تشکیل ہوئی۔ جس کی وجہ سے تمام برصغیر میں علوم دینیہ کی ترویج واعادت کا سلسلہ شروع ہوا۔

مولانا محمد قاسمؒ علوم دینیہ کے جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ فلسفی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تقریر کا عجیب ملکہ عطا کیا تھا۔ وہ جس وقت تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو تمام مجمع مسحور ہو جاتا۔ ان کی اس خطابت سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد سلطنت برطانیہ کی شہہ پر یورپ کے پادریوں نے اسلام پر شدید حملے کئے اور یورپ کے ماہرین علم کلام نے برصغیر میں جگہ جگہ مناظروں کا انتظام کیا ادھر آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند نے بھی اسلام کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا اس طوفان کو روکنے کے لئے جس مرد مجاہد نے سب سے زیادہ کام کیا وہ مولانا

محمد قاسمؒ تھے۔ انہوں نے تحریر وتقریر سے ان حملوں کا اس طرح جواب دیا کہ بڑے بڑے پادری اور سوامی دیانند اور ان کے ساتھیوں کے لئے راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہاں مولانا رشید احمد گنگوہی نے گنگوہ میں زاویہ نشین ہوکر مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وہدایت کا بیڑہ اٹھایا۔ اور ہزاروں مسلمانوں کو ذوق حقیقت سے آشنا کرایا۔

یہ دونوں بزرگ اس دور کے مشہور بزرگ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے ان تینوں بزرگوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شرکت کی۔ حکومت نے حضرت حاجی صاحب کو گرفتار کرنے کی شدید کوشش کی اور ایک مرتبہ ایک انگریز افسر اس مکان میں داخل ہوگیا جہاں حاجی صاحب مقیم تھے۔ مگر حاجی صاحب صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ اس لئے انگریز افسر کامیاب نہ ہوسکا۔ حضرت حاجی صاحب اس کے بعد مکہ شریف ہجرت کر گئے اور وہاں عرصہ تک اصلاح وہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

مولانا محمد قاسمؒ کے بعد اور مولانا رشید احمد کے عہد میں ہی تھانہ بھون میں مشہور بزرگ مولانا اشرف علیؒ کا ظہور ہوا۔ ان کی تعلیم دیوبند میں ہوئی۔ اور انہوں نے مولانا محمد قاسم کے شاگرد رشید شیخ الہند مولانا محمود حسن سے استفادہ کیا۔ وہ مکہ میں حضرت حاجی صاحب سے بیعت ہوئے۔ مولانا اشرف علی جملہ علوم کے جامع تھے ان کو اپنے دور کا مجدد تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں جب حج کے لئے مکہ معظمہ گیا اور وہاں کے مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ مولانا اشرف علیؒ اس دور کے مجدد ہوئے ہیں۔ مولانا اشرف علی نے اپنے ہزاروں خطبات اور سینکڑوں تالیفات سے لاکھوں افراد کی اصلاح کی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی کے حلقہ ارادت میں مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے ارباب علم وقلم تک نے شمولیت کی۔ ان کے جلیل القدر خلفاء میں مولانا مفتی محمد حسن کا درجہ بڑا امتیاز تھا۔ مفتی صاحب کی تعلیم پہلے امرتسر میں ہوئی اور پھر تکمیل دیوبند میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا عبدالجبار غزنویؒ اور مولانا سید انور شاہؒ جیسے بلند پایہ اکابر شامل تھے انہوں نے فراغت کے بعد امرتسر میں درس وتدریس اور دعوت ارشاد کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آزادی کے بعد لاہور تشریف لائے۔ اس پر آشوب دور میں جب اسلامی واخلاقی قدریں متزلزل ہوگئی تھیں انہوں نے اصلاح و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔

مفتی صاحب سے مجھے آزادی سے پہلے نیاز حاصل ہوگیا تھا۔ وہ کبھی کبھی امرتسر سے لاہور تشریف لاتے اور مشہور معالج دندان ڈاکٹر احمد جمال الدین کے ہاں قیام پذیر ہوتے۔ جہاں مجھے ان سے شرف ملاقات کا موقع ملتا رہا۔ آزادی کے بعد جب وہ لاہور تشریف لے آئے۔ تو چند مرتبہ ان کے درس اور مجلس میں شرکت کا موقع ملا۔ مگر زیادہ تر میں ان کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوتا جب وہ تنہا ہوتے اور اس وقت ان کے حقائق معارف سے لبریز کلام سے متاع اندوز ہوتا۔ درحقیقت یہ ان کا خصوصی کرم تھا کہ میں جب کبھی ان کے ہاں حاضر ہوا ان کے لطف وکرم اور عنایت سے محروم نہ رہا۔ کئی مرتبہ وہ میرے

ہاں تشریف لائے۔ ایک دو خاص موقعوں پر ان کے ساتھ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم اور مولانا احتشام الحق بھی تھے۔

عظمت کے نقوش:

آج سے چار سال پہلے جب میں حج کو گیا تو حضرت مفتی صاحب نے نہایت مفید نصائح فرمائیں۔ ان کو معلوم تھا کہ جہاں کہیں میں جاتا ہوں وہاں مریضوں کا مرجوعہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ وہاں اس طرف زیادہ توجہ نہ کریں بلکہ جس مقصد عزیز کے لئے جا رہے ہیں اس کی تکمیل کو پیش نظر رکھیں انہوں نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں دو خاص عبادتیں ہیں۔ بیت اللہ کا زیادہ سے زیادہ طواف اور نماز با جماعت کا اہتمام۔ اس طرح مدینہ منورہ میں دو خاص عبادتیں ہیں۔ روضہ اقدس پر درود وسلام اور مسجد نبوی میں نماز با جماعت کا انصرام۔

جب میں حج سے واپس آیا تو انہوں نے میری ظاہری صورت میں تغیر دیکھا تو بہت مسرور ہوئے بار بار فرماتے کہ چہرہ کس قدر خوش نما ہو گیا ہے۔ میری غیر حاضری میں اس کا ذکر کرتے اور خوش ہوتے حجاز کے قیام کے حالات اور مناسک حج کی ادائیگی کی تفصیلات معلوم کر کے بہت مطمئن ہوتے۔ اور اس پر بھی بہت مسرت اندوز ہوتے کہ حکومت سعودیہ نے قیام حجاز کے دوران میں مجھے اپنا مہمان بنا لیا۔

میں جس قدر مفتی صاحب کے قریب ہوتا گیا میرے دل پر ان کی عظمت کے نقوش کا اضافہ ہوتا گیا۔ بعض ارباب معرفت نے تحریر کیا ہے کہ کوئی زمانہ اہل اللہ سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ ارباب نظر کی کمی ہے۔ اولیاء اللہ کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے سے دل کو سکون ہو۔ اور دنیا کی محبت کم ہوتی جائے وہ خود پابند شریعت ہوں اور ان کے پاس بیٹھنے والوں کی اکثریت بھی شریعت کی حامل ہو طمع وحرص کا ان میں شائبہ نہ ہو۔ اور جس قدر ان کا قرب میسر ہو اس قدر ان کی محبت وعظمت میں اضافہ ہوتا جائے۔

حضرت مفتی صاحب ان تمام صفات سے متصف تھے۔ ان کے تمام اوقات عبادات وریاضت میں گذرتے تھے۔ دن درس وتدریس اور ارشاد و ہدایت میں بسر کرتے اور رات کے اوقات وظائف اور نوافل میں گذارتے۔ وہ بہت کم سوتے تھے اور مجھے حیرت ہوتی تھی کہ وہ اس کمزور صحت کے ساتھ اس قدر محنت شاقہ کیونکر بسر کرتے ہیں۔ مجھے اس پر بھی تعجب ہوتا کہ مختلف آلام وامراض میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ ہر وقت سکون آشنا رہے۔ ایک تعجب انگیز امر یہ تھا کہ جیسے جیسے ان کا بدن کمزور ہوتا گیا ان کا چہرہ مطلع انوار بنتا گیا۔

انہیں اپنے مرشد سے بے حد عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ عارف تھانوی نے فرمایا کہ مجھے ملنے میں لوگوں کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ اس پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ اگر سال بھر بھی انتظار کرنا پڑے اور پھر آپ کی صحبت میسر آ جائے تو یہ بھی ارزاں سودا ہے۔

انہوں نے اپنے مرشد طریقت کی طرح ہزاروں آدمیوں کی اصلاح کی ہزاروں آدمی ان کے فیض صحبت سے نماز

کے پابند ہو گئے۔ لوٹ کھسوٹ اور زراندوزی کے اس دور میں ان کی اصلاح سے حیرت انگیز نتائج پیدا ہوئے ایک صاحب نے حضرت مفتی صاحب کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ آئندہ کے لئے تو میں توبہ کرتا ہوں مگر پہلے میں نے بالائی آمدنی سے بہت کچھ کمایا ہے۔ سو اس کا کیا کروں۔ مفتی صاحب نے فرمایا۔ آپ نے جن لوگوں سے روپیہ حاصل کیا ان کو واپس کریں۔ یہ صاحب حیران تو بہت ہوئے کہ یہ کیسے پیر ہیں جو مجھے مفلس بنا رہے ہیں۔ مگر مرشد کی نظر کام کر گئی۔ انہوں نے ایک فہرست بنائی اور ہر ایک کے ہاں پہنچے۔ ان سے معافی مانگی اور تمام روپیہ واپس کر دیا۔ حالانکہ لوگ کہتے تھے کہ آپ نے ہمارا کام کیا تھا یہ اس کا بدل ہے۔ مگر وہ تمام روپے کی واپسی کے بغیر نہ مانے اور انہوں نے دیکھا کہ بظاہر کنگال مگر بباطن ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال ہو گئے اس طرح ہزاروں آدمیوں کی اصلاح ہو گئی۔ درحقیقت حضرت مفتی صاحب کی زبان میں بڑی تاثیر تھی۔ کئی مرتبہ ان کی مجلس میں لوگوں کی چیخیں نکل گئیں اور خوف الٰہی سے تڑپ تڑپ اٹھے۔

ہمدردی:

مفتی صاحب مرحوم میں انسانی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کسی کی تکلیف سنتے تو تڑپ اٹھتے۔ بارگاہ الٰہی میں دعا فرماتے کہ اپنے اس بندے کی تکلیف دور کر دے۔ اس کے ساتھ ممکن ہوتا تو تدبیر بھی اختیار کرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ان کے متوسلین بھی کوئی مالی دقت میں مبتلا ہوا اس کے متعلق انہوں نے اپنے کسی عقیدت مند کو تحریک کر دی اور اس طرح وہ دقت رفع ہو گئی بعض اوقات اپنی محدود آمدنی میں سے بھی امداد فرماتے۔

ایک مرتبہ میں قلبی و عقبی عوارض میں مبتلا ہوا وہ بار بار صحت کے متعلق استفسار فرماتے رہے۔ اور بارگاہ ایزدی میں دعا فرماتے رہے۔ پھر عیادت کے لئے تشریف لائے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی تحریک جہاد کے ایک مجاہد کبیر مولانا شہاب الدین بیمار ہوئے تو ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جامعہ اشرفیہ کے طلباء کے متعلق خیال رکھتے تھے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ان میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کے علاج و دوا کا خیال رکھتے۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات وہ مجھے بھی تحریر فرماتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سنا کہ ان کے ایبٹ آباد کے متوسلین میں کچھ تنازعات ہیں۔ سن کر فرمایا کہ فرشتوں میں آپس میں جھگڑا ہو رہا ہے پھر اپنے دو خاص مریدوں کو وہاں بھیج کر ان کا جھگڑا چکا دیا۔

خوش ذوقی:

غیر معمولی زہد و ورع کے باوجود ان کی خوش مزاجی میں فرق نہیں آیا تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں نے ان کو کوئی عمدہ شعر سنایا اور انہوں نے پسند فرمایا۔ ایک روز میں شام کے بعد گیا وہ حسب معمول مکان کی چوتھی منزل میں تشریف فرما تھے۔ میں نے کہا کہ ایک شعر یاد آیا ہے۔ ؎

یہ کس رشک مسیحا کا مکان ہے　　زمین جس کی چہارم آسمان ہے

شعر چونکہ برمحل تھا اس لئے پسند فرمایا۔ میں نے اس کی توضیح کرتے ہوئے کہا کہ لکھنو میں دو مشہور شاعر تھے آتش و

ناسخ۔ دونوں کے شاگرد اپنے اپنے استاد کو بڑھانے کی سعی کرتے ایک مرتبہ ناسخ کے شاگردوں نے ایک رئیس کو آمادہ کیا کہ وہ ایک مشاعرہ منعقد کریں اور اس میں صرف ناسخ کو خلعت دیں۔ چنانچہ اس مشاعرہ میں ناسخ کو خلعت سے نوازا گیا۔ جب آتش کی باری آئی تو انہوں نے مصرع پڑھا۔ ؎

مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے　　تماشا ہے تہ آتش دھواں ہے

چونکہ یہ شعر لکھنو کے تمدن کے مطابق تھا۔ اور اس میں صنف تضاد کو ملحوظ رکھا گیا تھا اور پھر اس میں شاعر کا تخلص بھی آ گیا تھا۔ اس لئے مشاعرے میں شور مچ گیا۔ اور لکھنو والوں نے واہ واہ سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ ابھی یہ طوفان فرو نہیں ہوا تھا کہ آتش نے دوسرا مطلع پڑھا۔

یہ کس عیسیٰؑ دوراں کا مکان ہے　　زمین جس کی چہارم آسماں ہے

یہ مشاعرہ چوتھی منزل پر ہو رہا تھا اس لئے اس شعر پر ہنگامہ برپا ہوگیا۔ اور مکرر مکرر اور واہ واہ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ آتش کے شاگردوں نے موقع غنیمت سمجھ کر خلعت خلعت کی آوازیں بلند کیں اور بے چارے رئیس کو آتش کو بھی خلعت دینا پڑی۔ حضرت مفتی صاحب ان تصریحات کو سن کر لطف اندوز ہوئے۔

جامعہ اشرفیہ:

مفتی صاحب کے خاص حلقے میں ان کی مکاشفات و کرامات کا ذکر ہوتا رہتا ہے مگر ان کی زندہ کرامت جامعہ اشرفیہ ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ دیو بند' سہارن پور' لکھنو' کان پور' دہلی وغیرہ کے دینی مدارس بھارت میں رہ گئے ہیں اور پاکستان میں مذہبی درس گاہوں کی شدید کمی ہے۔ مفتی صاحب بے سروسامانی کی حالت میں امرتسر سے لاہور تشریف لائے ان کا اپنا مدرسہ نعمانیہ بھی ختم ہوگیا۔ مگر وہ پریشان نہیں ہوئے اور انہوں نے اللہ کے توکل پر جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک دینی ادارے کا اجرا کیا اور قابل ترین علماء کو اس میں کام کرنے کی دعوت دی۔ ایک دفعہ خلیفہ شجاع الدین مرحوم صدر انجمن حمایت اسلام لاہور نے انجمن کے ماتحت ایک مذہبی دارالعلوم بنانے کا ارادہ کیا۔ میں نے ان کو تحریک کی کہ انجمن جامعہ اشرفیہ میں ہی شریک ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب اور خلیفہ صاحب کی ملاقات ہوئی۔ خلیفہ صاحب انجمن کی طرف سے ایک بڑی سالانہ رقم دینے کے لئے تیار تھے۔ بشرطیکہ انجمن کے کچھ آدمی مجلس انتظامیہ میں شریک کر لئے جائیں اور تمام امور ان کے مشورے سے طے پائیں مفتی صاحب نے محسوس کیا کہ اس طرح جامعہ کے اصولی مقاصد میں اختلال کا اندیشہ ہے۔ اس طرح یہ تجویز کامیاب نہ ہوئی۔ آج جامعہ اشرفیہ پاکستان کا سب سے بڑا دینی ادارہ ہے۔ اس کی عمارت پر ۲۵ لاکھ روپے صرف ہوئے ہیں۔ اس کے عملے میں پاکستان و بھارت کے قابل ترین علماء شامل ہیں۔ اور اس میں ۲۵۰ طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جن کے قیام و طعام کا یہ ادارہ ذمہ دار ہے اور یہ سب کچھ اس درویش کامل کے تصرفات باطنی کا نتیجہ ہے۔ آج سے پچاس سال قبل لکھنو میں ایک بزرگ مولانا عین القضاۃ تھے

وہ ایک دینی مدرسہ چلایا کرتے تھے اور عام طور پر یہ مشہور تھا کہ ان کو دست غیب حاصل ہے جو وہ بغیر کسی تحریک کے اس مدرسہ کے اخراجات برداشت کرتے ہیں حضرت مفتی صاحب اس مدرسہ سے کہیں بڑے جامعہ کو اپنے ذکر وفکر سے کامیاب بنا گئے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے فیوض جاریہ کی وجہ سے یہ جامعہ ترقی کے مزید منازل طے کرے گا۔

امراض وآلام:

حضرت مفتی صاحب کی عدالت کا سلسلہ تقریباً ۲۵ سال سے جاری تھا۔ ان کے پاؤں پر ایک سمّی قسم کا پھوڑا ہو گیا تھا۔ مشہور معالج ودندان ساز ڈاکٹر احمد جلال الدین مرحوم نے اس کے متعلق مجھ سے مشورہ کیا۔ اور پھر میرے ساتھ ڈاکٹر جمیعۃ سنگھ آنجہانی سابق پروفیسر میڈیکل کالج لاہور کو بھی دکھایا بہت سے معالجین سے مشورہ ہوتا رہا اور آخر اس سلسلہ میں ٹانگ قطع کرنا پڑی۔ گذشتہ کئی سال سے ان کو ذیابیطس کی شکایت ہوگئی۔ پھر خون کا دباؤ بڑھ گیا۔ دومرتبہ فالج کا بھی حملہ ہوا۔ اس کے ساتھ دل بھی ماؤف ہوگیا اور قلبی حملے شروع ہو گئے آنکھوں میں پانی بھی اتر آیا۔

ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بہترین معالج میسر آئے۔ عملیہ ڈاکٹر امیر الدین اور ڈاکٹر ریاض قدیر نے کیا۔ علاج معالجہ کرنل ڈاکٹر ضیاء اللہ اور کیپٹن ڈاکٹر احمد جلال الدین مرحوم اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سعید کرتے رہے آنکھوں کا عملیہ ڈاکٹر بشیر نے کیا۔ دانتوں کا علاج ڈاکٹر احمد جلال الدین مرحوم اور ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سعید کرتے رہے۔

گزشتہ کئی سال سے وہ مجھ سے بھی مشورہ فرماتے رہے۔ میں ان کو خمیرہ صدف مروارید باضافہ جواہر بہرہ اکسیر قلب دیا کرتا جس سے ان کو تسکین ہوتی اور وہ اس کی تعریف کرتے مگر ساتھ ہی فرماتے کہ آخر یہ قیمتی دوائیں آپ کب تک دیتے جائیں گے۔ میں عرض کرتا کہ آپ کو یہ خیال بھی کیوں آتا ہے یہ دوائیں آپ کی گراں بہا صحت کے مقابلہ میں تو کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

صبر وشکر:

طویل علالت کے دوران ان کو کبھی شکوہِ سنج نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ اپنے آلام وامراض میں نہ صرف صبر کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہتے درحقیقت ان کو امراض وعوارض کی وجہ سے شدید تکلیف تھی۔ ٹانگ کے قطع ہونے سے آخر تک اس ٹانگ میں شدید الم محسوس کرتے۔ اس حالت میں ذیابیطس کی وجہ سے بار بار غسل خانے جانا پڑتا ضغطہ دموی اور فالج کے اثرات کی وجہ سے نقل وحرکت دشوار تھی دانتوں کی خرابی کی وجہ سے خوراک کھانے میں دقت تھی۔ آنکھوں کی کمزوری سے بھی تکلیف رہتی تھی۔

غرض: ع

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

مگر اس حالت میں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور عنایتوں کا ذکر فرماتے رہے۔ ایک دن میں نے ان کی حالت

پوچھی۔ فرمانے لگے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ میں نے عرض کی آپ تو امراض میں گھرے ہوئے ہیں۔ فرمایا: دیکھئے آپ کو بلا طلب اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا اور اب آپ دوا بھیجنے کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ پھر دوسرے معالجین کو اللہ تعالیٰ اسی طرح متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ کراچی کے ایک طبیب کو میں نہیں جانتا۔ مگر وہ برابر دوائیں بھیجتے رہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رفیقہ حیات ایسی عطا کی ہے جو جملہ ضروریات کا خیال رکھتی ہیں اور شب و روز سرگرم خدمت ہیں۔ اس طرح فرمانے لگے کہ میں تو ہر طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی رحمت دیکھتا ہوں۔ اور اس کے لئے میرا بھی ہر مو سراپا سپاس ہے۔ اصل میں وہ تسلیم وتفویض کی منزل طے کر چکے تھے اور رضائے حق کو ہی اپنی رضا پا چکے تھے۔ وہ ان لوگوں میں تھے جنہوں نے اپنی سب آرزوؤں کو اس کی مشیت میں فنا کر دیا تھا۔ اور وہ ہر معاملہ میں وہی چاہتے تھے جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں۔ ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود۔

وہ اکثر حضرت مجذوب کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

ایک مرتبہ استغراق میں اپنی عبودیت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ میں تو ہر حال میں راضی برضا ہوں۔ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی خدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اور یہ القاء ہوا کہ ہم بھی اپنے بندے کی رضا کے طالب ہیں۔ ؎

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا کسی مالک پر یہ غلبہ ہوتا ہے تو وہ سجدۂ شکر بجالاتا ہے۔ مراقبہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زبان سے بے اختیار جاری ہو جاتا ہے۔ ؎

اے خدا قربان احسانت شوم ایں چہ احسانت کہ قربانت شوم

آخری ملاقات:

ان سے آخری ملاقات عید کے دوسرے روز شام کے بعد ہوئی۔ وہ اپنے مکان کے چھوٹے صحن میں تشریف فرما تھے۔ میرے جانے پر پردہ ہوا اور انہوں نے اپنے قریب بٹھا لیا اور فرمایا آج آپ سے باتیں کرنا چاہتا ہوں میں نے نبض دیکھی۔ کچھ ضعیف تھی۔ فرمانے لگے۔ آپ کے آنے سے پہلے طبیعت مضمحل تھی۔ مگر اب کچھ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمایا۔ پرسوں صبح کراچی جا رہا ہوں۔ وہاں ایک دوست کا انتقال ہو گیا ہے انہوں نے جامعہ اشرفیہ کی بہت امداد کی ہے۔ اس لئے ان کی تعزیت کرنا چاہتا ہوں۔ احباب کراچی کا دیر سے اصرار ہے۔ دو بچے حج کے لئے گئے ہیں وہ بھی وہاں ملیں گے۔ ڈاکٹروں نے سفر کی اجازت دے دی ہے آپ سے مشورہ نہیں ہو سکا۔ پھر فرمایا۔ جب میری ٹانگ کاٹی

گئی تو' ڈاکٹروں کو خطرہ تھا کہ شاید میں جانبر نہ ہوسکوں۔ کرنل امیر الدین بھی گھبرائے ہوئے تھے۔ وہ ٹانگ کاٹ رہے تھے اور ڈاکٹر ریاض قدیر ٹانکے لگا رہے تھے کرنل ڈاکٹر ضیا اللہ نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ میں بھی پریشان ہوں گا مگر میں نے کہا کہ میرے لئے تو آج یوم عید ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ مفتی صاحب کو خیال ہوگا کہ وصال کا وقت آ گیا ہے۔ اور لقاءِ رب سے زیادہ اور کون سے لمحات مسرت حاصل ہو سکتے ہیں۔

میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ع

ارید و صالہٗ ویرید ہجری فاترکُ ارید لمایرید

''میں وصال کا خواہاں ہوں مگر وہ ہجر کا خواہاں ہے میں اپنی خواہش کو اس کی خواہش پر قربان کرتا ہوں۔''

امیر عبدالرحمٰن مرحوم والئ کابل کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ ڈاکٹر ان کو بیہوش کر کے عملیہ کرنا چاہتے تھے۔ امیر نے پوچھا کہ آپ مجھے کتنی دیر بیہوش رکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا دو گھنٹے تک امیر نے کہا میں دس منٹ بھی امور سلطنت سے الگ رہوں گا تو افغانستان میں انقلاب پیدا ہو جائے گا اور ٹانگ پھیلا دی اور کہا جس طرح چاہیں چیریں پھاڑیں مگر بے ہوش نہ کریں اور پھر اف تک نہ کی مفتی صاحب کا معاملہ امیر کے معاملہ سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے کیونکہ ان کی ٹانگ زانو سے بھی اوپر کاٹی جا رہی تھی۔ خود معالج پریشان تھے۔ مگر وہ اسے عید سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ اور یہ سکون وانبساط صرف اہل اللہ کا شیوہ ہے۔

وفات:

حضرتؒ مفتی صاحب سوموار کو صبح ہوائی جہاز کے ذریعہ کراچی بخیریت پہنچ گئے وہ دو روز تک سکون وراحت سے رہے۔ تیسرے روز دس بجے قلب کی تکلیف ہوئی۔ ڈاکٹروں کی تلاش ہوئی اور وہ پہنچ گئے۔ مگر ضعف بڑھتا گیا۔ پونے بارہ بجے بیگم صاحبہ نے محسوس کیا کہ غیر معمولی پسینہ آ رہا ہے انہوں نے کرتے کو بدلنا چاہا مگر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسے نہ بدلیں۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں او یہ فرما کر کعبہ کی طرف منہ کر لیا اور اس طرح پورے سکوں کے ساتھ جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ ؎

نشان مرد مومن با تو گویم! چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

حضرت مفتی صاحب کے انتقال پر ملال کی خبر پر ایک تلاطم برپا ہو گیا اور ہر طرف سے یہ اصرار ہونے لگا کہ ان کو لاہور میں دفن کیا جائے مگر ان کی بیگم صاحبہ نے اصرار فرمایا کہ کراچی ہی میں دفن کیا جائے۔

خدا رحمت کند ایں بندگان پاک طینت را

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

بانی جامعہ اشرفیہ لاہور حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ

(از مولانا حافظ فضل الرحیم مدظلہ)

زیر نظر مضمون شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہور رحمۃ اللہ علیہ سیمینار منعقدہ اپریل ۱۹۹۵ء کے لیے تیار کئے جانے والے مقالے کی تلخیص ہے۔

حضرت لاہوری کا وصال ۱۹۶۲ء میں ہوا جب کہ میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد حسنؒ کا وصال تقریباً ایک سال قبل ۱۹۶۱ء میں کراچی میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحب کی وصیت کے مطابق ان کی تدفین کراچی کے عام قبرستان میں ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب اور حضرت لاہوری کے باہمی تعلقات اور محبت کا نقشہ جن آنکھوں نے دیکھا ہے، اسے الفاظ اور زبان ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ جب بھی کوئی دینی مسئلہ کوئی اہم بات منظر عام پر آتی تو یہ حضرات شیخین سر جوڑ کر بیٹھتے اور اس وقت کے اکابرین کو ایک جگہ پر اکھٹا کر لیتے۔ میرے والد ماجد حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کیونکہ ایک ٹانگ سے معذور تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے اس عذر کی بناء پر مجھے میرے گھر کے اندر آپ حضرات کی میزبانی کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور آپ حضرات میرے اس عذر کی بناء پر شفقت فرماتے ہوئے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لے آتے ہیں۔

قلت وقت کی بناء پر ایک واقعہ اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں ۱۹۶۱ء میں مع اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد عبید اللہ دامت برکاتھم پہلی مرتبہ حرمین شریفین میں حج کے لئے گیا ہوا تھا کہ حضرت مفتی صاحب ہمارے استقبال کے لئے لاہور سے کراچی آنے کے لئے اپنے آخری سفر کا ارادہ فرما چکے تھے۔ حضرت مفتی صاحب جب لاہور والوں کو آخری سلام پیش کر رہے تھے تو انہوں نے لاہور شہر میں اپنے خاص احباب اور بزرگوں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار

کیا۔ جس میں سرفہرست حضرت لاہوری کی تاریخی ملاقات تھی جو ان شیخین نے شیرانوالہ گیٹ میں کی۔ حضرت مفتی صاحب نے حضرت لاہوری کو پیغام بھجوایا کہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ جواب میں حضرات لاہوری نے یہ کہلا بھیجا کہ آپ تشریف نہ لائیں میں خود آپ کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد آ جاتا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ قلبی خواہش ہے کہ کراچی جانے سے پہلے خود شیرانوالہ گیٹ حاضر ہوں۔ حضرت لاہوری نے یہ اصرار دیکھا تو کہلا بھیجا کہ ضرور تشریف لائیں۔ ہمارے لئے آپ کی آمد باعث خیر و برکت ہوگی۔ چنانچہ بانی جامعہ اشرفیہ حضرت لاہوری سے آخری ملاقات کے لئے شیرانوالہ گیٹ تشریف لے گئے۔ آج وہ آنکھیں زندہ ہوں گی جنہوں نے اس ملاقات کا نقشہ کھینچا ہے کہ جب یہ حضرات شیخین آپس میں مصافحہ اور معانقہ کے بعد بیٹھے ہیں تو دیکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ دونوں بزرگوں پر خاموشی کی ایک عجیب کیفیت کافی دیر تک جاری رہی یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بے زبان بغیر الفاظ بغیر بات چیت کے ساری باتیں آپس میں طے فرما رہے ہیں۔

مولانا روم نے شاید اسی موقع کے لئے فرمایا ہے:

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل حل شود بے قیل و قال

ملاقات کا اختتام ان کلمات پر ہوا۔ بانی جامعہ حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ میرے یہاں آنے کا سبب جہاں آپ کی ملاقات اور زیارت مقصود تھی وہاں سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ آپ سے اپنے حسن خاتمہ کے لئے دعاء کا کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اللہ جل شانہ میرا خاتمہ ایمان پر نصیب کریں۔ حضرت لاہوریؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت اللہ جل شانہ نے آپ سے اس ملک پاکستان لاہور اور اس کی وجہ سے ساری دنیا کے اندر جو اسلام کی خدمت لی ہے۔ یہ حضرت کی کامیابی کا بہت بڑا ذخیرہ ہوگی۔ اور پھر حضرت تھانویؒ کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے تعلق جوڑا ہے ایسا مثالی تعلق کسی خوش نصیب ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک بات یہ بھی عرض کر دوں جس سے شاید حضرت لاہوریؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے درمیان محبت اور عظمت کا اندازہ ہو سکے۔ متعدد حضرات نے حضرت لاہوریؒ سے درخواست کی کہ مدرسہ شیرانوالہ قدیمی مدرسہ ہے یہاں دورۂ حدیث اور درس نظامی کا نصاب شروع کر دیں تا کہ دور سے آنے والے طلباء اپنی پیاس بجھا سکیں۔ حضرت لاہوریؒ نے جواب میں فرمایا کہ جب سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں بنا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ علماء نے طلباء کی علمی پیاس بجھانے کے لئے ایک علمی مرکز بنا دیا ہے۔

حضرت لاہوریؒ نے فرمایا کہ جس ایمانداری سے سمجھا آپ کے جامعہ اشرفیہ کے ہوتے ہوئے میں درس نظامی اور دورۂ حدیث شروع نہیں کروا رہا۔ حضرات علماء آپ ان اکابرین کے معمولات پر تھوڑی دیر کے لئے اپنے گریبانوں میں

جھانک کر دیکھیں کہ کیا ہم دینی مدرسوں کو اپنا سمجھتے ہوئے ایثار کر سکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو نصیب کرتا ہے جن کے دلوں کے اندر للّٰہیت اور اخلاص کی دولت ہو۔

میں آخر میں صرف ایک بات کہہ کر رخصت ہوتا ہوں۔ میں ابتدائی درجے کی کتابیں پڑھ رہا تھا' رائل پارک میں حضرت لاہوریؒ کی آواز سنی ہم طلباء حضرت کا وعظ سننے کے لئے حاضر ہوئے میں ایمانداری سے عرض کرتا ہوں۔ حضرت نے اللہ کے نام کا جب ذکر فرمایا اور وعظ میں اللہ کا نام نامی آتا تو ایسی لذت محسوس ہوتی جس کا احساس قلب میں آج تک ہے خداوند کریم کی ان گنت رحمتیں نازل ہوں ان پاک ہستیوں پر۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

﴿۵﴾

بدر العلماء

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۱۶ھ

وفات: ۱۳۸۵ھ

بدر العلماء

حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(تحریر: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور)

دارالعلوم دیوبند نے جن عظیم المرتبت اور مایہ ناز شخصیتوں کو پیدا کیا ہے ان میں سے ایک عظیم ہستی بدر العلماء قطب العارفین حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کی ذات اقدس ہے۔ آپ اپنے دور کے ایک جید عالم، عظیم محدث، قابل مدرس، فاضل مقرر، کامیاب اور مقبول مصنف تھے، اردو عربی کے ادیب اور شاعر تھے۔ صدق وصفا کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے، ورع وتقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے نصیحت وخیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے، نہایت زیرک و مدبر تھے غرضیکہ اپنے علمی وعملی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے۔

ولادت وتعلیم وتربیت:

آپ شہر بدایون کے ایک معزز، شریف دیندار سید گھرانے میں پیدا ہوئے بچپن ہی سے بڑے عاقل ومتین اور مدبر ومنظم ثابت ہوئے۔ ابتدائی دور طالب علمی میں مظاہر العلوم سہارنپور کے برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ کے ارشد خلفاء میں عارف باللہ محدث العصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرکزِ توجہات والطاف رہے اور ان کے آغوش تربیت میں رہنا نصیب ہوا۔ اس کے بعد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ قدس سراہم کے آغوش شفقت میں دیوبند پہنچے جہاں ان کے فیض اور انوار علوم و معارف سے مستفیض ہوئے۔ ان بزرگوں کے علاوہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، سید العلماء حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ اور فقیہ الامت حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ جیسے مشاہیر وقت کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ الغرض ان تمام ممتاز ترین اکابر کے فیض سے

پورے طور پر مستفیض اوران کی ظاہری و باطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

درس وتدریس:

مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد آپ دیوبند پہنچے اور حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی ساتھ دارالعلوم دیوبند میں منصب تبلیغ وتدریس پر فائز ہوئے اوراس زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً رد قادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی' اورنہایت کامیاب اورمقبول مقرر ثابت ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت علامہ عثانی کے قافلہ کے ہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا اسی دور میں دیوبند کے ''مہاجر'' اخبار کے قابل ترین مضمون نگار رہے ڈابھیل کے بعد پاکستان میں بہاول پور اور بہاول نگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں استاذ حدیث اور نائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے۔ درس تدریس کے ساتھ ساتھ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے علامہ شبیر احمد عثانیؒ' فقیہ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ اکابر علماء کی جدوجہد اورتحریک میں ان کے شانہ بشانہ نمایاں حصہ لیا اور ۱۹۵۱ء میں اسلامی آئین کی ترتیب وتدوین میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کی میٹنگ میں شرکت کی۔

سلوک وتصوف:

زمانۂ قیام دیوبند میں اپنے عہد کے نامور اساتذہ اور اکابر کے فیض علمی کے ساتھ ہی ساتھ فیض روحانی میں بھی بلند مقام پایا اور عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہ سے شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی' عرصہ دراز تک ان کے انفاس قدسیہ اور صحبت مقدسہ کے برکات سے مالا مال ہوتے رہے' انتہائی استقامت و استقلال کے ساتھ اذکار واشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی' بالآخر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا اور سلوک وتصوف میں اعلیٰ مقام حاصل ہوا پھر خود بھی ایک مرشد کامل اور عارف کامل بنے اور پاک و ہند کے علاوہ جنوبی ومشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگان خدا آپ کی تربیت وتزکیہ اور بیعت وارشاد سے فیض یاب ہوئے اور شریعت کی پابندی واستقامت ان کو نصیب ہوئی۔

تصنیف وتالیفات:

آپ ایک ذکی عالم' زبردست فقیہہ اور صاحب فراست بزرگ ہونے کے ساتھ علمی وتصنیفی میدان میں بھی ایک ممتاز اور قابل مصنف تھے۔ آپ کے قلم سے وہ قابل رشک مظاہر وآثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے ''فیض الباری شرح بخاری'' چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت امام العصر علامہ کشمیریؒ کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے جو عربی ہے) اور ''ترجمان السنۃ'' اردو میں خدمت حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ بے نظیر شاہکار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی

زندہ یادگار اور اہل علم و دین کے طبقہ میں منبع فیض بنے رہیں گے۔''''جواہر الحکم'' کے نام سے احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دلنشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے' تین حصوں میں شائع ہوا ہے یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے ان کے علاوہ بیسیوں کتابیں و رسائل آپ کے علمی علوم کا ثبوت ہیں۔''

اخلاق و عادات:

آپ کا اخلاقی معیار بھی بلند و بالا تھا۔آپ بے حد شفیق اور متانت و وقار کے پہاڑ تھے بردباری اور تحمل کا پیکر تھے اور نہایت نفیس الطبع اور لطیف الروح تھے' لباس چال ڈھال ہر چیز میں نفاست مترشح ہوتی' تقویٰ کا مجسمہ تھے۔آپ کی زبان کذب' غیبت' بدگوئی' بہتان تراشی وغیرہ سے پاک تھی۔تواضع وانکساری میں بے مثل تھے غرضیکہ زندگی بھر علم و حکمت آپ کا زیور اور حیاء شرافت آپ کا لباس رہا۔آپ کی حیات مستعار تدریس و تبلیغ' اصلاح وارشاد اور خدمت اسلام میں بسر ہوئی۔

ہجرت مدینہ منورہ:

عرصہ سے مدینہ منورہ کی سکونت کی آرزو آپ کے دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ منورہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا آخر کار رب العزت کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفرازی ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوار حبیب ﷺ کی تمنا نے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی اور رسالت مآب ﷺ کے جوار مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی۔ چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں پاکستان سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ خاک پاک مدینہ نے اور حبیب خدا ﷺ کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی۔ مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت و طبیعت میں بہت کارگر اور مؤثر ثابت ہوئی مدینہ کے انوار و برکات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ ان کے فطری جوہر اور کھلے' مہمان نوازی' مروت' جواں مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں جو سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے وہ زیادہ نمودار ہوئے۔عبادت اور استقامت' ادب وسکون' ذکر و فکر کے ساتھ مسجد نبویؐ کی حاضری نصیب ہوتی رہی یہ واقعی آپ کی عمر کے قابل رشک لمحات تھے۔

وفات:

مدینہ کے قیام کے دوران آپ کا سلسلہ بیعت وارشاد بہت پھیلا' زمانہ حج میں جو قافلے ایسٹ یا ساؤتھ افریقہ سے آتے وہ اکثر وبیشتر آپ کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوکر آتے بہر حال پوری افریقی دنیا میں آپ نے ایک ایسی اصلاحی تحریک چلائی کہ آج ان کے فیض یافتہ پورے براعظم میں پھیلے ہوئے ہیں اور آپ کے علمی و عملی کارناموں کی ہماری پوری تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ آخر کار ماہ رجب الحرام کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں ۳ر رجب

المرجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۹ ؍اکتوبر ۱۹۶۵ء کو حبیب رب العالمین کے جوار میں جنت البقیع کے خاک مقدس میں جس کا ایک ذرہ آفتاب و ماہتاب سے زیادہ بانور ہے اس خادم علم و دین اس باغیرت و باحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کر دیا۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے

ہمعصر اکابر علماء کی نظر میں:

آپ کے ہمعصر علماء و اکابر نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا جس میں سے چند اکابر علماء کے تاثرات کے مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ آپ کے علمی و عملی مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ:

''ارشاد فرماتے ہیں کہ'' حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی علم وعمل اور شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی۔ (مکتوب گرامی بنام احقر)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم:

''تحریر فرماتے ہیں کہ'' مولانا بدر عالم صاحبؒ دور حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم و دین کی ساکھ قائم ہے جن سے مدرسے آباد ہیں اور منبر بارونق ہیں۔ (ماہنامہ ''بنیات'' ماہ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ العالی:

''فرماتے ہیں کہ'' حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں ان کی تصنیف وتالیف میں ''ترجمان السنۃ'' علم حدیث میں ایک شاہکار تصنیف ہے جس میں اکابر دارالعلوم دیوبند اور بالخصوص حضرت علامہ کشمیری استاذ العلماء کے علوم کو جمع کر کے خود اپنے علم اور علمی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔''

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ:

''اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ بہت بڑے عالم، محدث فقیہ اور عارف تھے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ قدس سرہ کے علوم و معارف کے ترجمان تھے۔''

(تقریر خیر المدارس۔ ملتان)

''اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین ثم آمین۔

سید سبوب حسن واسطی:

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

(شارح احادیث رسول ﷺ)

تقریباً چون سال پہلے کی بات ہے' گرمیوں کے دن تھے۔ دوپہر کا وقت' میں ابھی درس حدیث' سے فارغ ہو کر مدرسہ خیر المدارس ملتان میں اپنے رہائشی کمرہ میں واپس آیا تھا کہ ایک سفید ریش' متوسط قد بزرگ' دبلے پتلے' گورا رنگ' نورانی چہرہ ایک نوجوان کے ہمراہ میرے کمرہ میں داخل ہوئے' احتراماً میں ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا' یہ تھے اپنے وقت کے عظیم محدث اور شارح اقوال رسول ﷺ' سہارنپور' دیوبند' ڈابھیل (سورت)' بہاولنگر اور ٹنڈو الہ یار کی علمی درسگاہوں کے مایہ ناز استاذ' ندوۃ المصنفین دہلی کے عظیم دانشور اور مدینہ منورہ کے صاحب فیض بزرگ جن سے لاکھوں تشنگان معرفت وسلوک مستفیض ہوئے یعنی حضرت مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ اور ان کے صاحبزادے سید آفتاب احمد۔ ان حضرات سے یہ میری پہلی ملاقات تھی اور ان دونوں کے ہمراہ تھے میرے بخاری شریف کے استاد اور مدرسہ کے مہتمم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

ابتدائی گفتگو سے حضرت مولانا بدر عالمؒ کی ملتان آمد کا سبب معلوم ہوا کہ وہ اپنے صاحبزادے سید آفتاب احمد کو مدرسہ خیر المدارس میں داخل کرانا چاہتے تھے اور مدرسہ کے منتظمین نے سید آفتاب احمد کو میرا شریک کمرہ بنایا تھا۔ مدرسہ خیر المدارس ملتان میں میرے تعلیمی ایام ۱۰ر شوال المکرم ۱۳۶۸ھ تا ۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ (۱۹۴۹ء-۱۹۵۰ء) تھے۔ میرا رہائشی کمرہ خوب روشن اور ہوا دار تھا اور اب اسی کمرہ میں بہ حیثیت شریک سید آفتاب احمد کے قیام کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ میں نے دورۂ حدیث اسی سال مکمل کیا جبکہ مجھے یاد ہے سید آفتاب احمد دوران سال کسی بنا پر مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

حضرت مولانا بدر عالمؒ سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ بعد میں بعض دینی مجالس میں ان کا شریک صحبت رہا جس کے گہرے نقوش آج بھی میرے قلب پر مرتسم ہیں' ایک انتہائی پاکیزہ اور نفیس مزاج بزرگ بڑے خوش لباس' کوئی معمولی

دھبہ بھی کبھی میں نے ان کے کپڑوں پر نہیں دیکھا بے حد پاکیزہ گفتار' انتہائی شستہ زبان میں آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے' بات کرتے تو ایسا لگتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ لہجہ میں بڑی شفقت تھی' دل موہ لیتے تھے' ساری عمر دین اسلام کی خدمت کی' خالق کائنات نے شاید اسی کے صلہ میں جوار رسول ﷺ میں جگہ دی اور جنت البقیع میں قبر کے لیے جگہ ملی۔ رحمة الله رحمة واسعة۔

زندگی کے چار دور:

حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کو ہم چار ادوار پر تقسیم کر سکتے ہیں:

☆ ۱- ۱۳۳۶ھ تک کا تعلیمی دور

☆ ۲- ۱۳۳۷ھ کے بعد کا تدریسی و تصنیفی دور۔

☆ ۳- ۱۳۶۶ھ کے بعد کا قیام پاکستان کا تنظیمی و سیاسی دور۔

☆ ۴- ۱۳۷۲ھ کے بعد کا مدینہ منورہ کا فقر و سلوک اور فیض عام کا دور۔

پہلا دور:

حضرت مولانا بدر عالمؒ کے والد بزرگوار حاجی تہور علیؒ سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ تھے۔ سولہ سال کی عمر سے مرتے دم تک کبھی آپ نے تہجد کی نماز کا ناغہ نہیں کیا' دائم الذکر تھے۔ تلاوت کلام پاک اور اذکار میں مصروف رہتے' آپ نے زندگی میں سات حج کیے' اگرچہ محکمہ پولیس میں ملازم تھے مگر تاعمر کبھی ایک پیسہ رشوت کا نہ لیا۔ بدایوں میں تعینات تھے کہ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں ان کے یہاں علم و دانش کا یہ درخشاں آفتاب طلوع ہوا یعنی حضرت مولانا بدر عالمؒ پیدا ہوئے۔ شفقت و محبت اور دینی ماحول میں تربیت ہوئی' پہلے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور پھر انگریزی تعلیم کے لیے الہ آباد کے ایک اسکول میں داخل ہوئے' ابھی میٹرک تک نہ پہنچے تھے کہ ایک دن نماز جمعہ کے لیے الہ آباد کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں اتفاقاً اس دن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ تھا' علوم دینیہ کی عظمت اور اسلامی علوم کے حصول کی فضیلت کا یہ وعظ اتنا پراثر اور سحر انگیز تھا کہ اس گیارہ سالہ نوجوان کے دل کی گہرائیوں میں اترا اور اس کی آئندہ زندگی کے لیے ایک اہم موڑ بن گیا' مسجد سے گھر آئے تو بدر عالم بدلے بدلے سے تھے' انگریزی تعلیم سے اب ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا ہر دم بس یہی فکر تھی کہ اب مجھے دینی علوم حاصل کرنے اور دین اسلام کا خادم بننا ہے۔

ان کے والد بزرگوار حاجی تہور علی صاحب اگرچہ بیٹے کی دینی تعلیم کے مخالف نہ تھے مگر چاہتے تھے کہ ان کی انگریزی تعلیم کم از کم میٹرک تک تو ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے بیٹے کو سمجھایا کہ وہ کچھ انتظار کرے اور انگریزی تعلیم کو ایک خاص حد تک پہنچا دے پھر وہ ان کو دینی مدرسہ میں داخل کر دیں گے مگر اب گویا بیٹے کے دل میں کچھ اور ہی سما گئی تھی۔

بدر عالمؒ کا یہ پختہ عزم دیکھ کر باپ نے اسے ہی تقدیر الٰہی سمجھا اور سہارنپور کے عظیم محدث حضرت مولانا خلیل احمد

سہانپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو اس سلسلہ میں ایک تفصیلی خط لکھا' حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوریؒ نے اس خط کے جواب میں حاجی تہور علی کو سمجھایا کہ وہ اس تبدیلی کو اپنے بیٹے کے حق میں عظیم دینی' دنیوی اور اخروی سعادت تصور کریں اور بخوشی اسے دینی علوم حاصل کرنے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ حضرت مولانا بدر عالمؒ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں شب و روز آٹھ سال کی محنت کے بعد ۱۳۳۶ھ میں آپ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔

دوسرا دور:

فارغ التحصیل ہونے کے ایک ہی سال بعد آپ ۱۳۳۷ھ میں سہارنپور میں معین مدرس مقرر ہوئے۔ ابھی تقرری کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند جا کر مزید دینی علوم کی تحصیل اور مکرر دورۂ حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ ۱۳۳۹ھ میں آپ نے دارالعلوم' دیوبند میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' امام الفقہاء صدر مفتی دارالعلوم دیوبند' حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور عارف کامل' ماہر علوم حدیث حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ سے حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں اور سند فراغت لی۔ پھر ۱۳۴۰ھ میں یہیں مسند تدریس پر فائز ہو گئے۔

اساتذۂ حدیث میں آپ کی شخصیت پر سب سے زیادہ گہری چھاپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تھی جن سے آپ نے حدیث شریف کی کتابیں' صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھی تھیں۔ تین سال مسلسل آپ سے سماع حدیث کے بعد ۶ رذی الحجہ ۱۳۴۲ھ میں حضرت علامہ کشمیریؒ نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی جو سند الحدیث والا جازۃ آپ کو عنایت فرمائی وہ عربی ادب کا ایک شاہکار ہے۔ حضرت علامہ کشمیری اس میں رقمطراز ہیں:

امابعد' فان علم الحدیث مرفوع اعلامه وصحیح آثاره' وطیّب اخباره' ومستفیض برکاته وانواره ۔

حدیثه وحدیث عنه' یعجبنی
هذا اذا غاب' اوهذا اذا حضرا
کلاهما حسن عندی اسرّ به
لکن احلاهما ما وافق النظرا

"وهو اساس الدین و رأسه وعلیه طرده وعکسه' ومن یرد اللّٰه به خیرا یفقه فی الدین۔"

علم حدیث ایک معزز علم ہے جس کے جھنڈے بلند' جس کے آثار صحیح' جس کی تعلیمات وخبریں پاکیزہ اور جس کے انوار و برکات لائق تحصیل ہیں' وہ نظروں سے اوجھل ہو یا محفل میں موجود' محبوب کی بات اور اس کے متعلق گفتگو مجھے اچھی لگتی ہے۔ دونوں ہی چیزوں میں میرے لئے حسن ہے جس سے مجھے مسرت ملتی ہے مگر زیادہ مٹھاس اس میں ہے کہ وہ برابر

میرے سامنے رہے۔''

(حدیث شریف) ''اللہ جس کی بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔''

آگے امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا بدر عالمؒ کی اجازت حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وان اخانا فی اللّٰہ الذکی الاحوذی المکرم المفخم المولوی بدر عالم ابن الحاج الناسك تهور علی قد اشتغل علی بجامع الترمذی والجامع الصحیح لامام الهمام البخاری رفع اللّٰہ درجاتهما فی اعلیٰ علیین وقرأهما وسمع منی ثلاث مرات فی نحو ثلاث سنین وعلق عنی اشیاء وذاکر معی وراجع حتی احسبه واللّٰہ حسبیه' انه قدفهم علوم المحدثین مع تتبع الطرق وفن الاعتبار والمتابعات والشواهد ومذاهب الائمة وفحص غرض الشارع و جمیع المتغایر وغیر ذلك والان لما استجاز منی اجزته۔

''میرے دینی بھائی مولوی بدر عالم ولد حاجی تہور علی نے جو بے حد ذہین قابل ومعزز اور لائق تکریم وتفہیم ہیں مجھ سے حدیث شریف کی دو کتابیں جامع ترمذی اور صحیح بخاری پڑھیں اور تقریباً تین سال تک مجھ سے ان کا سماع کیا۔ دوران درس انہوں نے کچھ تشریحات وتوضیحات بھی قلمبند کیں۔ ان تشریحات کو بعد میں مجھ سے دہرایا اور اس درجہ مراجعت کی کہ میں سمجھتا ہوں (اور اللہ پاک کو بہتر علم ہے) کہ وہ حضرات محدثین کے علوم کو سمجھ گئے ہیں' نیز احادیث کے مختلف طریقوں کا تتبع' فن اعتبارات ومتابعات' دلائل اور حضرات ائمہ کے مذاہب' حضرت شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کی جستجو اور مختلف المعنی احادیث کا جمع وتطابق وغیرہ ابحاث بھی یہ سمجھ چکے ہیں اور اب جب کہ انہوں نے مجھ سے اجازت حدیث مانگی ہے میں نے انہیں یہ اجازت دے دی ہے۔''

پھر حضرت علامہ کشمیریؒ نے اپنی تین اسناد حدیث کا ذکر فرمایا ہے' ایک حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (اسیر مالٹا) سے اور وہ اپنے شیخ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے اور وہ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے۔ دوسری سند حضرت علامہ سید حسین الجسر طرابلسی شامیؒ مولف الرسالۃ الحمیدیہ ۱۳۲۷ھ سے وہ اپنے والد بزرگوار سے وہ حضرت علامہ شامیؒ صاحب ردالمختار اور تیسری سند حضرت علامہ سید احمد طحطاویؒ محشی دارالمختار ہے۔

حضرت مولانا بدر عالمؒ اس سند حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مجموعی طور پر میں دس سال حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں رہا۔ پھر بطور عجز وانکسار فرماتے ہیں:

فتلك عشرة كاملة ولو ان احدا فاز بتلك المدة لملأ صدره علما وحكمة' لكنی كنت

كالقيعان لا تجمع ماء ولا تنبت كلاء فهل من حرّيسامحني على اقذاري ويحاملني بدعوة صالحة واجره على الله۔

''تین سال یہ جو سند میں مذکور ہوئے اور سات مزید سال: اس طرح میں کل دس سال امام العصر حضرت علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں رہا۔ کوئی دوسرا اتنی مدت اس استاد کے پاس رہتا تو اس کا سینہ علم وحکمت سے بھر جاتا' لیکن میں ایک بنجر زمین کی طرح تھا جس میں نہ پانی ٹھہرتا ہے اور نہ گھاس اگتی ہے۔ ہے کوئی ایسا وسیع الظرف شخص جو میری کوتاہیوں سے درگذر کرے میرے لئے دعاء خیر کرے اور مجھے معاف کر دے۔ اللہ ضرور اسے اجر سے نوازے گا۔''

حضرت علامہ کشمیریؒ نے مولانا سید بدر عالم میرٹھی کو یہ سند اجازت ۶/ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ کو عنایت فرمائی اور حضرت علامہ کی تاریخ وفات ۲/صفر ۱۳۵۲ھ ہے۔ اس طرح حضرت مولانا بدر عالمؒ نے تقریباً دس سال حضرت علامہ کشمیریؒ کی خدمت میں گذارے۔ آپ کے یہ دس سال جیسا کہ آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا حضرت مولانا بدر عالمؒ کی تدریسی وتصنیفی زندگی ہی میں اہم سنگ میل ثابت ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند میں تقریباً چوالیس سال دینی علوم کی خدمت کے بعد ۲۹/شوال ۱۳۳۳ھ کو جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن (اسیر مالٹا) دوسری بار زیارت حرمین شریفین کے لیے حجاز مقدس روانہ ہوئے اور یہ تاثر عام ہوا کہ اب آئندہ شاید دارالعلوم دیوبند آپ کی تدریسی خدمات سے بہرہ مند نہ رہے تو ان کے لائق شاگرد امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بحیثیت قائم مقام صدر مدرس ان کی جگہ لی۔ اور بخاری شریف وترمذی شریف کا درس سنبھالا۔ ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت صدر مدرس درس حدیث دیتے رہے۔ پھر مدرسہ کے بعض منتظمین سے اختلاف کی بنا پر آپ ۱۳۴۶ھ میں اپنے بعض رفقاء وتلامذہ کے ساتھ حدیث شریف کی خدمت کے لیے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت) تشریف لے گئے' آپ کے جن رفقاء تلامذہ نے آپ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل جانا پسند کیا' ان میں حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی' شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی' مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور مولانا سراج احمد دیوبندیؒ شامل تھے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت مولانا بدر عالم سترہ سال حدیث شریف کی خدمت میں مصروف رہے یہاں کے قیام میں حضرت کو علوم حدیث میں گہری بصیرت حاصل ہوئی۔ یہیں آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے بخاری شریف کے درس کے دوران اپنے جن علوم کا استفادہ کیا ہے اور جو تشریحات وتوضیحات قلمبند کی ہیں انہیں ایک کتابی شکل دے دی جائے چنانچہ سخت کاوش ومحنت کے بعد آپ نے عربی میں تقریباً دو ہزار صفحات تحریر فرمائے اور چار ضخیم جلدوں میں یہ کتاب ''فیض الباری علی صحیح البخاری'' کے نام سے ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء میں مصر سے طبع ہوئی۔

ڈابھیل میں سترہ سال تدریس حدیث کے بعد آپ بہاولنگر تشریف لے گئے۔ وہاں مدرسہ جامع العلوم کو مضبوط بنیادوں پر قائم کیا اور تقریباً ایک سال وہاں قیام فرمایا۔ جب یہ ادارہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا تو پھر سے آپ نے خدمت حدیث کے لیے کمر باندھی۔ ''فیض الباری علی صحیح البخاری'' کے ذریعہ عربی میں عظیم خدمت حدیث کے بعد آپ میں شدت سے اردو زبان میں حدیث شریف کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا اور یہی جذبہ ۱۳۶۲ھ میں ندوۃ المصنفین' دہلی سے وابستگی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی۔ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند اور صدر جمعیت علماء ہند جب کلکتہ کے عرصہ دراز کے قیام کے بعد واپس تشریف لائے تو دہلی آ کر انہوں نے یہ عظیم تصنیفی ادارہ قائم فرمایا۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور دیگر اہل قلم کی طرح حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے بھی اس ادارہ سے بھرپور تعاون کیا۔ چار جلدوں میں تشریحات احادیث کی اردو زبان میں آپ کی خوبصورت ترین کتاب ''ترجمان السنۃ'' کی تالیف کی داغ بیل یہیں پڑی۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے پاکستان تشریف لانے سے پیشتر اس عظیم کتاب کی یہاں پہلی جلد شائع ہو چکی تھی۔ دوسری جلد کا کچھ مواد مکمل ہوگیا تھا کہ تقسیم ہند کا مرحلہ پیش آ گیا اور حضرت مولانا عجیب بے سروسامانی کے عالم میں پاکستان تشریف لے آئے۔

تیسرا دور:

حضرت مولانا بدر عالمؒ قیام پاکستان کے ساتھ ہی یہاں تشریف لے آئے تھے۔ سہارنپور' دیوبند اور ڈابھیل میں اب تک آپ علوم دین کی اشاعت کے جن اداروں سے وابستہ رہے تھے وہ ہندوستان کے مشہور اور جمے جمائے تعلیمی مراکز تھے۔ پاکستان تشریف آوری کے بعد یہاں آپ کو نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ یہ مسائل علمی نوعیت کے بھی تھے اور عوامی و سیاسی نوعیت کے بھی مثلاً پاکستان میں دینی مدارس اور تحقیقی دینی کتب پر مشتمل لائبریریوں کا فقدان تھا اور اسی لئے ابتداءً یہاں علمی و تحقیقی کام مشکل تھا۔ ساتھ ہی بعض ایسے عوامل و سیاسی مسائل تھے جن سے آپ چشم پوشی یا کنارہ کشی نہ کر سکتے تھے خصوصاً جب کہ پاکستان میں موجود آپ کے استاذ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور رفقاء مثلاً مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ۔ علامہ سید سلیمان ندوی' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ' مفتی محمد حسن امرتسریؒ' شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ' وغیرہ ان عوامی و سیاسی کاموں میں مصروف تھے۔ پاکستان کے صحت مند دینی مستقبل کے لیے مندرجہ ذیل دینی' عوامی اور سیاسی کام بے حد اہم تھے۔

۱-----زعماء مسلم لیگ کی اصلاح۔

۲----- سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی کے لیے سعی۔

۳-----پاکستان میں دینی مدارس کا قیام۔

۴-----جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل اور ان کے استحکام کے لیے مختلف پاکستانی شہروں کے دورے۔
۵-----کشمیر کی جدوجہد آزادی۔
۶-----پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ کے لیے مساعی۔
۷-----تحریک ختم نبوت اور ردقادیانیت کی کوششیں۔
۸-----اسکولوں کالجوں اور جامعات میں اسلامی تعلیمی نصاب کے لیے سعی۔
۹-----قرارداد مقاصد کی ترتیب وتدوین وغیرہ۔

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ نے اپنی ہجرت مدینہ سے قبل قیام پاکستان کے دوران دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر ان میں سے بعض اہم میدانوں میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ بحیثیت استاذ حدیث و نائب مہتمم ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار کی تشکیلی، تنظیمی، تدریسی ذمہ داریاں، اسلامی دستور کی تشکیل کی مساعی کے سلسلہ میں ۱۹۵۱ء میں کراچی میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کا جو اجلاس حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی قیام گاہ پر منعقد ہوا اس میں شرکت اور متفقہ بائیس نکات پر مشتمل اسلامی دستور کا جو خاکہ حکومت پاکستان کو پیش کیا گیا آپ کی اس کے لئے سرگرمی سے کوششیں، تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں مختلف دورے، ردقادیانیت پر مختلف رسائل کی تحریر اور ساتھ ہی ''ترجمان السنۃ'' کی بقیہ جلدوں کی تکمیل اور اردو زبان میں اہم دینی موضوعات پر تالیفات آپ کے اس دور کے اہم کارنامے ہیں۔

چوتھا دور:

حضرت مولانا بدر عالم قدس سرہ کی زندگی کا چوتھا اہم دور آپ کے ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں مدینہ منورہ کی ہجرت سے شروع ہو کر ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں آپ کے وصال تک کا سیزدہ (تیرہ) سالہ دور ہے۔

اس دور میں فقر وسلوک بھی ہے اور آپ کی طرف اہل اللہ کا رجوع بھی، علمی تبحر بھی ہے اور مخلوق خدا کو نفع رسانی کا بے پناہ جذبہ بھی، بیماری اور تکلیفیں بھی ہیں اور حصول رضائے الٰہی کے لیے ان پر صبر بھی، شریعت وطریقت بھی اور حقیقت بھی، روضہ رسول ﷺ کا قرب بھی ہے اور ذکر الٰہی کی ضربیں اور طمانینت بھی۔ ترجمان السنۃ جلد چہارم کے پیش لفظ میں ان مختلف کیفیات کا نقشہ آپ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں:

> ''کیا کہئے کہ قلم کے اس درماندہ مسافر نے ابھی کچھ دم نہ لیا تھا کہ بے سمجھے سوچے چوتھی جلد کی تالیف میں اپنا قدم ڈال دیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلنے پایا تھا کہ عوارض میں گھر گیا کہ ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کا مضمون اس کے سامنے آ گیا۔ آخر تھک کر اس کو راستہ پر ہی بیٹھ جانا پڑا۔ اب ادھر شدت علالت ایک قدم اٹھانے سے مانع بھی اور ادھر حرص وشوق کا یہ عالم تھا کہ اس کٹھن کو بن پڑے تو چشم زدن میں طے کر ڈالا جائے۔ اسی فکر میں بستر علالت پر کروٹیں بدلتا رہا اور آئندہ چلنے کی مختلف راہیں

سوچتا رہا تو خیال میں آیا کہ..........''

حضرت مولانا بدر عالمؒ نے اپنی کتاب ''جواہر الحکم'' جن حالات میں املاء کرانا شروع کی اس کے متعلق آپ کے صاحبزادے سید آفتاب احمد لکھتے ہیں:

''حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس حادثہ کے بعد سے (۱۹۵۳ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر کار کا حادثہ) ضعف بہت ہوگیا تھا۔ جس قدر خون نکل گیا تھا اس کی تلافی نہ ہوسکی اور اب چار سال سے تو بالکل بستر علالت پر تھے۔ نماز تک لیٹ کر اشارہ سے ادا فرماتے تھے۔ کھانا بالکل نام کو تھا یعنی روٹی، گھی، مسالہ، پھل وغیرہ سب بند۔ بس انجکشن اور طاقت کی ادویہ اور ابلی ہوئی اشیاء استعمال ہوتی تھیں۔ اتنی شدید علالت میں بھی چوبیس گھنٹے ان کو اسی کا خیال لگا رہتا تھا کہ امت محمدیہ ﷺ کو کس صورت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ''جواہر الحکم'' املاء کرانا شروع فرمادی جس کے مضامین بہت اہم اور بہت سہل انداز سے بیان کئے گئے ہیں۔ تیسرا حصہ تو موجودہ دور کی مشکلات کا حل ہے اور کمال یہ ہے کہ سب کچھ حدیث سے اخذ کیا گیا ہے۔''

تصانیف:

حضرت مولانا بدر عالمؒ کی بعض اہم تالیفات حسب ذیل ہیں۔:

(۱)- **فیض الباری علی صحیح البخاری مع حاشیه الساری الی فیض الباری** (عربی) امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی درس بخاری کی وہ تقاریر جو حضرت مولانا بدر عالمؒ نے دوران درس قلم بند کیں مع حاشیہ البدر الساری مؤلفہ حضرت مولانا موصوفؒ چار جلدوں پر مشتمل تشریح احادیث کی یہ عظیم عربی کتاب جنوبی افریقہ کے شہر جوہانس برگ کی جمعیۃ العلماء ٹرانسوال کے مالی تعاون سے مجلس علمی ڈابھیل (سورت) کی زیرنگرانی مصر سے ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء میں طبع ہوئی۔ صفحات جلد اول (۴۱۲) جلد دوم (۴۹۵) جلد سوم (۴۷۸) اور جلد چہارم (۵۴۴) کل صفحات (۱۹۲۹)۔

مقدمہ کتاب میں حضرت مولانا بدر عالمؒ نے کلمۂ تشکر کے طور پر حضرت علامہ کشمیریؒ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ (جو مشہور بزرگ اور عارف باللہ سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۵۳ھ خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کی اولاد سے ہیں) اور ناظم مجلس علمی ڈابھیل سید احمد رضا بجنوریؒ کا شکریہ ادا کیا ہے کہ ان حضرات نے کتاب کی تصحیح میں بڑی محنت کی۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نے فیض الباری کے مطالعہ کے وقت ایک خاص کیف کے عالم میں جو پینتیس عربی اشعار نظم فرمائے وہ بھی مقدمہ کا حصہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں بعض اشعار جن میں ابتداءً اس کتاب کی تالیف پر کیف و سرور کا اظہار اور حضرت علامہ کے فیوض کا ذکر ہے۔

حب النسیم علق القلوب و مالا
فترحل الحزن المقیم وزالا
آملی الامام الشیخ انور علمه،
من صدره متدفقا فاسا لا
فجرت ینابیع الحدیث بدرسه
واللّٰه اجری فیضه یتوالی

(۲) ترجمان السنۃ:

(اردو) مطبوعہ دہلی، لاہور، کراچی۔ چار جلدوں پر مشتمل اردو میں حدیث شریف کی معرکۃ الآراء کتاب، کراچی کے مطبوعہ نسخہ کے اعتبار سے پوری کتاب ۲۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۱۱۷۴ احادیث رسول ﷺ کی انتہائی عالمانہ اور محققانہ تشریح کی گئی ہے۔ کتاب کی پہلی جلد حضرت مولف رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۳۶۲ھ میں ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستگی کے کچھ بعد ہی مکمل ہوگئی تھی جبکہ دوسری جلد کی تصنیف کے وقت تقسیم ہندو پاک کا مرحلہ درپیش تھا۔ اس طرح باقی کتاب حضرت مؤلف کے پاکستان آنے کے بعد مکمل ہوئی۔

(۳) جواہر الحکم:

(اردو) تین حصے، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۰ھ یہ کتاب صفر المظفر ۱۳۸۲ھ اور ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کے درمیان لکھی گئی ہے اور ایسی ۱۱۳۹ احادیث رسول ﷺ کی سادہ زبان میں تشریح ہے جس کی روشنی میں موجودہ دور کے بعض اجتماعی مسائل اور قانون شریعت کے نفاذ میں درپیش بعض مشکلات کا حل تلاش کیا جا سکتا ہے۔

(۴) الحزب الاعظم:

(مترجم اردو) جن دعاؤں یا درود شریف کے مختلف کلمات کی قرآن وحدیث میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے اور جو ہمیشہ سے حضرات مشائخ کا ورد رہی ہیں مشہور محدث حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنی کتاب ''الحزب الاعظم والورد الافخم'' کے نام سے سات منزلوں کی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ حصول برکت کے لیے ہفتہ کے ساتھ دنوں میں روز ایک منزل پڑھی جاتی ہے۔ حضرت مولانا بدر عالمؒ نے قارئین کے لیے اس کا خوبصورت اردو ترجمہ کر دیا ہے تاکہ پڑھنے والا سمجھ کر پڑھے اور جانے کہ وہ اپنے رب سے کیا مانگ رہا ہے۔ تاج کمپنی لمیٹڈ نے اسے پوری آب وتاب سے چھاپا ہے۔ ان دعاؤں کے پڑھنے سے زندگی میں بڑی برکتیں رہتی ہیں۔

(۵) خلاصہ زبدۃ المناسک:

علماء کرام نے حج وعمرہ کے مسائل اور ماثورہ دعاؤں پر مشتمل متعدد مفید کتابیں لکھی ہیں لیکن قطب عالم حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی کتاب ''زبدة المناسک'' کو اس سلسلہ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے جس میں یہ تمام چیزیں ضروری تفصیل کے ساتھ انتہائی خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت مولانا بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ نے اس تفصیلی کتاب کے بہت زیادہ پیش آنے والے ضروری مسائل اور دوران حج جابجا پڑھی جانے والی دعاؤں کا اِنتخاب کیا ہے اور عازمین حج وزائرین مدینہ منورہ کے لیے حاجی وجیہ الدین ٹرسٹ کراچی نے اسے جیبی سائز میں شائع کیا ہے جس سے حاجیوں اور عمرہ پر جانے والوں کے لیے یہ انتہائی مفید چیز بن گئی ہے۔

(۶) مستزاد الحقیر علی زاد الفقیر:

فقہ اسلامی کی مشہور کتاب ''فتح القدیر'' کے مصنف شیخ ابن ہمامؒ نے نماز سے متعلق مسائل پر اپنی کتاب ''زاد الفقیر'' تحریر کی تھی۔ حضرت مولانا بدر عالمؒ نے مستزاد الحقیر علی زاد الفقیر کے نام سے اس کتاب پر مفید حاشیہ لکھا ہے۔

(۷) نصیحت نامہ:

دینی نصائح پر مشتمل اڑتالیس صفحات کا حضرت مولانا بدر عالمؒ کا یہ مختصر رسالہ حاجی محمد وجیہ الدین نے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں کراچی سے شائع کیا ہے جس میں آیات قرآنی' احادیث نبوی اور ارشادات مشائخ کی روشنی میں فضیلت ذکر' اتباع سنت کی برکتیں' بدعات کی برائیاں' مسلمان بھائی سے حسن ظن' نیت کی سچائی' حقوق الٰہی' اور حقوق قرآن کی ادائیگی جیسے مفید اہم موضوعات پر آسان زبان میں روشنی ڈالی گئی ہے' حضرت خواجہ محمد معصومؒ خلیفہ وفرزند حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مکتوب سے چند نصائح اور حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کے ''پند نامہ'' سے چند اقتباسات بھی رسالہ کا حصہ ہیں۔

(۸) مسک الختام فی ختم النبوۃ بخیر الامام۔

(۹) آوازِ حق۔

(۱۰) نزول عیسیٰ بن مریم:

ان تینوں رسالوں کا موضوع قرآن وحدیث کی روشنی میں ختم نبوت کا اثبات' فتنہ قادیانیت کا رد اور رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے عقائد کی وضاحت ہے۔

(۱۱) تذکرۂ ائمہ اربعہ ومشہور محدثین۔

(۱۲) قسمت کا ستارہ۔

(۱۳) شان حضور۔

(۱۴) مجوب الارث۔

اسلوبِ نگارش:

حضرت مولانا بدر عالمؒ کی ہجرت مدینہ سے قبل انتخاب موضوعات اور اسلوب نگارش اور ہجرت مدینہ کے بعد کے موضوعات اور طرز تحریر کا اگر ہم تقابلی مطالعہ کریں تو ہمیں یہ نمایاں فرق نظر آئے گا کہ قبل ہجرت کا آپ کا میلان دقیق علمی تحقیقات کی طرف تھا اور اسلوب نگارش بھی پر شکوہ اور ادیبانہ تھا۔ جبکہ بعد ہجرت زیادہ اہم اور عملی دینی زندگی کے لیے زیادہ مفید موضوعات اور سادہ ودلنشیں انداز نگارش نے اس کی جگہ لے لی۔ اور یہ وہ قدرتی تبدیلی ہے جو ہر اس عالم دین کے بیان وتحریر میں آہستہ آہستہ آتی ہے جو درویشی کی راہ پر گامزن' شریعت وطریقت کی منزلیں طے کرتا ہوا حقیقت و معرفت کی طرف بڑھتا ہے۔

وفات:

عظیم دینی خدمات انجام دینے کے بعد علوم حدیث کا یہ درخشاں ستارہ ستر سال سے کچھ کم عمر پا کر ۳/رجب المرجب ۱۳۸۵ھ/۲۹/اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز جمعۃ المبارک بالآخر اپنے رب سے جاملا' اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں قبر کے لیے جگہ پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

﴿٦﴾

استاذ العلماء

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۱۲ھ

وفات: ۱۳۹۰ھ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور:

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:

آپ بمقام عمر والہ بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں اپنے ماموں جان کے مکان پر ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام الٰہی بخش اور دادا کا نام خدا بخش تھا زمین دار پیشہ گھرانہ تھا۔ آپ کے ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد بڑے عزت دار سمجھے جاتے تھے۔ اور تمام برادری کی رسومات کو چھوڑ کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرّہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور ذکر و اشغال کی طرف متوجہ ہوئے اور آخر وقت تک دینیات' قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ (ماہنامہ الرشید لاہور)

تعلیم و تربیت:

آپ نے قرآن مجید اپنے ماموں میاں شاہ محمد صاحب سے پڑھا اور بچپن ہی سے ان کے زیر تربیت رہے۔ ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخلہ لیا اور دو سال اسی مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر مدرسہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں مولانا افضل احمد صاحبؒ اور مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ سے ابتدائی عربی کتب صرف ونحو' فقہ و منطق' فلسفہ و ادب پڑھیں ۱۹۱۰ء تا ۱۹۱۳ء مولانا سلطان احمد صاحبؒ سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے اس کے بعد مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مولانا غلام نبی' مولانا کریم بخش پنجابی اور مولانا محی الدین صاحبؒ سے مختلف علوم حاصل کئے پھر چار ممتاز علماء مولانا محمد یٰسین سرہندیؒ مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری' مولانا سلطان احمد بریلوی اور مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوری سے مدرسہ اشاعت العلوم میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ سند حدیث مولانا محمد یٰسین سرہندی سے حاصل کی۔ ۱۳۳۵ھ کے آخر میں تعلیم سے فارغ ہوئے۔ سند فراغت تعلیم حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمیؒ مہتمم دار العلوم دیو بند کے دست مبارکہ سے عطا ہوئی۔ (ماہنامہ الرشید لاہور)

تدریسی خدمات:

تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد اسی مدرسہ اشاعت العلوم میں مولانا محمد احمد قاسمیؒ کے حکم سے تقریباً ایک سال تک

مدرسی کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۳۳۶ھ سے منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور میں صدر مدرسی کے عہدے پر تقرری ہوئی اور دوران مکمل نصاب تعلیم کا درس دیتے رہے۔ اس کے بعد اساتذہ رائے پور گوجراں کے حکم سے مدرسہ عربی فیض محمدی جالندھر میں حدیث کے چراغ جلاتے رہے اس طرح شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۱ء تک تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے پھر جب مدرسہ فیض محمد بند ہوگیا تو اپنا ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (الرشید لاہور)

خیر المدارس کا قیام:

مدرسہ فیض محمدی کے سلسلہ درس وتدریس ختم ہونے کے بعد آپ نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرّہ سے مشورہ کیا۔ حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ بہ نسبت دیہات کے شہر میں رہ کر دینی خدمات انجام دینا زیادہ مفید ہوگا۔ حضرت مولانا جالندھریؒ نے اس رائے عالی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جالندھر شہر میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور بالآخر حضرت حکیم الامت کی زیر نگرانی مسجد عالمگیر جالندھر شہر اٹاری بازار میں مورخہ ۱۹ شوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ ر مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا افتتاح کیا جس کا نام حکیم الامتؒ نے ''خیر المدارس'' رکھا۔ بفضلہ تعالیٰ مدرسہ اپنے دینی مقاصد تعلیم وتبلیغ میں ہر سال ترقی کرتا رہا اور طبقہ علماء وصلحاء سے خراج تحسین ودعا حاصل کرتا رہا اور مدرسہ کو یہ خصوصی سعادت ہمیشہ حاصل رہی کہ بزرگان دین اور مشاہیر علماء سے خراج تحسین ودعا حاصل کرتا رہا اور مدرسہ کو یہ خصوصی سعادت ہمیشہ حاصل رہی کہ بزرگان دین اور مشاہیر علماء ہمیشہ گاہے گاہے اپنی تشریف آوری اور معائنہ جات اور اظہار رائے سے متبرک فرماتے رہے، جن اکابر ملت نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو اعزاز بخشا ان میں خود حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی ذات اقدس بھی شامل ہے۔ حضرت تھانویؒ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ کو خیر المدارس جالندھر میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کی آمد پر ایک خیر مقدم تیار کیا گیا ہے جو ملک کے مشہور فارسی شاعر حضرت گرامی مرحوم کے شاگرد رشید مولانا عزیز الدین عظامی نے لکھا تھا اس کے چند اشعار بطور تبرک درج کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

چہا خیر المدارس بر سر بخت خودش نازد | کہ میدارد حکیم الامت آں اشرف علی مہمان
رسد گرمے خورم سوگند خاک پاک جالندھر | کہ گشتہ سر زمینش مطلع نور عرفان
چہ مے پرسی عظامی نسبت ایں شہروایں مکتب | ہمانا شہر جسم آمد دراں جسم است مکتب جان

حضرت مولانا جالندھریؒ فرماتے تھے کہ جس مکان میں حضرت حکیم الامتؒ نے قیام فرمایا تھا بلا مبالغہ تقریباً ایک ماہ تک اس کے درو دیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے۔'' حضرت حکیم الامتؒ کے علاوہ جن حضرات نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ کو مشرف فرمایا ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ۔

سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی

محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا رسول خاں ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے جو خیر المدارس کے متعلق ہیں۔''

عجب ہے پرانوار خیر المدارس — خدا کا ہے گلزار خیر المدارس
طریق سلف پر ہے یہ چلنے والا — ہے بدعت سے بیزار خیر المدارس
پڑھتا ہے علم اور سکھاتا ہے تقویٰ — بناتا ہے دین دار خیر المدارس
یہاں مجمع اہل علم و عمل ہے — یہ ہے بزم اخیار خیر المدارس
پئے نصرت و حفظ دیں ہے یہ گویا — سپر اور تلوار خیر المدارس
یہ ہے خیر ہماری کہ علم و عمل کے — بہاتا ہے انہار خیر المدارس
چلو اہل خیر ہے اجر کی یہ منڈی — جزا کا ہے بازار خیر المدارس
رہے حق پہ تو تاقیامت سلامت — بایں نیک اطوار خیر المدارس
جو بانی ہیں خیر محمد تو پھر کیوں — نہ ہو نیک آثار خیر المدارس
مگر سر پہ ہے ظل اشرف جو تجھ پر — برستے ہیں انوار خیر المدارس

یہ احوال سن کر ہے مجروب خواہاں
کہ دیکھے وہ اک بار خیر المدارس

خیر المدارس کی اس نشاط اولیٰ میں سینکڑوں طلباء علوم وفنون عربیہ درسیہ' تفسیر قرآن و حدیث' اصول حدیث' فقہ' اصول فقہ' عقائد' کلام' فرائض' معانی' ادب' عروض' تاریخ' سیرت' اخلاق وتصوف' صرف ونحو' منطق' فلسفہ' حساب' مناظرہ حفظ و ناظرہ قرآن مجید اور فارسی سے فارغ التحصیل ہو کر درس و تدریس اور تعلیم وتبلیغ جیسے دینی خدمات میں مشغول ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے مرکزی شہر ملتان میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ خیر المدارس کی نشاط ثانیہ کا آغاز ہوا اور جس میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید علماء کا بطور اساتذہ تقرر ہوا جن کی علمی شہرت اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد طالبان علم حدیث خیر المدارس کی طرف رجوع کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ پورے ملک میں مرکزی حیثیت اختیار کر گیا اور دارالعلوم دیوبند کا عین نمونہ بن گیا' حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے فیضان نے' فی الواقع خیر المدارس بنا دیا اور جہاں سے اب تک ہزاروں کی تعداد میں علماء فضلاء فارغ التحصیل ہو کر ملک وملت کی خدمت میں مصروف ہیں' اس سلسلہ میں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: پاکستان آنے کے بعد نظریں ڈھونڈتی تھیں کہ کوئی دیوبند اور سہارنپور کا نمونہ

نظر آئے سو الحمد للہ یہاں آنے کے بعد وہ نمونہ ملتان میں نظر آیا اور دل کو تسلی ہوئی۔ یہ مدرسہ خیر المدارس وہی خیر المدارس ہے کہ جو تقسیم ہند سے پہلے جالندھر میں تھا اور جس کی نشاط اولیٰ حضرت مولانا و بالفضل اولینا مولانا خیر محمد صاحب مدظلہم کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی جو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے خلیفۂ مجاز اور شریعت وطریقت کے زبردست عالم ہیں مدرسہ بحمہ تعالیٰ اپنے عروج اور شباب پر تھا اور اپنی حسن تعلیم اور حسن تربیت کی بناء پر مقبول عام و خاص تھا' تقسیم ہند کے بعد مولانا موصوف جالندھر سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لائے اور مدرسہ کی بیش بہا عمارتیں اور تمام کتب خانہ اور علمی و مالی سرمایہ اور علماء وفضلاء کی ایک جماعت کو جمع کر کے تعلیم دین کے فریضہ کی ادائیگی شروع فرمائی' فجزاء اللہ فی الدارین خیر الجزاء تقسیم ہند سے پہلے یہ مدرسہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں جاری تھا اور یہ نام خیر المدارس بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی تجویز کر فرمودہ ہے۔ تقسیم ہند کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی قدس اللہ سرہ کی سرپرستی میں رہا[1] میرے علم میں اب تک پاکستان میں اس شان کی کوئی درسگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خیر کثیر کے چشمہ فیض کو قیامت تک جاری رکھے اور وہم وگمان سے زیادہ اس میں خیر و برکت عطا فرمائے اور نظر بد سے محفوظ رکھے اور اس چشمہ فیض کے جاری کرنے والے مخدوم ومحترم خیر مجسم حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے ظل خیر کو طویل اور مدید فرمائے اور اہل پاکستان خصوصاً اہل ملتان کو اس نعمت غیر متوقع کی قدر شناسی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ (آئینہ وآئین وقواعد خیر المدارس ص ۴۰)

بیعت وخلافت:

ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ذات اقدس مرجع خواص و عام تھی ان کی ذات بابرکات سے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو گیارہویں صدی کے آخر میں حضرت مجدد الفؒ ثانی کی ذات اقدس سے سرہند کو تھی اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہل نگاہ سے پوشیدہ نہیں اس خانقاہ اشرفیہ کا تربیت یافتہ ہر شخص ایک در ثمین اور گوہر نایاب ثابت ہوا' حضرت مولانا جالندھریؒ بھی اسی خانقاہ کے ایک موتی تھے۔ حضرت مولانا جالندھریؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ: میری تھانہ بھون کی پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مطابق مئی ۱۹۲۴ء کو ہوئی اور پھر یہ سلسلہ آخری حاضری ۱۷ر رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱ر جولائی ۱۹۴۳ء تک جاری رہا' حضرت اقدس حکیم الامتؒ کا وصال ۱۶ر رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ر جولائی ۱۹۴۳ء ۱۱ر بجے شب منگل کو ہوا تھا اور اس کے دوسرے دن تھانہ بھون آخری حاضری ہوئی۔ پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ مئی ۱۹۲۴ء کے اوائل میں ہوئی اور ایک ہفتہ قیام رہا۔ مقیمین کو اس وقت مکاتبت کی اجازت تھی چنانچہ پہلا خط لکھ کر اپنا حاصل عرض کیا گیا تو حضرت والا نے مجھ میں تکبر تشخیص کر کے اس کا علاج شروع فرمایا میں نے دوسرے خط میں تشخیص و تجویز دونوں

[1] علامہ عثمانی کی وفات کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آخر دم تک مدرسہ کے سرپرست رہے۔ احقر بخاری غفرلہ۔

کوتسلیم کیا تو حضرت والا نے جواب میں جو الفاظ تحریر فرمائے وہ اب تک دماغ میں محفوظ ہیں فرمایا کہ جی بہت خوش ہوا هنیأ لك العلم والعمل۔ پہلے بیعت حضرت مرشدی حافظ محمد صالح صاحبؒ سے کی ہوئی تھی اس لئے سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے ابتداءً بیعت کرنے سے انکار فرمایا کیونکہ حضرت اقدس کا یہ اصول تھا کہ ابتداء بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ مناسب ہونے کے بعد بیعت فرماتے تھے ایک سال کے بعد تجدید بیعت کی درخواست کی گئی تو قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ پرچہ میں اپنے پاس رکھتا ہوں بعد نماز مغرب میں خود بلا لوں گا چنانچہ ۹/ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ یکم جولائی ۱۹۲۵ء کو بعد نماز مغرب لیلۃ العید الاضحیٰ میں مسجد خانقاہ امدادیہ میں چاروں مسلموں چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' قادریہ' میں بیعت سے دست بدست مشرف فرمایا اس روز سے حضرت والا کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری و باطنی تربیت میں زیادتی اضعافاً مضاعفہ نمایاں ہونے لگی اور خط و کتابت کی آمد و رفت میں بھی ترقی ہوئی بلکہ ذوق وشوق میں روز مرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۷ا رجب ۱۳۴۷ھ کو بوقت قیام احقر در خانقاہ امدادیہ اس خاکپائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت وتلقین کی اجازت فرمائی اور اس کی اطلاع با قاعدہ طور پر ماہنامہ ''الامداد'' میں بھی شائع کرادی۔ (خودنوشت نقش حیات۔ خیر الافادات ص ۳۶)

دینی وسیاسی خدمات:

حضرت مولانا جالندھریؒ نے اپنے سینے میں متلاطم علم کے سمندروں سے مخلوق خدا کو جس طرح فائدہ پہنچایا اور آج وقت کے بڑے بڑے علماء وفضلاء آپ کے گلستان علم وفضل سے سینکڑوں کی تعداد میں فیض یاب ہوکر دین و ملک اور قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کی دینی' علمی' تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ملکی اور سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک پاکستان کے سلسلہ میں آپ اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مسلک و مشرب کے حامی تھے اور دل و جان سے شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ' مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی کے ہمراہ پاکستان کے حق میں تحریر وتقریر کے ذریعے اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد قرارداد مقاصد کی تدوین وترتیب میں مذکورہ بالا حضرات کی جدوجہد اور مساعی جمیلہ میں معاونت فرماتے رہے اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ' حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ نے جب مختلف مکاتیب فکر کے علماء کو کراچی مدعو کیا تا کہ اسلامی دستور تیار کیا جائے اور ایسا دستور ہو جس پر علماء کرام کا ہر فرقہ متفق ہو اس اجلاس میں جن مقدس اور بزرگ ہستیوں نے شرکت کی ان میں مولانا جالندھری بھی شریک تھے۔ اس اجلاس کے کچھ دنوں کے بعد ۱۹۵۳ء میں دوبارہ اس دستور کے بنیادی اصول اسلام کی ضروری ترامیم کے سلسلہ میں دوبارہ کراچی تشریف لے گئے۔ ۱۹۵۴ء میں پاکستان کے اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستور مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے پاکستان کے جن ممتاز علماء کو مدعو کیا گیا تھا ان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ

بھی شامل تھے۔ جمعیت علماء اسلام کے باہمی اتحاد کے لئے ۱۹۵۴ء میں کراچی تشریف لے گئے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے باہمی سرپرست اور مرکزی رہنما کی حیثیت سے آخر دم تک علماء کرام کے اتفاق و اتحاد کی جدوجہد میں لگے رہے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے دارالعلوم کی کمیٹی کے رکن رہے اور کچھ عرصہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر ہر باطل کے مقابل علماء واکابر کے شانہ بشانہ میدان میں ڈٹے رہے اور ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود آخر دم تک خدمت اسلام اور امت مسلمہ کی اصلاح میں مصروف رہے۔ (ماہنامہ الرشید محرم ۱۳۹۶ھ)

اخلاق و عادات:

حضرت جالندھریؒ کو حق تعالیٰ نے حسن ظاہری و باطنی سے نوازا تھا آپ کا اخلاقی معیار بہت بلند تھا۔ آپ کی زبان کذب، غیبت، گوئی، بہتان تراشی وغیرہ سے قطعاً ناآشنا تھی۔ آپ کی طبیعت ذاتی طور پر فکر آخرت کی طرف ہر وقت مائل رہتی تھی۔ آپ اتباع سنت کے مجسم پیکر تھے ان کی زندگی کا ہر ہر شعبہ رشد و ہدایت کی شمع تھا، نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ عابد و زاہد اور اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ محدث وقت حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا جالندھریؒ اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے۔ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے، علم و وقار کا مجسمہ اور خداترسی و للّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے پاکستان کے مرکزی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمّٰی تھا جہاں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح اخلاق اور ترتیب قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ روح بھی تھی، صفائی کے معاملات میں خصوصی امتیاز تھا یوں تو حضرت جالندھریؒ مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع اس وقت ملا جب کہ دینی درسگاہوں کی تنظیم ''وفاق المدارس'' کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت اور ہم نشینی کے مواقع میسر آئے، انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش و غضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ و ریشہ میں عقل و دانش اور حلم و تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے۔ (ماہنامہ بینات دسمبر ۱۹۷۰ء)

تصنیف و تالیف:

آپ نے جس طرح دوسری علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دیں ان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اصلاح اور فلاح کے لئے نہایت مفید رسائل اور تالیفات بھی تصنیف فرمائیں ان میں ''نماز حنفی مترجم'' فلسفہ نماز، خیر الاصول، خیر التنقید، شان رسالت ﷺ، خیر الوسلیہ، خیر المصابیح، تیسر الابواب دو جلد، ایقاظ المسلمین، آئین وقواعد خیر المدارس، نصاب تعلیم اور نقش حیات شامل ہیں۔

مقام جالندھریؒ:

آپ کی عالمانہ رفعت وعظمت کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے یہاں صرف چند اکابر و مشائخ اور علماء وصلحاء کی مختصر آراء درج کی جاتی ہیں تا کہ آپ کے مقام ارفع کا اندازہ لگایا جا سکے۔ آپ کے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ آپ سے بے حد محبت فرماتے تھے اور آپ کی علمی قابلیت پر مکمل اعتماد فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کے رسالہ خیر الاصول کو مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے نصاب تعلیم میں داخل کر کے اسے نقشہ میں لکھوا دیا گیا کہ مشکوٰۃ سے پہلے اس کو پڑھایا جایا کرے۔ اسی طرح ۱۹۳۸ء میں جب حضرت حکیم الامت قدس سرہ دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لے آئے تو عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے جالندھری کو مطلع کرنے کے لئے حکیم الامت سے اجازت طلب کی تو حضرت حکیم الامتؒ نے ہنس کر فرمایا کہ "میں متاع الخیر کیوں بنوں"۔ (خود نوشت سوانح نقش حیات)

مجاہد اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "پاکستان میں حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب موجود ہیں ان سے صحبت اور فیض حاصل کرو۔" اسی طرح حضرت جالندھریؒ ایک مرتبہ دارالعلوم دیو بند میں حضرت مدنی قدس سرہ کے مہمان تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ابو ہریؒ کا اصرار تھا کہ آپ ایک مرتبہ میری دعوت قبول فرما دیں تو اس پر حضرت مولانا مدنی قدس سرہ نے فرمایا "آپ متاع الخیر بنے ہوئے ہیں۔" (خیر الافادات ص ۴۰، ۴۱)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثانی قدس سرہ حضرت جالندھریؒ اور ان کے مدرسہ خیر المدارس کے متعلق اپنی رائے عالی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: یہ مدرسہ خیر المدارس ابتداء تعمیر ہی سے حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں علماء اہل حق کا ایک اچھا مرکز رہا ہے اس کے سالانہ جلسوں سے بھی صحیح تبلیغ کا بہت نفع پہنچتا رہا ہے۔ اس کے سرپرست حضرت حکیم الامت اور بانی و مہتمم مولانا خیر محمد صاحب ہمیشہ پاکستان کے حامی رہے اور اب پاکستان میں آنے کے بعد جہاں تک میرا علم ہے اس کے مدرسین و ملازمین پاکستان کی بقا اور استحکام کو ایک اسلامی فریضہ سمجھتے ہیں۔ (آئین وقواعد خیر المدارس ملتان)

مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مرید حاجی عبدالسلام لائل پوری کو تحریر فرماتے ہیں کہ اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ملتان میں برکت نازل فرمائیں حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی ملاقات نعمت ہے اس سے نفع حاصل کرو حق تعالیٰ نے موقع عنایت فرمایا ہے۔ (القول العزیز ج ۲ ص ۱۲۸)

سید الملت حضرت علامہ سلیمان ندویؒ قدس سرہ خیر المدارس کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ مدرسہ بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص اور خوبی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے اور مخلص حضرات کی مساعی جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے۔

(آئین وقواعد خیر المدارس)

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ تربیت السالک ج ۲ ص ۴ پر فرماتے ہیں کہ: ''جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ہی خیر ہے اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہوگیا ان کو حق تعالیٰ نے بہت سے امور خیر سے موفق فرمایا تھا۔'' دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ پاکستان کے علماء و اولیاء میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھنے والے تھے۔ ایسی جامع علم وعمل با خدا ہستیاں قرنوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ ایک مرتبہ حضرت جالندھریؒ کے ساتھ سفر کر رہے تھے، حضرت جالندھریؒ ریل کے ڈبہ میں قضائے حاجت کے لئے جانے لگے تو حضرت لاہوریؒ اٹھے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت جالندھریؒ نے بیت الخلاء کا دروازہ بند کرلیا واپسی میں حضرت لاہوریؒ پھر کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت مولانا جالندھریؒ اپنی نشست گاہ پر تشریف نہ لے آئے اس سے حضرت لاہوریؒ کے دل میں حضرت جالندھریؒ کا احترام ظاہر ہوتا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ تربیت السالک ج ۲ ص ۶ پر فرماتے ہیں کہ: حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں ان کا بلند مقام ہے۔'' اسی طرح خیر المدارس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ماشاء اللہ مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذات گرامی مدرسہ کے اہتمام اور خوبی انتظام کا ضامن ہے یہاں کے طلباء اور مدرسین میں علم وعمل کے انوار نمایاں ہیں۔ (آئین وقواعد خیر المدارس)

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے علم کے پرکھنے کے لئے تو ان کی تالیفات اور درس و تدریس، خیر المدارس کی بنیاد مناظرے، تبلیغ اسلام کے مواعظ، مجلسی گفتگو، حاضر و بعید سب کے لئے شاہد عمل ہیں مگر ہر فن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے اس لئے اہل علم ہی ان کے علمی مرتبہ کو پہچان سکتے ہیں جیسے ہر فن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے پہچان لیتے ہیں ورنہ دوسروں کے لئے تو سب یکساں ہی معلوم ہوا کرتے ہیں یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے، حضرت جالندھریؒ کی علمی مہارت اہل علم میں معروف و مشہور ہے مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا اس تک ہر اہل علم بھی نہیں پہنچ سکتا، ''ولی را ولی می شناسد''۔ ایک صحیح قاعدہ ہے، باطن میں کیا درجہ ہے اس کو اہل باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں دوسروں کے بس کا کام نہیں ہے اس کے لئے حضرت تھانوی قدس سرہ جو زمانہ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں ان کا بیعت و تربیت کی اجازت دینا اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب تربیت مجمع فرما کر اعلان فرما دیا تھا جو ''اشرف السوانح'' میں درج ہے اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نام نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ''انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے۔'' چونکہ مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی اس

کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت وفوقیت کو انجن کی زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملت کی ان دو شہادتوں کے سامنے اور کسی کی تعریف وستائش پر کتاب کی کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ (مکتوب گرامی بنام احقر بخاری غفرلہ ۹ شعبان ۱۳۹۶ھ)

وفات:

مدرسہ خیر المدارس اکتالیس سال پورے کر چکا تھا اور ۱۵ر شعبان ۱۳۹۰ھ کو سالانہ امتحان ختم ہو چکے تھے اور مدرسہ تعطیلات کے لئے بند ہوگیا تھا بیرونی طلباء واساتذۂ کرام اپنے اپنے گھروں کو جارہے تھے کہ ۲۰ر شعبان ۱۳۹۰ھ بروز پنج شنبہ استاذ العلماء والصلحاء بانی ومہتمم مدرسہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پر دل کا جان لیوادورہ پڑا اور آپ اس جہان فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے' سینکڑوں علماء اور ہزاروں تلامذہ آپ کی خیر و برکت اور تعلیم وتربیت سے محروم ہو گئے اور مدرسہ خیر المدارس اپنے بانی اور مربی کی شفقت سے محروم ہو گیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات کی خبر ملک کے گوشے گوشے میں آگ کی طرح پھیل گئی بہت سے علماء وصلحاء دور دراز سے سفر کر کے نماز جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے کراچی سے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی اور مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی' لاہور سے مولانا ادریس کاندھلویؒ خانپور سے مولانا محمد عبداللہ درخواستی' اور پشاور سے مولانا شمس الحق صاحب افغانی فوراً ملتان پہنچے ایک لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ نے امامت کے فرائض انجام دیئے اور اس خیر مجسم ہستی کو مدرسہ خیر المدارس کے ایک احاطہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

مولانا احتشام الحق تھانوی نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ مولانا کی وفات کے بعد علماء اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں وہ اس زمانہ میں علماء سلف کی یادگار تھے اور تمام علماء میں افضل اور قابل احترام تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ نے فرمایا کہ مولانا اسلاف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ مشکل ہی سے پر ہوگا۔ (روزنامہ امروز ۲۴ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی ومرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہ نے تاریخ وفات لکھی تھی۔

یہ کیسی ہستئ بے مثل کھو گئی تاریخ | وفات جس کی ہے بیشک وفات علم وعمل
وفات خیر محمد ہی ہو گئی تاریخ | سرِالم سے پکارا جو آج ہاتف نے

۱۳۸۹ ۱+۱۳۹۰ھ

ازمولانا محمد ازہر صاحب:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائی حالات:

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء بمقام عمر والہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام الٰہی بخش تھا۔ ددھیال کا پیشہ زراعت و کاشت کاری تھا' نھیال میں آپ کے ماموں' میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد ذاکر شاغل اور حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ حضرتؒ نے قرآن پاک انہی کے پاس پڑھا اور بچپن کے دس سال انہی کی تربیت و نگرانی میں گزارے۔ ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم پائی' دو سال بعد مدرسہ رشیدیہ رائے پور گجراں میں درس نظامی کی وسطانی کتابیں' صرف ونحو' فقہ و ادب' منطق و فلسفہ وغیرھا' عارف باللہ حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ اور فقیہ وقت حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ سے پڑھیں' مدرسہ رشیدیہ رائے پور ضلع جالندھر' قطب الاقطاب شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کی ہدایت سے قائم کیا گیا تھا اور آپ ہی کی سرپرستی میں چل رہا تھا۔ اس مدرسہ کے دینی ماحول' حسن تربیت' اخلاقی پاکیزگی اور علمی معیار کے لئے یہی کہہ دینا کافی ہے۔

بعد ازاں حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی اور مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں بھی پڑھتے رہے۔ آپؒ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب سرہندیؒ حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری' حضرت مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوری وغیرہم کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

آپؒ نے حدیث کی سند ۱۳۳۵ھ میں محدث وقت حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب سرہندی سے حاصل کی۔ ۱۳۳۶ھ میں منڈی صادق گنج ضلع بہاول نگر کے ایک مدرسہ میں بحیثیت صدر مدرس' تدریسی خدمات انجام دیں' اسی مدرسہ میں مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے آپؒ سے درجہ علیا کی متعدد کتابیں پڑھیں اور آپؒ کے تلمذ سے مشرف ہوئے۔ تقریباً ۴ سال آپؒ نے اساتذہ رائے پور کے حکم سے مدرسہ فیض محمدیؒ جالندھری میں حدیث کی تعلیم دی۔

خیر المدارس کا قیام:

۱۳۴۹ھ میں مدرسہ فیض محمدی بند ہونے پر آپؒ نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے مشورہ واجازت سے مسجد عالمگیری جالندھر میں ایک مدرسہ کا آغاز فرمایا' جس کا نام حضرت حکیم الامتؒ نے ''خیر المدارس'' تجویز فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامتؒ کی توجہات ونگرانی اور ہمارے حضرتؒ کے حسنِ اہتمام وانتظام کی بدولت خیر المدارس جالندھر کو مقبولیت عامہ عطا فرما کر طلباء دین کے لئے مرجع بنا دیا۔ سینکڑوں طلبہ اس دور میں اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے اور قرآن وحدیث کے ماہر جید عالم بن کر نکلے۔

قیام پاکستان کے بعد:

تقسیم ہند کے فوراً بعد مدینۃ الاولیاء ملتان میں خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ حضرتؒ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی' استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ جیسے جید محدث وصاحب نسبت بزرگ اور حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ جیسے مخلص خادم قرآن حضرتؒ کو ابتداء میں میسر آئے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے اخلاص اور دین کے درد کے ساتھ شبانہ روز مساعی اور قربانیاں یہاں بھی رنگ لائیں اور بہت جلد مدرسہ نے پورے ملک میں مرکزی حیثیت حاصل کر لی۔

تعلیم وتدریس کے نظم میں حضرتؒ کا ایک خاص مزاج تھا اور آپؒ نہایت استقامت سے اس کی پابندی فرماتے تھے' حضرتؒ سیاسیات کے خلاف نہ تھے بلکہ اس باب میں آپ کی مستقل خدمات میں قیام پاکستان سے قبل حضرت حکیم الامتؒ کے موقف کی حمایت اور تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد میں حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد علماء حق کے باہمی اتحاد واتفاق کے لئے کوشاں اور اسلامی دستور کی تمام کوششوں میں شریک رہے مگر مدرسہ میں ذہنی تشتت' پراگندہ خیالی' آزادروی اور سیاسی ذہن کے قائل نہ تھے۔ آپ فرماتے تھے:

> ''ہم تقسیم کار کے قائل ہیں اہل باطل کے حملوں سے دفاع اور ان کے خلاف عملی اقدام کے لئے سیاسی میدان کی بھی ضرورت ہے۔ سیاست کا ایک مستقل میدان ہے اور تعلیم دین اس سے مختلف الگ شعبہ ہے' اختلاط سے دونوں شعبے کمزور ہوتے ہیں اور کوئی کام بھی صحیح نہیں ہو پاتا' اپنے اپنے مزاج کے مطابق سیاست میں حصہ لیا جائے مگر تعلیم سے فراغت کے بعد' دوران تعلیم غیر مشاغل' بالخصوص عصر حاضر کی سیاسیات میں آلودگی طلباء کے لئے سم قاتل ہے۔''

حضرتؒ کے اس تصلب واستقامت کا نتیجہ تھا کہ بحر سیاست میں بلاخیز طوفان آئے' مدوجزر کی تندوتیز لہروں نے بیسیوں کے نظام تعلیم کو تہہ وبالا یا کم ازکم متاثر ضرور کیا لیکن خیر المدارس کے سکون واطمینان اور تعلیمی امور میں ان خارجی مسموم ہواؤں کا اثر محسوس نہ ہوا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلبہ جو بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب خیر

الاساتذہ اور خیر الطلبہ کا مصداق ہیں بدستور اپنی تعلیمی وتدریسی مصروفیات میں منہمک رہے۔ حضرتؒ کی زندگی کے آخری ایام میں سیاست نے ایک وبائی مرض کی حیثیت اختیار کر کے تقریباً تمام مدارس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور خالص دینی تعلیمی وتدریسی کام ناممکن کے قریب تھا۔ ان حالات میں بھی آپؒ نے اپنی فطری سلامت طبع' میانہ روی' اعتدال مزاج' حسن انتظام' تحمل و برداشت اور تدبر وفراست کے ساتھ خیر المدارس کے تعلیمی سفینہ کو منزل تک پہنچایا' اس دور میں اساتذہ اور طلبہ کو سیاست میں آلودہ ہونے سے بچانا اور مدرسہ کے ماحول کو خارجی اثرات سے متاثر نہ ہونے دینا یقیناً حضرتؒ کی کرامت تھی۔

ایک نازک مرحلہ:

اس سلسلہ میں ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایک ایسا مرحلہ پیش آیا جس سے عہدہ برآ ہونا آپؒ ہی کی خصوصیت تھی۔ ایک طرف ختم نبوت جیسے اساسی اور مدار کفر وایمان مسئلہ کی حتی الامکان' علمی اخلاقی تبلیغی تائید وحمایت کا تقاضا تھا' دوسری طرف مدرسہ میں تعلیمی نظم ونسق کو برقرار رکھنا اور باہر کے ہنگاموں سے یکسو رہ کو تعلیم وتعلم میں مشغولیت کا مسئلہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہر طبقہ کے مسلمان بلا امتیاز مسلک ومشرب مقدور بھر تحریک میں حصہ لے رہے تھے۔ ایسے مواقع پر جذبات کچھ اس طرح برانگیختہ ہو جاتے ہیں کہ تحریکوں کے کارکن کسی بھی طبقہ کے کسی عذر کو سننے کے روادار نہیں ہوتے اور کسی کی حقیقی' واقعی شرعی مجبوری کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کی طرف سے صرف ایک ہی اصرار ہوتا ہے کہ ہماری طرح سڑکوں پر نکلیں اور ''جہاد'' میں عملی حصہ لیں۔ اس فضا میں یہ حقیقت نظر انداز ہو جاتی ہے کہ اس جہاد کے آداب' طریق کار' اصول اور شرعی تقاضوں کی پاسداری سے آگاہ کرنے والے اور دشمن کے فریب ومکائد سے واقف ایسے تجربہ کار جرنیلوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جن سے نو آموز آداب واحکام جہاد سیکھیں اور پھر عملی میدان میں آئیں مگر جذبات کی دنیا نرالی ہوتی ہے وہ ہر ایک کو میدان میں دیکھنا چاہتی ہے اور اس خواہش کو پورا نہ کرنے والوں پر بلا دریغ عقل ودانش سے نہیں' جذبات ہی کی شریعت سے فتویٰ صادر کرتی ہے چنانچہ ایسے مواقع پر کئی غیر ذمہ دار اور بعض ذمہ دار اصحاب بھی ناگفتی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا قدس سرہ اس قسم کی نزاکتوں سے بخوبی آگاہ تھے' طلبہ کے وفور جذبات حد درجہ شوق ورغبت اور بعض اپنوں اور بیگانوں کی پیدا کردہ...... غلط فہمیوں کے پیش نظر حضرت والاؒ نے اپنے خصوصی شاگرد اور جامعہ کے استاد (حال ناظم جامعہ) مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کو فرمایا کہ آپ اپنی نگرانی میں کچھ طلبہ کو ساتھ لے کر تحریک ختم نبوت کے جلوس میں شرکت کیا کریں۔ یوں طلبہ کے جذبات کی بھی رعایت فرمائی اور جامعہ کے نظام تعلیم وتدریس میں بھی کوئی تعطل نہ آنے دیا' اس شرکت کی وجہ سے بعض طلبہ کی گرفتاریاں بھی عمل میں آتیں اور یوں حکومت کے علم میں بھی یہ بات آ گئی کہ خیر المدارس کے اساتذہ وطلبہ شریک تحریک ہیں نتیجۃً اساتذہ کے اسباق بالخصوص حضرت مہتمم صاحبؒ کے درس میں

سی ۔آئی ۔ڈی ۔ کے متعدد ملازم آ بیٹھے اور مدرسہ کے اندرون و بیرون ماحول کی باضابطہ نگرانی کی جانے لگی ۔حضرت والاؒ کو یہ صورت پسند نہ تھی ۔ چنانچہ جلوس میں طلبہ کی شرکت کو منع فرما دیا اور اساتذہ وطلبہ کا ایک ہنگامی اجتماع طلب فرمایا۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ ۔

''تحریک میں حصہ لینا دین کا کام ہے' ہم اس سے ہرگز منع نہیں کرتے ۔مگر ہر کام نظم وضبط اور اصول کے تحت کیا جانا مفید ہوتا ہے ۔آپ میں سے جو طلبہ تحریک میں عملی حصہ لینا چاہتے ہیں وہ اپنا نام پیش کر دیں ۔''

حضرتؒ کے ان جملوں سے طلبہ سمجھے کہ بس حضرت والاؒ نے ان کے جوش وخروش کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں ۔دھڑا دھڑ اپنے نام پیش کئے' حضرتؒ نے لکھنے والے کو حکم فرما کر سب نام لکھوا دیئے ۔

اس کے بعد حضرتؒ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ '' جن طلباء نے نام پیش کئے ہیں ہم انہیں بخوشی رخصت دیتے ہیں وہ تحریک میں شرکت کریں ۔تحریک ختم ہونے پر اگر وہ سالانہ امتحان سے قبل واپس آ گئے تو انہیں امتحان میں بھی بیٹھنے کی اجازت ہوگی' کامیابی پر سند بھی دیں گے ۔

اگر امتحان میں شرکت نہ کر سکے تو آئندہ سال سابق درجہ میں داخل بھی کرلیں گے ۔ہم تحریک میں حصہ لینے والوں پر ناراض نہیں خوش ہیں' مگر اس کے لئے خیر المدارس کو استعمال نہ کیا جائے' آپ مدرسہ سے چھٹی لے کر اس میں شرکت کریں بحیثیت طالب علم حصہ نہیں لے سکتے ۔حضرتؒ کے ان جملوں کے بعد یوں محسوس ہوا' جیسے جذبات پر یکلخت سرد پانی آ پڑا ہوا۔

جلسہ برخاست ہوا تو نام لکھوانے والوں نے ایک ایک کر کے نام واپس لینے شروع کئے' یہاں تک کہ دوسرے دن سب طلبہ نے نام واپس لے لئے اور مدرسہ میں حسب معمول تعلیم کا سلسلہ کسی تعطل کے بغیر جاری رہا۔

جذبات کی رعائت کے ساتھ عقل و دانش کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور وقتی و عارضی ہنگاموں سے متاثر نہ ہونا اور بعض پیچیدہ مسائل کو ناخن تدبیر سے حل کرنا' حضرت والا کا خصوصی امتیاز تھا۔

زمانہ تدریس:

حضرت والاؒ ۱۳۳۵ھ سال فراغت کے بعد ۱۳۹۰ھ سال وفات تک ۵۵ برس علوم قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس میں مصروف رہے جن میں تقریباً ۴۰ برس آپ نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ''الجامع الصحیح للبخاری'' کا درس دیا اور رموز و نکاتِ قرآن وسنت بیان فرمائے ۔عمر بھر آپؒ کے علم وعمل سے شرک و بدعات کی تاریکیاں کافور ہوتی رہیں' آپ کی مبارک زندگی کا ایک ایک سانس دین کی خدمت وعظمت کے لئے وقف رہا۔

مسند ارشاد:

حضرتؒ صرف علم ظاہری ہی میں یکتا نہ تھے' سلوک وتصوف اور علم روحانی میں بھی بے مثال تھے ۔آپ سلسلہ

سلوک میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ سے وابستہ اور ان کے اجلّہ خلفاء میں تھے' شوال ۱۳۴۲ھ میں خانقاہ اشرفیہ سے تعلق قائم ہوا۔ ۹ر ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ میں چاروں سلسلوں میں بیعت ہوئے۔ ۱۷ر رجب ۱۳۴۷ھ میں خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ ۱۶ر رجب ۱۳۶۲ھ کو آپؒ کے مرشد ومربی حضرت حکیم الامتؒ واصل بحق ہوئے۔

اتباع شریعت وسنت:

بحمد اللہ حضرت حکیم الامتؒ کے تمام متوسلین ومسترشدین ہی اتباع شریعت وسنت میں رنگے ہوئے ہیں۔ ان میں حضرات خلفاء ومجازین کی شان کچھ اور بھی نمایاں ہے۔ یہی رنگ ہمارے حضرتؒ میں جھلکتا تھا' کذب وغیبت سے قطعاً ناآشنا تھے' علم وعمل کا مجسمہ اور خدا ترسی کا نمونہ تھے' تواضع وانکسار آپ کی طبیعت بن چکی تھی۔ کبھی کسی شخص سے درشتگی اور ترش روئی سے پیش نہ آتے۔ آپؒ کی اس نرمی خوش خلقی اور تواضع کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص وقار اور رعب عطا فرمایا تھا۔ خودسرائی اور خودنمائی کی عادات بدحضرتؒ کو چھو کر بھی نہ گزری تھیں' کاملین کی سنت کے مطابق طبیعت پر ہمیشہ تواضع اور سادگی کی ایک خاص کیفیت طاری رہتی' گفتار' رفتار لباس خوراک وغیرہ میں ہرگز تو قع نہ تھا۔ آپ نسبت اشرفیہ کے ایک بلند پایہ شیخ تھے مگر ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتؒ کی موجودگی میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے جوش میں فرمایا:

> ''حضرتؒ (حکیم الامت تھانویؒ) کے اقوال سننے ہیں تو ہم سے سن لو' اور افعال وعمل دیکھنا ہے تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو دیکھ لو۔''

یہ الفاظ حضرتؒ کے کمال انکسار وتواضع کو ظاہر کر رہے ہیں۔

وفات حسرت آیات:

شعبان ۱۳۹۰ھ میں سالانہ امتحانات کے بعد مدرسہ میں تعطیلات ہوئیں ۱۹ شعبان بروز بدھ آپؒ نے مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں مجلس کے سالانہ اجلاس میں شرکت فرمائی۔ یہ اجلاس صبح تا عصر جاری رہا' آپؒ کی زندگی کا آخری عمل آخری پیغمبرﷺ کی ختم نبوت کے تحفظ کے لئے غور وفکر تھا۔ ''انما الاعمال بالخواتیم' عصر کے بعد آپ مدرسہ میں تشریف لائے' اسی شب آپؒ کو دل کا جان لیوہ دورہ پڑا۔ جمعرات کے دن ۱۱ بجے کے قریب آپؒ ہزاروں طلباء علماء' صلحاء' مریدین ومسترشدین کو سوگوار چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر مبارک کو جنت کا باغ بنائیں اور آپ کو درجات عالیہ سے نوازیں۔

مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریفؒ:

آپ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کے منجھلے صاحبزادے تھے' نیکی' شرافت' تقویٰ اور کم گوئی میں والد

مرحوم کی تصویر تھے۔ ۲ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے والد ماجدؒ نے تاریخی نام مرغوب حلیم، ظہیر قانع، خیراً شکوراً منظور الکل تحریر فرمائے ان کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ کچھ ایسے مقبول ہوئے کہ مولانا محمد شریف مرحوم کی پوری زندگی ان صفات کا نمونہ رہی، تواضع اور انکسار کا آپؒ پیکر مجسم تھے۔ خودستائی اور نمود و نمائش کی مطلق عادت نہ تھی۔ تصنع وتکلف سے کوسوں دور جس بات کو صحیح سمجھتے بلا خوف لومتہ لائم بیان فرما دیتے، اپنے اکابر اور ہم عصر علماء ہی سے نہیں، اصاغر اور تلامذہ سے بھی ایسا نیاز مندانہ سلوک کرتے کہ آدمی پانی پانی ہو جاتا ان کی یہ تواضع ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، خصوصاً اپنے والد ماجد قدس سرہ کے احباب اور دوستوں سے خواہ وہ مرتبہ اور عمر میں آپؒ سے چھوٹے ہی کیوں نہ ہو، انتہائی محبت وعقیدت اور تعظیم کا رویہ اختیار فرماتے۔ ایک دفعہ راقم کے ساتھ ملتان کے معروف حکیم اور صالح بزرگ سید حکیم انور علی شاہ صاحب کے گھر تشریف لے گئے، کوئی خاص کام نہ تھا، جب ملاقات کے بعد واپس تشریف لائے تو راستہ میں مجھ سے فرمایا کہ:

''میں حکیم صاحب سے ملنے صرف اس لئے گیا تھا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ والد صاحب کے احباب اور دوستوں سے حسن سلوک بھی والدین کے حقوق کا حصہ ہے، حکیم صاحب حضرت ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں سے تھے۔''

حج کے جس سفر میں آپ نے مکہ مکرمہ میں وفات پائی اس پر روانگی سے قبل حکیم صاحب مذکور مدرسہ میں آپؒ سے ملنے آئے، مگر سفر پر جانے سے پہلے آپؒ حکیم صاحب سے الوداعی مصافحہ وملاقات کے لئے ان کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے حیرت آمیز مسرت سے عرض کیا کہ:

''حضرت میں تو حاضری دے آیا تھا۔''

آپ نے کمال تواضع سے فرمایا:

''وہ آپ کی شفقت تھی، یہ میرا فرض ہے۔''

تعلیم:

آپؒ نے حفظ قرآن پاک سے موقوف علیہ تک تعلیم خیر المدارس جالندھر میں پائی، ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا، آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے نام ہیں۔

تدریس:

آپؒ نے فراغت کے بعد حضرت والد صاحبؒ کی نگرانی میں خیر المدارس جالندھر میں تدریس کا آغاز کیا اور اپنی

وفات تک یہ سلسلہ جاری رکھا، ہزاروں تلامذہ نے آپؒ سے استفادہ کیا آپ کے شاگردوں میں مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری، مولانا محمد صدیق ناظم اعلیٰ خیر المدارس، مولانا علامہ غلام رسول اور مولانا عبدالمجید انور کے نام نمایاں ہیں۔

بیعت وسلوک:

آپؒ نے اپنی اصلاح و تربیت کا تعلق اپنے والد ماجد کے ایماء پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے قائم کیا اور ان سے بیعت و تلقین کی اجازت سے مشرف ہوئے۔ خود اپنے والد ماجد سے بھی بیعت کی سعادت حاصل تھی۔

خیر المدارس کی ذمہ داری:

آپ خیر المدارس کی تعلیمی و تدریسی مصروفیات کے علاوہ انتظامی شعبہ میں بھی حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ جیسے منتظم و مدبر کی نگرانی میں خدمات انجام دیتے رہے۔ حضرتؒ نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو مجلس شوریٰ اور مجلس منتظمہ کے رکن اور مدرسہ کے خازن جیسے اہم عہدے تفویض فرمائے، آپؒ نے اپنے والد مکرمؒ کی تربیت ونگرانی میں یہ تمام امور سرانجام دیئے، اور ان کی ہدایات کے مطابق چلتے رہے تا آنکہ آپ کی صلاحیتوں کے پیش نظر مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے ۱۳۸۲ھ میں آپ کو نیابت اہتمام کا کلیدی اور اہم عہدہ سپرد کیا۔ آپ آٹھ برس تک حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی حیات مبارکہ میں تدریس کے علاوہ اس خدمت پر بھی مامور رہے۔

اہتمام:

شعبان ۱۳۹۰ھ میں جب خیر المدارس اپنے مؤسس و بانی عارف ربانی استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی جدائی کے عظیم صدمہ اور ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہوا تو تمام ذمہ داریاں آپؒ کے کندھوں پر آن پڑیں، مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے ۲۹ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو آپؒ کو باقاعدہ اہتمام کا عہدہ سپرد کیا، حضرت بانی مرحوم کی تعلیم وتربیت، دعاؤں اور روحانی توجہات کا اثر تھا کہ حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ کے دور اہتمام میں بھی مدرسہ اسی نہج پر چلتا رہا جیسا کہ اپنے بانی مرحوم کے دور میں تھا، بظاہر نظر حضرتؒ بانی کی وفات کے بعد جو خلاء پیدا ہوا وہ پر ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ اور آپ کی جدائی سے علمی و روحانی نقصان کی تلافی ناممکن معلوم ہوتی تھی۔ مگر بحمد اللہ مولانا محمد شریف صاحبؒ کے نظم و انصرام اور توجہ و اہتمام نے کوئی کمی محسوس نہ ہونے دی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطری نیکی، شرافت، سادگی اور بے نفسی کو قبول فرماتے ہوئے خیر المدارس کو ہر قسم کے شرور فتن اور آفات سے محفوظ فرمایا۔

آپؒ کے گیارہ سالہ دور اہتمام کچھ اپنوں اور بیگانوں کی ''مہربانیاں'' آپ کے لئے ابتلاء و امتحان بھی بنیں، مگر آپؒ نے ہر مرحلہ پر اپنے والد بزرگوار کے نہج اور طریق کو ملحوظ رکھا اور نہایت استقامت سے اس پر قائم رہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے ہر مشکل کو آسان فرمایا اور حاسدین و معاندین کی شرارتوں سے محفوظ رکھا۔

طلبہ پر شفقت:

آپؒ طلباء کرام سے نہایت شفقت و محبت کا سلوک فرماتے‘ اسباق میں کم توجہی یا نماز کی پابندی میں کچھ کوتاہی محسوس فرماتے تو شفقت آمیز عتاب سے تنبیہ فرماتے اگر کسی طالب علم کو معمول سے زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کر دیتے یا تنبیھا ایک دو چھڑیاں لگا دیتے تو دوسرے وقت میں اس کی ضرور دلداری فرماتے بسا اوقات دو تین یا پانچ روپے تک تطییباً اس مضروب طالب علم کو عنایت کرتے‘ بعض مستحقین کی اپنی جیب خاص سے ماہانہ یا حسب ضرورت اعانت فرماتے رہتے‘ محنتی طلبہ کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرماتے۔ راقم کو دو سال ان کی خدمات میں رہنے اور تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی بے انتہا محبت و شفقت اور حد درجہ عنایات کو بچشم خود دیکھا‘ یہاں ان کی عنایت و شفقت کا یہ پہلو قابل ذکر ہے کہ راقم کی ہر طرح نالائقی اور علم و عمل میں بے بضاعتی کے باوجود ہمیشہ انتہائی مشفقانہ برتاؤ فرمایا۔ راقم نے دورۂ حدیث شریف والے سال (۱۳۹۷ھ) میں شمائل ترمذی شریف اور مؤطین شریفین آپؒ ہی سے پڑھیں۔ اکثر عبارت پڑھنے کا حکم فرماتے‘ پورا سال ہر ماہ کی پہلی یا دوسری تاریخ کو احقر کو بلا کر .... روپے عنایت فرمائے۔ احقر نے شروع میں ایک دو دفعہ ادب کے ساتھ انکار کیا‘ لیکن آپ نے حکماً لینے کو کہا‘ آخر میں ان کا حکم اور منشاء معلوم ہونے کے بعد تبرکاً لے لیا کرتا تھا۔ الحمدللہ ان کی برکات آج تک محسوس ہوتی ہیں۔

آپ اپنی سادگی اور بے نفسی میں حقیقتاً سلف کی تصویر تھے۔ آج کل کے نوجوان علماء کرام کے کرّوفر اور بود و باش کے مقابلے میں ان کی درویشی اور سادہ پوشی سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ آپ خیر المدارس جیسے عظیم دینی ادارہ کے روحِ رواں اور منتظم اعلیٰ ہیں۔ ۱۴ شعبان المکرم ۱۴۰۱ھ کو وفاق المدارس کے اجلاس میں شرکت کی غرض سے کراچی تشریف لے گئے‘ جانے سے قبل بعض احباب نے شدید گرمی اور ان کے طبعی ضعف کے پیش نظر عرض کیا کہ حضرت ہوائی جہاز سے تشریف لے جائیں‘ تو آپ نے نہ صرف انکار فرمایا بلکہ تنبیہ فرمائی کہ مدرسہ کا چندہ ایک امانت ہے‘ ذاتی راحت و آرام کے لئے اس کا مُسرفانہ استعمال خیانت ہے۔ چنانچہ اپنی عمر بھر کے معمول کے مطابق ریل کے تیسرے (آج کل کے دوسرے) درجہ میں تشریف لے گئے۔ وفی ذالك عبرة لا ولی الالباب۔

سانحۂ وفات:

شوال ۱۴۰۱ھ میں حضرتؒ اپنی اہلیہ محترمہ........... اور ہمشیرہ صاحبہ کے ساتھ دوسری مرتبہ زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے مگر اللہ نے اس سفر میں اپنے گھر آنے والے اس زائر کو اپنے حضور میں بلانے کا فیصلہ فرما لیا تھا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔

۷ ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ بروز پیر کو مقام وحی اولیٰ غار حرا پر مستورات سمیت تشریف لے گئے۔ گھنٹوں محویت اور بے خودی کے عالم میں استغفار و دعاء میں مصروف رہے۔ ہمشیرہ صاحبہ ساتھ تھیں‘ انہوں نے واپسی کے بارے میں عرض کیا تو مزید

ٹھہرنے کے بارے میں فرمایا' دوبارہ اصرار پر ان سے فرمایا کہ تم چلی جاؤ۔ میں یہیں ٹھہروں گا ہمشیرہ صاحبہ واپس آ گئیں۔

دوسرے ساتھیوں نے جا کر انہیں واپسی پر آمادہ کیا۔ نماز ظہر پڑھی اور ایک دعوت میں شرکت کی بعد از طعام قیلولہ کیا۔ عصر سے پہلے اٹھے' وضو فرمایا اور حرم پاک کی طرف نماز کے لئے حاضری کا قصد فرمایا۔ راستہ میں دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی طرف آنے والے اپنے اس بندے کو اپنے دربار میں بلا لیا۔ آہ!

ع اب انہیں ڈھونڈنے چراغ رخِ زیبا لے کر

چالیس برس تک دین نبوی اور حدیث رسولؐ کی خدمت کرنے والے اس درویش صفت مرد قلندر کو موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس انعام سے نوازا جس پر ہزاروں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ یعنی جنت المعلیٰ کے اس قبرستان میں جہاں حضور ﷺ کے عاشق صادق اور ان کا اپنی آنکھوں سے دیدار کرنے والے آرام فرما ہیں۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاؤں میں تدفین کی سعادت میسر ہوئی۔

ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

ایں سعادت بزور باز و نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تجہیز و تکفین میں شرکت کرنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ انتقال کے بعد چہرہ نور سے تمتما رہا تھا۔ حضرت مرحوم نے پوری زندگی قرآن وسنت کے علوم پڑھنے پڑھانے میں گزاری ان کی یہ مبارک زندگی بھی قابل فخر ہے مگر ان کی موت کو اللہ نے زندگی سے زیادہ قابل رشک بنا دیا۔ اولاً سفر کی موت' دوم حج کا سفر' عمرہ کے بعد متصل موت' حجاج وزائرین حرم کی دعائیں اور نماز جنازہ' جنت المعلیٰ میں تدفین' حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاؤں میں جگہ غرضیکہ متعدد سعادتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جمع فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار کے طفیل رحمت خاصہ سے نوازیں۔

مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ:

استاذ محترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کی وفات کے بعد قضا وقدر نے خیر المدارس کے اہتمام کی گرانقدر ذمہ داری صاحبزادہ مولانا محمد حنیف صاحب کے کندھوں پر ڈال دی۔ آپ بلند حوصلے' جوان فکر' نئے عزائم اور ابھرتی صلاحیتوں کے مالک ہیں جامعہ کے تعلیمی' تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں کو نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں' یہ ایک حقیقت ہے کہ خیر المدارس جیسے ادارہ کا انتظام وانصرام جس کے لئے ایک کہنہ مشق' تجربہ کار جہاندیدہ اور زیرک شخص کی ضرورت تھی۔ مولانا محمد حنیف صاحب کی نگرانی میں بخیر وخوبی چل رہا ہے۔ جس میں ان کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اکابر کی دعاؤں بانی جامعہؒ کے اخلاص وتوجہات اور مخلص اساتذہ کے تعاون کو بھی دخل ہے۔ موصوف نے اپنے والد گرامی قدر کی وفات کے بعد ہم چو ما دیگرے نیست' کے پندار فاسد میں مبتلا ہوئے بغیر وقت کے تمام اکابر علماء سے نیازمندانہ اور سعادت مندانہ روابط رکھے ہیں اور خود کو ہمیشہ قولاً وعملاً ان کا خادم ثابت کیا ہے۔ یہی سعادت مندی

ان کے لئے کلید کامیابی ہے۔ بحمد اللہ جامعہ ظاہری و باطنی طور پر ترقی پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو حضرت بانی جامعہؒ کے مسلک ومشرب کے مطابق دین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عنایت فرمائیں۔ جس سال آپ کے والد محترم حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی سال آپ نے دورۂ حدیث کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا۔

''حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوسرے حج کے سفر پر روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل جامع مسجد خیر المدارس میں خطابت کے فرائض مولانا محمد حنیف کے سپرد فرمائے۔ دو ماہ قبل شعبان میں درس نظامی کی تعلیم سے فراغت کے بعد امسال آپ کا تکمیل کا قصد تھا کہ اچانک ۸ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو حضرت مولانا مرحوم کی قابل رشک وفات کی اطلاع موصول ہوئی۔ اساتذہ خیر المدارس نے بطور مدرس مولانا کا تقرر جامعہ میں کر دیا آپ کے عم محترم قائمقام مہتمم کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس ''انتخاب مہتمم'' کے سلسلہ میں منعقد ہونا طے پاچکا تھا۔ اس منصب کے لئے اندرون و بیرون جامعہ سے مختلف حضرات کے نام لئے جا رہے تھے۔ حضرت علامہ کشمیری صاحب مدظلہم' حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ' حضرت مفتی عبدالستار صاحب حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہم مولانا محمد حنیف صاحب کے اہتمام کا حتمی فیصلہ کر چکے تھے۔

حضرت علامہ کشمیری صاحب زیدمجدہم شروع دن ہی سے مولانا کے اہتمام کے بارے میں مصر تھے حتی کہ مولانا کی وفات کے بعد پہلی ملاقات میں ہی مولانا سے یہ فرمادیا کہ ہم تمہیں مہتمم بنائیں گے۔ مولانا نے عرض کیا حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں تو قطعاً اس کا اہل نہیں ہوں۔ حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر حنیف کے علاوہ کسی اور کو مہتمم بنایا گیا تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ شوریٰ کے اجلاس سے ایک روز پہلے بعض ممبران شوریٰ تشریف لا چکے تھے اور اس اہم مسئلہ پر گفت وشنید کر رہے تھے۔ ۲۳/ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۱۹۸۱ء نو بجے صبح اجلاس کا آغاز ہوا۔ اجلاس میں حضرت حاجی محمد شریف صاحب مرحوم' حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی' حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مرحوم' حضرت کشمیری صاحب مدظلہم' حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب' مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب' مولانا مشرف علی تھانوی صاحب' مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم سمیت سولہ (۱۶) ممبران نے شرکت فرمائی۔ حضرت افغانیؒ وحضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی شریک اجلاس نہیں ہو سکے لیکن ہر دو حضرات نے بذریعہ خط اپنی رائے سے مجلس کو آگاہ فرمادیا تھا۔ تلاوت کے بعد منشی عبدالرحمٰن صاحب نے اہتمام کے لئے مولانا کا نام پیش کیا جسے باتفاق آراء منظور کرلیا گیا۔ واضح ہو کہ حضرت افغانیؒ وحضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی نے بھی یہی رائے تحریر فرمائی تھی' مولانا دفتر میں بیٹھے تھے کہ پیغام شرکت موصول ہوا۔ آپ اجلاس میں حاضر ہوئے تو جملہ ممبران کھڑے ہو گئے۔ اور مبارک باد دی۔ بعد ازاں اجلاس کی بقیہ کاروائی نمٹائی گئی۔ اسی اجلاس میں حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کیا گیا تھا جو آپ و جامعہ کے لئے انتہائی خوش آئند بات تھی۔ شوریٰ کا فیصلہ سننے کے لئے کثیر تعداد میں

آئے ہوئے لوگ اساتذہ اور طلباء سب ہی منتظر تھے۔ دارالحدیث میں تمام حضرات کو جمع کر کے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کا پروگرام تھا۔ دارالحدیث میں اساتذہ طلبہ' اراکین شوریٰ کے علاوہ خیر خواہاں خیر المدارس کی ایک کثیر تعداد موجود تھی اور دارالحدیث لوگوں سے کچھا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس موقعہ پر شرعی عدالت کے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد حنیف کے اہتمام کا فیصلہ کثرت رائے اور اتفاق آراء کی بجائے تواتر سے ہوا ہے اور یہ عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس بچہ کو اتنے بڑے ادارہ کا اہتمام کیوں سپرد کر دیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ خدائی فیصلے عمر پر موقوف نہیں ہوتے۔ اور آپ نے اس پر دلائل و امثال بھی ذکر کئے۔ بعد ازاں حضرت علامہ کشمیری صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ میں نے اس کے زمانہ طالب علمی سے ہی (جب کہ اس نے ملاحسن میبذی جیسی اہم کتابیں زبانی یاد کر کے سنائی تھیں) اس کے اہتمام کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اور آپ نے اپنے خطاب کے دوران سامعین سے اس فیصلہ کی تائید میں ہاتھ بلند کرا کر نعرے بھی لگوائے۔

اس اجتماع سے حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب مرحوم۔ حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب۔ حضرت مولانا محمد صدیق نے بھی خطاب کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنا دست شفقت آپ کے سر پر رکھ کر اپنی سرپرستی کا اعلان فرمایا۔

یوں یہ بابرکت تقریب اختتام کو پہنچی تو ہر ایک کی طرف سے مبارکباد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے اس فیصلہ کو اپنے دل کی آواز سمجھا۔ حضرت قاری صاحب مرحوم نے گلے لگا کر اپنے عزائم کی تکمیل پر خوشی کا اظہار فرمایا حضرات اساتذہ و اکابر کا یہ اعتماد اور اس درجہ تعلق آپ کے لئے باعث صد افتخار و عزت و سعادت ہے اور سند ہے۔ اس روز سے لے کر تادم تحریر آپ کو حضرات اساتذہ کی سرپرستی و تعاون حاصل ہے۔ اور اس کا نتیجہ ہے کہ خیر المدارس روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ طلباء کی تعداد پہلے کی بہ نسبت کئی گنا ہو چکی ہے۔ غیر ملکی طلبہ کثرت سے داخل ہو کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ماہنامہ ''الخیر'' کا اجراء عمل میں آ چکا ہے۔ خیر الفتاویٰ کی جلد اول چھپ چکی ہے۔ خیر الباری زیر طبع ہے۔ سالانہ بجٹ چھ لاکھ سے اٹھارہ لاکھ تک پہنچ چکا ہے۔ شاخہائے جامع ملک بھر میں قائم ہو رہی ہیں۔ متروکہ وقف قطعہ اراضی جو تقریباً پونے دو لاکھ مربع فٹ ہے خیر المدارس کو الاٹ ہو چکا ہے۔ تعلیم و تربیت کا معیار کافی بہتر ہو چکا ہے طلبہ کا رجوع معتد بہ حد تک ہے۔ تعمیر کے سلسلہ میں ''دارالقرآن'' کا عظیم منصوبہ تکمیل کے قریب ہے۔ عالمی سطح پر خیر المدارس کی خدمات کا تعارف ہو رہا ہے۔ حضرات اکابر کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے یہ سب حضرات اساتذہ کے تعاون و بانیان کے اخلاص کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے اساتذہ خیر المدارس کو عطا فرمائے ہیں۔ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر عرض ہے کہ ایسے اساتذہ بہت کم کسی ادارہ کو میسر آتے ہیں۔

حضرات اساتذہ میں باہمی اعتماد و محبت کی فضاء قابل قدر و قابل تحسین حد تک ہے۔ شیر و شکر ہو کر ادارہ کی ترقی

میں کوشاں ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری کے مسند اہتمام پر متمکن ہونے کے بعد کچھ حضرات کے بعض شبہات جن میں ایک موصوف کی کم عمری بھی تھی۔ جس کی طرف سطور بالا میں اشارہ موجود ہے بحمد اللہ رفتہ رفتہ دور ہو گئے اور انہوں نے اپنی نوعمری کے باوجود اس عظیم ادارہ کی دینی تعلیمی روایات و خدمات میں کمی نہیں آنے دی۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو نظر بد سے محفوظ فرمائیں اور اس کے تمام کارکنان کو اخلاص نیت' حسن عمل اور نیک انجام کی دولت نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین!

اعجاز احمد خاں سنگھانوی: (ایم۔اے)

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ

بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان

آپ بمقام عمر وال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں اپنے ماموں شاہ محمد مرحوم بن میاں شیر محمد مرحوم کے مکان پر ۱۳۱۲ھ یا ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۱۲ھ کے اعتبار سے تاریخی نام ۱۳۱۲ھ محمد مظفر ۱۳۱۲ھ چراغ حق ہے۔ ۱۳۱۳ھ کے اعتبار سے تاریخی نام ۱۳۱۳ھ راغب علی ہے۔

آپ کے والد ماجد کا نام الٰہی بخش اور دادا کا نام خدا بخش تھا۔ زمین دار گھرانہ تھا۔[1] قوم ارائیں تھی۔[2] آپ کے ماموں جان بڑے عزت والے اور نیک آدمی تھے۔ حضرت قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ آخر وقت تک دینیات اور قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔

مولانا خیر محمد صاحب کے پانچ بھائی تھے اور ایک بہن تھی۔ تین بڑے بھائی کھیتی باڑی میں مشغول تھے یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے والدہ محترمہ نے آپ اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد مرحوم کا ہاتھ پکڑ کر ماموں کے سپرد کیا کہ ان دونوں کو پڑھاؤ۔ انہوں نے خود حساب کتاب، تاریخ، جغرافیہ قرآن شریف پڑھایا اور اپنی نگرانی میں دوسرے مدارس بھیجا۔

سات سال کی عمر میں والدین چک نمبر ۲۵۲ ب ضلع لائل پور میں گئے اور دونوں بھائیوں کو بھی ہمراہ لے گئے۔ اس چک کے امام حافظ پیر محمد (نابینا) تھے۔ تقریباً پہلا پارہ آپ نے ناظرہ ان سے پڑھا۔ پھر چند سال وہاں ٹھہر کر وطن واپس ہوئے۔ عمر وال بلہ کی مسجد میں امام الدین صاحب سے ناظرہ اٹھارہ پارے پڑھے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ بعد ازاں اپنے ماموں صاحب سے اردو کی سرکاری کتابیں اور تاریخ کی کتابیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنا اور

---

1. خیر الافادات ص ۲۱-۲۲۔
2. تاریخ ارائیاں ص ۵۳ از علی اصغر چودھری۔

حساب بھی سیکھا۔

پھر ماموں صاحب نے شروع شوال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخل کرا دیا۔ اس مدرسہ میں فارسی کی ابتدائی کتابیں شعبان ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۷ء تک پڑھیں۔

پھر مدرسہ صابریہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں حضرت مولانا فضل احمد صاحب کے پاس داخلہ ہوا جو رہائشی گاؤں سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں صبح جاتے اور شام کو گھر آ جاتے۔ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب وہاں دوسرے سال مدرس ہو گئے۔ شوال ۱۳۲۴ھ سے تقریباً ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ تک ابتدائی عربی کتابیں صرف ونحو' فقہ' منطق وفلسفہ' ادب کی پڑھیں۔

ازاں بعد گنج ضلع گجرات میں ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۵/مئی ۱۹۵۰ء سے ۱۵/ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء اور تین سال بعد اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ مطابق اپریل ۱۹۱۳ء میں تین تین ماہ حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ سے مختلف کتب کے کچھ کچھ حصے پڑھے۔ پھر مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں تین سال رہ کر مولانا غلام نبی سرحدی' حضرت مولانا کریم بخش پنجابی' حضرت مولانا محی الدین صاحب مہتمم مدرسہ ہذا سے علم ہیئت' فقہ' اصول فقہ' منطق' فلسفہ' فرائض' معانی وغیرہ حاصل کئے۔ یہ تینوں اساتذہ بے نظیر اور قابل تعریف تھے۔ اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم بانس بریلی میں داخلہ لیا۔ ۱۳۳۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۱۳ء سے تین سال شعبان ۱۳۳۵ھ تک چار اساتذہ کے سامنے زانوتہ کئے۔ حضرت مولانا یٰسین صاحب' مولانا عبدالرحمٰن سلطان پوری' حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری اور حضرت مولانا سلطان احمد بریلوی سے طبقہ علیا اور فنون کی تمام کتابیں پڑھیں اور محدث حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب سرہندی سے سند حدیث حاصل کی۔

شعبان ۱۳۳۵ھ کے آخر میں مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی سے سند فراغ وسند تکمیل حاصل ہوئی۔

شوال ۱۳۳۵ھ سے شعبان ۱۳۳۶ھ تک مدرسہ اشاعۃ العلوم بریلی میں مدرس مقرر ہوئے اور متوسط کتابیں پڑھائیں۔

شوال ۱۳۳۶ھ سے لے کر ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ تک باستثناء ایک سال شوال ۱۳۴۱ھ منڈی صادق گنج میں صدر مدرس رہے اور مکمل نصاب کا کئی مرتبہ درس دیا۔

اساتذہ کرام مولانا فضل احمد صاحب اور مولانا فقیر اللہ صاحب کے حکم سے منڈی صادق گنج سے ایک سال کی رخصت لے کر ہر دو صاحبزدگان مولوی محمود الحسن ومولوی عبدالرشید صاحبان کو پڑھانے تشریف لے گئے۔

اساتذہ رائے پور گوجراں کے حکم سے ناظم تعلیمات مقرر ہو کر جالندھر پہنچے۔ اس وقت وہاں صدر مدرس مولانا احمد بخش و مدرس چھوٹے بھائی مولوی غلام صاحب تھے۔ دونوں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ

مطابق ۲۵ رنومبر ۱۹۲۶ء مدرسہ عربی فیض محمدی جالندھر پہنچے اور شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۱ء تک سلسلہ تعلیم و تدریس کا جاری رہا۔ دورۂ حدیث بھی کئی مرتبہ ہوا۔ پھر مدرسہ فیض محمدی بند ہو گیا۔

جب شعبان ۱۳۴۹ھ میں مدرسہ فیض محمدی کا سلسلہ ختم ہوا تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بہ نسبت دیہات کے شہر میں رہنا زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے شہر میں رہنے کی تجویز ہوئی اور مدرسہ کا نام خیر المدارس رکھا گیا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تین وصیتیں فرمائیں۔

۱- مدرسہ کی بنیاد کسی غنی یا افسر کے بھروسہ پر نہ رکھی جائے بلکہ محض توکلاً علی اللہ خدا ہی کے بھروسہ پر رکھی جائے۔

۲- عملہ کی کوئی خاص مقدار خود تجویز نہ کیا جائے بلکہ یہ اندازہ رکھا جائے کہ حق تعالیٰ جتنی توفیق دیں گے اتنا ہی رکھیں گے اگر گنجائش زیادہ ہوئی تو عملہ بڑھا لیا جائے گا اور گنجائش کم ہوگئی تو عملہ گھٹا دیا جائے گا۔

۳- غرباء کے چندے لے کر امراء واغنیاء کے چندے پر ترجیح دی جائے گی اس لئے کہ امراء دے کر منتظر ہوتے ہیں کہ ہماری تعریف کی جائے گی اور شکریہ ادا کیا جائے۔ اس میں بے برکتی ہوتی ہے اور غرباء دے کر شکر گزار ہوتے ہیں کہ ہمارا روپیہ نیک مقصد کے لئے قبول کر لیا گیا۔ اس میں عند اللہ برکت ہوتی ہے۔

حضرت اقدس تھانویؒ نے مدرسہ کی سرپرستی بھی قبول فرمائی۔

چنانچہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے حضرت مولانا احمد بخش صاحب اور مولانا محمد علی صاحب جالندھری کے مشورہ سے مسجد عالم گیر جالندھر شہر بازار اناری میں مورخہ ۱۹ رشوال ۱۳۴۹ھ مطابق ۹ر مارچ ۱۹۳۱ء کو مدرسہ کا افتتاح کیا۔ اس کے بعد ۲۳ رشعبان ۱۳۵۰ھ کو مولانا احمد بخش صاحب وفات پا گئے اور مولانا محمد علی جالندھری نے سیاست میں مشغولیت کی وجہ سے مدرسہ ھذا کی رکنیت اور تمام خدمات سے استعفیٰ دے دیا اور اس طرح مدرسہ کا جملہ انتظام واہتمام اور تعلیم کا بار حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ذمہ پڑ گیا۔

تقریباً ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان شہر میں مدرسہ خیر المدارس کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوری اور دیگر حضرات مدرسین کو بلا کر توکلاً علی اللہ مدرسہ کا کام شروع کیا گیا۔[1]

آپ کی تھانہ بھون سب سے پہلی حاضری ۱۳۴۲ھ میں ہوئی اور ایک سال تک اصلاحی مکاتیب کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد آپ کی درخواست پر حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بتاریخ ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بعد نماز مغرب مسجد خانقاہ اشرفیہ میں آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت کیا اور خلافت سے بھی نوازا۔[2]

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کا ذہن خالص تعلیمی تھا اور زندگی کی تمام تر توانائیاں تعلیم و تدریس اور

---

۱ خیر الافادات ص ۲۱ تا ۲۸۔

۲ اکابر علماء دیو بند ص ۱۹۰۔

اصلاح وتربیت کے لئے وقف تھیں۔ سیاست سے عملاً ہمیشہ بے تعلق رہے مگر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر طرح کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں آپ کا موقف اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے موافق تھا۔ قیام پاکستان، قرارداد مقاصد اور اسلامی نظام کے نفاذ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دست راست تھے۔

۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی صدارت میں اسلامی دستور کا خاکہ (۲۲ نکات) مرتب کرنے کے لئے اکابر علماء کا جو اجتماع کراچی میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی قیام گاہ پر منعقد ہوا تھا اس میں شرکت فرمائی۔ ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جن ممتاز علماء کو دعوت دی گئی ان میں آپ بھی شامل تھے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور تعاون فرمایا اور زندگی کے آخری لمحے تک مجلس تحفظ ختم نبوت کے سرپرست، مشیر اور اس کی مجلس شوریٰ کے صدر نشین رہے اور آخر تک اکابر علماء کے ساتھ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔[1]

مولانا کا عظیم کام یہ ہے کہ انہوں نے پاکستان کے مدارس دینیہ کا وفاق بنام وفاق المدارس قائم فرمایا اور تمام مدارس کو ایک لڑی میں منسلک کر دیا۔ مولانا ہی اس کے صدر تسلیم کئے گئے جس کو انہوں نے کمال دیانت، راست بازی اور اخلاق وصدق سے انجام دیا۔ اس سے جہاں ان کا علم وفضل ملک پر واضح ہوا وہیں کمال ذہن وذکاء بھی نمایاں ہوا۔[2]

جمعیت علمائے اسلام کے باہمی اتحاد کے لئے ۱۹۵۴ء میں کراچی تشریف لے گئے اور آپ مرکزی جمعیت کے عظیم راہنما کی حیثیت سے آخر دم تک علماء کرام کے اتفاق واتحاد کی جدوجہد میں لگے رہے۔ ہر باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے علماء کا شانہ بشانہ میدان میں ڈٹے رہے۔ سوشلسٹ عناصر کی مخالفت میں علماء کے ساتھ ساتھ پیرانہ سالی، ضعف و ناتوانی کے باوجود ملک کے ہر بڑے شہر میں دورے کئے اور ہر محاذ پر باطل عناصر کے سامنے کلمہ حق ادا کیا۔

حضرت مولانا جالندھریؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہری و باطنی سے نوازا تھا۔ آپ کا اخلاقی معیار بہت بلند تھا۔ آپ کی زبان کذب، غیبت، بدگوئی، بہتان تراشی وغیرہ سے قطعاً ناآشنا تھی۔ آپ کی طبیعت ذاتی طور پر فکر آخرت کی طرف ہر وقت مائل رہتی تھی۔ آپ اتباع سنت کے مجسم پیکر تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک شعبہ رشد و ہدایت کی شمع تھا۔ آپ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ زہد وعبادت میں اسلاف کا مکمل نمونہ تھے۔[3]

آپ کی پوری زندگی تعلیم وتربیت، اصلاح وارشاد اور دعوت وتبلیغ میں بسر ہوئی۔ لاکھوں افراد آپ کے فیض علمی سے مستفیض ہوئے اور آخرکار یہ مرد مومن ۲۰ رشعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۰ء (جمعرات) بروز پنج شنبہ دل کے

۱۔ اکابر علماء دیوبند ص ۱۹۳۔

۲۔ مشاہیر علماء دیوبند جلد اول ص ۱۷۸۔

۳۔ ماہنامہ الرشید لاہور ص ۱۲۔

دورہ کے سبب اللہ کو پیارے ہو گئے۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور مولانا شمس الحق افغانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خیر المدارس کے دارالحدیث کے عقب میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔[1]

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ وفات لکھی۔

وفات جس کی ہے بے شک وفات علم و عمل | یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ
سرِالم سے پکارا جو آج ہاتف نے | وفات خیر محمد ہی ہو گئی تاریخ

۱
۱۳۸۹
+۱
۱۳۹۰ھ[2]

ازمولانا عبدالکریم صاحب مہتمم نجم المدارس کراچی نے سن عیسوی تاریخ وفات اس طرح لکھی۔

چوز تاریخ وصائش شد بہا تف گفتگو | خیراز د خیر المدارس گفت او

۳۳۶----۸۱۰-----۱۴---۸۱۰

۱۹۷۰ء[3]

مدرسہ خیر المدارس نے آپ کے زیر سرپرستی اکتالیس سال پورے کئے۔الغرض آپ ایک عظیم محدث مدبر، محقق اور عارف کامل تھے۔متبع سنت اورحق وصداقت کا پیکر تھے۔درس وتدریس اور وعظ وارشاد آپ کی زندگی کا اصل محور تھا۔ تصنیف وتالیف کا شغل بہت ہی کم تھا۔تاہم چند مفید رسائل تالیف فرمائے۔

۱-خیر الاصول- ۲-خیر التنقید فی اثبات التقلید-۳-خیر الوسیلہ-۴-تیسر الابواب-۵-خیر المصابیح فی اثبات التراویح-۶-نماز حنفی مترجم-

آخری عمر میں صحیح بخاری کی ایک مختصر سی شرح بھی تحریر فرمائی اور اپنے کچھ حالات بھی قلم بند کئے۔[4]

---

[1] اکابر علماء دیوبند ص۱۹۶۔

[2] ماہنامہ البلاغ ماہ رمضان ۱۳۹۰ھ۔

[3] ماہنامہ بیات ماہ محرم ۱۳۹۱ھ۔

[4] اکابر علماء دیوبند ص۱۹۵۔

آثار خیر

محمد ازہر مدیر ''الخیر''

اکبرالٰہ آبادی:

مرحوم نے ایک مسلمہ حقیقت کو نہایت سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی' آدمی بناتے ہیں

انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی بڑے سے بڑے انسان کے سوانح اٹھا لیجئے وہ آپ کو کسی نہ کسی معلم' مربی' استاذ' شیخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتا۔ اور اپنی بے علمی و نادانی کا اعتراف کرتا نظر آئے گا۔ جو لوگ صرف ''کتاب'' سے ''عالم'' بنتے ہیں۔ انہیں حروف و نقوش تو یاد ہو جاتے ہیں' لیکن یہ نقوش' نقش حیات نہیں بن پاتے' اس کے لئے کسی نظر کیمیا اثر کی ضرورت پڑتی ہے۔ سچے طالب ہمیشہ ایسے اھل نظر کے متلاشی رہتے ہیں۔

جو نظر سے دل کو بدل سکے' مجھے اس گدا کی تلاش ہے

انہی اللہ والے صاحب نظر لوگوں میں سے قدوۃ الاصفیاء محبوب العلماء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی تھی۔

جی چاہتا ہے کہ ان کے گلستان زندگی کے چند پھول نذر قارئین کئے جائیں۔

جن کی نزاکت' لطافت' حسن اور خوشبو سدا بہار رہے۔

بلند ظرفی کی عجیب مثال:

حضرت قدس سرہ وقار و متانت کا مجسمہ تھے' کبھی کسی کی بات یا عمل کی غلطی پر اسے شرمندہ نہ فرماتے' دانستہ غلطیوں پر مناسب تنبیہ اور نادانستہ پر اغماض کی عادت تھی' ایک دفعہ بورے والا کے سفر میں آپؒ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ حضرت والاؒ بورے والا میں حاجی محمد بشیر صاحب (ملتانی) کے بعض اعزہ کے ہاں مہمان تھے' روانگی سے قبل آپؒ کے ایک عقیدت مند کا شدت سے اصرار ہوا کہ ناشتہ میرے غریب خانے پر کیا جائے۔ حضرت والاؒ نظام سفر بنا چکے تھے' اس

میں کسی قسم کی تبدیلی کے روادار نہ تھے' بالآخر اس کے اصرار پر فرمایا کہ آپ تھوڑی سی کوئی چیز لاری اڈہ پر بھجوا دیں' میں کھا لوں گا' وہ صاحب خوشی خوشی گھر سے کچھ حلوہ بنوا لائے' حضرتؒ والا نے ایک جگہ بیٹھ کر تناول فرمایا اور برتن واپس کر دیئے۔ حضرتؒ کا خادم ہمراہ تھا وہ اس خلاف معمول عمل پر حیران تھا کہ حضرتؒ نے آج پوچھا تک نہیں' اتنے میں روانگی کا وقت ہو گیا۔ حضرتؒ والا عازم سفر ہو گئے۔ میزبان گھر پہنچے باقی ماندہ حلوہ چکھا تو افسوس و ندامت میں ڈوب گئے کہ وہ سخت کھارا اور کڑوا تھا' ہوا یہ کہ خاتون خانہ نے غلطی سے پسی ہوئی چینی کی بجائے نمک ڈال دیا تھا۔ عجلت میں کسی نے چکھا نہیں اور پلیٹ حضرت والاؒ تک پہنچ گئی۔

حضرتؒ پہلے لقمے پر ہی کمال فراست سے اصل حقیقت سمجھ گئے۔ اور صاحب خانہ کو شرمندگی سے بچانے کی خاطر کھارا بلکہ کڑوا ''حلوہ'' خود ہی ختم فرما دیا۔

اکرام ضیف:

ارشاد نبویؐ ہے۔

من كان يومن بالله واليوم الاخر فليكرم ضيفه۔

حضرت والاؒ اس پر مکمل عامل تھے۔ مہمان کی مدارات اور ہر طرح سے اس کی راحت کا خیال خصوصی مذاق تھا' سالانہ جلسوں پر مہمانوں کے اکرام پر خاص توجہ فرماتے' اگرچہ اساتذہ کی نگرانی میں خدام طلبہ ہر ایک مہمان کی خدمت پر متعین ہوتے' مگر آپؒ اس کام کو صرف خدام پر نہ چھوڑتے' ذمہ داریاں تقسیم کرنے کے باوجود ہر مہمان کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ضرورت و راحت کے انتظام کی تسلی فرماتے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تہجد کے بعد نماز فجر سے قبل چائے پینے کے عادی تھے۔ موصوف جب جلسہ پر تشریف لاتے تو حضرت والاؒ اس خیال سے کہ دن رات دوڑ دھوپ کرنے والے تھکے ماندے رضا کاروں کے لئے ایسے وقت میں چائے کا اہتمام مشکل ہو جائے گا' خود دولت کدہ سے تہجد کے وقت چائے بنوا کر لاتے اور مولانا کاندھلویؒ کو پیش فرماتے۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ کو ایک دفعہ حضرت والاؒ کی اس مشقت کا علم ہوا تو عرض کیا: ''حضرت ہم خدام کے ذمہ لگا دیں' اس خدمت کو ہم سرانجام دیں گے۔'' حضرت والاؒ نے اعتماد فرمایا اور یہ خدمت مولانا کے سپرد کر دی' لیکن اس نظم کے باوجود بھی بے فکر نہیں ہوئے بلکہ مولانا کاندھلویؒ کی آمد پر نماز فجر سے قبل ان کے کمرے میں تشریف لے جا کر معلوم فرماتے کہ چائے پہنچی ہے یا نہیں' ایک دفعہ عجیب لطیفہ ہوا' حضرت والاؒ حسب معمول تشریف لائے۔ مولانا کاندھلویؒ اور مولانا شمس الحق افغانیؒ کے کمرے ساتھ ساتھ تھے' آپ حضرت افغانیؒ کے کمرے میں کھڑے تھے کہ مولانا کاندھلویؒ کا خادم نظر آیا پوچھا چائے پلا دی'' اس نے عرض کیا ابھی لاتا ہوں حضرت یہ فرما کر کہیں اور تشریف لے گئے خادم نے غلطی سے چائے لا کر مولانا افغانیؒ کی خدمت میں پیش کر دی' وہ سمجھے میرے لئے آئی ہے' نوش فرمالی'

حضرت والاؒ تھوڑی دیر کے بعد مولانا کاندھلویؒ کے کمرے میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: ''چائے پی لی'' انہوں نے کہا ''پہنچی ہی نہیں''، فوراً مولانا محمد صدیق صاحب کی جواب طلبی ہوئی' انہوں نے عرض کیا آدھ گھنٹہ گزر چکا ہے خادم چائے لے گیا ہے' اب تو مطبخ میں دودھ بھی نہیں' حضرتؒ معاملہ سمجھ گئے ان سے فرمایا تم قہوہ بنا کر لاؤ میں گھر سے دودھ لاتا ہوں' چنانچہ گھر سے بنفس نفیس دودھ اٹھا کر لائے اور مولانا کاندھلویؒ کو حسب معمول نماز فجر سے قبل چائے پلا دی۔

کمال تواضع:

جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درس گاہیں مدعوین علماء کرام کے لئے خالی کر دی جاتی ہیں حضرت والاؒ بھی دارالاہتمام خالی فرما دیتے' نہ ہی اپنے لئے کوئی خاص کمرہ متعین فرماتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ رات کو تمام مہمانوں کے راحت و آرام سے مطمئن ہو کر خدام سے دریافت فرماتے کہ ''کوئی لیٹنے کی جگہ ہے'' آپؒ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اہتمام کرتے کہ آپ کے لئے کوئی کمرہ خالی رہے ایک دفعہ حسب معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا ''کوئی جگہ ہے۔؟ انہوں نے عرض کیا: ''کوئی جگہ خالی نہیں' تمام کمروں میں مہمان آرام فرما ہیں' رضا کاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی' حضرتؒ نے دیکھ کر فرمایا: ''یہ بھی تو جگہ ہی ہے۔'' چنانچہ وہیں لیٹ گئے' تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اور صبح تک ذکر کرتے رہے۔

فراست مومنانہ:

استاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ ابتداءً آپ درس نظامی کی کتابیں پڑھانا چاہتے تھے اتفاق سے جس سال آپ نے کچھ بچوں کو صرف ونحو پڑھائی۔ اسی سال حفظ کا نتیجہ کمزور آیا۔ حضرت والاؒ نے بلا کر صرف تحفیظ و تجوید قرآن کا کام آپ کے سپرد کیا۔ حضرت قاری صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سوچا کہ بچوں کو قرآن پاک یاد کروا کر کون استاد میرے پاس تجوید کے لئے بھیجے گا؟ لیکن ایک وقت آیا کہ تصحیح کے لئے اتنے حفاظ آنے لگے کہ داخلہ کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑتی۔

یہ حضرت والاؒ کی دور اندیشی' مزاج شناسی اور فراست تھی کہ ہر شخص کی صلاحیت و مذاق کا صحیح اندازہ فرماتے تھے۔

مسلک اعتدال:

۷۰ء میں جمعیۃ علمائے اسلام نے لیبر پارٹی سے انتخابی اتحاد کیا تو اس پر بعض جید علماء کرام کی طرف سے شدید رد عمل ہوا ''مرکزی جمعیۃ علماء اسلام'' کا قیام بھی اسی رد عمل کا نتیجہ تھا اس کے نتیجہ میں جانبین سے کچھ بے اعتدالیاں بھی ہوئیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو بعض غیر ذمہ دار کارکنوں نے ایسی باتیں پہنچائیں کہ ملتان کے جلسہ میں انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ کے سیاسی طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کا ارادہ کر لیا' حضرت والاؒ کو علم ہوا تو مسکرا کر ان سے فرمایا کہ ''مفتی صاحبؒ کو میں زیادہ جانتا ہوں۔'' چونکہ ان کے قریب ہوں' آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ چنانچہ مولانا

کاندھلویؒ نے آپؒ کے فرمانے پر اپنا ارادہ منسوخ کر دیا۔

رعایت حقوق:

انہی دنوں میں مرکزی جمعیۃ کے اکابر (جن کی اکثریت حضرت حکیم الامتؒ کے متوسلین کی تھی) نے ملتان میں جلسے کا نظم طے کیا' ان کا ارادہ تھا کہ جلسہ احاطہ خیر المدارس میں ہو' حضرت والاؒ بعض مصالح کے پیش نظر اسے مناسب نہ سمجھتے تھے' اس لئے جلسہ کی اجازت تو نہ دی' البتہ یہ فرمایا کہ جلسہ کے دن ہم آپ کی مہمانی کر دیں گے جو حضرات علماء باہر سے تشریف لائیں وہ ماحضر ہمارے پاس تناول فرمائیں۔ یوں حضرت والاؒ نے فریقین کی رعایت فرمادی اور طبقہ علماء میں کسی کو ناراض بھی نہ فرمایا۔

بےنفسی:

اسی انتخابی فضا میں ہندوستان سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ (خلف الرشید شیخ الاسلام حضرۃ مدنی قدس سرہ) تشریف لائے' جمعیۃ علمائے اسلام کی طرف سے جلسہ کا اہتمام کیا گیا' غالباً حضرت والاؒ کے مرکزی جمعیۃ کے اکابر سے محبانہ اور مشفقانہ تعلقات کی وجہ سے جلسہ میں شرکت کی دعوت نہ دی گئی مگر جب آپؒ کو جلسہ کا علم ہوا تو خود تشریف لے گئے اور یہی آپ کی تواضع اور بےنفسی کے شایان شان تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ونور مرقدہ۔

﴿۷﴾

شیخ الحدیث والتفسیر

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۱۷ھ

وفات: ۱۳۹۴ھ

از حافظ محمد اکبر شاہ بخاری (جام پور)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور امتیاز بخشا ہے وہ بہت کم علمی اداروں کے حصہ میں آتا ہے دارالعلوم دیوبند نے وہ بے مثال شخصیتیں پیدا کی ہیں جن سے دنیا میں علم وعرفان کے چشمے جاری ہوئے اور جن کے فیض علمی و روحانی سے دنیائے اسلام میں اجالا پھیل گیا ہے، یہاں کا فیض یافتہ ہر شخص اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے اسی دارالعلوم کے ایک فرزند جلیل شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو اپنے زمانہ کے عظیم محدث جلیل القدر مفسر، بہترین محقق، مدبر اور بلند پایہ عالم دین تھے۔ آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام اور تبلیغ واصلاح میں بسر ہوئی، آپ کی قلم وزبان نے شریعت کے اسرار آشکار کئے اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی نئی روح بخشی۔

نسب وولادت:

آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، سلسلہ نسب خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ اور حضرت امام فخر الدین رازیؒ آپ کے اجداد میں سے ہیں۔ والدہ محترمہ کی طرف سے سلسلہ نسب سیدنا حضرت عمر فاورق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز علاقہ ''قصبہ کاندھلہ'' ضلع مظفر نگر ہے۔ آپ حضرت مولانا حافظ احمد اسماعیل صاحبؒ کے چشم و چراغ تھے جو ایک ممتاز عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے، شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت تھے۔ آپ ۱۲؍ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۹۰۰ء کو شہر بھوپال میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد محکمہ جنگلات کے مہتمم تھے اور عرصہ سے بھوپال ہی میں مقیم تھے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے اپنے والد محترم کی زیر نگرانی نو سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا پھر آپ کے والد گرامی آپ کو ابتدائی

دینی تعلیم کے لئے قطب عالم حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ”حضرت! “ میں ادریس کو خانقاہ اشرفیہ میں داخل کرنے کے لئے لایا ہوں اور اب یہ آپ کے سپرد ہے“۔ یہ سن کر حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے برجستہ فرمایا کہ حافظ صاحب یہ نہ کہئے کہ خانقاہ اشرفیہ میں داخل کرنے کے لئے لایا ہوں۔ بلکہ یوں کہئے کہ مدرسہ اشرفیہ میں داخل کرنے کے لئے لایا ہوں۔[1]

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا نور بصیرت اس حقیقت کو بھانپ گیا تھا کہ حافظ اسماعیل کا بیٹا صرف خانقاہی نظام کے لئے پیدا نہیں ہوا' اس سے تو قدرت قرآن وسنت کے علوم کی ایسی عظیم خدمت لے گی جو کہیں صدیوں میں کسی مرد مومن کا نصیب بنتی ہے چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے اس ارشاد پر آپ کو خانقاہ اشرفیہ کے بجائے مدرسہ اشرفیہ میں داخل کیا گیا صرف ونحو کی پہلی کتاب حضرت حکیم الامتؒ نے خود شروع کرائی اور اس کے بعد آپ نے مدرسہ اشرفیہ میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کر دیا' مدرسہ اشرفیہ میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل کیا گیا اور خود حضرت حکیم الامتؒ آپ کو سہارنپور لے کر گئے اور مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سپرد کر دیا' حدیث' تفسیر' فقہ اور دیگر مروج علوم کی تکمیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے کی اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ' حضرت مولانا حافظ عبداللطیفؒ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا ثابت علی صاحبؒ جیسے جلیل القدر علماء واساتذہ سے علمی استفادہ کیا اور ۱۹ برس کی عمر میں سند فراغ حاصل کی پھر مکرر دورۂ حدیث کے لئے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جو بقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کہ اس وقت دارالعلوم دیوبند ائمہ فن علماء اولیاء اور اتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا ایک طرف نمونہ سلف قدوۃ المشائخ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کا حلقہ درس' حافظ ابن حجرؒ اور شیخ الاسلام نوویؒ کے حلقہ درس کی مثال تھا تو دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا حلقہ درس اور حلقہ فتاویٰ اور اس کے ساتھ حلقہ اصلاح وارشاد اور سالکین طریقت کی تربیت کا بے نظیر سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف یادگار سلف عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ کا درس حدیث وفقہ اور نہایت مفید عام تصانیف سلسلہ تھا اور جس طرف دیکھو یہ بزرگان سلف کے نمونے پیکر علم وعمل ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتے تھے جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلا شبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا۔[2] چنانچہ آپ دارالعلوم دیوبند میں انہیں اکابر کی توجہات وعنایات کا مرکز رہے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ' حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ' حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور دوبارہ

---

۱ تذکرۂ ادریس۔ مؤلفہ محمد میاں صدیقی۔

۲ ماہنامہ البلاغ کراچی' اکتوبر ۱۹۷۶ء

دورۂ حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔[1]

درس وتدریس:

آپؒ کی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۱ء سے ہوا اور سب سے پہلے مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس مقرر ہوئے اسی وقت مدرسہ امینیہ کے روح رواں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی تھے۔ مدرسہ امینیہ میں ایک سال قیام کے بعد دارالعلوم دیوبند کی کشش آپ کو دیوبند کھینچ لائی اور قدرت نے آپ کو ایک بہت بڑا اعزاز بھی بخشا کہ جن عظیم اساتذہ کے آگے ایک برس قبل زانوئے ادب تہہ کیا تھا انہوں نے آپ کو تدریس کی دعوت دی چنانچہ آپ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فقیہی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ جیسے جلیل القدر علماء واساتذہ کے پہلو بہ پہلو مسند درس پر فائز ہوئے مفتی اعظم پاکستان سید ومرشدی حضرتِ قبلہ مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۷ھ میں مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ اور احقر محمد شفیع کو اساتذہ نے خدمت درس وتدریس پر مامور کیا' ہم اس وقت تینوں نوعمر بچے تھے جن کو اکابر واساتذہ ہی کی خدمت میں رہ کر تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقع حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا اور ان حضرات اکابر نے ہم تینوں میں درس و تدریس کی خدمات کے ساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث ومباحثہ اور تصنیف وتالیف کا بھی ذوق پیدا کیا اور یہ حق تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔[2] بہر حال حضرت کاندھلویؒ نو سال دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے اس کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر آپ حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور کم وبیش نو برس ہی حیدرآباد دکن میں قیام رہا اگر چہ وہاں دارالعلوم جیسی نعمت تھی اور نہ علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانی جیسے علم وحکمت کے سرچشموں سے قرب حاصل تھا مگر اس اعتبار سے حیدرآباد دکن کا زمانہ قیام آپ کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ گردانا جا سکتا ہے کہ یہاں ''تعلیق الصبیح'' شرح مشکوٰۃ المصابیح'' جیسی شہرہ آفاق اور مایہ ناز کتاب کی تالیف کا موقع ملا اور اس کی ابتدائی چار جلدیں وہیں کے قیام کے دوران دمشق جا کر طبع کرائیں۔ ۱۹۳۹ء میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے اصرار پر آپ پھر دوبارہ دیوبند تشریف لے آئے اور تقسیم ملک کے دو برس بعد تک دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے دینی وتدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور ہزاروں علماء کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق:

قیام پاکستان کے تقریباً دو برس بعد ۱۹۴۹ء میں اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر ہندوستان سے ہجرت فرما کر مستقل پاکستان میں رہائش اختیار فرمائی اور دو برس تک جامعہ عباسیہ بہاولپور' میں شیخ

---

۱ تفصیل کے لیے دیکھئے تذکرۂ ادریس مؤلفہ محمد میاں صدیقی مطبوعہ لاہور۔

۲ ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی اکتوبر ۱۹۷۴ء

الجامعہ کی حیثیت سے قیام فرمایا پھر جب حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۶۶ھ کو لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا تو آپ کو جامعہ کے عہدہ شیخ الحدیث کے لئے انتخاب فرمایا اور حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ ''مولانا میں آپ کو پراٹھا اور پلاؤ چھوڑ کر سوکھی روٹی کی دعوت دیتا ہوں۔'' آپ نے بلا تأمل جواب دیا کہ ''حضرت! خدمت دین کی خاطر مجھے منظور ہے۔''[1] اس وقت آپ جامعہ عباسیہ بہاول پور سے وابستہ تھے اس کے بعد ۱۹۵۱ء میں آپ لاہور تشریف لے آئے اور زندگی کے آخری لمحہ تک جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث والتفسیر رہے اور آخر دم تک درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ جامعہ اشرفیہ کی جامعہ مسجد میں مستقل طور پر آپ کا درس ہوتا رہا جہاں بڑے بڑے علماء و صلحاء و رؤساء آپ کے درس میں شوق سے شریک ہوتے تھے غرضیکہ آپ نے نصف صدی تک درس و تدریس، تقریر و تحریر، وعظ و تبلیغ اور نجی مجالس کے ذریعے امت مسلمہ کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا اور کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ کی روشنی سے ہزاروں بندگان خدا کے دلوں کی دنیا منور اور تاباں کی اور خلوص و للّٰہیت میں ڈوبی ہوئی تقریروں نے لاکھوں لوں کی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ آپ کے درس اور تقریر و تحریر میں علامہ کشمیریؒ اور علامہ عثمانیؒ کے جلوے نظر آتے ہیں۔

دینی و ملی خدمات:

حضرت کاندھلویؒ کا ذہن خالص تعلیمی تھا اور زندگی کی تمام تر توانائیاں تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف اور تبلیغ و ارشاد کے لئے وقف تھیں گو سیاست سے عملاً ہمیشہ بے تعلق رہے مگر مسلمانوں کی اصلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے۔ تحریک پاکستان میں آپ کا مؤقف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور فقیہہ الامت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے عین موافق تھا، نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے، آپ ایک قومی نظریے کی برملا تحریر و تقریر کے ذریعے تردید کرتے رہے اور دوقومی نظریے کی حمایت کرتے رہے اور ابتداء ہی سے تحریک پاکستان سے وابستہ رہے۔ ۱۳۴۰ھ میں جب قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لئے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنے علمی جانشینوں میں سے مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کو منتخب فرمایا ان تینوں حضرات نے اپنے اساتذہ کے حکم پر تحریری و تقریری محاذوں پر قادیانی دجل و فریب کا وہ پردہ چاک کیا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، قادیانی فتنے کے خلاف تمام ہندوستان کا دورہ کیا، مناظرے کئے اور بہت سی کتابیں رد قادیانیت پر لکھیں یہاں تک کہ قادیانیت نے دم توڑ دیا اس کے بعد پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرتے رہے، قیام پاکستان کے بعد قرارداد مقاصد اور اسلامی نظام کے نفاذ میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کے دست راست رہے۔ ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان

---

[1] تذکرۂ ادریسؒ۔ مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی۔

ندویؒ کی صدارت میں اسلامی دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لئے ہر مکتب فکر کے اکابر علماء کا جو اجتماع مولانا احتشام الحق تھانوی کی قیام گاہ کراچی میں ہوا تھا اس میں مولانا کاندھلویؒ بھی شریک تھے۔ ۱۹۵۲ء میں خواجہ ناظم الدین مرحوم کی جانب سے دستوری مسائل پر غور کرنے کے لئے جن ممتاز علماء کو دعوت دی گئی ان میں آپ بھی شامل تھے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی بھرپور حصہ لیا اور کلمہ حق ادا کرتے رہے۔ ۱۹۶۹ء میں سوشلزم جیسے لادینی فتنے کے تعاقب میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کے شانہ بشانہ ضعف و پیرانہ سالی کے باوجود ملک کے اہم شہروں میں دورہ کرتے رہے اور تقریر و تحریر کے ذریعے سوشلزم کی تردید کرتے رہے الغرض آپ آخر دم تک اسلامی نظام کے لئے کوشاں رہے۔

تصنیف و تالیف:

درس و تدریس، تبلیغ و اصلاح اور دوسری دینی و ملی خدمات کے علاوہ آپ کا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف تھا زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذرا، تقریباً تمام دینی موضوعات پر قلم اٹھایا اور ایک سو سے زائد کتابیں تالیف فرمائیں جن میں ''تعلیق الصبیح''۔ ''عربی''۔ ''سیرت مصطفی ﷺ''۔ ''تراجم بخاریؒ''۔ ''عقائد اسلام''۔ ''اصول اسلام''۔ ''خلافت راشدہ''۔ ''اسلام اور نصرانیت''۔ علم الکلام'' اور تفسیر معارف القرآن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ جو آپ کے صحیح علمی جانشین ہیں وہ آپ کی ادھوری اور غیر مطبوعہ تالیفات پر احسن طریقے سے کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے فیض علمی کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔

اخلاق و اوصاف:

آپ کے اخلاق عالیہ بہت بلند تھے نہایت خلیق وملنسار تھے۔ طبیعت میں انتہا درجہ کی سادگی تھی۔ اس قدر علم وفضل کے باوجود یہ کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ بھی اتنے بڑے عالم ہیں، عجز وانکساری اور مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے شاگرد بھی آتے تو ان کے لئے بھی خود اپنے ہاتھ سے کھانا لے کر آتے ہر کسی سے سادہ اور بے تکلف گفتگو فرماتے امراء اور حکام سے زندگی بھر کنارہ کش رہے بڑے بڑے لوگوں نے آپ سے اپنی عقیدت اور وابستگی کا اظہار کیا مگر کبھی کسی سے کوئی دنیوی غرض بیان نہیں کی، اکابر کے بے حد قدر دان تھے اور اپنے ہم عصر اکابر علماء کے محب ومحبوب تھے بالخصوص حکیم الامت تھانویؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی سے خاص تعلق وعشق تھا۔ آپ کے ہر درس اور مجلس میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ذکر ضرور ہوتا تھا اور ہر علمی نکات پر ان کی روایات بیان فرماتے تھے۔ اپنے اساتذہ کرام میں سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے،

فرمایا کرتے تھے کہ ''امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس دور کے رازی اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس وقت کے غزالیؒ ہیں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''مولانا عثمانیؒ اس وقت علماء دیو بند میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور علماء سلف کی آخری یادگار ہیں اور مفتی صاحب اس وقت فقہ کے امام ہیں۔'' پاکستان کے دوران قیام میں جب بھی کسی شخص نے آپ سے بیعت کی درخواست کی تو آپ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ' مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مفتی محمد حسن صاحبؒ کی طرف رجوع کے لئے فرماتے اور کہتے کہ یہ حضرات صحیح معنوں میں شیخ کامل ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اخلاق واوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مولانا ادریس کاندھلویؒ اہل علم کے بڑے قدردان تھے' خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے' مزاج میں حد درجہ سادگی تھی' دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے' مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق تھے ان کے واقعات علم وعمل اور درس و تدریس سے معمور تھے' کتابوں کے عاشق تھے' نئی مطبوعہ کوئی کتاب جس وقت اور جس قیمت سے ملتی خرید لیتے تھے' خوش مزاج تھے' مجلس لطائف وظرائف سے مالا مال ہوتی تھی' مہمان نواز تھے' مکارم اخلاق عالمانہ تھے' لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے اپنی رائے پر پختہ تھے کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ حق گو تھے' اور دنیوی افکار واشغال سے فارغ رہتے تھے۔ (ماہنامہ بینات کراچی ستمبر ۱۹۷۴ء)

مقام کاندھلویؒ:

آپ کا علمی وعرفانی مقام بہت بلند تھا اور اپنے معاصرین میں ہمیشہ ایک ممتاز حیثیت سے زندگی بسر کی اور اکابر علماء بھی آپ کی علمی مہارت کے قائل تھے آپ کی عالمانہ و عارفانہ رفعت وعظمت کا اندازہ لگانا تو بہت مشکل ہے مگر یہاں صرف چند اکابر ومشائخ اور ہم عصر علماء کی مختصر آراء درج کی جاتی ہیں تاکہ آپ کے مقام علمی وعملی کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکے۔ آپ کو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی اور اکثر حصہ ان کی خدمت میں گذارتے اور ان سے سلوک وتصوف کے منازل بھی طے کرتے رہے اور ان کے دست حق پر بیعت بھی کی' اسی طرح حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ سے بے حد محبت کرتے تھے اور آپ کی علمی قابلیت پر مکمل اعتماد کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے علاوہ آپ کو بھی ''احکام القرآن'' کی ایک منزل لکھنے کا حکم فرمایا اور آپ کی اکثر تصانیف پر حضرت حکیم الامتؒ کی تقاریر موجود ہیں جن سے مولانا کاندھلویؒ کا مقام ظاہر ہوتا ہے۔ ''سیرت مصطفیٰ'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''احقر اشرف علی تھانویؒ نے مقامات ذیل خود فاضل مؤلف یعنی جامع کمالات علمیہ وعملیہ مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی زبان سے سنے جس کے سننے کے وقت بالکل یہ منظر سامنے تھا ''یزیدك وجهه حسنا اذا مازدته نظر'' جتنی میں زیادہ نظر کرتا ہوں' تیرے چہرے پر حسن کی زیادتی

۱۔ ماخوذ تذکرۂ ادریسؒ مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی۔

نظر آتی ہے۔" دیکھتے آپ کی تالیف سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اوراق سن کر حضرت کاندھلویؒ کو کیسے خطاب اور القاب سے نوازا ہے۔[1]

علامہ کشمیریؒ جو آپ کے خصوصی اساتذہ میں سے ہیں اور آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ سے والہانہ لگاؤ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ آپ سے خوش ہو کر فرمایا کہ" آپ کتاب کو پڑھ کر اس کا جوہر اور خلاصہ نکال لیتے ہیں۔" اسی طرح آپ کی شہرۂ آفاق تالیف "التعلیق الصبیح" شرح مشکوٰۃ المصابیح" کے متعلق فرماتے ہیں کہ" علامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی شرح مشکوٰۃ کی مانند کوئی شرح روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔[1]

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ باوجود اپنے علمی تبحر کے اکثر اہم اور مشکل علمی مسائل میں آپ سے گفتگو فرماتے اور رائے لیتے اور بار بار یہ فرمایا کرتے تھے کہ" مولوی محمد ادریس صاحب کی بات نہایت ہی جچی تلی ہوتی ہے اور علمی نقول نکال لانے میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کر سکتا اور کبھی کبھی بڑی ہی محبت کے انداز میں فرمایا کرتے کہ یہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ یہ تو چلتا پھرتا کتب خانہ ہے۔ اسی طرح آپ کے متعلق فرمایا کہ" مولانا محمد ادریس صاحب اپنے زمانے کے محدث' مفسر' ادیب اور متکلم ہیں' ساتھ ہی علم اور دین کی خدمت کا خاص جذبہ رکھتے ہیں۔[2]

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں اور اپنے علم وعمل کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے۔ مولانا کاندھلویؒ کے متعلق فرماتے ہیں کہ" مولانا مرحوم ایسے جید علمائے باعمل میں سے تھے جن پر ان اساتذہ کو فخر ہے۔ "التعلیق الصبیح" کے نام سے عربی میں مشکوٰۃ کی شرح لکھی جو ہمیشہ ان کا نام روشن رکھے گی۔"[3]

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی تقریر سن کر فرمایا کہ" مولانا کی تقریر بڑی مکمل' مدلل اور مسلسل تھی۔ اسی طرح آپ فرماتے کہ" جی چاہتا ہے کہ مولانا ادریس کا علم چرا لوں۔" اسی طرح اگر کوئی شخص علامہ ندویؒ سے تفسیر یا حدیث کے متعلق سوال کرتا تو فرماتے کہ: مولانا ادریس صاحب سے رجوع کریں۔"[4]

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ" مولانا کاندھلویؒ اس وقت ان چند بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو برصغیر پاک وہند میں انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں جو مدتوں اکابر علماء مشائخ کی نظروں میں پلے' ان کی صحبتوں سے مستفید ہو کر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اب دنیا میں ان کی مثالیں کہاں اور کس طرح پیدا ہوں۔"[5]

مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ" مولانا کاندھلویؒ حلقہ دیوبند کے اکابر ومشائخ میں سے تھے بلند

---

1. ماخوذ تذکرۂ ادریسؒ مؤلفہ مولانا محمد میاں صدیقی۔
2. تذکرۂ ادریس۔
3. ایضاً۔ 4. ایضاً۔
5. ماہنامہ البلاغ کراچی۔

پایہ عالم دین' وسیع النظر مفکر اور اونچے درجہ کے محدث و مفسر تھے' بہت سی عربی اور اردو کتابوں کے مصنف تھے اور حقیقت میں سلف صالحین کا نمونہ تھے' نظریہ پاکستان کے دل سے حامی تھے بڑے قابل قدر بزرگ تھے۔[1]

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ فرماتے ہیں کہ'' آپ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز علماء و فضلا میں سے ہیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

وفات حسرت آیات:

حضرت کاندھلویؒ کی زندگی کے اس مختصر مضمون کو پڑھ کر ہر شخص یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ آپ کا مقصد حیات صرف علم اور علم کی خدمت ہے۔ درس و تدریس' مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے انہماک اور شغف نے ہمیشہ اپنی صحت کے خیال و توجہ سے دور رکھا یہاں تک کہ حیات مبارکہ کے آخری چند سالوں میں بھی جب نقاہت اور کمزوری زائد تھی آپ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور مسلسل ایک سال تک علیل رہے۔ بیماری اور علالت کے دوران بھی ذکر و اشغال میں مصروف رہتے' آخر دم تک صبر' توکل' قناعت' استقامت اور زہد و عبادت میں ثابت قدم رہے۔ متبع سنت اور سچے عاشق رسولؐ تھے' متعدد بار حج و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور آخر کار اس مرد مومن نے ۸ رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء بروز اتوار صبح بعد نماز فجر پانچ بج کر دس منٹ پر داعیٔ رب کو لبیک کہتے ہوئے اپنی جان' جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر پورے عالم اسلام میں بجلی بن کر گری اور پوری ملت اسلامیہ اپنے اس عظیم مذہبی رہنما کے غم میں ڈوب گئی ہر طرف سے اظہار غم کیا گیا بڑے بڑے علماء دور دراز سے سفر کر کے اپنے اس محبوب رہنما کی آخری زیارت کے لئے لاہور تشریف لائے کراچی سے آپ کے محبوب ساتھی مولانا احتشام الحق تھانوی فوراً لاہور پہنچے' سیالکوٹ سے مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ تشریف لائے اسی طرح ملتان' سکھر' سرگودھا اور ملک کے دوسرے علاقوں سے ممتاز علماء اور عقیدت مند لاہور پہنچے۔ نماز جنازہ جامعہ اشرفیہ کے احاطہ میں ادا کی گئی ہزاروں عقیدت مندوں نے شرکت کی امامت کے فرائض آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی مدظلہ نے انجام دیئے ممتاز علماء اسلام اور مشاہیر وقت نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا جس سے آپ کی شخصی عظمت اور مقام ارفع کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ آپ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا کاندھلویؒ اپنے وقت کے عظیم محدث' مفسر' محقق اور عارف تھے افسوس کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے علم و عمل ایمان و اخلاق اور حق و صداقت کا ایک روشن چراغ جس کے زہد و تقویٰ کی شعاعیں ملک کے کونے کونے میں نور خدا پھیلا رہی تھیں ہمیشہ کے لئے بجھا دیا۔'' حضرت مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ نے

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی۔

اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ۔مولانا کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے۔'' حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ فرماتے ہیں کہ:''مولانا کی رحلت ایک متجر عالم دین اور ایک بطلِ جلیل کی موت ہے اور یہ عظیم سانحہ علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے ایک پورے دور اور ایک مکمل عہد کی موت کا سانحہ ہے جسے امت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔'' حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ مولانا مرحوم علم وفضل کے عظیم مینار اور زھد وتقویٰ کے مشعل تھے' حضرت مولانا محمد احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ مولانا ایک :''جید عالم دین' محدث' مفسر اور صاحب علم وعرفان بزرگ تھے اللہ تعالیٰ ان کے علوم وفیوض کی برکات سے قیامت تک تمام عالم اسلام کومنور رکھے۔آمین۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ ترے در کی دربانی کرے

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ --- احوال و آثار

(از مولانا ڈاکٹر محمد سعید صدیقی کاندھلوی پروفیسر پنجاب یونیورسٹی لاہور)

ہندوستان کے صوبہ یوپی میں شاہدرہ، دہلی اور سہانپور ریلوے لائن پر مظفر نگر سے ۵۰، دہلی سے ۶۴ اور سہارنپور سے ۶۵ کلومیٹر کا فاصلہ پر واقع ایک قصبہ ہے جسے ''کاندھلہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چالیس پچاس ہزار نفوس پر مشتمل یہ قصبہ برگ وگل کے اعتبار سے زرخیز، اور افراد کے اعتبار سے مردم خیز ہے۔

بارھویں، تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں جس قدر اہل وعلم وفضل اس قصبہ کی خاک سے اٹھے، وہ شرف کسی اور قصبہ کو حاصل نہ ہوسکا۔ (بقول احسان دانش)

> ''کاندھلہ میں متعدد شعار بھی تھے، اور جید مولوی بھی، انگریزی کے فارغ التحصیل فضلاء بھی اور اصول و عقیدہ سے انگریزی کو گناہ خیال کرنے والے صاحب نظر بھی، نیز پرانے فیشن کے وہ علماء بھی جن کی علمیت کے باعث بڑی بڑی درس گاہیں، اور دنیا بھر کے دارالعلوم کاندھلہ کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ جس روشن ضمیر شاعر نے مثنوی مولانائے روم کا ساتواں دفتر لکھا، وہ بھی اسی قصبہ کی خاک سے اٹھا تھا۔''[1]

کاندھلہ کے ارباب علم وفضل کی ایک طویل فہرست ہے، جسے اس وقت چھیڑنا طوالت کا باعث ہوگا، کاندھلہ کے انہی علماء وفضلاء کے باعث دنیائے علم و دانش میں دیوبند اور علی گڑھ کی طرح کاندھلہ کا نام بھی عزت سے لیا جاتا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا تعلق بھی اسی مردم خیز قصبہ سے ہے۔ اگرچہ آپ کی جائے پیدائش بھوپال ہے، **لیکن** آپ کا وطن مالوف کاندھلہ ہے۔ مقدمہ التفسیر میں مولانا نے خود اس بات کی صراحت فرمائی۔

> ''بھوپال میری جائے ولادت اور کاندھلہ میرا وطن ہے۔''[2]

شہر بھوپال میں مولانا ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ/۲۰ اگست ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔[3]

---

1. احسان دانش، جہان دانش، لاہور، ۱۹۸۳ ص ۲۰۔
2. محمد ادریس کاندھلوی، مولانا، مقدمۃ التفسیر، مخطوط۔
3. حوالہ مذکورہ مولانا نے اپنی پیدائش کا ہجری سال نقل کیا ہے عیسوی تاریخ و سن۔

آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے اس طرح آپ صدیقی النسب ہیں' آپ مثنوی مولانا روم کے ساتویں دفتر کے مولف مولانا مفتی الٰہی بخش کی اولاد میں ہیں۔

تعلیم وتربیت:

خاندانی روایات کے مطابق مولانا نے قرآن کریم حفظ کیا۔ کاندھلہ میں قرآن کریم کی تکمیل کے بعد آپ کے والد مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی آپ کو تھانہ بھون لے گئے اور وہاں مولانا اشرف علی تھانوی کے مدرسہ اشرفیہ میں آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب پڑھیں' مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مولوی عبداللہ' مولف تیسیر المنطق سے آپ نے کسب فیض کیا۔ مولانا تھانوی کے مدرسہ میں چونکہ صرف ابتدائی تعلیم کا اہتمام تھا' اس لئے اعلیٰ تعلیم کے لئے مولانا آپ کو سہارنپور لائے اور مدرسہ عربیہ مظاہر علوم میں داخل کیا۔ مظاہر علوم میں آپ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری' مولانا حافظ عبداللطیف' مولانا ثابت علی جیسے جلیل القدر علماء سے استفادہ کیا اور ۱۹ برس کی عمر میں سند فراغ حاصل کی۔ مظاہر علوم سے سند فراغ حاصل کرنے کے بعد ذوق پیدا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں بھی جو عالم اسلام کی مقتدر ہستیوں کا مرکز تھا' دورہ حدیث کیا جائے چنانچہ مظاہر علوم سے سند فراغ حاصل کر کے دوبارہ دورہ حدیث کیا اور مولانا علامہ انور شاہ کشمیری' علامہ شبیر احمد عثمانی' میاں اصغر حسین دیوبندی' اور مفتی عزیز الرحمٰن جیسے اجلاء محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

تدریسی زندگی:

۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ مفتی محمد کفایت اللہ کے قائم کردہ مدرسہ امینیہ دہلی سے آپ نے تدریس شروع کی اور ایک سال بعد ہی ارباب دارالعلوم دیوبند نے آپ کو دیوبند میں تدریس کی دعوت دی۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی تدریس ایک بڑا اعزاز تھا' مولانا نے اس پیش کش کو قبول کیا اور دیوبند فروکش ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس اعزاز کو اس طرح دوآتشہ کیا کہ ایک سال قبل جن کبار اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا' انہی کے پہلو میں بیٹھ کر ان سے حاصل کردہ فیض کو عام کرنا شروع کر دیا۔ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے سال اول ہی میں آپ نے فقہ کی اعلیٰ ترین کتاب الہدایہ' ادب کی ایک اہم کتاب مقامات حریری جیسی مشکل کتب پڑھائیں۔ دارالعلوم دیوبند سے یہ تعلق کم و بیش نو سال قائم رہا اس دوران نماز فجر کے بعد نو درہ میں درس قرآن دیتے جس میں دارالعلوم کے متوسط اور اعلیٰ درجات کے طلباء حتیٰ کہ بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے۔ اسی درس کی بناء پر آپ کو بیضاوی اور تفسیر ابن کثیر پڑھانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم چھوڑ کر حیدرآباد دکن آ گئے۔

حیدرآباد دکن میں قیام:

حیدرآباد دکن کا نو برس پر مشتمل قیام آپ کی زندگی میں اس اعتبار سے تاریخی گردانا جا سکتا ہے کہ وہاں قیام کے

دوران آپ نے عظیم الشان کتاب التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح تالیف کی (اس کتاب کا مفصل تعارف آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں) حیدرآباد دکن میں قیام کے دوران دنیائے علم کے ایک عظیم کتب خانہ' کتب خانہ آصفیہ میں موجود بعض نادر مخطوطات سے استفادہ کیا جن میں تورپشتی کی المفاتیح شرح مصابیح سب سے اہم ہیں' جس سے آپ نے تعلیق میں استفادہ کیا اور بعض مقامات پر سیرۃ المصطفیٰ میں بھی اس کے حوالہ جات موجود ہیں۔ حافظ تورپشتی کی یہ کتاب مصابیح کی ایک بلند پایہ شرح ہے جس کا مخطوط نسخہ دنیا میں صرف کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں:

علامہ شبیر احمد عثمانی' صدر مہتمم اور قاری محمد طیب' مہتمم دارالعلوم دیوبند ہوئے تو ان حضرات نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول کر لی اور حیدرآباد دکن کے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ پر ستر روپے ماہانہ کی دارالعلوم کی تدریس کو ترجیح دی۔ اور ۱۹۳۹ء میں دوبارہ دارالعلوم آ گئے۔ دارالعلوم میں یہ قیام ہجرت پاکستان تک (دس سال) رہا اور وہاں آپ نے تفسیر بیضاوی' تفسیر ابن کثیر' سنن ابی داؤد اور طحاوی کی مشکل الآثار جیسی امہات الکتب پڑھائیں۔

پاکستان ہجرت:

مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور اس کے بعد پورے برصغیر میں مسلمانوں کے لئے علیحدہ مملکت کے حصول کے لئے بھرپور تحریک شروع ہو گئی۔ مولانا نے اگرچہ عملاً سیاست میں حصہ تو نہیں لیا لیکن آپ دو قومی نظریہ کے زبردست حامی تھے' سیرۃ المصطفیٰ میں بھی جہاد کی بحث میں دو قومی نظریہ پر مدلل اور علمی گفتگو کی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں مملکت خداداد پاکستان معرض وجود میں آئی۔ مئی ۱۹۴۹ء میں مولانا نے پاکستان ہجرت کرنے کا ارادہ کر کے بادل ناخواستہ دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے دیا' اس موقع پر آپ کو دارالعلوم ہاٹھ ہزاری چاٹگام' مشرقی پاکستان کی جانب سے بحیثیت شیخ الحدیث آنے کی دعوت دی گئی لیکن آپ نے مغربی پاکستان آنے کو ترجیح دی اور دسمبر ۱۹۴۹ء میں ریاست بہاولپور کی دعوت پر آپ پاکستان آ گئے اور جامعہ عباسیہ بہاول پور میں بحیثیت شیخ الجامعہ تدریسی خدمات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔

جامعہ عباسیہ بہاولپور سے وابستگی ۲۵ دسمبر ۱۹۴۹ء کو آپ نے جامعہ عباسیہ میں بحیثیت شیخ الجامعہ چارج لیا۔ جامعہ عباسیہ میں عصری و دینی تعلیم کے اختلاط کی وجہ سے روحانیت اور للّٰہیت نہ تھی جو دینی مدارس کا خاصہ ہوتی ہے' مولانا محمد ادریس کاندھلوی کو وہاں کا یہ ماحول اور مادی دوڑ پسند نہ آئی اور جلد ہی طبیعت میں تکدر پیدا ہو گیا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق:

۱۹۵۱ء کے اوائل میں مولانا جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لائے اور یہاں خطاب فرمایا' مولانا مفتی محمد

حسن کی نظر انتخاب نے مولانا کو جامعہ اشرفیہ شیخ الحدیث کے طور پر منتخب کرلیا' چنانچہ بہاولپور واپس جانے کے بعد ایک خط میں جامعہ اشرفیہ آنے کی دعوت ان الفاظ میں دی۔

''میں آپ کو پلاؤ اور بریانی چھوڑ کر دال روٹی کی دعوت دے رہا ہوں۔''

مولانا نے دال روٹی کی اس مخلصانہ دعوت کو بصد اخلاص قبول کیا مفتی صاحب نے دل کی گہرائیوں سے جو بات کہی تھی' مولانا کے دل پر اثر کر گئی اور مولانا ۱۶ اگست ۱۹۵۱ء کو جامعہ عباسیہ سے کم مشاہرہ پر جامعہ اشرفیہ آ گئے اور پھر عمر عزیز کے آخری لمحہ تک جامعہ سے اپنے تعلق کو قائم رکھا۔

وفات حسرت آیات:

۲ اگست ۱۹۷۳ء کی شب اچانک ہچکیاں آنی شروع ہوئیں۔ ڈاکٹر اور اطباء معائنہ کے بعد اس بات پر متفق ہوئے کہ معدہ بہت کمزور ہوگیا ہے۔ اور جگر نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ کمزوری میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۲ اگست ۱۹۷۳ء سے جولائی ۱۹۷۴ء تک کا یہ تمام سال اسی طرح کمزوری اور نقاہت کے عالم میں گزرا۔ لیکن شدید مرض اور اضمحلال میں بھی درس بخاری کا سلسلہ بند نہ کیا۔ ۱۶ جولائی ۱۹۷۴ء کو شدید دورہ پڑا اور طبیعت پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اخیر وقت میں جب ذرا ہوش آتا تو کلمہ طیبہ کا ورد ہوتا اور یہ آیت تلاوت کرتے۔ انما اشکو بثی و حزنی الی اللّٰہ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء/۸ رجب ۱۳۹۴ھ کو صبح صادق کے وقت طلوع آفتاب سے قبل علم کا یہ آفتاب و ماہتاب اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوئی۔ خلف الرشید' والد مرحوم مولانا محمد مالک کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس طرح اس پیکر علم و عرفان کو سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا کی وفات حسرت آیات بر صغیر میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً اہل علم پر غم کا ایک پہاڑ بن گئی۔ مولانا کی وفات سے ایک ایسا علمی خلا پیدا ہوا کہ جو بعد میں پورا نہ ہوا۔[1]

تصنیفی خدمات:

تدریسی خدمات کا ایک مختصر خاکہ گذشتہ اوراق میں پیش کیا جا چکا ہے' درس و تدریس اور وعظ و خطبات کے علاوہ تحریر و تصنیف سے بھی مولانا نے دین متین کی لازوال خدمات سرانجام دی ہیں۔ تصنیف و تالیف میں مولانا کسی خاص میدان کے شہسوار نہیں بلکہ ہر میدان علم میں شہسواری کا ایسا ملکہ رکھتے ہیں کہ گویا زندگی ہی اس میدان میں گذری ہے۔ علم

---

[1] مولانا کے سوانح حیات کی ترتیب میں جن ماخذ سے مدد لی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

الف- صدیقی' محمد میاں' تذکرۂ مولانا محمد ادریس کاندھلوی' لاہور' مکتبہ عثمانیہ۔

ب- ظہیر الدین مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی علمی خدمات' مقالہ برائے ایم اے عربی جامعہ پنجاب۔

ج- صدیقی' محمد سعد' مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی دینی خدمات مقالہ برائے ایم اے اسلامیات جامعہ پنجاب۔

تفسیر، حدیث، عقائد و کلام، سیرۃ نبی کریم، ردفرق باطلہ غرض کہ ہر علمی میدان میں مولانا نے اپنی لازوال خدمات کے ایسے سنگ میل نصب کئے ہیں کہ جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہیں گے۔ مولانا کی تصانیف کے مفصل تذکرہ کا تو یہ موقع نہیں، اختصار کے ساتھ آپ کی چند تصانیف کا تعارف پیش کیا جائے گا البتہ کتاب زیر تدوین سیرۃ المصطفیٰ کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔

علم تفسیر

معارف القرآن:

علوم و معارف کا ایک بھرپور خزینہ اور علماء متقدمین کے علوم کا ایک بہترین مجموعہ ہے۔ مطالب قرآنیہ کی توضیح و تشریح، ربط آیات کا بیان، احادیث صحیحہ اور اقوال و آثار صحابہ و تابعین پر مشتمل تفسیری نکات ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید، ان کے شبہات و جوابات، کلام الٰہی کی عظمت و شوکت، اس کی جامعیت اور اس کے اعجاز کا بیان، یہ چند خصوصیات ہیں جو معارف القرآن میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں اس تفسیر کی تالیف کا آغاز کیا گیا اور ابھی سورہ صف کے اختتام تک پہنچے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کا کچھ حصہ مولانا کی زندگی میں شائع ہو گیا تھا، آپ کی وفات کے بعد آپ کا تالیف کردہ حصہ شائع ہوا۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی نے اس عظیم کام کی تکمیل فرمائی اور تکمیل کے بعد از سرنو اس کو شائع کیا گیا۔ اس وقت یہ کتاب سات جلدوں پر مشتمل ہے جن میں سے ابتدائی پانچ مولانا کی تالیف کردہ ہیں اور آخری دو مولانا محمد مالک صاحب کی۔ مولانا محمد مالک صاحب نے بھی مولانا ہی کے طرز و اسلوب کا تتبع کیا ہے۔

الفتح السماوی بتوضیح تفسیر البیضاوی:

ساتویں صدی ہجری کے مفسر قرآن قاضی ناصر الدین ابو الخیر عبد بن عمر الشیر ازی البیضاوی م ۶۸۵ھ کا نام علم تفسیر میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کی مرتب کردہ تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل ہمیشہ علماء مفسرین کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور اس پر متعدد تعلیقات کی گئیں اور بہت سی شروح لکھی گئیں۔ ۲۰ شوال ۱۳۶۰ھ کو اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا گیا یہ تفسیر ہنوز زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی اور اس کا واحد مخطوطہ ادارہ اشرف التحقیق میں موجود ہے۔

بیضاوی کی توضیح اور اس کے ادق نکات کی تشریح میں یہ کتاب ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ طوالت و اطناب سے گریز کیا گیا ہے اور نہ اس قدر اختصار سے کام لیا گیا کہ بیضاوی کے دقیق نکات وضاحت طلب رہ جاتے۔ اس مسودہ کی تدوین کے بعد اگر موزوں سائز پر طبع کرایا جائے تو تقریباً چار ہزار صفحات اس کی ضخامت ہو گی۔

مقدمہ التفسیر:

اصول و تاریخ تفسیر پر ایک جامع اور مفصل رسالہ ہے جو ابھی تک مخطوط شکل میں ہے۔

علم حدیث

تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری:

بخاری کے مشکل مقامات خصوصاً تراجم ابواب جو امام بخاری کی ایک امتیازی شان ہے' کی توضیحات پر مشتمل ہے۔اس کے تین اجزاء طبع ہو چکے ہیں جب کہ بقیہ اجزاء ابھی طبع نہیں ہو سکے۔

التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح:

ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب کی کتاب مشکوٰۃ المصابیح مجموعہائے حدیث میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔علماء نے اس کتاب کی جس قدر شروح لکھی ہیں' شاید کسی اور کتاب کو یہ سعادت حاصل نہ ہوئی ہو۔مولانا نے اس کتاب میں مشکوٰۃ کی عمدہ اور آسان زبان میں بلیغ پیرایہ میں توضیح وتشریح کی ہے۔مولانا کی حیات میں اس کتاب کے چار ابتدائی اجزاء دمشق میں اور چار اجزاء پاکستان میں شائع ہوئے تھے۔مولانا کی وفات کے بعد یہ کتاب از سرنو سات جلدوں میں مکمل طبع ہوئی ہے۔

حجیت حدیث:

حدیث کی قطعیت' اس کی حجیت اور اس کا مصدر شرعی ہونا اس پر مولانا نے اپنی اس کتاب میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے بڑی بھرپور بحث کی ہے اور یہ کتاب منکرین حدیث کے لئے ایک مسکت جواب ہے۔

علم عقائد وکلام

الکلام الموثوق فی ان کلام اللہ غیر مخلوق:

قرآن کے کلام الٰہی ہونے اور کلام الٰہی کے غیر مخلوق اور قدیم ہونے پر مولانا نے اس رسالہ میں بھرپور علمی، تحقیقی اور مدلل گفتگو کی ہے اور معتزلہ وفلاسفہ کے غلط نظریات کی تردید کی ہے۔

احسن الحدیث فی ابطال التثلیث:

عیسائیت کے نظریہ تثلیث کی تردید حضرت عیسیٰ کی نبوت وبشریت پر ایک عظیم تحقیق ہے عیسائیت کے خلاف مولانا کے متعدد رسائل ہیں جن کو تدوین وتعلیق کے بعد شائع کیا جائے اور قوم کے ان بدنصیبوں کو پڑھایا جائے جو عیسائی مشنری

سکولوں میں پڑھ کر اپنے ایمان و اسلام کو ضائع کر رہے ہیں۔

عقائد اسلام:

دین اسلام کے بنیادی و اساسی عقائد جن میں توحید و رسالت' قیامت اور ملائکہ پر ایمان شامل ہیں' پر مشتمل اردو زبان میں ایک منفرد کتاب ہے جو اس مسئلہ میں علمی بحث پر مشتمل ہے۔

علم الکلام:

مذہب اسلام کی خصوصیات' احوال قیامت' جنت و جہنم عالم برزخ' حوض کوثر کے وجود پر مدلل و محکم بحث پر مشتمل ہے۔

دستور اسلام:

اسلامی نظام حکومت کے بیان پر مشتمل ایک عمدہ کتاب ہے جس میں اسلامی نظام انتخاب' اقتصادی نظام اور تعلیمی نظام پر بحث کی گئی ہے اور نظام حکومت کی اسلامی بنیادوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

خلافت راشدہ:

صحابہ کی عظمت پر ایمان' عقائد اسلامی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ مولانا نے اپنی اس کتاب میں خلافت راشدہ پر علمی بحث کی ہے۔ ان کتب کے علاوہ مولانا کے بہت سی دیگر مولفات ہیں جن کو خوف طوالت سے ترک کر کے اب کتاب زیر تدوین سیرۃ المصطفیٰ کا تعارف کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

سیرۃ المصطفیٰ:

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات دینی و علمی میں سیرۃ رسول اللہ ﷺ کی خدمت ایک تابندہ ستارہ کی مانند ہے۔ آپ کی تصانیف میں سب سے زیادہ قبولیت عامہ اس کتاب سیرۃ المصطفیٰ کو حاصل ہوئی۔ کتاب کا تعارف پیش کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں نبی کریم ﷺ کی سیرۃ طیبہ کے مختلف اسالیب کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جائے' اس طرح سیرۃ المصطفیٰ کی قدر و منزلت زیادہ وضاحت سے سمجھ میں آ سکے گی اور اسی جائزہ سے کتاب کی تالیف کا مقصد و مطمح نظر بھی سامنے آ جائے گا۔

برصغیر میں اسالیب کتب سیرۃ:

اللہ تعالیٰ نے برصغیر پاک و ہند کو یہ سعادت عطا فرمائی ہے کہ دین کے ہر شعبہ میں جس قدر ٹھوس اور بنیادی خدمات اس خطہ ارضی پر ہوئیں' دنیا کے بہت کم علاقوں کو یہ سعادت میسر آئی ہے۔

برصغیر میں خدمات دین پر تصنیف و تالیف کی ابتداء اگرچہ عربی و فارسی سے ہوئی تھی لیکن بعد ازاں ان خدمات میں اردو زبان نے ایک نو آموز زبان ہونے کے باوجود نہ صرف سبقت حاصل کر لی بلکہ سرخیل کی حیثیت اختیار کر لی۔ تفسیر'

حدیث' فقہ' عقائد' تصوف و اخلاقیات اور سیرۃ و تاریخ غرضیکہ کوئی شعبہ دین ایسا نہیں کہ اردو زبان خدمت دین میں پیچھے رہی ہو۔ اور پھر ان تمام شعبوں میں یہاں کی تہذیب و ثقافت' تمدن و معاشرت اور علمی رجحانات کی روشنی میں ایک خاص اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ برصغیر کا اپنا ایک تفسیری ادب ہے' یہاں کی خدمات حدیث تاریخ کا ایک وقیع حصہ ہیں۔ یہاں کی خدمات فقہ و قانون اسلامی ایک روشن ستارہ ہیں اور یہاں پر سیرت کا اسلوب نگارش ایک منفرد اسلوب ہے۔

اردو نثر کی تاریخ ابتداء کے بارہ میں مورخین کی آراء مختلف ہیں البتہ اس قدر ثبوت ضرور ملتا ہے کہ اردو ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی ضرورت کے پیش نظر معرض وجود میں آئی۔ چنانچہ سید غلام محی الدین قادری لکھتے ہیں۔

''نثر اردو کی ابتداء خواہ کسی زمانہ میں کیوں نہ قرار دی جائے' اس امر کو ماننا پڑے گا کہ دکن میں اس کی بنا تعلیم و تبلیغ ہی کی خاطر ڈالی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری سے قبل کے اکثر کارنامے مذہبی مباحث ہی پر مبنی ہیں شیخ عین الدین گنج العلم کے جو رسالے سینٹ جارج کالج کے کتب خانہ میں پائے گئے ان تینوں میں بھی فرائض و سنن ہی کے متعلق متفرق احکام و مسائل لکھے گئے۔''[1]

''بزرگان دین کے لئے ضروری تھا کہ اپنے مریدوں اور نومسلموں کے تزکیہ نفس اور تعلیم کی خاطر مذہبی مسائل کو عام فہم کر دیتے جس کا سرانجام پانا مقامی بولیوں میں تحریر و تقریر سے کام لئے بغیر ناممکن تھا۔ چنانچہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اردو میں سب سے پہلے مذہبی الفاظ کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا۔''[2]

معلوم ہوا کہ مصنف کے دعویٰ کے مطابق دین اسلام اور اس کے احکام و مسائل کا حصول علم اردو زبان کی ترویج کا سبب بنا اور یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اس زبان میں احکام شریعت سے متعلق الفاظ و اصطلاحات کا ایک وسیع ذخیرہ ابتدائی زمانہ میں ہی جمع ہو گیا بلکہ بقول قادری قوم کے مذہبی رجحان کی وجہ سے زبان بھی مذہبی بن گئی۔[3]

معلوم ہوا کہ اردو پر اور اردو بولنے والوں پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اردو کے ابتدائی دور میں جو کتب تالیف کی گئیں تصوف' شریعت اور اخلاق کے موضوع پر عربی و فارسی سے ماخوذ ہیں اور ان میں عقائد و مسائل اور تصوف و طریقت کو قرآن و سنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔[4]

اردو ادب کے اس ابتدائی سفر میں تصوف' شریعت و اخلاق اور حدیث و فقہ کے بعد سیرت رسول ﷺ شامل ہوئی۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین کے مطابق اردو نعتیہ شاعری کا آغاز نویں صدی ہجری میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ خواجہ بندہ نواز

---

1. قادری' غلام محی الدین' اردو کے اسالیب بیان' حیدر آباد دکن' مکتبہ ابراہیمیہ' ۱۹۲۷' ص ۲۵۔
2. ایضاً: ص ۲٦۔ 3. حوالہ مذکور۔
4. قادری' حوالہ مذکور۔
5. اشفاق رفیع الدین ڈاکٹر اردو کی نعتیہ شاعری ص ۹۔

گیسو دراز سید محمد حسینی م ۸۲۵ھ کے کلام میں نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں۔[۵] جب کہ ڈاکٹر انور محمود کے مطابق اردو نظم میں سیرت کی تصنیف کا آغاز گیارہویں صدی ہجری میں اور نثر میں تیرھویں صدی ہجری میں ہوا۔ سلطنت مغلیہ کے دور زوال میں محمد باقر آگاہ ۱۲۲۰ھ نے ''ریاض السیر'' کے نام سے اردو میں سیرت پر ایک کتاب مرتب کی جو بلاشبہ اردو نثر میں سیرت پر پہلی کاوش تھی۔[۱] علاوہ ازیں مفتی عنایت احمد کانپوری نے اپنے زمانہ قید میں ۱۲۷۴ھ میں سیرت سے متعلق ایک استفسار کا مفصل جواب دیا تھا جو تواریخ حبیب الٰہ کے نام سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح اردو نثر میں سیرت رسول ﷺ پر تصنیف و تالیف کی ابتداء ہوئی۔ سیرت پر تالیف کتب کا سفر اپنے ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا جب ۱۸۵۷ء تک پہنچتا ہے تو سیرت پر ۱۷ کتاب تالیف کی جا چکی تھیں۔ اگر چہ ان میں سے بیشتر روایتی مولود نامے ہیں جو محافل میلاد میں پڑھے جاتے تھے لیکن چند کتب ایسی بھی مل جاتی ہیں جو مستند کتب سیرت پر مبنی ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد سے سیرت النبی ﷺ پر تالیف کتب کے اسلوب میں تبدیلی پیدا ہوئی اور روایتی مولود ناموں سے ہٹ کر سیرت پر مستند اور جامع کتب کی تالیف کا رجحان بڑھا۔ ان ادوار میں طبع زاد کتب بھی تالیف کی گئیں۔ بعض عربی اور انگریزی کتب کے اردو تراجم بھی کئے گئے۔

انیسویں صدی کا آخری عرصہ اور بیسویں صدی اردو سیرت نگاری میں زریں عہد کہلاتا ہے اس عہد کی پہلی کاوش مرزا حسرت دھلوی کی کتاب ''سیرت محمدیہ'' ہے جو ۱۸۹۵ء میں تالیف کی گئی۔ بیسویں صدی کی ابتداء میں مصنف مذکور نے اپنی سابق کتاب میں کچھ اضافات کر کے ''سیرت رسول'' کے نام سے اسے شائع کیا جو چھ جلدوں پر مشتمل تھی۔

بیسویں صدی کے نصف اول میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری م ۱۹۳۰ء کی کتاب رحمت اللعالمین ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔

اسی عہد میں شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی' مولانا اشرف علی تھانوی م ۱۹۴۳ء کی نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب' مولانا ابورشید محمد عبدالعزیز کی سوانح عمری حضرت رسول کریم' سید سلیمان ندوی کے خطابات مدراس' پروفیسر نواب علی م ۱۹۶۱ء کی کتاب سیرت رسول اللہ' حکیم عبدالرؤف دانا پوری م ۱۹۴۸ء کی اصح السیر' مولانا سید مناظر احسن گیلانی م ۱۹۵۶ء کی النبی الخاتم' چودھری افضل حق م ۱۹۴۳ء کی محبوب خدا اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی م ۱۹۷۴ء/ ۱۳۹۴ھ کی سیرت المصطفیٰ نمایاں نظر آتی ہیں۔ گویا اس زمانہ میں جب کہ سیرۃ المصطفیٰ تالیف کی گئی' اردو زبان میں سیرت پر کتب کی ایک کثیر تعداد شائع ہو چکی تھی' یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا کہ نبی کریم کی سیرۃ پر کچھ لکھنا ہر لکھنے اور پڑھنے والے کے لئے باعث سعادت وجہ ثواب بھی ہے اور رب ذوالجلال کے اس ارشاد مبارک ''ورفعنا لك ذكرك'' کی تکمیل بھی۔

۱　خالد انور محمود ڈاکٹر' اردو نثر میں سیرت رسول' لاہور اقبال اکادمی ۱۹۸۹ ص ۲۱۹۔

سیرۃ المصطفیٰ اردو زبان میں لکھی جانے والی سیرت کی کتب میں جامع ترین کتب میں سے ہے، تحقیق کے جس معیار پر فائز ہے، مصادر کا جس طرح تتبع کیا گیا ہے، حدیث و سیرت کے اصل مصادر پر جس طرح مبنی ہے، اردو کی کسی دوسری کتاب کو یہ مقام حاصل نہیں کتاب کے تعارف اور اس کی وجہ تالیف مولانا کے مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ صرف اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ اپنے مقدمہ میں کتاب کی تالیف کی جو وجہ مولانا نے بیان کی ہے، اس کو کما حقہ پورا کیا ہے۔ مولانا نے اپنی کتاب میں سرسید احمد خان اور شبلی نعمانی کے بعض نظریات کی بھرپور اور مدلل انداز میں تردید کی ہے اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور نبی کریم ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے جو جذبات اور احساسات نبی کریم کی ذات گرامی کے متعلق ہو سکتے ہیں، ان کا برملا اظہار کیا ہے۔ کسی بھی مقام پر مغرب اور یورپ زدہ طبقہ کے اعتراضات سے متاثر ہو کر معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ سیرت المصطفیٰ جس مقام پر فائز ہے، اس کے متعلق میرے کلمات کوئی حیثیت نہیں رکھتے خصوصاً جب کہ مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے گرامی اس پر موجود ہے جو اس کی ثقاہت کے لئے ایک مضبوط شہادت ہے۔

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب:

موت العالِم موت العالَم

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

رفیق شفیق اخی فی اللہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اس وقت ان چند بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو برصغیر پاک و ہند میں انگلیوں پر گنی جاتی ہیں، جو مدتوں اکابر علماء و مشائخ کی نظروں میں پلے ان کی صحبتوں سے مستفید ہو کر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ جنہوں نے کتابوں سے زیادہ استادوں کو پڑھا۔ آج دنیا میں ان کی مثالیں کہاں اور کس طرح پیدا ہوں۔ مولانا محمد ادریس صاحبؒ کے ساتھ احقر کی رفاقت نصف صدی سے زائد کی رفاقت ہے جو ۷/ رجب ۱۳۹۴ھ بروز دوشنبہ آپ کی وفات حسرت آیات پر ختم ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند کے اس دور کا نقشہ آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ جب کہ ۱۳۳۷ھ میں ہم چند نوعمروں کو بیک وقت دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس و تدریس سپرد کی گئی ان میں مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ ہو کر ۱۳۳۶ھ میں دوبارہ دورۂ حدیث کے لئے حضرت الاستاد مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس طرح مکرر دورۂ حدیث سے فارغ ہو کر ۱۳۳۷ھ میں خدمت درس و تدریس پر مامور ہوئے اس سے ایک سال پہلے ۱۳۳۵ میں احقر دورۂ حدیث سے فارغ ہوا تو ۱۳۳۶ھ میں کچھ اسباق سپرد کئے گئے اور ۱۳۳۷ھ میں مستقلاً درس و تدریس کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ ہم تینوں اس وقت کے نوعمر بچے تھے۔ جن کو اکابر اساتذہ ہی کی خدمت میں رہ کر تعلیمی خدمات انجام دینے کا موقع حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند ائمہ فن علماء اور اولیاء واتقیاء کا ایک بے مثال گہوارہ تھا۔

ایک طرف نمونہ سلف قدوۃ المشائخ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم کا حلقہ

درس۔ حافظ ابن حجر اور شیخ الاسلام نووی کے حلقہ درس کی مثال تھی تو دوسری طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا حلقہ درس امام غزالی اور رازی کی یاد تازہ کرتا تھا ایک طرف شیخ المشائخ کل ہند مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا حلقہ فتویٰ ودرس حدیث وتفسیر اور اس کے ساتھ حلقہ اصلاح وارشاد اور مالکان طریقت کی تربیت کا بے نظیر سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف یادگار سلف عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کا درس حدیث وفقہ اور نہایت مفید و عام تصانیف کا سلسلہ تھا اسی کے ساتھ عام اصلاح خلق کے لئے ارشاد وتربیت کا ایک بڑا حلقہ تھا جس سے ہزار ہا بندگان خدا کی اصلاح ہوتی تھی۔ اوران میں دینی انقلاب نمایاں نظر آتا تھا۔

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور شیخ المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور حضرت مولانا رسول خاں صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس زمانے کے متوسط مدرسین میں شمار ہوتے تھے۔ رئیس المناظرین حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن صاحب اس وقت کے ناظم تعلیمات تھے۔ حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد احمد صاحب دارالعلوم کے صدر مہتمم تھے اور اس کے ساتھ ہمیشہ ایک سبق پڑھانے کا معمول تھا۔ ہدیہ اولین کا ابتدائی حصہ احقر نے انہیں سے پڑھا تھا۔ نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ تھے جن کے عربی قصائد اور عظیم الشان تصنیف ''دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا'' ہر طبقے کے علماء میں قبول عام حاصل کر چکے ہیں غرض جس طرف دیکھو یہ بزرگان سلف کے نمونے پیکر علم وعمل ستاروں کی طرح درخشاں نظر آتے تھے۔ جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا تھا ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ ؎

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

کسی شخص پر ان حضرات کی توجہ اور نظر عنایت ہو جانا بلاشبہ حق تعالیٰ کی رحمت کا ایک مظہر ہوتا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ اس کے فضل سے ان سب بزرگوں کی نظر انتخاب نے ہم نوعمروں کو ان اکابر کی خدمت سے استفادہ کے مواقع فراہم فرمائے۔ ان حضرات نے ہم تینوں میں درس وتدریس کی خدمات کے ساتھ مسائل کی تحقیق اور علمی بحث ومباحثہ اور تصنیف وتالیف کا بھی ذوق پیدا کیا خصوصاً ۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ نے سر اٹھایا اور ان لوگوں کو یہ جرأت ہونے لگی کہ علماء کو مناظرہ اور مقابلہ کی دعوت دینے لگے۔ اس نے سنی علماء کو اس فتنہ کی روک تھام کی طرف متوجہ کیا خصوصاً حضرت الاستاد سید محمد انور شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کے قلب مبارک میں اس کا اہتمام اس شان سے پیدا ہوا کہ جیسے کوئی مامور من اللہ کسی خاص خدمت پر مامور ہوتا ہے۔ اس وقت درس وتدریس کے بعد حضرت موصوف کے تمام اوقات اسی فتنہ کے انسداد پر خرچ ہونے لگے۔ حضرتؒ نے ہم تینوں نوعمر مدرسوں کو اس کام پر لگایا کہ عقائد اسلامیہ کے خلاف تمام مسائل میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کیا جائے۔ مسئلہ ختم نبوت پر لکھنے کے لئے احقر کو مامور فرمایا اور نزول مسیح علیہ السلام وغیرہ کے مسائل کا کام مولانا سید بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے سپرد

فرمایا۔ سب سے پہلے ہم تینوں میں وجہ ربط وارتباط یہ سلسلہ بنا احقر نے حضرت استاد کی ہدایات کے مطابق پہلے عربی زبان میں مسئلہ ختم نبوت کی تحقیق پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام حضرتؒ استاد نے ہدیۃ المہدیلین فی آیۃ خاتم النبیین رکھا۔ اس کو عربی زبان میں لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ عرب بغداد وغیرہ عرب ممالک سے ایسی خبریں آتی تھیں کہ وہاں بھی ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اس طرح کی تلبیس پھیلائی ہے پھر مزید تفصیل کے ساتھ مسئلہ ختم نبوت کو اردو زبان میں تین حصوں میں لکھا۔ مولانا بدر عالم صاحبؒ نے الکلام الفصیح فی نزول المسیح کے نام سے ایک قابل قدر تصنیف فرمائی مولانا محمد ادریس صاحبؒ نے کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ کے نام سے اس موضوع پر بہترین کتاب لکھی یہ سب کتابیں اسی زمانے میں چھپ کر شائع ہوئیں۔

اسی زمانے میں اکابر دارالعلوم کے ایک وفد نے جس کی قیادت استاد محترم حضرت شاہ صاحب فرما رہے تھے عام مسلمانوں میں قادیانی دجل وفریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ملک کا دورہ کرنا تجویز کیا اس دورہ میں بھی ہم تینوں کو حضرت کا ہم سفر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

اسی زمانے میں یہ تجویز ہوا کہ سالانہ ایک جلسہ خود قادیان میں منعقد کیا جائے جس میں مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید خود ان کے مرکز میں جا کر کی جائے ان جلسوں میں بھی حضرات اکابر کے ارشاد کے مطابق ہم تینوں کو شریک رہنے کا موقع ملا۔

فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو ان کے مناظرہ کے لئے دارالعلوم کی طرف سے حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ کی سرکردگی میں ہم تینوں رفیق سفر رہے خود حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بھی پہنچ گئے تین روزہ یہ تاریخی مناظرہ جاری رہا۔

حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ کی خاص توجہ اور مسلسل کوشش نے چند سال میں ایسا کر دیا تھا کہ علمی اعتبار سے مرزا صاحب اور قادیانیت نے دم توڑ دیا اور یہ لوگ مناظرہ مباہلہ کا نام لینا چھوڑ کر زیرزمین سازشوں میں مشغول ہو گئے۔

اکابر دارالعلوم کی خاص نظر عنایت نے ہم تینوں کو ایسا مخلص رفیق بنا دیا تھا کہ نہ کبھی کوئی معاصرانہ چشمک درمیان میں آئی نہ کوئی شکوہ شکایت۔

۱۳۴۶ھ کے ایک خاص واقعہ میں حضرت شاہ صاحبؒ مع بعض دیگر اکابر واصاغر کے ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا سید بدر عالم صاحب بھی ساتھ ہی تشریف لے گئے دیوبند میں اب ہم تینوں میں سے احقر اور مولانا محمد ادریس صاحب رہ گئے اور دیوبند میں ہماری یہ رفاقت بناء پاکستان کے وقت تک مسلسل رہی پاکستان بننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ہم تینوں کو پاکستان جمع فرما دیا۔

اور مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ میرے پاکستان میں مستقل قیام کا سبب مولانا سید بدر عالم صاحب تھے کیونکہ احقر شروع میں جب پاکستان آیا تو ہجرت کی نسبت سے نہیں بلکہ ایک کام دستور اسلامی کے سلسلہ میں انجام دینے کے لئے

آیا تھا اس لئے والدہ محترمہ اور اکثر عیال اس وقت تک دیو بند ہی تھے۔ رمضان ۱۳۶۸ھ میں ہمارا وہ کام پورا ہو گیا تو میرا ارادہ واپس ہندوستان جانے کا تھا۔ یہ ماہ رمضان گرمی کے زمانے کا تھا۔ مولانا بدر عالم صاحب کئی مرتبہ گورا قبرستان کراچی سے میری جائے قیام وکٹوریہ روڈ پر پیدل چل کر اس لئے تشریف لائے کہ مجھے پاکستان میں مستقل قیام کے لئے تاکید کریں کیونکہ ان کی نظر میں اس وقت میرا قیام پاکستان کے لئے ضروری تھا۔ ان کی ایک مخلصانہ ہمدردانہ فہمائش ہی کی بناء پر احقر نے ہندوستان سے ہجرت اور پاکستان کے مستقل قیام کا عزم کر لیا۔

مولانا محمد ادریس صاحب پاکستان تشریف لائے تو پہلے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے سربراہ کی حیثیت سے بہاولپور میں مقیم ہوئے۔ اس عرصہ میں بھی ملاقاتیں اور خط وکتابت ہوتی رہتی تھی پھر جلدی آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث ہو کر تشریف لے آئے اور جامعہ میں درس حدیث کی خدمت انجام دیتے ہوئے عمر گذاری کی آخری ساعات پوری فرمادیں۔ اللھم اغفرله مغفرة ظاهرة باطنة لا تغاد رذنبا۔

قیام جامعہ اشرفیہ کے زمانے میں الحمد للہ بار بار باہمی ملاقات اور مسلسل خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ باہمی تعلق روز بروز بڑھ رہا ہے وہ ہر تصنیف مجھے سناتے اور چھپنے کے بعد عطا فرماتے تھے یہی سلسلہ کچھ احقر کی طرف سے جاری رہتا تھا۔ باوجود اس فوقیت کے جو اللہ تعالیٰ نے ہر علم وفن اور عمل اور اخلاق میں ان کو مجھ پر عطا فرمائی تھی اپنی تواضع کی بناء پر فتویٰ میں مجھ پر اعتماد فرماتے تھے اور میری تمام تصانیف کو اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھتے تھے وفات سے غالبًا ایک سال پہلے جب میری تفسیر معارف القرآن مکمل ہوئی اور آخری آٹھویں جلد مولانا موصوف کی خدمت میں بھیجی تو اس پر اپنی انتہائی خوشنودی کا اظہار فرمایا جس کو دارالعلوم کے ماہنامہ البلاغ میں شائع کر دیا گیا ہے اسی کے ساتھ ایک خط میں تحریر فرمایا کہ میں تمہاری ہر تصنیف کے دو نسخے رکھتا ہوں اللہ نے فرمایا ہے۔ ومن كل شي خلقنا زوجين مولانا موصوف کی ہر مجلس اور گفتگو میں علمی چاشنی اور قرآن وحدیث کے جملے بڑے برموقع ہوا کرتے تھے۔

ایک حج کے موقع میں اتفاقاً احقر بھی حاضر تھا مکہ مکرمہ مدرسہ صولتیہ میں قیام تھا یہاں ہندوستان کے ایک عالم بھی ملاقات کے لئے آئے انہوں نے پاکستان کے سربراہ مملکت کے متعلق کچھ شکایت کی تو برجستہ فرمایا کہ وہ ہندوستان کے ہندو سربراہ مملکت سے بہر حال بہتر ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ولعبد مومن خير من مشرك ولو اعجبكم اور ولو اعجبکم۔ کے الفاظ کہتے ہوئے ان کی طرف اشارہ کر کے مزید لطف بڑھا دیا وہ ہندوستانی عالم بھی بے تکلف دوست تھے بہت محظوظ ہوئے میرے لڑکے مولوی محمد تقی سلمہ اب سے چند ماہ پہلے لاہور گئے تو مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے بڑی شفقت کے ساتھ بٹھایا اور فرمایا کہ معاصرین میں باہم کچھ چشمک ہوا کرتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم میں اور مفتی صاحب میں کبھی اس کا نام نہیں آتا۔ جب کوئی مفتی صاحب کی تعریف و مدح کرتا ہے تو میں اس کو اپنی ہی تعریف سمجھتا ہوں کیونکہ ابن حاجب نے کافیہ میں توابع بیان کے تحت صفت کی دو قسمیں لکھی ہیں جن میں ایک قسم صفت

متعلق منعوت بھی ہے جیسے زید العالم اخوہ یعنی زید جس کا بھائی عالم ہے۔ اس میں بھائی کے عالم ہونے کو خود زید کی صفت قرار دیا ہے تو میں مفتی صاحب کی صفت کو اپنی صفت کیوں نہ سمجھوں۔

حقیقت یہ ہے کہ مجھ بے علم اور بے عمل کا تو کہنا ہی کیا مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علمی کمالات میں اپنے بھی معاصرین میں خاص امتیاز اور تفوق عطا فرمایا تھا مگر ساتھ بزرگوں کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی جو قدیم علماء دیو بند کا خاص امتیاز تھا کہ نہ کبھی علم کے دعویٰ نہ دوسروں پر اپنی فوقیت کا کہیں کوئی شائبہ مشہور مقولہ ہے کہ معاصرت مفاخرت کی بنیاد ہوتی ہے مگر اللہ والوں کی شان ان سب چیزوں سے بلند ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے مولانا موصوف کو ایسا ہی بنایا تھا جس کے آثار ان کے تمام اعمال وافعال میں ظاہر ہوتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ علمی کمالات میں بھی اپنا رنگ لاتے ہیں۔ جب ان کے **ساتھ تزکیہ باطن اور تقویٰ وطہارت ہو** مولانا موصوف کو حق تعالیٰ نے جس طرح علمی کمالات میں فائق فرمایا تھا **اسی طرح ان باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔**

مولانا موصوف کے علمی کمالات کا کچھ اندازہ ان کی تصانیف سے **لگایا جا سکتا ہے حدیث کی کتاب مشکوٰۃ شریف پر** آپ کی مفصل شرح تو عرصہ دراز سے علماء وطلباء میں خاص مقبولیت **حاصل کر چکی ہے بعد میں حل مشکلات بخاری وغیرہ** دوسری تصانیف بھی فن حدیث سے متعلق ہوتی رہیں جو آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہیں۔ سیرت نبویؐ کے متعلق آپ کی تصنیف سیرۃ المصطفیٰ تین جلدوں میں بہترین تصنیف ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ فرمایا تو معارف القرآن کے نام سے لکھنا شروع کیا بعض لوگوں نے کہا کہ اس نام کی تفسیر تو مفتی محمد شفیع صاحب کی چھپ رہی ہے تو فرمایا کہ میں اور وہ الگ الگ نہیں اسی طرح میرے رسالے دعاوی مرزا ہی کے نام پر اسی موضوع پر دو رسالے تصنیف فرمائے۔

افسوس ہے کہ مولانا کی تفسیر قرآن مکمل نہ ہو سکی مگر اس کی جتنی جلدیں چھپی ہیں وہ بھی اپنی جگہ علماء طلباء کے لئے بڑا مفید ذخیرہ ہے حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مولانا کے علمی شغل اور علمی ذوق نے ہمیشہ ان کو دنیا کے ساز وسامان سے بے نیاز رکھا تھا۔ ایک روز خود بھی فرمایا کہ میرے گھر والے کبھی کبھی مجھ سے کہتے ہیں کہ کچھ تو دنیا کا بھی خیال کرو۔ تو میں کہہ دیتا ہوں کہ دنیا نے میرا کیا خیال کیا ہے جو میں اس کے خیال میں مبتلا رہوں۔

دن رات کے علمی اشتغال کا یہ عالم تھا کہ میرے بڑے لڑکے مولوی محمد زکی سلمہ جو لاہور ہی میں رہتے ہیں۔ اور مرض وفات میں تقریباً روزانہ ہی حاضر خدمت ہوتے تھے۔ وفات سے دو تین روز پہلے حاضر ہوئے تو دیکھا کہ نیم بیہوشی کے عالم میں ضعف ونقاہت بے حد تھی اس حال میں آنکھ کھولی اور محمد زکی پر نظر پڑی تو پوچھا کہ حدیث کی کتاب مؤطا امام مالکؒ کا اردو ترجمہ وحید الزمان صاحب کا آپ کے پاس موجود ہے یا نہیں۔ محمد زکی سلمہ نے عرض کیا کہ وہ مکمل نہیں چھپا جس قدر چھپا ہے وہ موجود ہے تو فرمایا کہ وہ میرے پاس بھیج دینا اس وقت جب کہ سب طاقتیں جواب دے چکی تھیں اب

اس دلدادہ علم کو کتابوں کی تلاش تھی جس کی نظریں ائمہ سلف ہی کے حالات میں ملتی ہیں۔

مولانا کے علمی عملی کمالات بیان کرنے کے لئے تو ایک ضخیم کتاب چاہئے اور امید ہے کہ مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد مالک صاحب اس کام کو انجام دیں گے۔ یہ سطور اس تفصیل کی متحمل نہیں یہاں تو اس وقتی تاثر اور نا قابل تلافی نقصان کا اظہار ہے جو مولانا کی وفات سے امت مرحومہ کو پہنچا ہے مولانا علمی عملی کمالات میں تو مجھ سے بہت فائق اور آگے تھے مگر عمر میں پانچ سال پیچھے اس لئے ظاہری اسباب کے اعتبار سے یہ امید تھی کہ ان کی وفات کا سانحہ میری زندگی میں پیش نہ آئے گا اور یہی تمنا اور دعا تھی مگر بحکم قضاء قدر میدان ہستی کے قطع کرنے میں بھی وہ ہی مجھ سے سبقت لے گئے۔ انا للہ۔ مولانا کی وفات نے بالکل کمر توڑ دی اور اب اپنی زندگی بھی تلخ ہوگئی۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم

وبقيت منهم كالبعير الاجرد

وہ لوگ چل بسے جن کے سائے میں لوگ زندہ رہا کرتے تھے اور میں ان میں سے ایک خارشتی اونٹ کی طرح باقی رہ گیا ایک زمانہ تھا کہ اس طرح کے واقعات پر نظمیں اور مرثیے اور تاریخی قطعات لکھا کرتا تھا افسوس ہے کہ اب دل و دماغ اس سے بالکل ہی کورا ہو گیا۔ میں اسی کو اپنی اس تحریر کا ضمیمہ بناتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مولانا محمد ادریس صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے اہل و عیال کو صبر و جمیل کے ساتھ اپنا تکفل عطا فرمائے۔ صاحبزادوں کو مولانا کی علمی میراث کا سچا جانشین بنائیں۔ واللہ المستعان علیہ التکلان۔ بندہ محمد شفیع، خادم دارالعلوم کراچی۔

از علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ:

شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سال رواں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علمی دنیا کے لئے ''عام الحزن'' ہے۔ بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں اور عظیم القدر اشخاص سفرِ آخرت پر روانہ ہوئے' ابھی ابھی جولائی ۷۴ء ماہ جمادی الاولیٰ ۹۴ھ میں عالم اسلام کے مفکر عظیم' سیاسی رہنما' تجربہ کار قدیم سیاست دان اور فقہ اسلامی کے مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی واصل بحق ہوئے۔ اخبارات کے صفحات پر مرحوم کے حادثہ وفات پر اظہار تاثرات کے سلسلہ کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ دور حاضر کے ایک تبحر عالم اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم کی وفات بلاشبہ اہل علم کے لئے ناقابل برداشت خسارہ ہے جس کی مکافات و تدارک کا کوئی امکان نہیں۔

حضرت مرحوم کی زندگی پوری نصف صدی تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذری' تعلیم اور فراغت مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں ہوئی' مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیو بند آ کر حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کا شرف تلمذ حاصل کیا' مطالعہ کتب کا ابتداء ہی سے ذوق تھا' درسیات سے متعلقہ شروح و حواشی کے علاوہ بھی مطالعہ کتب کا شوق رہا' حافظہ بہت ہی عمدہ اور قابل قدر تھا اس لئے تبحر و وسعت نظر میں اپنے معاصرین میں ممتاز رہے' نیز ابتداء ہی سے علمی شوق کے ساتھ عبادت کا ذوق بھی تھا جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا' حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کچھ حالات سنایا کرتے تھے۔ حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب سے تلمذ کے بعد دارالعلوم دیو بند ہی میں مدرس مقرر ہوئے' مفوضہ کتب کے علاوہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس ترجمہ قرآن کریم بہت شوق و ذوق سے دیا کرتے تھے اور جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ موطا امام مالکؒ کے درس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا' دارالعلوم دیو بند ہی میں ابتدائی تدریسی عہد میں ''مقامات حریری'' کا حاشیہ لکھا اور ''مشکوٰۃ المصابیح'' کی شرح شروع کی تھی' اسی وجہ سے ابتدائی تدریسی زندگی میں مرحوم کو متوسط درجہ کی کتابوں سے آگے کی کتابیں برائے تدریس دی گئیں تھیں' چنانچہ ابتدائی دور میں جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی جیسے محقق روزگار کو مشکوٰۃ المصابیح دی گئی تھی وہاں

مرحوم کو بھی مشکوٰۃ المصابیح کی جماعت ثانیہ حوالہ کر دی گئی تھی۔ ۱۳۴۶ھ میں دار العلوم سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استعفاء دیا اور فتنے کا دور شروع ہوا' اس لئے حضرت مرحوم کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے تدریسی شغل کو جاری رکھیں نیز حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم سے تعلقات تھے ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا اس لئے مرحوم دار العلوم کو خیر باد کہہ کر حیدر آباد دکن جا کر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے' وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا' بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا' حضرت مرحوم کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر انہوں نے صحیح بخاری کا درس لینا شروع کیا اور یکصد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا' حضرت مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے' تمام رات فتح الباری کا مطالعہ کرتے تھے اور جتنی فتح الباری مطالعہ کی اتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے فرصت بھی مل گئی' اسی دوران حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں یہ سفر کیا گیا' حج ادا کرنے سے پہلے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کی خدمت میں بقصد بیعت تشریف لائے' دیو بند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے بجنور تشریف لے گئے ہیں' بہت بے چینی سے بجنور پہنچے' حضرت امام العصر شاہ صاحب کا قیام مولانا شیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا اور راقم الحروف بنوری اس وقت پہلی مرتبہ خادم خصوصی کی حیثیت سے شرف خدمت سے سرفراز تھا' یہ ماہ شوال کے اواخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے' میری موجودگی میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی' اس وقت کی تمام کیفیات و حالات الحمد للہ سب یاد ہیں' حضرت شاہ صاحب کی وفات ۳ صفر ۱۳۵۲ھ کو ہوئی' حضرت شاہ کی وفات کے بعد مجاہد عصر و عارف باللہ شیخ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے زمانہ صدارت میں دیو بند دوبارہ تقرر ہوا' اور غالباً اسی دوران حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہوا اور آخر تک دار العلوم ہی میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تقسیم ہندوستان کا تاریخی واقعہ پیش آیا اور ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے' کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاول پور میں تعلیمی خدمات انجام دیں' بعد ازاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہما اللہ کی دعوت پر لاہور تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ میں جس کی ابتداء نیلا گنبد سے ہوئی شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور نہایت سکون و اطمینان سے تدریسی و تصنیفی زندگی میں مصروف ترین وقت گذارا' التعلیق الصبیح جو مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ہے وہ موصوف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے' اس کی طباعت کے لئے شام کا سفر کیا اور دمشق میں قیام فرما کر طبع کرائی آخری جزء وہاں طبع نہ ہو سکا رقم ختم ہوگئی' اس کے بعد کی تصانیف میں زیادہ اتقان ہے' تصانیف میں ''سیرۃ المصطفیٰ نہایت عمدہ منقح اور قابل اعتماد سیرت نبوی اردو میں تالیف فرمائی' صحیح البخاری کی شرح ''تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری'' قابل قدر سرمایہ ہے جس کے ابتدائی چند جزء طبع ہو گئے ہیں اور آخری جزء بھی طبع ہو چکا ہے جو نہایت محققانہ انداز میں ہے بلکہ اجزاء سابقہ میں اپنے تحقیقی معیار میں ممتاز ہے' قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' کے نام سے تالیف فرما چکے ہیں جلد پنجم طبع ہوگئی جو سورۃ توبہ پر ختم ہے بلاشبہ عمدہ قابل قدر تفسیر اور

ان کی علمی پختگی کی شاہکار ہے، بعض غررِنقول کا نہایت عمدہ انتخاب فرمایا ہے، کلام باری میں ان کا رسالہ ''الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' نہایت عمدہ رسالہ ہے اور تقریباً تمیں سالہ محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ دارالعلوم دیو بند کے آخری دور میں اس موضوع کا مطالعہ اور لکھنا شروع کیا تھا، میری ناقص رائے میں یہ کتاب تحقیقی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے تمام تالیفات میں امتیازی شان رکھتی ہے ابتداءً حافظ ابن تیمیہ و حافظ ابن القیم سے متاثر تھے لیکن آخر میں امام ابوبکر باقلانی کی ''الانصاف'' سے متاثر ہوئے اور آخری تحقیق جمہور متکلمین کے بالکل موافق ہوئی اور یہی رنگ تمام کتاب میں واضح ہے، حضرت مرحوم کی قابل رشک زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام لمحاتِ حیات علمی کدو کاوش سے فارغ نہیں بیٹھے اور اس میں ایسا استغراق رہا کہ دنیا کی خبر نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان رہا کہ دنیوی افکار و اشغال سے فارغ رکھا اور تمام افکار و اشغال علمی بادیہ پیمائی میں صرف ہوئے اور علمی جدو جہد کا سلسلہ اور قوت حافظہ آخری لمحات حیات تک باقی رہی، عربی شعر کا بہت قابل قدر ذوق تھا بے تکلف اور برجستہ شعر کہتے تھے، فارسی شعر بھی فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت مرحوم حدیث و تفسیر میں اپنے اہل عصر میں ممتاز رہے، وہ محدث تھے، مفسر تھے، ادیب تھے شاعر تھے، صوفی مزاج تھے، صوفیانہ لطائف و معارف سے بہت ذوق تھا، مرحوم اپنے فضل و کمال کے پیش نظر جس قدر دانی کے مستحق تھے وہ نہ ہوسکی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ شہرت نہ ہوسکی، مکارم اخلاق عالمانہ تھے، لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، اپنی رائے پر پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے، اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، اہل علم کے قدر دان تھے، خفیف الجسم لطیف الروح تھے، مزاج میں انتہائی سادگی تھی، دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے، مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق تھے، ان کے اوقات علم و عمل اور درس و تدریس سے معمور تھے، کتابوں کے عاشق تھے نئی مطبوعہ کتاب جس قیمت سے بھی ملتی تھی خرید لیتے تھے، خوش مزاج تھے مجلس لطائف و ظرافت سے مالا مال ہوتی تھی، مہمان نواز تھے، آخری ملاقات وفات سے دو ہفتے پہلے ہوئے تھی، الحمد للہ کہ حسب معمول نہایت شفقت و محبت فرمائی کسے معلوم تھا کہ یہ علمی پیکر، معارف و لطائف کا خزانہ اخلاق کا مجسمہ، سراپا علم و فضل، محدث و مفسر، ادیب، یگانہ روزگار ہستی اتنی جلد ہم سے رخصت ہونے والی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے درجات عالیہ نصیب فرمائے اور اپنی خصوصی رحمت و رضوان سے مالا مال فرمائے۔ زلات و سیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے، افسوس کہ جنازہ کی شرکت سے محروم رہا، راولپنڈی میں اطلاع پہنچی تھی، ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملنے سے یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی۔

شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ، ستمبر ۱۹۷۴ء

ماہنامہ بینات کراچی

ازمولانا کوثر نیازی مرحوم:

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ سے نیاز مندی کا سلسلہ تقریباً پچیس سال کے عرصے میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ نیلا گنبد لاہور کی جامع مسجد میں خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ مدرسہ اشرفیہ میں حدیث پڑھاتے تھے۔ میں ہفت روزہ ''شہاب'' کا مدیر تھا ان دنوں ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ کی مہم کا دور دورہ تھا کبھی کبھی اکابر علماء کے مشترکہ بیان کی ضرورت پڑتی تا کہ حکومت وقت پر زیادہ سے زیادہ دباؤ پڑ سکے اس سلسلے میں میں کبھی کبھی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ' مولانا ابوالحسنات قادریؒ' حضرت مولانا داؤد غزنویؒ' حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان سے مجوزہ اخباری بیان کی اہمیت عرض کر کے ان کے دستخط حاصل کرتا۔ اب ان حضرات کا نام آیا ہے تو دل آنسوؤں سے وضو کر رہا ہے۔ گزرے ہوئے لمحوں میں سے ان نورانی شخصیتوں کی شفقتیں قلب و دماغ پر جھلمل جھلمل کر رہی ہیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ کچھ وقت جیل میں بھی گزارا۔ اس کا ایک ایک نقش بھی پھر سے تازہ ہو گیا۔

اللہ اکبر! کیا لوگ تھے' کیا علم و عمل تھا اور اس پر کیا عاجزی اور فروتنی تھی زندگی رہی تو ان میں سے ایک ایک بزرگ کی خدمت میں گزرے ہوئے لمحوں کا تفصیلی جائزہ لوں گا کہ حیات مستعار پر جمع شدہ بہت سے قرضوں میں سے ایک قرض یہ بھی ہے۔ فی الوقت تو ایک آہ دل دوز اٹھی ہے اور ہونٹوں پر مچل کر بے اختیار یہ کہلا رہی ہے کہ:

ے وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

ان تمام رجال دین کی شخصیتیں اپنے اپنے رنگ میں منفرد تھیں۔ حضرت مولانا ابوالحسنات قادریؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بہت خوش پوش' خوش خور اور نفاست پسند بھی تھے' ادب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے' سیاست کے اتار چڑھاؤ پر بھی ان کی نظر نہایت گہری تھی۔ حضرت ابوالحسنات اعلیٰ درجہ کے طبیب اور نباض تھے۔ میں نے کبھی کبھی ان سے علاج معالجہ بھی کرایا (اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اصرار کے باوجود دواؤں کی قیمت کبھی نہیں لی) اسی طرح حضرت لاہوری

بڑے بزرگ بلکہ عمر کے آخری حصے میں تو مجذوبیت تک پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ سیاست اور ملکی امور میں واشگاف کلمہ حق کہنا ان پر ختم تھا مگر درویشی اور سادگی اور سلف صالحین کے طریقے پر چلنے کا جو رنگ حضرت کاندھلویؒ میں نظر آیا معلوم نہیں کیوں دل اختلاف ذوق کے باوجود ان کی طرف کھنچتا ہی چلا گیا۔ سالہا سال میں فارغ لمحات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوکر کسب فیض کرتا رہا۔ حدیث نبویؐ کے مشکل مقامات بھی انہیں کی مجلس میں حل ہوئے۔ پرانی کتابوں کے حوالوں کا جو استحضار یہاں دیکھنے میں آیا وہ پھر کہیں نظر نہیں آیا۔ اپنی طرف سے تو کبھی مولانا نے کچھ فرمایا ہی نہیں جب کبھی کچھ کہا سند کے ساتھ کہا۔ اکثر کہا کرتے تھے۔

''مولوی صاحب (اور یہ مولوی صاحب ان کا ہر طالب علم کے ساتھ طرز تخاطب تھا) دین کوئی سائنس تو ہے نہیں کہ اس میں نئی بات کی جائے یہ تو بہت پرانی چیز ہے اس میں بات بھی پرانی چلے گی۔ ایجادات تو سائنس کے میدان میں ہوتی ہیں جس کو نئی بات کا شوق ہو وہ دین کا نہیں سائنس کا طالب علم ہو جائے۔''

بات ان بزرگوں کے اخباری بیانات سے شروع ہوئی تھی۔ اکثر بیانات تو اسلامی دستور کے موضوع پر ان حضرات کے مشترکہ ہی ہوا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ بیان کا طرز تحریر حضرت کاندھلوی کو کچھ زیادہ ہی سیاسی محسوس ہوا تو انہوں نے اپنے قلم سے وہیں ایک جداگانہ بیان قلمبند کر کے میرے حوالے کر دیا۔ اس بیان کی بھی ایک اپنی شان ہوتی تھی۔ شروع میں عربی زبان کے اندر پورا خطبہ مسنونہ اس کے بعد ''امابعد'' لکھ کر آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے استدلال و استشہاد کرتے ہوئے اصل حرفِ مطلب لکھتے جو صرف اور صرف حکمرانوں کو خوف آخرت دلاتے ہوئے اسلامی آئین کے برکات وفضائل پر مشتمل ہوتا۔ میں عرض کرتا ''حضرت یہ تو اخباری بیان نہ ہوا مضمون ہو گیا اسے کون چھاپے گا تھوڑا اسے سیاسی رنگ بھی دینا پڑے گا'' تو ہمیشہ یہی جواب دیتے ''مولوی صاحب ہم تو سیاست ویاست جانتے نہیں ہم تو صرف قرآن وحدیث کی بات کریں گے کوئی چھاپتا ہے چھاپے نہیں چھاپتا ہے تو نہ چھاپے ہمیں اس سے کیا غرض''۔ اور میں لاجواب ہوکر اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا۔

مولانا کی درویشی کا عالم یہ تھا کہ اخبار نہیں پڑھتے تھے نہ ہی کوئی اخبار گھر پر آتا میں جب بھی حاضر ہوتا پوچھتے ''مولوی صاحب نئی خبر کیا ہے؟'' میں جستہ جستہ تفصیل عرض کر دیتا۔ ایک دن میں نے عرض کیا ''حضرت! اگر اجازت ہو تو میں اخبار بھجوا دیا کروں آپ تازہ ترین حالات سے باخبر رہیں گے'' فرمانے لگے ''مولوی صاحب! ہم اخبار کیسے پڑھیں ایک تو اس میں فلمی اشتہار ہوتے ہیں دوسرے تصویریں تیسرے خبریں ہوتی ہیں مگر راوی نامعلوم! خدا جانے! یہ ثقہ ہے بھی کہ نہیں ہمیں تو بس اسی طرح خبریں تم ہی بتا دیا کرو۔'' سوال اس کا نہیں کہ آیا ہر کہ ومہ کے لئے تقویٰ اور احتیاط کا یہ معیار مطلوب ہے یا نہیں۔ سوال اس کا بھی نہیں کہ فلم اور تصویر کے بارے میں مولانا کی یہ رائے میرے لئے قابل قبول تھی کہ نہیں۔ میں ظاہر ہے اس سے مختلف نقطہ نظر رکھتا ہوں اور اس کے لئے میرے پاس دلائل بھی ہیں دیکھنے کی چیز تو یہ ہے

کہ جس بات کو حضرت کاندھلوی نے حق جانا اس پر عمل کس سختی کے ساتھ کیا۔ تصویر اور فلم کے بارے میں رائے تو دوسرے علماء کی بھی یہی تھی اور اس وقت بھی اکثر حضرات یہی رائے رکھتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اس پر عمل کتنے اصحاب کا ہے؟ کون ہے جو تصویر نہیں کھنچواتا؟ کون ہے جو اپنی تقریبات میں فوٹو گرافروں کو نہیں بلواتا؟ کون ہے جو ٹی وی کو غلط جاننے کے باوجود اس پر جلوہ افروز نہیں ہوتا؟ کون ہے جو بینکنگ سسٹم کو غلط قرار دینے کے باوجود بنکوں میں اپنے اکاؤنٹ نہیں کھلواتا؟ کون ہے جو جدید تعلیم کا مخالف ہونے کے باوجود اپنے بچوں کو سکولوں اور کالجوں میں نہیں بھیجتا؟ جہاں تک مذہبی حلقوں کا تعلق ہے رائے سب کی وہی تھی اور وہی ہے جو حضرت کاندھلوی کی تھی فرق صرف عمل کا تھا۔ وہ جس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کر کے دکھاتے تھے' جو کہتے تھے اسی کے مطابق ان کا عمل تھا۔ اُسوہ یہ خالصتاً صاحبان عزیمت کا ہے مجھ جیسے اصحاب رخصت نہ اس رستے پر چلنے کی ہمت رکھتے ہیں اور نہ اس دور میں اس کی ضرورت ہی سمجھتے ہیں۔ ہماری بات جانے دیجئے۔ سوال تو ان حضرات سے ہے جو ایک بات مانتے ہیں اور پھر اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس معیار پر میں نے تو اپنی زندگی میں ایک ہی شخص کو بتمام وکمال پورا اترتے دیکھا اور وہ حضرت کاندھلوی تھے۔ تصویر کو ناجائز کہا تو پھر عمر بھر تصویر نہیں کھنچوائی' جلسے میں بھی کسی نے تصویر لینا چاہی تو اسے وہیں ڈانٹ دیا۔ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ خود ان کی اولاد کے پاس بھی ان کی تصویر نہ ہوگی۔ کرسی گھر میں رکھنا خلاف سنت سمجھتے تھے تو پھر ساری عمر چٹائی اور ایک معمولی سی دری پر ہی بیٹھ کر گزار دی۔ مجھے یاد ہے ایک زمانہ میں اپنے وقت کے صاحب جبروت حاکم ملک امیر محمد خان نواب آف کالاباغ نے جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے آپ سے ملنے کی خواہش کی جو شخص پیغام لایا تھا اس سے کہا:

''مولوی صاحب میں تو ان کے پاس جانے کا نہیں کہ حکام کے پاس جانا میرے مسلک کے خلاف ہے وہ یہاں آنا چاہیں تو شوق سے آئیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے کمرہ میں کرسی نہیں رکھنے دوں گا بیٹھیں گے تو وہ بھی میرے ساتھ دری پر بیٹھیں گے۔''

اب اس تفصیل کو جانے دیجئے کہ آگے کیا ہوا؟ مختصر یہ کہ ملاقات ہوئی اور اس پر تعریف نواب کالاباغ کی بھی ہونی چاہئے کہ انہوں نے شرط منظور کی اور ایک بوریا نشین فقیر کی کتابوں سے اٹے ہوئے کمرے میں نیچے بیٹھ کر ان سے بات چیت کی۔ سچ ہے رسول پاک ﷺ کے غلاموں کی بات ہی کچھ اور ہے۔

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں
تخت والوں سے بھی اونچے ہیں ترے خاک نشین

حج پر جانے کی آرزو برسہا برس سے تھی۔ جس عالم دین نے مشکوٰۃ کی شرح عربی زبان میں لکھی ہو اور اس کی طباعت بھی قاہرہ میں ہوئی ہو' پروپیگنڈہ اور پبلسٹی کے اس دور میں وہ چاہتا تو سعودی عرب کی حکومت تسہیلات سفر اور ضیافت کا کیا کچھ سامان بہم نہ پہنچاتی مگر وہ تو ان باتوں سے کوسوں دور تھے۔ ان کا ذکر سننا بھی انہیں گوارا نہ تھا۔ کئی

سالوں میں تو جا کر زادِ راہ فراہم ہوا۔ یہ مرحلہ طے ہوا تو فکر دو باتوں کی دامن گیر تھی ایک دن میں حاضر ہوا تو کہنے لگے'' مولوی صاحب! کوئی ایسی صورت کرو کہ پاسپورٹ تصویر کے بغیر بن جائے'' میں نے عرض کیا'' کوشش تو ضرور کروں گا اگر چہ مشکل بہت ہے۔ البتہ ایک گزارش ہے آپ جانے لگیں تو روانگی کی تاریخ پہلے سے بتا دیں کچھ ہم بھی دعا کی درخواست کرسکیں گے'' فرمایا'' مولوی صاحب! دعا تو وعدہ ہے ہر مقام پر نام لے کر کروں گا مگر روانگی کی تاریخ میں نہیں بتاؤں گا اور ہاں دیکھنا کہیں اخبار میں نہ آجائے کہ حج پر جا رہا ہوں شہرت ہوگی اور عجب و کبر کا ڈر ہے'' اب یہ معلوم نہیں یہ فوٹو کا ہفت خواں کیسے طے ہوا میں تو اپنی کوشش میں ناکام ہوگیا تھا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ وہ بغیر تاریخ بتائے تشریف لے گئے اور بغیر تاریخ بتائے واپس تشریف لے آئے نہ جاتے ہوئے رخصت کرنے والوں کا ہجوم تھا نہ آتے ہوئے استقبال کرنے والوں کا اژدہام ۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہوتو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

میں حکومت میں آیا تو ان سے رابطہ بدستور رہا۔ کئی دفعہ حاضری دی مگر کیا مجال کہ کبھی کوئی کام کہا ہو یا کسی کی سفارش بھی کی ہو۔ اسلامی مشاورتی کونسل بننے لگی تو میری خواہش تھی کہ اس کی رکنیت قبول فرمالیں مگر میں ان کے مزاج سے واقف تھا ڈر تھا کہ انکار کر دیں گے ۔ میں نے ان کے صاحبزادے مولانا میاں محمدؒ صدیقی کو واسطہ بنایا لاہور سے کراچی جاتے ہوئے میں نے انہیں لاہور اسٹیشن پر آنے کی زحمت دی اور ان سے عرض کیا کہ اس کونسل سے یہ امید تو کم ہے کہ یہ اسلامی نظام لے آئے گی اور ویسے بھی یہ اس وقت وزارت قانون کی تحویل میں ہے میرا اس سے قانونی رشتہ نہیں لیکن میں اس کی تشکیل پر اثر انداز ضرور ہوسکتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ حضرت کاندھلوی اس کی رکنیت قبول فرمائیں۔ کونسل میں ان کے وجود سے یہ ضمانت مل جائے گی کہ یہ ارادہ ہے اور نہیں تو کم سے کم اسلام کے خلاف کوئی سفارش نہیں کرنے پائے گا۔ مولانا محمد میاں بہت ذہین نوجوان ہیں میری بات کو پا گئے جاتے ہوئے میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت سے عرض کرنا کہ اگر انہوں نے انکار کر دیا اور کل کلاں اس ادارے سے کوئی خلاف اسلام حرکت سرزد ہوگئی تو قیامت کے دن ان سے بھی اس کی باز پرس ہوگی کہ انہوں نے یہ ذمہ داری کیوں قبول نہیں کی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے یہ جملہ کام کر گیا۔ مولانا محمد میاں نے فون کیا کہ حضرت مان گئے ہیں۔ اپنے مزاج' مسلک اور وضع کے خلاف وہ کونسل کے ممبر بن گئے میں خوب جانتا تھا کہ اس میں میری دلداری کا پہلو بھی تھا اس لئے مجھے ہمیشہ اس بات کا خیال رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ رکنیت توقع کے مطابق نتائج پیدا نہ کر سکے۔ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا اس کی سرگزشت سنانے کا یہ موقع نہیں البتہ حضرت مولانا کے مبسوط اور مضبوط دلائل کا چرچا میں نے وزارت قانون اور کونسل کے حلقوں میں بار ہا سنا اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اور نہیں تو کم سے کم مولانا کے ہوتے ہوئے کونسل میں لادینی رجحانات کو فتح نہیں ہو سکے گی ۔

حضرت کاندھلوی کا جنازہ اٹھا تو کندھا دینے کی سعادت مجھے بھی نصیب ہوئی۔ دنیا دار الفنا ہے بقا صرف خدا کی ذات کو ہے۔ جو آیا ہے چلا جائے گا مگر کچھ جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے جانے پر زمین و آسمان روتے ہیں۔ مولانا کا وجود انہیں نفوس قدسیہ میں سے ایک تھا۔ اپنی لاتعداد حاضریوں کے دوران میں نے ایک بار بھی ان کی زبان سے کسی کی غیبت نہیں سنی۔ تسبیح اور تحمید کا معمول تو یہ تھا کہ ہر دوسرے تیسرے فقرے پر رک کر زیر لب خاموشی سے ورد فرما لیا کرتے۔ ''معارف القرآن'' کے نام سے تفسیر قرآن بھی لکھی۔ سیرت النبیؐ بھی کئی جلدوں میں مکمل فرمائی، علم کلام اور عقائد پر کئی کتابیں سپرد قلم فرمائیں مگر آج علم کی کساد بازاری کا عالم یہ ہے کہ شاید گنتی کے آدمیوں کو اس علمی خزانہ کی اطلاع ہوگی۔ میرے لئے یہ بات سرمایۂ صد افتخار تھی کہ ہمیشہ اپنی ہر کتاب دستخطوں کے ساتھ شفقت بھرے جملے تحریر فرما کر مجھے عطا کی۔ علماء اب بھی ہیں لیکن کاش مذہبی حلقوں میں ایک دوسرا شیخ الحدیث کاندھلوی بھی پیدا ہوسکتا ہے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

﴿۸﴾

شیخ الاسلام

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۱۰ھ

وفات: ۱۳۹۴ھ

مولانا اقبال احمد قریشی:

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے احوال وسوانح مولوی حسام اللہ شریفی کے سوالات کے جواب میں خود تحریر فرمائے تھے جسے مرکزی مجلس صیانۃ المسلمین لاہور نے انوار النظر فی آثار الظفر کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا تھا۔ احقر اس کے تلخیص کی سعی کرتا ہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان۔

بندہ محمد اقبال قریشی ہارون آبادی غفرلہ۔
ناظم مرکز تبلیغ اسلام صیانۃ المسلمین ہارون آباد۔

ابتدائی حالات:

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمقام دیوبند محلہ دیوان اپنے جدّی گھر میں پیدا ہوئے اصلی نام ظفر احمد ہے نھیال نے ظریف احمد نام رکھا اور تاریخی نام مرغوب نبی سے نکلتا ہے والد ماجد کا نام شیخ لطیف احمد عثمانیؒ ہے جو حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ سے بیعت تھے اور نماز روزہ کے پابند تھے والدہ ماجدہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی حقیقی بہن تھیں۔

تعلیم و تربیت:

ناظرہ قرآن پاک حافظ نامدار صاحب، حافظ غلام رسول صاحب اور مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم سے پڑھا اس کے بعد نو سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں درجہ فارسی میں داخل ہوئے اور ابتدائی فارسی کتب سے گلستان بوستان تک حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ (والد ماجد مفتی اعظم پاکستان سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم) سے پڑھیں۔ حساب منشی منظور احمد صاحب دیوبندی سے سیکھا۔ والد صاحب گھر پر انگریزی پڑھاتے تھے مگر حضرت مولانا تو انگریزی سے اتنی نفرت تھی کہ جو کتاب ختم ہوتی فوراً اسے جلا دیتے۔ جب والد صاحب ملازمت کے سلسلہ میں دیوبند سے باہر چلے گئے تو اپنے بڑے بھائی مولانا سعید احمد صاحب تھانوی مرحوم کو خط لکھا کہ میں انگریزی پڑھنا نہیں چاہتا ماموں جان حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اس کا ذکر کر کے اطلاع دیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کو اس خط سے بڑی خوشی ہوئی اور

آپ کو تھانہ بھون بلا لیا اس وقت آپ کی عمر بارہ سال تھی چنانچہ یہاں آپ نے عربی کی ابتدائی کتب حضرت عبداللہ صاحب گنگوہی مصنف تیسر المبتدی سے پڑھیں ترجمہ قرآن پاک حضرت مولانا شاہ لطف رسول صاحب سے پڑھا جب مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ کچھ مدت قیام کرنے کے لئے گنگوہ تشریف لے گئے تو التلخیصات کے بعض اسباق خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے پڑھائے۔ اس کے بعد جب حضرت حکیم الامت نے تفسیر بیان القرآن لکھنا شروع کی تو فرمایا'' اب میں نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی ہے جس کے لئے بہت وقت کی ضرورت ہے اب میں تم دونوں بھائیوں کو خود نہیں پڑھا سکتا تم دونوں مدرسہ جامع العلوم کان پور چلے جاؤ وہاں میرے خاص دوست احباب ہیں''۔ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں کانپور تشریف لے گئے چنانچہ جلالین شریف حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانیؒ اور ہدایہ آخرین ومشکوٰۃ مولانا محمد رشید صاحب کانپوریؒ سے پڑھیں۔

دورۂ حدیث جامع العلوم کانپور ہی میں ۲۶-۱۳۲۵ھ میں حضرت مولانا اسحاق صاحب بردوانیؒ سے پڑھا شعبان ۱۳۲۶ھ میں امتحان فراغت دینیات ہوا۔ جامع العلوم کانپور میں امتحان فراغت درسیات سے قبل امتحان فراغت دینیات ہوتا تھا۔ امتحان کے بعد تعطیل رمضان میں تھانہ بھون تشریف لائے اسی سال یعنی ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ میں مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی جامع العلوم کانپور سے مستعفی ہوکر مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے اور مولانا محمد رشید صاحبؒ نے بھی چند دنوں بعد استعفیٰ دے دیا۔ اس طرح مدرسہ جامع العلوم کانپور جو مشرقی اضلاع میں دارالعلوم دیوبند کا نمونہ تھا ان حضرات کے چلے جانے سے اس شان کا نہ رہا۔ چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ کے مشورہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے طلب فرمانے پر وسط محرم ۱۳۲۷ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تشریف لے گئے اور منطق فلسفہ ریاضی وہیئت کی کتب مولانا عبدالقادر صاحب پنجابی اور مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ سے پڑھیں۔ گاہے بگاہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے درس بخاری میں شریک ہوئے غرض دو سال بعد کتب درسیات سے فارغ ہوگئے۔

پہلا حج:

اسی سال ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ مولانا عبداللہ گنگوہیؒ مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے ساتھ پہلا حج کیا۔

شادی خانہ آبادی:

۳ ذوالحجہ ۱۳۲۹ھ کو حضرت حکیم الامتؒ کی اہلیہ صغریٰ کی بہن کے ساتھ تھانہ بھون میں شادی خانہ آبادی ہوئی۔ انہوں نے حضرت حکیم الامتؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شادی کے چالیس سال بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مظاہر العلوم میں بطور مدرس:

ربیع الاول ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرسی پر فائز ہوئے اور سات آٹھ سال تک فرائض تدریس سرانجام دیتے رہے ابتداء میں شرح وقایہ نور الانوار وغیرہ پڑھائیں پھر بتدریج ہدایہ مشکوٰۃ میبذی شرح عقائد مع حاشیہ خیالی وغیرہ پڑھائیں۔ عربی ادب سے مناسبت کے سبب سبعہ معلقہ ومتنبّی وغیرہ بھی آپ ہی کے سپرد تھیں۔

مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں بطور مدرس:

۱۳۳۶ھ میں سہارنپور کی آب وہوا ناموافق ہونے کے سبب مظاہر العلوم سے ایک سال کی رخصت لے کر مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ (بستی تھانہ بھون) میں قیام کیا جہاں ابتدائی کتب سے لے کر بخاری ومسلم بھی پڑھانے کی نوبت آئی۔

دوسرا حج:

پھر رخصت میں مزید توسیع کر کے ۱۳۳۸ھ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ دوبارہ حج بیت اللہ وزیارت مدینہ منورہ کی توفیق ہوئی اس سفر میں حضرت حکیم الامت کی اہلیہ صغریٰ مع اپنے والد والدہ کے تھیں۔

خانقاہ تھانہ بھون میں قیام:

حج سے واپسی کے بعد تھانہ بھون میں مستقل قیام کرلیا جہاں علاوہ درس وتدریس کے تالیف کا ایک شعبہ بھی سپرد ہو گیا جہاں تفسیر بیان القرآن کی تلخیص اور اعلاء السنن کی تالیف شروع فرمائی اس کے علاوہ خدمت افتاء بھی سپرد تھی حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کے فتاویٰ کا نام امداد الاحکام تجویز فرمایا سات جلدوں میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں محفوظ ہے اس کا کچھ حصہ رسالہ الہادی دہلی میں بھی شائع ہوا۔

کانگرس اور خلافت کمیٹی:

اسی زمانے میں کانگرس اور خلافت کمیٹی کی تحریکات شروع ہوئیں حضرت حکیم الامتؒ کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا کوئی تحریک چلانا پسند نہ تھا اس لئے ان تحریکات سے الگ رہے۔ حضرت مولانا نے حضرت مولانا حکیم الامتؒ کے مسلک کی تائید میں تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین تین حصوں میں تالیف فرمائی جب میں مسلمانوں کو شرکت کانگرس سے روکا گیا اور اس کے دینی ودنیوی نقصانات پر توجہ دلائی گئی۔

مسلم لیگ کی حمایت:

پھر جب مسلم لیگ نے کانگرس سے الگ ہوکر آزادی ہند کا مطالبہ کیا تو حضرت حکیم الامت نے اس کی تائید فرمائی اور تنظیم المسلمین، تعلیم المسلمین اور تفہیم المسلمین کے نام سے چند مضامین شائع فرمائے مسلم لیگ نے پہلا الیکشن کانگرس سے الگ ہوکر جھانسی میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے تار پر دریافت کیا کہ کانگرس اور مسلم لیگ میں کس کو ووٹ دیا جائے۔ حضرت حکیم الامت نے حضرت مولانا مرحوم اور حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ کے مشورہ سے یہ تار دیا کہ" کانگرس

کو ووٹ نہ دو چنانچہ اسی تار پر مسلم لیگ کانگرس سے یہ الیکشن جیت گئی۔

حفظ قرآن پاک:

اسی زمانہ یعنی ۱۳۴۴ھ میں باوجود درس و تدریس اور خدمت افتاء و تالیف کے مشاغل کے ساتھ صرف چھ ماہ میں قرآن پاک حفظ فرمالیا۔

مدرسہ راندیریہ رنگون میں بطور ناظم:

۱۳۴۹ھ میں آنکھوں میں کچھ بیماری کا اثر ہونے کے سبب طبیب نے ساحل بحر پر قیام تجویز کیا تو حضرت حکیم الامتؒ کے مشورہ سے مدرسہ راندیریہ رنگون میں بطور ناظم تشریف لے گئے۔ رنگون سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک بستی ڈیڈنو نام تھی جہاں کے سارے مسلمان بہائی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گئے تھے حضرت مولانا نے حاجی محمد یوسف صاحب تاجر رنگون کے تعاون سے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ کا کام شروع کیا چنانچہ بحمداللہ حضرت مولاناؒ کی مساعی سے ایک سال میں سب مسلمان تائب ہو گئے۔

حج سوم:

اسی زمانے یعنی ۱۳۴۸ھ میں تیسری بار حج وزیارت مدینہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ حج سے واپسی کے بعد چند روز تھانہ بھون قیام کر کے واپس رنگون چلے گئے رنگون صرف ایک سال کے لئے گئے تھے مگر وہاں تبلیغی ضرورتوں کے باعث ڈھائی سال لگ گئے اس کے بعد غالباً ۱۳۵۸ھ تک تھانہ بھون میں مقیم رہے اور اعلاء السنن کی تکمیل فرمائی۔

یونیورسٹی ڈھاکہ میں بطور استاد:

ذوالحجہ ۱۳۵۸ھ میں حضرت حکیم الامت کی اجازت سے ایک سال کی رخصت لے کر یونیورسٹی ڈھاکہ تشریف لے گئے جہاں آپ کے ذمہ ہدایہ، بخاری شریف، مسلم شریف اور کتاب التوحید کے اسباق تھے۔

مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ کا قیام:

یونیورسٹی کے علاوہ آپ نے اپنی زیر سرپرستی مدرسہ اشرف العلوم قائم کیا جہاں مؤطا امام مالک، بیضاوی اور مثنوی شریف کا درس بلا معاوضہ اپنے ذمہ لیا۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے تھے چنانچہ ڈاکٹر رشید اللہ، ڈاکٹر سراج الحسن اور ڈاکٹر جیلانی نے اسی مدرسہ میں آپ سے تعلیم پائی۔

حضرت حکیم الامت کی حالت نزع میں موجودگی کی سعادت:

ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں تعطیلات گرما گزارنے تھانہ بھون تشریف لائے تو اس زمانے میں حضرت حکیم الامتؒ کو بھوک ساقط ہونے اور دست بڑھ جانے کی شکایت تھی یہ حالت دیکھ کر جون ۱۹۴۳ھ میں واپس ڈھاکہ تشریف لے گئے تو جولائی میں گھر والوں کا خط آیا کہ حضرت حکیم الامت کی حالت خراب ہو چکی ہے چنانچہ ایک ماہ کی رخصت لے کر تھانہ

بھون تشریف لائے حضرت حکیم الامتؒ بہت خوش ہوئے ایک ماہ کی رخصت کا سن کر فرمایا بہت تھوڑی ہے عرض کیا بعد میں توسیع کرالی جائے گی فرمایا بہت اچھا مگر دس دن بعد ہی حضرت حکیم الامتؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور توسیع کی ضرورت نہ رہی۔ حضرت مولانا نے حالت نزع میں حضرتؒ کو آب زم زم میں شہد ملا کر چمچہ سے پلایا اور سورۂ یٰسین پڑھی آخری خدمت حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کے ہی مقدر میں رکھی تھی بعض حضرات سال بھر یا چھ ماہ سے تیمار داری کر رہے تھے آخر وقت میں موجود نہ تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت حکیم الامت کے جنازہ پڑھانے کی سعادت:

حضرت حکیم الامتؒ کے چھوٹے بھائی منشی مظہر الٰہی صاحب کے کہنے پر حضرت حکیم الامتؒ کا جنازہ آپ ہی نے پڑھایا۔ حالانکہ دوسرے بڑے بڑے علماء بھی موجود تھے۔

حضرت حکیم الامت کی بشارت:

حضرت حکیم الامتؒ نے وفات سے دو یوم قبل جب کہ ہاتھوں میں لکھنے کی طاقت نہ تھی یہ تحریر خود لکھ کر عطا فرمائی تھی۔هنيئالكم انموذج اية و جعلناها و ابنها اية للعالمين۔

جمعیت علماء اسلام کی تشکیل:

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی چار دن تک کلکتہ میں اجلاس ہوتے رہے خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسا اجلاس کلکتہ میں کبھی نہیں ہوا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو صدر منتخب کیا گیا اور حضرت مولاناؒ نے پورے ہندوستان کا تقریباً چار ماہ میں پاکستان الیکشن کے لئے دورہ کیا اس دورہ کے نتیجہ میں حق تعالیٰ نے مسلم لیگ کو مرکزی اسمبلی میں نمایاں کامیابی عطا فرمائی چنانچہ نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم نے اس کے اعتراف پر آپ کو دہلی سے خط تحریر کیا۔

سلہٹ ریفرنڈم میں کامیابی کا سہرا:

سلہٹ اور سرحد کے ریفرنڈم کے بارے میں کانگرس کو اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے۔ قائداعظم نے اس کو منظور کرلیا قرارداد پاکستان منظور ہوجانے کے سبب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو قائداعظم سے ان کی کوٹھی پر ملے اور کہا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس الیکشن میں مسلم لیگ کامیاب ہو تو اس کا اعلان کردیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا ہم دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور انشاء اللہ مسلم لیگ کامیاب ہو گی۔ قائداعظم نے فرمایا کہ آپ میری طرف سے اس کا اعلان کردیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ

سرحد ریفرنڈم کے لئے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کام کریں اور سلہٹ ریفرنڈم کے لئے حضرت مولاناؒ چنانچہ دونوں حضرات نے ایسا کام کیا کہ ریفرنڈم میں مسلم لیگ کامیاب ہوئی۔ سلہٹ ریفرنڈم کی کامیابی حضرت مولاناؒ ہی کے مساعی کا نتیجہ تھا چنانچہ آپ نے اس کامیابی پر نوابزادہ لیاقت علی خان کو مبارک باد دی تو انہوں نے فرمایا اس مبارکباد کے آپ زیادہ مستحق ہیں اسی طرح سلہٹ ریفرنڈم کی کامیابی پر قائداعظم نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے مبارکباد دینے پر فرمایا''مولانا اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہی ہیں یہ ساری کامیابی علماء کی بدولت حاصل ہوئی۔

سابق مشرقی پاکستان کی پرچم کشائی:

۱۴راگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷ر رمضان ۱۳۶۶ء کو پاکستان منصۂ شہود پر آیا تو خواجہ ناظم الدین وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان نے آپ ہی سے پرچم کشائی کرائی حضرت مولاناؒ نے اس مولانا پر سورۂ فتح کی ابتدائی آیات کی تلاوت بھی فرمائی۔ اس کے بعد پاکستان میں اسلامی آئین کے لئے آپ قائداعظم اوزان کی وفات کے بعد نوابزادہ لیاقت علی خاں مرحوم سے ملتے رہے چنانچہ اسلامی دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کرائی۔

مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے تعلق:

۱۹۴۸ء میں آپ نے ڈھاکہ یونورسٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور آپ کا تعلق مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے ہو گیا۔

سفر حجاز:

اگست ۱۹۴۹ء مطابق شوال ۱۳۶۸ھ میں آپ حکومت پاکستان کی طرف سے وفد خیر سگالی میں سعودی عرب گئے اس کی پوری تفصیل سفرنامہ حجاز حصہ دوم میں ہے اس سفر سے واپسی کے بعد محرم ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔

۲۲ دستوری نکات کے وفد علماء میں شرکت:

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ نے ہر مکتب خیال کے علماء کا اجتماع کراچی میں طلب کر کے ۲۲ دستوری نکات بالاتفاق پاس کر کے حکومت کو بھیجے تھے۔ ان میں حضرت مولاناؒ بھی شامل تھے۔

تحریک ختم نبوت میں کام:

۱۹۵۲ء میں تحریک ختم نبوت چلی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مشرقی پاکستان میں بڑا کام کیا۔ جلسے کئے حکام سے ملاقاتیں کیں۔

دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں تشریف آوری:

جون ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے ریٹائر ہو گئے۔ اسی زمانے میں سابق مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ مسلم لیگ کے مقابلہ میں کامیاب ہوگئی تو حضرت مولاناؒ دل برداشتہ ہو گئے اور مغربی پاکستان آنے کا ارادہ کیا مگر اس سے پہلے

حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر ڈھاکہ تشریف لائے ہی تھے کہ اکتوبر ۱۹۵۴ء میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں بطور شیخ الحدیث بلانے کے لئے آپ کے پاس پہنچے۔ حضرت مولاناؒ نے وعدہ فرمالیا اور اواخر اکتوبر میں ٹنڈوالہ یار پہنچ گئے اور آخر وقت تک اسی دارالعلوم میں بطور شیخ الحدیث فرائض سرانجام دیتے رہے۔

تربیت باطن:

حضرت حکیم الامت ہی کے مشورہ سے آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ مگر شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت سہارنپوریؒ کے حج پر تشریف لے جانے اور بظاہر ہجرت کی نیت پر آپ حضرت حکیم الامتؒ ہی سے رجوع ہوئے اور جو حالات پیش آتے رہے وہ خط وکتابت کی صورت میں تربیت السالک میں منضبط ہو گئے اور انوار النظر فی آثار الظفر حصہ دوم کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہوئے ہیں حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو سلسلہ عالیہ چشتیہ امدادیہ اشرفیہ میں اجازت اور خلافت سے نوازا۔ شوال ۱۳۳۴ھ میں حسب معمول مظاہر العلوم سہانپور حاضر ہوئے تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے آپ کو مبارکباد دی۔ حضرتؒ نے عرض کیا۔ ''پوری مبارکباد تو جب ہوگی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھی اس کی تصدیق فرمادیں۔'' اس پر مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے فرمایا'' وہ بھی انشاء اللہ تصدیق فرمادیں گے اور تمہارا شیخ تو میں بھی ہوں میں تم کو اپنی طرف سے اجازت وخلافت دیتا ہوں۔'' اس پر حضرتؒ مولانا نے فرمایا'' واقعی آپ بھی میرے شیخ ہیں آپ کی طرف سے اجازت وخلافت بھی میرے لئے بڑی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔'' چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے حرمین شریف سے واپسی کے ایک سال بعد آپ کے حالات باطنہ میں غور فرما کر اس کی تصدیق فرمادی۔ چنانچہ اس طرح آپ تین اکابرین کے خلیفہ خاص تھے۔

مشاہیر خلفاء:

آپ نے تیرہ اشخاص کو خلافت سے نوازا ہے جس میں مغربی پاکستان میں مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ جیکب لائن کراچی اور مولانا عبدالشکور ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا ہیں۔

مشاہیر تلامذہ:

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کانپوریؒ۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدظلہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ ناظم مظاہر العلوم سہارنپور آپ کے مشاہیر تلامذہ ہیں جن سے دنیا بخوبی متعارف ہے۔

سب سے بڑی علمی تصنیف:

آپ کی سب سے بڑی علمی تصنیف مقدمہ اعلاء السنن اور اعلاء السنن جو تقریباً بیس جلدوں میں مکمل ہوئی۔ انشاء اللہ یہ تصنیف رہتی دنیا تک آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے اگر یہ کتاب مدارس عربیہ کے نصاب میں شامل ہو جائے تو بڑی

مفید رہے گی۔

حضرت مولانا کی ایک خواہش:

ایک خیال یہ بھی ہے کہ مشکوٰۃ میں فصل رابع کا اضافہ کر کے ہر باب میں اعلاء السنن کے متن احادیث مؤیدہ حنفیہ فصل رابع میں بڑھادی جائیں تاکہ مشکوٰۃ پڑھنے والوں کو ہر باب میں حنفیہ کے دلائل بھی ساتھ ساتھ معلوم ہوتے رہے۔ احادیث متن کی شرح حضرات مدرسین کو اعلاء السنن سے معلوم ہو سکے گی۔ (انوار النظر حصہ اول ص ۵۱) حضرت مولاناؒ کی یہ خواہش حضرات علماء کرام کے لئے ایک دعوت عمل ہے۔

سقوط مشرقی پاکستان سے صدمہ:

حضرت مولاناؒ کو سقوط مشرقی پاکستان کا بے حد صدمہ تھا ایک مرتبہ احقر ناکارہ نے ایک عریضہ لکھا جس میں مشرقی پاکستان کا کوئی ذکر نہ تھا تو جواباً تحریر فرمایا ''آپ کے کام سے خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ برکت دیں اور مشرقی پاکستان کو جلد پاکستان میں ملا دیں۔

کچھ ارشادات مکتوبات وغیرہ:

احقر ناکارہ نے شعبان ۱۳۹۲ھ میں توکل علی اللہ یہاں ہارون آباد میں مجلس صیانۃ المسلمین کی شاخ تشکیل کر کے کام شروع کیا تو بعض تبلیغی جماعت کے متشددین صاحبان نے اس بات کی حتی المقدور سعی نامشکور کی کہ کسی طرح یہاں مجلس کا کام نہ ہو سکے۔ حالانکہ ان صاحبان کو بارہا سمجھایا گیا کہ مجلس کا کام ان کے لئے مفید و معاون ثابت ہوگا۔ معاذ اللہ ان کے مخالف نہ ہوگا تو یہ صاحبان نہ مانے اور اپنا پروپیگنڈہ جاری رکھا اس پر احقر نے حضرت مولاناؒ کو لکھا تو جواباً تحریر فرمایا'' میں نے اپنے سفر نامہ حجاز حصہ دوم میں تبلیغی جماعت کی بعض غلطیوں پر تنبیہ کر دی ہے ان میں یہ بھی ہے کہ جلسہ وغیرہ پر زور دینا غلو اور تشدد ہے بہر حال سب لوگ ایسی غلطی نہیں کرتے بلکہ جماعت کے سرپرست ان غلطیوں کی اصلاح کرتے ہیں عوام کا اعتبار نہیں۔ بلاشبہ حضرت مولاناؒ تبلیغی جماعت اور مجلس صیانۃ المسلمین دونوں کے سرپرست تھے انہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کے ارشاد پر تبلیغی جماعت میں ایک چلہ لگایا تھا اور مولانا محمد الیاس نے اپنی وفات کے بعد امیر جماعت مقرر کرنے کی حضرت مولانا کو ہی وصیت فرمائی تھی حضرت مولانا نے یہ فرما کر بلاشبہ تبلیغی جماعت کے سرپرست ہونے کا حق ادا کیا کہ'' میرے نزدیک اصلاح معاشرہ کے لئے جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہت مفید ہے وہاں یہ فرما کر مجلس صیانۃ المسلمین سے اپنی دلی وابستگی کا اظہار فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا۔'' آخر میں یہ بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اس تبلیغ سے جس کا مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے ونڈ ہے پورا اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیونکہ دونوں کا مقصد خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین ہے صرف طریق کار کا فرق ہے کہ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہے اور صیانۃ المسلمین پوری شریعت پر حاوی ہے جیسا کہ حیاۃ المسلمین کے مطالعہ سے ظاہر ہے

صیانۃ المسلمین میں پہلی تبلیغ کے اصول بھی شامل ہیں جیسا کہ تفہیم المسلمین نے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔

(انوار النظر فی آثار الظفر ص)

(۲) ایک مرتبہ احقر ناکارہ نے انوار النظر حصہ اول ص۸۲ کی عبارت لکھ کر ایک اشکال پیش کیا تو جواباً تحریر فرمایا ''میرے کسی لفظ سے مولانا مودودی کے تبحر علمی پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ وہ محض صحافی مولانا ہیں جیسے محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں زمیندار تھے۔

ف: بندہ احقر قریشی غفرلہ کے نزدیک حضرت مولاناؒ نے مولانا مودودی کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ افراط وتفریط سے پاک ہے۔

ع ان کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

اب اس پر مزید کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں۔ واللہ اعلم۔ تمت بالخیر

ازمفتی جمیل احمد تھانویؒ:

قطعہ تاریخ

(اردو)

زلزلہ سا عالم علمی میں کیوں برپا ہے آج — لرزہ براندام کیوں ہوتی ہے ساری کائنات
فاضلان دھر کیوں حیران و ششدر ہو گئے — اُمڈے کیوں آنکھوں سے دریا آج آخر کیا ہے بات
ایک تاریکی سی کیسی چھا گئی آفاق پر! — کس ولی اللہ نے ماری ہے اس دنیا پر لات
آہ! مولانا ظفر احمد رئیس کارواں — علم کے کوہ بلند اور زہد کے شبلی صفات
عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں — چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہان بے ثبات
اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال — اب کہاں وہ جامع شرع و طریقت نیک ذات
مرکزی جمعیت اسلام کے صدر جلیل — روح اسلامی سیاست مرکز اسلامیات
خانقاہ اشرفی کے مفتی عزت مآب — صاحب تصنیف و تالیف عجائب نادرات
ہندو پاکستان اور بنگال میں درس حدیث — تربیت روح میں جاری فیض کے دجلہ فرات
خط کتابت سے زمین سے آسمان تک کا عروج — انقلاب روح کے ضامن تھے جن کے نامہ جات
[illegible]روں آوارہ گرد ملک اور اوباش قوم! — بن گئے برکت سے جن کی صالحین و صالحات
رو رہا ہے ٹنڈو الٰہیار کا دارالعلوم — آہ وہ شیخ الحدیث و مفتی و شیخ نجات
علم کے گہرے سمندر جس کی موجیں ہر طرف — گوہر افشاں کشت پرور باعث سبزہ نبات
ایک اعلاء السنن اٹھارہ جلدوں کی کتاب — مذہب احناف کی جملہ احادیث و نکات
پھر ثبوت آیات کا دو منزلیں قرآن کی — دفتر ''احکام قرآن'' ردجملہ واہیات
ان کتابوں کی ضرورت سب کو ہی صدیوں سے تھی — کر نہ پایا کوئی لیکن اب تک ان پر التفات
پھر بہت سے ہیں رسائل اردو عربی دین — نظم عربی کی ابلاغت رشک سو زادو ہرات

شرف پاکستان کے پرچم کشائے اولین صاحب فتح وظفر سلہٹ میں دے کر سب کو مات

زہد و بے لوثی کا یہ عالم کہ شہرت سے الگ ممبری عہدوں وظیفوں کی نہ جاگیروں کی بات

صبر کی تلقین اب کس کس سے ہو کس کس کو ہو ہر مسلمان کے جگر پر زخم کاری ہے وفات

شمس علم ظاہر و باطن ہوا ہے کیا غروب روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک رات

ہادی[1] عالم ظفر احمد کا لاؤ تو مثیل مفتخر سید سے ہو کیسے شرف کا التفات

۱۳۹۴ھ ۵۸۰ ۱۳۹۴ھ ۵۸۰

۵۸۰ ۵۸۰

۱۹۷۴ء ۱۹۷۴ء

آہ! کیا دن تھے کہ جب تھا موجزن دریائے فیض

آمد دنیا ''دلفضل''[2] ''عید'' تھا دور حیات

فیض ظاہر فیض باطن جب ہے دونوں سے قعور[3]

''شہر ذیقعدہ''[4] مہینہ بن گیا سال وفات

---

[1] یعنی اس پر لفظ مثیل لاؤ ''مثیل ہادی عالم ظفر احمد'' کبھی تو دوسری تاریخ عیسوی بن جائے۔ ایسے ہی سید مفتخر پر ''شرف کا التفات کر'' مشرف مفتخر سیدی کہو تو عیسوی تاریخ ہو جائے۔

[2] بمعنی احسان یہ سال ولادت دنیا میں آنے کا سال ہے۔ ۱۳۱۰ھ اور عید (۸۴ سال زندگی ہے۔)

[3] بیٹھ رہنا' کام بند کر دنیا جو وفات سے بند ہوا۔

[4] وفات کا مہینہ اس لیے سال وفات بن گیا۔

ازمولانا محمد احمد تھانویؒ:

تاریخ ہائے وفات

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱)- علامہ مولوی ظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ از اولیاء بود (۱۹۷۴)

(۲)- ظفر احمد تھانوی فقیہہ وولی بودے (۱۹۷۴)

(۳)- علامۃ الحاج ظفر احمد محدث (۱۹۷۴)

(۴)- الاقتباسات القرانية (۱۳۹۴)

(۵)- وقال اللّٰه جل قوله وحكمه كل نفس ذاقة الموت (۱۹۷۴)

(۶)- وقد قال اللّٰه جل وحيه وكلامه اتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما۔ (۱۹۷۴)

(۷)- فقد قال اللّٰه جل حكمه ان المتقين فى جنات ونهر۔ (۱۹۷۴)

(۸)- قال اللّٰه جل قوله وكلامه ووحيه فى مقعد صدق عند مليك مقتدر۔ (۱۹۷۴)

(۹)- قد قال اللّٰه عزوجل يايتهاالنفس المطمنة ارجعى الى ربك (۱۳۹۴)

(۱۰)- قد قال اللّٰه جل وعده فادخلى فى عبادى وادخلى جنتى (۱۹۷۴)

(۱۱)- سلام عليكم طبتم ادخلوا۔ (۱۳۹۴)

(۱۲)- از نتیجہ فکر محمد احمد تھانوی (۱۳۹۴)

از مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

میرے شیخ کامل

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہ نہ صرف پاکستان کے جید علماء میں سے تھے بلکہ پورے متحدہ ہندوستان کے علماء ومشائخ کی صف اول میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے' واقعہ یہ ہے کہ شریعت وطریقت اور علم وعمل کی ایسی جامع کمالات ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور فی الوقت ایسی عزیز الوجود ہستیاں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ پرانے علماء اور بزرگ اٹھتے جا رہے ہیں اور موجودہ دور میں ایسی باکمال شخصیتیں نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جو اپنے پیش رووں کے خلاء کو پر کر سکیں۔

بلا شبہ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم وعمل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا تھا بلکہ آپ ان کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی' تقدس و بزرگی' دینی علوم میں کمال جامعیت وبصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔

مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں آپ کی نوک قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات وتصنیفات عالم ظہور میں آئیں جن پر عالم اسلام کے مشاہیر علمائے کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔ تھانہ بھون کے علاوہ مولانا مرحوم نے ہندوستان کے مختلف دینی مراکز میں علمی خدمات انجام دی ہیں اور ایک طویل عرصے تک ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے بھی وابستہ رہے ہیں جس کے نتیجے میں آپ سے استفادہ کرنے والے شاگردان کرام میں جہاں اپنے وقت کے بڑے بڑے محدث اور جلیل القدر مفسر نظر آتے ہیں اسی طرح جدید علوم کے ماہرین نے بھی آپ کی ذات بابرکات سے علمی استفادہ کیا ہے۔

مسلم لیگ کی جدو جہد آزادی اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں بھی آپ کی خدمات جلیلہ بڑی قابل قدر بلکہ ناقابل

فراموش ہیں۔ مولانا مرحوم کی سیاسی جدو جہد کا آغاز ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پٹنہ سیشن سے ہوا جہاں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے آپ نے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا تھا۔ اور قائداعظم اور دیگر اکابرین مسلم لیگ کے سامنے حضرت تھانویؒ کے نقطہ نگاہ کی ترجمانی فرمائی تھی۔ اس کے بعد مسلم لیگ اور کانگرس کے آخری فیصلہ کن انتخابات کے سلسلہ میں آپ نے پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگرس کے نظریہ متحدہ قومیت کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر اس کے باطل اثرات کو مٹایا اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس الیکشن کی کامیابی میں مولانا مرحوم کے اس دورہ کا بہت بڑا دخل تھا جس کا برملا اعتراف قائداعظم اور قائد ملت خان لیاقت علی خان مرحوم نے کیا ہے۔

اسی طرح سلہٹ ریفرنڈم کی مہم جو نہایت معرکہ آرا مہم تھی اس کی فتح کا سہرا بھی مولانا مرحوم کے سر تھا۔

ملکی سیاسیات میں مولانا عثمانیؒ شروع سے دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے ہیں اور آپ نے کانگرس کے نظریہ متحدہ قومیت کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور ہر زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے اور ان کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ مولانا مرحوم عام سیاسی لیڈروں کی طرح سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے اور نہ کسی سیاسی جوڑ توڑ اور اکھاڑ پچھاڑ سے کوئی سروکار رکھتے تھے بلکہ ایک بلند مرتبہ دینی رہنما ہونے کی حیثیت سے ملت اسلامیہ کو جب بھی ان کی دینی اور سیاسی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی تھی یا جب بھی مولانا نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت عملی سیاست میں حصہ لینا مسلمانوں کے عام مفاد میں ہے تو دوسرے دینی مشاغل علمیہ کے ساتھ ملکی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم نے اگرچہ اہل سیاست کی باہمی آویزشوں اور متعصبانہ صوبہ پرستی کی روش سے دل برداشتہ ہو کر ۱۹۵۴ء ہی میں عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار (ضلع حیدرآباد سندھ) میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس اور اصلاح و تربیت کے کام میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے تھے مگر ۱۹۶۹ء میں جب ملک میں سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے ملکی سیاسیات میں عملی طور پر حصہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے یہ ذمہ داری بھی قبول فرمالی۔

مولانا عثمانیؒ کی علمی روحانی شخصیت:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے متبحر عالم تھے بلکہ حضرت مرحوم علوم طریقت اور سلوک و تصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا مخزن تھی اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ حضرت موصوف کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا۔ آپ کے علم و فضل، اخلاص و عمل، تقویٰ و طہارت، خشیت و للّٰہیت، سادگی تواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی اور آپ کے فیض صحبت سے ایمان و ایقان کی ایسی دولت

ملتی تھی اور دین کا وہ صحیح مزاج پیدا ہوتا تھا جو محض کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے کبھی پیدا نہیں ہوسکتا کسی نے سچ کیا ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بایں علم وفضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے باوجود مولانا مرحوم عادات و اطوار کی سادگی میں خود اپنی مثال آپ تھے نہ مولانا کے خوردونوش میں کوئی تکلف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرز کلام میں کوئی تصنع تھا۔ سادہ وضع کے پرانے بزرگ تھے ہمیشہ نئے طور وطریق اور تہذیب جدید کے آداب سے دور بلکہ نفور رہے۔ چنانچہ وضع قطع لباس و طعام اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلفی کو ہی اختیار کیا اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم جیسی شریعت وطریقت کی جامع کمالات اور نادرۂ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے مردان حق آگاہ کا کہیں قرنوں میں ظہور ہوتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی جن گنی چنی معروف و نامور علمی و روحانی شخصیتوں کے فضل وکمال' علم وعرفان اور دینی بصیرت وفقاہت' تقویٰ وطہارت اور رسوخ فی العلم پر تمام دینی اور علمی حلقوں میں بالاتفاق اعتماد کیا جاتا تھا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نہ صرف ان کی صف اول میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان میں سرفہرست اور ان کے صدر نشین تھے۔

حضرت مولانا مرحوم ابتداء زمانہ تعلیم سے ہی اپنے حقیقی ماموں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی توجہات عالیہ اور خصوصی تربیت کا مرکز بنے رہے اور حضرت تھانویؒ نے مولانا کی تعلیم وتربیت کا اس طرح اہتمام فرمایا جیسے کوئی شفیق ومہربان باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تعلیم وتربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ شارح ابوداؤد کے ظل عاطفت میں تزکیہ باطن کی آخری منزلیں طے کرنے کا شرف بھی مولانا مرحوم کو حاصل ہوا اور اس طرح مولانا مرحوم کو اپنے زمانہ کے حکیم الامتؒ کی بزم علم وعرفان سے مستفید ہونے کے ساتھ اپنے دور کے محدث جلیل کی محفل ارشاد وہدایت سے مستفید ومستفیض ہونے کے یکساں مواقع میسر آئے اور آپ بیک وقت علم وعرفان کی شمع فروزاں' محفل ارشاد وہدایت کے شہ نشین بن کر اور میدان حکمت وسیاست کے شہ سوار اور علم وعمل' اخلاص وتقویٰ اور سیرت وکردار کی جملہ خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہوکر علمی اور روحانی دنیا میں نمودار ہوئے اور اپنے علم وعمل اور زہد وتقویٰ کی شمع نورانی سے ایک عالم کو منور اور ہزاروں تشنگان معرفت کو سیراب وشاداب کیا۔

علمی اور روحانی شخصیتوں کا مرکز:

تھانہ بھون' دیوبند اور سہارنپور اور ان کے اطراف واکناف کو حق تعالیٰ نے اس زمانے میں ایسی ایسی علمی اور روحانی شخصیتوں کا مرکز بنایا تھا کہ ان کے علم وفضل' خلوص عمل اور زہد وتقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور

ان کی صحبت کی برکت سے ہزار ہا بندگان خدا کو یقین و معرفت کی دولت میسر آتی تھی' انہی سراپا اخلاص و مجسمہ علم و عمل روحانی شخصیتوں اور برگذیدہ ہستیوں میں سے ضلع مظفر نگر یوپی کے قصبہ تھانہ بھون میں ایک عظیم روحانی ہستی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تھی جن کے فیض صحبت سے ہزاروں بندگان خدا کو فیض پہنچا اور بہت سے تشنگان معرفت کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی حاصل ہوئی۔

دارالعلوم دیو بند:

عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی دعاء سحر گاہی اور ان کے روحانی وارثوں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء محترم کی مساعی جمیلہ کا مبارک نتیجہ دارالعلوم دیو بند کا قیام تھا جس کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے والے فضلاء نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو بلکہ عالم اسلام کے بہت بڑے حصے کو اپنے علمی و روحانی فیض سے سیراب اور ایک جہان کو نور معرفت سے منور کیا۔ اس چشمہ فیض سے فیض یاب ہو کر اور اس گہوارۂ علم میں پرورش پا کر بے شمار علماء د ہر اور فضلاء نکلے اور بڑے بڑے روحانی پیشوا پیدا ہوئے جو آسمان فضل و کمال اور علم و عرفان کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور انہوں نے اپنے علم ظاہر اور علم باطن کے ذریعے ایک عالم کو فیض یاب کیا اور علم و معرفت کی روشنی کو اقطار عالم میں دور دور تک پہنچا دیا۔

حضرت سہارنپوریؒ اور مولانا تھانویؒ:

دارالعلوم دیو بند کے بانیوں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے براہ راست علمی اکتساب کرنے والوں اور روحانی فیض پانے والوں میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ علم فقہ میں درجہ کمال پر فائز ہونے کے علاوہ بسنت صحابہ اور کمال اتباع سنت کے ساتھ متصف ہوئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو علم تصوف اور تفسیر قرآن نیز تربیت سالکین میں کمال حاصل ہونے کے علاوہ اصلاح رسومات اور اصلاح معاشرہ میں وہ منصب حاصل ہوا کہ مجدد الملت اور حکیم الامت کے لقب سے مشرف و معزز ہوئے۔

مولانا عثمانیؒ کی جامعیت:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تھانہ بھون' سہارنپور اور کانپور کے مراکز علوم میں ظاہری علوم کی تحصیل کرنے کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مرکز صدق و صفا میں باطنی تربیت کی تکمیل فرمائی۔ ان دونوں درباروں سے اکتساب فیض کے بعد جس طرح حضرت مولانا کا باطن دو آتشہ بن گیا تھا اور علوم تصوف وسلوک میں بصیرت حاصل ہو گئی تھی۔ اسی طرح علوم ظاہری حدیث وتفسیر اور فقہ میں بھی کمال درجہ کی مہارت و فقاہت حاصل ہو گئی تھی۔ غرض جملہ علوم اسلامیہ پر حضرت مولاناؒ کی نظر اس قدر عمیق اور مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ اس کی نظر اس

زمانے میں نہ صرف برصغیر میں بلکہ پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ بلاشبہ حضرت مولانا اپنے علمی اور روحانی کمالات میں اسلاف کے سچے جانشین اور ان کی مایہ ناز یادگار تھے جن پر آپ کی محققانہ اور بلند پایہ علمی تصنیفات' بے نظیر تدریسی خدمات اور تربیت وسلوک کا صحیح ذوق شاہد عدل ہیں۔

حضرت مولاناؒ کی تصانیف کو دیکھ کر بلاخوف تردید کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے وسیع النظر عالم' بلند پایہ محقق' دقیق النظر محدث' عدیم النظیر مفسر اور اصول حدیث اور علم رجال کے محض ماہر ہی نہ تھے بلکہ اصول نقد و درایت میں مولانا مرحوم کی تحقیقات کو استناد کا درجہ حاصل تھا نیز قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ کے ساتھ دقت نظر اور سلامت فکر اور اپنے مدعا کو بہترین اسلوب اور دلنشین انداز میں بیان کرنے کا جو خاص ملکہ حق تعالیٰ نے حضرت ممدوح کو عطا فرمایا تھا وہ ان کے رب تعالیٰ کا ان پر خاص عطیہ تھا' ذہانت و ذکاوت فکر کی گہرائی اور دقت نظر میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

تزکیہ نفس اور تربیت باطن میں مولانا مرحوم کا طریقہ تربیت وسلوک محققانہ ہونے کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ اور مربیانہ تھا اور اس میں اپ اپنے مشائخ عظام کے نقش قدم پر تھے اور آپ کا طریقہ سلوک ان حضرات کے طریق سلوک کے عین مطابق تھا جو آپ کے مطبوعہ مکتوبات متعلقہ تربیت سالکین سے واضح ہے۔

اعتراز:

ایسی جامع کمالات شخصیت اور ہمہ گیر ہستی کے کمالات اور علمی و روحانی عظمتوں کا صحیح ادراک اور اس کی سیرت و عمل کی رفعتوں کی پوری پوری معرفت یا اس کے فضل و کمال اور مقام و مرتبہ کا مکمل عرفان ہم جیسے کوتاہ دستوں اور علم و عمل سے عاری لوگوں کے بس کی بات نہ تھی جبکہ اس عظیم شخصیت کے کمالات اور اس کی علمی عظمتوں کا اعتراف کرنے والوں میں بہت سی مرتبہ شناس اور نامور شخصیتوں کے علاوہ حضرت حکیم الامت جیسی نابغہ روزگار علمی و روحانی شخصیت بھی شامل ہو اور علامہ محمد زاہد کوثریؒ مصری جیسے فاضل یگانہ اور وسیع نظر محقق بھی جس کے علمی کارناموں کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے ہوں ایسی شخصیت کے علمی و روحانی کارناموں کا تعارف پیش کرنا اور ایسی جامع کمالات ہستی کی سیرت نگاری کا حق ادا کرنا ہم جیسے کم سوادوں کے لیے کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

حضرت مولانا مرحوم کے علم و فضل اور حالات و کمالات کے بارے میں کچھ لکھنا دراصل آپ کے ہم عصر بزرگوں اور ہم چشموں کا کام تھا یا پھر یہ کام آپ کے فاضل تلامذہ میں کسی ایسے شخص کے لیے موزوں تھا جس کو مولانا ممدوح کے فضل و کمال اور مرتبہ و مقام کے بارے میں اگر پوری طرح نہیں تو بقدر ضرورت ہی واقفیت حاصل ہوتی۔

(ماخوذ تذکرۃ الظفر)

از علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ

((کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذو الجلال والاکرام۔))

کل ابن انثی وان طالت سلامته   یوما علی آلة حدباء محمول

آہ! آج مسند علم وتحقیق مسند تصنیف وتالیف مسند تعلیم وتدریس مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۳ر ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء) اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے اس مرد حق نے زندگی نوے منزلیں طے کر کے سفر آخرت کے لئے قدم اٹھایا ختم ہونے والی زندگی ختم ہوگئی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے عالم برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارنپور کی پوری تاریخ وابستہ تھی' آپ عالم تھے اور ذکی عالم فقیہ تھے اور محدث رجال حدیث کے محقق تھے' اصول حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کی مہمات کو کتب حدیث ورجال سے تلاش و جستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے' اکابر امت اور جہابذۂ عصر کی توجہات کا مرکز ہے' مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق وصفا میں تربیت پائی۔ حکیم الامت تھانویؒ کی محبت وشفقت کے زیر سایہ تمام علمی وتصنیفی کارنامے انجام دیئے' علمی جواہرات کو ملفوظات وتقریرات کی صورت میں قلم بند کرتے کرتے خود صاحب جواہرات بن گئے' نسبی نسبت نے علمی وعرفانی نسبت تک پہنچا دیا۔ تقریر وتحریر میں حکیم الامت کے جلوے نظر آنے لگے' عربی کے ادیب تھے شاعر تھے' عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی' علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں صد درجہ سادگی تھی۔

مولانا عثمانی کی وفاداری اور اخلاص شک وشبہ سے بالاتر تھا بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے' اگر ان کی تصانیف میں ''اعلاء السنن'' کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی' تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات' حدیث وفقہ ورجال کی قابلیت ومہارت اور بحث وتحقیق کے ذوق محنت وعرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے' اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث وفقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی' یہ کتاب ان کی تصانیف کا

شاہکار اور فنی وتحقیقی ذوق کا معیار ہے' علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گذری ہو' دور دراز مواقع اور غیر مظان سے جواہرات نکال کر خوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے بلا شبہ اس بے نظیر کتاب میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشادات گرامی کا بہت کچھ دخل ہے لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ذریعہ ان کا ظہور پر نور ان کے کمال کی دلیل ہے۔ ۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلس علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا اور میرے رفیق کار مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری تھے اس وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اعلاء السنن کے طبع شدہ اجزاء بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ جب تک تمہیں اس کی ضرورت ہو اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے بعد حضرت شیخ محمد زاہد کوثری کو ہدیہ پیش کر دیں اور اگر ان کے ذریعہ قاہرہ میں عمدہ ٹائپ سے طبع ہو سکے تو بہت اچھا ہے اور بقیہ اجزاء غیر مطبوعہ بھی نقل کروا کر ارسال کر دوں گا' حضرت شیخ کوثری اس وقت دنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرۂ روزگار تھے اور علماء احناف کے سرمایہ افتخار اور بے نظیر محقق وسیع النظر متبحر عالم تھے' ترکی الاصل تھے فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے جب کتاب میں نے پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کر کے فرمایا کہ احادیث احکام میں حنفیہ کے نقطہ نگاہ سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدماء کی کتابوں میں بھی اس استیعاب واستیفاء کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس کی تحقیق وتنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کا مقدمہ ''انہاء السکن'' کے نام سے تالیف فرمایا' یہ مقدمہ اصول حدیث کے نوادر اور نفائس پر مشتمل ہے تمام کتاب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ وہ نفائس جمع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران ہے بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

حلب کے مایہ ناز عالم ربانی اور دنیائے اسلام کے محقق فاضل اور ہمارے مخلص ومحترم کرم فرما الشیخ ابوغدۃ عبدالفتاح کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنہوں نے مصنف سے اجازت لے کر کتاب کا نام ''قواعد التحدیث'' تجویز فرمایا اور پر قابل قدر تعلیقات واضافات ومقدمہ لکھ کر علم اور اہل علم پر احسان عظیم فرمایا اور نہایت آب وتاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا کہ جسے دیکھتے ہی دل سے دعاء نکلتی ہے کہ کتاب جس خدمت کی مستحق تھی الشیخ ابوغدۃ اطال اللہ بقاءہ نے اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں ان کی احسان مندر ہیں گی۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اس شہید علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی وشافی تھی حالانکہ ان کے قلم خوب رقم سے کتنے جواہرات مرصع خزانہ علم میں آئے ہیں ان کی قابل

رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریس حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے ''اعلاء السنن'' کا پہلا حصہ جو احیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آ گئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا' اس کو دوبارہ ادھیڑ کر ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' کے پیش نظر جدید تصنیف بنائی۔ حق تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں اس شہید علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمت علم میں خرچ کیا' مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریس علوم کی خدمت انجام دیتے رہے پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخرت زندگی کے تقریباً بیس سال دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں گذارے۔ افسوس کہ یہ سال علمی سانحوں سے لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی وفات ایک علمی حادثہ تھا اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے قلوب کو مجروح کر دیا۔ صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہو جانے سے ان کی مسند علم وفضل ہمیشہ کے لئے خالی ہو جاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے عرصہ دراز سے یہ دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمت و رضوان کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لئے اجر وثواب کے عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگذر فرمائیں آمین۔ (ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ' جنوری ۱۹۷۵ء ماہنامہ بینات کراچی)

از علامہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ:

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

ابھی حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ وفات کا زخم تازہ ہی تھا کہ آج حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے حادثہ ارتحال نے دلوں پر بجلی گرادی۔ آج کسی اور موضوع پر اداریہ لکھنے کا ارادہ تھا' لیکن اس المناک خبر نے دل ودماغ کو ہر دوسرے موضوع کے لئے بند کر دیا۔

برصغیر کے جن اہل علم واخلاص نے اس خطے کو ایمان ویقین اور دین کے علم صحیح سے جگمگایا تھا اب وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں اور ہر جانے والا اپنے پیچھے ایسا مہیب خلا چھوڑ کر جا رہا ہے جس کے پر ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ جہاں تک علم کے حروف ونقوش' کتابی معلومات اور فنی تحقیقات کا تعلق ہے ان کے شناوروں کی اب بھی زیادہ کمی نہیں' اور شاید آئندہ بھی نہ ہو۔ لیکن دین کا وہ ٹھیٹھ مزاج ومذاق اور تقویٰ وطہارت' سادگی وقناعت اور تواضع وللّٰہیت کا وہ البیلا انداز جو کتابوں سے نہیں' بلکہ صرف اور صرف بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے' اب مسلسل سمٹ رہا ہے اور اب اس خسارے کی تلافی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

دیوبند' سہارنپور اور تھانہ بھون کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں ان نورانی شخصیتوں کا مرکز بنایا تھا جنہوں نے اپنے علم وفضل' جہد وعمل' ورع وتقویٰ' سادگی وانکسار اور خشیت وانابت میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی تھی۔ انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ دین اور اس کے احکام کی اتنی جزرسی اور احتیاط کے ساتھ پابندی اس چودھویں صدی میں بھی ممکن ہے' اور قرون اولیٰ کی مثالیں آج بھی زندہ کی جا سکتی ہیں۔

لیکن اب علم ودین کے ان مراکز سے فیض پانے والے رفتہ رفتہ کوچ کر رہے ہیں اور کرب انگیز بات یہ ہے کہ جو دولت انہوں نے دیوبند' سہارنپور اور تھانہ بھون کے اکابر سے حاصل کی تھی وہ بھی انہی کے ساتھ رخصت ہو رہی ہے۔ ان حضرات کے علم وفضل کے مداح اب بھی بہت ہوں گے' ان کے کارناموں سے علمی استفادہ بھی بند نہیں ہوگا لیکن ٹیٹھ مزاج ومذاق اور اصلاح وعمل کی وہ دولت جو صرف انہی حضرات سے حاصل ہو سکتی تھی اسے حاصل کرنے والے نہ صرف کالعدم ہیں بلکہ اس کی طرف توجہ اور اس کی اہمیت کا احساس بھی مفقود ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ ، حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھول پوریؒ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ یہ سب حضرات وہ ہیں جن کے علم یا سیاست خوشہ چین تو کافی ملیں گے، لیکن ایسے افراد ڈھونڈے سے بھی ملنے مشکل ہیں جنہوں نے ان کے عملی کمالات کو جذب کیا ہو۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسی مقدس قافلے کے ایک رکن تھے آج وہ بھی ہم سے رخصت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے بھانجے تھے اور حضرت تھانویؒ نے بیٹے کی طرح ان کی تربیت کی تھی۔ انہوں نے دینی تعلیم کانپور اور مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی تھی جہاں انہیں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت نصیب ہوئی۔ بعد میں انہوں نے متفرق اوقات میں مظاہر العلوم کے استاد حدیث، خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی اور مصنف اور مدرسہ عالیہ کے شیخ الحدیث کی حیثیت میں سالہا سال علمی اور تدریسی خدمات انجام دیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حکم سے اور انہی کی سرپرستی میں انہوں نے ''اعلاء السنن'' تالیف کی جو علم حدیث میں اس صدی کا شاید سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ یہ کتاب اٹھارہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے دو مبسوط مقدمے ''انھاء السکن'' اور ''انجاء الوطن'' اس کے علاوہ ہیں اس کتاب میں تمام فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان کی بے نظیر شرح لکھی گئی ہے جس نے اپنی تحقیق، وسعت معلومات اور دقت نظر کے لحاظ سے پورے عالم اسلام سے اپنا لوہا منوایا ہے۔ افسوس ہے کہ اب اس کتاب کی ابتدائی جلدیں نایاب ہو چکی ہیں۔ اور جو حصے دستیاب ہیں ان کی بھی کتاب وطباعت شایان شان نہیں ہے۔ اب اس کتاب کے دوبارہ شائع ہونے کے امکانات نظر آ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے اسباب مہیا فرما دیں۔[1]

---

[1] اس کتاب کا ایک مقدمہ ''انھاء السکن'' کراچی میں بھی طبع ہو چکا ہے اور اسی کو شام کے محقق عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ مدظلہم نے ''قواعد فی علوم الحدیث'' کے نام سے اپنی گراں قدر تعلیقات کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ دوسرا مقدمہ ''انجاء الوطن'' بھی ان کے پاس زیر طبع ہے ادھر ''اعلاء السنن'' کی جلد اول پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی فرمائش کے مطابق مصنف علیہ الرحمۃ نے حال ہی میں نظر ثانی کی ہے اس کے مسودہ پر آج کل راقم الحروف تحقیق وتعلیق کر رہا ہے اور ان شاء اللہ یہ جلد ہی عنقریب ٹائپ کی عمدہ طباعت کے ساتھ دارالعلوم کراچی دارالتصنیف سے شائع ہو جائے گی اللہ تعالیٰ باقی جلدوں کی اشاعت کا بھی انتظام فرما دے۔ آمین (م ت ع)

یہ کتاب عربی ٹائپ پر ادارۃ القرآن کراچی سے شائع ہوگئی ہے جس کے ۲۱ حصے ۱۳ مجلدات پر مشتمل ہیں۔ ناشر۔

علم تفسیر میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کا بڑا کارنامہ ''احکام القرآن'' ہے۔ یہ کتاب بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے ایماء چار حضرات نے لکھنی شروع کی تھی۔ پہلی دو جلدیں جو سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک کی تفسیر پر مشتمل ہیں' حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی لکھی ہوئی ہیں۔ بیچ کی دو جلیں احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے لکھی ہیں۔ اور آخری جلد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے۔ یہ حصے اگرچہ طبع ہو چکے ہیں' مگر ان کی کتاب وطباعت بھی انتہائی ناقص ہے اور سورۂ نساء سے سورۂ شعراء تک کا حصہ ابھی نا تمام ہے۔ پچھلے دنوں جب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی دارالعلوم تشریف لائے تو انہوں نے ذکر فرمایا تھا کہ میں سورۂ نساء سے احکام القرآن کی تالیف کا آغاز کر چکا ہوں۔ خدا جانے یہ مسودہ کہاں تک پہنچ سکا ہوگا؟[1]

علم فقہ میں حضرت موصوفؒ کی عظیم یادگار ان کے فتاویٰ کا مجموعہ ''امداد الاحکام'' ہے۔ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے فتویٰ لکھنا چھوڑ دیا تھا تو خانقاہ تھانہ بھون میں آنے والے تمام سوالات کا جواب حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ ہی لکھا کرتے تھے۔ اس طرح ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہوگیا' جس کا انتخاب فرما کر حضرت تھانویؒ نے ہی اس کا نام ''امداد الاحکام'' تجویز فرمایا تھا جسے ''امداد الفتاویٰ'' کا تمہ کہنا چاہئے۔ اس کا مسودہ سات ضخیم رجسٹروں میں ہے اب تک یہ گراں قدر مجموعہ شائع نہیں ہو سکا تھا' اب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی نگرانی اور سرپرستی میں یہ کتاب دارالعلوم سے شائع ہو رہی ہے' پہلی جلد کی کتابت مکمل ہوچکی ہے' اور امید ہے کہ وہ ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی۔[2]

یہ علم تفسیر' علم حدیث اور علم فقہ میں حضرت مولاناؒ کے صرف تین نمایاں ترین کارناموں کا مختصر تعارف تھا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت موصوفؒ نے مختلف دینی موضوعات پر عربی اور اردو میں دسیوں کتابیں یا مقالات لکھے ہیں لیکن اگر صرف مذکورہ بالا تین کاموں ہی کو دیکھا جائے تو بلاشبہ وہ ایسے کام ہیں جو آج کے دور میں بڑی بڑی اکیڈمیاں سالہا سال کی محنت اور لاکھوں روپے کے خرچ سے بھی انجام نہیں دے پاتیں۔ حضرت مولاناؒ نے یہ سارے کام تن تنہا انجام دئے۔ رحمه الله رحمة واسعة۔

علمی خدمات کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی سیاسی اور اجتماعی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایماء پر انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ حضرت تھانویؒ کے ایماء پر انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا۔ حضرت تھانویؒ نے قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے پاس مختلف علماء کے جو تبلیغی وفود بھیجے ان میں وہ بھی شامل تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس اللہ سرہ

---

[1] بحمد اللہ یہ بھی عربی ٹائپ پر ادارۃ القرآن سے ۵ جلدوں پر مشتمل چھپ چکا ہے۔ ناشر۔

[2] بحمد اللہ اس کی ۶ جلدیں بہترین کتابت پر مکتبہ دارالعلوم کراچی سے شائع ہوگئی ہیں۔ ناشر۔

نے قیام پاکستان کی جدو جہد کے لئے جو جماعت ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے نام سے قائم فرمائی تھی ایک عرصہ تک وہ اس کے نائب صدر رہے اور ہندوستان کے طول و عرض میں پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا۔ سلہٹ کے عوام سے پاکستان میں شمولیت کے لیے جو ریفرنڈم کرایا گیا' اس میں پاکستان کی کامیابی بڑی حد تک دو حضرات کے مرہون منت ہے ایک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور دوسرے حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانیؒ ۔

مولانا کی انہی خدمات کا اثر تھا کہ جب پاکستان بنا اور اس سرزمین پر پہلی بار پاکستان کا پرچم لہرانے کا وقت آیا تو قائداعظم کا نگاہ انتخاب دو حضرات پر پڑی ایک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ جنھوں نے مغربی پاکستان میں یہ جھنڈا لہرایا اور دوسرے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ جن کے ہاتھوں سے مشرقی پاکستان میں یہ پرچم بلند ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد اگرچہ انتخابی سیاست سے موصوف کا کوئی تعلق نہیں رہا' لیکن جب کبھی مسلمانوں کو کوئی اجتماعی ضرورت پیش آئی تو مولاناؒ ان لوگوں میں سرفہرست تھے جن کی طرف سب کی نگاہیں باتفاق اٹھتی تھیں۔

عبادت وتقویٰ میں مولاناؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ جیسے حضرات کی صحبت اٹھائی تھی' ان کی عملی زندگی میں اس صحبت کا اثر نمایاں تھا۔ ہم جیسے طفلان مکتب نے انہیں ضعف اور کبرسنی کی حالت ہی میں دیکھا۔ لیکن اس عمر میں بھی ان کی ہمت وعزیمت اور ان کا جذبہ وحوصلہ ہم جوانوں کے لئے قابل رشک تھا۔ آخر وقت تک دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں صحیح بخاری کا درس دیتے رہے اور پچاسی سال کی عمر میں ضعف وامراض کے ساتھ بھی نہ صرف پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں با جماعت ادا کرتے بلکہ ظہر وعصر کی نمازوں میں امامت بھی خود فرماتے تھے۔ احقر کو مشرقی پاکستان کے ایک دورے میں آپ کی رفاقت میسر ہوئی۔ ضعف وعلالت کے باوجود عبادات کا اہتمام اور وعظ وتذکیر کا جذبہ ہر دم جوان معلوم ہوتا تھا۔

آخری بار دارالعلوم تشریف لائے تو اساتذہ دارالعلوم نے ان سے اجازت حدیث لی' اس وقت کمزوری کا یہ عالم تھا کہ موٹر میں بیٹھنے کے لئے بھی دو آدمیوں کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اسی مجلس میں ''احکام القرآن'' کی تکمیل کے لئے تصنیفی کام شروع کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور کہا کہ جب مجھے مرض اور کمزوری کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے تو میں صحیح بخاری کا درس شروع کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے صحت وقوت عطا فرما دیتے ہیں۔

آخر وقت تک ڈاک کے جواب میں پابندی حیرت انگیز تھی' کبھی یاد نہیں ہے کہ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے یا احقر نے کوئی عریضہ لکھا ہو اور تیسرے چوتھے روز جواب نہ آ گیا ہو۔

اعلاء السنن کی پہلی جلد ''احیاء السنن'' کے نام سے چھپی تھی اور اس میں ایک ضرورت کی بناء پر ''الاستدراک الحسن'' کے نام سے ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ ان مختلف ناموں اور سوال وجواب کے انداز کی بناء پر علماء کو بالخصوص عالم عرب کے اہل علم کو بڑی الجھن پیش آتی تھی۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے خواہش ظاہر

فرمائی کہ یہ جلد ایک مسلسل کتاب کی صورت اختیار کرے اور اس کا نام بھی ''احیاء السنن'' کے بجائے ''اعلاء السنن'' ہی ہو جائے تو اچھا ہو۔ یہ کام کس قدر الجھا ہوا اور دیدہ ریزی کا طالب تھا اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے یہ کتاب دیکھی ہے لیکن حضرت مولانا عثمانیؒ نے اس پیرانہ سالی میں یہ پیچیدہ کام بھی مکمل فرما دیا۔ اب یہ کتاب دارالعلوم کے دارالتصنیف سے ٹائپ پر شائع ہونے والی ہے۔ تمنا تھی کہ یہ حضرت موصوف کی حیات ہی میں منظر عام پر آ جائے لیکن تقدیر میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ ولن یؤخر اللّٰہ نفساً اذا جاء اجلھا۔

حضرت مولاناؒ کے ساتھ موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہوگئی وہ ان مقدس ہستیوں میں سے تھے جن کا صرف وجود بھی نہ جانے کتنے فتنوں کے لئے آڑ بنا رہتا ہے۔ ان کی وفات پورے عالم اسلام کا سانحہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض سے مستفید ہونے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

البلاغ جلد ۸ شمارہ ۱۲

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ۔ جام پور:

استاذ المحدثین شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی شخصیت علمائے ربانی میں وہ عظیم شخصیت تھی جس کو دین و سیاست کے رجال کار کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ کل کا مورخ جب پاکستان کے بانی، محرک اور مؤید اہل فکر اور نظریہ پاکستان کو فروغ دینے والے مدبرین ومبصرین پر قلم اٹھائے گا تو علمائے حق میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اسم گرامی کو سنہری حروف سے لکھنے پر مجبور ہوگا۔ آپ کو نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے اہل علم بلکہ تمام دنیائے اسلام متفقہ طور پر آسمان علم وحکمت و سیاست کا نیرّ اعظم تصور کرتی ہے۔ یوں تو دنیا میں بڑے بڑے اہل علم گزرے ہیں مگر ایسی شخصیت جس کو یکساں طور پر تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام ومعقولات ومنقولات، تقریر وتحریر اور سیاسیات میں بصیرت حاصل ہو کوئی کوئی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا عثمانیؒ کی شخصیت دین و سیاست کا سنگھم تھی اور تمام علوم کی جامع، پھر ان سب کا یہ کمال تھا کہ وہ دین اور بین الاقوامی مسائل کو ہم آہنگ بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی شخصی عظمت اور علمی و روحانی مقام کے بارے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دار العلوم دیو بند فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اس تاریک دور میں علم وعمل، اخلاص و ہمت اور علم ظاہری و باطنی کے آفتاب و ماہتاب تھے، رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آخر وقت تک تحریر وتقریر اور درس و تدریس کے ذریعے حقیقت ومعرفت کی شمعیں جلاتے رہے اور راہ طریقت وتصوف کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیہ نفس اور باطنی اصلاح میں مصروف تھے۔ سینکڑوں علماء اور ہزار ہا افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔'' (ماہنامہ الرشید لاہور دسمبر ۱۹۷۶ء)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ''حضرت عثمانی عہد حاضر کے آئمہ فن علماء، اولیاء اتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔

حق تعالیٰ نے ان کو علمی و عملی مقامات میں ایک خاص امتیاز عطا فرمایا تھا اور ساتھ ہی بزرگان دین کی صحبت نے تواضع اور فروتنی کی بھی وہ صفت عطا کر دی تھی کہ جو علماء دیو بند کا خاص امتیاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی کمالات کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی مزین فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی جامع علم و عمل خدا ہستیاں کہیں قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں۔'' (ماہنامہ بینات کراچی)

یہ فخر روز گار عالم ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو شیخ لطیف احمد صاحب عثمانی کے گھر قصبہ دیو بند ضلع سہار نپور میں پیدا ہوا۔ آپ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے حقیقی بھانجے تھے۔ والدہ محترمہ کا انتقال پیدائش کے تین ماہ بعد ہی ہو گیا تھا۔ ابتدائی تربیت دادی صاحبہ نے کی پانچ سال کی عمر میں دارالعلوم دیو بند میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ پھر حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے والد محترم مولانا محمد یٰسین صاحب دیو بندیؒ سے فارسی، ریاضی اور منطق پڑھی۔ اس کے بعد تھانہ بھون میں حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی سے عربی زبان کا درس لیا۔ اس سے فارغ ہوئے تو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ آپ کو کانپور لے گئے جہاں پر مولانا محمد اسحاق بردوانیؒ اور مولانا محمد رشید کانپوریؒ سے دینی تعلیم حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو مظاہر العلوم سہارنپور میں اس زمانہ کے نامدار بزرگ محدث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔ نامور استاذ کا یہ ہونہار شاگرد تعلیم و تربیت کی یہ تمام منازل اٹھارہ سال کی عمر میں طے کر گیا تھا۔ اور ۱۳۲۸ھ کو اپنی تعلیم مکمل کر کے اسی درسگاہ ''مظاہر العلوم سہارنپور'' میں مدرس مقرر ہوا۔ حضرت عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے شاگرد ہی نہیں تھے بلکہ اپنی روحانی صلاحیتوں کی وجہ سے ان سے شرف خلافت بھی حاصل کیا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور عارف باللہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ سے بھی کافی عرصہ فیضان حاصل کیا۔

بلاشبہ عہد حاضر میں حضرت عثمانی قدس سرہ کا شمار ان علماء دین میں کیا جاتا ہے جن پر عرب و عجم ہمیشہ ناز کرتا رہے گا۔ سات سال مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس دینے کے بعد آپ تھانہ بھون چلے آئے جہاں آئندہ سات برس تک حدیث و فقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''اعلاء السنن'' بیس ضخیم جلدوں میں علم حدیث پر عربی زبان میں تصنیف کی۔ اس بلند پایہ علمی تالیف کو عالم اسلام کے مشاہیر علماء نے جس طرح خراج تحسین پیش کیا وہ قابل دید ہے۔ چند مشاہیر علماء کی مختصراً آراء پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

''مصر کے نامور محقق عالم علامہ زاہد الکوثریؒ اس کتاب کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ:

''اس کتاب کے مؤلف جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے ہیں یعنی محدث، محقق، مدبر، ناقد زبردست فقیہہ، مولانا ظفر عثمانی تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ علمی خدمات کے زیادہ سے زیادہ مواقع مہیا فرمائے میں تو اس غیرت مند عالم کی علمی قابلیت و مہارت اور اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا

جس میں اس قدر مکمل تحقیق وجستجو اور تلاش و تدقیق سے کام لیا گیا ہے کہ ہر حدیث پر فن حدیث کے تقاضوں کے مطابق متن پر بھی اور سند پر بھی اس طریقہ سے کام کیا گیا ہے کہ اپنے مذہب کی تائید پیش کرنے میں تکلیف کے آثار قطعاً نظر نہیں آتے بلکہ اہل مذاہب کی آراء پر گفتگو کرتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انصاف کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔ مجھے اس کتاب کے مصنف پر انتہائی درجے کا رشک ہونے لگا۔ مردوں کی ہمت اور بہادروں کی ثابت قدمی اس قسم کے نتائج فکر پیدا کیا کرتی ہے۔ خدا ان کی زندگی کو خیر و عافیت کے ساتھ دراز فرمائے کہ وہ اس قسم کی مزید تصنیفات پیش کر سکیں۔''

(المفتی دیوبند ۱۳۵۷ھ بحوالہ ہفت روز صوت الاسلام لاہور)

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اگر حضرت عثمانیؒ کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تو بھی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق کو محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لیے برہان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب ان کا تصانیف کا شاہکار اور فنی و تحقیقی ذوق کا معیار ہے اور یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے۔ حق تعالیٰ ان کو رحمت و رضوان کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔ آمین۔'' (ماہنامہ ''بنیات'' کراچی ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی مدظلہ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے آپ کو حدیث رسولؐ کی خدمت جلیلہ سے نوازا تھا پھر حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ جیسے مرشد و ہادی و شیخ کامل کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات سرانجام دینے کا موقع عطا فرمایا۔ اور اپنی ذہانت، تبحر علمی کے بدولت حدیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ ''اعلاء السنن'' جیسی شہرۂ آفاق تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ حق تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔''

(ماہنامہ ''الرشید'' دسمبر ۱۹۷۶ء)

اعلاء السنن کے بارے میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

''ان کے مرکز علمی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے اگر اس کتاب کی تالیف کے علاوہ کوئی دوسری علمی خدمت انجام نہ دی تھی تو اپنی فضیلت وکرامت کے اعتبار سے یہی ایک کتاب بہت کافی تھی۔''

(ہفت روزہ ''صوت لاسلام'' لاہور ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء)

حضرت عثمانی قدس سرہ نے کم وبیش ۲۵ برس تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی رفاقت میں تصنیف و تالیف اور تبلیغ و افتاء کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اسی دوران میں ''احکام القرآن'' اور ''امداد الاحکام'' جیسی تفسیر و فقہ کی عظیم الشان تالیفات آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئیں جو آپ کی علمی وفقہی بصیرت کا بین ثبوت ہیں۔ اسی لیے تو حکیم الامت آپ کی علمی صلاحیتوں س اس قدر متاثر اور مطمئن تھے کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب اس دور کے امام محمدؒ ہیں اور علوم دین کا سرچشمہ ہیں۔ آپ نے وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ مولوی ظفر احمد صاحب پڑھائیں گے۔ چنانچہ یہ سعادت بھی آپ ہی کو نصیب ہوئی۔ آپ کے شیخ و مربی عارف کامل محدث وقت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرمایا کرتے کہ:

''مولانا ظفر احمد عثمانی اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کا نمونہ ہیں۔'' (انوار النظر فی آثار الظفر)

حضرت عثمانی قدس سرہ کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے تلامذہ اور خلفاء میں ایسے جید علماء بھی شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی جیسے اکابر آپ کے شاگرد اور خلفاء میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ لاکھوں تلامذہ اور مریدین ملک و بیرون ملک میں دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ غرضیکہ آپ کا فیض افریقہ سے لے کر شرق بعید تک پھیلا ہوا ہے اور بالخصوص سابق مشرقی پاکستان کے تو چپے چپے پر آپ کے جلائے ہوئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں۔

تھانہ بھون سے برما کے مسلمانوں کی خواہش پر آپ مدرسہ محمدیہ رنگون تشریف لے گئے اور وہاں ۲ برس تک حدیث رسولؐ کے چراغ جلائے۔ پھر ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے آپ کو دینی علوم کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی گئی۔ تو حضرت حکیم الامت کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک اس یونیورسٹی میں علم کے موتی رولتے رہے۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں بھی آٹھ سال تک صدر مدرس رہے۔ یہیں پر ''جامعہ قرآنیہ'' لال باغ کی اپنے دست مبارک سے بنیاد رکھی۔ یوں آج مشرقی پاکستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر یا قصبہ ایسا نہ ہوگا جہاں آپ

کے تلامذہ اور مریدین علم دین کو پھیلانے کی خدمت سرانجام نہ دے رہے ہوں اور یوں آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ اس سرزمین پر اسلامی علوم کی جوت جگانے میں صرف کیا۔ پھر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے اصرار پر وہاں سے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے تشریف لائے اور آخر دم تک یہی دینی، علمی اور اصلاحی خدمات انجام دیتے رہے۔

دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات جلیلہ کے ساتھ ملکی اور سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز باقاعدہ طور پر مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ ۱۹۳۸ء سے ہوا۔ جب نواب اسماعیل کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے ایک مجلس عمل قائم کی تھی جس کا کام علماء سے رابطہ قائم کرنا تھا اس کی وساطت سے اس اجلاس میں حضرت عثانی حکیم الامت کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اجلاس سے پہلے آپ کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی۔ سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور یکجائی کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ قائداعظم اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اگلے روز کے اجلاس میں کھلم کھلا شاید پہلی مرتبہ یہ بات کہی کہ مذہب اور سیاست ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کی حمایت میں عملی طور پر حصہ لیا اور مسلم لیگ اور کانگریس کے آخری فیصلہ کن الیکشن میں پورے ہندوستان کا دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگرس کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر ان کے اثرات کو باطل کر دیا۔ پاکستان کی کامیابی میں مولانا عثانی کے اس دورۂ ہندوستان کو بہت بڑا دخل ہے جس کا اقرار نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اپنے ایک خط میں کیا ہے جو انہوں نے نجی طور پر حضرت عثانی کو لکھا تھا۔ آخر میں قائداعظم کی خصوصی درخواست پر سلہٹ ریفرنڈم کی مہم میں جو نہایت معرکۃ الاراء مہم تھی حضرت مولانا عثانی قدس سرہ ہی نے سر کی تھی۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ کے مقام پر جمعیت علماء اسلام کا قیام حضرت عثانی کے ہاتھوں میں عمل میں آیا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی نے آپ کی درخواست اور خواہش پر جمعیت علماء اسلام کی صدارت قبول فرمائی تھی۔

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو قائداعظم کی خواہش پر پاکستان کی پہلی رسم پرچم کشائی کا شرف بھی مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثانی کو اور مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثانی کو حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت عثانی مشرقی پاکستان کی جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کے ایک نمائندہ وفد کے قائد بن کو کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں حضرت مولانا اطہر علی صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری کے علاوہ مفتی دین محمد خان بھی شامل تھے۔ آپ نے اردو زبان کو پاکستان میں سرکاری زبان بنانے کے لیے پانچ لاکھ بنگالی مسلمانوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک یادگار تحریری دستاویز قائداعظم کی خدمت میں پیش کی۔ جس کے بعد قائداعظم نے ڈھاکہ پہنچ کر اپنی تاریخی تقریر میں سرکاری زبان کی حیثیت سے اردو زبان کی تائید میں حمایت کا اعلان کیا تھا۔ ۱۹۴۹ء میں خواجہ شہاب الدین

وزیر داخلہ پاکستان کے ہمراہ حکومت کی طرف سے حکومت سعودی عرب کے لیے خیر سگالی مشن میں ایک ممبر کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور میدان عرفات میں سلطان ابن سعود کی درخواست پر مسلمانان عالم کو خطاب فرمایا تھا۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے شانہ بشانہ کام کیا اور قرارداد مقاصد پاس کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر جب حکومت پاکستان کی طرف سے ملکی قوانین کو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مدون کرنے کے لیے ایک لاء کمیشن قائم کیا گیا تو مولانا عثمانی نے ایک اعزازی رکن کی حیثیت سے اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی فرمائی اور اس کے بعد ہر مکتب فکر کے جید علماء نے ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ تیار کیا تو آپ بھی اس میں شامل تھے۔ بہر حال حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات اتنی ہیں کہ احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ اپنے آخری وقت میں اکثر ذکر و اذکار میں مشغول رہتے اور زندگی کا آخری حصہ درس و تدریس اور تبلیغ و اصلاح میں صرف کیا۔ مگر جب بھی ملک میں کسی نئے فتنے نے سر اٹھایا تو آپ باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و علالت کے میدان عمل میں کود پڑتے تھے اور ہمیشہ ہر جابر و ظالم کے سامنے کلمہ حق ادا کرتے رہے۔ آخر کار یہ مرد حق اپنی دینی' علمی' روحانی اور سیاسی خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ بمطابق ۸/ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز اتوار اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی نے پڑھائی اور پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ آپ کی وفات پر پورے عالم اسلام کے مشاہیر علماء نے رنج و غم کا اظہار کیا اور آپ کی شخصی عظمت اور خدمات جلیلہ کا اعتراف کیا۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا کہ

> ''مولانا عثمانی کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پر نہیں ہوگا۔ وہ اس وقت برصغیر میں ایک ممتاز اور جید عالم دین تھے ان کی ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں بسر ہوئی۔''

خطیب ملت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اپنے بیان میں فرمایا کہ:

> ''حضرت مولانا عثمانی کی وفات سے تمام علمی و دینی حلقے یتیم ہو گئے اور پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہو گیا ہے۔''

محدث عصر حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے اپنے تعزیتی اداریے میں تحریر فرمایا کہ:

> ''حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا ہے اور ان کی رحلت سے مسند علم و تحقیق مسند تصنیف و تالیف' مسند تعلیم و تدریس' مسند بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں۔ ان کو پُر کرنے والا مستقبل میں کوئی نظر نہیں آتا ہے۔''

فخر اسلاف حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''ان کی وفات پورے عالم اسلام کا عظیم سانحہ ہے اور ان کے ساتھ ہی موجودہ صدی کی ایک تاریخ رخصت ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔''

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ:

آہ! مولانا ظفر احمد رئیس کارواں　　علم کے کوہ بلند اور زہد کے شبلی صفات
عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں　　چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہان بے ثبات
اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال　　اب کہاں وہ جامع شرع و طریقت نیک ذات
شمس علم ظاہر و باطن ہوا ہے غروب　　روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک رات

عارف باللہ حضرت بابا نجم احسن صاحب بگرامی نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے۔

ظفر احمد زہے مرد حق آگاہ!
مکیں خُلد شدُ مغفور باللہ
۱۳۹۴ھ

﴿۹﴾

مفتی اعظم پاکستان
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:۱۳۱۴ھ

وفات:۱۳۹۶ھ

از مولانا محمد اقبال قریشی مدظلہ:

مختصر احوال وسوانح

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دیوبندی قدس سرہ

برادر مکرم محترم جناب حافظ الحاج محمد اکبر شاہ صاحب بخاری زید مجدہ اپنے اکابر و اسلاف کے بارے میں جو عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کی دو درجن سے زائد تصانیف اس وقت تک منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جن میں ''اکابر علماء دیو بند'' ''کاروان تھانویؒ''۔ تحریک پاکستان اور علماء دیو بند، حیات احتشام، خطبات احتشام، خطبات اکابر، شیخ الاسلام پاکستان، ذکر طیبؒ سیرت بدر عالم، مفتی اعظم پاکستان، تذکرۂ خطیب الامت، بیس بڑے علماء، ذکر خیر محمد، سوانح خلیلؒ اور حیات مالکؒ، قابل ذکر ہیں۔

آپ مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متعلقین میں سے ہیں اور حضرتؒ پر کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ انہی میں زیر نظر ''کتاب'' ہے جو انشاء اللہ نہایت مفید کتاب ثابت ہوگی۔ انہی کے اصرار پر سیدی حضرت مفتی اعظمؒ کے بارے میں یہ مختصر مضمون نظر قارئین ہے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین!۔

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ ہارون آباد۔

ولادت باسعادت:

آپ مرکز علوم اسلامیہ قصبہ دیو بند کے مردم خیز علاقہ میں ۲۰، ۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۱۴ھ کی درمیانی شب (مطابق جنوری ۱۸۹۷ء) کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی حالات:

والد ماجد کا نام حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب تھا جو دارالعلوم دیوبند کے تقریباً ہم عمر تھے۔ انہوں نے دارالعلوم کا وہ زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کے مہتمم سے دربان تک سب صاحب نسبت ولی اللہ تھے اور وہ خود بھی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ اس طرح حضرت مفتی صاحبؒ نے جس ماحول آنکھ کھولی اور پرورش پائی وہ سراسر اسلامی اور مذہبی تھا۔ آپ کا اسم مبارک ''محمد شفیع'' بھی قطب عالم حضرت گنگوہیؒ نے رکھا تھا۔

سلسلۂ نسب:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ عثمانی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''میں نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے متواتر یہ بات سنی ہے کہ ہمارا خاندان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہے۔'' (میرے والد ماجد ص ٦)

تعلیم و تربیت:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک دارالعلوم کے اساتذہ حافظ عبدالعلیم صاحبؒ اور حافظ نامدار خاں صاحبؒ سے پڑھا اور عربی، فارسی، اردو کی ابتدائی کتب اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ سے پڑھیں۔ ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں باقاعدہ داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اور حضرت علامہ رسول خاں صاحب (رحمہم اللہ اجمعین) سے زانوئے تلمذ کا شرف حاصل کرتے ہوئے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

تعلیم و تدریس:

۱۳۳۶ھ آپ کی تعلیم و تدریس کا مشترکہ سال تھا جس میں فنون کی بقیہ کتب قاضی امیر زاہد اور امور عامہ کی تکمیل بھی فرمائی اور دارالعلوم میں اپنی ابتدائی کتابیں بھی اپنے اساتذۂ کرام کے حکم سے پڑھائیں۔

مسند درس پر:

مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۳۷ھ میں باقاعدہ تدریس شروع فرمائی اور پورے بارہ برس مختلف علوم وفنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابوں کا درس دیا۔

مسند افتاء پر:

۱۳۳۹ھ میں مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند جیسی بے مثال دینی درس گاہ کے صدر مفتی کے عہدۂ جلیلہ پر متمکن

ہوئے اور پورے چودہ برس اس منصب جلیلہ کی ایسی بے نظیر خدمات انجام دیں جو ان شاء اللہ رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔اس خدمت کے ساتھ ساتھ حدیث وتفسیر کی چند کتب بھی آپ کے زیر درس رہیں۔

تحریک پاکستان کی خاطر دارالعلوم دیوبند سے استعفاء:

۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم کی چھبیس ۲۶ سالہ ناقابل فراموش خدمات کے بعد تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لینے اور دارالعلوم کا نظم وضبط برقرار رکھنے کی خاطر آپ نے اپنی اسی محبوب مادر علمی سے استعفاء دے دیا اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ امرتسری فرماتے ہیں۔

''اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ان کو مخاطب کر کے دیوان حماسہ کا یہ مصرعہ ادنیٰ تغیر کے ساتھ پڑھا۔''

اضاعوك وای فتی اضاعوا۔

پھر فرمایا جتنا مشاہرہ دارالعلوم سے آپ کو ملتا تھا اس سے زیادہ کا تو وعدہ نہیں کرتا' لیکن اتنا ضرور دوں گا۔آپ یہاں میرے پاس ٹھہریں اور اطمینان سے کام کریں۔''

(احسن السوانح ص۸۳۳)

بیعت وسلوک:

ابتداء بیعت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمائی' جب وہ مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے تھے۔

خانقاہ تھانہ بھون میں ابتدائی حاضریاں:

اپنے والد ماجد کے ہمراہ حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے وصال کے بعد لاشعوری کے زمانہ میں پہلی حاضری ہوئی۔اس کے بعد ۱۳۳۲ھ میں یونانی فلسفہ کے حصول تعلیم کے مشورہ کے لئے دوسری حاضری ہوئی۔اس کے بعد ۱۳۳۷ھ میں سلوک وطریقت کی تعلیم کی نیت سے تیسری حاضری ہوئی۔اس کے بعد ملک کے ہنگاموں روزمرہ کے انقلابوں اور فتنوں کے سبب جلد حاضری نہ ہوسکی۔

تجدید بیعت:

اس کے بعد ۱۳۴۶ھ میں تجدید بیعت فرمائی اور ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۶۲ھ تک (حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے وصال مبارک تک) مسلسل متعدد حاضریاں ہوتی رہیں۔

اجازت بیعت تلقین:

۱۳۴۹ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اجازت بیعت وتلقین

عطا فرما کر اپنے مجازین بیعت میں شامل فرمایا۔

حکیم الامتؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی محمد شفیع کی عمر دراز کرے، مجھے ان سے دو خوشیاں ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے ذریعے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔'' (بحوالہ اکابر علمائے دیوبند)

علمی خدمات:

دنیا کے اسلامی ممالک، ملایا، انڈونیشیا، افغانستان، ایران، بخارا، سمرقند میں بھی آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ آپ کے بلا واسطہ تلامذہ علماء کرام کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اس کے علاوہ دوصد سے زائد تصانیف آپ کی علمی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

دارالعلوم کراچی:

علاوہ ازیں سب سے بڑی علمی یادگار دارالعلوم کراچی ہے، جو قیامت تک انشاء اللہ آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنی رہے گی جسے آپ نے بے سروسامانی کی حالت میں شوال ۱۳۷۰ھ میں محلّہ نانک واڑہ کی ایک عمارت میں آغاز فرمایا تھا اور اب الحمدللہ کورنگی میں ۱۵۷ ایکڑ کی وسیع اراضی میں خوشنما عمارت میں آباد ہے اور اس وقت پاکستان میں ثانی دارالعلوم دیوبند ہے۔

اس کے علاوہ ماہنامہ ''البلاغ'' ترجمان دارالعلوم کراچی بھی آپ کے باقیات صالحات میں سے ہے جس کا آغاز محرم ۱۳۸۶ھ میں فرمایا تھا اور آج انٹرنیشنل جریدہ ہے۔

فقہی خدمات:

آپ کی ساری زندگی فقہی خدمت کی آئینہ دار ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے دارالعلوم کراچی کے قیام تک کا عرصہ بھی آپ کی فقہی خدمات سے خالی نہ رہا۔ جہاں بھی آپ تشریف رکھتے وہی دارالافتاء ہوتا۔ اس لئے آپ کی فقہی خدمات کا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔

رند جو ظرف اٹھالے وہی ساغر بن جائے
جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی میخانہ ہے

ایک محیط اندازہ کے مطابق آپ نے دو لاکھ سے زائد فتاویٰ جاری فرمائے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے نقول فتاویٰ کو شائع کرنے کے قابل فرما کر ''عزیز الفتاویٰ'' کے نام سے شائع کرایا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے

''امدادی الفتاویٰ'' کو از سر نو بتویب کروا کر شائع فرمایا۔ اس کے علاوہ شاید ہی کوئی جدید پیش آمدہ مسئلہ ہو جس پر آپ نے جامع رسالہ تحریر نہ فرمایا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے چھوٹے چھوٹے بے شمار بیش قیمت فقہی رسالے تحریر فرما کر بڑے بڑے ضخیم فتاویٰ کے دیکھنے سے بے نیاز کر دیا۔ ہر جدید فقہی موضوع پر آپ کا جامع رسالہ موجود ہے (مثلاً آلات جدیدہ کے شرعی احکام، رویت ہلال، اعضاء انسانی کی پیوند کاری، بیمہ کے احکام و مسائل، مسئلہ سود وغیرہ، دلائل القرآن علی مسائل النعمان، امداد المفتیین اور جواہر الفقہ بھی آپ کے فقہی خدمات کے شاہکار ہیں۔ وصال سے تقریباً گیارہ گھنٹے پیشتر (دن کے سوا بجے تک) آپ نے یہ خدمت سر انجام دی اور ایک فتویٰ پر دستخط فرمائے۔ دراصل آپ کو اس سے اس قدر مناسبت اور تعلق تھا کہ اس کی دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ امداد المفتیین کی مختصر تاریخ میں تحریر فرمایا تھا:

''گو اصل خدمت فتاویٰ جو بہر حال دار العلوم ہی کا فیض ہے اور اسی کی خدمت ہے بحمد اللہ جاری ہے اور امید ہے دعا ہے کہ آخر دم تک جاری رہے۔''

حق تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری فرمادی ۔

دہد یزداں مراد متقیں
تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں

سیاسی خدمات:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو سیاسی ہنگاموں سے طبعاً دلچسپی نہ تھی۔ مگر ملکی و قومی اشد ضرورت کے موقع پر خدمت دین کے جذبہ سے شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ تیسری جنگ عظیم کے بعد چندہ بلقان کے لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شرکت فرمائی۔

تحریک پاکستان میں شرکت:

نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مقصد اعظم پاکستان کے لئے جدو جہد کرنا تھا۔ کانپور کے ایک اجلاس میں شرکت فرما کر باقاعدہ ممبری قبول فرمائی اور تحریک پاکستان کی جدو جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم سے ۱۲/فروری ۱۹۳۹ء اور ۹/جون ۱۹۴۷ء کو دیگر علماء کے ساتھ ملاقاتیں بھی فرمائیں۔ ریفرنڈم کے موقع پر حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی معیت میں صوبہ سرحد کا تاریخی دورہ بھی فرمایا جس میں حق تعالیٰ شانہ نے شاندار کامیابی عطا فرمائی اور خود قائد اعظم نے مبارک باد پیش کی اور آپ کی خدمات کی تعریف کی۔

پاکستان میں دستور اسلامی کے لئے وطن مالوف سے ہجرت:

پاکستان کے لئے دستور اسلامی کا خاکہ مرتب کرنے کے لئے حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر اپنے اصلی وطن دیوبند کو خیر باد کہہ کر ۳۰/جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ مطابق یکم مئی ۱۹۴۸ء کو پاکستان کی طرف

ہجرت کے لئے روانہ ہو گئے۔ (ہجرت کے ۱۳ برس بعد آپ پاکستان سے ایک بار اپنے علمی و روحانی وطن کو دیکھنے کے لئے گئے تھے جس کی تفصیل ''نقوش و تاثرات'' میں ہے۔ ۱۹۴۹ء میں قرار داد مقاصد کی ترتیب و تدوین میں آپ نے دن رات ایک کر دیئے۔ جو آپ کا عظیم کارنامہ ہے۔

بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت:

پھر ۱۹۴۹ء ہی میں دستور ساز اسمبلی نے دستور سازی کے لئے ایک اسلامی مشاورتی بورڈ قائم کیا تو آپ کو اس بورڈ کا ایک اہم رکن منتخب کیا۔

بورڈ آف لاء کمیشن کی رکنیت:

حکومت پاکستان نے ۱۹۵۰ء میں موجودہ قوانین کو اسلامی ڈھانچہ میں ڈھالنے کے لئے بورڈ آف لاء کمیشن قائم کیا تو حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کی درخواست پر ارباب حل وعقد نے آپ کو ممبر منتخب کیا۔

بائیس نکات:

۱۹۵۱ء میں علماء نے جو بائیس نکات مرتب کئے آپ ہی نے سرپرستی فرمائی تھی اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ اس کے محرک و داعی تھے۔

جمعیت علمائے اسلام کی قیادت:

حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے وصال کے بعد مغربی پاکستان کے بعض لوگوں نے اسی نام سے ایک جمعیت قائم کی جس کا اصلی مرکزی جمعیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مسلسل شب و روز کی جدو جہد فرما کر آپ نے سب کو ایک پلیٹ پر جمع کیا۔

الیکشن ۱۹۷۰ء میں دینی خدمت:

سوشلزم کے خلاف فتویٰ دینے والے ۱۱۳ علمائے حقانی کی سرفہرست میں آپ شریک تھے۔ آپ نے ضعیفی اور علالت کے باوجود اس سلسلہ میں کافی تحریری کام کیا۔ سابق مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے بعض علاقوں کا دورہ بھی فرمایا:

ختم نبوت کے سلسلہ میں خدمات:

۱۳۴۰ھ میں قادیانی فتنہ اٹھا تو حضرت الاستاذ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ارشاد سے ختم نبوت پر ایک جامع مکمل و مدلل کتاب تحریر فرمائی جو اپنی نظیر آپ ہی اور انشاء اللہ قیامت تک آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنے گی۔ اسی دجل و فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے آپ نے حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا بدر عالم میرٹھیؒ کے ساتھ ملک کا دورہ بھی فرمایا اور خود ان کے مرکز قادیان میں جلسہ منعقد کر کے مرزا کے اوہام باطلہ کی تردید فرمائی۔ فیروز پور پنجاب میں قادیانیوں نے مناظرہ کا چیلنج کیا تو اس تاریخی مناظرہ میں بھی آپ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے ساتھ

شرکت فرمائی تھی اور پھر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں متعدد شہروں کا دورہ بھی کیا۔

سلوک وتصوف کی خدمات:

سلوک وتصوف میں بھی آپ نے آخر دم تک اپنی بھرپور خدمات انجام دیں۔ سالکین سے آپ روزانہ ملاقات فرماتے اور قریب بیٹھنے کا وقت بھی دیتے۔ اتوار کی مجلس عام ہوتی جس میں دور دراز کے لوگ آکر شریک ہوتے۔ یہ اہتمام وصال سے دو یوم پیشتر کے اتوار ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۶ء تک جاری رہاں سالکین کے خطوط کے جوابات خود تحریر فرماتے۔ آخر میں ضعف بصر اور علالت سے مجبور ہوکر جوابات مولوی محمد امین اشرف صاحب سے لکھواتے مگر جوابات ضرور دیتے۔ آپ کے مریدین کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہے۔ ۱۴ حضرات کو آپ نے اجازت بیعت وتلقین بھی عطا فرمائی۔ خداوند قدوس حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس فیض کو تا ابد باقی رکھیں۔ آمین! تصوف میں آپ نے متعدد کتب بھی تحریر فرمائیں اور بعض اہم کتابوں کے تراجم بھی تحریر فرمائے۔

اصلاح معاشرہ کے لئے خدمات:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو معاشرہ کی اصلاح کا بڑا خیال تھا۔ اس سلسلہ میں متعدد تصانیف بھی فرمائیں۔ مثلاً گناہ بے لذت، نجات المسلمین، دافع الافلاس وغیرہ۔ اس کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ اپنے وصیت نامہ میں بھی اصلاح معاشرہ کے لئے متعدد ہدایات ونصائح تحریر فرمائیں۔ کاش ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق نصیب ہو۔ آمین۔

وصال مبارک:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کس کس خدمات کو گنوایا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی خدمات کا احاطہ و احصاء محال ہے۔

ے ایں سخن رانیست ممکن اختتام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

اسی طرح آخر دم تک دین اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۰ شوال المکرّم ۱۳۹۶ھ کی شب کو اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحبؒ عارفی (خلیفہ خاص حضرت حکیم الامتؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مسجد دارالعلوم کے عقب میں مغربی سمیت پر اپنے ہی وقف کردہ قبرستان میں سپرد خاک کردیئے گئے۔

ع پیوند خاک زہد و سخا ہوں ہزار حیف

ان ہی کے آخری نعت کے ایک مصرعہ "دوزخ کی آنچ مجھ پہ الٰہی حرام" سے نکلتی ہے۔ آپ نے پانچ حج اور متعدد

عمرے فرمائے۔ آخری عمرہ وصال سے ایک سال قبل رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ میں فرمایا تھا۔

اولاد صالحہ:

آپ کے پانچ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے کا اسم گرامی حضرت مولانا ذکی کیفی مرحوم و مغفور ہے، جن کا وصال حضرت نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ (۱۰ ارمحرم ۱۳۹۵ھ) میں ہو گیا تھا۔ ''ادارۂ اسلامیات لاہور'' ان کی یادگار ہے، جن کو ان کے تین صاجزادے مولانا محمود اشرف، مسعود اشرف اور سعود اشرف بڑے سلیقہ سے چلا رہے ہیں۔ آپ شاعر بھی تھیں حضرت مفتی صاحب علیہ رحمہ نے آپ کی نعت اپنے رسالہ ''ذکر اللہ اور درود شریف کے فضائل و احکام میں درج فرمائی تھی۔ دوسرے صاجزادے حضرت محمد رضی عثمانی صاحبؒ جو ''دارالاشاعت کراچی'' کے مالک و سرپرست تھے۔ متعدد دینی کتب آپ ہی کی سرپرستی میں شائع ہوئیں۔ اس طرح دین کی اشاعت میں آپ معروف رہے ہیں۔ فالحمد للّٰہ علی ذلك۔

تیسرے صاجزادے جناب محمد ولی رازی ایم اے پروفیسر اسلامیات ہیں۔ جن کے دینی مضامین ''البلاغ'' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے ان کی شادی پر سہرا لکھا تھا۔ جس کا ایک مصرعہ ہے:

شرعی خوشی مناؤ کہ شادی ولی کی ہے

چوتھے صاجزادے مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی صاحب مدظلہ ہیں جو دارالعلوم کراچی کے صدر اور استاذ حدیث ہیں۔ اگر افتاء میں حضرت مفتی صاحبؒ کا جانشین کہہ دوں تو بجا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے متعدد مسائل اپنی زیر نگرانی ان سے قلمبند کروائے تھے۔

پانچویں صاجزادے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ مدیر ماہنامہ ''البلاغ'' اور دارالعلوم کے استاذ حدیث ہیں۔ متعدد دینی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور شریعت سپریم کورٹ کے جج ہیں۔ سیدی حضرت مفتی صاحبؒ نے آپ کی ایک کتاب علوم القرآن کے پیش لفظ میں تحریر فرمایا تھا ''دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس نورنظر کو عافیت کاملہ کے ساتھ عمر دراز نصیب فرمادیں اور تمام شرور و آفات اور فتن ظاہرہ و باطنہ سے حفاظت کے ساتھ مزید دینی، علمی خدمات کی توفیق عطا فرمادیں اور صدق و اخلاص اور اپنی رضائے کامل عطا فرمائیں۔''

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''عزیز تقی سلمہ سے ہماری امیدیں زیادہ وابستہ ہیں۔ اب انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ مفتی محمد شفیع ہیں۔''

(البلاغ ذوالحجہ ۹۶ھ)

دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کو حضرت مفتی صاحبؒ کا سچا جانشین بنادے۔ آمین۔

---

۱ آپ کی خدمت دین کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کی متصل خدمت و انتظامی ذمہ داری کے باوجود مختلف امراض و مشاغل کی حالت میں ۱۳۸۸ھ سے ۱۳۹۲ھ تک پانچ سال کے عرصہ میں سات ہزار صفحات پر مشتمل تفسیر ''معارف القرآن'' تحریر فرمائی جو دور حاضر کی تفاسیر میں اپنی مثال آپ ہے۔ انہی ایام میں دس فقہی مسائل بھی تحریر فرمائے جو جواہر الفقہ میں شامل ہیں۔

مشہور تلامذہ وخلفاء کے اسماء گرامی

(۱)- شیخ الحدیث علامہ سید محمد یوسف نبوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی و سابق امیر مجلس تحفظ ختم نبوت ورکن اسلامی نظریاتی کونسل وصدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

(۲)- حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت تھانوی وسربراہ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد ضلع مظفر نگر (بھارت)

(۳)- حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند۔

(۴)- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) وسابق رکن قومی اسمبلی پاکستان۔

(۵)- عالم محقق حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر، شیخ الحدیث نصرت العلوم گوجرانوالہ (پنجاب)۔

(۶)- خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ تھانوی، بانی ومہتمم دارالعلوم الاسلامیہ، ٹنڈوالہ یار، سابق قائد مرکزی جمعیت علماء اسلام وسابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان۔

(۷)- شیخ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ پانی پتی، صدر شعبہ حفظ وتجوید، دارالعلوم کراچی، مقیم حال مکہ مکرمہ۔

(۸)- مولانا محمد انوارالحسن صاحب انور، شیرکوٹی، سابق صدر شعبہ فارسی، اسلامیہ کالج فیصل آباد۔ (پنجاب)

(۹)- حضرت مولانا سید حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانویؒ وسابق استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم دیوبند۔

(۱۰)- حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی، بانی ومہتمم اشرف المدارس ناظم آباد۔ کراچی۔

(۱۱)- حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان۔

(۱۲)- حضرت مولانا سید بادشاہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک۔ پشاور۔

(۱۳)- حضرت مولانا سید انورالحسن بخاری، فاضل دیوبند وسرپرست تنظیم اہل سنت پاکستان۔

(۱۴)- حضرت مولانا عرض محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ۔ کوئٹہ بلوچستان۔

(۱۵)- حضرت مولانا قاری رعایت اللہ صاحب مدظلہم۔ استاذ حدیث وسابق ناظم اعلیٰ دارالعلوم کراچی۔

(۱۶)- حضرت مولانا سبحان محمود صاحب مدظلہم استاذ حدیث وتفسیر و ناظم دارالعلوم کراچی۔

(۱۷)- حضرت مولانا غلام محمد صاحب دامت برکاتہم۔ استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم کراچی۔

(۱۸)- برادر عزیز مولانا محمد تقی صاحب عثمانی۔ استاد حدیث و مدیر ماہنامہ البلاغ و نائب مہتمم دارالعلوم کراچی و رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان۔

(۱۹)- حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب صدر مدرس نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان۔

(۲۰)- حضرت مولانا قاری عبدالعزیز شوقی صاحب انبالوی رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مدرس دارالعلوم الاسلامیہ لاہور۔

(۲۱)- حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی و استاد حدیث مدرسہ اشرفیہ سکھر و رکن مجلس منتظمہ دارالعلوم کراچی وخلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲۲)- حضرت مولانا صدیق احمد صاحب صدر نظام اسلام پارٹی وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ پٹنہ چاٹگام بنگلہ دیش۔

(۲۳)- حضرت مولانا مصلح الدین صاحب کشور گنج ضلع یمن سنگھ بنگلہ دیش۔

(۲۴)- حضرت مولانا مفتی محی الدین صاحبؒ خلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظم ومفتی و استاد حدیث مدرسہ اشرف العلوم بڑا کڑہ ڈھاکہ۔

(۲۵)- مولانا عبدالقدوس صاحب صدر شعبہ عربی۔ پشاور یونیورسٹی۔

(۲۶)- حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ بانی ومہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا۔

(۲۷)- حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہم شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم حیدرآباد وخلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲۸)- حضرت مولانا قاضی زید العابدین سجاد میرٹھیؒ (مؤلف بیان اللسان)

(۲۹)- حضرت مولانا امیر الزمان کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم باغ۔ پونچھ آزاد کشمیر۔

(۳۰)- حضرت مولانا محمد یوسف خاں صاحب مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم پلندری آزاد کشمیر۔

(۳۱)- مولانا عبدالصمد صارم صاحب (کئی کتب کے مصنف ہیں)۔

(۳۲)- مولانا سید آفتاب عالم مہاجر مدنی فرزند رشید حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ۔

(۳۳)- مولانا میر امام الدین ہاشمیؒ خلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظمؒ۔

(۳۴)- مولانا سید محمود حسن صاحب سنبھلی (خلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظمؒ)۔

(۳۵)- مولانا حکیم امداد اللہ صاحب احمد ذکی (مجاز بیعت حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

(۳۶)- حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ' بانی مدرسہ اشرف العلوم گوجرانولہ۔

(۳۷)- حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان۔

(۳۸)- حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مدظلہم مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔

(۳۹)- حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان۔

(۴۰)- حضرت مولانا عبیداللہ انور سابق صدر انجمن خدام الدین و مہتمم مدرسہ قاسم العلوم لاہور۔

(۴۱)- حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیمبل پوری (مصنف تصانیف کثیرہ)

(۴۲)- حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم مہتمم وصدر دارالعلوم کراچی۔

(۴۳)- حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی (خلیفہ مجاز حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ۔)

(۴۴)- حضرت مولانا عبدالرشید ربانی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ علماء برطانیہ۔

(۴۵)- احقر بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ ہارون آباد (خلیفہ حضرت مفتی اعظمؒ)

نوٹ: حضرت مفتی اعظمؒ کے تفصیلی حالات ''البلاغ'' کے ''مفتی اعظم'' نمبر میں ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا محمد محترم فہیم عثمانی صاحب:

ان کی یادوں میں گلوں کی خوشبو

شیخ العالم فقیہ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ جیسی ہستی جو اپنی ذات میں علم و معرفت کا ایک جہان ہو' جو ایک ہی وقت میں مفسر قرآن بھی ہو اور محدث بھی' فقیہ بھی ہو اور صوفی بھی' خطیب بھی ہو اور متکلم بھی۔ جس کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان رہی ہو۔ جس کا قلم فقہ و تصوف کا حسین امتزاج ہو۔ جس کی تقریریں روحانی مریضوں کے لیے شفا کا پیغام ثابت ہوتی رہی ہوں اور جس کی تحریریں دقائق علمی اور وفائق ایمانی کا پیکر نظر آتی ہوں مختصر یہ کہ وہ ہستی جس کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مجمع البحرین ہو۔ اس کی حیات طیبہ کے بارے میں کوئی کیا لکھے اور کیسے لکھے۔ بالخصوص مجھ جیسا بے بضاعت انسان جو فی الحقیقت علم کی چاشنی تک سے بھی کما حقہ' واقف نہیں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ جیسے متبحر عالم' بے مثال فقیہ' مقام ارفع و اعلیٰ پر فائز محدث و متکلم اور جامع الشریعت والطریقت فاضل اجل کی زندگی کے کسی گوشے پر بھی قلم اٹھانے کی آخر جرأت کرے تو کیونکر؟ حضرت کی حیات طیبہ کے جس پہلو کی طرف بھی نظریں اٹھتی ہیں خیرہ ہو کر لوٹ آتی ہیں۔ میری نظروں کے لیے تو یہی بات انتہائی فخر کی ہے کہ انہوں نے اس ہستی کو قریب سے دیکھا ہے' جس کے سامنے بڑے بڑے اصحاب علم و فضل زانوئے تلمذ تہ کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ جس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ علوم و حکم سے بھرپور مقولوں کی حیثیت کے حامل تھے اور جس کے قلم سے نکلی ہوئی تحریریں ہر مکتب فکر کے فاضلین کے درمیان سند کا درجہ رکھتی تھیں۔

متاع دو جہاں:

مجھے فخر ہے اور بجا طور پر فخر ہے کہ میں بھی حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کے محترم خانوادے کا ایک ادنیٰ سا فرد ہوں۔ مجھے بھی یہ شرف حاصل ہے اور میں اس شرف پر نازاں ہوں کہ میرے ذہن میں بھی چند ایسی بیش بہا یادیں محفوظ ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات اقدس سے رہا ہے اور اس لحاظ سے ان یادوں کو میں اپنی زندگی کا انمول سرمایا کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔

ع بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

یہ یادیں میرے لیے زندگی کا سرمایہ ہی نہیں متاع آخرت بھی ہیں۔ رب رحیم کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان یادوں کو ایک ایسے وثیقے کے طور پر قبول فرمالے گا جو مجھ جیسے عاصی گنہگار کے لیے دخول جنت کا ضامن ثابت ہو سکے۔ اس کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ وہ اپنے محبوب ومقرب بندے سے وابستہ ان یادوں کو میرے اعمال نامے میں سرفہرست لکھ کر مجھے جہنم سے رہائی کا پروانہ عنایت فرمادے اور میں خوشی سے پھولا نہ سماؤں۔ اپنا اعمال نامہ لوگوں کو دکھاتا پھروں اور کہوں ھاؤم اقراء واکتبیہ (لومیرا نامۂ اعمال پڑھ لو) کہ یہی میرا سرمایہ ہے یہی میری متاع ہے۔

آخرت میں میرے لیے فخر ومسرت کا سامان بہم پہنچانے والی ان مقدس یادوں کو میں اس دنیا میں بھی اپنی تسکین قلب کا ذریعہ بنانا چاہتا ہوں۔ ان یادوں میں توشۂ آخرت بننے کی اہلیت ہے تو یہ صرف مجھ تک ہی کیوں محدود رہیں۔ یہ یادیں میرے ذہن سے حضرت مفتی صاحب نوراللہ مرقدہ سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کے ذہن میں منتقل ہوکراس کے محضر آخرت کا سرمایہ کیوں نہ بن جائیں۔ یہ یادیں محض یادیں ہی نہیں سفرآخرت کی تاریک راہوں کو منور کرنے والی وہ قندیلیں ہیں جو ہرمسافرآخرت کے لیے نشان منزل کا کام دے سکتی ہیں۔

یہ یادیں اگرچہ تہہ در تہ میرے ذہن میں محفوظ ہیں' مگر منتشر اور غیر مربوط صورت میں ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان کو مربوط بنانے کے لیے تکلف کا استعمال کرنے کے بجائے وقت اور واقعہ کی ترتیب کا لحاظ کیے بغیر جو یاد بھی ذہن کے نہاں خانوں سے ابھرآئے' آپ کے سامنے پیش کرتا چلا جاؤں۔

صوت ہادی:

ان یادوں میں وہ یاد جس کے نقوش میرے ذہن میں سب سے زیادہ نمایاں ہیں ان کا تعلق ایک ایسے واقعے سے ہے جو اپنے نتیجے کے اعتبار سے میری زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے میرے لیے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ آج سے کوئی تئیس چوبیس سال پہلے کی بات ہے۔ میری جوانی کا زمانہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے دینی وعلمی ماحول سے مجھے جدا ہوئے تقریباً سات آٹھ سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ والد محترم کا شفیق سایہ بھی میرے سر سے اٹھے تین چار سال بیت گئے تھے۔ میری دینی تعلیم کا وہ سلسلہ جو دارالعلوم سے منقطع ہونے کے بعد والد صاحب کی بلا واسطہ شاگردی میں چلتا رہا تھا' اب اس کا رخ یکسر مغربی تعلیم کی طرف مڑ چکا تھا اور اس کے ساتھ ہی میری وضع قطع ایک مغرب زدہ نوجوان کے طرز و ادا کا مکمل نمونہ بن چکی تھی۔ انہی دنوں ایک روز شام کے وقت میں حسب معمول ادارۂ اسلامیات (حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے برادر محترم مولانا محمد زکی کیفی کا کتب خانہ) پہنچا تو دیکھا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف فرما ہیں۔ مجھے کراچی سے حضرت کی تشریف آوری کا قطعاً کوئی علم نہ تھا۔ اس لیے حاضری کے لیے کسی اہتمام کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ چہرۂ تو ریش و بردت سے بے نیاز تھا ہی سر پر کوئی ٹوپی تک نہ

تھی۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ چاروناچار سامنے جا کر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔ حضرت نے میری طرف ایک نظر اٹھائی۔ میرے قریب ہی میرے خالہ زاد بھائی زاہد حسن انصاری بھی آئے بیٹھے تھے۔ وہ بھی میری طرح معلوم ہوتا ہے رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے ہم دونوں کی طرف مخاطب ہو کر بڑے حسرت آمیز لہجے میں فرمایا۔''مجھے تم دونوں کے بارے میں کسی کے سامنے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ تم دونوں میرے بھانجے ہو۔'' پھر میری طرف دیکھ کر خصوصیت سے فرمایا تمہارے بارے میں تو میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ یہ مولانا مسلم جیسے باعمل عالم کا بیٹا ہے۔'' حضرت کے ان الفاظ میں کیا جادو تھا؟ میں بتا نہیں سکتا' وہیں سن ہو کر رہ گیا۔ میں وہ کیفیت بیان کرنے سے قاصر ہوں' جو حضرت مفتی صاحبؒ کی زبان سے نکلنے والے ان الفاظ کو سن کر مجھ پر طاری ہوئی اگر میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ حضرت کے الفاظ میرے ہوش وحواس پر بجلی بن کر گرے۔ میرا سارا وجود جھنجھنا اٹھا۔ اظہار ندامت کے لیے بھی کوئی لفظ میرے منہ سے نہ نکل سکا۔ گم سم بیٹھا رہا' تا آنکہ حضرت مفتی صاحب اٹھ کر تشریف لے گئے۔ ان الفاظ نے میری کایا ہی پلٹ دی۔ اپنے لباس سے مجھے نفرت ہونے لگی' اپنی وضع قطع سے گھن آنے لگی۔ وہاں سے اٹھا تو اس عزم کے ساتھ کہ اب مجھے مولانا مسلم جیسے باعمل عالم کا بیٹا اور مفتی محمد شفیع جیسے فقیہہ زمان کا بھانجا بن کر دکھانا ہے۔

اس واقعہ کو بتیس سال کے قریب گذر چکے ہیں۔ اسی عزم کے سہارے میں آج تک بہ پیہم اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہوں۔ اس عزم کو حقیقت میں بدل سکوں گا یا نہیں؟ یہ تو میں نہیں جانتا۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں اب جو کچھ ہوں' اسی عزم کی بدولت ہوں اور یہ عزم عطیہ ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ان الفاظ کا جو مولانا الطاف حسین حالی کی زبان میں میرے حق میں یقیناً صوت ہادی ہی ثابت ہوئے اور جنہوں نے مجھے میری روح کی گہرائیوں تک جھنجھوڑ ڈالا۔

روحانی تصرف:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے اس جادو کی آپ خواہ کوئی بھی تعبیر کریں۔ میں اسے حضرت مفتی صاحب کے روحانی تصرف کا کرشمہ کہوں گا۔ مجھے اس سے پہلے بھی میرے بہت سے بزرگوں اور محسنوں نے اس سلسلے میں بہت سی نصیحتیں متعدد بار کی تھیں مگر کسی نصیحت کا مجھ پر وہ اثر نہ ہوا جو حضرت مفتی صاحب کی زبان سے نکلنے والے سیدھے سادے ان دو جملوں سے ہوا۔ یہ یقیناً حضرت مفتی صاحب کا روحانی تصرف تھا جو کام کر گیا۔

حضرت مفتی صاحب کے الفاظ کی اس تاثیر کو روحانی تصرف قرار دینے پر میں اس لیے بھی مصر ہوں کہ اس کا تجربہ و مشاہدہ مجھے ایک اور موقعہ پر بھی ہوا۔ میری ایک بچی آٹھ نو سال کی عمر میں قضائے الٰہی سے اچانک فوت ہوگئی۔ چونکہ اس کی وفات بالکل اچانک ہوئی تھی' دوپہر دو بجے سرسام ہوا اور رات کے دو بجے سے پہلے وہ اللہ کو پیاری بھی ہوگئی اس لیے مجھے کسی طرح قرار نہ آتا تھا۔ ہزار ضبط کے باوجود آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ وفات کو تین چار روز گذر چکے

تھے مگر کرب اور بے چینی کا وہی عالم تھا۔ اتفاق سے حضرت مفتی صاحب کا لاہور آنا ہوا تو از راہ شفقت تعزیت کے لیے تشریف لائے۔ میری حالت دیکھ کر مجھے اپنے قریب بلایا اور نہایت آہستگی سے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھ کر فرمایا ''جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی' راضی برضا رہو' صبر سے کام لو۔'' حضرت کا ہاتھ میرے سینے پر تھا اور یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے میرے دل پر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو اور بھڑکتی ہوئی آگ بجھنے لگی ہو۔ سینے پر بدستور ہاتھ کا لمس تھا اور کانوں میں حضرت کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی۔'' رستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھ دیا گیا تھا۔ لمحوں کی دیر تھی' میں صبر و سکون کی دولت سے مالا مال تھا۔

ان واقعات کو حضرت مفتی صاحب کی کرامت کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مفتی صاحب کی اصل کرامات تو آپ کا تقویٰ طہارت' آپ کا تفقہ فی الدین' شرعی علوم میں آپ کی مہارت و بصیرت' بے لوث خدمت دین اور بے غرضانہ تلقین رشد و ہدایت ہیں۔ ان میں سے ہر کرامت پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ مگر یہ میرے مقام سے اوپر کی چیزیں ہیں۔ میں تو صرف چند یادوں کے نقوش صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کا ارادہ لے کر چلا ہوں۔ چنانچہ مجھے انہی تک محدود رہنا چاہئے۔

تفقہ فی الدین:

حضرت مفتی صاحب کے تفقہ فی الدین کے ذکر پر ایک اور واقع کی یاد میرے ذہن کی سطح پر ابھر رہی ہے۔ اس واقعے کو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ فی الدین کا ایک نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب یہودیوں کے ہاتھوں مسجد اقصیٰ کو آگ لگنے کا حادثہ رونما ہوا۔ کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ سارا عالم اسلام مضطرب اور بے چین تھا۔ حضرت مفتی صاحب لاہور آئے ہوئے تھے اور اپنے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد زکی کیفی مرحوم کے یہاں مقیم تھے۔ بعد نماز عصر راقم الحروف ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ مجلس میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی صاحب نے فلسطین پر یہودیوں کے قبضے اور پھر مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دینے کے حوالے سے سوال کر دیا کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے تو سمجھ میں یہ آتا ہے کہ دنیا میں یہودیوں کو ہمیشہ ذلت و مسکنت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر اب امر واقعہ اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں ایک بڑی جامع تقریر فرمائی جس سے سائل اور حاضرین مجلس سب ہی مطمئن ہو گئے۔ یہ ساری تقریر لفظ بہ لفظ تو ذہن میں محفوظ نہیں رہی۔ البتہ اس کا لب لباب مجھے آج تک یاد ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ قرآن کریم نے بنی اسرائیل کی سرکشی اور اس کے نتیجے میں دشمنوں کے ہاتھوں ان کی تباہی کے دو واقعے ذکر کرنے کے بعد اس قسم کے معاملات میں اپنا ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ:

وان عدتم عدنا۔

(یعنی تم اگر پھر نافرمانی وسرکشی کرو گے تو پھر ہم اسی طرح سزاو عذاب میں مبتلا کر دیں گے)۔

یہ ضابطہ قیامت تک کے لیے ارشاد ہوا ہے اور اس کے مخاطب اگر چہ بنی اسرائیل ہیں' لیکن مسلمانوں کو اس ضابطہ کی اطلاع دینے سے مقصود یہ ہے کہ تم بھی اس ضابطہ الہیہ سے مستثنیٰ نہیں ہو تم اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے انحراف کرو گے تو تم پر بھی تمہارے دشمنوں اور کافروں کو مسلط کر دیا جائے گا اور جس طرح مجوسی اور رومی بادشاہوں کے ہاتھوں یہودیوں کے معابدے بھی محفوظ نہ رہے تھے اسی طرح تمہارے دشمنوں کے ہاتھوں تمہاری مساجد بھی محفوظ نہ رہ سکیں گی۔ مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کے حالیہ واقع سے اس قرآنی ارشاد کی تصدیق ہو رہی ہے۔ مسلمانوں نے خدا اور رسول کو بھلا دیا تو وہی ضابطہ الہیہ سامنے آیا کہ کروڑوں عرب مسلمانوں پر چند لاکھ نفوس پر مشتمل ایک ایسی قوم غالب آ گئی جو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار سمجھی جاتی رہی ہے۔ ان کے ہاتھوں مسلمانوں کے جان و مال کو بھی نقصان پہنچا اور اس عظیم المرتبت مسجد کی بھی بے حرمتی ہوئی جس کو تمام انبیاء کا قبلہ رہنے کا شرف حاصل ہے۔ یہ واقعہ یہود کو کوئی عزت کا مقام نہیں دیتا' البتہ مسلمانوں کے لیے ان کی سرکشی کی سزا ضرور ہے۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے یہود کی دائمی ذلت ومسکنت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے سورہ آل عمران کی مشہور آیت کے حوالے سے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ خواہ کتنے ہی مال دار اور کیسی ہی قوت واقتدار کے مالک کیوں نہ ہو جائیں ہمیشہ تمام اقوال عالم کے درمیان ذلیل و حقیر ہی سمجھیں جائیں گے۔ جس کا بس چلے گا ان کو اپنا تابع فرمان بنا لے گا۔ سوائے دو صورتوں کے کہ یا تو اللہ ہی ان میں سے بعض کو اپنے قانون میں امن دے دے' جیسے عورتیں بچے اور وہ احبار وغیرہ جو مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں یا دوسری صورت یہ کہ کسی دوسری قوم کی پشت پناہی میں آ کر محفوظ و مامون ہو جائیں۔ پھر فرمایا کہ فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہو جانے سے کسی شبہ میں پڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ یہ حکومت درحقیقت یہودیوں کی نہیں ہے ان کے سرپرستوں کی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ کا سایہ نہ ہو تو یہ حکومت ایک دن بھی قائم نہ رہ سکے۔ بنی اسرائیل فی الحقیقت آج بھی غلام ہیں۔ اگر چہ بظاہر قوت واقتدار کے مالک نظر آتے ہیں۔

مہارت علمی:

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس تمام تقریر میں سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ درمیان میں مفتی صاحب جا بجا مختلف مفسرین کے اقوال بطور حوالہ پیش فرماتے جاتے تھے' حالانکہ سامنے کوئی کتاب نہ تھی۔ معلوم ہوتا تھا ذہن میں سب کچھ اس ترتیت کے ساتھ محفوظ ہے کہ ذہن کے جس ورق کو چاہتے ہیں' پلٹتے ہیں اور مطلوبہ مواد نکال کر پیش کر دیتے ہیں۔ حاضرین میں سے بعض لوگ تعجب سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔ یہ بات تھی بھی واقعی بڑی عجیب۔ مگر میری نظر میں مفتی صاحب کی مہارت علمی کے لیے یہ بالکل معمول کی بات تھی۔ کیونکہ میں مفتی صاحب کی ذات سے اس سے بھی عجیب تر کا صدور ہوتا دیکھ چکا تھا اور جس وقت مفتی صاحب تقریر فرما رہے تھے میرے ذہن میں وہی واقعہ

گردش کر رہا تھا۔ ایک مرتبہ لاہور سے لائلپور تک کے سفر میں مجھے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب کسی تبلیغی جلسے میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے۔ درمیان راہ میں کسی جگہ کسی مدرسے کا سنگ بنیاد رکھنا بھی پروگرام میں شامل تھا۔ اب مجھے مدرسے اور مقام کا نام یاد نہیں آ رہا۔ سفر میں میرے علاوہ حضرت مفتی صاحب کے بڑے صاحبزادے برادر محترم مولانا محمد زکی کیفی مرحوم بھی تھے۔ بلکہ اس سفر میں حضرت مفتی صاحب کی معیت کا شرف مجھے انہی کی سفارش پر نصیب ہوا تھا۔ یہ سفر بذریعہ کار طے ہو رہا تھا۔ بہرحال جو بات میں بتانا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ دوران سفر میں نے دیکھا کہ حضرت مفتی صاحب نے اپنے بیگ میں سے کچھ کاغذات نکالے اور قلم لے کر کچھ تحریر فرمانا شروع کر دیا۔ سفر کا اکثر حصہ حضرت مفتی صاحبؒ لکھنے میں مصروف رہے اور جس روانی سے لکھنا شروع کیا تھا اسی روانی سے آخر تک قلم چلتا رہا۔ ایک بار بھی یہ نوبت نہ آئی کہ حضرت مفتی صاحب نے قلم روک کر کچھ سوچا ہو۔ میں پچھلی سیٹ پر حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ جھک کر پڑھنا تو خلاف ادب تھا' مگر میں نے اندازہ لگایا کہ حضرت مفتی صاحب اردو میں کچھ تحریر فرما رہے تھے مگر کہیں کہیں عربی عبارات بھی نظر آتی تھیں۔ بعد میں مولانا محمد زکی مرحوم کی زبانی معلوم ہوا کہ تفسیر معارف القرآن کا کچھ حصہ تھا جو دوران سفر بایں طور مرتب ہو رہا تھا۔ اللہ اللہ میری عقل دنگ رہ گئی۔ اتنا عظیم الشان کام اور اس قدر اعتماد کے ساتھ۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ وہ درمیان میں عربی عبارات یقیناً تفسیری احادیث کا متن ہی ہوں گی' یا پھر مفسرین کے اقوال جو استشہاد کے طور پر مفتی صاحب نے پیش کیے ہوں گے۔

کشف:

لائلپور کے اس سفر میں ایک اور عجیب واقعہ پیش آیا۔ مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائلپور میں حضرت مفتی صاحب کے قیام کا انتظام تھا۔ اس مدرسے کا نام ہم بچپن سے سنتے آئے تھے کیونکہ حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی تقریباً بائیس سال اس مدرسہ کی صدر مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ جب کبھی چھٹیوں میں ہمارے پاس دیوبند تشریف لاتے تو مختلف احباب سے گفتگو کے دوران حضرت والد صاحب کبھی کبھی اس مدرسے کے احوال بیان فرماتے تو ہمارے کانوں میں بھی پڑتے اس طرح اس مدرسے کے کچھ تفصیلی حالات سے بھی ہم باخبر تھے۔ مگر آنکھوں سے اس مدرسے کو دیکھنے کا اتفاق کبھی نہ ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کا قیام یہاں ہوا تو مدرسے کی عمارت اور درسگاہیں وغیرہ دیکھنے کا خوب موقع ملا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ اسی مدرسے کے کسی کمرے میں والد صاحب کی رہائش بھی تھی مگر متعین طور پر پتہ نہ تھا کہ وہ کون سا کمرہ ہے۔ اس کمرے کو دیکھنے کا اشتیاق تھا اس لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی یہ خواہش زبان پر آ گئی۔ مدرسے کی عمارت دیکھتے دیکھتے ہم کتب خانے میں پہنچے تو حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے بھئی معلوم ہوتا ہے کتب خانہ بننے سے پہلے یہی کمرہ مولوی مسلم صاحب کی رہائش کے لیے استعمال ہوتا ہوگا کیونکہ مجھے اس کمرے میں سلسلہ نقشبندیہ کی مہک رچی بسی معلوم ہوتی ہے (حضرت والدؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھے) اس وقت تو

بات آئی گئی ہوگئی، مگر صبح کو ناشتے پر جہاں مدرسے کے عمائدین اور کچھ معززین شہر بھی موجود تھے ایک نابینا حکیم صاحب نے جن کا نام پوری طرح میرے ذہن میں محفوظ نہیں رہا شاید عبدالمجید نام تھا از خود ہی مدرسہ اشاعت العلوم کے گذشتہ حالات بیان کرتے ہوئے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھیڑ دیا اور اسی ذکر کے دوران وہ یہ بھی بتلا گئے کہ والد صاحب کی رہائش اسی کمرے میں رہتی تھی جہاں اب کتب خانہ ہے۔ میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ومقرب بندوں کو شاید حواس خمسہ کے علاوہ بھی کچھ نامعلوم حاسّے عطا فرما دیتا ہے۔

وعظ کی اثر آفرینی:

لائلپور کے سفر کا ذکر چل رہا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس سفر میں حضرت مفتی صاحب کی جو تقریر سننے کا مجھے موقعہ ملا اس کے بارے میں اپنے کچھ تاثرات سپرد قلم کرتا چلوں۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مبسوط تقریر کسی جلسے میں میں نے سنی ہو۔ اس سے پہلے درس قرآن سننے کا موقعہ ضرور ملا۔ ریڈیو پاکستان سے حضرت کا جو درس نشر ہوتا تھا وہ تو پابندی سے سنتا ہی تھا۔ بعض مساجد میں بھی ایک دوبار بالمشافہ حضرت کے درس قرآن سے فیض یاب ہونے کا موقع نصیب ہوا، مگر وعظ وتقریر کی صورت میں حضرت کا خطاب سننے کا یہ میرا پہلا ہی موقع تھا۔ وعظ کیا تھا۔ اثر انگیزی کا ایک مرقع تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہر بات دل سے نکل رہی ہے اور بلا واسطہ دلوں پر ہی پڑ رہی ہے۔ آپ کا طرز تخاطب اس قدر دلکش اور اتنا دل نشین تھا جیسے حضرت مفتی صاحب میرے ہی دل کی بات ارشاد فرما رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ سامعین میں سے ہر ایک کا یہی حال تھا کیونکہ ہر شخص ہمہ تن گوش نظر آ رہا تھا۔ رات گئے تک وعظ جاری رہا۔ مگر مجال ہے جو کوئی اپنی جگہ سے ہلا بھی ہو۔ حضرت کے وعظ میں جو بات خاص طور پر میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ دین کے بارے میں جدید ذہن کے شبہات کے ازالہ کی طرف آپ خاص توجہ فرماتے تھے۔ اس روز کے وعظ کا موضوع کچھ کچھ یاد پڑتا ہے جو حقوق اللہ وحقوق العباد سے متعلق تھا۔ نفس مضمون تو کچھ بھی اب ذہن میں محفوظ نہیں۔ پندرہ سولہ سال سے بھی زیادہ ہی عرصہ ہونے کو آیا۔ تاہم مجموعی طور سے یہ تاثرات اب تک میرے ذہن میں محفوظ ہے کہ حضرت مفتی صاحب موضوع سے متعلق تمام شبہات واعتراضات کو کرید کرید کر از خود سامنے لا رہے تھے اور پھر جواب میں ان کی اصل حقیقت وانکشاف کرتے وقت ایسا عجیب وغریب منطقی وعقلی استدلال پیش فرما رہے تھے کہ تصدیق وتائید کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ تقاریر اور مواعظ تو اس سے پہلے بھی مختلف بزرگوں سے سننے کا خاصا موقع ملا تھا اور بعد میں بھی بہت سننے میں آئے مگر حق یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کا وعظ اپنی مثال آپ ہی تھا۔

بے مثل درس قرآن:

جن لوگوں کو ریڈیو پاکستان سے حضرت مفتی صاحب کا درس قرآن سننے کا موقعہ ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ

حضرت مفتی صاحب کا صرف وعظ ہی نہیں درس قرآن بھی اپنی مثال آپ ہی ہوتا تھا۔ قرآنی علوم وحکم کی شرح کرتے وقت ایسے ایسے اسرارونکات مختصر مگر جامع انداز میں بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ کمال کی بات یہ تھی کہ حضرت کا درس عوام وخواص اور طلباء وعلماء سب کے لیے یکساں فیض کا حامل ہوتا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے مستفیض ہوسکتا تھا' جہاں علماء کے لیے دقائق علمی کا خزانہ ہوتا تھا' وہاں ایک عام آدمی کے لیے حقائق ایمانی کا سرچشمہ بھی تھا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا درس قرآن کی بالمشافہ مجلس میں مجھے بہت کم نصیب ہوئی۔ شاید صرف دوبار مجھے یہ موقعہ ملا۔ ایک مرتبہ نیلا گنبد کے قریب مسجد علی احمد میں اور دوسری بار واپڈا کالونی مال روڈ کی جامع مسجد میں مجھے یاد ہے نیلا گنبد والے درس میں مولانا کوثر نیازی بھی موجود تھے۔ اس وقت تک انہوں نے خارزار سیاست میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ہفت روزہ شہاب نکالا کرتے تھے۔ درس کے بعد بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا ''ایسا درس اس سے پہلے کبھی سننے میں نہیں آیا۔'' بالکل اسی قسم کے خیالات کا اظہار واپڈا کے بڑے بڑے افسران کی زبان سے بھی اسی وقت سنا گیا جب مولانا مشرف علی تھانوی کی درخواست پر حضرت مفتی صاحب نے واپڈا کالونی کی جامع مسجد کی نماز کے بعد درس دیا تھا۔

للّٰہیت اور اخلاص:

بات دراصل صرف تقریر ووعظ یا درس قرآن ہی کی نہیں۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی فرماتے تھے انتہائی دل سوزی سے فرماتے تھے۔ اللہ کے بندوں کو اطاعت الٰہیہ سے غافل دیکھ کر انہیں دلی قلق ہوتا تھا۔ ان کی خواہش ہوتی تھی کسی طرح یہ غفلت دور ہوجائے۔ چنانچہ اصلاح کی غرض سے جب کچھ ارشاد فرماتے تو الفاظ دل کی تہوں سے اٹھ اٹھ کر باہر آتے ظاہر ہے ایسی حالت میں وہ تمام تر اثر انگیزی میں ڈوبے ہوتے اور مخاطب کے سیدھے دل پر جاکر لگتے۔ اثر انگیزی کا یہ عالم حضرت مفتی صاحب کی عام گفتگو میں بھی علیحدہ محسوس ہوجاتا تھا۔ اس کا تجربہ مجھے اس زمانہ میں بارہا ہوا جس زمانے میں حضرت کی رہائش لسبیلہ والے مکان میں تھی اور بعد عصر کی مجلس میں مجھے اکثر وبیشتر حضرت کی خدمت میں حاضری نصیب ہوجاتی۔ میرا ان دنوں کراچی تبادلہ ہوگیا تھا۔ تقریباً چار پانچ ماہ میں کراچی ہی مقیم رہا۔ میں اس زمانے میں سٹیٹ بینک آف انڈیا میں ملازم تھا۔ بینک سے فارغ ہوکر میکلوڈ روڈ سے سیدھا لسبیلہ پہنچ جاتا۔

مجلس کا انداز:

مجلس کیا ہوتی تھی؟ سنت نبوی کا مکمل نمونہ ہوتی تھی۔ نہ کوئی ٹھاٹ باٹ' نہ کوئی رکھ رکھاؤ۔ سادگی اور پاکیزگی کا مرقع۔ باہر لان میں صفیں یا دریاں بچھی ہوتیں۔ درمیان میں زمین پر ہی حضرت مفتی صاحبؒ تشریف فرما ہوتے' اردگرد لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ اس ہجوم میں بڑے بڑے ارباب ثروت ودولت بھی نظر آتے' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی پڑھے لکھے لوگ بھی بیٹھے دکھائی دیتے۔ مفتی صاحب گفتگو شروع فرماتے تو ہر کوئی ہمہ تن گوش ہوجاتا۔ للّٰہیت اور اخلاص میں ڈوبی ہوئی باتیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے' مختصر مگر جامع' دقیق رموز ونکات اور عجیب اسرار وحکم بھی بیان ہورہے ہیں تو ایسی

آسان اور عام فہم زبان میں کہ ہر کوئی اپنے اپنے ظرف علمی کے مطابق ان سے فیض یاب ہو رہا ہے۔

اثر انگیزی کا عالم:

باتوں میں اثر انگیزی کا یہ عالم کہ میں نے متعدد بار بعض لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے۔ خود میرا یہ عالم ہوتا کہ حضرت کی مجلس میں پہنچ کر میرا دل دنیا اور اس کے بکھیڑوں سے متنفر ہو جاتا۔ جی چاہتا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بس اللہ ہی کا ہو رہوں۔ سنتے آئے تھے کہ اللہ والوں کی مجلس میں خدا یاد آتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پہنچ کر اس کا عملی مشاہدہ ہو جاتا۔ حضرت کی زبان سے حلال روزی کمانے اور حرام روزی سے بچنے کا ذکر سنتا' تو میرا ذہن فوراً اپنی ملازمت کی طرف منتقل ہو جاتا۔ سوچتا بینک کی ملازمت تو خالصتاً ایک سودی ادارے کی ملازمت ہے اس لحاظ سے میری کمائی میں حرام شامل ہو گیا ارادہ کرتا کہ بینک سے استعفیٰ دے دوں مگر پھر بچوں کی کفالت کا مسئلہ سامنے آ کھڑا ہوتا۔ حضرت کی مجلس میں حاضری کے بعد ہر چبھن شدید ہو جاتی۔ آخر ایک روز موقعہ پا کر حضرت مفتی صاحب سے اپنے دل کی اس خلش کا اظہار کر ہی دیا۔ آپ نے سن کر فرمایا' یہ خلش تو بڑی مبارک ہے' مگر بینک کی ملازمت اس وقت تک نہ چھوڑنا جب تک کوئی دوسری ملازمت نہ مل جائے ورنہ تنگدستیوں اور پریشانیوں میں گرا دیکھ کر شیطان تمہیں کسی غلط راہ پر لگانے میں کہیں کامیاب نہ ہو جائیں بینک کی ملازمت گناہ سمجھتے ہوئے کرتے رہو اور کوئی متبادل ملازمت بھی تلاش کرتے رہو۔ جونہی مل جائے چھوڑ دینا۔ حضرت مفتی صاحب کی یہ نصیحت دل کو لگی کسی متبادل ملازمت کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ مگر تین چار ماہ اسی طرح گذر گئے اور ناکامی رہی۔ ادھر بینک کی حرام کی کمائی کا خیال میری جان کا روگ بن کر رہ گیا۔ ایک روز جو مجلس میں حاضر ہوا تو اتفاق کی بات حضرت مفتی صاحب دعا کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے۔ دوران گفتگو آپ نے فرمایا حرام کمائی کھانے والے کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ بس کچھ نہ پوچھئے' حضرت کا یہ جملہ سنتے ہی مجھ پر کیا گذری۔ اگرچہ اس مضمون سے متعلق حدیث بارہا سنی بھی تھی اور پڑھی بھی تھی مگر اس وقت حضرت مفتی صاحب نے جس کیفیت اور دل سوزی کے ساتھ یہ جملہ ادا کیا۔ میں بتلا نہیں سکتا کہ کس طرح اس نے مجھے لرزا کر رکھ دیا۔ مجلس سے اٹھا تو میں اپنے طور پر دل میں یہ عزم بالجزم لے کر اٹھا کہ اب خواہ کچھ ہو جائے بینک میں ملازم کی حیثیت سے قدم نہ رکھوں گا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل میں جانا بے کار ہے۔ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ اگلے ہی روز سے میں نے بینک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا اور ایک پرچون کی دکان کھول کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ وہ زیادہ دیر نہ چل سکی مگر اللہ نے کچھ عرصہ بعد ہی پہلے ایک پرائیویٹ فرم میں ایک معقول ملازمت دلوا دی پھر وہاں سے بھی میں واپڈا کی ملازمت میں آ گیا۔

خانگی زندگی کی جھلک:

بہر حال مجھے بتلانا یہ تھا کہ بینک کی حرام کمائی سے یہ نجات مجھے محض حضرت مفتی صاحب کی مجلسوں میں حاضری کی بدولت نصیب ہوئی۔ للّٰہیت اور اخلاص میں ڈوبی ہوئی' حضرت کی باتیں آخر رنگ لائیں۔ کراچی میں میرے قیام کا یہ

زمانہ اگر چہ میرے لیے بہت ہی پریشانیوں کا موجب بھی رہا۔ مگر اس لحاظ سے بہت مبارک بھی تھا کہ اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقعہ خوب ملتا رہا۔ مجلس کے بعد اکثر تو میں باہر سے باہر ہی واپس آ جاتا مگر کبھی کبھی محترمہ ممانی صاحبہ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے اندر گھر میں بھی جانا ہو جاتا' کبھی از راہ شفقت حضرت مفتی صاحبؒ خود بھی اندر چلنے کا اشارہ فرما دیتے۔ اندر جاتا تو چائے کی پیالی یا کم از کم پان سے ضرور نوازا جاتا۔ اپنے اہل خانہ کے ساتھ حضرتؒ کا طرز عمل بالکل خیر کم خیر کم لا ھلہ کا مصداق نظر آیا۔ نہ تصنع' نہ بناوٹ' نہ بلا ضرورت رکھ رکھاؤ نہ لے جا رعب جمانے کا انداز' نہ خواہ مخواہ کے وقار کی فکر' بعض مرتبہ میں نے دیکھا کہ ممانی صاحبہ گھر کے کسی ضروری کام میں مصروف ہیں اور مفتی صاحب کو پان کی ضرورت ہوتی ہے تو خود ہی پان لگانا شروع کر دیا ہے۔ یہاں کراچی میں تو خیر اتنا زیادہ مجھے حضرت کی خانگی زندگی کے مشاہدے کا اتفاق نہیں ہوا مگر بچپن میں مجھے یاد ہے' دیوبند میں ہم اکثر حضرت کے گھر چلے جاتے۔ اور بعض اوقات گھنٹوں بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیلتے رہتے تھے۔ اس وقت کی حضرت کی زندگی کا انداز بھی نظروں میں ہے۔ فی الواقع خیر کم خیر کم لاھلہ کا زندہ نمونہ تھی۔ اسی طرح دوسری جانب حضرت کی تمام اولاد اور دیگر اہل خانہ کا حضرت مفتی صاحب کے ساتھ جو سلوک تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت مفتی صاحب محض گھر کے ایک سرپرست ہی نہیں بلکہ ان سب کے مربی و معلم اور ہادی و رہنما بھی ہیں۔ والٹیر کا وہ مشہور فقرہ حضرت مفتی صاحبؒ کے حق میں اپنی معنویت سے محروم نظر آتا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ No man is a hero to his valet (کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا) کوئی ہو یا نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنے گھر کے بھی ہیرو تھے اور یہ بات حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کی دلیل ہے۔

فروتنی وانکساری:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظمت اس وقت اپنی انتہائی بلندیوں کو چھوتی ہوئی نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس قدر عظیم انسان ہونے کے باوجود آپ فروتنی اور انکساری کا پیکر تھے۔ حضرت کی فروتنی اور انکساری کا بھی ایک روح پرور منظر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔

حضرت مفتی صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ لاہور میں جب تک قیام رہتا شام کے وقت ادارۂ اسلامیات ضرور تشریف لاتے۔ مشتاقان زیارت کا بھی شام کے وقت وہیں ہجوم رہتا۔ ایک روز ایسی ہی ایک شام راقم الحروف بھی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا حضرت مفتی صاحب کسی کا فون نمبر ملا رہے ہیں۔ کال ملی تو اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا داؤد غزنوی سے گفتگو مقصود ہے۔ رابطہ قائم ہوا اور حضرت مفتی صاحب نے گفتگو شروع کی تو سننے اور دیکھنے والے حیرانی سے تک رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے طرز تخاطب سے ایسا انداز ہوتا تھا جیسے کوئی بہت معمولی آدمی کسی بڑی ہستی سے مصروف گفتگو ہے۔ حضرت مفتی صاحب فرما رہے تھے۔ "اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو

زیارت کے لیے حاضر ہونا چاہتا ہوں۔'' دوسری طرف سے بھی معلوم ہوتا ہے جواب میں اسی خواہش کا اظہار ہو رہا تھا کہ آپ '' تکلیف نہ فرمائیں میں خود حاضر ہوتا ہوں۔ اب مفتی صاحب کی طرف سے بار بار یہ اصرار ہے کہ میں خود حاضر ہو رہا ہوں' ادھر دوسری طرف مولانا داؤد غزنوی کو کسی طرح یہ گوارا نہیں کہ حضرت تکلیف فرمائیں۔ وہ اس پر بضد ہیں کہ آپ چند منٹ توقف فرمائیں۔ مجھے اپنی خدمت میں پہنچا ہی سمجھئے۔ بالآخر مولانا داؤد غزنوی نے اپنی ضد پر اصرار کرتے ہوئے مفتی صاحب کے جواب کا انتظار کئے بغیر فون بند کر دیا اور تھوڑی دیر بعد ادارۂ اسلامیات میں کھڑے نظر آئے۔ اب دونوں کی ملاقات کا منظر دیدنی تھا۔ ایک دوسرے کے آگے بچھے جا رہے تھے۔ معانقے کے بعد کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے تو دونوں ہی اسی طرح مؤدب کر دیکھنے والا حیران۔ شاید کوئی شاگرد بھی اپنے استاد کے سامنے اس طرح نہ بیٹھتا ہوگا بات چیت شروع ہوئی تو معلوم ہوا حضرت مفتی صاحب نے مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں کوئی خواب دیکھا وہ سنانا مقصود تھا۔ پورا خواب تو اب میرے ذہن سے نکل گیا۔ اتنا یاد ہے کہ اس میں حضرت مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں روضہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری اور سلام پیش کرنے کا ذکر تھا۔ حضرت مفتی صاحب خواب سناتے جا رہے تھے اور مولانا داؤد غزنوی کی آنکھوں سے فرط جذبات سے آنسو بہہ رہے تھے۔ بیان کرتے کرتے مفتی صاحب کی آواز بھرا گئی۔ ان دونوں حضرات کی یہ کیفیت دیکھ کر اردگرد بیٹھے ہوئے تقریباً ہر شخص پر رقت کا عالم طاری تھا اور ہر کوئی معلوم ہوتا تھا انتہائی ضبط سے کام لے رہا تھا۔ یہ منظر کیسا روح پرور تھا بیان نہیں ہوسکتا۔

حبّ نبویؐ کی عظمت کا احساس:

روضہ اطہر سے متعلق حضرت مفتی صاحب کی زبان سے سنا ہوا ایک اور واقعہ یاد آ گیا۔ مگر اب یہ یاد نہیں آ رہا کہ میں نے یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب سے کب اور کہاں سنا تھا' تاہم اتنی بات یقینی ہے کہ یہ واقعہ حضرت مفتی صاحب نے کسی ایک سفر حج سے واپسی کے بعد سنایا تھا۔ فرمایا '' روضہ اطہر پر حاضری کے وقت یوں تو ہمیشہ ہی میری عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ مگر اس بار ایک روز جو میں روضہ اقدس پر سلام کے لیے حاضر ہوا تو عجیب ہی معاملہ پیش آیا' دل ایسا قابو سے باہر ہوا لگتا تھا کہ ابھی باہر آ گرے گا۔ اسی عالم میں ذہن نے کہا کہ تیری یہ حالت اس محبت کی بنا پر ہے جو صاحب روضہ سرکار دو عالم ﷺ کے لیے تیرے دل میں موجزن ہے۔ آنے کو تو یہ خیال ذہن میں آ گیا مگر مفتی صاحب فرماتے ہیں معاً مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ تو بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اس دعوے کی برداشت کی صلاحیت کہاں سے آئے گی۔'' پھر فرماتے ہیں'' اس کے فوراً بعد مجھے محسوس ہوا جیسے میرا بدن کانپ رہا ہے۔ روضہ اطہر سے لوٹ آیا جائے۔ قیام تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ لرزہ شدید ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بدن بخار سے تپنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے کوئی ہوش نہ تھا' میں کہاں ہوں۔ مسلسل چوبیس گھنٹے کے بعد ہوش آیا تو گرتا پڑتا روضہ اطہر پر پہنچا اور اپنی گستاخی کی معافی مانگی کہ یہ عاصی اور محبت کا دعویٰ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تعبیر خواب:

رحمت دو عالم ﷺ کے ذکر مبارک پر مجھے اپنا ایک خواب یاد آ گیا' جو ابتداء میں میرے لیے بڑی الجھن کا سبب بنی رہی۔ مگر میرے استفسار پر جب حضرت مفتی صاحب نے اس کی تعبیر بتلائی تو معلوم ہوا الجھن کی کوئی وجہ سرے سے تھی ہی نہیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی نور اللہ مرقدہ کی وفات کو تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں کسی دریا کے پل پر دریا کی طرف منہ کئے کھڑا ہوں۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی لہروں میں سے کچھ انسانوں کے سر ابھرنے شروع ہوئے اور پل کے قریب آتے آتے وہ پورے جسم کے ساتھ پانی پر گویا چلتے ہوئے میری طرف بڑھنے لگے اور ذرا قریب ہوئے تو دیکھا کہ سب سے آگے آگے نبی کریم ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ نے اپنے کاندھوں پر میرے والد مرحوم کو اٹھایا ہوا ہے اور پیچھے پیچھے بہت سے لوگ سر جھکائے چلے آ رہے ہیں یہیں تک دیکھ پایا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ طبیعت بہت پریشان ہوئی۔ نبی کریم ﷺ کے شانہ مبارک اور والد مرحوم' کوئی ربط سمجھ میں نہ آتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی طرف ذہن منتقل ہوتا تھا تو تصور ہی سے دل لرز اٹھتا تھا۔ بڑی الجھن تھی' کسی کے سامنے یہ خواب سنانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ میری خوش قسمتی' ایک روز مفتی صاحب والدہ محترمہ سے ملنے گھر پر ہی تشریف لے آئے۔ میں نے موقعہ غنیمت جانا اور اپنا خواب من وعن سنا کر اپنی الجھن کا اظہار بھی کر دیا۔ مفتی صاحب نے سنتے ہی فرمایا' اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم نے کبھی کسی باپ کو اپنے کاندھوں پر اپنے بچے کو از راہ محبت اٹھاتے نہیں دیکھا۔ پوری تعبیر تو حضرت صاحب کی زبان مبارک سے بعد میں سنی۔ اس ایک فقرے نے ہی میری ساری الجھن چشم زدن میں دور کر کے رکھدی۔ اپنی کم عقلی پر بہت افسوس ہوا۔ پھر حضرت مفتی صاحب نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا یہ خواب بڑا مبارک ہے۔ اتباع سنت اور بے لوث خدمت دین کے صلے میں تمہارے والد کو نبی کریم ﷺ کے دربار میں محبوبیت کے مقام سے نوازا گیا ہے اور پیچھے پیچھے آنے والے وہ لوگ ہیں' جو تمہارے والد کی زندگی میں ان کی تعلیم و تربیت اور ان کی تحریر و تقریر سے مختلف طریقوں سے فیض یاب ہوتے رہے اور اب اتباع سنت کی راہ پر گامزن ہو کر تمہارے والد کے لیے صدقہ جاریہ کا سبب بن رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی تعبیر بتلانے سے پہلے یہ خواب جتنی عجیب تھی' تعبیر بتلانے کے بعد اتنی ہی مبارک نظر آئی۔

عنایت خاص:

اس مبارک خواب کی مبارک تعبیر کے ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب کی ذات اقدس سے وابستہ میرے ذہن میں محفوظ یادوں کا سلسلہ بھی ختم ہونے کو ہے۔ یہ منتشر یادیں اگر آپ کو بے ربط نظر آئیں تو اس میں میری کوتاہی کو دخل ہے اور اگر خوش قسمتی سے یہ تمام یادیں بغیر کسی کوشش کے از خود ہی آپس میں مربوط ہو گئی ہیں تو یقین رکھئے کہ یہ سب کچھ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی برکت ہے۔ ان بابرکت یادوں کا تذکرہ ختم کرنے سے پہلے میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ایک ایسی عنایت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو حضرت مفتی صاحب نے محض ازراہ کرم گستری بغیر میرے کسی استحقاق کے مجھ پر فرمائی۔ یہ حضرت کے وصال سے تقریباً پانچ سال پہلے کی بات ہے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے برادر محترم حضرت مولانا محمد زکی کیفی مرحوم ایک بار کراچی میں ہفتہ عشرہ قیام فرمانے کے بعد واپس آئے تو آتے ہی مجھے خوشخبری سنائی کہ میں اس مرتبہ والد صاحب (حضرت مفتی صاحب) کی جانب سے تمہارے لیے ایک ہدیہ لے کر آیا ہوں۔ ہدیہ! مجھ جیسے لاشی محض کے لیے اور حضرت مفتی صاحب کی جانب سے! میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بنڈل مولانا زکی کیفی مرحوم نے میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ کھول کر دیکھا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم تصنیف تفسیر معارف القرآن کی دوسری جلد تھی۔ خوشی سے میرے ہاتھ کانپنے لگے۔ سرورق پر حضرت مفتی صاحب نے اپنے دستخطوں سے لکھا ہوا تھا۔ ''ہدیہ برائے برخوردار عزیز محمد محترم سلمہٗ'' میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ حضرت مجھ ناچیز کی اس طرح عزت افزائی فرمائیں گے۔ یوں محسوس ہوتا تھا۔ حضرت نے مجھے فرش سے اٹھا کر عرش پر لے جا کر کھڑا کیا ہے۔ میں مولانا محمد زکی کیفی مرحوم کو جو اس عظیم تحفے کو مجھ تک پہنچانے کا سبب بنے تھے تشکر اور احسان مندی کی نظروں سے دیکھتا ہی رہ گیا۔

حوصلہ افزائی:

میں سمجھتا ہوں اس میں حضرت مفتی صاحب کے پیش نظر میری حوصلہ افزائی تھی۔ میری بدلتی ہوئی حالت اور دین کی طرف میری رغبت کو دیکھ کر حضرت اس سے پہلے مختلف طریقوں سے میری حوصلہ افزائی کر چکے تھے۔ مولانا محمد زکی کیفی مرحوم ہی کی زبانی مجھ تک یہ بات بھی پہنچتی تھی کہ حضرت میرے حالات سنتے ہیں تو اپنی مسرت کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ اظہار مسرت بھی ظاہر ہے اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کے لیے ہی تھا۔ جن دنوں میں حضرت مفتی صاحب کی کتاب ''احکام حج'' کا انگریزی میں ترجمہ کر رہا تھا تو معلوم ہوا کسی مجلس میں حضرت مفتی صاحب نے میرے لیے بڑی تحسین و تعریف کے کلمات استعمال فرمائے ہیں۔ جو کام خود میرے لیے انتہائی شرف کا باعث ہو اور جس کا میرے سپرد کیا جانا ہی خود میری احسان مندی کا باعث ہو اس کام میں میرے لیے تحسین و تعریف کی گنجائش کہاں مگر حضرت مفتی صاحب کی عظمت تھی کہ مجھ جیسے ناکارہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کا بھی کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس عاجز کی یوں حوصلہ افزائی میں زیادہ تر دخل حضرت مولانا محمد زکی کیفی مرحوم کی ذات کو بھی تھا۔ مجھے معلوم ہے مولانا زکی کیفی مرحوم کو میرے ساتھ ایک قلبی تعلق تھا اور میرے ذرا سے کام کو بہت خوش ہو ہو کر حضرت مفتی صاحب کے سامنے نمایاں کر کے پیش کرتے تھے۔ مجھے یقین ہے تفسیر معارف القرآن بطور ہدیہ دلانے میں انہوں نے ضرور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے میری سفارش کی ہوگی۔ اللہ

تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائے۔ وہ حضرت مفتی صاحب کے دست مبارک سے تفسیر معارف القرآن کا ہدیہ دلا کر میرے لیے اس دنیا میں ہی جنت کی خوشی مہیا کر گئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس بیش بہا ہدیہ کے ذکر کے ساتھ ہی یادوں کا یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ آخر میں ان یادوں کے وسیلے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے دست بدعا ہوں کہ وہ ان متبرک یادوں کے فیوض و برکات سے بھی مجھے پوری طرح بہرہ مند فرمائے۔ اس طرح کہ حضرت مفتی صاحب کی ذات اقدس سے وابستہ ان یادوں کے نقوش میرے سفر آخرت کا نشان منزل بن جائیں۔ آمین یارب العالمین۔

ازمولانا کوثر نیازی مرحوم:

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اب ٹھیک یاد نہیں کہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم سے میری پہلی ملاقات کب ہوئی البتہ یہ تفصیل حافظہ میں ضرور تازہ ہے کہ پہلے پہل آپ کی زیارت ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور میں ہوئی تھی۔ سن ۱۹۵۵ء تھا یا ۱۹۵۶ء ادارۂ اسلامیات ان کے بڑے صاحبزادے مولانا زکی کیفی مرحوم نے قائم کیا تھا انارکلی کے پر رونق مرکز میں عین بائبل بک سوسائٹی کے سامنے اس سے کچھ ہی فاصلے پر نگینہ بیکری اور مکتبہ کارواں واقع تھے۔ جہاں اکثر شام کو لاہور کے مشہور ادیبوں اور شاعروں کا جمگھٹا رہتا نگینہ بیکری کی تو چائے مشہور تھی اور مکتبہ کارواں کے مالک عبدالحمید جالندھری کی وضعداری اور مہمان نوازی' اس سے کچھ ہٹ کر مولانا زکی نے اسلامی کتابوں کی یہ دکان کھولی تھی جہاں بھارت سے چھپنے والی مطبوعات بھی ہوتی تھیں اور دوسری نادر' نایاب تفاسیر اور مجموعہ ہائے احادیث بھی' مولانا زکی عجیب قانع اور متوکل انسان تھے اور عجیب وغریب خوبیوں کا مجموعہ دن میں تو اکثر اپنی سیٹ پر بیٹھے قرآن کی تلاوت کرتے رہتے۔ گاہک آتا تو ملازم ہی اسے اٹینڈ کرتا۔ عصر کے بعد وہ دوستوں کی محفل کے دولہا ہوتے۔ غزل بہت اچھی کہتے تھے (اب ان کی وفات کے بعد ان کے صاحب زادوں نے ان کا مجموعہ کلام ''کیفیات'' کے نام سے شائع کر دیا ہے) اور اچھی غزل کہنے والوں کے بڑے قدر دان بھی تھے لاہور کے شاعر ادیب اور علماء تو ان عصری مجلسوں میں آیا ہی کرتے تھے۔ ملک کے کسی مقام سے کوئی بھی شاعر و عالم آتا ادارۂ اسلامیات میں حاضری دیئے بغیر واپس نہ جاتا۔ آغا شورش کاشمیری مرحوم حضرت احسان دانش حضرت نظر امروہوی جناب کلیم عثمانی اور راقم الحروف تو ان کے مستقل حاضر باش تھے۔ کبھی کبھی حضرت ماہر القادری یا مولانا ظفر احمد انصاری کراچی سے آ جاتے تو ان کا قیام زکی صاحب ہی کے دولت کدہ پر ہوتا اور دن بھر وہ ادارہ اسلامیات ہی میں نشست فرماتے ماہر مرحوم کی سخن آفرینیاں اور ترنم ریزیاں تو خیر عروس اردو کے ماتھے کا جھومر تھیں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد انصاری بھی شعر وسخن کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ جوانی میں تو باقاعدہ شعر بھی کہتے رہے ہیں۔ ان بزرگوں کی آمد سے محفل میں اور گرمی پیدا ہو جاتی۔ ایک ایسی ہی محفل میں جہاں حضرت شورش بھی موجود تھے ماہر صاحب نے ایک فی البدیہہ نظم کہی تھی باقی اشعار تو

یاد نہیں ایک مصرعہ اب تک ذہن میں ہے۔

ہائے وہ محفل جہاں شورش بھی تھا شورش بھی تھی

تو میں عرض کر رہا تھا کہ ادارۂ اسلامیات کی ایک ایسی ہی شورش انگیز محفل میں اول اول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی کی زیارت ہوئی تھی۔ بوٹا ساقد' مختصر جسامت' سفید نورانی ڈاڑھی' تیکھے نقوش' ماتھے پر روشن محراب' آنکھوں میں علم کا نور' شیروانی اور پائجامہ زیب تن' سر پر پگڑی' پاؤں میں جرابوں کے ساتھ دیسی جوتا' جچے تلے قدم' باتوں میں تواضع کی خوشبو' گفتگو کرتے کرتے کبھی کبھی ایک آہ دلدوز' اب ان کے خدو خال اور وضع قطع یاد کرتا ہوں تو ایک عجیب دلکش سراپا نگاہوں میں گھوم جاتا ہے۔ مولانا زکی مرحوم سے تعلقات بھائیوں کی طرح تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے بھی اسی نسبت سے شفقت پدری سے سرفراز فرمایا۔ بس پھر کیا تھا یہ رشتہ روز بروز استوار ہوتا چلا گیا۔ وہ تشریف لاتے تو بھائی زکی کے گھر پر ناشتے سے لے کر کھانے تک میری حاضری لازم وملزوم تھی کبھی کبھی حضرت مفتی صاحب کے داماد جو یو-پی سوڈا واٹر فیکٹری کے مالک تھے اپنی نواں کوٹ کی عالی شان کوٹھی میں ضیافت کرتے تو میں بھی ان کے ہم رکاب ہوتا بارہا غریب خانہ پر بھی قدم رنجہ فرمایا۔ اب ان محفلوں کو یاد کرتا ہوں تو دل تھام کر رہ جاتا ہوں ہائے! کیا صحبتیں تھیں جو خیال وخواب ہو کر رہ گئی ہیں۔ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

۱۹۶۰ء میں میں نے لاہور سے ہفت روزہ ''شہاب'' جاری کیا تو حضرت مفتی صاحب ریڈیو پاکستان سے درس قرآن نشر فرمایا کرتے تھے جو ملک اور بیرون ملک ہر جگہ انتہائی احترام سے سنا جاتا تھا۔ میری تجویز پر آپ نے ہفت روزہ ''شہاب'' میں اس کی بالاقساط اشاعت منظور فرمائی اس کا فائدہ یہ ہوا کہ انہیں ساتھ ساتھ مسودہ پر نظر ثانی کا بھی موقع مل گیا یہ سلسلہ اشاعت کوئی سات آٹھ سال جاری رہا تا آنکہ آپ نے ''معارف القرآن'' کے نام سے آٹھ جلدوں میں قرآن حکیم کی پوری تفسیر قلم بند کر دی ''دارالاشاعت'' کراچی نے بڑے اہتمام سے شائع بھی کر دیا ہے۔ تفسیر کے علاوہ فتویٰ نویسی تو خیر آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا ہی ہزاروں ہزار فتویٰ آپ کے قلم سے نکلے اور مطبوعہ صورت میں بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفقہ فی الدین کے لحاظ سے جو مقام عطا فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے آپ بجا طور پر مفتی اعظم پاکستان کہلائے فتوؤں کے علاوہ بھی بیسیوں کتابیں آپ کے قلم سے نکلیں جن میں زبان کی فصاحت و بلاغت بھی ہے اور علم کی گہرائی اور گیرائی بھی۔ تالیف وتصنیف کے ساتھ ساتھ درس وتدریس اور خطبہ وارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ لاہور میں ان کا خطاب ہوتا تو بڑے شوق سے شریک ہوتا۔ بہت دھیمے اور باوقار انداز میں تقریر کرتے یوں لگتا جیسے ایک سبک خرام ندی بہتی چلی جارہی ہے۔ علم ظاہر سے تو اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں کتنے ہی لوگوں کو سرفراز فرمایا مگر وہ ہستیاں ہر دور میں خال

خال ہی نظر آتی ہیں جو علم ظاہر کے ساتھ ساتھ علم باطن سے بھی آراستہ ہوں۔ حضرت مفتی صاحب کی ذات لاریب اسی دوسرے گروہ میں شامل تھی وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے باقاعدہ خلیفہ مجاز تھے۔ بہت سے لوگ ان سے بیعت بھی تھے مگر معروف پیروں کا انداز انہیں چھو تک نہیں گیا تھا وہ عقیدت مندوں کی محفل میں بھی اس تواضع اور عاجزی سے بیٹھتے تھے جیسے ان میں سے ہر ایک ان کا پیر ہے کبھی اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے اور دوسروں پر ٹھونسنے کی ادنٰی سی جھلک بھی میں نے اپنی سینکڑوں حاضریوں میں نہیں پائی۔ تنہائی میں جب کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا میں نے انہیں خشیت الٰہی سے لرزتے اور کانپتے دیکھا غیبت اور گلے کا ان کی محفل میں کیا گزر! ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو جائے۔ ضرورت دینی سے تنقید بھی کرتے تو اس اخلاص اور دل سوزی کے ساتھ کہ اگلے کی تنقیص کے بجائے خیر خواہی کا رنگ پیش نظر رہتا۔ دیوبندی ہی نہ تھے دیوبند کے شیوخ میں سے تھے لیکن دوسرے مسلک کے اکابر کا ہمیشہ احترام کرتے میں نے بارہا ان کی زبان سے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کے عشق رسولؐ کا اقرار و اعتراف سنا۔ کراچی کے دو دینی دارالعلوم بہت پائے کے ہیں ایک آپ کا قائم کردہ دوسرا حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مرحوم کا جاری کردہ۔ فتنہ معاصرت ایسی بری چیز ہے کہ کم ہی لوگ ہر دور میں اس سے محفوظ رہے مگر محبّ ومحبوب کے جو تعلقات ان دونوں بزرگوں کے مابین قائم دیکھے کم ہی ان کی مثال کہیں اور دیکھنے میں آئی ہے اور یہ نتیجہ تھا صرف اور صرف ذوق تصوف اور تزکیہء باطن کا جس کے بعد دل میں بغض وحسد اور عداوت ورقابت کے روگ راہ ہی نہیں پا سکتے۔ میں حضرت مفتی صاحب سے باقاعدہ بیعت تو نہ تھا لیکن ہمیشہ ان کی محفل میں اسی طرح بیٹھا جیسے ایک مرید اپنے مرشد کے حضور بیٹھتا ہے اور یہ ان کا کرم ہے کہ انہوں نے بھی کبھی اپنے باطنی فیوض کے خزانے اس بندۂ دنیا پر لٹانے سے دریغ نہیں کئے یہ الگ بات ہے کہ ہم نے اپنے دامن میں روحانیت کے گہر پائے تابدار کی جگہ مادیت کے حذف ریزے ہی سمیٹے مگر ان بزرگوں کے فیض و برکات دیکھ کر کبھی کبھی یہ سوچ کر بھی تسلی ہو جاتی ہے کہ

مے خانے کا محروم بھی محروم نہیں ہے

مستقل شاعر ہونا اور شاعری کو پیشہ بنانا اور بات ہے اور شعری ذوق سے مالا مال ہونا اور بات پہلی صورت اسلام میں ناپسندیدہ ہے تو دوسری مستحسن' میں نے تو اپنے تجربہ میں جس شخص میں ذوق نہیں پایا اس کی انسانیت میں بھی فرق دیکھا۔ ذوق شعری دل میں ایک گداز پیدا کر دیتا ہے جس تک وہ ارباب کمال ہمارے ہاں مسند نشین علم رہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے یہ ملکہ بھی ودیعت کیا تھا تو ہماری اجتماعی زندگی میں مٹھاس اور خوش خلقی کی فضاء برابر قائم رہی یہ اصحاب فضل اختلافات بھی رکھتے تھے تو انہوں نے اسے دشمنی کا رنگ نہیں دیا مگر جب سے بقول اقبال ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

تو ہماری حیات قومی کا رنگ ہی دوسرا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت ستھرا مذاق سخن عطا کیا تھا وہ کبھی کبھی غزل کہتے تھے اور نعت بھی، اشعار سنتے اور خود بھی سناتے۔ ایک مرتبہ حج پر گئے تو مدینہ منورہ میں ایک دوست کی زبان سے یہ عاشقانہ مصرعہ سنا:

یہ ان کا کرم، ان کا کرم ان کا کرم ہے

طبیعت بے اختیار ہوگئی اس پر ایک پوری نعت کہہ دی اور از راہ کرم دیار حبیبؐ ہی سے مجھے روانہ کی، مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے ۶۶ء یا ۶۷ کا زمانہ تھا اس دور کے شہاب کے کسی شمارے میں میں نے اسے شائع بھی کیا تھا۔ اب اپنے کاغذات سے نکال کر اس کے چند اشعار نذر قارئین کرتا ہوں کہ یہ تبرک بھی ہیں اور میرے پاس اردو زبان و ادب کی امانت بھی۔

پھر پیش نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نام خدا روضۂ جنت میں قدم ہے
پھر شکر خدا سامنے محراب نبیؐ ہے
پھر سر ہے مرا اور ترا نقش قدم ہے
پھر منت دربان کا اعزاز ملا ہے
اب ڈر ہے کسی کا نہ کسی چیز کا غم ہے
پھر بار گہ سید کونین میں پہنچا
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے
یہ ذرۂ ناچیز ہے خورشید بداماں
دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زبان بن کے کرے شکر
کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعت رسولؐ عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیرّ کا زبان ہے نہ قلم ہے

حضرت مفتی صاحب عرف عام میں سیاست دان نہ تھے ان کی زندگی کا مطمح نظر اول و آخر دین ہی دین تھا اسی کے

پیش نظر انہوں نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مل کر تحریک پاکستان کے لیے کام کیا اور اس جمیعت علمائے اسلام میں شرکت کی جو قائد اعظمؒ اور مسلم لیگ کی موئید و معاون تھی۔ اندرون پاکستان سیاست میں ان کا ذوق تعمیری تھا وہ اپنے احباب و متعلقین سے سیاسی امور میں کبھی مباحثہ و مناقشہ پسند نہیں کرتے تھے۔ میرا سیاسی مسلک جو بھی رہا حضرت مفتی صاحب نے اس کی وجہ سے ذاتی تعلقات کو کبھی متاثر نہیں ہونے دیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء میں انہوں نے پاکستان کے چیدہ چیدہ علمائے کرام کو دارالعلوم کراچی میں مدعو کیا۔ ان میں حضرت مفتی محمود، حضرت مولانا امین احسن اصلاحی، حضرت مولانا غلام اللہ خان، حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) اور حضرت مولانا عبید اللہ انور جیسے مشاہیر اہل علم شامل تھے یہ مفتی صاحب کی شفقت تھی کہ مجھے بھی شرکت کی دعوت دی۔ علمائے کرام کے اس منفرد اجتماع میں اتفاق رائے سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ایک غیر سیاسی تنظیم ''مجلس دعوت و اصلاح' قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ حضرت مفتی صاحب اس کے سربراہ منتخب ہوئے۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے بعض شہروں کا انہوں نے دورہ بھی کیا اور ان مقامات پر مجلس کی باقاعدہ شاخیں بھی قائم ہوئیں مگر بعد میں حضرت مفتی صاحب کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے مجلس کا نظام اور کام نہ بڑھ سکا بہر حال عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جوانی کے تقاضے سے میری اس وقت کی تمام رزم آرائیوں کے باوجود حضرت مفتی صاحب نے اپنی تنظیم قائم کی تو مجھے بھی فراموش نہیں کیا اور علمائے کرام کے اس اجتماع میں شرکت سے لے کر اس کے اغراض و مقاصد کی تحریر و تسوید تک ہر مرحلے میں مجھ سے برابر مشورت فرماتے رہے۔

میں حکومت میں آیا تو حضرت مفتی صاحب سے یہ قلبی تعلقات اس کے بعد بھی استوار رہے، وہ جانتے تھے کہ وہ جب بھی کوئی حکم دیں گے میں دل و جان سے اس کی تعمیل کروں گا مگر اس کے باوجود کبھی کوئی کام نہیں کہا نہ کسی کی سفارش کی۔ مولانا زکی کیفی مرحوم کو میں حج وفد میں اپنے ساتھ لے گیا تو یہ بھی میرا اپنا ذاتی فیصلہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب کا اشارہ اس میں شامل نہ تھا۔ سعودی عرب کے وزیر حج سید حسن کیتی پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو میں انہیں دارالعلوم میں بھی لے گیا۔ حضرت مفتی صاحب نے اس کے لیے بڑا اہتمام فرمایا لیکن سپاس نامہ میں نہ صرف تملق نہ کلمۂ مطلب، سارے عہد حکومت میں صرف ایک بار متوجہ کیا وہ بھی دینی غرض سے! اسلامی مشاورتی کونسل نے مالی اور فقہی امور میں اہل علم کے لیے سوالنامہ جاری کیا تو اسے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھی بھیجا گیا۔ انہوں نے جواب کی ایک نقل مجھے بھی ارسال فرمائی اور لکھا کہ کونسل کو میں ان دینی معاملات میں بطور خاص ہشیار اور خبردار کر دوں، میں نے تعمیل کر کے اطلاع دی تو یہ والا نامہ ارسال فرمایا جو اس لئے درج ذیل ہے کہ اس سے چھوٹوں پر شفقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور ان کے ذاتی تواضع اور خاکساری کا اظہار بھی خط پر تاریخ ۲۱-۵-۹۵ ہجری بمطابق یکم جون ۷۵ء درج ہے۔ (نقل مطابق اصل)

مکرم ومحترم مولانا کوثر نیازی صاحب دامت مکارمہ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
مکرمت نامہ مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۷۵ء نمبر ۱۲۱ ایم آر اے۔
وصول ہوا۔ مشاورتی کونسل کے سوالنامہ کے جواب میں احقر کی تحریر پر آں محترم نے کونسل کو توجہ مبذول کرنے کی ہدایت فرمادی۔ اس سے مسرت ہوئی اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی مناسب راہ عمل اختیار کر لی جائے گی۔ تفسیر معارف القرآن کی دو جلدیں جو آں محترم تک نہیں پہنچیں کراچی میں آپ کی غیر معمولی مصروفیات کے سبب سے یہ ارادہ تھا کہ ڈاک سے بھیج دوں گا مگر میری مسلسل بیماری اور پھر محمد ذکی مرحوم کا حادثہ جانکاہ پیش آ گیا تاخیر ہوتی چلی گئی۔ اس عرصہ میں جلد اول نظر ثانی اور ترمیم واضافہ کے ساتھ نئی چھپ گئی جس میں علوم قرآن پر ایک مقدمہ بھی لکھا گیا ہے آج کی ڈاک سے معارف القرآن جلد ہفتم وہشتم اور جلد اول جدید ایڈیشن روانہ کر دی ہیں۔ قبول فرما کر ممنون فرمائیں۔ مرحوم محمد زکی کیفی کی وفات پر آں محترم کی شرکت جنازہ اور غیر معمولی تاثر کا حال اسی وقت معلوم ہو گیا تھا جبکہ احقر خود اپنی زندگی سے مایوس کروٹ بدلنے میں بھی دوسروں کا محتاج تھا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ مرحوم رخصت ہو گئے اور اسیّ سالہ بوڑھا پھر زندہ ہو گیا۔ وللہ الامر من قبل ومن بعد۔ والسلام بندہ محمد شفیع

بات پھیل گئی مگر یادیں بدستور پر جمائے صف درصف کھڑی ہیں کس کو لوں اور کس کو چھوڑوں مگر ایک عجیب و غریب بات کا ذکر ضرور کروں گا کہ اس میں حضرت مفتی صاحب کی کرامت اور ولایت کا پہلو بھی ہے اور قوم ''جن'' کے وجود کے بارے میں ان کے ذاتی مشاہدے کا تذکرہ بھی میں ان دنوں قصہ ''آدم وابلیس'' کے نام سے تخلیق آدم کی قرآنی داستان لکھنے میں مصروف تھا (یہ کتاب پہلے قصہ آدم ابلیس کے نام سے شائع ہوئی اور بعد میں تخلیق آدم کے زیرعنوان) مرحلہ تحقیق یہ تھا کہ ابلیس قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق جنوں میں سے تھا اور یہ جن کون تھے میں ان کے بارے میں جدید وقدیم آراء وافکار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ذہن میں عجیب خلفشار تھا کہ حضرت مفتی صاحب سے ذکر آیا اس پر آپ نے ایک نہایت ہی دلچسپ ذاتی مشاہدے کا تذکرہ کیا فرمایا کہ:

> ایک زمانہ میں خود میری بیوی پر جنّ مسلط ہو گیا میں نے اس سے بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے میں نے اس سے ثبوت چاہا کہ وہ واقعی جنّ ہے تو اس نے کہا کہ آپ کچھ فرمائش کر کے دیکھ لیں میں نے عجیب فرمائش کی کہ الائچی کے درخت سے ایک ایسی سبز ٹہنی لے کر آؤ جس پر سبز الائچی لگی ہو۔ اب یہ درخت ہمارے ہاں تو ہے نہیں میں نے سوچا کہاں سے لائے گا تھوڑی سی دیر میں سبز شاخ پر سبز الائچی میری گود میں تھی۔ اب میں نے اس کی مسلمانی کا امتحان لیا۔ میری بیوی عربی نہیں جانتی تھی میں نے کہا قصیدہ بردہ کے کچھ عربی اشعار سناؤ اس نے فرفر پورا قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔

اب اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کہ بعد میں کیا ہوا ظاہر ہے حضرت مفتی صاحب کی برکت سے جن چلا گیا۔ بتانا صرف یہ چاہتا ہوں کہ باکمال لوگ فقط تاریخ اسلام کے گذشتہ ادوار ہی میں نہیں گزرے ہمارے اپنے زمانہ میں بھی پیدا ہوئے ہیں مگر اس کے لیے دیکھنے والی آنکھ کی ضرورت ہے وہ آنکھ جو ظاہر سے نہیں باطن کے نور سے روشنی اور جلا پاتی ہے۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

از مولانا سمیع الحق:

فقیہ العصر مفسر قرآن مفتی اعظم مولانا محمد شفیعؒ کی وفات

۵-۶ ا کتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب کو کراچی میں علم وفضل کا ایک ایسا آفتاب و ماہتاب غروب ہوگیا جس کی ضیاء باریوں سے پون صدی تک برصغیر کی علمی دنیا مستنیر ہوتی رہی علم وعرفان کی وہ بساط اجڑ گئی جو قیام پاکستان کے بعد کراچی جیسے صنعتی اور مادی مرکز میں علمی اور روحانی سیرابی کا سامان بنی رہی۔

اسلاف کے کاروان علم وفضل کے فرد فرید' دنیائے فقہ وشریعت کے گوہر تابندہ' فقیہ الملۃ' مفسر عصر' محقق بے بدل مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ واصل بحق ہوئے۔ وقعت الواقعۃ۔ وانا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مفتی صاحب کے ہم مشرف بزرگ علامہ سلیمان ندویؒ نے اپنے مرشد حکیم الامۃ تھانویؒ کے وصال پر کہا تھا ۔

اے دل خموش صبر و رضا کا مقام ہے
نقش دوام فیض مٹایا نہ جائے گا

اور آخر میں مقطع تھا کہ ۔

چاہا خدا نے تو تیری محفل کا ہر چراغ
یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

آج بزم اشرفؒ کی محفل دوشین کا چراغ خاموش ہوگیا ہے مگر اس کی ضوفشانیاں قائم رہیں گی اور اس چراغ علم و عرفان کی فیوض خیر و برکت کا چراغ جلتا رہے گا۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کی دینی وعلمی خدمات کا دائرہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ ایک کم سواد غمزدہ اپنے تعزیتی کلمات میں کسی ایک گوشہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضرت کی ذات شریعت و طریقت کا سنگم اور علم ومعرفت کا مجمع البحرین تھی۔ وہ اکابر دیوبند کے اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا اور جن کے وجود سے زمین کی تمکینی قائم رہتی ہے اور جن میں سے ایک ہستی علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو دیکھ کر عالم اسلام کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا مصری نے کہا تھا۔ واللہ مارایت مثل ھذا قط۔ (واللہ میں نے ان جیسا شخص

کبھی نہیں دیکھا۔) اوران اکابر کے مادر علمی دیو بند کی عظمت تو ایسی ان کے دل پر نقش ہوئی کہ فرمایا:لولم ارھا لرجعت من الھند حزینا (اگر میں دیو بند کو نہ دیکھ چکا ہوتا تو ہندوستان سے غمگین جاتا) حضرت مفتی صاحبؒ کو ان اسلاف کا علم وعمل، زہد وتقویٰ، تبحر اور جامعیت ورثہ میں ملی، انہوں نے اس وراثت کو اخیر تک سینہ سے لگائے رکھا، اور جاتے وقت یہ امانت اپنے اخلاف کے سپرد کردی۔

اھیم بلیلی ما حییت وان امت

او کل بلیلی من یھیم بھابعدی

حضرت مرحوم ۱۳۱۴ھ میں دیو بند میں پیدا ہوئے، تعلیم وتربیت کے مراحل مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم میں وقت کے ممتاز علماء سے طے کئے۔ ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد قیام پاکستان تک دارالعلوم دیو بند میں افتاء و تدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمات جلیلہ میں مشغول رہے اس دور میں آپ نے قادیانیت کے خلاف اپنے استاذ مولانا کشمیریؒ کی رہنمائی ورفاقت میں علمی وقلمی محاذ پر عظیم الشان جہاد کیا۔ اور ختم نبوت کے موضوع پر اسلامی علم کلام وعقائد میں بہترین اضافہ کیا۔ بیعت اولا حضرت شیخ الہندؒ سے فرمائی ان کے وصال کے بعد ۱۳۴۲ھ یا ۱۳۴۳ھ میں حضرت حکیم الامتؒ سے تجدید بیعت کی اور ایسا ربط وتعلق ان سے استوار ہوا کہ ان ہی کے ہو کر رہ گئے اور تحریک آزادی کے سیاسی ہنگاموں میں بھی ان سے رہنمائی لیتے رہے، حضرت حکیم الامت کو علمی کاموں میں آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ اکثر تصنیفی اور تحقیقی کاموں میں انہیں اپنا شریک کار بنایا اور جو کام حضرت حکیم الامتؒ بوجہ ضعف یا مشاغل خود نہ کرسکتے ان کی تکمیل آپ سے کرائی مثلاً حیلہ ناجزہ اور احکام القرآن جیسی علمی اور تحقیقی خدمات آپ سے کروائیں حضرت حکیم الامتؒ کے فقہی، تفسیری اور تحقیقی خدمات کا رنگ آپ کے خلفاء میں حضرت مفتی صاحبؒ پر بہت گہرا رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا خاص وصف فتویٰ نویسی بھی رہا ہر فتویٰ فقہی جزئیات کی تتبع واستقصاء اور اصول وجزئیات پر گہرے نظر کا غماز ہوتا عصر حاضر کی علمی مشکلات اور حوادث ونوازل کے پیچیدہ مسائل میں علماء اجلہ بھی آپ ہی کی طرف رجوع فرماتے، یہاں تک کہ خود حضرت حکیم الامتؒ نے کئی بار ذاتی معاملات میں حضرت مفتی صاحب سے استصواب فرما کر اس پر عمل کیا۔ ایسے ہی ایک فتویٰ کے جواب میں حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے انہیں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔ ہزارہا ہزار فتاویٰ کے علاوہ علوم اسلامیہ قرآن وحدیث تفسیر وفقہ، کلام وعقائد، شعروادب، قانون وسیاست، معاشیات و معاشرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر آپ نے گرانقدر تصانیف نہ چھوڑی ہوں۔ اخیر عمر میں ضعف وعلالت کے باوجود معارف القرآن کے نام سے وہ عظیم الشان تفسیر مکمل فرمائی جس نے پہلی بار اردو زبان میں ایک بڑے خلاء کو پر کردیا۔ تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح وتربیت کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اصابت رائے، تدین وتقویٰ، ضبط ونظم اور سب سے بڑھ کر تواضع وانکساری اور تحمل وشفقت میں وہ اکابر کی تصویر تھے، اسی افتاد طبع کی بناء پر وہ منکرات کے مقابلہ اور

ارباب اقتدار پر تنقید میں بھی مقابلے اور مجادلے کی بجائے داعیانہ اور حکیمانہ طریق کار پسند فرماتے اور خاموشی سے اصلاح احوال میں کوشاں رہتے' اسی انداز میں آپ نے صدر ایوب کو حکمت وموعظت سے خطوط لکھے اور اسی انداز میں صدر یحییٰ کو مراسلات کے ذریعہ متوجہ کیا۔

قیام پاکستان کے بعد جس کے قیام میں آپ کا بھی حصہ تھا (اور اس باب میں آپ اپنے مرشد حکیم الامۃ تھانویؒ اور اپنے استاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ہمنوا اور شریک کار رہے۔) آپ نے پاکستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کی بھرپور کوشش کی قرارداد مقاصد کی تکمیل میں آپ کا اہم حصہ تھا۔ پھر ہر اہم موقعہ پر سیاسی میدان میں اپنی حد تک اصلاح احوال کی سعی فرماتے رہے' مگر قول وعمل میں سیاسی زعماء کی منافقت اور ان کے پرفریب اسلامی دعوؤں کے تسلسل نے بالآخر آپ کو مایوس کر دیا اور خارزار سیاست سے کنارہ کش ہو کر علمی و دینی خدمات میں مصروف ہو گئے جو ان کے ذوق وانہاک کا اصل میدان تھا۔ ان کے صدقات جاریہ میں کراچی کا مشہور دارالعلوم بھی ہے جنہیں آپ نے ایک عظیم مرکز بنا کے چھوڑا اور اخلاف میں ہزاروں متوسلین کے علاوہ ان کے قابل فخر صاحبزادگان بالخصوص برادر گرامی مرتبت مولانا محمد تقی عثمانی مدیر البلاغ جو ان کے لئے سرمایہ خیر ہیں اور جنہیں خدا نے حضرت مفتی صاحب کے کمالات وصفات سے وافر حصہ دیا ہے۔ اپنے والد بزرگوار سے نہایت گہرے روحانی وعلمی تعلق نے یہ سانحہ ان کے لئے اور بھی شدید بنا دیا ہے' اور اس عاجز سے برادر موصوف کا جو تعلق اخوۃ ووداد ہے اس بناء پر یہ سانحہ فاجعہ تو میرے لئے بھی ذاتی نوعیت کا بن گیا ہے اور میں خود مستحق تعزیت بن چکا ہوں۔ اب ان سے تعزیت کروں بھی تو کن الفاظ میں اور کروں بھی تو کیونکر کہ اسے موہم اجنبیت سمجھتا ہوں۔

دارالعلوم حقانیہ سے حضرت مفتی صاحب کا جو تعلق خاطر رہا اور اس کے بانی اور شیخ الحدیث مدظلہ سے زمانہ قیام دیوبند کے رشتہ تعلیم و تدریس میں اشتراک ان سب باتوں نے بھی دارالعلوم حقانیہ اور الحق کو شریک غم بنا دیا ہے اور دارالعلوم اپنے تمام طلباء واساتذہ کے ساتھ ایصال ثواب اور دعائے رفع درجات میں پوری ملت مسلمہ کا شریک ہے۔

قاری محمد طیب قاسمی کے تاثرات:
ناظم دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند انڈیا:

دارالعلوم دیوبند میں مفتی اعظم مولانا محمد شفیع کا سوگ

دیوبند۔٦ اکتوبر کی صبح کو پاکستان ریڈیو سے یہ المناک خبر سن کر کہ آج شب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے داعی اجل کو لبیک کہا' دارالعلوم دیوبند کے علمی حلقے میں رنج وغم کے گہرے بادل چھا گئے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی' مہتمم دارالعلوم دیوبند پر اس حادثہ فاجعہ کا سب سے زیادہ اثر تھا۔ حضرت مفتی صاحب حضرت مہتمم صاحب کے معاصر اور تعلیمی زمانے کے ساتھی تھے۔ایک ساتھ دونوں نے پڑھا' ایک ساتھ حج کیا' ایک ہی ادارہ میں رہے۔حضرت مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند تھے۔

مدتوں دارالعلوم دیوبند میں حدیث وفقہ کے استاد اور صدر مفتی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔وہ سینکڑوں کتابوں کے مصنف تھے' تفسیر میں تفسیر معارف القرآن کا عظیم کارنامہ ہے' تقسیم ملک کے بعد حضرت مفتی صاحب پاکستان تشریف لے گئے۔وہاں کراچی میں دارالعلوم کے نام سے علوم دینیہ کی ایک بڑی درسگاہ قائم فرمائی۔حضرت مفتی صاحب پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور ترجمان تھے' انہیں حضرت تھانویؒ سے خلافت حاصل تھی اور ان کے اجلہ خلفاء میں تھے۔مفتی صاحب کی ایک منفرد خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے وقت کے ہر اہم حادثے پر قلم اٹھایا ہے اور اس میں تحقیق و افتاء کا حق ادا کر دیا ہے۔ان کا درجہ حضرت تھانویؒ کی نگاہ میں ایسا تھا کہ وہ ان کی تحقیق اور علم پر کلیتًا اعتماد فرماتے تھے اور حضرت نے بہت سے مسائل پر مفتی صاحب سے مضامین مرتب کرائے۔ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اسلاف کا ذوق ان میں پوری طرح رچا بسا تھا اور وہ ہر جزی مسئلہ میں بزرگوں کے اتباع کو ضروری سمجھتے تھے۔مفتی صاحب اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں مگر ان کا علم اور ان کی دینی خدمات زندہ ہیں اور زندہ رہیں گی اور اس سے ان کی یاد ہمارے دلوں میں ہمیشہ تازہ رہے گی دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحب کی وفات کی خبر معلوم ہونے پر فوراً کلمہ طیبہ اور قرآن کریم کا ختم کرا کر ایصال ثواب کرایا گیا۔ختم کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی تعزیتی تقریر میں حضرت مفتی صاحب کے محاسن و کمالات بیان کرتے ہوئے انہیں دارالعلوم کے جوہر فرد سے تعبیر فرمایا' انہوں نے فرمایا کہ مفتی صاحب کے انتقال کی

اطلاع سننے سے پہلے میں نے اس شب میں یہ خواب دیکھا کہ کسی نے آ کر یہ خبر دی کہ جنازہ تیار ہے اور بس آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ جس سے میں یہ سمجھا کہ اپنی کوئی متعارف شخصیت ہے۔ جس کے لیے یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ کس کا جنازہ ہے حتیٰ کہ انتقال کی خبر سنتے ہی میری زبان پر یہ آیت کریمہ بے ساختہ جاری ہوگئی۔ لھم درجات عند ربھم و مغفرۃ ورزق کریم۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ ایصال ثواب کی غرض سے دارالعلوم دیوبند میں دو دن کی تعطیل کی گئی۔

ازحضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ:

تاریخ انتقال اردو بیاد مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ

اک شیخ وقت و ہادیٔ عالم نہیں رہے
شرع وطریق عشق کے سنگم نہیں رہے

باطل کے منہ میں دیتے تھے جو ہر وقت لگام
ہوتے تھے جن کے سامنے سرخم نہیں رہے

کوچوں سے دہریت کے ہے اب زخم زخم دین
رکھتے تھے ایسے وقت جو مرہم نہیں رہے

تقویٰ و زہد و معرفت حق کے مقتداء
میدان علم و فضل کے رستم نہیں رہے

ٹوٹی کمر ہر ایک کی اس سانحہ کے بعد
ہر کام کے کسی میں وہ دم خم نہیں رہے

افتاء و درس و وعظ تصانیف و نظم و نثر
بے مثل کار ہائے منظّم نہیں رہے

چودہ سوسالہ نظریۓ اسلام کے جو آج
یورپ زدوں کے دل میں مسلم نہیں رہے

تفسیر میں نکالے ہیں چن چن کے ان کے خار
شبہات اور شکوک کے یہ سم نہیں رہے

اصلاح و تربیت کا رہا تھانوی طریق
اف ''عصر'' کے یہ شیخ معظم نہیں رہے

دینی کتب کی اشاعت کا اک نظام
دنیا و دین جو دونوں تھے مدغم نہیں رہے

اک مختصر سے جثہ سے اتنے بڑے یہ کام
ہاں ہاں وہ خانقاہ میں کچھ کم نہیں رہے

دو پیر بھائی آپ کے جو شیخ عصر تھے
بابائے نجم واطہر ہمدم نہیں رہے

تاریخ ارتحال ہے ہر اک کی ''فوت شیخ''
تینوں کے فیض عام تھے اک دم نہیں رہے

ہوش و حواس باختہ کیوں ہوں نہ اہل دین
وہ باکمال مفتی اعظم نہیں رہے
۲۱۵ ۱۱۵ ۱۰۱۱ ۵۳۰ ۹۴ ۱۱

۱۹۷۶ء

تاریخ وفات مع سجع جناب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

زما رفت آں مفتی اعظم
بدنیا وقیع بعقبیٰ رفیع
بتاریخ وسجعش ندائے دل آمد
برائے خطایا محمد شفیع

۲۱۳	۶۲۱	۹۲	۴۷۰

۱۳۹۶ھ

ماخوذ ''البلاغ'' کراچی

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علم و آگاہی کے یکتا تاجدار مفتی دینؒ عالم گردوں وقار
رو رہے ہیں اہل دین اہل کمال سب کے دل پر آپ کا ہے اقتدار
آپ ہی کے فیض سے ہے مستنیر! تھا یہ خطہ جہل کا تاریک غار
آپ نے رخ اس کا پھیرا سوئے خلد جب خزاں کے موڑ پر آئی بہار
شیخ کاملؒ پاسبان علم و فن بایزید عصرؒ فخر روز گار
ہیں وہ ''قرآنی معارفؒ'' آپ کے جن سے ہے سرّ معانی آشکار
فقہ ہو یا ہو ادب کا کوئی باب ہے ہر اک تصنیف مہر زر نگار
عالم دین متیں۔ بالغ نظر! آپ کے آگے ہے خم ہر کوہسار
اے محدث اے مفسر اے فقیہ اے مجاہد! عابد شب زندہ دار
عرش سے تا ''سرزمین پاک'' آج غم کے سائے ہیں قطار اندر قطار

مفتی اعظمؒ جو دنیا میں نہیں
ملت اسلامیہ ہے اشکبار

مسلم غازی

آہ مفتی اعظم قدس سرہ

٦ ۵٣٠ ١٠١١ ١٦٤ ٢٦٥

١٩٧٦ھ

کیوں ہے یہ آہ و بکا' آج ہے ماتم کس کا
سارے عالم پہ یہ ٹوٹا ہے بھلا' غم کس کا

کس کی رحلت سے ہوا ختم یہ عالم کا سکوں
نوحہ کرتی ہے یہ بے ربطی عالم کس کا

لے چلی کس کو اٹھا کر یہ قضائے مبرم
سارے عالم میں ہے یہ نوحہ وماتم کس کا

کون یہ محفل رنداں سے اٹھا ہے ساقی
جام و پیانہ وخم کرتے ہیں ماتم کس کا

دیکھ کر خلق خدا کو ہیں ملائک حیران
لاشہ کاندھوں پہ لئے جاتے ہیں یہ ہم کس کا

اشک کیوں گرتے ہیں تسبیح کے دانوں کی طرح
ہو گیا آج وہ مجذوب مجسم کس کا

بسملوں کو تو گیا چھوڑ مسیحائے زمانہ
لائیں اب زخم جگر کے لئے مرہم کس کا

راہبر کس کو کہیں جائیں کہاں اہل سلوک
بزم میخانہ میں اب کون ہے محرم کس کا

سالک و عالم و مفتی و مشائخ ہیں چیزیں
درسگاہ ہوں میں ہے تذکرۂ غم کس کا

دھوم افلاک میں آمد پہ مچی ہے کس کی
سر بلند آج ہے یہ خلد میں پرچم کس کا

تعزیت کس کی کرے کس سے کرے کون کرے
سارا عالم ہے حزیں خاص ہے یہ غم کس کا

اے خدا تو ہی بتا ان کو بلانے والے
نام اب رکھیں گے ہم مفتی اعظم کس کا

مشرف علی تھانوی

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کیا بتائیں آپ کا کیا ہے مقام　　　آپ کا فردوس میں ہے اب قیام
ذکر لب پر آپ کا ہے صبح و شام　　　آپ شمع محفل خیر الانام

جی رہے ہیں لے کے ہم نام آپ کا
ہے ہمارے ہاتھ میں جام آپ کا

جو نہ تھا کچھ آپ سے ذی شان بنا　　　جو نہ تھا انسان وہ انسان بنا
دشمن دیں صاحب ایمان بنا　　　آدمی آئینہ قرآن بنا

آپ ہی کے فیض سے عظمت ملی
زندگی کو رفعت و شوکت ملی

آپ سے روشن روایات قدیم　　　آپ کا کوچہ صراط مستقیم
آپ کی محفل کا ہر انسان فہیم　　　آپ کو حق سے ملا رتبہ عظیم

دین کا روشن ستارہ آپ تھے
وحدت حق کا نظارہ آپ تھے

تھے ہزاروں آپ کے حلقہ بگوش　　　آپ کے خادم ہوئے جنت بدوش
سن رہے تھے آپ آواز سردش　　　جز خیال مصطفیٰ کچھ تھا نہ ہوش

ہاتھ میں توحید کا پیمانہ تھا
دل رسول پاک کا کاشانہ تھا

آپ کا دل مرکز نور یقین　　　صدق کی تنویر سے روشن جبین
ہر ادا تھی شرح آیات مبین　　　بدر کامل آپ کے سب ہم نشین

آپ سے جو بھی ملا کامل ہوا
حاصل تقدیس آدم دل ہوا

دین کا تھا آپ سے روشن دیا
قدر کے قابل تھے سارے اتقیا

تھا بزرگان سلف سے سلسلہ
آپ بھی تھے شمع بزم مصطفا

اب کہاں پائیں گے ہم شانِ وقیع
خلد میں ہیں حضرت مفتی شفیع

دولت دیں سے نہ کیوں ہو اس کو ناز
اپنی قسمت پر نہ کیوں ہو سرفراز

منکشف اس پر نہ کیوں ہوں دیں کے راز
کیوں نہ دل اس کا بنے وحدت کا ساز

کیوں نہ تابندہ ہو اس کی زندگی
آپ کے در کا گدا ہے یہ ذکی

(از حکیم امداد اللہ احمد ذکی عفی عنہ)

﴿۱۰﴾

محدث العصر

علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۲۶ھ

وفات: ۱۳۹۷ھ

ازمولانا سلیم اللہ خان جامعہ فاروقیہ کراچی:

علامۃ العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

سوانحی نقوش:

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں ضلع مردان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں مہابت آباد میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی اور متوسط تعلیم پشاور اور کابل میں مختلف علماء سے حاصل کی۔ ۱۳۴۵ھ میں اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور یہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۴۷ھ میں حضرت مولانا محمد انور کشمیریؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثانی وغیرہ اکابر اساتذہؒ سے ڈابھیل میں دورۂ حدیث پڑھا۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد آپ حضرت مولانا محمد انور کشمیریؒ ہی کی خدمت میں رہ پڑے اور شب و روز کی مصاحبت میں کمالات انوری سے بھرپور استفادہ کیا۔ ۱۳۵۰ھ میں امتیاز کے ساتھ جامعہ پنجاب سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور فیض الباری و نصب الرایہ کی طباعت کے لیے مصر کا سفر کیا۔ مصر کے دس ماہ کے قیام میں وہاں کے رسائل ومجلّات میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر پر گراں قدر مقالات لکھے اور علامہ زاہد الکوثریؒ جو اس زمانہ میں مصر ہی میں مقیم تھے' خوب استفادہ کیا۔ بعد ازاں مدرسہ رفیع الاسلام پشاور میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ تدریس کے دوران جمعیۃ العلماء صوبہ سرحد کے ناظم اعلیٰ حیثیت سے ملکی سیاسیات میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۳۵۲ھ میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد ڈابھیل تدریس کے لیے بلائے گئے وہاں پہنچ کر حدیث شریف اور دیگر فنون کی اہم کتب کا درس دیا۔ ہندوستان کے اس زمانہ قیام میں سیاسیات سے بھی تعلق رکھا اور مجلس علمی کی نظامت کے فرائض انجام دینے کی نوبت بھی آئی۔

غالباً ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے تشریف لائے۔ چند سال کے بعد دارالعلوم ٹنڈوالہ یار سے قطع تعلق کر کے کراچی تشریف لے آئے اور غالباً ۱۹۷۴ھ میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کی بنیاد ڈالی اور آخر وقت تک اس کی ظاہری و باطنی تکمیل وترقی میں کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص اور مولانا مرحوم کی مساعی کا

نتیجہ ہے کہ آج مدرسہ اپنی بعض خصوصیات میں برصغیر کی تمام درسگاہوں میں بے نظیر ہے۔

۱۳۹۴ھ میں تحریک ختم نبوت چلی تو قیادت کی عظیم ذمہ داری تمام اسلامی فرقوں نے متفقہ طور پر آپ کے سپرد کی۔ آپ کے حسن عمل اور اخلاص و تدبر کی بدولت برصغیر میں پہلی مرتبہ سرکاری سطح پر قادیانی امت غیر مسلم اقلیت قرار پائی۔

۱۳۹۷ھ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ پوری کی پوری قوم آپ کی رکنیت پر مطمئن تھی کہ اسلام کی صحیح ترجمانی کے لیے آپ کا وجود بڑی زبردست ضمانت ثابت ہوگا' لیکن اس مہم کو سر کرتے ہوئے یہ مجاہد کبیر ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ میں پوری قوم کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

مولانا بنوری کے علمی و تصنیفی کارنامے:

آپ کے سب سے بڑا علمی کارنامہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ہے۔ جہاں سے سینکڑوں علماء وحفاظ وقراء و خطبا و مصنفین اور مناظر پیدا ہوکر دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی خدمت اور قرآن وسنت کے علوم کی اشاعت وترویج میں مشغول ہیں۔ پاکستان اور بیرونی دنیا کے ۲۴ ملکوں سے آئے ہوئے سینکڑوں طلبا اس وقت بھی یہاں اپنی علمی پیاس بجھانے میں مصروف ہیں۔ شیخ بنوریؒ نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو بام عروج پر پہنچانے کے لیے مستقل طور پر درجات تخصص کا اجراء کیا۔ حدیث وفقہ اور دعوت وارشاد کے موضوعات پر ذہین' زکی اور ہونہار نوجوان علماء نے ان درجات میں داخلہ لے کر خصوصی تربیت حاصل کی چنانچہ ۱۳۸۵ھ سے ۱۳۹۷ھ تک علم حدیث کو مختلف اہم موضوعات پر ۲۸ علماء نے عظیم الشان مقالات ہزارہا صفحات کی شکل میں ترتیب دیئے۔ علم فقہ پر ۱۹ علماء نے اسی طرح شاندار ریسرچ کی اور ہزاروں صفحات کے مقالات مرتب کیے' ۷ علماء نے دعوت وارشاد کے مختلف موضوعات پر فرق باطلہ کی تردید اور الحادی نظریات کے استیصال کے لیے تحقیقی کام کیا۔

حضرت مولاناؒ نے علوم اسلامیہ کی تحقیق واشاعت کے لیے مجلس تحقیق و دعوت اسلامی قائم کی اور صاحب رسوخ اہل علم کو اس کی ذمہ داری سپرد کی۔

رسالہ ماہنامہ ''بینات'' کا اجراء فرمایا اور علوم اسلامیہ کی اشاعت اور تبلیغ اور فرق باطلہ کی تردید کے سلسلہ میں دوسرے ہم عصر رسائل وجرائد پر اس کی برتری وعظمت کا سکہ بٹھایا۔ شیخ بنوریؒ کی تصانیف میں جامعہ ترمذیؒ کی شرح معارف السنن ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ۶ ضخیم جلدوں میں (جو ابھی زیر تکمیل ہی تھی) نہایت اہم تصنیف ہے جامع ازہر کے فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالحلیم کی رائے ملاحظہ ہو۔

''ابن حجر عسقلانی اور علامہ عینیؒ کی شروح حدیث پر معارف السنن کی اعلیٰ توجیہات' بے مثال طرز استدلال اور ادب ومعانی نے سبقت حاصل کر لی ہے۔''

ابتدائی دو جلدوں کے مطالعہ سے اس شرح کی جو خصوصیات ہمارے سامنے آئیں وہ بالاختصار پیش خدمت ہیں۔

۱- علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی قیمتی آراء اور سنہری تحقیقات کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ حسین پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔

۲- العرف الشذی کے مبہم یا موہم مقامات کا تشفی بخش حل پیش کرتے ہوئے امام الحدیث علامہ کشمیریؒ کے نقطہ نظر کی عمدہ تشریحات کی گئی ہیں۔

۳- حافظ ابن حجرؒ، علامہ شوکانیؒ، مولانا مبارکپوریؒ اور دیگر حضرات کی طرف سے احناف پر کیے گئے اعتراضات کا نہایت ہی خوش اسلوبی سے ازالہ کیا گیا ہے۔

۴- اسنادی مباحث میں معرکۃ الآراء موضوعات پر انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے اور اختلاف کی صورت میں قول فیصل بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

۵- فقہی اور اسنادی تحقیقات کے علاوہ بعض نحوی، لغوی، کلامی اور اصولی مسائل پر نفیس اور عمدہ تحقیقات اور قیمتی فوائد اس شرح کی زینت ہیں۔

۶- متقدمین مثل امام طحاویؒ وغیرہ کی طرح متاخرین مثل شاہ ولی اللہؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، علامہ نمویؒ اور شیخ لکھنویؒ کی تحقیقات و آراء کو بھی اس شرح میں مولانا مرحوم اہتمام کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

۷- بعض حضرات صحابہؓ، تابعین و آئمہ فقہ و حدیث کے احوال اس شرح میں اس قدر بسط تفصیل کے ساتھ آ گئے ہیں کہ یکجا کسی دوسرے مقام پر اتنی تفصیل کے ساتھ ان کا ملنا دشوار ہے۔

۸- خاص خاص مسائل پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کا بہت اچھا تعارف کرایا گیا ہے، جس کو دیکھ کر قاری میں ان کتابوں کے مطالعہ کا شوق کروٹیں لیتا ہے۔

۹- نقل مذاہب میں یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ اصل مآخذ سے ہی ان کو لیا گیا ہے۔ مثلاً شوافعؒ کا مذہب کتب شوافعؒ کی مراجعت کے بعد درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ احتیاط حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے مذاہب کا ذکر کرتے وقت کی گئی ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ تسامح فی النقل کی وہ خامی جو دوسرے مذاہت کو نقل کرتے وقت بالعموم پیش آ جایا کرتی ہے۔ اس سے یہ شرح محفوظ ہے۔

۱۰- احنافؒ کے اقوال کو نقل کرتے وقت عموماً متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ نیز احنافؒ میں صرف ان حضرات کی تحقیقات کو نقل کیا گیا ہے جن کا مرتبہ حدیث میں مسلمہ ہے، جیسے امام طحاویؒ، عینیؒ اور صاحب بدائع وغیرہ۔ تلک عشرۃ کاملہ۔

حضرت مولانا بنوریؒ کی دیگر تصانیف .... ۲۔عوارف المنن فی معارف السنن۔ یہ معارف السنن کا غیر

مطبوعہ نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ضخیم ۵۰۰ صفحات کا مقدمہ ہے۔

۳- یتیمۃ البیان فی حل مشکلات القرآن۔ علامہ کشمیریؒ کی مشکلات القرآن کا سوصفحات پر شامل علمی مقدمہ ہے۔ اس میں مبادی تفسیر' احوال مفسرین اور کتب تفسیر کا قیمتی تعارف ہے۔

۴- بغیۃ الادیب فی القبلہ المحاریب۔ سمت قبلہ سے متعلق علمی بحث ہے۔

۵- نفحۃ العنبر فی حیاۃ الشیخ الانور۔ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے سوانح وافکار اور علمی زندگی کا بے مثال مرقع ہے۔

۶- مقدمہ نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ۔ حدیثی' فقہی اور اصولی مباحث کا گنج گراں مایہ ہے۔

۷- مقدمہ فیض الباری۔

۸- مقدمہ عبقات۔

۹- مقدمہ عقیدۃ الاسلام۔

۱۰- مقدمہ مقالات کوثریؒ۔

علاوہ ازیں اسلام وعصر حاضر پر موتمر عالم اسلامی قاہرہ کے موقعہ پر عظیم الشان مقالہ ترتیب دیا۔

رابطہ عالم اسلامی مکہ کے لیے عصری تقاضے اور اسلام کے موضوع پر بصیرت افروز مقالہ لکھا۔

انجمن خدام القرآن کی قرآن کانفرنس میں آپ کی جانب سے پیش کی جانے والی معلوماتی دستاویز اسلام اور سائنس کے نام سے موسوم ہے۔

مولانا مرحوم کے تبلیغی کارنامے:

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے پاکستان کے علاوہ یورپ' افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک کے تبلیغی دورے کئے۔ بہت سے ممالک میں مبلغین روانہ کئے۔ چنانچہ فیجی آئیلینڈ میں دو' انگلستان میں چار دیگر یورپی ممالک میں دس مشرق وسطیٰ میں بیس سے زائد اور افریقہ میں آپ کے بھیجے ہوئے بہت سے مبلغین نے تبلیغی مقاصد کے لیے کام کیا۔

مختلف ممالک میں دینی مدارس کا اجرا کیا گیا۔

بہت سی کتابیں عربی زبان میں شائع کرا کے مختلف ممالک کو روانہ کیں۔

بڑی تعداد میں افریقہ کے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

جمال عبدالناصر کی دعوت پر کئی مرتبہ مصر تشریف لے گئے اور اسلام کے اقتصادی اور معاشی مسائل پر تقریریں کیں اور مقالات پڑھے۔

مولانا محمد علی جالندھریؒ کی وفات کے بعد مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے سربراہ مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

۱۳۹۴ھ میں تحریک ختم نبوت چلی تو تمام مکاتب فکر کے علماء نے بالاتفاق آپ ہی کو اس کا سربراہ چنا اور آپ نے بیماری اور نقاہت کے باوجود طوفانی دورے کئے۔

شاہ فیصل، کرنل قذافی، صدر مساوات اور دیگر عرب زعماء پر مسئلہ ختم نبوت کی اساسی اہمیت کو واضح فرمایا اور اس کے نتیجے میں ابوظہبی، سعودی عرب، لیبیا وغیرہ عرب ممالک میں قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیئے گئے۔ پھر پاکستان میں تمام احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔

غلام احمد پرویز کے فتنہ انکار حدیث کا زبان وقلم سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آپ ہی کی سربراہی میں منکرین حدیث کے کفر کا متفقہ فتویٰ شائع ہوا۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے الحادی نظریات پر مضبوط علمی تنقیدیں کیں۔ ''بینات'' کے ادارتی شذرات میں اور پبلک جلسوں میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے طلسم کا پردہ چاک کیا۔ اس کے نظریات کے رد میں مستقل ضخیم کتابیں بھی شائع کرائیں۔

ایوب خانی دور میں راولپنڈی میں اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت فرما کر اسلام کی نمائندگی کا حق ادا کیا۔

۱۳۹۷ھ میں جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے آپ کو اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن نامزد کیا۔

چنانچہ اسی کونسل کے اجلاس کی شرکت کے دوران یہ عالم نبیل، مجاہد کبیر اسلام کا عظیم جرنیل شب زندہ دار درویش، نبی امی (فداہ روحی وابی وامی) کا سچا عاشق، اسلام کی عظمت وحرمت پر مر مٹنے کا جذبہ صادق رکھنے والا مرد مومن، باطل کے سر اٹھانے پر بے تابی واضطراب کے عالم میں بے خود ہو کر اللہ سے امت کی صلاح وفلاح مانگنے والا سید بنوریؒ عارضہ قلب کے بہانے اپنے منصبی فرائض ادا کر کے خود بارگاہ رب العزت میں باریاب ہو گیا۔

از عبدالرشید ارشد:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری عہد حاضر کے ان نامور علماء محققین میں سے ہیں جن پر نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ پورا عالم اسلام بجا طور پر ناز کرسکتا ہے۔

آپ کا آبائی وطن اور مؤلد و مسکن ضلع پشاور صوبہ سرحد ہے اس صدی کے سب سے بڑے محدث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگردان رشید میں سے ایک ہیں بلکہ بعض معاملات اور خصوصیات کے اعتبار سے مولانا اپنے نامور استاد گرامی قدر سے خصوصی نسبت رکھتے ہیں۔ تقریباً بیس سال کا عرصہ مولانا کا اپنے استاد کے ساتھ گزرا اور چھ ماہ کا عرصہ تو ایسا گزرا کہ سوائے دو تین گھنٹہ کے آرام کے آپ کا ہر لحہ حضرت استاد کی خدمت کے لیے وقف تھا اور حضرت علامہ کو بھی مولانا سے بہت زیادہ شفقت و محبت تھی اور اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ مولانا موصوف رات دیر تک اپنی علمی مشغولیتوں اور مصروفیتوں کی وجہ سے جاگتے رہتے نتیجۃً صبح کو فجر کی نماز کے بعد سو جاتے۔ حضرت علامہ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا کو ایک دن فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد میں تمہیں فلاں کتاب پڑھایا کروں گا۔ منشاء اس کا یہ تھا کہ مولانا صبح کو سویا نہ کریں۔ کیوں کہ حضور خاتم النبیین ﷺ نے صبح کو سونے سے سختی سے منع فرمایا ہے اور اس طرح مشفق استاد نے اپنی سنت نبوی کی بے مثال اطاعت کی نظیر پیش کی۔ کہ شاگرد کا خلاف سنت عمل کرنا ایک حکمت عملی اور تدبر سے رفع کر دیا۔

حضرت کشمیریؒ جب بعض اختلافی امور کی بناء پر دارالعلوم دیو بند سے ڈابھیل ضلع سورت بمبئی چلے گئے تو مولانا بنوری بھی ان کے ساتھ ڈابھیل چلے گئے۔ اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب ہوگا۔ کہ علامہ اقبال کی یہ خواہش تھی کہ حضرت علامہ کشمیریؒ اپنا مستقل مستقر لاہور کو قرار دیں اور ان سے علمی کام لیا جائے۔ علامہ اقبال کی اس پاکیزہ خواہش کا ذکر مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

ان کے دل میں (علامہ اقبال کے دل میں) حضرت الاستاد کی کس درجہ عظمت تھی۔ اس کا اس بات سے اندازہ ہو

سکتا ہے کہ دارالعلوم دیو بند میں اختلافات کے باعث جب حضرت الاستاد نے اپنے عہدہ صدر الاساتذہ سے استعفیٰ دے دیا اور یہ خبر اخبارات میں چھپی تو اس کے چند روز بعد میں ایک دن ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا فرمانے لگے کہ آپ کا یا دوسرے مسلمان کا جو بھی تاثر ہو میں بہر حال شاہ صاحب کے استعفیٰ کی خبر پڑھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ میں نے بڑے تعجب سے عرض کیا کہ ''آپ کو دارالعلوم دیو بند کے نقصان کا کچھ ملال نہیں ہے۔'' فرمایا کیوں نہیں مگر؟ دارالعلوم کو صدر المدرسین اور بھی مل جائیں گے اور یہ جگہ خالی نہ رہے گی لیکن اسلام کے لیے اب جو کام میں شاہ صاحب سے لینا چاہتا ہوں اس کو سوائے شاہ صاحب کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ (بیس بڑے مسلمان)

ہماری معلومات کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے اپنے بعض مخلص دوستوں سے پچاس ہزار روپے کے لگ بھگ مواعید بھی لے لیے تھے تا کہ حضرت کشمیریؒ کی شایان شان رہائش کا انتظام کیا جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے دیو بند خط لکھا۔ تار دیا اور اس کے بعد مولانا عبدالحنان ہزاروی خطیب جامع مسجد آسٹریلیا کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ لیکن حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ علامہ صاحب ڈابھیل تشریف لے گئے۔

مولانا محمد یوسف بنوری نے اپنے استاد کی اس طرح خلوص اور محنت و محبت سے خدمت کی جس کی داستانیں اس حلقے میں پائی جاتی ہیں جس سے مولانا اور حضرت علامہ صاحب وابستہ تھے۔ دوسرے حلقوں میں شاید اس کا عشر عشیر بھی نہ مل سکے اور آج تو ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور اسی خدمت کی سعادت ہے کہ مولانا کو لوگ علامہ کشمیریؒ کے علوم کا وارث سمجھتے ہیں۔ علماء دیو بند اپنی بعض خصوصی وجوہ وصفات کی بنیاد پر پروپیگنڈا اور اس طرح کی دوسری چیزوں کی طرف توجہ نہیں دیتے ان کی نگاہ ہمیشہ اپنے مشن اور کام پر رہتی ہے۔ جسے وہ لوجہ اللہ خلوص سے کرتے چلے آئے ہیں۔ حجاز میں حج کے لیے آمد و رفت کی وجہ سے حضرت حاجی صاحب' حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب' حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' حضرت مفتی کفایت اللہؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وجہ سے دارالعلوم کی شہرت پہنچ چکی تھی۔ لیکن مصر اور بلاد عربیہ میں دارالعلوم اور علمائے دیو بند کا تفصیلی تعارف مولانا محمد یوسف صاحب کی وجہ سے ہوا۔

قیام پاکستان کے وقت آپ ڈابھیل ہی میں تدریس و تعلیم حدیث کی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اگرچہ جیسا کہ شروع میں گزرا آپ کا وطن مالوف ضلع پشاور ہے لیکن استاد مکرم کی پیروی اور دیگر خادمان علوم دین کی طرح اپنے گھر سے دور اپنے اشغال دینیہ میں منہمک تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے (کہ پاکستان تشریف لا کر کراچی میں پرچم پاکستان کی نقاب کشائی فرما چکے تھے) کا خیال ہوا کہ پاکستان میں ایک مرکزی دارالعلوم کی بنیاد رکھی جائے تا کہ دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی مملکت میں کوئی مرکزی جامعہ عربیہ نہیں تھا۔ اس خیال کے پیش نظر انہوں نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کو پاکستان اپنے وطن میں تشریف لانے کی دعوت دی (کہ خود تو ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے تھے)

اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید محمد بدر عالمؒ اور حضرت مولانا محمد رفیق[1] کشمیریؒ کو دعوت دی تا کہ علم وحدیث وفقہ کے ان نامور علمائے کرام کو یکجا کر کے مرکزی دار العلوم قائم کیا جا سکے۔

اگر شیخ الاسلام کا یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا۔ تو کوئی شک نہیں کہ جس جامعہ یا دار العلوم میں یہ چاروں اساتذہ جمع ہو جاتے تو اپنی شان میں شاید برصغیر پاک و ہند دونوں میں اپنی تدریس کے لحاظ سے منفرد ہوتا۔

علامہ صاحب کی نظر دار العلوم کے لیے کراچی پر تھی مگر علامہ صاحب کا جلد انتقال ہو گیا اور حضرت مولانا محمد یوسف پاکستان تشریف لانے پر دار العلوم ٹنڈو الہ یار میں تدریس حدیث کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ جو علامہ صاحب ہی کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بحمد للہ آج بھی بقید حیات وہاں شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

مہتمم دار العلوم مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا بعض امور میں اختلاف ہو گیا اور مولانا محمد یوسف بنوری صاحب ٹنڈو الہ یار سے کراچی منتقل ہو گئے اور توکلا علی اللہ نیو ٹاؤن جمشید روڈ پر مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھ دی۔ مدرسہ نے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی اور آج مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن اپنی تدریس، اساتذہ اور عمارت نیز بعض دوسری نظم وضبط کی خصوصیات کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتا۔ حضرت مولانا کے حسن و جمال کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا عکس جمیل ہے اور مدرسہ میں تمام اساتذہ علم وفضل کے اعتبار سے ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء علامہ شبلیؒ والے کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی جیسے باکمال لوگ وہاں موجود ہیں۔ مدرسہ میں ایک شعبہ درجہ تخصص کا ہے جسے بجا طور پر ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کا درجہ کہنا بجا ہوگا جو طلبہ اچھے نمبروں پر فارغ التحصیل ہوتے ہیں وہ پھر کسی خاص عنوان اور موضوع پر سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس عنوان پر بالکل اس طرح ایک مفصل مقالہ لکھتے ہیں جیسا کہ ڈاکٹریٹ کے لئے یونیورسٹیوں میں اہتمام ہے اور کراچی میں ایک مجلس مجلس علمی حضرت مولانا کی سرپرستی میں قائم ہے جس میں علوم اسلامیہ پر ہزاروں کتابیں موجود ہیں اور ابھی پچھلے دنوں حضرت مولانا کی نگرانی میں حدیث کی مشہور کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' جیسی عظیم کتاب پہلی مرتبہ طباعت کے زیور سے آراستہ ہو کر بازار میں آئی ہے۔ اور ایک یہی کام ان کے کمال کے لئے بہت کافی ہے مدرسہ میں ساڑھے تین صد طلباء ایسے ہیں جن کے قیام و طعام کا مدرسہ ذمہ دار ہے۔ صفائی و پاکیزگی اور حضرت مولانا کی بذات خود طلبہ کی نگرانی اور دلچسپی نے مدرسہ کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

---

[1] حضرت مولانا محمد رفیق کشمیریؒ اگرچہ عام علمی حلقوں میں معروف نہیں ہیں۔ لیکن علم حدیث میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ انتہائی منکسر المزاج اور سادہ تھے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں پڑھاتے تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے فرمان پر یہ بھی تشریف لائے اور پھر ساری عمر پاکستان میں ضلع لائلپور میں دار العلوم ربانیہ میں درس حدیث میں عمر گزار دی۔ تین چار سال قبل ان کا انتقال ہوا۔ ذکاوت و حافظہ میں بے مثال تھے۔ راقم کو بھی ان سے تلمذ حاصل ہے۔ (ارشد)

سالانہ دو لاکھ روپے کا خرچہ ہے۔ جس کے لئے کوئی سفیر یا جلسہ نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا کی ذات کی کشش جذب اور خلوص وللّٰہیت کی بناء پر لوگ بھرپور امداد کرتے ہیں اور اگر یہ خرچ دس لاکھ بھی ہو جائے تب بھی ان شاء اللہ ان کے خلوص سے یہ خرچ پورا ہوگا اور کسی اپیل یا مطالبہ کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ حضرت مولانا نے تبلیغ اور دینی امور کی خاطر مشرق وسطی اور یورپ کے اکثر ممالک کا کئی دفعہ سفر کیا ہے اور کئی ایک رمضان اعتکاف کی خاطر مدینہ منورہ مسجد نبوی میں گزارے ہیں۔ تاہم وہ اپنے آپ کو اول آخر اپنے مدرسہ کا خادم خیال کرتے ہیں۔ اسلامی ممالک سے دین سے تعلق رکھنے والے مشاہیر کا جب پاکستان میں ورود ہوتا ہے تو ان کو ملک میں دینی تعلیمات کی ترقی وفروغ کا معائنہ کرانے کے لیے سرکاری طور پر اکثر مدرسہ عربیہ کا معائنہ کرایا جاتا ہے شمالی نائیجیریا کے مردمومن سربراہ احمد و بیلو مرحوم تشریف لائے تو انہیں مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن دکھایا گیا۔ ابھی حال ہی کی بات ہے کہ جامہ از ہر کے شیخ تشریف لائے تو سرکاری اہتمام و انتظام میں ان کو مدرسہ کا معائنہ کرایا گیا اور عام طور پر ایسے معائنہ جات سے حکومت کا منشا یہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی عمائدین یہ سمجھیں کہ پاکستان میں دین اور علم دین کا بہت اچھا انتظام ہے اور اس کا کریڈٹ حکومت کو جائے۔ حالانکہ مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کی ساری خوبی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری ہیں۔ ؎

نے تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
وہ بات جو مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

صرف مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن ہی کی بات نہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع کا دارالعلوم' دارالعلوم ٹنڈو' والہ یار' مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان' دارالعلوم اکوڑہ خٹک' جامعہ اشرفیہ لاہور' جامعہ رشیدیہ ساہیوال' مدرسہ قاسم العلوم ملتان' جامعہ مدنیہ لاہور اور دیگر ایسے ہی بے شمار مدارس عربیہ علمائے حقانی'' کی محنت' کوشش' دینی علوم کی ترویج واشاعت سے لگن وعشق کے مظہر ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان مدارس عربیہ کا وجود پاکستان میں غنیمت ہے۔ اگرچہ ان مدارس میں آٹھ آٹھ سال لگانے اور پڑھنے کے بعد طلبہ کا مادی اور دنیاوی لحاظ سے کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ تاہم یہی وہ درسگاہیں ہیں جن سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی' حضرت مولانا مفتی محمود' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے علمائے حقانی تربیت لے کر نکلے۔ ہم ان علماء کرام میں سے صرف ایک کو مثلاً مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کو پیش کرتے ہیں۔ ملک کے تمام کالج اور دیگر ایسے ادارے سب مل کر ایک ایسی شخصیت پیش کریں۔ جو انہوں نے تیار کی ہو۔ ھل من مبارز؟ ہے کوئی جو اس چیلنج کو قبول کرے۔ علم و دانش' فراست وبصیرت' تقویٰ وطہارت ایمان واعتماد علی اللہ' رسوخ فی العلم والعمل اور دیگر ایسے ہی اخلاقی صفات اور عالیہ امور کسی اور میں دکھلائے جائیں۔ کوئی نہیں دکھا سکتا۔ کہیں نہیں مل سکتے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اپنے علم وعمل اور تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے صحیح معنوں میں سلف صالحین کی جیتی

جاگتی تصویر ہیں اوران کے چہرہ سے مرد مومن کی تمام علامات وصفات ٹپکتی ہیں۔تحریر وتقریر۔ درس وتدریس میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔اردو فارسی اورعربی میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔عربی میں برجستہ بات چیت کرتے یا لکھنے میں ان کو جوملکہ حاصل ہے وہ شاید برصغیر پاک وہند میں چند علماء کو ہی اور حاصل ہو۔ترمذی کی شرح عربی میں معارف السنن کے نام سے لکھی ہے جس کو پڑھ کران کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔اپنے استاد کی وفات کے بعد اُن کے حالات پر مشتمل ایک کتاب نفحتہ العنبر تحریر فرمائی۔جس کو دیکھ کران کی عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کی داد دینا پڑتی ہے۔مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کی جانب سے ایک ماہ نامہ ''بینات'' آپ کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے جس کے شذرات ''بصائر وعبر'' کے نام سے آپ کے قلم سے ہوتے ہیں۔جواصحاب مولانا کی ان نگارشات کو بالاستیعاب پڑھتے ہیں وہ مولانا کے حساس دل اور درد وفکر میں ڈوبی ہوئی گہری اسلامی نظر کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ آپ پاکستان اور اسلامی ممالک کے موجودہ حالات پر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں۔علامہ اقبال نے میر کارواں کے لیے جس نگہ بلند۔سخن دلنواز' اور جاں پرسوز کا ذکر کیا ہے۔ مولانا کی ذات میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔باایں ہمہ مولانا نے اپنے آپ کو کبھی سیاسی جھمیلوں اور تنازعات میں نہیں پڑنے دیا۔اور کبھی برسر عام منظر آرائی نہیں کی یہی وجہ ہے کہ جہاں غیرملکی اسلامی ممالک کے تمام جید علماء کرام آپ کی عربی میں تصانیف کی وجہ سے آپ کے علم وفضل کے معترف ہیں وہاں اندرون ملک اپنے حلقہ خاص کے لوگوں کے علاوہ عام لوگ مولانا سے متعارف نہ تھے۔

مجلس احرار اسلام اپنے آغاز ہی سے تحفظ ختم نبوت کا کام کررہی تھی۔قیام پاکستان کے بعد ایک اجلاس عام میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجلس عاملہ میں پاس کرا کر مجلس احرار اسلام کا دائرہ کارسیاسیات سے ہٹا کرصرف تبلیغ دین اور تحفظ ختم نبوت تک محدود کر دیا اور مستقل طور پر مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام ایک علیحدہ جماعت کا قیام بھی عمل میں آیا۔جس کے روح رواں حضرت امیر شریعت ہی تھے۔ان کے انتقال کے بعد قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی امیر قرار پائے اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد علی جالندھری کو ابتداء سے اس کے ناظم اعلیٰ چلے آرہے تھے امیر بنے۔ان کی وفات پر مولانا لال حسین اختر امیر مقرر ہوئے اوران کے بعد تھوڑی دیر مولانا محمد حیات صاحب کے ذمہ یہ منصب آیا۔لیکن وہ اپنی مرنجان مرنج طبیعت کی وجہ سے یہ بوجھ نہ اٹھا سکے اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے ارباب حل وعقد نے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری سے درخواست کی کہ وہ اس عہدہ کو قبول کریں اور حضرت مولانا کی امارت ہی میں ربوہ کا المناک واقعہ پیش آیا۔جس پر تمام دینی جماعتوں نے ایک متحدہ مجلس عمل بنائی جس کا آپ کو کنونیئر منتخب کر لیا گیا اور اس طرح حضرت مولانا سے پہلی بار پورا ملک یکا یک متعارف ہوا۔ورنہ شاید حضرت مولانا اپنی ساری زندگی مدرسہ عربیہ نیو ٹاؤن کے مہتمم کی حیثیت سے گذار دیتے اور اہل وطن ان سے یوں متعارف نہ ہوتے اور رہی سہی ''کسر جنگ''۔''امروز'' ''مشرق'' اور پاکستان ٹائمز'' کے جہازی سائز اشتہاروں نے پوری کر دی۔جن میں عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی

کہ گویا مولانا پچھلے دنوں ہی ہندوستان سے تشریف لائے ہیں۔ حالانکہ حضرت مولانا جنوری ۱۹۵۱ء میں پاکستان پرمٹ پر تشریف لائے تھے کہ یہ ان کا اپنا وطن تھا نہ پاسپورٹ بنایا نہ ویزا لیا کہ اصل شہری تو وہ پاکستان کے تھے اور ہمارے وزیر اعظم نے بھی اپنے ایک بیان میں ایک ایسا جملہ کہا جس میں انہوں نے مولانا کا نام تو نہیں لیا۔ لیکن ان کا ہدف مولانا ہی معلوم ہوتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا کے خلاف جن لوگوں نے اشتہارات دیئے ہیں وہ انتہائی احمق اور نادان لوگ ہیں اور انہوں نے ہوا میں فائر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجلس عمل کے کنوینئر یا امیر کے لیے حضرت مولانا سے بہتر شخصیت شائد کوئی اور نہ مل سکتی۔ بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ مجلس عمل کی دینی اور شرعی نمائندگی محل نظر ہوئی اگر مولانا اس کے امیر نہ ہوتے اور اگر ان مطالبات میں جو مجلس عمل نے پیش کئے ہیں کوئی بھی سیاسی آمیزش ہوتی تو کم از کم حضرت مولانا اس کی صدارت کبھی قبول نہ کرتے اور اگر بعض سیاسی جماعتوں یا افراد نے مجلس عمل کے ساتھ ہمنوائی کی ہے تو یہ ان کے ایمان و عقیدہ کا مسئلہ ہے اگر وہ جماعتیں یا افراد یہ ہمنوائی نہ کرتے تو ان کے جملہ نعرے اور اسلامیان پاکستان کی نمائندگی کا دعویٰ مشکوک اور محل نظر ہوتا۔ خود وزیر اعظم اپنے عقیدہ ایمان کا اعلان بار بار کرتے نظر آتے ہیں۔ جن سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ نہ مجلس عمل سیاسی ہے اور نہ ہی حضرت مولانا بطور کسی سیاسی لیڈر کے منظر عام پر آئے ہیں۔

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جس علم اور فضل اور تقویٰ و طہارت اور عشق و محبت رسول سے نوازا ہے اس کے ہوتے ہوئے مولانا کسی دنیاوی منصب و جاہ اور اعزاز و اکرام کو پیر گاہ کی بھی حیثیت نہیں دیتے اور جو مقام ان کو حاصل ہے اور جن علمی خدمات کو وہ آج تک سرانجام دیتے چلے آئے ہیں۔ اس نے انہیں بقائے دوام اور حیات جاوداں عطا کر دی ہے۔ انہوں نے شعوری طور پر اپنے لئے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا محبوب مشغلہ اختیار کیا ہے اور تحفظ ختم نبوت اسی کا ایک حصہ ہے۔

مولانا موصوف اپنے افکار میں شدت اور دین کو بطور دین ہی اختیار کرنے کے اس شدت سے قائل ہیں کہ وہ طلبائے دین کا دینی علوم کو ملازمت یا ذریعہ معاش کے حصول کے لئے پڑھنے کو ضیاع وقت اور گناہ سمجھتے ہیں اور یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ دین کی اشاعت و خدمت وہی کر سکتے ہیں جو دین کو دین کے لئے پڑھیں اور پھر دین ہی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ دنیا کمانے کے دھندے میں نہ پڑیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ڈھاکہ میں ملک کے نامور علماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں اس بارے میں غور و فکر کرنا مطلوب تھا کہ دینی مدارس میں دینیات کے علاوہ کچھ شعبے ایسے بھی ہونے چاہییں کہ طلباء جب فارغ التحصیل ہو کر مدارس سے نکلیں تو وہ معاش میں کسی کے محتاج نہ ہوا اور وہ اپنی اس فنی تعلیم کو بروئے کار لا کر اپنے معاش سے مطمئن ہو سکیں حضرت مولانا بھی ڈھاکہ گئے۔

وہاں رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کے فرش پر بہت جلی حروف میں النجاح فی دین المصطفیٰ لکھا ہوا ہے۔ مولانا اس کو پڑھتے ہیں اور ساتھ خود بلند آواز سے اس جملہ کے ساتھ ''سید السادات'' کا اضافہ کرتے ہیں اور صبح

کو مولانا نے اس اجلاس میں شرکت نہیں کی اور کراچی واپس تشریف لے آئے اور آپ نے مدرسہ کی سند میں ان الفاظ کا اضافہ کر دیا۔

ان کے تبحر علمی اور سرچشمہ ہدایت قرآن پاک کے ساتھ ان کی گہری وابستگی اور اس کے علوم و معارف کو صحیح طریق سے اشاعت کرنے کی لگن کے سلسلہ میں ایک واقعہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ مصر کے ایک بہت بڑے عالم علامہ طنطاوی مرحوم نے پندرہ سولہ جلدوں میں قرآن پاک کی ایک تفسیر بنام جواہر القرآن لکھی ہے جسے اس دور کی تفسیر کبیر کہا جاتا ہے اس تفسیر میں انہوں نے عام متنورین کی طرح اس بات پر بہت بحث کی ہے کہ قرآن تمام علوم جدیدہ کا ماخذ اور سرچشمہ ہو۔ سائنس فلسفہ جدیدہ اور فلکیات وغیرہ کے علوم کو قرآن پاک سے ظاہر کرنے کی یا نکالنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت مولانا نے جب یہ تفسیر پڑھی تو ان کو بہت دکھ ہوا کہ قرآن پاک کو ان علوم کا رہنما مبلغ ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ بہر حال قرآن پاک کے مقاصد کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کا مرکزی نقطہ انسانی ہدایت ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان کو عبودیت و عبدیت کا حق ادا کرے اور یہ دنیا کہ جسے حدیث پاک میں آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے اور اگر انہی امور کی طرف توجہ دلانے کے لئے قرآن مجید میں بحر و بر، شمس و قمر یا کواکب و جبال اور اشجار و احجار اور دوسری معدنیات وغیرہ کا ذکر آیا ہے تو ان اشیاء کی تخلیق اور حرکات و سکنات اور گردش وغیرہ کو وجود باری کے اثبات اور عقیدہ توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا ہے نہ کہ سائنسی علوم میں رہنمائی کے طور پر اس تفسیر کا بلاد اسلامیہ میں بہت شہرہ ہوا۔ حضرت مولانا نے عزم فرمایا کہ علامہ طنطاوی مرحوم کو ان کی اس فکر و نظر کی غلطی اور اس کے عواقب و نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ لیکن علامہ طنطاوی اہل زبان اور مصر کے مایہ ناز عالم تھے اور مولانا عجمی اور پھر ان دنوں ابھی جوان تھے۔ چنانچہ تائید ایزدی کے حصول کے لئے پہلے مکہ معظمہ حاضری دی اور خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر ملتزم سے لپٹ کر رو رو کر (کہ اجابت دعا کا مقام ہے) دعا کی کہ یا اللہ تیرے قرآن پاک کی خاطر علامہ طنطاوی سے گفتگو کرنے جا رہا ہوں۔ شرح صدر عطا فرما اور اس کے بعد قاہرہ جا کر علامہ طنطاوی سے مفصل گفتگو کی۔ علامہ طنطاوی باوجود علامہ فہامہ ہونے کے سلیم الطبع تھے اور اپنی غلطی کے اعتراف و اقرار سے انہیں اپنا وقار مجروح ہوتا نظر نہیں آتا تھا۔ جیسا کہ آج کل کے متجددین کا وطیرہ ہے۔ انہوں نے قصور فہم کا اعتراف فرمایا اور وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو کانوں تک لے جاتے تھے اور تحیر انگیز لہجے میں بار بار فرماتے تھے۔

الآن افهم منك معنى هذا الحديث میں اب آپ سے اس حدیث کا معنی سمجھا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ:

لست عالم هندی بل انت مَلَك

منزل من السماء لاصلاحی

آپ ہندی عالم نہیں ہیں بلکہ آپ تو فرشتہ ہیں جو میری اصلاح کے لئے آسمان سے اترے ہیں۔

اور وہ خیال فرما رہے تھے کہ ہندوستان کے سب سے بڑے عالم سے محو گفتگو ہیں۔ حالانکہ امر واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں حضرت مولانا کے کئی اساتذہ بقید حیات تھے کہ حضرت مولانا ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو شائد ان کی جوتوں کی خاک کے برابر بھی درجہ نہ دیتے ہوں اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا جس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے وہ اپنے اساتذہ کا اور شیوخ کا ایسے ہی انداز کا احترام کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں شائد مبالغہ بھی نہ ہو۔ کہ ان حضرات کے اساتذہ علامہ کشمیریؒ۔ حضرت شیخ الہندؒ۔ حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ اور علامہ عثمانی ایسے ہی لوگ تھے۔ میں نے اپنے کانوں سے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا ایک خطبہ جمعہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سنا۔ آپ بادیدۂ نم فرماتے تھے کہ میں جب اپنی داڑھی میں کنگھی کیا کرتا تھا تو جو بال اکھڑتے تھے۔ ان کو جمع کرتا جاتا تھا اور خیال یہ تھا کہ جب کافی ہو جائیں گے تو پھر اس طرح کا جوتا بنواؤں گا کہ جیسا حضرت مدنیؒ پہنتے ہیں اور اس جوتے میں اپنے یہ بال سلوادوں گا اور احمد علی یہ خیال کرتا ہے کہ اگر حضرت مدنی یہ جوتا پہن لیتے تو احمد علی کی نجات کے لئے کافی ہوتا۔ بہر حال حضرت مولانا محمد یوسف بنوری اس دور میں علم وعمل کا ایک ایسا مرقع، تقویٰ وطہارت کا ایسا مجسمہ اور زہد وقناعت کا ایک ایسا پیکر اور سنت واطاعت رسول کا ایک ایسا وجود ہیں کہ ان کی مثال بہت کم نظر آئے گی اور اگر آئے گی تو پھر اس قبیلہ کے کسی فرد میں۔

ایک الزام مولانا پر یہ لگایا گیا ہے کہ آپ مولانا اسعد مدنی فرزند ارجمند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ملتے رہے ہیں گویا یہ بھی کوئی جرم ہے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کے گلے ملنا اور اندرا گاندھی کے خاندان کے ساتھ مراسم فخریہ بیان کرنا حب الوطنی کی نشانی ہے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند سے ملنا اکبر الکبائر' فیاللعجب! حالانکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے پاکستان بننے کے بعد اپنے متوسلین کو جو پاکستان میں رہتے تھے وصیت کی کہ جب تک ملک نہیں بنا تھا۔ ہمارا نظریاتی اختلاف تھا لیکن اب اس کے بننے کے بعد اس کی ایسے حفاظت کرنا ضروری ہے جیسے مسجد کی۔

اگر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے صاحبزادہ سے ملنا ایسا ہی جرم ہے تو پھر مفتی محمود اور عبدالولی خاں کی پارٹیوں کو وزارت بنانے دینا اور اب تک ان سے مذاکرات کرتے آنا کیوں صحیح ہے۔

اور مولانا غلام غوث ہزاروی جو آج کل حکمران پارٹی کے حلیف ہیں وہ بھی تو نظریہ پاکستان کے خلاف تھے۔

تمہاری زلف میں پہنچی تو حسن کہلائی!
وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں ہے

مجلس عمل کی جماعتوں یا اس میں شامل افراد سے کوئی اور اختلاف ہو تو علیحدہ بات ہے لیکن جس نقطہ پر مجلس عمل کی بنیاد ہے۔ اس میں پوری ملت اسلامیہ کا ایسا اتفاق واتحاد ہوا ہے کہ اس کی مثال برصغیر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی اور مجلس عمل کے مطالبات میں کوئی ایسا امر نہیں جسے سیاسی کہا جا سکے وہ سراسر دینی اور شرعی ہیں اور ملت اسلامیہ کی متحدہ ومتفقہ

آواز اور اس مجلس عمل کی قیادت و امارت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری فرما رہے ہیں اور یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ ایک خالص دینی مطالبہ بلند پایہ عالم دین کی قیادت میں کیا جا رہا ہے۔

ہم نے یہ سطور لکھ تو دی ہیں لیکن حضرت مولانا سے معذرت خواہ ہیں کہ وہ اس کو اچھا نہیں سمجھیں گے۔ کہ ان کی شخصیت و کردار پر مضامین لکھے جائیں اور وہ حسب معمول فرمائیں گے۔

خدا کے بندو۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ خدا کے لیے دین کا کام کرو۔ یہ کوئی کام نہیں ہے۔

از ڈاکٹر نفیس الدین صدیقی:
پرنسپل ایکانمی کالج میڈوگری نائیجیریا:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ تعالٰی

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کی شام کو ریڈیو پاکستان کی عالمی سروس سے یہ خبر نشر ہوئی کہ ممتاز عالم دین اور اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن حضرت مولانا محمد یوسف بنوری انتقال کر گئے۔ یہ خبر سنتے ہی ایک دھچکا لگا اور اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ آخر تفصیلی خبروں میں آپ کے انتقال کی تصدیق ہوگئی۔ دنیا میں مرنا جینا ہر شخص کے ساتھ لگا ہوا ہے اور سوائے ذات باری تعالٰی کے ہر چیز کو فنا ہے یہاں تک کہ ملک الموت کو بھی موت کا مزا چکھنا ہوگا۔

کل من علیھا فان ویبقٰی وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ کل نفس ذائقة الموت۔

قرآن پاک نے اور احادیث میں نبی اکرم ﷺ نے اس کی اطلاع پہلے ہی دے دی' دنیا میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ ایسے ہیں جن کے انتقال کے بعد ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اور کچھ شخصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے مرنے کا ماتم عزیز و رشتہ دار ہی نہیں بلکہ پورا عالم کرتا ہے اور ان کی یاد ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

گزشتہ دنوں پاکستان کی بہت سی ممتاز علمی شخصیتیں رحلت کر گئیں۔ جن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کا صدمہ ہر مسلمان محسوس کر رہا تھا اور دلوں کے زخم ابھی ہرے ہی تھے کہ علم نبوت کا ایک دوسرا آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا' مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی مسند حدیث شریف ویران ہوگئی جس مسند پر حضرت شیخ علامہ بنوری قدس سرہ درس بخاری شریف دیا کرتے تھے وہ اپنے شیخ سے خالی ہوچکی۔ دنیائے اسلام میں شائد ہی کوئی ایسا شخص ہو جو حضرت بنوری قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمات سے واقف نہ ہو۔ پاکستان کی علمی شخصیتیں ایسی بھی ہیں جن کو بیرون ملک بھی اسی طرح جانا پہچانا جاتا ہے جس طرح اندرون ملک۔ نائیجیریا کا علمی طبقہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کو جس طرح جانتا ہے اسی طرح حضرت شیخ بنوری قدس سرہ کو جانتے ہیں۔ میرے اسٹاف میں جو اساتذہ دیگر ممالک کے رہنے والے ہیں وہ حضرت مفتی صاحب اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہما کو ان کے علم و فضل کی وجہ سے جانتے ہیں۔ جب میں نے اپنے کالج کے ایک استاد کو عشاء کی نماز میں یہ خبر سنائی تو

وہ حیران رہ گیا اور دعائے مغفرت کرنے لگا معلوم ہوا کہ وہ حضرت شیخ بنوریؒ کو جانتے ہیں۔

میں نے حضرت مولاناؒ سے متعدد بار ملاقات کی' یہ ملاقاتیں تحقیقی کاموں کے سلسلہ میں ہوتی تھیں۔ میں نے جس مسئلہ پر بھی گفتگو کرنا چاہی آپ نے اس پر سیر حاصل تقریر فرمائی۔ علمی نکات کو اس طرح واضح فرماتے کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ لیتا۔ تقریر ایسی آسان اور عام فہم ہوتی کہ ہر شخص کے دماغ میں اتر جاتی۔ آپؒ کے نزدیک چھوٹے اور بڑے کی کوئی تفریق نہ تھی جو بھی آتا آپ اس کے ساتھ مدرسہ کے باغیچہ میں آکر بیٹھ جاتے اور اچھی طرح اس کی بات سنتے اور اس کی تشفی فرماتے۔ حضرت مولاناؒ کی کن کن باتوں کو یاد کیا جائے۔ آپ ہر طرح سے علم نبوت کے پاسبان اور سنت نبوی' کے نمونہ تھے۔ آج اسلام کا یہ مبلغ اعظم اہل اسلام کو اور خصوصاً اہل پاکستان کو یتیم کر گیا' آج مدرسہ عربیہ اسلامیہ' کی عظیم درس گاہ اس کے انتقال پر ملال پر ماتم کناں ہے عربی کا یہ مایہ ناز اسکالر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گیا۔

آپ نے اپنی تمام زندگی دین کی خدمت میں گزار دی۔ آپ حضرت مولانا علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید' صحیح جانشین' اور عاشق صادق تھے ویسے تو آپ کو علمی خدمات کی تعداد بہت ہے مگر صحاح ستہ میں مشہور حدیث پاک کی کتاب ترمذی شریف کی شرح عربی زبان میں لکھی جس کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں یہ خدمت اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت شیخ بنوری قدس سرہ ہی کے لئے وقف کی ہوئی تھی۔ اس خدمت پر عرب بھی داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ شیخ الازہر جیسے عالم بھی آپ کی علمیت کے قائل تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کیا کرتے تھے۔

بخاری شریف کے درس کے دوران آپ مذہب حنفی کو واضح دلائل سے ثابت کرتے جو آپ ہی کا حصہ تھا۔ دین کی تبلیغ کے لئے آپ نے ایک ''ماہنامہ بینات'' جاری فرمایا' جس میں آپ کے افکار و خیالات شائع ہوتے تھے آپ حالات حاضرہ کا تجزیہ فرماتے اور لوگوں کو دعوت فکر و عمل دیتے' آپ کے شاگرد ملک اور بیرون ملک کافی تعداد میں علمی و تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ نے ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام کیا اس کے بعد پاکستان میں ٹنڈوالہ یار میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے آخر میں جدوجہد اور رات دن کوشش کر کے مدرسہ اسلامیہ عربیہ نیو ٹاؤن کراچی کی بنیاد رکھی جو آج ایک عظیم اسلامی درس گاہ کی حیثیت سے مشہور ہے جس میں ملک اور بیرون ملک کے طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آپ حدیث شریف کے علاوہ تفسیر' فقہ' اور علم الرجال' غرض کہ جملہ عربی علوم پر حاوی تھے۔ عربی میں بلا تکان اشعار کہتے تھے۔

پاکستان میں قادیانی فتنہ کو دفن کرنے میں آپ کی رات دن کی کوششیں کون نہیں جانتا؟ اس مسئلہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل کرانے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے اس زمانے میں آپ بیمار ہونے کے باوجود اس سلسلہ میں سفر کرتے رہے اور

اس وقت تک سکون سے نہ بیٹھے جب تک کہ قادیانی فتنہ کا حل نہ نکل آیا اور حکومت سے ان کو غیر مسلم تسلیم نہ کرالیا۔ آپ نے ہمیشہ کھل کر ان فتنوں کا مقابلہ کیا جو اسلام کے خلاف ابھرے۔ تحقیقی کاموں کے لئے آپ نے ادارہ دعوت وتحقیق اسلامی کے نام سے قائم کیا جس میں علماء کرام کام کر رہے ہیں اور ان کی تحقیقی کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ آپ کی علم دوستی کا واضح ثبوت ہے اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے' آپ نے پاکستان میں اسلامی قانون نافذ کرانے کی جدوجہد میں ہمیشہ علماء کرام کا ساتھ دیا اور آج بھی وہ اس کوشش میں تھے کہ اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

موجودہ حکومت نے اسلامی مشاورتی کونسل کا رکن آپ کو منتخب کیا اور کونسل ہمیشہ آپ سے رہنمائی حاصل کرتی رہی آپ اسلام کو پاکستان میں پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔

۱۹۰۸ء میں آپ صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پشاور اور کابل میں حاصل کی اس کے بعد باقاعدہ تعلیم کے لئے "دارالعلوم دیوبند" چلے گئے اور ڈابھیل سے فارغ التحصیل ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ مایہ ناز فرزند آج ہم میں موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجہ عطا فرمائے اور مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

"خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول۔"

(بصائر وعبر۔ ذی الحجہ۔ ۱۳۸۸ھ)

از مولانا سمیع الحق:

آہ! مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

آہ کہ ۳/ذی قعدہ مطابق ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء صبح ۵ بجے جبکہ سپیدۂ سحر آفتاب عالمتاب کے طلوع کا مژدہ سنانے لگا تھا' دنیائے علم وادب کا آفتاب و ماہتاب پون صدی کی تابنا کی اور درخشانی کے بعد یکا یک غروب ہوگیا اور علم و دین کے ایوانوں میں اندھیرا چھا گیا۔ یعنی حامل علوم نبوت ماحی الحاد و بدعت یادگار سلف محدث جلیل' محقق یگانہ ادیب' فاضل بے بدل' جانشین امام انور شاہ کشمیریؒ علامہ مولانا سید محمد یوسف جان البنوری البشاوری قدس سرہ واصل بحق ہو گئے۔ البقاء للہ وحدہ۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ فالرزیۃ کل الرزیۃ وہ شمع جو عمر بھر دین کے لیے اور ملت اسلامیہ کے لئے جل رہی تھی اور امتداد زمانہ کے ساتھ اس کی لو میں اس کے سوز وتڑپ اور اس کی روشنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا اچانک بجھ گئی۔

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

اور اب علم وتحقیق کا عالم اجڑا اجڑا سا ہے۔ دعوت حق اور دفاع دین کی رزم گاہوں میں سکوت مرگ سا طاری ہو گیا ہے۔ ؎

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بڑے چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

جمعہ کی شام کو قائد ملت مولانا مفتی محمود صاحب' مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ کے اجلاس میں شرکت کرنے مصر جا رہے تھے۔ ادھر مولانا بنوری مرحوم اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب وغیرہ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کرنے اسلام آباد تشریف لائے تھے' مفتی صاحب کو راولپنڈی ائر پورٹ پر الوداع کہنے کے بعد احقر اسلام آباد گیا مولانا بنوری گورنمنٹ ہاسٹل کمرہ نمبر ۳ میں مقیم تھے اور دیگر حضرات واحباب دیگر کمروں میں۔ رات مولانا کونسل کی میٹنگ سے ساڑھے نو بجے پہنچے' رات میں مولانا تقی صاحب کے ساتھ رہا' ہفتہ صبح ۸ بجے ہم دونوں مولانا کے کمرے میں گئے تو معلوم

ہوا کہ غسل خانہ میں اچانک دھچکا سا لگا ہے' گلا کھچ سا گیا اور اب معائنہ کے لیے پولی کلینک اسلام آباد تشریف لیے گئے ہیں۔ گیارہ بجے واپس تشریف لائے۔ میں اور تقی صاحب نے گاڑی سے سہارا دیا۔ مولانا کے صاحبزادے محمد بنوری سلمہ اللہ بھی ساتھ تھے ہم تینوں انہیں کمرے میں لے گئے' خوب بات چیت فرماتے رہے' ہم سب نے اصرار کیا کہ اب مکمل آرام فرماویں اور بستر پر دراز ہو جائیں فرمایا نہیں کوئی خاص بات نہیں' ہنسی خوشی ہم کمرہ سے نکل آئے' ساڑھے بارہ بجے یکایک مولانا پر دوبارا اٹیک ہوا جسم مبارک پسینہ سے شرابور رنگ بالکل پیلا پڑ گیا' استغفر اللہ استغفر اللہ کا ورد فرماتے رہے' اور فرماتے کہ اس دفعہ بالکل نئی کیفیت محسوس ہو رہی ہے' جسٹس افضل پر صاحب چیئر مین مشاورتی کونسل بھی موجود تھے' سی ایم ایچ پہنچانے کا پروگرام بنا ایمبولینس آنے میں کافی دیر لگی' اور چار بجکر ۲۰ منٹ پر آپ سی ایم ایچ کے آفیسرز وارڈ کے ایمرجنسی روم میں داخل کئے گئے' وہاں پہنچ کر طبیعت کافی بحال ہوگئی اور سب لوگوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

دوسرے دن اور پیر کی شب کو آپ یہیں زیر علاج رہے' وفات کی شب رات نو بجے ان کے صاحبزادے برادرم محمد صاحب ملنے گئے تو کسی ڈاکٹر نے مولانا کو اٹھنے بیٹھنے کے بارہ میں احتیاط کی تلقین کی تو محمد صاحب کی روایت ہے مولانا مرحوم نے انہیں کہ کہا اب کبھی نہیں اٹھوں گا۔ پیر کی صبح ۵ بجے کے لگ بھگ واصل بحق ہوئے۔ وفات اپنے اندر شان ابوذری لئے ہوئے تھی' ایسی حالت میں کہ ملت کا یہ غمگسار ملت کے درد وغم کے سلسلہ میں حالت سفر میں تھے اور وفات کے وقت بستر کے قریب کوئی عزیز بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ ہسپتال کی طرف سے کسی کو ساتھ رہنے کی اجازت نہیں تھی' آخری لمحات کیسے گذرے کیا کیا کیفیات اور تاثرات رہے' اس کا مشاہدہ کرنے والا کوئی نہ تھا اور پھر یہ امر بے حد افسوس و حیرت کا باعث ہے کہ ہسپتال کی طرف سے کسی عزیز کو اطلاع نہیں دی گئی پہلی اطلاع کئی گھنٹے بعد جنرل ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو دی گئی۔ ان کے توسط سے چیئر مین اسلامی کونسل کو' اور اس کے بعد عزیز و اقارب کو' ہم لوگ اکوڑہ خٹک آ گئے تھے۔ ۱۱ بجے اطلاع آئی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ دار العلوم کے اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد راولپنڈی روانہ ہوگئی۔ ۲ بجے ہم سب راولپنڈی پہنچے۔ برادر عزیز قاری سعید الرحمٰن صاحب کی نظم میں ان کی اقامت گاہ جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ میں مولانا کی تجہیز وتکفین ہو چکی تھی۔ مولانا کا جسد اطہر ایک کمرے میں برف کی سلوں کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ جو مریض ونحیف ہونے کے ساتھ اس صدمہ سے نڈھال تھے سیدھے مولانا کے پاس پہنچے پیشانی مبارک کو چوما دیر تک کھڑے رہے اور مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ:

''اے دین کے خادم اور ملت کے غمگسار تجھ پر خدا کی کروڑوں رحمتیں ہوں۔ اے اللہ اس ذات کو جو قرآن وسنت کا حامل اور خادم رہا اپنی قرب ورضا سے مالا مال فرما۔''

مولانا مرحوم کا چہرہ عجیب پر سکون تھا۔ جیسے آسودۂ خواب ہوں۔ چہرۂ انور کا حسن سفید کفن میں اور بھی نکھر گیا تھا۔ ۳ بجے بعد ظہر نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پڑھائی علماء ومشائخ' زعماء ومشاہیر اور عامۃ المسلمین کی ایک

بہت بڑی تعداد نے شمولیت کی اس سے قبل حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ۱۵ منٹ تک حضرت مولانا مرحوم کے کمالات علمی اور خدمات دینی پر تقریر فرمائی' نماز جنازہ کے بعد آپ کا تابوت ائر پورٹ لے جایا گیا اور ٹھیک ۵ بجے جہاز علم ومعرفت کے اس گنج گراں مایہ کو لے کر کراچی روانہ ہوا اور کراچی میں رات نو بجے آپ کو اپنے قائم کردہ مدرسہ عربیہ ٹاؤن میں سپرد خاک کیا گیا' یہاں دوبارہ نماز جنازہ پڑھائی گئی جس میں مولانا کے عشاق اور عقیدت مندوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

حضرت مولانا بنوریؒ کے وصال سے علم وفضل کی دنیا میں کتنی خلاء پیدا ہوگئی ہے؟ اس کی وسعت اور گہرائیوں کا صحیح اندازہ ہم جیسے بے مایہ علم وفہم کر ہی نہیں سکتے' مگر مولانا کے طویل وعریض کمالات علمی اور خدمت دینی پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے والا بھی اس حادثہ کی وجہ سے غم واندوہ کی گہرائیوں میں ڈوبے بغیر نہیں رہ سکتا' مولانا کی ذات جامع صفات تھی اس ہمہ گیر شخصیت میں امام کشمیریؒ کے کئی مزایا اور صفات کی جھلک نمایاں تھی اپنے استاذ کا رنگ لئے ہوئے تھے۔ علمی تبحر' وسعت معلومات' غضب کا حافظہ' ادب عربی اور علوم ادبیہ میں مکمل دسترس اور اعلیٰ ذوق' عربی کے ایسے ادیب اور مصنف کہ گنے چنے افراد میں شمار ہوتے تھے' عربی نثر نگاری میں قدیم اور جدید دونوں اسلوبوں پر گرفت تھی' عربی شعروشاعری کا ایسا ملکہ کہ قریبی احباب سے ذاتی خط وکتاب بھی عربی نظم میں فرماتے' کتابوں کا ایسا عمدہ ذوق اور ایسی تشنگی کہ آخر وقت تک دنیا کے کتب خانوں سے چن چن کر کتابیں جمع فرماتے رہے اور ایک نہایت عمدہ لائبریری بھی اپنے آثار میں چھوڑ گئے۔ عربی ادب اور علوم عربیہ کی نایاب اور قدیم کتابوں کے نام بچپن میں میں نے مولانا سے ہی سنے طبیعت میں روانی آجاتی تو صدہا عربی فارسی قصائد واشعار سنانے لگ جاتے۔ اپنے شیخ اور استاذ علامہ کشمیری کے ذکر سے تو وجد کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی اور آبدیدہ ہو جاتے' ویسے بھی طبیعت میں سوز وگداز غضب کا تھا۔ دین کے اضمحلال اور زوال پر آنسو کی جھڑی لگ جاتی۔

مولانا کو اللہ نے باطنی صفائی کے ساتھ ظاہری نفاست سے بھی بدرجہ اتم نوازا تھا' ہر کام میں نہایت خوش ذوق' رہن سہن' خوراک وپوشاک نشست وبرخاست میں خوش سلیقہ' دستر خوان ہو یا میز ہر جگہ ہر چیز کو ترتیب سے دیکھنا چاہتے تھے۔ ہمارے بعض احباب اس معاملہ میں مولانا کو ماہر جمالیات کہتے تھے۔ صاف دل اور صاف گو تھے۔ کسی کو پسند فرمانے لگتے تو اس کی تعریف وتحسین میں اتنے فیاض کو ناواقف حال حضرات کو غلو اور مبالغہ کا گمان ہونے لگتا اور اگر دین اور علم کے معاملہ میں کسی سے اختلاف ہو جاتا تو اپنی صوابدید کی بناء پر بے دریغ اور بلاخوف لومۃ لائم میدان میں آجاتے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور اس دور کے فتنہ تجدد پر آپ نے بے تحاشا حملے کئے اور اپنا پرچہ بینات اس کے لئے مخصوص فرمایا۔ فتنہ انکار حدیث اور اس کے داعی پرویز کی تکفیر کا اجماعی فتویٰ آپ کا کارنامہ ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فتنہ قادیانیت کا استیصال جس تحریک سے کرایا اس کی سرخیلی کا خلعت فاخرہ بھی آپ کو نصیب ہوا۔

تحریک ختم نبوت چلی، لاہور کے مدرسہ شیرانوالہ گیٹ میں ہر مکتب فکر کے علماء اور زعماء مجلس عمل کی تشکیل کے لئے جمع تھے ایسے متضاد اور مختلف الخیال مکاتب اور عناصر کی قیادت کا مسئلہ بڑی الجھن کا باعث بن سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ یکا یک مجلس میں اٹھے اور تمہید کے بعد مجلس عمل کی صدارت کے لئے مولانا قدس سرہ کا نام تجویز فرمایا۔ اللہ کا کرم تھا اور مجوز اور مجوز دونوں کی عظمت اور احترام کا تقاضا کہ سب لوگوں نے اس تجویز پر اتفاق کیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے مولانا انورشاہ کشمیریؒ کے مشن کو ان کے چہیتے خادم اور شاگرد ہی کے ذریعہ تکمیل تک پہنچایا ذب عن الاسلام اور حمیت حق کے ان عظیم معرکوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اس عاشق رسولؐ سے علم حدیث کی خاص طور سے خدمت کی، ترمذی شریف کی شرح معارف السنن کی صرف چھ جلدیں چھپ سکیں جو ۲۹۳۳ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ابھی اتنا کام اور ہونا تھا اور معارف کا مقدمہ اسی پر مستزاد۔ جوانی کے آغاز میں کئی ایک معرکے کی کتابیں لکھیں ۱۳۵۶ھ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے فیض الباری کی طباعت کے سلسلہ میں مصر ترکی یونان اور حجاز کے سفر پر گئے تو پایہ کے علماء عرب پر اپنا سکہ جمایا اور اظہار حق میں عالم عرب کے ممتاز مصنف علامہ طنطاوی صاحب جواہر القرآن سے بھی الجھنے میں جھجک محسوس نہیں کی۔ اس وقت کے امام جلیل علامہ محمد زاہد ابن الحسن الکوثری کے منظور نظر بن گئے، اپنے شیخ اور مرشد علامہ کشمیریؒ کے بعد آپ علامہ کوثریؒ کے علم وفضل کے مداح تھے۔ اس سفر سے ہی عرب کی علمی دنیا میں متعارف ہو گئے۔ کئی ایک مقالات اور قصائد عربی پریس میں شائع ہوئے۔ دمشق کی مجلس علمی اور بعد میں قاہرہ کے مجمع البحوث الاسلامیہ اور مکہ معظمہ کے رابطہ عالم اسلامی کی کئی مجالس کے ممبر منتخب ہوئے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(سمیع الحق)

جناب مسلم غازی:

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

غمزدہ ہیں اہل دانش اہل دین تیرے بغیر
ہوگی تاریکی اپنی سر زمین میں تیرے بغیر!
تھی ترے دم سے جو اک سرگرمی جہدو عمل
بزم دین میں اب وہ سرگرمی نہیں تیرے بغیر!
آہ! اے علامہ یوسفؒ اے سراپا علم و فضل
آج ہے بے نور سی شمع یقین تیرے بغیر!
تیرے فیضان نظر سے کتنے دل زندہ ہوئے
رو رہے ہیں تشنگان علم دین تیرے بغیر
وارث علم نبوت' آفتاب دین حق!
اب تو ذرے جگمگاتے ہی نہیں تیرے بغیر
ہو گئی ویران اب رشد و ہدایت کی یہ بزم
جانثار دین ختم المرسلین تیرے بغیر
الفراق اے تاجدار علم و عرفان الفراق
کس کو کہیے آج نقش دلنشین تیرے بغیر

﴿۱۱﴾

خطیب الامت

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۳۴ھ

وفات: ۱۴۰۰ھ

از مولانا محمد صدیق ارکانی:

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
کی
قومی وملی خدمات پر ایک طائرانہ نظر

قارئین کرام نوٹ فرمالیں کہ خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مفصل سوانح عمری کی ترتیب وتدوین کا عمل اور کوشش جاری ہے' اگر رحمت ایزدی شامل حال ہوئی اور فضاء بھی سازگار رہی تو انشاء اللہ مستقبل قریب میں حضرات کی حیات جاوداں اور ان کے وہ نصیحت آمیز مشاہدات و تاثرات منصۂ شہود پر آ جائیں گے جن سے ایک دنیا نے استفادہ کیا۔

جملہ قارئین کرام و متعلقین حضرات سے التماس ہے کہ اس عظیم الشان دینی خدمات میں ادارے کے ساتھ بھر پور تعاون کا مظاہرہ فرمائیں اور اگر کسی بھی صاحب کے پاس خطیب پاکستان کا کوئی بھی مخطوطہ یا بیان یا قابل اشاعت کوئی خط وغیرہ موجود ہو تو ادارے کو امانتاً ارسال فرمائیں وہ آپ کے نام گرامی کے ساتھ شائع کیا جائے گا اور آپ عند اللہ ماجور بھی ہوں گے۔

زیر نظر مقالہ خطیب پاکستان کی قومی وملی خدمات پر مشتمل ہے جو مولانا محمد صدیق ارکانی صاحب کا مرتب کردہ ہے یہ مقالہ ۱۲ اپریل ۲۰۰۲ء کو روزنامہ جنگ کراچی اور روزنامہ قومی اخبار کراچی میں بھی شائع ہو چکا ہے' اب حق نوائے احتشام کے قارئین کرام کی نذر ہے۔ (مرتب)

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی عبقری شخصیت اور عظیم المرتبت ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے کیونکہ حضرتؒ کا تعارف پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے' موصوفؒ نے اپنے جیتے جی اور چندہ روزہ مستعار زندگی میں قومی وملی جذبہ سے جتنے امور سر انجام دیئے وہ ایک پوری جماعت کے لئے بھی مشکل کام ہے' قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت سے تشبیہ دی ہے۔ " ان ابراھیم کان امۃ" اسی طرح خطیب پاکستان کا

بھی ایک جماعت سے موازنہ کیا جا سکتا ہے' بلاشبہ موصوف اپنے محیر العقول کارناموں' کامیاب تحریکوں اور یادگار کارکردگیوں کی وجہ سے اپنے ہمعصروں پر سبقت لے گئے اور عربی کے بہت مشہور شاعر متنبّی کے اس شعر کے مصداق بن گئے۔ ؎

فان تفق الانام وانت منهم
فان المسك بعض دم الغزال

اگر آپ مخلوق میں سے ہونے کے باوجود اپنی حسن کارکردگی کی وجہ سے بنی نوع انسان سے آگے نکل گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے' کیونکہ مشک عنبر ہرن کے خون بستہ کا حصہ ہونے کے باوجود الگ حیثیت اور جداگانہ شان کی حامل ہے۔

ایسی ہی نابغہ روزگار ہستیوں کی تخلیق وایجاد پر زمانہ بخیل ہوتا ہے۔ ؎

مضت الدهور وما اتين بمثله
ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

یعنی مدت دراز گزر جانے کے باوجود زمانہ اس کی مثل اور نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے' بلاشبہ ایسے شخصیات و مشائخ کا آنکھوں سے اوجھل ہوکر راہی عدم ہو جانا قومی وملی المیہ ہے ؎

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكن بنيان قوم تهدما

یعنی قیس کی ہلاکت فرد واحد کی ہلاکت نہیں ہے بلکہ ایک جماعت کی ہلاکت ہے۔ اس حقیقت سے انکار مشکل ہے کہ اس پرآشوب دور اور پرفتن زمانہ میں جہاں دنیا نے ترقی کی وہاں ہمارے مزاج اور طبیعت میں بھی اچھی خاصی تبدیلی آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جس پسندیدہ فرد اور محبوب شخص کی سوانح عمری اور حالات زندگی پر قلم اٹھاتے ہیں تو آسمان و زمین کے قلابے ملا کر اسے مافوق الفطرت مخلوق قرار دیتے ہیں اور جملہ کارناموں کا منبع اسے ٹھہراتے ہیں اور دوسروں کی کارکردگی اور خدمات ملی کو یا تو چھپا دیتے ہیں یا اپنے ممدوح کے سر کر دیتے ہیں جس سے تاریخ کا مسخ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس وقت ایسے ہی چند رسائل و کتابیں میرے سامنے بکھری ہوئی ہیں۔ جنہیں دیکھ کر حیرانگی بھی ہوتی ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔ اس لئے دل نے چاہا کہ خطیب پاکستانؒ کی صرف ان خدمات و قابل تقلید حالات کا ذکر کروں جنہیں موجودہ بعض قلم کاروں' کج فہم تاریخ دانوں اور متعصب سوانح نگاروں نے خلط ملط کر کے "وضع الشئ فی غیر محله" کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خطیب پاکستانؒ اپنی سیاسی بصیرت' ٹھوس صلاحیت' خداداد قابلیت اور سحر انگیز خطابت میں اپنی مثال آپ تھے۔ جس کا اقرار واعتراف دوست ودشمن سبھی کرتے ہیں' موصوفؒ نے جس لگن' کامل توجہ' للّٰہیت اور

خلوص نیت سے بھٹکی ہوئی قوم کی رہنمائی کی' ارباب اقتدار کو للکارا اور نفاذ شریعت کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں وہ تاریخ کا زرّیں حصہ ہے۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

خطیبؒ کی بے مثال کارکردگی' بےلوث خدمات' خداداد صلاحیت اور ٹھوس علمی قابلیت کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ وقت کے بزرگوں' استادوں' اللہ والوں اور علم وعمل کے شہسواروں بلکہ دوستوں و دشمنوں نے بھی ہر مشکل وقت میں خطیبؒ کو آواز دی اور ان کے ثالثی کردار کے سامنے سرِتسلیم خم کیا' چنانچہ جب حیات النبی ﷺ کے سلسلے میں حیاتی ومماتی علماء میدان مناظرہ میں کمر بستہ ہو کر اترے تو مماتی علماء شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب' سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی اور حیاتی علماء مولانا محمد علی جالندھریؒ اور مناظر اسلام مولانا لعل محمدؒ نے باتفاق رائے خطیب پاکستانؒ اور محدث زمان مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو ثالث تسلیم کیا۔ (ماہنامہ حق چار یار لاہور۔ دسمبر ۲۰۰۰ء صفحہ ۱۵) ایسے بے شمار واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں۔

خطیب پاکستانؒ کے والد ماجد مولانا حکیم ظہور الحق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد رشید اور سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید خاص تھے اور والدہ محترمہ' حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کی چھوٹی (علاتی) بہن ہیں جو شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے بیعت تھیں' خطیب پاکستان کی ولادت با سعادت ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء بمقام قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی بھارت میں ہوئی' دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ۱۹۳۰ء میں ہوا اور وہیں سے فراغت ۱۹۳۷ء میں ہوئی۔ دیوبند کے ان آفتاب ومہتاب سے فیض حاصل کیا ہے۔ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہیؒ' مادرزاد ولی مولانا اصغر حسینؒ' شیخ المعقول والمنقول مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ اور مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ۔

بیعت حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے دست مبارک پر کی اور خلافت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ سے ملی' ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف ہجرت کی' باقاعدگی کے ساتھ فروری ۱۹۴۷ء سے تادم واپسی ریڈیو پاکستان سے درس قرآن دیا جو مقبول ترین درس تھا۔ مولانا موصوفؒ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات ۲۳'۲۴'۲۵ مارچ ۱۹۸۰ء میں شرکت کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے۔ ۱۱/اپریل ۱۹۸۰ء کی صبح بعد نماز فجر جامع مسجد مدراس میں آخری درس قرآن دیا اور درس قرآن کے بعد دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا' یوں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی پھر نعش کراچی لائی گئی اور جامعہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی کے پہلو سپرد خاک کئے گئے۔

مجلس صیانۃ المسلمین' مجلس دعوۃ الحق اور خطیب پاکستانؒ:

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے شخصی اصلاح کے لئے ۱۳۲۵ھ میں حیاۃ المسلمین کے نام سے

ایک کتاب لکھی اور اس کے متصل بعد اجتماعی نظام کی اصلاح کے لئے کتاب صیانۃ المسلمین کا خاکہ تیار کیا جس کی تالیف تقریباً ۱۳۲۶ھ میں ہوئی' البتہ اس کا آئینی ڈھانچہ اگست ۱۹۳۰ء میں منظر عام پر آیا' ان دونوں کے بارے میں خود حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان ان دونوں کو اپنا دستور العمل بنالیں تو میں خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے کہتا ہوں کہ "انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین." کا ظہور ہو جائے گا (تعارف مجلس صیانۃ المسلمین مؤلف مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ صفحہ ۱۳) ماہنامہ الصیانۃ شمارہ اگست ۲۰۰۱ء میں ہے کہ حضرت تھانویؒ نے ۲۰ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ میں حیاۃ المسلمین کی تصنیف فرمائی۔ رسالہ "مجلس صیانۃ المسلمین کا مختصر تعارف۔" صفحہ ۱۹ پر ہے کہ حیاۃ المسلمین میں ۲۵ اصول ہیں جبکہ صیانۃ المسلمین ۳۱ دفعات پر مشتمل ہے جسے ۱۳۴۹ھ کو قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔

خواجہ عزیز الحسنؒ فرماتے ہیں کہ حضرتؒ نے رسالہ "حیاۃ المسلمین" کا ایک مکمل نظام العمل بھی تجویز فرماکر "صیانۃ المسلمین من خیانۃ المسلمین" کے نام سے شائع فرمادیا (اشرف السوانح) چونکہ یہ رسائل پوری شریعت پر حاوی ہیں اس لئے اس سے استفادہ وافادہ عام وتام کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو "مجلس صیانۃ المسلمین" کے نام سے ۱۹۳۰ء میں منظر عام پر آئی' اس مجلس کی ایک شاخ مجلس دعوۃ الحق کے نام سے تشکیل دی گئی' مجلس دعوۃ الحق کے دیگر مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مشاہیر مبلغین جگہ جگہ اور گاؤں گاؤں جا کر دین کی باتیں کریں' نفاذ اسلام کی خاطر ذہن سازی کریں اور زعماء مسلم لیگ کے اندر دین کی تڑپ اور روح پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ عنقریب وقوع پذیر ہونے والے پاکستان میں تنفیذ اسلام کا مسئلہ آسان ہو۔ چونکہ ان دنوں (۱۳۵۶ھ/۱۹۳۸ء) حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے حق میں اپنا فتویٰ اور فیصلہ صادر فرمادیا تھا' اس لئے مجلس دعوۃ الحق کی ضرورت اور فعالیت میں مزید اضافہ ناگزیر تھا۔

مجلس دعوت الحق کے اغراض و مقاصد' ابتدائی ہدایات' مستقل لائحہ عمل اور نظام عمل پر مشتمل ایک جاندار مقالہ حضرت تھانویؒ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۷ء میں رقم فرماکر منظر عام پر لائے' پروگرام کے مطابق مجلس دعوت الحق کا پہلا باقاعدہ مرکز حضرت تھانویؒ کے ایک اجل خلیفہ مولانا شاہ حافظ محمد اللہ (مشہور حافظ جی حضورؒ) کے زیر سرپرستی لال باغ شاہی مسجد ڈھاکہ بنگلہ دیش میں قائم ہوا جس کی پوری تفصیل رسالہ مجلس دعوت الحق میں موجود ہے۔

اسی مجلس کے تحت خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ (دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد) نئی دہلی کی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے جہاں مرکز کے سرکاری ملازمین کے علاوہ مرکزی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبران بھی حاضر ہوتے تھے جیسے خواجہ ناظم الدین' مولانا ظفر علی خان' مولوی تمیز الدین خان' لیاقت علی خان' سردار عبدالرب نشتر آئی آئی چندریگر' سردار عبدالحلیم غزنوی اور سرعثمان وغیرہ۔ خطیب پاکستان کا خطاب نماز جمعہ سے پہلے ہوتا تھا جس میں زعماء مسلم لیگ بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔ اس مجلس کے پروگرام کے تحت جن مشاہیر علمائے نے نمایاں کردار ادا کیا ان میں خطیب پاکستانؒ کے علاوہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ' مولانا مرتضیٰ حسن

چاند پوریؒ' مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ' مولانا شبیر علی تھانویؒ' مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ' مولانا عبدالمجید بچرایونیؒ' مولانا اطہر علیؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خطیب پاکستانؒ نے مجلس صیانۃ المسلمین اور مجلس دعوۃ الحق کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کی خاطر مختلف ممالک کے دورے کئے اور تادم آخر اس میں لگے رہے' البتہ یہ نظام غالباً ۱۳۴۹ھ سے مارچ ۱۹۴۷ء تک دہلی میں خان بہادر حاجی محمد یوسفؒ کے زیر سرپرستی چلا اور مارچ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۱ء تک مولانا حافظ جلیل احمد شیروانیؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) اس کے سرپرست رہے۔ ۱۹۵۱ء میں حضرت شیروانیؒ کی پاکستان ہجرت کے بعد یہ نظام پاکستان منتقل ہوا اور جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں مجلس کا خصوصی اجلاس ہوا۔ جس میں مولانا مفتی محمد حسنؒ کو سرپرست مقرر کیا گیا' مفتی صاحب کی علالت کے زمانہ میں اس کے صدر مولانا سید نجم الحسن تھانویؒ منتخب ہوئے' حضرتؒ نے ۱۹۵۵ء سے اکتوبر ۱۹۹۰ء تک صدارتی فرائض سرانجام دیئے۔ (الصیانۃ لاہور اکتوبر ۱۹۹۱ء صفحہ ۲۳)

ان کی وفات کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم مولانا عبیداللہ صدر اور جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد نائب صدر مقرر ہوئے۔ مجلس صیانۃ المسلمین کے جملہ اراکین وعہدیداران کے نام گرامی رسالہ ''مجلس صیانۃ المسلمین کا مختصر تعارف'' میں ہیں۔

تاہم خطیب پاکستانؒ نے مجلس دعوۃ الحق کے صدر اور مجلس صیانۃ المسلمین کے رکن کی حیثیت سے جو کردار ادا کیا وہ ناقابل فراموش کارنامہ اور زندگی کا قیمتی سرمایا ہے۔

تحریک پاکستان کے سلسلے میں خطیب پاکستان کا نمایاں کردار

خطیب پاکستانؒ نے قیام پاکستان کے سلسلے میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں' دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے اشارے پر نئی دہلی کی جامع مسجد میں مجلس دعوۃ الحق کے پروگرام کے تحت خطیب مقرر ہوئے (جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی) تاکہ دعوۃ الحق کے اغراض و مقاصد کی تکمیل ہونے کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت میں فضاء ہموار ہو سکے اور پاکستان کے حق میں عوام و حکام کی ذہن سازی بھی ہو جائے۔ چنانچہ موصوف اپنے اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب رہے۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو مسلم لیگ کو کون جانتا اور اسے کامیابی کیسے ملتی۔

چونکہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' قائداعظمؒ کی حمایت اور مطالبہ پاکستان کے حق میں پیش پیش تھے۔ اس لئے ان کے شاگرد رشید خطیب پاکستانؒ بھی شب وروز اپنے استاد کے ساتھ اسی کام میں لگے ہوئے تھے' یہی وجہ تھی کہ ۱۱ر جون ۱۹۴۷ء کے لگ

بھگ جب ریفرنڈم کا مسئلہ سامنے آیا تو قائد اعظم نے آبدیدہ ہو کر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے کہا کہ سرحد اور سلہٹ کی ذمہ داری آپ سنبھالیں میں ان شاء اللہ ضرور اسلام نافذ کروں گا اور میرے حوالے سے اس کا اعلان بھی کر دیا جائے جس کی تفصیل ماہنامہ حق نوائے احتشام شمارہ ماہ اپریل ۲۰۰۲ء کے اداریہ میں آ چکی ہے۔ اس وعدہ پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ اور خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے سرحد کا طوفانی دورہ کیا اور راہ ہموار کی، اسی طرح علامہ کے حکم پر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا اطہر علیؒ اور مولانا شمس الحق فرید پوریؒ نے سلہٹ کا دورہ کر کے وہاں کی فضاء مطالبہ پاکستان کے حق میں ہموار کی۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو کبھی پاکستان اس ریفرنڈم میں کامیاب نہ ہوتا۔

چونکہ تحریک پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ و دیگر علماء ربانیین کی بے مثال قربانیاں شامل ہیں۔ اس لئے قائد اعظمؒ نے جشن آزادی پاکستان (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء / ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بروز جمعہ) کے موقع پر پرچم کشائی کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور خطیب پاکستانؒ و دیگر علماء کو منتخب کیا، مغربی پاکستان کا جھنڈا علامہ نے لہرایا جبکہ مشرقی پاکستان کا علم مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بلند فرمایا اور قائد اعظم نے مذکورہ علماء کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا (علامہ کی طرف اشارہ ہے) یہ مبارک باد آپ کو ہے کہ آپ کی کوششوں سے ہی یہ کامیابی ہوئی (تعمیر پاکستان اور علماء ربانیین) اس لئے تحریک پاکستان کی تاریخ خطیب پاکستانؒ کے تذکرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہے۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اگر حکیم الامتؒ مسلم لیگ کی حمایت اور مطالبہ پاکستان کے حق میں اپنا فتویٰ و فیصلہ بنام ''تنظیم المسلمین'' ۹ ذوالحجہ ۱۳۵۶ھ / ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء کو صادر نہ فرماتے تو مسلم لیگ کو کون جانتا اور پاکستان کا وجود کیسے ہوتا، اگر حضرت تھانویؒ کے مریدین و متوسلین علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستانؒ خطیب پاکستانؒ مولانا شبیر علی تھانویؒ، قاری محمد طیبؒ مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ مولانا عبدالجبار ابوہریؒ مولانا شمس الحق فرید پوریؒ مولانا اطہری علیؒ مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ مولانا معظم حسینؒ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ وغیرہ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیتے تو کون کہہ سکتا ہے کہ پاکستان معرض وجود میں آ جاتا۔ اگر مفتی اعظم پاکستان کے رسائل کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ اور ''افادیت اشرفیہ در مسائل سیاسیہ۔'' ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء کو منظر عام پر نہ آتے تو مسلم لیگ میں کون شامل ہوتا؟ اگر خطیب پاکستانؒ کی سحر انگیز خطابت کا جادو سر چڑھ کر نہ بولتا تو مسلمان قائد اعظمؒ کی حمایت کب کرتے؟ قیام پاکستان اور تقسیم ہند کا جو نقشہ تجویز کیا گیا تھا اس پر غور کرنے کے لئے ۹ رجون ۱۹۴۷ء کو قائد اعظمؒ نے مرکزی اسمبلی کے تمام مسلم ارکان کا اجلاس دہلی میں طلب کیا تھا۔ اس میں علامہ شبیر احمد عثمانی مفتی اعظم پاکستانؒ اور خطیب پاکستانؒ بھی شریک ہوئے تھے۔ اجلاس میں متفقہ طور پر قیام پاکستان کا مجوزہ نقشہ منظور کر لیا گیا تھا۔

جمعیت علماء اور نظام اسلام پارٹی کو بام عروج تک کس نے پہنچایا؟

جمعیت العلماء کا نام سامنے آتے ہی ذہن میں کئی سوالات گردش کرتے ہیں کہ آج کل تو کئی جمعیتیں کام کر رہی ہیں، ہر جمعیت علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ اصل جمعیت علماء یہی ہے جس کا سلسلہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قائم کردہ جمعیت علماء سے ملتا ہے، اندرونی کہانی کیا ہے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کے بعد ہر سو مایوسی چھا گئی تھی، علماء منتشر ہو گئے تھے اور مقصد اصلی (استخلاص وطن) سے توجہ ہٹ گئی تھی۔ اس لئے خلافت کانفرنس (جس کی تفصیل الگ عنوان کے تحت ہے) منعقدہ ۲۲ر نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیت علماء ہند کا اعلان کر دیا گیا جس کے اعزازی صدر شیخ الہندؒ (جو کہ وہ ان دنوں مالٹا جیل میں اسیر تھے) مقرر کئے گئے، مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ نائب صدر اور سحبان الہند مولانا سعید احمد دہلوی ناظم منتخب ہوئے اور بقیہ اراکین یہ تھے۔ سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا قیام الدین، عبدالباری لکھنویؒ، مولانا معین الدین اجمیریؒ، مولانا سید داؤد غزنویؒ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ، مولانا حسرت موہانیؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، مفتی محمد شفیعؒ، اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ وغیرہ۔ ان میں بعض مستقل اراکین اور بعض معاونین تھے۔

۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو شیخ الہندؒ کے انتقال پر ملال کے بعد مفتی کفایت اللہ صاحبؒ جمعیت کے مستقل صدر منتخب ہوئے اور جون ۱۹۳۹ء تک صدارت کے عہدے پر فائز رہے اور ناظم سحبان الہندؒ رہے، دس جون ۱۹۳۹ء کو مولانا سید حسین احمد مدنیؒ صدر مقرر ہوئے اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ناظم بنے وفات (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) تک مولانا مدنیؒ صدر رہے اور سیوہارویؒ ناظم رہے اور حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد مولانا اسعد مدنی مدظلہم العالی جمعیت علماء ہند کے امیر مقرر ہوئے جو اب تک ہیں، اس جمعیت نے جو قومی و ملی خدمات سرانجام دیں وہ مستقل کتاب کی متقاضی ہیں۔ (تحریک آزادی ہند میں مسلم علماء و عوام کا کردار)

یہ جمعیت کانگریس کے ساتھ مل کر استخلاص وطن کے سلسلے میں کوشش کر رہی تھی، مسلم لیگ کی مخالفت کر رہی تھی اور

مطالبہ پاکستان کو غلط سمجھ رہی تھی اور پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے انتخابات قریب آ رہے تھے۔ اس لئے مسلم لیگ کے حامی علماء نے ضرورت محسوس کی کہ مطالبہ پاکستان و دیگر مقاصد کی تکمیل کے لئے علماء کی ایک الگ جماعت ہونی چاہئے تا کہ قیام پاکستان کی راہ ہموار کرنے میں آسانی ہو چنانچہ اس نظریہ ضرورت کے تحت مسلم لیگ کے حامی علماء نے اکتوبر (یا نومبر) ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کے نام سے ایک نئی جماعت کا اعلان کر دیا۔ یہ جلسہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا اور لگ بھگ پانچ سو علماء کرام نے شرکت کی۔

جمعیت علماء اسلام کے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مقرر کیا گیا اور بقیہ اراکین یہ تھے۔ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیعؒ، خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا اطہر علیؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ اور دیگر مشاہیر علماء۔ ۱۹۴۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی وفات کے بعد یہ جمعیت عملاً تین حصوں میں بٹ گئی (۱) جمعیت مفتی اعظم پاکستانؒ (۲) جمعیت خطیب پاکستانؒ (۳) جمعیت مولانا اطہر علیؒ۔ چونکہ جمعیت کی تقسیم سے علماء کی طاقت بھی منتشر ہو گئی تھی، اس لئے مولانا احمد علی لاہوریؒ، خطیب پاکستانؒ اور مفتی اعظمؒ نے تینوں حصوں کو یکجا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ (ماہنامہ الحسن لاہور اگست ۱۹۹۹ء، ماہنامہ شاہی مراد آبادی ۱۹۹۸ء کے شمارے)

۱۶ر دسمبر ۱۹۵۴ء کو مذکورہ تینوں علماء نے ایک میٹنگ کی اور متفقہ صدر کے لئے مفتی محمد حسنؒ کا اسم گرامی پیش کیا، جسے دیگر حضرات نے بھی قبول کر لیا لیکن اب تک باقاعدہ تشکیل عمل میں نہیں آئی تھی۔ ۱۸ر فروری ۱۹۵۵ء کو کراچی میں ایک اور اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی، مولانا اطہر علیؒ، مولانا صلاح الدینؒ، مولانا اشرف الدینؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد متین خطیبؒ، مولانا پیر غلام مجددؒ، مولانا دلدار علی، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ۔ حاضرین اجلاس نے باتفاق رائے مولانا مفتی محمد حسنؒ کو صدر منتخب کیا، چند دنوں کے بعد مفتی محمد حسنؒ کی رہائش گاہ پر دوبارہ اجلاس ہوا۔ جس میں مذکورہ علماء کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے بھی شرکت کی، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی اعظم پاکستانؒ، خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا شیر محمد سندھیؒ اس اجلاس میں کل پاکستان جمعیت علماء کا انتخاب ہوا اور مندرجہ ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔ صدر مفتی محمد حسنؒ، نائب صدر اول مفتی اعظم پاکستانؒ، نائب صدر دوم مولانا احمد علی لاہوریؒ، ناظم مولانا محمد متین خطیبؒ اور خطیب پاکستانؒ سمیت دیگر مشاہیر علماء اراکین مقرر ہوئے۔

مفتی محمد حسنؒ بوجہ علالت ونقاہت زیادہ عرصہ صدارت کے فرائض انجام نہ دے سکے۔ اس لئے مفتی اعظم پاکستانؒ مستقل صدر منتخب ہو گئے اور ۱۹۶۹ء تک بحیثیت صدر کام کرتے رہے۔ البتہ اس دوران اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ملتان میں ایک کنونشن منعقد کیا گیا جس میں بعض حضرات نے مفتی محمد حسن امرتسریؒ کی جگہ مولانا احمد علی لاہوریؒ کی صدر مقرر کیا، مولانا

غلام غوث ہزاروی کو ناظم اعلیٰ اور مفتی محمود کو نائب صدر کے عہدے پر فائز کیا' اس اجلاس میں قابل ذکر کسی بڑی شخصیت نے شرکت نہیں کی' گویا اب واضح طور پر جمعیت علماء اسلام کے نام سے ایک اور جماعت منظر عام پر آ گئی جبکہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قائم کردہ جماعت مفتی اعظم پاکستان' خطیب پاکستانؒ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ و دیگر مشاہیر علماء کی سرکردگی میں چل رہی تھی۔

اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ملتان میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کی قیادت میں جو جماعت بنی اس کا نام بھی جمعیت علماء اسلام ہے لیکن یہ وہ جمعیت نہیں ہے جس کا پودا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ وغیرہ نے لگایا تھا' آج کل مولانا فضل الرحمٰن صاحب جس جمعیت کی قیادت کر رہے ہیں وہ یہی (اکتوبر ۱۹۵۶ء والی) جمعیت ہے۔ بہر حال جب یہ صورت حال دیگر مشاہیر علماء نے دیکھی تو انہوں نے کراچی میں ۲۲ راگست ۱۹۶۹ء کو کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام کی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور جمعیت کی از سر نو تشکیل کی' اس تشکیل نو کے اعتبار سے مندرجہ ذیل عہدیداران سامنے آئے' امیر اعلیٰ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' سرپرست اعلیٰ مفتی محمد شفیعؒ' نائب امیر اول مولانا اطہر علیؒ' نائب امیر دوم مولانا محمد متین خطیبؒ ناظم اعلیٰ مولانا صدیق احمد اور قائد جمعیت خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مشرقی و مغربی پاکستان کے جید علماء پر مشتمل شوریٰ کی تشکیل عمل میں آئی۔ شوریٰ کے افراد میں سے چند یہ ہیں' مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا محمد احمد تھانویؒ' مولانا سید عنایت اللہ بخاری' مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہم العالی مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور' مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم فیصل آبادی' مولانا سید مفتی عبدالشکور ترمذیؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ وغیرہ۔

ایک اور جماعت بعنوان جمعیت علماء پاکستان مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کی قیادت میں چل رہی ہے۔ جس کا قیام پاکستان میں ۱۹۷۰ء کو عمل میں آیا' اس جمعیت کے حاملین کا تعلق بریلوی مسلک سے ہے' اب تو جمعیت علماء اسلام کے نام سے اور جماعتیں بھی وجود میں آ گئیں۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اصل جمعیت یہی ہے لیکن حقیقت حال اس دعوے سے مختلف ہے۔ یہ تو تھی جمعیت علماء اسلام کی کہانی لیکن اس پوری مدت میں جمعیت کے اصل کردار اور روح رواں خطیب پاکستان ہی رہے' انہوں نے ہی اتفاق و اتحاد کی ہر ممکن کوشش کی اور نفاذ اسلام کی خاطر ہر مشکل چوٹی کو سر کیا جس کی تفصیل الگ الگ عنوانات کے تحت آ رہی ہے۔

قائد جمعیت خطیب پاکستان اور دیگر اراکین نے احساس کیا کہ انتخابات میں حصہ لے کر قومی اسمبلی تک پہنچنا چاہئے تا کہ نفاذ اسلام میں آسانی ہو لیکن بعض بزرگ علماء انتخاب لڑنے کے مخالف تھے' اس لیے قائد جمعیتؒ نے ۱۹۶۹ء کے آخر میں نظام اسلام پارٹی کے نام سے ایک انتخابی بورڈ تشکیل دیا تا کہ یہ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بھرپور حصہ لے سکے اس کے قائد بھی خطیب پاکستانؒ ہی مقرر ہوئے۔ قائد جمعیت پاکستانؒ نے ۶ را کتوبر ۱۹۷۰ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں

جمعیت و نظام اسلام پارٹی کی مجلس شوریٰ کی اجلاس بلایا اور اس میں عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا' حسب معمول خطیب پاکستان ہی قائد رہے۔

۲۶ رمئی ۱۹۷۳ء کو کراچی میں جمعیت و نظام اسلام پارٹی کا اجلاس خطیب پاکستان کی صدارت میں ہوا' اجلاس میں حسب معمول مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جمعیت کے امیر اعلیٰ اور خطیب پاکستان قائد مقرر ہوئے۔ البتہ نظام اسلام پارٹی کی صدارت خطیب پاکستان کے پاس ہی رہی۔ نظام اسلام پارٹی کے نائب صدر مولانا مسرت میاں شاہ کا کا خیل' ناظم مولانا صدیق احمد' سیکریٹری اطلاعات مولانا زبیر افضل عثمانی' جوائنٹ سیکریٹری علامہ ابو الخیر اسدی اور قائم مقام سیکریٹری مولانا اشرف علی منتخب ہوئے۔ غرض ہر انتخاب میں صدارت کی بھاری ذمہ داری خطیب پاکستانؒ کے کاندھوں پر ڈالی گئی اور انہوں نے اس ذمہ داری کا حق ادا کیا اور ہر محاذ پر کام کیا' البتہ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو علامہ لاہوریؒ کی قیادت میں قائم ہونے والی جمعیت علماء اسلام مختلف مراحل سے گذر کر اب دو گروہوں میں منقسم ہو گئی ہے' جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن گروپ اور جمعیت علماء اسلام مولانا سمیع الحق گروپ' اس سے قبل مولانا حامد میاں' مولانا اجمل خان' مفتی محمودؒ اور مولانا عبداللہ درخواستیؒ وغیرہ اس جمعیت کی صدارت پر فائز رہے۔ جمعیت العلماء مولانا فضل الرحمٰن گروپ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الجمعیۃ شمارہ اپریل ۲۰۰۱ء۔

دستور ساز کمیٹی کے قیام اور دستور کی ترتیب کے سلسلے میں خطیب پاکستانؒ کی انتھک کوششیں

جب حکومت برطانیہ کو احساس ہو گیا کہ تقسیم عمل میں آئے گی اور پاکستان بن کر رہے گا تو ۱۹۴۶ء میں مخلوط عارضی حکومت کی تشکیل عمل میں لائی گئی تاکہ وہ تقسیم ملک کے انتظام کی نگرانی کرے اور اس عبوری مدت میں ملک کے نظم و نسق چلائے اور عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے علاوہ لیاقت علی خان' سردار عبدالرب نشتر' راجہ غضنفر اور مسٹر منڈل (جیسے اچھوتوں کے نمائندے کی حیثیت سے شامل کیا گیا تھا) شامل تھے۔

اس کے بعد ۱۰ راگست ۱۹۴۷ء کو متحدہ ہند کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی ہدایت پر ایک اجلاس منعقد کیا گیا تاکہ دستور ساز اسمبلی کے افراد منتخب کئے جاسکیں جو قیام پاکستان کے بعد پاکستان کا آئین اور دستور مرتب کریں گے' اس دستور ساز اسمبلی کے افراد میں ان حضرات کو نہیں لیا گیا جو مسلم اقلیت کے علاقوں سے الیکشن (۱۹۴۶ء) میں کامیاب ہوئے تھے۔ جیسے لیاقت علی خان (جو ضلع مظفر نگر سے کامیاب ہوئے تھے) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (جو سہارنپور سے کامیاب ہوئے

تھے) اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی جو دہلی سے کامیاب ہوئے تھے یوں یہ باکمال حضرات دستور ساز اسمبلی کے رکن بننے سے رہ گئے۔

صرف قائد اعظمؒ خواجہ ناظم الدینؒ سردار عبدالرب نشترؒ (غالب راجہ غضنفر بھی) اور مسٹر منڈل دستور ساز اسمبلی کے ارکین منتخب ہوئے چونکہ دستور ساز اسمبلی کا چیئر مین ایک ہندو مسٹر منڈل کو بنایا گیا تھا۔ اس لئے اس اجلاس کا آغاز بھی تلاوت کلام پاک سے نہ ہو سکا۔ اس اجلاس میں یہ بھی فیصلہ ہوا کہ پاکستان کے مستقل آئین اور دستور بننے تک امور مملکت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت چلائے جائیں گے۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد اسی کے مطابق امور مملکت چلائے گئے۔ (جس کے اثرات اب تک ہیں)

قیام پاکستان کے بعد دستور ساز اسمبلی کے افراد کے علاوہ سابقہ عبوری حکومت میں شامل ممبران کی رکنیت ختم ہوگئی تھی۔ اس لئے اسمبلی میں خلاء پیدا ہو گیا تھا اور دستور ساز اسمبلی کے افراد میں اضافہ بھی ضروری تھا۔ اس لئے صوبائی اسمبلیوں کو حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں سے دستور ساز اسمبلی کے لئے افراد نامزد کر کے مرکز میں بھیج دیں' اس حق کے تحت مشرق پاکستان کی اسمبلی نے بنگال کے کوٹے سے لیاقت علی خان' علامہ عثمانیؒ اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو منتخب کر کے مرکز میں بھیج دیا جو دستور ساز اسمبلی کے رکن بن گئے۔

قیام پاکستان کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور خطیب پاکستانؒ وغیرہ اس کوشش میں مصروف ہو گئے کہ دستور پاکستان کی ترتیب کے لئے ماہرین فن کی ایک کمیٹی تشکیل ہونی چاہئے جو کتاب وسنت کے مطابق پاکستان کا دستور مرتب کر کے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کرے گی۔ چنانچہ دستور ساز اسمبلی نے یہ اختیار علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو دیا' علامہؒ نے اپنی مرضی اور منشاء کے مطابق قرآن وسنت کے مطابق دستور مرتب کرنے کے لئے خطیب پاکستانؒ کے مشورے سے ایک کمیٹی تشکیل دی جو مندرجہ ذیل مشاہیر علماء پر مشتمل ہے' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ' مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیعؒ' ڈاکٹر حمید اللہ پیرس اور عبدالحمید حیدر آبادی۔ بعد میں یہ کمیٹی سب کمیٹی یا دستور ساز کمیٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔

لیکن اتفاق سے اس وقت علامہ عثمانیؒ کے علاوہ بقیہ افراد پاکستان میں نہ تھے' اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لئے بقیہ افراد کو بھی پاکستان لایا جائے' یہ خدمت علامہ نے خطیب پاکستانؒ کے سپرد کی' علامہ کی ہدایت کے مطابق خطیب پاکستانؒ انڈیا تشریف لے گئے اور بقیہ افراد کو بھی دعوت دے کر پاکستان لے آئے البتہ سید سلیمان ندویؒ بروقت نہ آسکے بعد میں تشریف لائے۔ اس طرح سب حضرات کو جمع کرنا خطیب پاکستانؒ کا سنہرا کارنامہ تھا۔

مذکورہ حضرات نے تین ماہ کی قلیل مدت میں دستوری خاکہ مرتب کرلیا جو ہر اعتبار سے جامع اور قابل عمل ہے۔

ڈھاکہ کانفرنس کی کامیابی اور قرارداد مقاصد کی منظوری

ابھی یہ دستور تکمیل کے مراحل طے کر کے دستور ساز اسمبلی میں پیش ہونے والا ہی تھا کہ گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا۔ جس کی وجہ سے دستور کا کام تعطل کا شکار ہوگیا اور سیکولر ذہن کے حامل افراد آڑے آ گئے' جب علامہ عثمانیؒ اور خطیب پاکستانؒ نے یہ صورتحال دیکھی تو انہیں احساس ہوگیا کہ یہ لوگ آسانی سے اسلامی دستور پاس ہونے نہیں دیں گے۔ اس لئے علامہ اور خطیب پاکستانؒ نے ۹۔۱۰ فروری ۱۹۴۹ء کو ڈھاکہ میں جمعیت علماء اسلام کی ایک کانفرنس بلائی تاکہ ارباب اقتدار کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جاسکے۔

ڈھاکہ کانفرنس میں علماء اور عوام وخواص کثیر تعداد میں شریک ہوئے' علامہ نے زوردار انداز میں خطبہ صدارت پڑھا اور خطیب پاکستانؒ نے اپنی سحر انگیز خطابت سے سامعین وحاضرین کو گرمایا' جب ارباب اقتدار کو کامیاب کانفرنس کا احساس ہوا تو وزیراعظم لیاقت علی خان نے علامہ عثمانیؒ سے سابقہ تیارشدہ دستور مسودہ کو آخری شکل دینے کی درخواست کی چنانچہ علامہؒ نے اپنے سابق رفقاء کار اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ومولانا ظفر احمد عثمانیؒ وغیرہ کے تعاون سے سابقہ دستور کو آخری شکل دے دی جسے دستور ساز اسمبلی نے ۱۲؍ مارچ ۱۹۴۹ء کو معمولی ترجیحات کے ساتھ پاس کرلیا۔ اب یہ دستور قرارداد مقاصد پاکستان کے نام سے مشہور ہے۔

قرارداد مقاصد کی منظوری کے تاریخی موقع پر لیاقت علی خان نے دستورساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ جناب والا میں ملی تاریخ میں حصول آزادی کے بعد اس موقعہ کو سب سے اہم خیال کرتا ہوں' حصول پاکستان کی بنیاد اور مقصد اسلامی تعلیمات و روایات کا نفاذ تھا۔ اس قرار داد مقاصد کی ایک جھلک ماہنامہ ''الجمعیۃ'' شمارہ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ/اپریل ۲۰۰۱ء صفحہ ۳۱ پر درج ہے' یہ قرار داد مقاصد اب آئین پاکستان کا حصہ بن گیا ہے' اگر اس کی روح اور منشاء کے مطابق دستور (بقیہ حصہ) مرتب کیا جائے تو اس میں ریاست کے قانون کا ماخذ کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور چیز کو قرار نہیں دیا جاسکتا اور سیکولرازم' سوشلزم اور جتنے لادین ازم ہیں سب کا راستہ خودبخود بند ہو جائے گا۔ بلاشبہ اس قرار

داد مقاصد کی ترتیب اور منظوری علامہ عثمانیؒ، خطیب پاکستانؒ اور دیگر علماء ربانیین کا ایک عظیم کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

مگر یہ قوم وملت کی بدقسمتی تھی کہ قرارداد مقاصد کے اگلے مراحل مکمل ہونے اور دیگر بنیادی اصول طے ہونے سے قبل علامہ عثمانیؒ ۱۳ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے یوں یہ کام تشنہ طلب رہ گیا۔ جسے بعد میں خطیب پاکستانؒ نے ۲۲ نکات کی شکل میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

قرارداد مقاصد کو غیر مؤثر کرنے کی کوشش اور تعلیمات اسلامی بورڈ ولاء کمیشن کا قیام

قرارداد مقاصد کی منظوری کی وجہ سے بعض لادین اور سیکولر ذہن کے حامل افراد کو بڑی تکلیف ہوئی اور انہوں نے رات دن ایک کر کے اسے ناکام بنانے یا غیر مؤثر بنانے کی کوششیں شروع کر دیں، ایک مرتبہ ملک غلام محمد نے علامہ عثمانیؒ سے کہا کہ مولانا آپ کو اپنی روش بدلنا پڑے گی ورنہ نوجوان بھڑک اٹھیں گے اور کہیں پاکستان کا بھی اسپین والا معاملہ نہ ہو، عثمانیؒ نے فرمایا کہ ملک صاحب مجھے اسپین سے نہ ڈرایئے بلکہ افغانستان کے حالات سے عبرت حاصل کیجئے۔ جہاں کے بادشاہ امان اللہ خان نے خلاف اسلام سرگرمیاں شروع کیں تو اسے ملک چھوڑنا پڑا۔ ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا تھا ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

انہی لادین افراد کی کارستانیوں سے یہ قرارداد دستور کا دیباچہ بن کر رہ گئی، یہاں تک ڈاکٹر نسیم حسن شاہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے اس نقطہ نظر کو بھی مسترد کر دیا کہ اس قرارداد کو دستور سازی میں کوئی مؤثر حیثیت حاصل ہے، اس بارے میں عدلیہ اور پارلیمان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ دستوری دفعات کے تصادم و تضاد کی صورت میں جسے چاہیں ترجیح دیں۔

قرارداد مقاصد کے بعد پاکستان کا دستور کتاب وسنت کے مطابق بنانا لازمی ہو گیا، اس عظیم کام کے لئے ماہرینؔ کی ضرورت تھی، علامہ عثمانیؒ نے ۱۹۴۹ء میں جس بورڈ کی تجویز پیش کی تھی حکومت نے اس کی منظوری دے دی تھی، اس بورڈ کی صدارت کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ کا نام پیش ہوا لیکن موصوف اس وقت بھوپال میں قاضی القضاۃ (چیف

جسٹس) تھے' انہیں وہاں سے لانے کی ذمہ داری خطیب پاکستانؒ پر ڈالی گئی' خطیب پاکستانؒ نے اپنی ماہرانہ صلاحیت کو بروئے کار لاکر سید صاحبؒ کو پاکستان آنے پر آمادہ کرلیا۔ یوں سید صاحبؒ جون ۱۹۵۰ء کو پاکستان پہنچے۔ اس بورڈ کے دیگر اراکین یہ تھے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مفتی اعظم پاکستانؒ' خطیب پاکستانؒ۔ بعد میں اس بورڈ نے تعلیمات اسلامی بورڈ کے نام سے شہرت پائی۔

اسی کے ساتھ لیاقت علی خان نے مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے (یا تعلیمات اسلامی بورڈ کے سفارشات و رپورٹ کو پرکھنے کے لئے) ۱۹۵۰ء ہی میں ایک لاء کمیشن مقرر کیا جس میں جسٹس رشید' جسٹس میمن اور سید سلیمان ندویؒ وغیرہ شامل تھے اور سید سلیمان ندویؒ کے مشورے پر مفتی اعظم پاکستانؒ بھی ۱۳۷۰ھ کو اس کے رکن بنے تھے۔ تعلیمات اسلامی بورڈ کی ذمہ داری میں یہ بات تھی کہ ملک میں کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی جاری نہ ہونے پائے گا اور ہر آئین سازی اور قانونی مسئلہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں پرکھ کر پاس کیا جائے گا۔ شبانہ روز محنت کے بعد تعلیمات اسلامی بورڈ نے سفارشات مرتب کیں جو حکومت کے لئے ناقابل قبول تھیں۔ اس لئے انہیں منظر عام پر لانے کے بجائے چھپا دیا گیا تھا بلکہ غضب یہ ہوا کہ اغیار کا مرتب شدہ ایک دستور لیاقت علی خان نے ۱۹۵۰ء کو پیش کیا جسے غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے علماء نے مسترد کر دیا۔ (تذکرۂ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ صفحہ ۲۰۶)

۲۲ نکاتی دستور' ڈھاکہ کانفرنس اور خواجہ ناظم الدین سے علماء کے مذاکرات

اس کے بعد خطیب پاکستان و دیگر علماء لیاقت خان سے ملے اور اسلامی دستور (سفارشات تعلیمات اسلامی بورڈ) کی منظوری کی درخواست کی۔ اس پر لیاقت علی خان نے خطیب پاکستانؒ سے کہا کہ آپ لوگوں نے میرا دستور مسترد کر دیا اب آپ خود بتائیں کہ کون سا دستور بنایا جائے' بریلوی دستور یا دیوبندی دستور یا پھر شیعہ دستور۔ مطلب یہ تھا کہ تعلیمات اسلامی بورڈ کی سفارشات اس لئے ناقابل قبول ہیں کہ وہ دیوبندی دستور ہیں۔

اس چیلنج کو خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے قبول کیا اور شب و روز محنت کر کے کراچی میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ اجتماع ۲۱' ۲۲' ۲۳ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں منعقد ہوا اور مشرقی و مغربی پاکستان کے مندرجہ ذیل ۳۱ جید علماء نے شرکت کی' علامہ سید سلیمان ندویؒ' مفتی اعظم پاکستانؒ' خطیب پاکستانؒ' مفتی محمد حسنؒ' مولانا احمد لاہوریؒ' مولانا اطہر علیؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا خیر محمد

جالندھریؒ' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' مولانا شمس الحق فرید پوریؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ' مولانا بدر عالم میرٹھیؒ' مولانا شمس الحق افغانیؒ' مولانا قاضی عبدالصمد سر بازیؒ' مولانا ابوجعفر صالحؒ' مولانا حبیب اللہ ٹھٹڑی' مولانا محمد صادق کراچی' مولانا راغب احسن مشرقی پاکستان' مولانا حبیب الرحمٰن مشرقی پاکستان' مولانا محمد علی جالندھری' مولانا عبدالحامد بدایونی' مولانا مفتی داد صاحب کراچی' پیر محمد ہاشم مجددی سندوہ' مولانا محمد داؤد غزنوی' مولانا محمد اسماعیل سلفی لاہور' مفتی جعفر حسین مجتہد' مفتی کفایت حسین مجتہد' پیر محمد امین الحسنات مانکی شریف' حاجی خادم الاسلام محمد امین سرحد' مولانا ظر احمد انصاری کراچی اور پروفیسر عبدالخالق کراچی (بعد کے اجلاس میں مزید دو حضرات کا اضافہ ہوا۔)

مختلف الخیال ان مشاہیر علماء کو ایک پلیٹ فارم میں جمع کرنا یقیناً خطیب پاکستان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ جنہوں نے شب و روز بحث و مباحثہ کے بعد ۲۲ نکات پر مشتمل دستور مرتب کر کے حکومت کے سامنے پیش کر دیا لیکن اس دفعہ بھی حکومت نے لیت ولعل سے کام لیتے ہوئے اسے سرد خانے کے حوالے کر دیا' تاہم خطیب پاکستانؒ و دیگر علماء کی محنت سے اس میں پیش رفت ہو رہی تھی لیکن اس دوران ۱۶/اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ جس کی وجہ سے مذکورہ دستور مزید تعطل کا شکار ہو گیا۔ یاد رہے کہ ان ۳۱ علماء کے طے کردہ ۲۲ نکات کی ایک جھلک البلاغ کراچی شمارہ اپریل ۱۹۷۱ء/صفر ۱۳۰۱ھ میں ہے۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین وزارت عظمٰی پر فائز ہوئے اور انہیں مزید پس و پیش کرنے کا موقع مل گیا' اس نازک حالت کا ادراک کرتے ہوئے خطیب پاکستانؒ نے علامہ عثمانیؒ کے مشورے سے ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جہاں پچاس ہزار علماء اور ایک لاکھ سے زائد عام مسلمانوں نے شرکت کی' یہ کانفرنس ۱۴' ۱۵' ۱۶ نومبر کو ۱۹۵۲ء کو منعقد کی گئی تھی۔ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے خطیب پاکستانؒ نے حاضرین کے دلوں کو گرمایا اور حکومت کو آخری مہلت دی اور فرمایا کہ کوئی ایسا دستور قبول نہیں کیا جائے گا جو اسلام کے نام پر بنایا گیا ہو مگر اس کی روح سے خالی ہو۔

اس کانفرنس کی کامیابی سے ایوان اقتدار میں زلزلہ آ گیا۔ ابھی کانفرنس کا تیسرا دن تھا کہ وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے اکابر علماء کے نام دعوت نامے جاری کئے اور کہا کہ آپ حضرات جلد کراچی پہنچیں تا کہ ۲۲/نومبر ۱۹۵۲ء کو جو دستور اسمبلی میں پیش کیا جا رہا ہے ۔اس پر غور وخوض کیا جائے' چنانچہ وزیر اعظم کی دعوت پر ۱۹/نومبر ۱۹۵۲ء کو حسب ذیل علماء کرام گفتگو کے سلسلے میں کراچی پہنچے۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مفتی محمد حسن امرتسریؒ' مولانا ادریس کاندھلویؒ' مفتی اعظم پاکستانؒ' خطیب پاکستانؒ' مولانا اطہر علیؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ' مولانا شمس الحق فرید پوریؒ' مولانا داؤد غزنویؒ' مولانا مفتی دین محمدؒ اور مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹکؒ۔

یہ علماء کرام ۱۹/نومبر ۱۹۵۲ء کو پرائم منسٹر ہاؤس پہنچے اور خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کی' حکومت کی طرف سے

خواجہ ناظم الدین، اسپیکر اسمبلی مولوی تمیز الدین، سردار عبدالرب نشتر وغیرہ تھے۔ خطیب پاکستانؒ نے آمدہ جملہ علماء کا تعارف کرایا اور کھل کر اپنے مؤقف کی وضاحت کی، حکومت کی طرف سے مولوی تمیز الدین نے اپنے تحفظات واشکالات پیش کیے جن کا خطیب پاکستانؒ نے جامع مانع اور مدلل ومفصل حل پیش کیا، بالآخر خواجہ نے کہا کہ آپ حضرات بےفکر رہیں انشاء اللہ علماء اور عوام کی خواہش کے مطابق آئین بنایا جائے گا، اس پر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے فرمایا کہ ہماری بھی دعا ہے کہ خدا آپ کو ناظم دین بنائے۔ اختتامی کلمات کے طور پر خطیب پاکستانؒ نے وزراء کو للکارتے ہوئے فرمایا کہ اگر انہوں نے دستور اسلامی سے ایک انچ بھی انحراف کیا تو پاکستان میں ایک ایسا طوفان آئے گا کہ جس میں آپ کے اقتدار کی کرسیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔

۱۹۵۲ء، ۱۹۵۶ء کے دستور کی کہانی اور خطیب پاکستانؒ کی کامیابی

اجلاس کے اختتام کے بعد علماء کرام امیدوں اور تمناؤں کے ملے جلے ردعمل کے ساتھ لوٹے اور حکومت نے اعلان کر دیا کہ دستور ۲۲ نومبر کے بجائے ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ء میں پیش کیا جائے گا پھر ۲۲ دسمبر کو جو دستوری خاکہ اسمبلی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں قانون سازی پر قرآن کی پابندی کا ذکر تو تھا لیکن حدیث اور سنت کا تذکرہ نہیں تھا جس کا خطیب پاکستانؒ نے سخت نوٹس لیا، خطیب پاکستانؒ نے ۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو اپنی رہائش گاہ میں علماء کرام کی ایک میٹنگ بلائی جس میں دیگر علماء کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی۔ سید سلیمان ندویؒ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا مفتی دین محمد ڈھاکہ۔

اس اجتماع میں علماء کرام نے نو اجلاس کے بعد چند اہم ترمیمات کے بعد نئے دستور کی تائید کی اور سابقہ ۲۲ نکاتی دستور میں مزید دو حضرات (مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا دین محمد) نے دستخط ثبت کیے یوں ۳۳ علماء کرام کے دستخطوں سے سابقہ دستور کو آخری شکل دے دی گئی تاہم اس کی منظور نہیں ہوسکی۔ کیونکہ غلام محمد گورنر جنرل نے ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا جس سے متفقہ دستور دھرے کے دھرے رہ گیا ورنہ خواجہ ناظم الدین یہ وعدہ کر چکے تھے کہ مذکورہ متفقہ دستور پاس کرالیا جائے گا اور قرآن کے ساتھ سنت کا لفظ بھی بڑھا دیا جائے گا۔

اس کے باوجود خطیب پاکستانؒ نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل محنت اور انتھک کوشش جاری رکھی۔ بالآخر ۱۹۵۶ء کا دستور پاس کرانے میں کامیابی حاصل کی، یہ دستور اگرچہ سابقہ متفقہ دستور نہیں تھا تاہم یہ دستور کافی حد تک اسلامی تھا۔ اس دستور کے تحت لفظ اسلام پاکستان کے جزو بنا اور پورا نام یوں ہوگیا اسلامی جمہوریہ پاکستان ورنہ اس سے قبل صرف

جمہوریہ پاکستان ہی بولا جاتا تھا۔ بلاشبہ ۱۹۵۶ء کے دستور کی منظوری خطیب پاکستانؒ و دیگر علماء حق کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہ دستور چوہدری محمد علی کی وزارت میں ۲۶/ فروری ۱۹۵۶ء کو پاس ہوا اور ۲۳/ مارچ ۱۹۵۶ء کو نافذ ہوا یوں پاکستان کو اپنے قیام کے بعد پہلا دستور نصیب ہوا۔

یہ دستور اگرچہ کافی حد تک اسلامی ہے لیکن اس میں ہر شخص کو مذہب کی تبدیلی کا اختیار دے کر ارتداد کا دروازہ کھول دیا گیا اور اسلامی پرسنل لاء میں قرآن وسنت کے بجائے خودرائی کی راہ اختیار کی گئی ہے جس سے اجتہاد کا دروازہ کھل گیا ہے۔

عائلی کمیشن کے خلاف خطیب پاکستانؒ کا اختلافی نوٹ

سابق صدر محمد ایوب خان نے اپنے دورِ حکومت میں پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین کے مطالبہ پر عائلی کمیشن کے نام سے ایک کمیشن مقرر کیا جس میں خطیب پاکستانؒ کو بھی شریک کیا گیا تھا' کمیشن کے باقی تجدد پسند ارکان نے ''عورتوں کے حقوق کی نگہداشت'' کے عنوان سے ایسی تجاویز پیش کی تھیں جو سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی تھیں' جب یہ رپورٹ خطیب پاکستانؒ کے سامنے آئی تو خطیب پاکستانؒ نے وہاں مفصل و مدلل اختلافی نوٹ لکھا جس سے قرآن وسنت کی صحیح ترجمانی ہوتی تھی حالانکہ اس کمیشن میں مولانا تنہا تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے جس درست انداز میں قرآن و سنت اور علماء حقہ کی ترجمانی کی وہ صد قابل ستائش ہے لیکن چونکہ اعیان حکومت کے اکثر افراد لادین تھے اس لئے انہوں نے اس مدلل اختلافی نوٹ کو اہمیت دیئے بغیر ان عائلی سفارشات کو منظوری کے لئے پیش کر دیا۔

لیکن ان سفارشات کی منظوری سے قبل ہی ملک مارشل لاء کی نذر ہوگیا اس لئے ان کا نفاذ نہ ہوسکا' بعد میں مارشل لاء کے سائے میں ان سفارشات کو ایک آرڈی نینس کے ذریعے قانونی شکل دے دی گئی' جب وہ سفارشات قوم کے سامنے آئیں تو معلوم ہوا کہ بعض امور میں صراحۃً ''قرآن وسنت کی مخالفت کی گئی ہے' یاد رہے کہ محمد ایوب خان نے ۱۹۶۲ء کو ملک کو نیا آئین دیا تھا۔

تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں خطیب پاکستان کا کردار

ملک میں جب قادیانی فتنہ اٹھا تو اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے بھی خطیب پاکستانؒ میدان میں آ گئے تھے۔ اس لئے مرزا محمود نے جون ۱۹۵۲ء میں اعلان کیا تھا کہ ہم خطیب پاکستانؒ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مفتی محمد شفیعؒ، عبدالحامد بدایونیؒ، اور مودودی کو قتل کر دیں گے۔ اس تحریک ختم نبوت کے بانی علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہیں اور مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ مفتی محمد شفیعؒ، خطیب پاکستانؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ مولانا لال حسین اخترؒ، مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود اس تحریک کے نڈر مجاہدین ہیں مجلس علماء تحفظ ختم نبوت نے فیصلہ کیا کہ قادیانیوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے کے لئے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ خطیب پاکستان اور مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی بنیادی کردار ادا کریں گے اور ان کے مکروہ عزائم پر حکومت کو مطلع کریں گے۔

چنانچہ خطیب پاکستانؒ، مولانا عبدالحامد بدایونیؒ، مفتی جعفر حسین مجتہد، مولانا محمد یوسف کلکتوی اور مولانا لال حسین اختر نے اپنے دستخطوں سے دعوت نامے جاری کر کے کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس بلائی اور مندرجہ ذیل مطالبات پاس کئے (الف) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (ب) چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کر دیا جائے (ج) تمام کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کو ہٹا دیا جائے۔ ان مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ ہوا اور اس کنونشن کے انعقاد کے لئے علماء پر مشتمل ایک بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی جس کے ارکان حسب ذیل تھے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد شفیعؒ، خطیب پاکستانؒ مولانا محمد یوسف کلکتوی، مفتی صاحب داد، مولانا سلطان احمد، مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا لال حسین اختر، مفتی جعفر حسین مجتہد اور الحاج ہاشم گزدر۔ اس بورڈ کے کنوینر خطیب پاکستان منتخب کئے گئے۔

۱۳ر جولائی ۱۹۵۳ء کو الحاج ہاشم کے گھر پر بورڈ کا اجلاس ہوا اور کنونشن کے انعقاد کے متعلق فیصلے ہوئے، فیصلہ کے

مطابق ۱۹۵۳ء میں عظیم الشان کانفرنس بلائی گئی۔ جس میں مختلف النوع جماعتوں نے شرکت کی پھر ملک کے طول وعرض میں جلسوں کا سلسلہ شروع ہوا اور تقریباً تین سو کے قریب جلسے ہوئے' جنوری ۱۹۵۴ء کو کراچی میں کانفرنس بلائی گئی جس میں عوام وخواص اور مشاہیر علماء کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔

مذکورہ کانفرنس کے بعد وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملاقات کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں خطیب پاکستان بھی شامل تھے' حسب ترتیب یہ وفد خواجہ ناظم الدین سے ملا اور اپنے مطالبات پیش کئے' خواجہ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی' ایک ماہ گزر جانے کے باوجود جب کوئی ردعمل سامنے نہ آیا تو علامہ سید سلیمان ندویؒ' مفتی اعظم پاکستانؒ اور خطیب پاکستانؒ دوبارہ خواجہ سے ملے اور سابقہ وعدہ یاد دلایا لیکن خواجہ نے معذرت کر دی۔ خواجہ کی معذرت کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ' خطیب پاکستانؒ مولانا عبدالحامد بدایونی اور سید نور الحسن بخاریؒ وغیرہ حضرات کراچی میں جمع ہوئے اور آئندہ کا لائحہ ترتیب دیا جس کے تحت جلسے وجلوس شروع ہو گئے۔ بالآخر ۱۹۷۴ء میں قادیانی کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ ظاہری بات ہے کہ اس کامیابی کا سہرا بھی دیگر علماء کے ساتھ خطیب پاکستان کو جاتا ہے۔

رویت ہلال کمیٹی کا قیام اور خطیب پاکستانؒ

رویت ہلال کمیٹی کے قیام کے سلسلے میں خطیب پاکستان کی حیثیت بانی کی سی ہے' قیام پاکستان کے بعد سابق وزیر داخلہ شہاب الدین نے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک ہلال کمیٹی تشکیل دی تھی جو سرکاری نہیں بلکہ نجی تھی' علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مفتی اعظم پاکستانؒ خطیب پاکستان' مولانا بدر عالم میرٹھی' مولانا عبدالحامد بدایونی اور مولانا ابن حسن جارجوی۔ بعد میں یہ کمیٹی انفرادیت کی نذر ہو گئی۔ تاہم خطیب پاکستانؒ اس میں بنیادی کردار ادا کرتے رہے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں جب خطیب پاکستانؒ نے عائلی کمیشن میں اختلافی نوٹ لکھا اور اس کے خلاف آواز بلند کی تو ارباب اقتدار نے چاند کے مسئلہ کو اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ (تعارف آرہا ہے) کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور محکمہ موسمیات کے سپرد کر دیا' حالانکہ یہ ایک خالص شرعی مسئلہ تھا جس سے ارباب اقتدار نابلد تھے۔

جب اس کے خلاف خطیب پاکستان نے آواز اٹھائی تو ایوب خان نے وزیر داخلہ اے آر خان کی سرپرستی میں ایک سرکاری ہلال کمیٹی بنائی جو شریعت سے ناواقف تھی بالآخر اسے بھی ختم کر دیا گیا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں دو عیدیں ہونے لگیں اور لوگ افراتفری کے شکار ہو گئے' حالانکہ اس سے قبل ۱۹۵۴ء میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کی طرف سے یہ فتویٰ بھی آچکا تھا کہ ثبوت ہلال کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے ماہر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی کی

تشکیل ناگزیر ہے۔ اس فتویٰ پر مولانا ظفر احمد عثانی' مولانا احمد علی لاہوری' مفتی محمود صاحب' مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک' مفتی مسعود نائب مفتی دارالعلوم' دیوبند' مولانا مفتی عبداللہ صاحب' مولانا سعید مظاہر علوم سہارنپور' مولانا سید مسعود علی قادری' مولانا ابوالحسنات قادری' مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری وغیرہ ۴۲ علماء کے دستخط ثبت تھے' یہ فتویٰ فی الحال احسن الفتاویٰ میں موجود ہے۔

اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں مفتی محمد شفیع' مولانا ظفر احمد عثانیؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے اپنے دستخطوں سے ایک تحریر حکومت پاکستان کو بھیجی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ علماء پر مشتمل ایک رویت ہلاک کمیٹی تشکیل دی جائے لہ ثبوت ہلال کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو سکے تاہم حکومت اس کار خیر میں لیت ولعل سے کام لے رہی تھی۔ اس لئے خطیب پاکستانؒ ایوب خان کے اس غیر اسلامی طریقہ رویت ہلال کے خلاف سینہ سپر ہو کے میدان میں آئے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ فوراً علماء پر مشتمل رویت ہلال کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اس کلمہ حق کی وجہ سے ایوب خان نے خطیب پاکستانؒ کو نظر بند بھی کیا تھا تاہم خطیب پاکستانؒ نے رویت ہلال کمیٹی کے قیام تک جدوجہد جاری رکھی اور چاند نظر آنے نہ آنے کا فیصلہ جیکب لائن کراچی سے صادر فرماتے رہے' بالآخر قومی اسمبلی نے مرکزی رویت ہلال کمیٹی کی منظوری دے دی یوں خطیب پاکستان کی محنت رنگ لائی۔

مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے منعقدہ اجلاس ۲۹/اگست ۱۹۷۴ء میں فیصلہ دیا کہ رمضان وعیدین کے چاندوں کے بارے میں ثبوت ہلال کا فیصلہ عینی روایت اور شہادت کے شرعی اصولوں کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ آلات جدیدہ اور نظام تقویم کے مطابق آج الحمدللہ اسی جدوجہد کے نتیجہ میں یہاں شرعی اصولوں کے مطابق ثبوت ہلال کا فیصلہ ہو رہا ہے۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈ والہ یار کی تاسیس

خطیب پاکستانؒ کی عظیم یادگاروں میں ایک اہم یادگار اس وقت ہمارے سامنے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈ والہ یار کی شکل میں ہے قیام پاکستان کے بعد علامہ شبیر احمد عثانیؒ کی خواہش ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند کے طرز پر ایک دینی ادارہ پاکستان میں بھی قائم ہونا چاہئے تاکہ طالبان علوم نبوت کو سیرابی کا موقع ملے' اس غرض کے تحت علامہ عثانیؒ نے اپنے دست راست خطیب پاکستان کو حکم دیا کہ اس سلسلے میں لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے علماء وفضلاء پر مشتمل ایک اجلاس بلایا جائے چنانچہ خطیب پاکستانؒ نے پاکستان کے اہل علم وفضل کو دعوت دی کہ وہ محرم ۱۳۶۹ھ/۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو کراچی میں تشریف لائیں۔ چنانچہ اس دعوت پر ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا اور اختتام اجتماع کے بعد علامہ نے اس مسئلہ کو حتمی شکل

دینے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جو مندرجہ ذیل علماء پر مشتمل تھی، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مفتی اعظم پاکستانؒ خطیب پاکستانؒ مولانا خیر محمد جالندھریؒ مولانا سید بدر عالم میرٹھی اور مولانا شاہ فخر الدین۔

اس کمیٹی کی یہ ذمہ داری تھی کہ دار العلوم کے قیام کے لئے جگہ کا انتخاب کرے اور مستقل لائحہ عمل تیار کرے لیکن اس دوران علامہ عثمانیؒ کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے معاملہ تعطل کا شکار ہو گیا، قریب تھا کہ علامہ عثمانی کی تمنا پوری نہ ہوتی لیکن خطیب پاکستانؒ اس کا ادراک کرتے ہوئے میدان عمل میں آئے اور حیدرآباد سندھ کے قریب ٹنڈو الہ یار کی چھوٹی سی بستی میں ایک وسیع و عریض زمین پر ۱۹۴۹ء کو ایک عظیم ادارے کی بنیاد ڈالی جو آج دار العلوم الاسلامیہ کی شکل میں موجود ہے۔

یہ خطیب پاکستانؒ ہی کی للّٰہیت اور انتھک محنت کا نتیجہ تھا کہ یہاں سے لاکھوں فضلاء فارغ ہوئے اور سینکڑوں مشاہیر علماء نے یہاں درس دیا جن میں مظاہر علوم سہارنپور کے صدر المدرسین مولانا بدر عالم میرٹھیؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور مفتی وجیہؒ وغیرہ شامل تھے۔ آج بھی یہ ادارہ منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے، مولانا احترام الحق تھانوی اس کے مہتمم اور مولانا تنویر الحق تھانوی خطیب مرکزی جامع مسجد جیکب لائن کراچی نائب مہتمم ہیں۔

سوشلزم اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے فتنے

۱۹۶۹ء میں جب لادینی طبقوں نے سر اٹھایا اور سوشلزم کا نعرہ لگایا تو یہ ہی خطیب پاکستان اور علماء ربانیین تھے جنہوں نے سوشلزم کے خلاف پورے ملک میں دورے کئے اور تین سو سے زائد جید علماء کے دستخطوں پر مشتمل سوشلزم کے خلاف متفقہ فتویٰ جاری کیا۔ اس فتویٰ کو بعنوان ''سوشلزم کفر ہے۔'' ناظم دعوت الحق پاکستان نے شائع کیا۔ اس متفقہ فتویٰ میں خلاف اسلام کام کرنے والی جماعتوں کی حد بندی تین نمبروں میں کی گئی تھی، خطیب پاکستانؒ نے فقہی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اسلامی نصب العین رکھنے والی جماعتوں کی حد بندی بھی ہونی چاہئے۔ چنانچہ علماء نے خطیب پاکستان کی ترمیم کو قبول کرتے ہوئے اس متفقہ فتویٰ میں یہ الفاظ بڑھا دیئے۔ ''پہلی قسم کی جماعتوں میں بھی ہمارے نزدیک دو طرح کی جماعتیں ہیں، ایک وہ جس کی سرپرستی و قیادت ملک کے متدین علماء کے ہاتھ میں ہے، دوسری وہ جس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں نہیں ہے تاہم امداد کے معاملے میں فضیلت و ترجیح پہلی قسم کو حاصل ہوگی۔ الخ

اسی خطیب پاکستانؒ نے ایوب خان کے دور میں بپا ہونے والے فتنہ فضل الرحمٰن کو کچلا ایوب دور میں ایک ادارہ

بنام تحقیقات اسلامی کراچی میں قائم ہوا تھا جس کے سربراہ میگل یونیورسٹی کے ایک مستشرق ڈاکٹر فضل الرحمٰن تھے جو تحقیقات اسلامی کے نام پر مسلمات دین کو مسخ کر رہے تھے' اسی ادارہ نے اسلام کو فرسودہ اور سود و شراب کو جائز قرار دیا تھا لیکن اس کے مقابلے کے لئے خطیب پاکستانؒ، مفتی اعظم پاکستانؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ میدان میں نکلے اور اس فتنہ کو ختم کر کے چھوڑا۔

۲۲ نکاتی معاشی اصلاحات کا خاکہ

جب علماء کی طرف سے سوشلزم کے کفر ہونے کا فتویٰ صادر ہوا تو بعض کمزور عقائد کے حضرات اس پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ اگر سوشلزم کفر ہے جس میں معاشی ترقی ہے تو اسلامی نظام میں غریبوں کی موجودہ مشکلات پر حل کیا ہے؟ اس چیلنج کا جواب دیتے ہوئے خطیب پاکستانؒ نے جون ۱۹۷۰ء کو علماء حق کا ایک کنونشن بلایا کنونشن میں حاضر علماء نے اسلامی معاشی اصلاحات کے متعلق جامع خاکہ تیار کیا اور عوام کے سامنے پیش کیا' ان اصلاحات پر ۱۱۸ علماء کے دستخط ثبت تھے۔ جن میں خطیب پاکستانؒ مفتی اعظم پاکستانؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مولانا اطہر علیؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا محمد متین خطیبؒ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ' مولانا مفتی وجیہہؒ' مولانا محمد رفیع عثمانی اور مولانا عبدالرحمٰن اشرفی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (تذکرۃ الظفر)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے بانیین

خطیب پاکستانؒ کی دیگر یادگاروں میں ایک یادگار ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' ہے' ۱۳۷۶ھ میں چند علماء نے اس بات کی ضرورت محسوس کی ملک میں موجود جملہ دینی اداروں میں یکسانیت پیدا کرنے' ربط قائم کرنے اور مدیروں کے درمیان تعلقات کی فضاء ہموار کرنے کے لئے ایک مرکزی ادارہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس ضرورت کے تحت مولانا شمس الحق افغانیؒ کی تحریک پر ۲۰ رشعبان ۱۳۷۶ھ کو جامعہ خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے سالانہ اجلاس میں پانچ ارکان (خطیب پاکستانؒ' مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا شمس الحق حقانیؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور مفتی عبداللہ ملتانیؒ) پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی۔

جس کا کنویز خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو بنایا گیا' خطیب پاکستانؒ نے ۲۲-۲۳ شوال ۱۹۷۸ھ کو دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباٹنڈوالہ یار حیدرآباد میں مشرقی ومغربی پاکستان کے جید علماء پر مشتمل ایک کانفرنس بلائی' کانفرنس میں شریک علماء نے غوروخوض کے بعد مجلس تنظیم مدارس عربیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس ادارہ کے نظم ونسق اور لائحہ عمل ترتیب دینے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے اراکین یہ تھے۔ صدر مولانا خیرمحمد جالندھریؒ مولانا شمس الحق افغانیؒ' مولانا احمد علی لاہوریؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا فضل احمد کراچوی' مولانا مفتی محمد عثمان' مولانا عرض محمد صاحب کوئٹہ' مولانا مفتی محمد شفیعؒ' مولانا محمد علی جالندھریؒ' مفتی عبداللہ ملتانیؒ' مولانا مفتی عبداللہ جالندھری ساہیوال' مولانا محمد صادق بہاولپوری اورخطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ۔

۱۶-۱۷ ذی قعدہ ۱۳۷۸ھ/۲۵-۲۶ مئی ۱۹۵۹ء کو کمیٹی بالا کا اجلاس مولانا خیرمحمد جالندھری کی صدارت میں خیر المدارس ملتان میں منعقد ہوا۔ اس کے بعد ایک اور اجلاس ۱۶-۱۷ ذوالحجہ ۱۳۷۸ھ/۲۴-۲۵ جون ۱۹۵۹ء کو منعقد ہوا۔ جس میں مدارس کی تنظیم اور اصلاح نصاب وغیرہ کے لئے مدارس عربیہ کے وفاق قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ فیصلہ کے مطابق ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نام سے ایک باوقار ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ آج اس ادارہ کے تحت پاکستان کے سات ہزار سے زائد دیوبندی مکتبہ فکر کے مدارس ملحق ہیں جن میں ساڑھے تین لاکھ سے زائد طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مکمل تعارف کے لئے وفاق المدارس کا سہ ماہی رسالہ شمارہ اول اور روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ نومبر ۲۰۰۱ء ملاحظہ ہو۔

قارئین کرام! خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے حالات زندگی اور قومی وملی خدمات کی تفصیل قلم بند کرنے اور احاطہ تحریر میں لا کر منظر عام پر لانے کے لئے ضخیم کتاب کی ضرورت پیش آئے گی یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہے' حضرتؒ کی تالیفات وخطابات کا ایک انمول خزانہ دبیز پردہ میں چھپا ہوا ہے۔ اگر اسے منظر عام پر لانے کے لئے قدرت کسی کو موقع دے دے تو ان شاء اللہ یہ ملت اسلامیہ کے لئے قیمتی سرمایا گراں مایہ اور متاع گمشدہ ثابت ہوگا' اس مقالہ کا بہت کچھ حصہ کتاب ''حیات احتشام'' سے ماخوذ ہے علاوہ ان مضامین کے جن کے حوالہ جات درمیان میں آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی خدمات سرانجام دینے کی توفیق دے۔ (محمد صدیق ارکانی)

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور:

خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب پاکستان، مفسر قرآن حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان علمائے حق میں سے تھے جن کا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور خلوص وللّٰہیت ایک امر مسلم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے دور کے ممتاز ترین عالم دین، شہرۂ آفاق خطیب اور بہترین مفسر قرآن تھے۔ ان کا وجود مسعود پوری ملت اسلامیہ کے لیے عظیم سرمایہ تھا، وہ جامع اوصاف و کمالات شخصیت کے مالک تھے اور اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت پر کچھ لکھتے ہوئے احقر ناکارہ کو اپنی علمی کم مائیگی کا پورا پورا احساس ہے اور ان کے اوصاف وکمالات کا احاطہ کرنا احقر کے قلم کی دسترس سے باہر ہے، لیکن اس ہیچ مدانی کے باوجود مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ لکھنا خود اپنی جگہ اتنی بڑی سعادت ہے جس پر احقر ناکارہ کو فخر ہے۔ یہاں مختصر طور پر ان کے حالات وکمالات کو پیش کیا جاتا ہے جن سے قارئین البلاغ یقیناً مستفید ہوں گے۔

خاندانی حالات:

آپ قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی کے ایک ایسے مقتدر خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جو نسبتاً صدیقی ہے اور علم و فضل بالخصوص طب یونانی میں طرۂ امتیاز کے ساتھ ساتھ زمینداری اور سرکاری مناسب میں مشہور تھا۔ آپ کے والد بزرگوار مولانا ظہور الحق صاحب جو خود بڑے جید اور پرہیزگار عالم دین تھے، جنہیں ظاہری علوم متداولہ میں شرف تلمذ براہ راست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے حاصل تھا اور طریقت وسلوک اور فیوض باطنی میں سلسلہ بیعت کا تعلق براہ راست شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس اللہ سرہ سے تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی چھوٹی بہن تھیں اور وہ خود حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

سے بیعت تھیں۔ اس طرح آپ اور آپ کے والد بزرگوار مختلف اکابرین امت و مشاہیر علماء کے ظاہری و باطنی فیوض میں سنگم کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ جامع کمالات شخصیت میں اس موروثی جامعیت کو بڑا دخل ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

ولادت و تعلیم:

آپ اس علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے' زمین دار گھرانہ تھا۔ آپ ۱۹۱۵ء میں اوٹاوہ یوپی میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی سے بڑے ذہین و متین ثابت ہوئے۔ آپ کے ماموں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش یہ تھی کہ بہن کے چاروں لڑکے علم دین حاصل کریں جس کا اظہار حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ہمشیرہ سے بھی کر دیا تھا لیکن سعی و کوشش کے باوجود آپ کے دوسرے بھائیوں نے کالج اور یونیورسٹیوں سے بی اے اور ایم اے کیا' علم دین کا قرعہ صرف مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے نام پر نکلا' چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیرنگرانی بارہ سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر فارسی کی متداول کتابیں میرٹھ میں حضرت مولانا اختر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں' عربی کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی زیرسرپرستی مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور میں حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء میں ہندوستان کی مشہور درس گاہ مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں حدیث وتفسیر' فقہ وادب' فلسفہ وکلام اور جملہ علوم دینیہ امتیازی حیثیت کے ساتھ نمبراول کی سند فراغ حاصل کی' آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' شیخ اسلام علامہ شبیر احمد عثانیؒ' مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ' شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندی اور جامع المعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے مشاہیر علما واکابر شامل ہیں۔ دیوبند سے فراغت کے فوراً بعد آپ نے الہ آباد یونیورسٹی اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات درجہ اول میں پاس کئے پھر پنجاب یونیورسٹی سے انگریزی میں دسویں کا امتحان دیا۔

تبلیغی واصلاحی خدمات:

فراغت تعلیم کے بعد اپنے بزرگوں کے حکم پر دینی تبلیغی تدریسی اور اصلاحی خدمات میں مصروف ہو گئے' حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی قائم کردہ مجلس دعوت الحق کے پروگرام کے مطابق مولانا مرحوم نے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں بالخصوص مرکزی حکومت ہند سے متعلق سرکاری ملازموں میں تبلیغی کام کا آغاز نئی دہلی میں خواجہ میر درد کی مسجد سے فرمایا جہاں پر یومیہ درس قرآن اور تبلیغی اجتماعات ہوا کرتے تھے اور ہر جمعہ کو کونسل چیمبر کے پاس نئی دہلی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے آنریری طور پر مولانا خطاب فرماتے تھے جس میں مرکز کے سرکاری ملازمین کے علاوہ

مرکزی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبران بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے جس میں خواجہ ناظم الدین' مولانا ظفر علی خان' مولوی تمیز الدین خان صاحب' سردار عبدالرب نشتر' سر عبدالعلیم غزنوی اور سر عثمان وغیرہ حضرات بڑے ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔

مجلس دعوت الحق کے پروگرام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سرکاری ملازمین اور مسلم لیگ کے زعماء میں پاکستان کی حمایت کے ساتھ ساتھ دینی جذبات بھی پیدا کئے جائیں' تاکہ آئندہ ایک اسلامی مملکت کی تشکیل اور اس کے قیام میں سہولت پیدا ہو۔ مجلس دعوت الحق کے پروگرام کے علاوہ پوری دنیا میں تبلیغی دورے فرماتے رہے۔ افریقہ' انڈونیشیا' فلپائن' سعودی عرب اور دوسرے ممالک میں متعدد بار تبلیغی سلسلے میں تشریف لے گئے اور ہزاروں افراد آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ کی شخصیت ایک بین الاقوامی شخصیت تھی۔ دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں آپ کے متعلقین ومعتقدین موجود نہ ہوں۔ آپ کی مسحور کن آواز پر مسلمان جان چھڑکتے تھے۔ غرضیکہ لاکھوں جلسوں سے آپ نے خطاب کیا اور کروڑوں مسلمانوں کی اصلاح فرمائی۔

تحریک پاکستان میں خدمات:

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر کے جید ترین علماء میں ہوتا تھا اور وہ علماء کی اس صف میں شامل تھے جو تحریک پاکستان کے لئے جہاد کر رہی تھی۔ انہوں نے شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے شانہ بشانہ قیام پاکستان کے لیے کام کیا اور سرحد ریفرنڈم میں مل کر حضرات کے ساتھ مل کر شب وروز محنت کی پھر پاکستان بننے کے بعد اس مملکت خداداد کی ترقی وخوش حالی کے لیے بھی بڑی جدوجہد کی۔ وہ چاہتے تھے کہ علاقہ واریت ختم ہو اور صوبائی تعصب مٹ جائے' تاکہ کراچی سے خیبر تک کے تمام مسلمان چٹان کی طرح متحد ہو کر اپنے وطن کو گلزار بنائیں۔ انہوں نے مغربی تہذیب کو ناپسند کیا' مشرقی روایات کو زندہ رکھا اور آخری سانس تک دین اسلام کی سربلندی ک لیے کام کرتے رہے۔ جب انہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تو اس وقت بھی ان کے سامنے کوئی سیاسی عہدہ نہیں تھا' نہ ہی انہوں نے پاکستان بننے کے بعد کوئی سیاسی عہدہ یا مرتبہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ کسی بھی حکومت کے مخالف نہیں رہے اور نہ ہی کسی حکومت سے لالچ وطمع رکھی۔ وہ مخالفت برائے مخالفت کے قائل نہ تھے' ان کا اختلاف اصولی ہوتا تھا وہ اختلاف رائے کا برملا اظہار کیا کرتے تھے۔ جب تک انہوں نے کسی کو سیدھے راستے پر پایا اس کی مدد کی اور اس کا ساتھ دیا' لیکن کوئی بات اسلام یا ملک وقوم کے مفاد کے خلاف پائی تو اپنی زبان بند نہیں رکھی' وہ زبان سے بھی جہاد کرتے تھے اور قلم سے بھی جہاد کرتے تھے' وہ خاموشی کو جرم سمجھتے تھے اور مصلحت کو کمزوری قرار دیتے تھے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ اچھی بات کو اچھا کہو اور بری بات کو برا کہو۔ ان کے نزدیک بیچ کا کوئی راستہ نہ تھا۔ انہوں نے ہمیشہ حق وصداقت کا پرچم بلند رکھا اور کبھی کسی دباؤ کے آگے نہیں جھکے' نہ ان کو خریدنا ممکن ہوا' نہ ہی ان کو حق گوئی سے باز رکھنے میں

کوئی کامیابی ہوسکا۔ ہر سیاسی و مذہبی جماعت کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے اور سب کے لیے وہ سرمایہ حیات تھے۔

حق گوئی و بے باکی:

حضرت مولاناؒ مرحوم کی ساری زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف تھی۔ وہ حق وصداقت کے علم بردار تھے' آپ زندگی بھر کسی سے مرعوب نہ ہوئے۔ اصولوں پر قائم رہے اور صراط مستقیم کو کبھی ترک نہ کیا۔ ان کو کبھی کسی حکومت کے ایوان میں نہیں دیکھا گیا۔ وہ بزرگان دین کی اس ہدایت پر سختی سے کار بند تھے کہ علماء کرام اگر عوام میں اپنا احترام باقی رکھنا چاہتے ہوں تو ان کو ایوان حکومت سے دور رہنا چاہئے۔

آپ نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا اور پاکستان قائم ہونے کے بعد مختلف حکومتوں سے اختلاف بھی کیا تھا مگر کسی حکومت کے قریب نہیں گئے اور کسی حکومت کو اسلام کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کے اجازت نہیں دی۔ ایک مرتبہ رویت ہلال کے تنازعے میں ان کی گرفتاری عمل میں آئی تھی' وہ جانتے تھے کہ گرفتاری ہوسکتی ہے اور تشدد بھی ہوسکتا ہے۔ ان کو احباب نے سمجھایا بھی تھا' مگر وہ حق کی خاطر ڈٹے رہے اور اپنے کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور گرفتاری کو بھی آپ نے اعزاز سمجھا اور گرفتاری کے موقع پر قوم کے نام ایک پیغام میں فرمایا کہ:

> ''آج مجھے اپنی گرفتاری کے موقع پر ایسا محسوس ہوا کہ حق تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائی جو حق گوئی اور حق پرستی کے راستے میں انہیں پیش آتی ہے۔ اپنے احباب اور دوستوں کو اس موقع پر خوش ہونا چاہئے کہ قید و بند کی منزل سے مقصد حق قریب ہو جاتا ہے اور امید ہے کہ اس طرح ہم پاکستان میں اسلام کی عزت و ناموس کی پورے طور پر حفاظت کرسکیں گے۔''

(بحوالہ کلمۃ الحق' از پیغام حضرت تھانویؒ)

پاکستان کی چند جدید تعلیم یافتہ خواتین کے مطالبے پر حکومت نے ایک کمیشن مقرر کیا جس کا نام عائلی کمیشن تھا' جس میں حضرت مولانا تھانویؒ کو ایک ممتاز مذہبی رہنما کی حیثیت سے شریک کیا گیا۔ کمیشن کے باقی تجدد پسند ارکان نے ایک غیر اسلامی اور غیر شرعی رپورٹ پیش کی جس کے ساتھ مولانا مرحوم کا ایک بڑا مفصل اختلافی نوٹ بھی تھا جس میں کمیشن کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے قرآن وسنت کی صحیح ترجمانی کی گئی تھی۔ مولاناؒ کی اس حق گوئی و بے باکی پر ملکی اور غیر ملکی پریس نے اچھی رائے کا اظہار کیا اور مولانا مرحوم کے عالمانہ نقطہ نظر کی تحسین کی۔

پاکستان کے سابق صدر سکندر مرزا نے اپنے دور اقتدار میں ایک مرتبہ علمائے حق کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''اسلامی دستور کا نام لینے والے علماء کانگریسی ہیں' انہیں چاندی کی کشتی میں رکھ کر بھارت کو پیش کر دیا جائے گا۔''

اس کے جواب میں طبقہ علماء میں سے صرف ایک ہی آواز بلند ہوئی اور وہ آواز مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی تھی۔

مولانا نے جواب میں فرمایا کہ:

''سکندر مرزا اور اس کے ساتھی برطانیہ اور امریکہ کے جاسوس ہیں' ہم انہیں عیسائیوں کے تابوت میں بند کر کے سمندر میں بہادیں گے۔''

سکندر مرزا کے حق میں مولانا کا یہ ارشاد بالکل الہامی ثابت ہوا۔ غرضیکہ پاکستان میں جب کبھی اور جس طرف سے بھی اسلام یا ملک و وطن ک خلاف کوئی آواز اٹھی یا قدم اٹھایا گیا تو مولانا نے تمام مصلحت اندیشیوں کو بلائے طاق رکھ کر پوری قوت و جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور جس جرات ایمانی کے ساتھ آپ حق وصداقت کی حمایت کرتے رہے۔ اس سے قرون اولیٰ کے فرزند اسلام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم' خواجہ ناظم الدین مرحوم' غلام محمد' محمد علی بوگرا' چوہدری محمد علی' حسین شہید سہروردی سکندر مرزا' ایوب خاں اور مارشل لاء میں سے کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں مولانا نے جرات و بے باکی کے ساتھ حکومت پر جائز تنقید نہ کی ہو۔ آپ ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق بلند کرتے رہے۔

اسلامی نظام کے لئے جدوجہد:

تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل مرکزی جمعیت علمائے اسلام کی تشکیل جب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں عمل میں آئی تو مولانا احتشام تھانویؒ بھی حضرت شیخ الاسلامؒ کے رفقاء میں شامل ہو گئے اور پاکستان بننے سے سات آٹھ روز قبل حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی کے رفاقت میں کراچی تشریف لائے اور پاکستان کے وجود مٰیں آنے کے بعد سب سے اور اہم کام اس ملک کے دستور کی تشکیل و ترتیب کا تھا۔ اس کے لیے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی نے جس مہم کا آغاز کیا اس میں سب سے اہم کردار مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے مولانا تھانوی نے ہندوستان کا سفر کیا اور منتخب علماء اور مفکرین' مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی' مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ' علامہ سید سلیمان ندویؒ اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب وغیرہ حضرات کو پاکستان لائے اور ان حضرات نے ایک اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کیا' جو مرکزی اسمبلی میں قرار داد مقاصد کے نام سے منظور کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۲ء میں جب اسلام دشمن حلقوں نے یہ طعنہ دیا کہ علماء پاکستان میں کون سا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ یہاں تو بریلوی' دیوبندی' اہل حدیث' شیعہ اور کتنے ہی فرقے ہیں' تو مولانا تھانویؒ اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے میدان میں آ گئے اور انہوں نے شیعہ' سنی' دیوبندی' اہل حدیث' بریلوی اور جماعت اسلامی غرضیکہ تمام مکاتب فکر کے علماء کو جمع کیا جنھوں نے بائیس روز کی شب و روز محنت کے بعد مشترکہ طور پر ۲۲ نکات مرتب کر کے اسلامی آئین کی اساس کے طور پر حکومت کو پیش کر دیئے اور اسلامی حلقوں کے فروعی اختلافات کو اپنی اغراض کے لیے استعمال کرنے والے منہ دیکھتے رہ گئے۔ مولانا کی زندگی کا یہ نادر کارنامہ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس کے بعد ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے بھرپور حصہ لیا اور ملک بھر میں تحریک کے جلسوں سے خطاب فرماتے رہے۔ مرزائی آپ کی سحر آفریں

خطابت سے گھبرا گئے۔ پھر جب ملک کی سیاسی جماعتوں نے تحریک بجسائی جمہوریت کو سوشلزم کے مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہا تو سب سے پہلے مولانا تھانویؒ ہی نے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے قوم کو خبر دار کیا اور فتنے کے خلاف لڑنے والوں کی صف اول میں آپ ہی کا شمار ہوتا تھا اور مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کے قائد کی حیثیت سے ملک کے کونے کونے کا دورہ کیا تا کہ عوام کو اس فتنے کے صحیح خدوخال سے روشناس کرایا جائے۔

مولانا کی خطابت میں وہ سحر تھا جو سادہ دل اور ان پڑھ عوام اور نئی تعلیم کے پروردہ لوگوں پر یکساں اثر کرتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جہاں وہ جاتے سوشلزم کے مدعی گھبرا جاتے تھے۔ بہر حال قیام پاکستان سے لے کر آخر دم تک اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں رہے کئی بار حکومت پاکستان کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر رہے اور تحریک اسلامی کے علم بردار رہے۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کا قیام:

پاکستان میں نظام اسلام کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان میں بھی دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی دارالعلوم قائم کرنے کا فیصلہ کیا' چنانچہ ۹ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۹ء کے اواخر میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایماء سے حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کے اہل علم وفضل اور دین دار حضرات کو اس مسئلے پر سوچنے کے لیے ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کو کراچی آنے کی دعوت دی' اس دعوت پر کافی علماء تشریف لائے اور یہ اجتماع پاکستان کے علماء کا نمائندہ اجتماع تھا۔ حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ نے ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی جس کے ممتاز ارکان میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ' حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ' حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ' حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ' الحاج محمد یوسف سیٹھی اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ شامل تھے۔ اس اجتماع کے بعد دارالعلوم کے عملاً قیام کے لیے صرف چند ماہ باقی رہ گئے تھے کہ اچانک حضرت علامہ عثمانیؒ کی وفات کا ہمت شکن اور روح فرسا حادثہ پیش آیا۔ اس چراغ ہدایت اور آفتاب علم کے غروب ہو جانے سے علمی و دینی حلقے میں جو خلاء پیدا ہوا اس کا اندازہ اہل علم حضرات ہی لگا سکتے ہیں۔ ان کی رحلت کے بعد خطرہ تھا کہ حضرت علامہ عثمانی کی وفات سے مرکزی دارالعلوم کے قیام کے عزم میں ضعف پیدا ہو جائے اور حضرت کی اس خواہش کو بھی شاید عملی جامہ نہ پہنایا جا سکے۔ مگر حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے یہی مردِ حق مولانا تھانویؒ میدان میں نکلے اور دارالعلوم کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور مولانا کی سعی و کاوش سے بہت جلد حضرت عثمانی کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔ ایک صاحب ثروت حاجی محمد سومار مرحوم نے ۱۲۶ ایکڑ اراضی دارالعلوم کی بنیاد کے لیے وقف کرنے کی پیش کش کی جسے مجلس شوریٰ نے بخوشی منظور کر لیا اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر سرپرستی یہ مرکزی دارالعلوم قائم ہوا اور پاکستان میں ثانی دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔

مولانا تھانوی نے اس دارالعوم کے لیے جن علماء کو تدریسی خدمات کے لیے منتخب کیا ان میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ جیسے قابل اور یکتا اہل فن اور ارباب علم وفضل شامل ہیں۔ ان حضرات کی موجودگی نے دارالعلوم کو چار چاند لگا دیئے اور بہت جلد ملکی اور غیر ملکی طلباء وکافی تعداد میں جمع ہو گئے اور آج تک ہزاروں کی تعداد میں علماء فارغ التحصیل ہو چکے اور لاکھوں افراد کو فیض پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ غرض یہ کہ مولانا تھانویؒ کا یہ عظیم کارنامہ اور صدقہ جاریہ ہے اور عظیم الشان یادگار ہے۔ حق تعالیٰ اس دارالعلوم کو قیامت تک جاری و ساری رکھے۔ آمین۔ آپ آخر دم تک دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ رہے۔ اور مولانا کی نگرانی میں یہ مدرسہ ترقی کرتا رہا۔ حق تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

علمی و تصنیفی خدمات:

دینی تبلیغی اور سیاسی خدمات کے علاوہ آپ نے علمی و تصنیفی خدمات بھی انجام دی ہیں جو ناقابل فراموش ہیں۔ ریڈیو پاکستان سے نہایت سلیس مگر محققانہ انداز میں درس قرآن کی ابتداء مولانا تھانویؒ مرحوم ہی نے فرمائی تھی۔ ہندو پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا میں بھی مولانا کا درس قرآن بڑے ذوق وشوق سے سنا جاتا تھا اور مولانا نے حکومت کے اصرار کے باوجود کبھی درس قرآن کا معاوضہ منظور نہیں کیا۔ آپ ایک بہترین مفسر قرآن تھے۔ ساری زندگی دینی اور علمی خدمات میں گزاری۔ آپ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور عرصے سے آپ قرآن حکیم کی تفسیر لکھ رہے تھے جو پاکستان کے سب سے کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ جنگ کراچی میں بالاقساط شائع ہوتی رہی ہے۔ قرآنی آیات کے مطالب وتشریح اور اسرار ومعارف کا بہترین مجموعہ ہے اور علمی دنیا پر احسان عظیم ہے اور عظیم صدقہ جاری ہے۔ تفسیر کے علاوہ آپ نے کئی علمی کتابیں لکھی ہیں جو آپ کے علمی مقام کو خوب واضح کرتی ہیں۔ آپ کے بہت سی علمی مکتوبات و ارشادات شائع ہو چکے ہیں جو علمی دنیا کے لیے بالخصوص اور متعلقین کے لیے بہت ہی نافع اور قیمتی سرمایہ ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین۔

اکابر علماء سے تعلقات:

جن خوش نصیبوں کو مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے اور درس ومجالس ذکر میں شرکت کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ مولانا کو اپنے علمی وروحانی مربیوں اور محسنوں سے کتنا گہرا اور والہانہ تعلق تھا۔ یہ ان کی فطری سعادت، وفاداری اور شرافت نفس کی دلیل تھی، اپنے استاد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ سے اپنی وفاداری اور محبت کا پورا پورا حق ادا کیا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مشرب ومسلک کو ہمیشہ زندہ رکھا، اور بیرون ملک ان کی تعلیمات وارشادات کو عام کرنے کی سعی فرماتے رہے، اپنے اساتذہ اور مشائخ کا بے حد احترام فرماتے خصوصاً حکیم

الامت تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے آپ کو بے حد عقیدت و محبت تھی۔ ان حضرات کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور' حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ' حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے نہایت گہرے تعلقات تھے اور یہ تمام حضرات اکابر آپ سے بہت محبت و شفقت فرماتے تھے اور آپ کے علمی تبحر اور سیاسی تدبر کے قائل تھے' آپ کے مقام کا اندازہ صرف اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی تقریر سن کر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے فرمایا تھا کہ:

''اب مجھے مرنے کا کوئی فکر نہیں ہے۔ میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے۔''[1]

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسے کے موقع پر منتظمین جلسہ سے فرمایا کہ:

''مولانا احتشام الحق کی تقریر کے بعد میں کیا کہہ سکتا ہوں' آپ حضرات کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگوانا چاہتے ہیں۔''[2]

شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا احتشام الحق تھانوی کا انداز خطابت بے مثال ہے اور وہ اپنے علم و فضل میں یکتائے روزگار ہیں۔''

اس طرح باقی حضرات بھی مولاناؒ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ' مولاناؒ ہی کی درخواست پر دارالعلوم ٹنڈو الہ یار تشریف لائے اور مولانا کی علمی و روحانی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر مولانا کو مجاز بیعت قرار دیا اور مولانا کے علم و تقویٰ اور سیاسی بصیرت پر پورا پورا اعتماد فرمایا۔ بہر حال آپ اکابر و مشائخ کے محبّ و محبوب رہے ہیں اور اپنے بزرگوں کا بے حد احترام فرماتے تھے۔

وفات حسرت آیات:

حضرت مولانا تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہری اور حسن باطنی سے خوب نوازا تھا۔ وہ اس دور میں حق و صداقت کا مینارہ اور اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ اپنے اوصاف و کمالات میں بے نظیر تھے' حق تعالیٰ نے حسن بیان کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ شاید ہی اس دور جدید میں پوری دنیا میں ان جیسا خطیب ہو۔ وہ اس وقت خطابت کے بادشاہ تھے' نہایت نفیس طبیعت کے مالک تھے' اخلاق و عادات میں بے مثل تھے۔ لاکھوں آدمی آپ کے فیض علمی و روحانی سے سیراب و شاداب ہوئے۔ ہزاروں افراد آپ کی تعلیمات کے ذریعے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ کروڑوں مسلمانوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی' لاکھوں افراد کے دلوں میں ان کی شیریں بیانی کو نورانیت پیدا ہوئی۔ بہر حال آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت

---

[1] بحوالہ ماہنامہ الرشید ساہیوال دارالعلوم دیو بند ص ۶۱۷ - ۶۰۰

[2] دیکھئے ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر۔

تھی۔ بقول صدر پاکستان جنرل محمد ضیاالحق کہ:

''ان کی پوری زندگی قرآن حکیم کی تفسیر اور سرور کائنات ﷺ کے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے وقف تھی اور ان کا آخری سفر بھی اسلام ہی کی خدمت کے لیے تھا۔''[1]

آپ گزشتہ ماہ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات میں شرکت کے لیے جانا چاہتے تھے، مگر کاغذات مکمل نہ ہونے کی باعث آپ تقریبات میں شرکت نہ فرما سکے، تاہم جب انہیں ''عدم اعتراض'' کا سرٹیفکیٹ مل گیا تو آپ ۲۶/ مارچ کو نئی دہلی روانہ ہو گئے اور پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے پھر اپنے آبائی وطن تھانہ بھون گئے۔ اس کے بعد آپ سیرت کانفرنس میں شرکت کے لیے مدراس تشریف لے گئے جہاں ۱۰/ اپریل کی شام کو خطاب فرمایا۔ صبح ۱۱/ اپریل بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر درس قرآن دیا اور اس کے بعد تقریباً دو گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑا اور ساڑھے سات بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی رحلت کی خبر سن کر پورے عالم اسلام میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی پورا عالم اسلام اپنے مذہبی و روحانی پیشوا سے محروم ہو گیا۔ آپ کی میت کو بذریعہ طیارہ کراچی لایا گیا۔ لاکھوں عقیدت مندوں نے اپنے محبوب رہنما کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ ہی کی جامع مسجد جیکب لائن کے ایک احاطے میں سپرد خاک کیا گیا۔ ملک بھر میں آپ کی وفات پر تعزیتی جلسے، قرآن خوانی، دینی مدارس میں تعزیتی اجلاس اور اخبارات ورسائل میں خصوصی مضامین و اداریئے شائع ہو رہے ہیں۔ علماء صلحاء امراء وغرباء سب ہی آپ کے غم میں مبتلا ہیں اور آپ کو ہر طبقے کی طرف سے خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ جناب رئیس امروہوی نے قطعہ تاریخ وفات لکھا ہے جو ان کے مقام کو خوب ظاہر کرتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ؎

جناب احتشام الحقؒ کی رحلت
کلیجہ کیوں نہ ہو اس رنج سے شق
ہے مرگ عالم حق، مرگ عالم
اگرچہ موت ہے ہم سب کی برحق
وہ بے شک جامع علم و عمل تھے
رئیس اس میں نہیں ہے شبہ مطلق
یہی تاریخ بھی تحقیق بھی ہے
''متاع احتشام الحق'' فقط حق

---

1. روزنامہ نوائے وقت ۱۲/ اپریل ۱۹۸۰ء۔

علمائے حق کا خراج تحسین:

آپ کے سانحہ ارتحال پر ہر مکتب فکر کے علماء وصلحا اور دانشوروں نے اظہار غم کیا ہے اور آپ کی دینی علمی اور ملی خدمات کو سراہا ہے۔ صرف چند ممتاز علماء کے مختصر تاثرات پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ آپ کے علمی و روحانی مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ:

''مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی وفات سے بے حد رنج وقلق ہوا' وہ پاکستان کے ممتاز عالم دین اور مایہ ناز خطیب تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر فضلاء میں سے تھے۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار اور جامع مسجد جیکب لائن کراچی آپ کی عظیم یادگار اور صدقہ جاریہ ہیں۔ ان کی فہم وفراست' تقویٰ وطہارت اور پر تاثیر خطابت بے مثال اوصاف ہیں حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ:

''مولانا تھانویؒ کے انتقال کی خبر نے دل پر بجلی گرادی' بار بار زبان پر انا للہ جاری ہے' انہوں نے اسلام کی سر بلندی کے لیے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد تھے اور حق گوئی اور بے باکی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ حق تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔''

حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی مدظلہ:

''مولانا تھانوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ملک ایک بلند پایہ عالم' مفکر اور مایہ ناز خطیب سے محروم ہوگیا ہے۔ ان کی وفات سے پیدا ہونے والا خلاء صدیوں تک پورا نہیں ہوسکتا۔''

حضرت مولانا محمد عبیداللہ جامعہ اشرفیہ لاہور:

''حضرت مولانا مرحوم' تحریک پاکستان کے عظیم رہنما' ملک کے مایہ ناز خطیب اور اسلاف کی آخری یادگار تھے۔ ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حق تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ آمین۔''

حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجرات:

''مولانا کی رحلت سے دل پر سخت چوٹ لگی ان کی وفات سے عالم اسلام کو عظیم نقصان ہوا ہے اور پوری ملت اسلامیہ اپنے عظیم مذہبی رہنما اور شہرۂ آفاق خطیب سے محروم ہوگئی۔''

حضرت مولانا محمد شریف جالندھری خیرالمدارس ملتان:

''مولانا تھانویؒ تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں میں سے تھے۔ حق گو اور بلند پایہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے باطل فرقوں اور قوتوں کا آخری دم تک مقابلہ کیا' ان کی وفات سے ایک ایسا علمی خلاء پیدا ہوگیا جو عرصے

تک پر نہیں ہو سکے گا۔''

حضرت مولانا محمد متین خطیب کراچی:

مولانا تھانویؒ تحریک پاکستان کے عظیم رہنما تھے اور اپنے علم و فضل میں بے مثل تھے۔ ان کی وفات سے تحریک پاکستان کا ایک روشن ستارا غروب ہو گیا۔ مولانا کی خطابت اور حق گوئی کو دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔

حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کراچی:

''مولانا تھانویؒ مرحوم ملک و ملت کا عظیم سرمایہ تھے اور حقیقت یہ ہے کہ مولاناؒ کے انتقال سے ملک ایک ممتاز عالم دین اور منفرد صفات کی حامل شخصیت سے محروم ہو گیا جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے منتظمین' جملہ اساتذہ اور طلباء اور تمام متعلقین مولانا مرحومؒ کے اس غم میں مولانا کے لواحقین کے ساتھ ہیں اور برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔''

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی:

''مولانا کی رحلت کی خبر سن کر پورے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا' ان کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک سانحہ جاں کاہ ہے۔ جس کے لیے ہر صاحب دل افسوس کرنے پر مجبور رہے۔''

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی:

''مولانا تھانوی کی رحلت نے کمر ہی توڑ دی ہے۔ وہ اس وقت عالم اسلام کے عظیم مفکر مفسر محقق اور فقیہ تھے' ایک شہرۂ آفاق خطیب اور جید ترین عالم دین تھے' اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

مولانا مشرف علی تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور:

آہ

مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ روح انجمن فخر چمن معمار میخانہ
کہاں سے لائیں گے اہل وطن اب ایسا مستانہ
قلم سنگین، نگاہ حق شناس و نکتہ رس فطرت
بیان دل گداز و جرأت بیباک مردانہ
غریق عشق حق و مست جام بادۂ سنت
وہ سرشار مئے عرفان و فخر بزم رندانہ
مجسّم شاہکار سنت اسلاف روحانی
وہ ہر دم ادج تزک و احتشام حق کا دیوانہ
وہ تاریخ مجسم صیغہ اسرار پاکستان
کتاب انقلاب و داستان غم کا افسانہ
وہ دانائے سیاست واقف قانون قدرت بھی
وہ جس کے سامنے تھا طفل ہر دانا و فرزانہ
سراپا نسبت تھانہ بھون بن کر وہ ابھرا تھا
کہ جس نسبت پر قربان سو سہارنپور و کیرانہ
حسین صورت حسین سیرت لباس و وضع پاکیزہ
نزاکت منتہی جس پر نفاست جس کا پیمانہ

وہ شمع جس پہ ہر جانب سے پروانے برستے تھے
چلی جاتی ہے اب کس شمع پر خود بن کے پروانہ
بیاں کرتا رہا جو عمر بھر تاریخ ملت کو
زمانہ عمر بھر دہرائے گا اب اس کا افسانہ
یہ ہے ذوق اجل وائے تحمل کیا گِلہ کیجئے
چُنتا ہے انتخاب نظر نے اِک جوہر و دانہ
زہے گوروکفن وہ جس میں اب یہ گل ودیعت ہے
وجیہ و خرم درخشندہ روکاکل پریشانہ
کفن قسمت پہ نازاں ہے کہ ایسا گل عذار آیا
لحد سرمست ہے جس کو ملا ہے ایسا مستانہ
تصور ہی سے رحلت کے کلیجہ منہ کو آتا ہے
کسے روتے ہیں عارف آج مل کر خویش و بیگانہ
صدا ہاتف کی آتی ہے، تحمل کیجئے عارف
زمانے بھر سے کہہ دیجئے یہ پیغام فقیہانہ
کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خطیب پاکستان حضرت مولانا الحاج مدبّر احتشام الحق صاحب تھانویؒ آخری دور کے علماء میں ایک خاص امتیازی خصوصیت کے مالک تھے میری سب سے پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں دیوبند میں ہوئی جبکہ میں فارغ التحصیل ہوکر مدرسہ عربیہ معین الاسلام انبالہ چھاؤنی میں مہتمم وصدر مدرس کے فرائض انجام دے رہا تھا اور مولانا مرحوم تحصیل علم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے تھے مولانا عمدہ پوشاک میں تھے سر پر ترکی ٹوپی پاؤں میں اعلیٰ قسم کا انگلش جوتا تھا میرے برادر نسبتی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مکان پر مولانا مرحوم کے بڑے بھائی عزیز الحق صاحب مرحوم دوپہر کے کھانے پر مدعو تھے۔ میں بھی اس میں شامل ہوا۔ دوران گفتگو مولانا کی زیرکی اور صلاحیت کا کچھ اندازہ ہوگیا تھا لیکن بعد میں عرصہ دراز تک کوئی ملاقات نہ ہوسکی تحریک پاکستان کے دوران شیخ الاسلام قبلہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی معیت میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا اور علامہ مرحوم نے مولانا تھانوی مرحوم کے برادر بزرگ کے مکان پر ایک علماء کا اجتماع کیا تو اس وقت دوسری ملاقات ہوئی یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا تھانوی صاحب وایسرائیگل لاج کی مسجد میں جمعہ پڑھانے آتے تھے یہ جگہ غلام احمد پرویز صاحب سے نمازیوں نے خالی کرا کر مولانا تھانوی صاحب کو دی تھی جبکہ مولانا سبزی منڈی مسجد دہلی میں خطابت و امامت فرماتے تھے اور دہلی میں مولانا کی طوطی بول رہی تھی نیز مولانا کی خطابت و شیریں بیانی کا ہر جگہ چرچا تھا اسی وجہ سے نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم کے الیکشن میں تھانہ بھون، کیرانہ، شاملی مظفر نگر وغیرہ میں دہلی سے حضرت مولانا تھانوی کو بلا کر تقاریر کا پروگرام بنایا گیا تھا جو بہت کامیاب ثابت ہوا۔ جبکہ ضلع سہارنپور کے قصبات میں مجھے کام کرنے پر لگایا گیا تھا۔ تحریک پاکستان کے کاموں کا ہجوم تھا اس لیے پھر کسی جگہ ملاقات نہ ہوسکی پاکستان کے قیام ۱۹۴۷ء کے بعد میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خصوصی معتمد کی حیثیت سے

کراچی میں ہی مقیم تھا تو مجھے علامہ مرحوم نے جیکب لائن کی ایک مسجد میں جانے کا حکم دیا اور فرمایا مولانا احتشام الحق تھانوی دہلی سے آرہے ہیں تم وہاں موجود رہنا اور میری طرف سے خوش آمدید کہنا میں وہاں گیا تو ہر طرف سرکاری بیرک تھیں اور درمیان میں ایک چھوٹی سی شکستہ مسجد جس کا نام پتھر پر بلوچ مسجد کندہ تھا موجود تھی مختلف ٹرک آجا رہے تھے ٹوٹا پھوٹا سامان دفتری ملازمین اپنے ساتھ لا رہے تھے جبکہ کراچی سے جانے والے ٹرک بھر بھر کر جلی ہوئی لکڑیاں پرندے اور جانور تک بھارت لے جا رہے تھے یہاں تک مکان کی کھڑکیاں الماریاں دروازے تک اکھاڑ کر لے گئے۔ مولانا تھانوی صاحب بھی اسی خستہ حالی کے ساتھ تشریف لائے تو مسجد کے متصل ایک مکان میں جس پر کھپریل کی چھت اور کچی دیواریں تھیں انہیں جگہ دی گئی اس دن کے بعد اکثر آنا جانا رہتا تھا اور میرے قریبی دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے حضرت علامہ مرحوم کے پاس تھانوی صاحب کی آمد و رفت تھی اور میں تو اکثر ان کی خدمت میں رہتا تھا حسن اتفاق ہے کہ مجھے علامہ مرحوم نے لاہور روانہ کیا تا کہ میں حضرت علامہ عثمانی کے خاندان کے افراد اور میرے بچوں کو لاہور میں اتار کر کراچی لاؤں' علامہ صاحب نے زاہد حسین صاحب مرحوم کو جو بھارت میں پاکستان ہائی کمشنر تھے۔ کراچی میں یہ فرما دیا تھا کہ میرا کتب خانہ اور میرے خاندان کے ساتھ مولوی محمد متین کے بچوں کو کسی طرح لاہور بھجوا دیں۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں لاہور جاتے ہوئے میں نے علامہ صاحب سے عرض کیا۔ کہ اب میں خدا جانے کب تک واپس آؤں۔ اس لئے مولانا تھانوی صاحب اگر آپ کے ضروری امور میں اعانت کر دیا کریں تو بہت اچھا ہوگا حضرت علامہ مرحوم نے میری اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس طرح مولانا تھانوی مرحوم حضرت علامہ سے قریب تر ہو گئے پھر جمعیت علماء اسلام کے کاموں میں ترقی کے لئے کام کرتے رہے۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مولانا تھانوی مرحوم مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے اور میں نائب ناظم کے طور پر کام کرتا رہا۔ جہاں تک مولانا مرحوم کی ذاتی زندگی کا تعلق ہے وہ ہر دور میں کامیاب رہی اس لئے کہ مولانا مرحوم اپنے ذاتی اوصاف خصوصاً خطابت میں علمائے دیوبند میں ایک بلند اور اہم مقام رکھتے تھے جس میں مرتے دم تک مولانا مرحوم اپنی جگہ سے نہیں گرائے جا سکے دراصل ہر آدمی میں کچھ خصوصی صلاحیتیں ہوتی ہیں جس کو دوسرا آدمی حاصل نہیں کر پاتا۔ قرآن پاک میں ہے۔

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔ میں اسی بنیادی اصول کو بیان کیا گیا ہے حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو خوش بیانی میں جو مقام عطا فرمایا تھا وہ اس دور میں کسی دوسرے عالم کو نصیب نہیں تھا۔ ایک مرتبہ عظیم شخصیت چودھری خلیق الزماں مرحوم سے کچھ بات ہو رہی تھی جس میں مولانا مرحوم کا ذکر آیا وہ کہنے لگے کہ اگر مولانا تھانوی علماء کے طبقے سے تعلق نہ رکھتے ہوئے تو میں انہیں ... دور کا ''قاذ سلین'' کہتا مگر اب یہ گستاخی نہیں کر سکتا۔ آج تک مولانا مرحوم کے طرز بیان اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والے نقال موجود ہیں مگر وہ نقل کرنے والے ہی کہلا سکتے ہیں حضرت تھانویؒ کا

بدل نہیں شمار کئے جا سکتے ممکن ہے آگے چل کر مولانا مرحوم کے صاحبزادگان میں سے کوئی یہ جگہ لے سکے۔ آمین اس اعلیٰ ذاتی خوبی کے علاوہ مولانا جاذب نظر' خوش پوش خوش خوراک اور انتہائی خوش اخلاق انسان تھے مگر ساتھ ہی عالم کو موجودہ دور میں جس وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے اس میں وہ یکتا عالم تھے۔ مجھے اکثر مولانا کے ہمراہ جلسوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے وہ لباس صبح و شام تبدیل کرنے کے لئے سفر میں کئی کئی جوڑے رکھتے تھے حالانکہ چند گھنٹوں کے لیے جانا ہوتا تھا اور میں ان کی اس عادت سے گھبرا جاتا تھا مگر ان کی جو وضعداری تھی اس میں کبھی بھی فرق نہ آتا تھا یہ بات ان کے گھر والوں کے سوا شاید کسی کو معلوم نہیں ہے کہ بیگم شائستہ اکرام اللہ کے شوہر نامدار مسٹر اکرام اللہ صاحب جو بڑے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں ان کا ایک کپڑے دھونے والا ملازم تھا جو اب تک ان کی کوٹھی کے احاطے میں ہی رہتا ہے اکرام اللہ صاحب دنیا کے کسی بھی ملک میں مقیم ہوتے ان کے کپڑے دھل کر کراچی سے جاتے تھے مولانا مرحوم سے خاص عقیدت بلکہ عشق کی حد تک تعلق رکھتا تھا اس کی خواہش اور اصرار پر مولانا نے اپنے کپڑے اس سے ہی دھلانے کا بندوبست کر رکھا تھا لیکن خود مولاناؒ اپنے لباس کی دیکھ بھال کا خاص خیال رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انتقال سے پیشتر بھی وہ اپنی ٹوپی دھونے کے لئے غسل خانہ میں یا بیسن پر گئے جبکہ میزبان نے بہت اصرار کیا کہ میں نوکر سے یہ کام کرا دوں گا مگر مولانا نے فرمایا کہ آپ کا نوکر وہ طریقہ نہیں جانتا جس طریقے سے میں ٹوپی دھوسکوں گا غرض مولانا مرحوم اپنے ذاتی اوصاف میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ ہمارے اسلاف و بزرگوں میں چند ہی علما ایسے ہوئے ہیں جن کا دستر خوان وسیع تھا ان میں مولانا مرحوم بھی شامل ہیں۔ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ چائے کا دستر خوان کراچی میں صرف اور صرف جامع مسجد جیکب لائن کے خطیب کے مکان پر ہر موسم اور حالات میں قائم رہا۔ ہمارے اکابرین میں سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کا دستر خوان چائے کے لیے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا دستر خوان کھانے کا مشہور تھا۔ حضرت تھانوی مرحوم کی ایک اور خوبی یہ تھی کہ وہ کسی صورت بھی حاکم وقت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اگر چہ ملتے وقت انتہائی انکساری و تواضع کا برتاؤ کرتے تھے لیکن دین پر اگر کوئی حرف آتا تو چٹان کی طرح سامنے آ جاتے تھے لوگ تو مولانا مرحوم کے بارے میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں کرتے ہی رہتے تھے لیکن مجھے اس خوبی کا اندازہ ہے کہ اگر کوئی نام کا عالم بھی اسلام کی خدمت کرنے لگے تو کراچی جیسی بستی میں جو مال و دولت کا خزینہ شمار ہوتی ہے مرحوم کے کس قدر مداح اور خدمت کرنے والے نہ ہوں گے درحقیقت ان کے عشاق نے انہیں اس قدر بے نیاز کر دیا تھا کہ لوگ طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے تھے جن میں کوئی حقیقت نہ ہوتی تھی۔ مولانا مرحوم کا ایک اور وصف یہ تھا کہ وہ اپنے دشمن سے بھی اس طرح ملتے تھے کہ وہ ان کے سامنے پانی پانی ہو جاتا تھا یہ ہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے سرکاری حکام اور ان کے مخالفین مولانا مرحوم کے سامنے پانی بھرتے تھے علمی لحاظ سے بھی مولانا تھانوی صاحب مرحوم باصلاحیت شمار ہوتے تھے ہمارے بزرگوں میں مختلف صلاحیتوں کے مالک لوگ گزرے ہیں کوئی علم فقہ میں بلند مقام رکھتا تھا تو کوئی

علم الحدیث میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا کہ کوئی خطابت میں یکتا تھا تو کوئی تفسیر قرآن میں اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا اس لئے جانچنے اور پرکھنے کا معیار جدا جدا ہوتا ہے اس معیار سے اگر جانچا جائے تو پھر یہ گرانے اور بڑھانے کا چکر ختم ہو جاتا ہے میں نے اپنی ۷۲ سالہ زندگی میں اس معیار کو ہی اپنائے رکھا اور خود کو ہر بزرگ کے ساتھ خادم کی حیثیت سے آگے نہیں بڑھنے دیا اور یہ ہی نعرہ لگایا کہ میرا شیوہ یہ ہے۔

لا نفرق بين احدمن رسله الايه الحمدللہ میں اب تک اس پر قائم ہوں۔ حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی علمی یادگار دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ اور ان شاءاللہ تصانیف میں آئندہ کسی زمانہ میں تفسیر القرآن بھی شائع ہو کر سامنے آجائے گی ان کے جمعہ کے خطبات اور پاکستان یا غیر ممالک میں تقاریر بھی ان کے علمی تبحر کا بہت بڑا ذخیرہ آخرت ثابت ہوگا۔ ان شاءاللہ۔

مولانا مرحوم کا خاندان صدیقی تھا جو کیرانہ ضلع مظفرنگر میں آباد تھا اور پاکستان خصوصاً کراچی میں بڑی تعداد ان کے عزیز واقرباء کی موجود ہے مولانا کے خاندان میں اکثر لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے ہیں روحانی مرتبہ پر ایک بلند شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نوراللہ مرقدہ کی ہے جو کہ آپ کے رشتہ میں ماموں تھے قرآن پڑھنے کا ڈھنگ مولانا مرحوم کا حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ جیسا تھا مولانا محترم کی ایک اور نمایاں یادگار جیکب لائن کی عظیم الشان مسجد ہے جس میں مولانا مرحوم نے شاہجہانی تعمیرات اور جدید تعمیرات کو شامل کر کے ایک خوبصورت امتزاج پیدا کیا ہے اس کے خوبصورت مینار وگنبد' محرابیں اور بغیر ستون کے طویل وعریض چھت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کا تعمیری ذوق بھی شاہانہ تھا' غرض ہمہ جہت خوبیاں حق تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بخشی تھیں۔ البتہ افسوس اس کا ہے کہ ہم نے مولانا کی قدر نہ کی آج ان کی خوبیاں یاد آتی ہیں تو ہم افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ایک بلند وبالا اور بہترین انسان اپنے ہاتھ سے کھو دیا جس نے ہم جیسے ناقدروں کے درمیان مرنا بھی پسند نہ کیا۔

انا لله وانا اليه راجعون۔

جہاں تک مولانا تھانوی مرحوم کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے اس کا بنیادی پتھر تو یہ ہے کہ انہوں نے ہر اس فرد یا جماعت کے ساتھ تعاون نہیں کیا جسے انہوں نے اپنی سیاسی بصیرت سے یہ سمجھا کہ ہم باہم ایک پلیٹ فارم پر بیٹھ کر کام نہیں کر سکتے اس طرح مولانا مرحوم نے ہر اس آدمی یا جماعت کا ساتھ نہیں دیا۔ جو مسلک دیوبند کے خلاف تھا اور اس معاملہ میں مولانا نے کبھی چشم پوشی یا مصلحت بینی اور مداھنت سے کام نہیں لیا۔ اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں سے دور ایوبی کے عائلی کمیشن کی رپورٹ میں مولانا کا اختلافی نوٹ' عیدین کے چاند پر حکومت سے مولانا مرحوم کا تصادم پھر نظر بندری جیسے معاملات ہیں۔

جن کے بارے میں مولانا مرحوم کے کٹر دشمن بھی سر تسلیم خم کر دیتے رہے۔

الختصر: مولانا تھانوی مرحوم پر قلم اٹھایا جائے تو بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے میں نے تو مولانا محمد اکبر شاہ بخاری صاحب کے حکم پر باوجود اپنی علالت کے قلم برداشتہ یہ چند مختصر باتیں قلم بند کر کے اپنی مولانا مرحوم سے دوستی کا حق ادا کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے مجھے امید ہے کہ میری اس تحریر سے بہت سے لوگوں کے لا حاصل شبہات بھی دور ہو جائیں گے اگر ایسا ہوا تو میری یہ تحریر رائیگاں نہ جائے گی اور میرے حق میں بھی لوگ نجات آخرت کی دعا فرمائیں گے۔ آمین۔

وباللہ التوفیق۔

علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہ:

مسافران آخرت

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ

سفر ہندوستان سے واپسی ہوئی تو لاہور اسٹیشن پر اترتے ہی یہ المناک اطلاع دل پر بجلی کی طرح گری کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولاناؒ کو اجلاس ''صدر سالہ میں شرکت کے لیے دیو بند تشریف لے جانا تھا لیکن این۔ او۔ سی کے ملنے میں دیر لگی اور آپ بروقت نہ پہنچ سکے۔ لیکن دیو بند ہی میں یہ اطلاع ملی تھی کہ مولاناؒ اجلاس ختم ہونے کے بعد ایک رات کے لیے دیو بند تشریف لائے تھے اور اگلے ہی دن دہلی روانہ ہو گئے۔ احقر دہلی پہنچا تو ایک روز عصر کے بعد احقر جامع مسجد دہلی کے مشرقی دروازے پر کھڑا تھا' وہاں سے سامنے دیکھا تو ایڈورڈ پارک کے کنارے مولاناؒ کسی صاحب سے محو گفتگو تھے۔ وہی خوش وضع لباس' وہی دل کش انداز و ادا' بالکل صحت مند' توانا اور چاق و چوبند! اس وقت احقر دوسرے رفقاء کے ساتھ تھا اور ایک اور جگہ جانا تھا۔ اس لیے نیچے اتر کر ملاقات کا موقع نہ تھا۔ خیال تھا کہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر ملاقات ہو جائے گی۔ لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ مولاناؒ کی آخری زیارت ہو گی۔ پھر ملاقات تو کجا اس پر شکوہ سراپا کی کوئی جھلک بھی نظر نہ آ سکے گی۔ مولانا دہلی سے مدراس تشریف لے گئے اور مدراس ہی میں اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہیں پر جمعہ کے دن وفات ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولاناؒ کی ذات پاکستان کی ایک تاریخ تھی۔ وہ ان علماء کرام میں سے تھے جو قیام پاکستان کی جدو جہد میں شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شریک رہے اور قیام پاکستان کے بعد جیکب لائنز میں ان کی مسجد اور ان کا مکان مسلسل دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔ ایک زمانے تک شیخ الاسلام حضرت شبیر احمد عثمانیؒ' حضرت والد صاحبؒ حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ' حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ' حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ اور دوسرے اکابر علماء کی مشاورت اکثر و بیشتر انہی کی قیام گاہ پر ہوتی رہی۔

مولانا نظریہ پاکستان اور دو قومی نظریے کے زبردست مناد تھے۔ وہ کٹر پاکستانی تھے اور اس معاملے میں انہوں نے کبھی کسی مداہنت یا مصالحت کو گوارا نہیں کیا۔ انہوں نے شرعی احکام کی تشریح کے سلسلے میں بھی ہمیشہ تصلب کا مظاہرہ فرمایا اور شریعت میں تحریف و ترمیم کی کسی کوشش و سازش کو قبول نہیں کیا۔ ۱۹۵۱ء میں اس علماء کا جوشہرۂ آفاق اجتماع ہوا اور جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفق ہو کر ملک کے بائیس دستوری نکات مرتب کئے۔ نیز ۵۳ء میں انہی علماء کو جس اجتماع نے جو دستوری ترمیمات مرتب کیں وہ ملک میں دینی جدو جہد کی تاریخ کا انتہائی اہم واقعہ تھا۔ ان دونوں اجتماعات کے داعی مولاناؒ تھے اور یہ زیادہ تر مولاناؒ ہی کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ عائلی قوانین پر غور کرنے کے لیے ابتداءً جو کمیشن قائم ہو رہے۔ اس میں مولاناؒ تنہا ایک عالم دین تھے جنھوں نے اس میں حق گوئی کا پورا حق ادا کیا' چنانچہ ان کا اختلاف نوٹ تاریخی حیثیت اختیار کر گیا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے عہد حکومت میں وہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے نظریات کے خلاف ڈٹ گئے اوا خبارات کے ذریعے عوام کو تحریف و ترمیم کے اس فتنے سے خبردار کیا۔ رویت ہلال کے مسئلے میں انہوں نے ہمیشہ شریعت کے مطابق جرأت مندانہ موقف اختیار کیا اس پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے موقع پر ملک میں سوشلزم کو روکنے اور عوام کو اس کی دینی حیثیت سے آگاہ کرنے کے لیے مولاناؒ نے جس جانفشانی کے ساتھ ملک کے دورے کئے' وہ مولانا کی ناقابل فراموش خدمت ہے۔

مولاناؒ ملک کے مایہ ناز خطیب تھے۔ وہ خطابت میں ایسے دل کش اسلوب بیان کے موجد تھے جو ان سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہو گیا۔ ان کی دل آویز خطابات نے سینکڑوں انسانوں کے دین سے قریب کیا اور شائد ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جہاں مولانا کی دل کش آواز نہ گونجی ہو۔ ریڈیو پاکستان سے ان کے درس قرآن کا سلسلہ انتہائی مقبول عام ہوا اور بعد میں روزنامہ جنگ کے ذریعے شائع ہو کر وہ محفوظ بھی ہو رہا تھا۔ افسوس ہے کہ مولانا کی وفات وہ نامکمل رہ گیا۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار مولاناؒ کی ایک اور قابل قدر یادگار ہے جس کا شمار ملک کی ممتاز ترین دینی درس گاہوں میں ہوتا تھا۔ خدا کرے کہ وہ پھر ایک بار اپنا سابقہ مقام حاصل کر سکے۔ آمین۔

مولاناؒ کی شخصیت بڑی باغ و بہار' شگفتہ اور دل کش تھی۔ ان کی مجلس میں اکتاہٹ کا گذر نہیں تھا۔ وہ بڑے حاضر جواب بذلہ سنج اور خوش کلام عالم تھے۔ سیاست میں مولانا کے انداز فکر و عمل سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے' لیکن مولاناؒ کی شخصیت جن خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ انہوں نے پاکستان میں جو دینی خدمات انجام دیں اور ملک کی سیاسی تاریخ پر جو اثرات مرتب کئے ان سے مولاناؒ کے سیاسی مخالفین کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ ان کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا' پوری ایک بساط تہہ ہو گئی اور سیاست کا ایک منفرد مکتب فکر بند ہو گیا۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے۔ انہیں جنت الفردوس میں مقامات عالیہ سے نوازے اور پسماندگان کو صبر و جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

خطیب اسلام حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ رحمۃ اللہ علیہ

ایک ممتاز عالم دین' ایک شریں بیان خطیب

حضرت مولانا امیر احمد صاحب للیانوی مدظلہ مہتمم مدرسہ مظہر العلوم شوندت میرٹھ
سابق مدرس خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۱۹۲۸ء کی بات ہے کہ یہ ناکارہ اپنے وطن میں حفظ قرآن سے فارغ ہو کر مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ میں ابتدائی فارسی' عربی تعلیم میں داخل ہوا' اسی دوران میں ایک ہم عمر طالب علم بنام احتشام الحق تھانوی بھی اسی درجہ میں داخل ہوا' تھانوی نسبت کی کشش' اور جاذبیت ہی ایسی ہے کہ اس طالب علم کی طرف مدرسہ کے ہر مدرس اور ہر طالب علم کو اپنی طرف کھینچنے لگی۔

مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ کا قدیمی مدرسہ ہے جس میں دورۂ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے اور قدیم سے بڑے بڑے صاحب فن' اور اہل کمال کا مرکز رہا ہے' خصوصاً اس کا ابتدائی عربی و فارسی درجہ اپنے معیار علم کے اعتبار سے بہت ہی ممتاز اور مشہور ہے۔ اس درجہ کے مشہور عالم حضرت مولانا اختر شاہ صاحب امروہیؒ اپنے وسیع و عمیق علم' اور اتباع سنت' اور طلبہ پر شفقت کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھے' مولانا بعض علوم میں نہ صرف انتہائی دستگاہ رکھتے تھے' بلکہ مجتہدانہ شان کے مالک تھے۔ مثلاً علم صرف ونحو' علم الفرائض یا علم المیراث' اور طریقہ تعلیم بھی ان علوم کا عام طرز تعلیم سے مختلف اور مجتہدانہ تھا۔ مولانا اردو فارسی' اور عربی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ بعض قصائد اور دیگر اصناف شاعری میں آپ کا کلام ایسا شاندار اور جاندار ہے کہ ماضی کے بڑے بڑے شعراء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ایسے جامع کمالات اور شفیق استاذ کے زیر تعلیم رہ کر اس ناکارہ اور احتشام الحق تھانوی نے تین سال پورے انہاک اور دلچسپی کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت الاستاذؒ نے ایک انجمن بنام ''انجمن اصلاح البیان'' قائم کر رہی تھی، جس سے طلبہ کو تقریر کی مشق اور عامۃ المسلمین کی اصلاح اور افادہ مقصود تھا' ہر جمعرات کی رات کو شہر کی مختلف مساجد' اور محلوں میں وہاں کے باشندوں کی دعوت پر خود بھی بنفس نفیس تشریف لے جاتے' اور طلبہ کی ایک جماعت بھی ہمراہ ہوتی' یہ راقم سطور اور احتشام الحق بھی اس انجمن کے رکن تھے' عمر و علم کی ابتدائی منزل میں ہوتے ہوئے اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تقریر کرتے تھے' ابتدائے جلسہ میں طلبہ تلاوت قرآن اور نعت خوانی بھی کرتے تھے' جس سے حاضرین جلسہ محظوظ ہوتے تھے' میاں احتشام الحق' نعت بڑی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے' بعض تو اس قدر سوز و گداز سے بھری ہوتی تھیں کہ سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی' ایک نعت کے دو شعر اب تک حافظ نے محفوظ کر رکھے ہیں' اور ان کے نغمہ و سرور کی کیفیت اب تک دل و دماغ میں بسی ہوئی ہے' قارئین بھی اس سے لطف اندوز ہوں' جو درج ذیل ہیں ۔

تمنا ہے کہ کانٹوں پر ترے صحرا کے جا لوٹوں
رگ مجنوں کو پھر سودا ہوا ہے نوک نشتر کا

یہ شعر تو غضب کا وجد آور ہے۔ ۔

برا ہوں یا بھلا ہوں' خیر جیسا ہوں تمہارا ہوں
طریقہ ہے کریمی کا نبھانا اپنے چاکر کا

میاں احتشام الحق جب اس شعر کو اپنے مخصوص انداز' آواز کی دلکشی' اور الفاظ کے نشیب و فراز اور لہجہ کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھتے تو سامعین جھوم کر اور سبحان اللہ' سبحان اللہ کی صدا سے مجمع گونج جاتا' اور حضرت الاستاذ مولانا اختر شاہ صاحبؒ جیسے کوہ وقار پر بھی رقت طاری ہو جاتی۔

میاں احتشام الحق فارسی' عربی کی ابتدائی کتابیں بڑے شوق' اور لگن کے ساتھ پڑھتے تھے' جس سے اس ہونہار طالب علم کے روشن مستقبل کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات'' کی مثال پوری طرح صادق آتی تھی۔ ۔

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارہ بلندی

تین سال مدرسہ امداد الاسلام صدر میرٹھ میں میاں احتشام الحق نے گذار کر اگلے سال مدرسہ عالیہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا' اور وہاں دو سال اساتذہ فن سے اکتساب علم کے کر کے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور جملہ علوم عربیہ سے فراغت حاصل کی' اور اب میاں احتشام الحق کے بجائے مولانا احتشام الحق تھانوی کہلانے کے مستحق ہوئے' بلکہ اپنی عملی قابلیت' صلاحیت کی بدولت مدظلہم' اور دامت برکاتہم کے دعائیہ کلمات سے سرفراز ہوئے' اور آہ! کہ اب رحمہ

اللہ علیہ کہتے ہوئے قلم لرزتا' اور کلیجہ کانپتا ہے ؎

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

مولانا احتشام الحق صاحب اصل باشندے قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے تھے' تھانہ بھون ان کی ننہالی اور پھر سسرالی ہوئی' ان کی والدہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کی ہمشیرہ تھیں' پھر ان کی شادی بھی اسی خاندان میں مولانا شبیر علی صاحب برادرِزادۂ حضرت حکیم الامت کی بھانجی' اور مولانا قاری شمس الحسن تھانوی صاحب کی ہمشیرہ سے ہوئی' ان مختلف النوع تعلقات' اور رشتہ داریوں کی بنا پر تھانوی کہلاتے تھے' مولانا کے والد مولانا ظہور الحق صاحب اچھے عالم تھے' اور شہر اٹاوہ یو۔پی کی کسی مسجد میں خطیب تھے' مولانا کے دو بڑے بھائی تھے' سب سے بڑے بھائی وائسرائے کے دفتر نئی دہلی میں ایک بڑی پوسٹ پر فائز تھے' اور دوسرے عزیز الحق صاحب فیض عام کالج میرٹھ میں پروفیسر تھے' اور میرٹھ محلّہ خیر نگر میں اقامت پذیر تھے' مولانا احتشام الحق ان ہی کی سرپرستی میں میرٹھ رہتے تھے اور اسی ذریعہ سے مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں داخلہ لیا تھا' اسی خیر نگر کے مکان کے ایک حصہ میں میرے بھائی منشی سلامت صاحب رہتے تھے' اور کچہری میں ملازم تھے' میری آمد و رفت اکثر ان کے یہاں رہتی تھی' اس وجہ سے مولانا احتشام الحق صاحب سے تعلقات میں مزید اضافہ ہوا۔

ایک روز میں نے ازراہ بے تکلفی ان سے کہا کہ آپ کے دوسرے بھائی تو انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اور دنیوی اعتبار سے کامیاب ہیں' آپ نے انگریزی تعلیم چھوڑ کر عربی تعلیم کیوں اختیار کی' تو آپ نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ والد صاحب کے دونوں بھائیوں کو انگریزی تعلیم دلانے کی وجہ سے حضرت مولانا تھانوی والد صاحب سے ناراض ہیں' اس کا اثر والد صاحب پر یہ ہوا کہ انہوں نے میرے لئے دینی تعلیم کو منتخب کیا' تاکہ حضرت مولانا کی ناراضگی کم ہو سکے۔

الغرض مولانا احتشام الحق دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر ملازمت کے متلاشی تھے' ان کے بڑے بھائی وائسرائے کے دفتر کی وجہ سے دہلی میں ملازم تھے' غالباً ان کے اسی تعلق سے دہلی پارلیمنٹ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہو گئے۔ مولانا احتشام الحق نوجوان' اور فطرۃً تیز مزاج واقع ہوئے تھے' شعر خوانی میں خوش الحانی موجود تھی ہی' تازہ علم' تقریر پر پوری طرح قادر ان سب اسباب نے مل کر مولانا کی مقبولیت بلکہ محبوبیت میں چار چاند لگا دیئے' پارلیمنٹ کی مسجد عوام کی مسجد نہیں ہے وہاں جو لوگ نماز پڑھتے ہیں اونچے طبقہ کے' اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں' وہاں معمولی عالم کا کام نہیں ہے کہ خطابت کر سکتے' اور مقبولیت حاصل کر سکے۔ ع

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

اس دوران میں احقر' مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں درجہ عربی میں مدرس تھا' مولانا گاہ گاہ اپنی سسرال کے تعلق سے تھانہ بھون آتے' اور ملاقات کرتے' ایک مرتبہ دہلی میں بھی ان کے مکان بارہ ہندو راؤ میں ملاقات

ہوئی' میں نے گفتگو سے اندازہ کیا کہ مولانا' اپنے بزرگوں کے علوم کو وہ اہمیت نہیں دیتے' جس کے وہ مستحق ہیں' بلکہ جن لوگوں کی تصانیف و مضامین ادبی چٹخارہ' اور ایک حد تک تجدد نواز ہیں وہ ان کی نظر میں وقیع ہیں' جیسے مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ' لیکن کچھ مدت کے بعد تھانہ بھون ہی کے قیام میں جب میری ملاقات ممدوح سے ہوئی تو محسوس ہوا کہ مولانا کے خیالات میں تبدیلی آ گئی' اور موصوف نے بڑی صفائی سے کہا کہ میں غلطی پر تھا' حقیقت یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے کلام میں جو گہرائی' اور معنویت ہے وہ ان ادیبوں' اور تجدد نوازوں کے کلام میں نہیں ہوتی' وہاں پرشوکت الفاظ کی بہتات اور پرجوش عبارت کی بھرمار ہوتی ہے' اور ہمارے بزرگوں کے کلام میں اگرچہ سادگی نمایاں ہوتی ہے' اور الفاظ شاندار نہیں ہوتے' مگر جاندار ہوتے ہیں' اور معنویت و حقیقت پسندی غالب ہوتی ہے میں نے پرزور تائید کی' اور کہا کہ حقیقت یہی ہے کہ جس کو آپ نے اب محسوس کیا ہے۔ الان جئت بالحق دہلی کے قیام میں آپ ریڈیو سے ترجمہ قرآن بھی کرتے تھے' جو نہایت عالمانہ انداز کا ہوتا تھا' اور قرآن کے حقائق و معارف بڑی خوبی سے بیان کرتے تھے۔

اسی دوران میں ۱۹۴۷ء آ گیا اور ملک ہندوستان و پاکستان کے نام سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا' عوام کے ساتھ سرکاری ملازمین بھی مسلمان پاکستان کو' اور غیر مسلم پاکستان سے ہندوستان کو منتقل ہو گئے' چنانچہ مولانا کے بھائی بھی یہاں سے پاکستان چلے گئے' اور اسی وجہ سے مولانا احتشام الحق بھی پاکستان منتقل ہو گئے اور وہاں مولانا کے جوہر خوب کھلے' وہ کبھی ریڈیو سے تقریر کرتے' اور ترجمہ قرآن بھی روزانہ کرتے جو حقائق و معارف کا سمندر ہوتا تھا' میں نے بھی ان کا ریڈیو سے ترجمہ قرآن سنا جو نرالے انداز کا ہوتا تھا' وہ پہلے الفاظ قرآن کے لغوی معنی بیان کرتے' پھر مجموعی عبارت کی تشریح کرتے' جو دلچسپ' اور پرمغز ہوتی تھی۔

پاکستان جانے کے بعد جو مولانا سے دیرینہ' اور پرخلوص تعلق تھا' ختم ہو گیا' کیونکہ میں نے پاکستان جانے کا کبھی تصور نہیں کیا۔[1] البتہ بعض دوست (جو پاکستان آمد و رفت رکھتے تھے) مولانا کی علمی و دینی خدمات' اور وہاں ان کی مقبولیت کا تذکرہ کرتے تھے' سن کر نہایت مسرت ہوتی تھی۔

---

[1] البتہ ۱۹۸۸ میں عزیز گرامی مولوی وکیل احمد شیروانی علی گڑھی سلمہ ناظم مجلس صیانۃ المسلمین (جو احقر کے تلمیذ ہیں) کی دعوت بلکہ اصرار پر' حکیم الامت کانفرنس کے موقعہ پر پاکستان جانا ہوا' اس کے بعد ۱۹۹۰ء میں مجلس صیانۃ المسلمین کے سالانہ اجلاس میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی' یہ اجتماع سالانہ بڑی خیر و برکات' و اکتساب علم و فضل کا حامل ہوتا ہے' ہند و پاک کے مقتدر اہل علم و بزرگان دین کا اتنا بڑا روح پرور اجتماع کم ہی دیکھا جاتا ہے' جو علم اور اہل علم سے وابستگی رکھنے والوں کے لئے علمی پیاس بجھانے' اور روح کی بالیدگی و تازگی کا سبب بن سکتا ہے۔ مولانا احتشام الحق سے ملاقات تو کیا ہوتی البتہ ان کے صاحبزادے مولانا قاری تنویر الحق صاحب کی تقریر سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جو الولد سر لابیہ کے مصداق مولانا مرحوم کے علمی کمالات اور تقریر و بیان کے جانشین' اور وارث کہلانے کے مستحق ہیں۔ اللھم زد فزد۔

اسی اثنا میں دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس آ گیا' جو مارچ ۱۹۸۰' مطابق ۱۴۰۰ھ میں منعقد ہوا تھا' اس اجلاس میں لاکھوں کا مجمع تھا' ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے عوام وخواص لاکھوں کی تعداد کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ کے اہل علم' اور سربراہان حکومت' اور نمائندے شریک ہوئے بالخصوص پاکستان سے ایک بڑی جماعت اہل علم کی شریک اجلاس ہوئی' لیکن مولانا احتشام الحق کسی عارض کی وجہ سے اجلاس کے موقعہ پر نہیں پہنچ سکے' بلکہ اجلاس کے اختتام پر دارالعلوم پہنچے' یہاں سے فارغ ہوکر وہ مدراس کے لئے روانہ ہوگئے' کیونکہ مسلمانان مدراس مولانا کی تقریر کے حد درجہ شائق اور عاشق تھے اور ہر سال مولانا کو دعوت دیتے تھے' اور مولانا ان کی دعوت کو قبول کر کے مدراس جاتے تھے۔

آہ! کیا خبر تھی کہ مدراس کا یہ سفر' سفر آخرت کا پیش خیمہ ہوگا' الغرض مدراس پہنچ کر مولانا مرض میں مبتلا ہو گئے' اور یہی مرض ان کے لئے مرض الوفات ثابت ہوا' اور ارشاد خداوندو بای ارض تموت کا ظہور' ہوکر رہا اور یہ بلبل ہزار داستان چہکتا ہوا اپنے مولائے کریم کے حضور' میں حاضر ہوگیا۔انا لله وانا الیه راجعون سچ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے ؎

زندگی انسان کی ہے مانند مرغ خوشنوا
شاخ پر بیٹھا کوئی دم چہچہایا اڑ گیا

مولائے غفور ورحیم کی بارگاہ میں بعد نیاز دعا ہے کہ مولانا احتشام الحق کو اپنی بے پایاں رحمت ومغفرت سے نوازے' اوران کی علمی ودینی خدمات کے صلہ میں اعلیٰ مقامات ودرجات عطا فرمائے۔آمین۔

مولانا احتشام الحقؒ کے متعلق عجلت میں یہ چند سطریں سپرد قلم کر دی گئی ہیں' جن سے ان کی ناسوتی زندگی' اور علمی کمالات کا صرف اشارہ ہی ہو سکا ہے' ورنہ ان کے تفصیلی حالات وکمالات اور دینی خدمات بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔جس کی مجھ مشغول ومصروف آدمی کو نہ فرصت ہے نہ اپنی علمی بے مائیگی' اور کوتاہ قلمی کی بنا پر اہلیت وصلاحیت ہے' اس کے لئے کسی دوسرے' وقت' اور بہتر اہل علم' واہل قلم کی ضرورت ہے۔ولعل الله یحدث بعد ذالك امرا۔

ازمولانا محمد شریف جالندھری مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان:

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی تعلقات

خدائے بزرگ و برتر نے دار القرار عالم آخرت کو بنایا ہے۔ اس دار فانی میں کچھ وقت کے لئے آنا عالم آخرت کے دوگروہوں میں سے کسی ایک کا ساتھی بننے کے لئے ہیں چونکہ اصل دار البقاء ہی جہان ہے اس لئے اس عالم میں آنے والا ہر انسان خواہ وہ اپنے خداداد مرتبہ کی بناء پر کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو بالآخر اپنے اصل گھر کی طرف لوٹنے والا ہے۔ زہے نصیب وہ افراد جنہوں نے دنیا کی اس بے ثباتی و ناپائیداری کو جانا اور کن فی الدنیا غریباً اور عابر سبیل کی عملی تصویر بن کر زندگی گذار گئے۔ دنیا یک خیرہ کن چکا چوند اور جھوٹی چمک دمک انہیں اپنے آپ پر فریضۃ کرنے میں ناکام رہی اور وہ دنیا سے زبان کی طرح ۳۲ دانتوں کے درمیان ہونے کے باوجود صحیح سالم اور محفوظ رہے۔ دور حاضر میں انہی قسم کے یکتائے زمانہ افراد میں مولانا خیر محمد جالندھریؒ (والد محترم) مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا ظفر احمد عثمانی، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا شمار ہوتا تھا۔ اب حال ہی میں مولانا تھانوی مرحوم کے سانحہ وفات نے ایک دفعہ پھر ان بزرگوں کی جدائی کے غم کو تازہ کر دیا ہے۔

آہ! کبھی وہ وقت ہوتا تھا کہ مدرسہ خیر المدارس کے سٹیج پر ایسی عظیم ہستیوں کا اجتماع ہوتا تھا جن میں ہر ایک اپنی نظیر آپ تھا۔ ان بزرگوں میں مختلف ہستیاں موجود ہوتی تھیں اور ایک ہی سٹیج پر امیر شریعت عطا اللہ شاہ بخاریؒ جیسا سیاسی خطیب پانچ پانچ گھنٹے تقریر کرتا اور اسی جگہ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ جیسی علمی شخصیت کا خطاب ہوتا۔ اگر ایک طرف اس سٹیج پر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ اسرارہم نظر آ رہے ہیں تو دوسری جانب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز ہوتے ہیں۔ خیر المدارس کا سٹیج مسلک دیوبند سے وابستہ ہر شخص کا سٹیج تھا۔ حال ہی میں خیر المدارس میں مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا احتشام الحق تھانویؒ مولانا عبداللہ درخواستی مدظلہ، مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ اور مولانا مفتی محمود مدظلہ وغیرہم حضرات اکابر اکھٹے نظر آتے تھے۔ مولانا تھانویؒ کی شخصیت

اپنے ظاہری و باطنی اوصاف و کمالات اپنے معنوی وصوری محاسن و فضائل کے لحاظ سے واقعی اور صحیح معنوں میں ایک عظیم شخصیت تھی جس کی تاریخ میں بہت کم مثال ملتی ہے۔ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت کے تحت مولاناؒ کی ذات گرامی کے اندر بہت سے فضائل ومحاسن یکجا جمع فرما دیئے تھے جو شاذ و نادر کسی شخصیت میں جمع ہوتے ہیں۔ ان کا حسن صورت' حسن سیرت' حسن خطابت اواخلاق وعادات' حق گوئی و بے باکی' عزم واستقلال اور دوسرے اوصاف وکمالات اپنی نظیر آپ تھے۔ حق وصداقت اور اتباع سنت کا پیکر تھے۔

حضرت مولانا تھانوی مرحوم حضرت والد صاحبؒ سے خزینہ طریقت کے خوشہ چیں ہونے میں بھی ساتھی تھے۔ مولانا تھانوی مرحوم کا تعلق اگرچہ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ نیازمندانہ اور عقیدت مندانہ تھا اور مولانا مرحوم حضرت والد محترم کو اپنا بزرگ اور شفق ومربی سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''میں مولانا خیر محمد صاحبؒ کے ادنیٰ سے اشارے کو حکم کے برابر سمجھتا ہوں۔'' لیکن احترام واکرام کے لحاظ سے حضرت والد صاحبؒ مولانا تھانویؒ کا دیگر اکابر علماء کی طرح خیال فرماتے تھے۔ خیر المدارس اور دیگر اجتماعات پر دعوت دیتے وقت کبھی کبھی حضرت والد صاحبؒ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ ''دولہا نہ ہو تو بارات کیسے سجے گی؟'' حضرت والد صاحبؒ کی ان الفاظ میں قطعاً مبالغہ آرائی نہ تھی' واقعی مولانا تھانوی مرحوم علماء اکابر کی جماعت میں دولہا کی طرح ممتاز ومنفرد دکھائی دیتے تھے۔

ایک دفعہ خیر المدارس کے جلسہ کے موقع پر میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا' حضرت والد صاحبؒ نے نماز جنازہ کے لیے حضرت تھانویؒ کو ارشاد فرمایا جبکہ دیگر اکابرین کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی موجود تھے' مولانا تھانویؒ نے حضرت سید صاحبؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں۔ اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا اگرچہ سید صاحب بڑے ہیں لیکن آپ کو ہمارے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے نسبت ہے اس نسبت کی بناء پر میں نے آپ کو کہا ہے۔ حضرت والد مرحوم کا اشارہ مولانا تھانوی مرحوم کے حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کے ساتھ روحانی ونسبتی تعلق کی طرف تھا کیونکہ حضرت والد صاحب اس نسبت کا بے حد احترام فرماتے تھے۔

خیر المدارس کے سٹیج پر تقریر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا تھانویؒ کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جن کی تقریر پر حضرت والد صاحبؒ خود سٹیج پر تشرف فرما ہوکر سماعت فرماتے تھے۔ خیر المدارس کے جلسہ کے اشتہارات میں القابات لکھنے میں انتہائی جزم واحتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ ہر شخصیت کے بارے میں حقیقی الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ خطیب پاکستان کا لقب مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے لئے ہی مخصوص فرمایا تھا۔ اس سے مولانا مرحوم کی خطابت کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔

مولانا تھانویؒ سے حضرت والد صاحبؒ کو ایک خاص محبت تھی۔ مولانا تھانویؒ جب بھی ان کی زندگی میں ملتان یا مضافات میں تشریف لاتے تو مولانا مرحوم کا قیام خیر المدارس ہی ہوتا اور حضرت والد صاحبؒ بھی ان کے ہمراہ تشریف

لے جاتے اور ان کی تقریر کو بڑے ذوق وشوق سے سنتے۔ جب حضرت والد صاحبؒ کا انتقال ہوا تو مولانا تھانویؒ بھی کراچی سے تشریف لائے اور نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔ حضرت والد صاحبؒ کی جدائی سے مولانا مرحوم پر اس قدر اثر تھا کہ بیان سے باہر ہے اور فرماتے تھے مولانا خیر محمد صاحبؒ اس زمانہ کے علماء کی یادگار تھے جن کی وفات کے بعد علماء اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتے ہیں۔''

مولانا تھانویؒ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے صدر تھے' ان کے قیمتی مشوروں سے مدرسہ آج محروم ہو گیا' ان کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ خیر المدارس کے تمام اساتذہ طلبہ اور کارکنان اس عظیم صدمہ سے نڈھال ہیں۔ مولاناؒ کی یاد میں تعزیتی جلسہ بھی خیر المدارس کی جامع مسجد میں منعقد کیا گیا اور ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی اور دعاء مغفرت کی گئی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں اپنے مقبول بندوں کے ساتھ جگہ عطا فرمائے اور ہم خدام کو بھی ان کی طرح دین پر استقامت اور اس کی خدمت کے لئے قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

مولانا تھانوی مرحوم کی وسعت نظری و بلند فکری

آخر میں بروایت برادر محترم فاضل حبیب اللہ رشیدی صاحب مدیر جامعہ رشیدیہ ساہیوال' مولانا تھانویؒ کا واقعہ آپ وسعت قلبی کا ثبوت ہے:

مولانا کی وفات اور دارالعلوم دیوبند جانے سے چند ایام پہلے فاضل جالندھری اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ خیرپور سندھ میں سیرۃ کانفرنس میں جمع ہوئے۔ فاضل رشیدی صاحب نے مولاناؒ سے بعض مسائل میں تبادلہ خیالات کیا مولانا مرحوم خوب دلائل سے جوابات دیتے رہے کہ بالآخر فاضل موصوف نے دعوت اتحاد و برائے تحفظ مسلک حقہ دیتے ہوئے جو بات چیت کی تو مولانا نے فرمایا:

> ''فاضل صاحب!''الحکمة ضالة المؤمن'' اور جیسا کہ حضور علیہ السلام نے حلف الفضول پر فرمایا تھا کہ میں آج بھی اس معاہدہ امن واتحاد وسلامتی کے لئے تیار ہوں' اور کما قال علیہ السلام۔ مولانا! میں بھی جماعتی اتحاد و مسلکی تحفظ کے لیے جہاں بھی آپ دعوت دیں گے بسروچشم حاضر ہونے کو تیار ہوں۔''

پھر اس کے بعد جیسا کہ کراچی میں ایک بزرگ سے بات چیت پر معاملہ درست ہو گیا تھا اور طے پایا گیا تھا۔

آہ! حضرت تھانویؒ اللہ کو پیارے ہو گئے اور واصل بحق ہو گئے۔ ورنہ حضرت تھانویؒ خانپور کے اجتماع میں ضرور تشریف لاتے۔

ع   رہیں دل کی دل میں حسرتیں کہ نشان قضا نے مٹا دیئے

فرحمه الله رحمة واسعة۔

محمد شاہد تھانوی مرحوم:

خطیب الامت مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم مثالی خطیب

اور

فقید المثال عالم تھے

''جریدہ الاشرف کے مدیر مولانا محمد شاہد تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مضامین وقتاً فوقتاً قارئین کے دلوں میں ان کی یادوں کا چراغ روشن کرنے کے لئے شائع کئے جاتے ہیں زیر نظر مضمون بھی اسی مقصد کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ قارئین سے مولانا کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔'' (م۔ا۔ش)

سرزمین پاکستان میں علماء بے شمار گذرے ہیں اور آج بھی موجود ہیں گذشتہ چند برسوں میں اللہ کے دین کے سپاہی ایسے جہاں سے چلے گئے ہیں جیسے سب نے یہ ایکا کرلیا ہو کہ ہم سب آگے پیچھے اللہ کے دربار میں پہنچ جائیں گے انہی نابغہ روزگار ہستیوں میں اللہ کے دین کے خادم اور حق پرست وحق گو شخصیت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی ہے جن کا نام سنتے ہی آنکھوں میں ایک وجیہہ پرنور خوبصورت خوب سیرت خوش پوشاک شیریں بیان خوش الحان قاری' کا ہنستا مسکراتا چہرہَ گھوم جاتا ہے۔ پاک و ہند میں خصوصاً عالم اسلام میں عموماً مولانا کی مقبولیت سے مولانا کا نام محتاج تعارف نہیں اس لئے کہ مولانا کا نام لوگوں کے دلوں پر نقش ہے حضرت والا کی باغ و بہار شخصیت ایسی خوبیوں کی مالک تھی کہ چراغ لے کر ڈھونڈیں تو شاید نہ مل سکے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا کے انتقال سے خصوصاً خطابت میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے شاید کوئی پورا نہ کرسکے مولانا مرحوم کی ذات

دنیائے علم پر چھائی ہوئی تھی مولانا بذات خود اپنے انجمن سے کم نہ تھے۔ اللہ رب العزت نے مولانا کو ہر خوبی سے نوازا تھا ایک مرتبہ جو ان سے مل لیتا وہ انہی کا گرویدہ ہو جاتا اللہ نے انداز بیان اور حسن خطابت بھی مثالی عطا کیا تھا۔

مولانا مرحوم کی خطابت کا یہ کمال تھا کہ وہ مشکل سے مشکل موضوع اور دقیق ترین مضمون کو بہت ہی عام فہم اور آسان انداز میں پیش فرماتے حتی کہ مجمع میں کم پڑھے لکھے افراد بھی ان کی تقریر کو سمجھتے اور محظوظ ہوتے اشعار سنانا اور پھر اس کی تشریح شاید مولانا کے سوا کوئی اور خطیب نہ کر سکے ان کی تقریر کا خاصہ تھا قرآن حکیم کی آیات اور اردو عربی فارسی کے اشعار جو بھی سنتا تھا وہ جھومتا تھا۔ مولانا کو اللہ نے دینی بصیرت اس قدر وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی کہ مشکل سے مشکل گھتی صرف چند جملوں میں حل فرماتے تھے جب ریڈیو پاکستان سے مولانا کا درس قرآن نشر ہوا کرتا تھا تو دنیا میں جہاں اردو بولنے والے تھے وہ ہمہ تن گوش رہتے اور اس دن کا انتظار شدت سے کرتے ویسے تو مولانا ہر موضوع کے ماہر تھے لیکن سیرت طیبہ ﷺ ان کا خاص موضوع تھا اور سیرت کے جلسوں کی رونق جب ہی دوبالا ہوتی جب مولانا تشریف لاتے اور اپنے مسحور کن مخصوص انداز میں خطبہ شروع فرماتے تو پوری محفل پر سکوت چھا جاتا۔ مولانا کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بیرون ممالک بھی تبلیغی دورے فرماتے لوگ سراپاء منتظر رہتے مجھے اکثر افریقی اور ہندی مسلمانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا وہ حقیقتاً مولانا کے عاشق ہیں آج تک مولانا مرحوم کو ایسے یاد کرتے ہیں جیسے ان کا کوئی قریبی عزیز جدا ہو گیا ہو۔ موضوع کی مناسبت سے قرآنی آیات کا انتخاب اور اشعار کا انتخاب صرف مولانا ہی کا خاصہ تھا جو ہمیں اکثر خطباء کے یہاں مفقود نظر آتا ہے۔ مولانا مرحوم کو عربی فارسی اردو کے بے شمار اشعار یاد تھے علامہ اقبال اور اکبر الہ آبادی کے کلام کے تو وہ حافظ تھے۔

مولانا مرحوم کی تقریر کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ کتنا ہی اہم مسئلہ ہو لیکن وہ کبھی جذباتی انداز میں چلا چلا کر اپنی علمیت کا رعب نہ جھاڑتے بلکہ انتہائی متانت و سنجیدگی سے نرم اور شیریں لہجہ میں وہ تمام باتیں بیان فرماتے جو دیگر مقررین چیخ چیخ کر گلا پھاڑ کر لوگوں کو بتلاتے ہیں۔

دینی معاملات میں مولانا نے کبھی مداہنت سے کام نہ لیا جو بھی بات حق سمجھی برملا اظہار فرمایا خواہ اس سے کسی کی ناراضگی مول لینی پڑی لیکن حق گوئی مولانا کی گھٹی میں شامل تھی۔ مولانا مرحوم کے ذاتی مراسم و دوستانہ تعلقات بڑے بڑے حضرات سے رہے حتی کہ حکام بالا تک لیکن کبھی دینی حمیت اور خاندانی وقار پر حرف نہ آنے دیا قیام پاکستان سے انتقال تک کے بے شمار اخبارات اور سرکاری ریکارڈ گواہ ہیں کہ اس مرد قلندر نے ارباب اقتدار کو آڑھے ہاتھوں لیا اور کبھی بھی مصلحت پسندی سے کام نہیں لیا جس بات کو غلط سمجھا برملا اظہار کیا اپنے دینی معاملات میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی حق کا ساتھ دینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ اتنے تعلقات و مراسم کے باوجود ذاتی منفعت کو حرام سمجھا اس کے لئے حضرت والا نے ایک بیان دیا جو روزنامہ جنگ مورخہ ۱۱-۴-۸۰ کو کسی صاحب نے شائع کروایا ہے اسے ملاحظہ

فرمائیں۔ ''اگر تیس سال میں لگائے ہوئے الزامات میں سے کوئی ایک الزام بھی ثابت ہو جائے یا یہ ثابت ہو جائے کہ کسی دور حکومت میں کسی قسم کی کوئی منفعت حاصل کی گئی یا کوئی فیکٹری و مل حاصل کی تو اس کی پاداش میں اپنی موت کے محضر نامہ پر دستخط کرنے کو تیار ہوں کہ ثبوت کی صورت میں مجھے عام مسلمانوں کے سامنے بندر روڈ پر پھانسی دے دی جائے۔''

کسی مخالف یا معاند کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ مولانا مرحوم کے اس واضح بیان کو چیلنج کر سکے۔ پھر کون یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا ملوں اور فیکٹریوں کے مالک تھے اگر یہ حقیقت ہوتی تو مولانا مرحوم کی اولاد کبھی بھی ایسے مختصر فلیٹوں و مکانات میں زندگی نہ گذارتے جہاں بڑے لوگ جاتے ہوئے شرماتے ہوں اور خود مولانا جیسی بین الاقوامی شخصیت تمام عمر مسجد کے مکان میں کیوں قیام پذیر رہتی اچھی رہائش بہتر آسائش و آرام کسے برا لگتا ہے۔ مخالفین و معاندین بے چارے الزام واتہام کی بارش کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے لیکن ثبوت مہیا کرنے سے قاصر رہے جہاں تک الزام تراشی اور بہتان طرازی کا تعلق ہے ہر انسان کو اختیار ہے جس کو چاہے جو کچھ کہے اور اعلان کرتا پھرے لیکن حقیقت پسندی اس میں ہے کہ اس الزام کو پایہ ثبوت تک پہنچائے اور اپنی بات کو حق ثابت کرے اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر اس بات کے لئے تیار رہے کہ لوگ اسے کذاب دوغ گو اور جھوٹا کہنے سے نہیں رکیں گے۔ بہر حال اب تو مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں اللہ کی عدالت میں معاملہ پیش ہوگا اور وہاں لوگوں سے صحیح حساب کتاب لیا جائے گا۔

(اللہ تعالیٰ ہمیں اس قبیح فعل سے محفوظ فرمائے۔ آمین)

مولانا مرحوم کا مختصر ترین سوانحی خاکہ درج ذیل ہے۔

☆ ۱- پیدائش ۱۹۱۵ء۔
☆ ۲- مقام پیدائش کیرانہ ضلع مظفرنگر۔
☆ ۳- اسم گرامی احتشام الحق۔
☆ ۴- تخلص شاکر۔
☆ ۵- ولدیت مولانا ظہور الحق صدیقی (بہنوئی حکیم الامت حضرت تھانوی)
☆ ۶- نسب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔
☆ ۷- وطن کیرانہ تھانہ بھون۔
☆ ۸- حفظ قرآن حکیم۔
☆ ۹- فارسی تعلیم، مدرسہ عربیہ میرٹھ۔
☆ ۱۰- ابتدائی عربی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔
☆ ۱۱- درس نظامی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم دیوبند۔

☆ ۱۲- دستار بندی دارالعلوم دیوبند ۱۹۳۷ء۔

☆ ۱۳- مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی ۱۹۳۹ء۔

☆ ۱۴- خطابت کی ابتداء جامع مسجد سینٹرل سیکٹریٹ نئی دہلی۔

☆ ۱۵- نکاح ۱۹۴۰ء (حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے پڑھایا)

☆ ۱۶- مجلس دعوۃ الحق (خالص تبلیغی مشن) کا قیام۔

☆ ۱۷- ہجرت پاکستان ۷ اگست ۱۹۴۷ء۔

☆ ۱۸- ۳۳ برس (پاکستان میں دینی خدمات جلیلہ)

☆ ۱۹- تاریخ وصال ۱۱-۴-۸۰۔

☆ ۲۰- آخری آرام گاہ متصل جامع مسجد جیکب لائنز کراچی۔

تحریر: محمد اکبر شاہ بخاری جام پور:

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اکابر ومعاصرین کی نظر میں

خطیب پاکستان، مفسر قرآن حضرت مولانا احتشام الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء حق کے اس قافلے کے نمایاں افراد میں سے ایک تھے جنہوں نے مسلم لیگ کے پرچم تلے قیام پاکستان کی تحریک میں بھرپور جدوجہد کی۔ آپ اپنے دور کے ممتاز عالم دین، عظیم الشان مفسر اور شہرۂ آفاق خطیب۔ ان کا وجود مسعود ملت اسلامیہ کے لئے ایک سرمائے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کی ساری زندگی اسلامی خدمات میں گزری، دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کا قیام، جامع مسجد جیکب لائن کراچی کی بنیاد، قرآن حکیم کی تفسیر اور اسلامی دستور کا بائیس نکاتی خاکہ آپ کی زندگی کے عظیم کارنامے ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری دینی، تبلیغی اور سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ حق وصداقت، خلوص وللّٰہیت اور اتباع سنت کا پیکر تھے اور اخلاق وعادات میں اپنے اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ ذیل میں چند اکابر اور معاصر علماء کرام کے مختصر تاثرات درج کئے جاتے ہیں جن سے آپ کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ:

مولانا تھانوی مرحوم حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے معتمد ترین تلمیذ اور تحریک پاکستان میں خاص دست راست تھے، قیام پاکستان کے بعد اسلامی دستور کی ترتیب وتشکیل میں حضرت علامہ عثمانیؒ کے معاون اور مشیر رہے۔ دارالعلوم الاسلامیہ کے قیام اور جمعیت علماء اسلام کی نظامت وقیادت کے لئے حضرت علامہ عثمانیؒ نے مولانا تھانویؒ ہی کو منتخب کیا اور سیاسی وملی معاملات میں آپ ہی کو اپنا نائب مقرر کیا، ایک دفعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سن کر حضرت علامہ عثمانی قدس سرہ نے فرمایا کہ:

''اب مجھے مرنے کا کوئی فکر نہیں ہے میرے بعد میرا جانشین پیدا ہو گیا ہے۔''[1]

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ:

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دوسرے بزرگ مفتی اعظمؒ پاکستان ہیں' جنہیں مولانا مرحوم کی ذات پر مکمل اعتماد تھا۔ مولانا تھانویؒ ہمیشہ حضرت مفتی اعظمؒ کے مشوروں کے پابند رہے اور ان کے شانہ بہ شانہ دینی' علمی اور ملی خدمات انجام دیتے رہے۔ حضرت مفتی اعظمؒ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ ان کے سانحہ ارتحال پر مولانا تھانوی مرحوم پھوٹ پھوٹ کر روئے تھے اور اپنے تعزیتی خطاب میں حضرت مفتی اعظم کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ''حضرت مفتی اعظمؒ کی وفات سے تمام علماء کرام یتیم ہو گئے ہیں۔'' حضرت مفتی اعظمؒ بھی آپ سے بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے اور آپ کی علمی قابلیت اور سیاسی بصیرت پر اعتماد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مدرسہ اشرفیہ سکھر کے جلسہ کے موقع پر حضرت مفتی اعظمؒ نے فرمایا کہ:

''مولانا احتشام الحق صاحب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری تقریر کی ضرورت نہیں رہتی۔''

جب منتظمین جلسہ نے حضرت مفتی اعظمؒ سے بھی خطاب کے لئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا:

''خواہ مخواہ مولانا تھانوی کی تقریر کے بعد کیوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانا چاہتے ہو۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ:

مولانا تھانویؒ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی عزیز اور طریقت میں خلیفہؒ ارشد ہیں۔ اسلامی نظام کی جدوجہد میں مولانا تھانویؒ حضرت عثمانیؒ کے دست راست رہے اور مولانا عثمانیؒ کو ڈھاکہ سے دارالعلوم ٹنڈوالہ یار کے لئے بطور شیخ الحدیث بلا کر لائے۔ مولانا عثمانی کو آپ کی علمی اور سیاسی بصیرت پر مکمل اعتماد تھا۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولانا احتشام الحق صاحب پر ہمیں فخر ہے اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے۔''

ایک مرتبہ فرمایا کہ:

''مولانا احتشام الحق ایک مجاہد اور حق گو عالم دین ہیں' بے نظیر خطیب اور مایہ ناز محقق ہیں۔''[2]

فرماتے تھے کہ:

''مولانا احتشام الحق پر ان کے بزرگوں کو بھی ناز ہے اور ہر طرح سے ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''[3]

مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ:

آپ مولانا تھانویؒ کے مہربان بزرگوں میں سے تھے اور مولانا تھانویؒ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ

---

[1] بحوالہ ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر۔ [2] مکتوب گرامی۔ [3] ماہنامہ دور جدید کراچی۔

آخر وقت میں بھی مولانا تھانویؒ سے کئی کئی گھنٹے تنہائی میں ملاقات کرتے رہے اور بار بار مولانا تھانویؒ کو یاد فرماتے تھے۔ دینی وعلمی مسائل میں مولانا تھانویؒ سے مشورہ لیتے رہے اور فرماتے تھے کہ:

''مولانا احتشام الحق صاحب ایک قابل فخر شخصیت ہیں اللہ تعالیٰ ان سے دین کی خدمت لے رہا ہے۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے۔''

ایک مرتبہ ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

''مولانا احتشام الحق ہمارے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے عزیز ترین بھانجے ہیں اور اس وقت وہ ہم سب کے محبوب ہیں۔ ہمیں ان پر پورا پورا اعتماد ہے۔''[1]

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ:

مولانا تھانویؒ آپ کے محب ومحبوب تھے اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کا بے حد احترام واکرام فرماتے تھے اس سلسلہ میں مولانا محمد شریف صاحب جالندھری مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا تھانوی مرحوم حضرت والد صاحب (مولانا خیر محمد جالندھریؒ) سے خزینۂ طریقت کے خوشہ چیں ہونے میں بھی ساتھی تھے۔ مولانا تھانوی کا تعلق اگرچہ حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ نیاز مندانہ اور عقیدت مندانہ تھا مگر حضرت والد صاحبؒ مولانا تھانویؒ کا دیگر اکابر علماء کی طرح بے حد خیال فرماتے تھے' خیر المدارس اور دیگر اجتماعات پر دعوت دیتے وقت حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے' دولہا نہ ہو تو بارات کیسے سجے گی۔'' حضرت والد صاحبؒ کے ان الفاظ میں قطعاً مبالغہ آرائی نہ تھی بلکہ واقعی مولانا تھانویؒ مرحوم علماء کی جماعت میں دولہا کی طرح ممتاز ومنفرد دکھائی دیتے تھے۔ ایک دفعہ خیر المدارس کے جلسہ کے موقع پر میری والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا' حضرت والد صاحبؒ نے نماز جنازہ کے لئے مولانا تھانویؒ مرحوم کو ارشاد فرمایا جبکہ دیگر اکابرین کے علاوہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی موجود تھے۔ مولانا تھانویؒ نے حضرت سید صاحبؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ نماز جنازہ پڑھائیں اس پر حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا ''اگرچہ سید صاحبؒ بڑے ہیں لیکن آپ کو ہمارے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے نسبت ہے اسی نسبت کی بنا پر میں نے آپ سے کہا ہے۔'' کیونکہ والد صاحب! اس نسبت کا بھی بے حد احترام فرماتے تھے۔ خیر المدارس کے اسٹیج پر تقریر ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا تھانوی کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جن کی تقریر حضرت والد صاحبؒ خود اسٹیج پر تشریف فرما ہو کر سماعت فرماتے تھے۔ خیر المدارس کے جلسہ کے اشتہارات میں القابات لکھنے میں

---

[1] مکتوب گرامی۔

انتہائی جزم و احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ حضرت والد صاحبؒ ہر شخصیت کے بارے میں حقیقی الفاظ استعمال فرماتے تھے' خطیب پاکستان کا لقب مولانا تھانویؒ کے لئے مخصوص تھا اور ہمیشہ خطیب پاکستان کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ غرض مولانا تھانویؒ سے حضرت والد صاحبؒ کو ایک خاص محبت تھی مولانا تھانویؒ جب بھی حضرت والد صاحبؒ کی زندگی میں ملتان یا مضافات میں تشریف لاتے تو قیام خیر المدارس ہی ہوتا اور حضرت والد صاحبؒ بھی ان کے ہمراہ جلسوں میں تشریف لے جاتے اور ان کی تقریر بڑے ذوق وشوق سے سنتے تھے۔'' [1]

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ:

مولانا تھانویؒ کے خاص معاصرین میں سے تھے اور دونوں حضرات کے آپس میں بڑے گہرے روابط اور تعلقات تھے۔ مولانا کاندھلویؒ جب بھی کراچی تشریف لاتے مولانا تھانویؒ کے ہاں قیام فرماتے اور گھنٹوں علمی و روحانی مجلسیں ہوتی رہتیں اور دینی وملی مسائل پر مفصل گفتگو ہوتی رہتی۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی سیاسی اور علمی بصیرت پر مکمل اعتماد فرماتے اور مولانا تھانوی مرحوم سے مل کر بے حد خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا تھانویؒ کے سیاسی نقطہ نظر پر ایک شخص نے تنقید کرتے ہوئے مولانا مرحوم سے اختلاف کیا اور آپ سے شکایت کی تو آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ:

''تمہیں سوچنا چاہئے۔ تمہیں اس شخص سے اختلاف ہے جو صحیح دین کی خدمت اور ملک وملت کی خدمت میں مصروف ہے اور جسے کسی طمع ولالچ نے کسی کے سامنے نہیں جھکنے دیا۔''

ایک بار دوران گفتگو فرمایا کہ:

''مولانا احتشام الحق صاحب اپنے انداز خطابت اور علم وعمل میں اپنی نظیر آپ ہیں۔'' [2]

محدث العصر علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ:

اپنے دور کے عظیم محدث' محقق اور عارف کامل گزرے ہیں۔ آپؒ مولانا تھانویؒ کے معاصرین میں شمار ہوتے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کے قابل فخر فرزند تھے۔ حضرت علامہ بنوریؒ کی وفات پر مولانا تھانوی مرحوم نے اپنی تعزیتی کلمات میں فرمایا تھا کہ:

''مولانا بنوریؒ کی اچانک موت علمی دنیا کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے اور عظیم سانحہ ہے۔ وہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے انہوں نے پوری زندگی علم حدیث کی خدمت میں گزاری۔ وہ عربی کے ادیب اور شاعر تھے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔''

---

1. ماہنامہ الرشید ساہیوال رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ۔
2. بحوالہ ماہنامہ دور جدید کراچی۔

حضرت علامہ بنوریؒ بھی آپ کے علم وفضل کے قائل تھے ایک مرتبہ دوران گفتگو فرمایا کہ:

''مولانا احتشام الحق صاحب کے سیاسی نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ان کے علم وفہم' تدبر' حسن خطابت اور دینی وتبلیغی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ:

اپنے تعزیتی کلمات میں فرماتے ہیں کہ:

''مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے سانحہ ارتحال سے بے حد رنج وقلق ہوا ہے وہ دارالعلوم دیو بند کے مایہ ناز فضلاء میں سے تھے۔ اپنے دور کے جید عالم دین عظیم مفسر محقق مایہ ناز خطیب اور بلند پایہ سیاستدان تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی اور سیاسی ترجمان تھے حق تعالیٰ ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین (ماہنامہ دور جدید کراچی)

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ:

فرماتے ہیں کہ:

''پاکستان کا مایہ ناز خطیب' اعلیٰ ترین مقرر' قابل فاضل' حق پرست' حق گو' بے باک' بلاخوف لومۃ لائم حق بات کہنے والا اور پاکستان کا مخلص خادم ہی نہیں بڑا محسن آہ اٹھ گیا۔ پاکستان میں چُن چُن کر قابل ترین بزرگ ترین افراد کو جمع کرنا۔ خود بھی ٹنڈوالہ یار میں دینی اونچے درجہ کی تعلیم کی درسگاہ قائم کرنے والا' پاکستان میں بہت سے مدرسے قائم کرا دینے والا' حکومت کی اسلامی جڑیں مضبوط کرنے کے لئے خلاف عقل وقیاس ہر ہر فرقے کے بڑوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے والا حکومت کے لئے بنیادی بائیس نکات طے کرا دینے والا' وزراء حکام کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنے والا۔ مخالفین پاکستان کے نئے روپ کے دھوکہ میں نہ آنے والا' دشمنان اسلام کی تحریک کو طوفانی پاکستان کے نئے روپ کے دھوکہ میں نہ آنے والا' دشمنان اسلام کی تحریک کو طوفانی دوروں سے خاک میں ملا دینے والا۔ ان سب کی ہر ہر چال پر کڑی نظر رکھنے والا' سیاست کی تمام رگوں پر یعنی نبض پر ہاتھ رکھنے والا اور اکیلا دشمن گروہوں کو للکارنے والا اللہ کو پیارا ہو گیا' اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائیں۔''[2]

شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ:

اپنے تعزیتی کلمات میں فرماتے ہیں کہ:

''مولانا تھانویؒ نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون پاکستان میں بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے وہ

---

[1] بروایت مولانا خدا بخش صاحب عبد من عباد اللہ غیر معروف۔ [2] مکتوب گرامی ۲۱ رشعبان ۱۴۰۰ھ

ایک جید عالم، مجاہد، مفسر، محقق اور مایہ ناز خطیب تھے۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار، جامع مسجد جیکب لائن کراچی ۲۲ نکاتی اسلامی دستور، قرآن حکیم کی تفسیر، صالح اولاد اور دوسری دینی تبلیغی خدمات عظیم کارنامے صدقہ جاریہ ہیں۔ ان کی وفات سے بے حد صدمہ ہوا ہے اور پورے عالم اسلام کا یہ عظیم سانحہ ہے۔''[1]

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہ:

اپنے تعزیتی بیان میں فرماتے ہیں کہ:

''مولانا تھانوی کی وفات سے تمام علمی اور دینی حلقے متاثر ہوئے ہیں ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہوگا وہ اس وقت بے مثل خطیب تھے۔ ان کی دینی، تبلیغی اور اسلامی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ قرآن مجید کے مفسر بھی اور محقق بھی، کئی دینی مدارس کا قیام، اسلامی نظام کے لئے جدو جہد ان کے عظیم کارنامے ہیں حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے اور ان کی تمام دینی، علمی اور ملی تبلیغی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔[2]

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ:

اپنے تعزیتی بیان میں فرماتے ہیں کہ:

''مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی وفات سے تمام عالم اسلام کو نقصان ہوا وہ اسلام کے عظیم مبلغ اور ملک کے مایہ ناز خطیب تھے۔ ان کے دینی علمی اور سیاسی کارناموں کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ (ماہنامہ دور جدید بحوالہ جنگ کراچی)

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

---

[1] ماہنامہ دور جدید کراچی۔

[2] ماہنامہ الرشید، دور جدید۔

﴿۱۲﴾

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۱۵ھ

وفات: ۱۴۰۳ھ

مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی غازی پوری:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ابتدائے آفرینش سے دینا کی ہر قوم اپنے مذہبی رہنماؤں اور مقتداؤں کی سوانح نگاری کو ایک اہم فریضہ سمجھتی چلی آ رہی ہے اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے راہنماؤں کے تذکرۂ حیات کو ہمیشہ اپنے سینوں سے چمٹائے رکھا اور ان کو سفینۂ قرطاس پر منتقل کر کے محفوظ کرتے رہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے یہی تذکرہ اور داستان حقیقت ان کی بھولی ہوئی راہوں کے لیے مینارۂ نور ثابت ہوں۔ مسلمانوں نے خصوصیت سے ایسی ممتاز اور مقدس ہستیوں کی سوانح اور سیرت کا تحفظ زیادہ ضروری سمجھا جن کی شخصیتیں اپنے ذاتی اوصاف و کمالات کی بنیاد پر اپنے وقت میں عہد آفرین اور تاریخ ساز سمجھی گئی ہوں اور جن کی زندگیوں کے ساتھ کوئی ایسا مقدس نصب العین لگا رہا ہو۔ جو قوم وملت کی رہنمائی و دعوت کے لئے ایک اہم مرکزی نقطہ قرار دیا گیا ہو۔

لیکن ان مقدس ہستیوں کی داستان حیات محض اس لئے پیش نہیں کی جاسکتی کہ اس کی وجہ سے وہ معروف ہوں یا ان کی شہرت ہو بلکہ ان کی زندگیوں کے بلند کردار کو صفحہ قرطاس پر اس لئے نقش کیا جاتا ہے تاکہ قوم وملت اپنے اس مقدس رہنما کی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ جان کر دنیاوی کامیابی وکامرانی کی منزل سے ہم کنار ہو۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نور اللہ مرقدہ ایک ایسے ہی مقدس اور مقتدر رہنما تھے۔ جو نہ صرف اپنے ذاتی اوصاف جمیلہ اور علم وفضل زہد وتقویٰ' اخلاق و دیانت جیسی وقیع صفات کی بنا پر ہندوستان' پاکستان' افغانستان' برما' حجاز اور دوسرے ممالک کی سرزمین پر مثل آفتاب و ماہتاب نمایاں ہیں بلکہ ساتھ ہی اپنی زندگی میں ایک مقدس نصب العین بھی رکھتے تھے جس کی بنا پر آج عالم اسلام ان کو اپنا مذہبی راہنما ماننے پر مجبور ہیں۔ میں اپنی شورہ بختیوں اور کم مائیگی کی بنا پر اس کا اہل نہیں تھا کہ ایک ایسی جامع اور عظیم ہستی کی پوری زندگی تو الگ ہے کسی ایک گوشہ پر بھی قلم

اٹھاؤں لیکن آج مجھے اپنے بے پناہ جذبات عقیدۃ و محبت کے اظہار کے لیے اسی شکستہ و نادار قلم کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔

ابتدائی حالات:

ماہ جون ۱۸۹۷ھ بمطابق ماہ محرم ۱۳۱۵ ہجری یکشنبہ کو خاندان قاسمی کے اس ہونہار فرزند نے اپنی مبارک پیدائش سے اس عالم کو منور کیا۔ اسم گرامی ''محمد طیب'' تجویز کیا گیا اور تاریخی نام ''مظفر الدین'' رکھا گیا۔ سات سال تک بڑے ناز و نعم کے ساتھ والدین کی آغوش میں پرورش پاتے رہے ۱۳۲۲ھ میں آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے مادر علمی دارالعلوم کی آغوش میں دے دیا گیا۔ وقت کے بڑے بڑے بزرگ اور شیوخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ شیخ طریقت مفتی اعظم، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ (والد ماجد مولانا عثمانی) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ جیسے باکمال شیوخ اور اکابر نے بسم اللہ شروع کرائی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ نے اس مبارک مجلس کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے نکالی ہے۔

حبذا مکتب طیب کی مبارک تقریب
کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
رب یسر جو کہا اس نے تو بیروئے ابا
فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

۱۳۲۲ھ

دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور اسی کے ساتھ قرأت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کی۔ حفظ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجہ فارسی میں داخل کئے گئے اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شعبہ عربی میں داخلہ لے لیا چونکہ آپ بچپن ہی سے بے حد ذکی اور ذہین تھے اس لئے خدا نے قوت حافظ بطور خاص آپ میں ودیعت فرمائی تھی نیز جس مقدس انسان حضرت نانوتویؒ کی طرف آپ کی نسبی نسبت تھی انہی کی نسبت روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت و نگہداشت فرمائی۔ آٹھ سال کی مدت میں آپ نے دارالعلوم کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت پا کر سند فضیلت حاصل کی۔ حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ علامہ العصر محدث اعظم حضرت مولانا السید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل رہا اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور اساتذہ سے بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ مولانا شاہ خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بطور خود آپ کو سہارنپور طلب فرما کر اور اوائل حدیث کی تلاوت کرا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔

اس طرح حضرت مولانا عبداللہ انصاری بیٹھوی اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سے بھی سند حدیث لی ہے۔

ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت کے بعد آپ کی زندگی تین نمایاں گوشوں کے محور پر گھومتی نظر آتی ہے یا یوں کہا جائے کہ آپ کی زندگی کے تین مرکزی مقام ہیں جہاں سے آپ کا نصب العین اور عنداللہ مقصد حیات سمجھا جا سکتا ہے۔

ا-مسند درس و تدریس ۲-مسند اہتمام ۳-مسند رشد و ہدایت:

یہی تین پہلو ہیں جو حضرت قبلہ کی زندگی کے تین اہم عنصر تھے اور آپ کی تمام خدمات جلیلہ ان ہی تین گوشوں سے بطور خاص متعلق ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تین گوشوں پر الگ الگ روشنی ڈالی جائے۔

مسند درس و تدریس:

دوران تعلیم میں چونکہ اکابر کی حقیقت شناس نگاہوں نے آپ کی صلاحیتوں اور خداداد علمی ملکات کو تاڑ لیا تھا نیز آپ کے ذاتی اوصاف اور علمی صلاحیتوں کا سب ہی کو اعتراف تھا اس لئے آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد منصب تدریس پر فائز کیا گیا۔

خداداد ذکاوت و ذہانت، علم و فراست اور پھر خاندانی وجاہت و نسبت کی بنا پر بہت جلد آپ نے عام مقبولیت اور علمی حلقوں کی گرویدگی حاصل کر لی۔ اس مسند علم و فضل پر فائز ہونے کے بعد آپ کے اوصاف اور کمالات کے حقیقی جوہر کھلے جس کا اکابر نے تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ عزت افزائی کی۔ چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اکثر تبلیغی اسفار میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور بڑے بڑے نازک موقع پر بہ تقاضائے وقت مختلف موضوعات پر آپ سے تقریر کراتے اور اظہار اطمینان و مسرت فرماتے۔

بہر حال مسند تدریس پر فائز ہونے کے بعد شروع میں آپ نے فقہ، منطق، فلسفہ، صرف و نحو، معانی اور دیگر مہتم بالشان فنون کی اہم کتابیں نہایت شان و شوکت سے پڑھائیں۔ اسی اثناء میں اہتمام کی اہم ذمہ داریاں بھی حضرت کو سونپی گئیں، لیکن باوجودیکہ دارالعلوم کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں نیز ملک میں تبلیغی اسفار کثرت سے بھی زیادہ تجاوز کر چکے تھے مگر آپ کا ذوق و شوق تدریس برابر اسی نہج پر تھا اور اس زمانہ اہتمام میں بھی کچھ نہ کچھ اسباق اپنے ذمے کئے رہے اور الحمد للہ ان دنوں جبکہ دارالعلوم کی انتظامی مشغولیت اور مصروفیت اس حد کی تھی کہ شب و روز کا کوئی لمحہ اس سے فارغ نہیں تھا مگر اس کے باوجود آج تک آپ نے کبھی درس و تدریس سے کنارہ کشی اختیار نہ کی اس عرصہ میں مختلف علوم و فنون کی اہم کتابوں کا درس آپ دیتے رہے۔ خصوصیت سے حجۃ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی ہے کہ جس میں آپ کے ذوق حکیمانہ کے جوہر و اسرار کھلتے ہیں اور پڑھنے والوں کی تشریعات اسلامی کی ان مخفی پہلوؤں پر آپ کے درس گرامی سے وہ نظر ہو جاتی ہے جو برسہا برس کی محنتوں کے بعد بھی میسر آنا مشکل ہے حق یہ ہے کہ،

حکمت ولی اللہی کے لئے جس فکری عروج کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم حکیم الاسلام میں موجود تھا اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی برابر زیر درس رہتی ہیں' کئی سال شمائل ترمذی کا درس بھی دیا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ ایک طرف تو حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کے صحیح وارث ہیں اور دوسری طرف براہ راست حضرت شاہ صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہے اس لئے آپ کے درس میں دونوں بزرگوں کے علوم و معارف کا فیضان رہتا ہے۔ چنانچہ آپ منقولات اور تشریعات اسلامی کو دلائل عقلیہ سے انداز میں ثابت فرماتے کہ جس سے ہر دور کا ذہن مطمئن ہو سکے اور حضرت نانوتویؒ کے رنگ میں اسلامی تعلیمات پر تقریر اسی نہج سے کرتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا۔

جن لوگوں نے حضرت کی درسی تقاریر سنی ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ علوم قاسمیہ کا فیضان اس طرح ہوتا کہ بے ساختہ حضرت کی زبان سے حضرت نانوتوی کی پوری پوری تقریر نقل ہوتی چلی جاتی تھی اور بسا اوقات تو اتنی ہم آہنگی ہوئی تھی کہ الفاظ تک میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا۔

حضرت قاری طیب صاحب مرحوم سے راقم کو مشکوٰۃ شریف اور ابن ماجہ شریف میں شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔ مشکوٰۃ جس روز شروع ہوئی تو حضرت کے درس میں ابھی بسم اللہ بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ فن حدیث پر تقریر شروع کی۔ سچ کہتا ہوں کہ علم و فضل کا ایک بحر بیکراں تھے جو پوری روانی کے ساتھ بہتا چلا آ رہا ہو حقائق و معارف کا ایک دریا تھا جو بے اختیار امنڈ رہا تھا' الفاظ کیا تھے حقانیت و معارف کے موتی تھے جو بے تحاشا لٹائے جا رہے تھے علم حدیث کی مفصل تاریخ اس کی تدوین و ترتیب' علم حدیث کی اہمیت پر استدلال' محدثین کے طبقات اہل قرآن کے اعتراضات اور ان کے جوابات' گویا کوئی موضوع ایسا نہیں تھا جس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈالی ہو۔

بہر حال حضرت قبلہ کی درسی تقریریں تبحر علمی' وسعت مطالع' دقت نظر' تحقیق مسائل کی بنا پر علمی حلقوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور ایک طالب علم درس میں بیٹھ کر علم و فضل کے اس خزانے سے اپنے دامن مراد کو بھر کر اٹھتا تھا۔

مسند اہتمام:

اگر مجھے عرف عام اور مخصوص ذہن سے قطع نظر قیادت کے حقیقی معنی اور مفہوم مراد لینے کی اجازت دی جائے تو میں یہاں بجائے مسند اہتمام کے منصب قیادت کا عنوان رکھ سکتا ہوں اس لئے کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا وہ مقام ہے جہاں آپ کی عزت و عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ملت اسلامیہ نے آپ کے سر پر قیادت اور رہنمائی کا تاج رکھا تھا۔

دارالعلوم مسلمانان ہندو پاک ہی کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کا بین الاقوامی مذہبی ادارہ ہے اور اس اعتبار سے ملت اسلامیہ کا یہ قلب ہے جہاں سے ان کی روح اور فکر کی جلاء کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے اس عظیم ادارہ کی اہم ذمہ

داری (صدر اہتمام) کے لئے کسی شخصیت کا انتخاب ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس جلیل القدر منصب پر اسی شخص کا انتخاب ہوسکتا ہے۔ جو کمالات علمی اور اوصاف باطنی و ظاہری سے پوری طرح مزین ہو اگر ایک طرف وہ علم و فضل، زہد و تقویٰ، دیانت و امانت، فہم و فرست میں ممتاز مقام کا مالک ہو تو دوسری طرف قوم و ملت میں با اثر اور با رسوخ ہو، اس کی قیادت پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے اس کی رہنمائی پر قوم کو اطمینان ہو۔

اب اگر اس حیثیت سے حضرت حکیم الاسلام کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہوگا کہ ۱۳۴۸ھ میں وقت کے اکابر و شیوخ اور ذمہ دار حضرات نے اپنے متفقہ ریز ولیوشن کے مطابق مسند اہتمام پر حضرت مدظلہ کو فائز کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ان کی حقیقت آشنا نگاہوں کی کرشمہ سازی تھی کہ انہوں نے حکیم الاسلام کی علمی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اس عظیم مسند کا ان کو اہل قرار دیا جو درحقیقت عالم اسلام کی قیادت و رہنمائی کے مترادف تھا۔

ادارۂ اہتمام سے تو آپ کا تعلق ۱۳۴۰ھ ہی میں قائم ہوگیا تھا جب کہ آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم بنایا گیا اس عرصہ میں آپ دارالعلوم کے انتظامی معاملات کا جائزہ اور ادارہ اہتمام کے انصرامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد منصب اہتمام پر کسی اہم شخصیت کی ضرورت کا مسئلہ سامنے آیا تو اکابر دارالعلوم اور ممبران مجلس شوریٰ کی نظیر انتخاب آپ ہی پر پڑی۔ ایک طرف تو آپ کی علمی اور تبلیغی خدمات کی بنا پر ملک میں آپ کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہوگیا تھا دوسری طرف نیابت و اہتمام کے دوران انتظامی صلاحیت کے سب ہی معترف تھے لیکن اس کے علاوہ جو سب سے اہم چیز اکابر کے داعیہ کا باعث بنی وہ درحقیقت حضرت نانوتویؒ سے آپ کا نسبی انتساب تھا جو ہمیشہ دارالعلوم کی ترقی و کامیابی اور فلاح و بہبود کے لئے اکابر کی نظروں میں خاص اہمیت رکھتا تھا چنانچہ باوجودیکہ حضرت مرحوم کا خاص علمی ذوق اور آپ کا رجحان طبع انتظامی معاملات کی طرف مائل نہ تھا لیکن حضرات ذمہ داران دارالعلوم نے بصد اصرار آپ کو مجبور کیا کہ دارالعلوم کی باگ دوڑ اپنے باوقار ہاتھوں میں لیں۔ لہٰذا ۱۳۴۸ھ میں آپ دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ قرار دیئے گے۔ اور یہیں سے اس شاندار داستان کی ابتداء ہوتی ہے جو دارالعلوم کی بے پناہ مقبولیت، عالمگیر ہمت، ادارہ کی بین الاقوامین اور اس کی ترقی اور کامیابی کے لئے دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے جسے دارالعلوم کی علمی و درسی تاریخ حضرت الاستاذ الاکبر علامۃ العصر مولانا السید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال اس حیثیت سے پیش کرنے سے عاجز ہے کہ ان کے دور میں دارالعلوم کا درسی عروج اور علمی وسعت اس درجہ کی تھی کہ اس وقت دارالعلوم کی آغوش علم و تربیت سے پرورش پا کر نکلنے والا ہر فاضل اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا۔ ٹھیک اسی طرح دارالعلوم کی پوری تاریخ حضرت مرحوم کا اسم گرامی فخر سے پیش کرسکتی ہے کہ اس کی ترقی و کامیابی اور اس کی رفعت و عظمت کا راز حکیم الاسلام کی زندگی میں پوشیدہ ہے۔

۱۳۴۸ھ میں جبکہ آپ نے دارالعلوم کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی اس کے انتظامی شعبے صرف آٹھ تھے اور اب

بیس ہیں۔ اس وقت دارالعلوم کا کل بجٹ محض پچاس ہزار روپے تھا اور اب اس کی آمدنی کا تخمینہ سات لاکھ روپے ہیں اس زمانہ میں دارالعلوم کا عملہ ۴۵ افراد پر مشتمل تھا اور اب تقریباً ۲۵۰ افراد کا سٹاف ہے جو دارالعلوم کی خدمت میں مصروف عمل ہے اسی طرح دارالعلوم کی تعمیری ترقی میں بھی نمایاں فرق ہے ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم کی عمارتوں کا تخمینہ چند ہزار روپے سے آگے نہیں تھا لیکن آج بحمداللہ ۲۰، ۲۵ لاکھ کی فلک بوس عمارتیں قوم کی امانت ہیں۔

غرضیکہ مسند اہتمام پر فائز ہونے کے بعد دارالعلوم کی ارتقائی زندگی روز بروز بڑھتی گئی، چنانچہ متعدد بار دارالعلوم کی مجالس شوریٰ ومنتظمہ نے آپ کی اس کارگزاری اور خدمات کے سلسلہ میں بطور تشکر و امتنان پاس کئے گئے ریزولیشنوں کے ذریعے اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا۔ دور اہتمام ہی میں آپ کا سفر افغانستان آپ کی جلیل القدر خدمات وعظمت کی ایک مستقل تاریخ ہے جبکہ دارالعلوم کے نمائندے کی حیثیت سے دارالعلوم اور افغانستان کے درمیان علمی وعرفانی رابطہ پیدا کرنے کے لئے آپ نے یہ سفر ۵۸ھ اختیار کیا تھا۔ وہاں اگر علمی حلقوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور انجمن ادبی و(اعلیٰ سرکاری سوسائٹی) مجلس قانون (جمعیۃ علماء) کابل یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی اداروں نے آپ کو دعوت دے کر آپ کے علمی وعرفانی فیض سے استفادہ کیا تو دوسری طرف حکومت افغانستان نے سرکاری طور پر آپ کا خیر مقدم کر کے اور شاہ افغان نے ایک گرانقدر خطیر رقم دارالعلوم کو عنایت فرما کر آپ کی عظمت واحترام کا اعتراف کیا' ان ہی دنوں برما کا اہم سفر بھی دارالعلوم کی ارتقائی زندگی کا ایک جلی عنوان ہے جس سے دارالعلوم کی مالی منفعت اور ترقی میں کافی اضافہ ہوا۔

الحاصل اگر مجموعی طور پر سوال کیا جائے کہ ۱۳۷۳ھ میں قائم ہونے والے اس چھوٹے سے مکتب کو آگے بڑھا کر دارالعلوم کا رنگ دینے والا کون ہے؟ تو موجودہ دور کی ۳۰ سالہ تاریخ نہایت عقیدت سے حضرت حکیم الاسلام مدظلہ کا نام دنیا کے سامنے پیش کر دے گی۔

مسند رشد و ہدایت:

ایک مصلح اور رہنما کی عنداللہ انتہائی معراج یہ ہوتی ہے کہ مخلوق خدا کی ظاہری و باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے اور دنیا کی ہر ضلالت و گمراہی میں ہدایت اور راستی کے فانوس جلاتا رہے اس مقصد کے حصول کے لئے اہل اللہ کے ہاں تین ہی طریقے ہوتے ہیں۔ کوئی تصوف وسلوک کی راہ سے گم کردہ راہ حق کی ہدایت کرتا ہے کوئی اپنی قلم کی سحر طرازیوں سے عوام کی اصلاح کرتا ہے یا پھر تبلیغ و دعوت کے لئے تقریر کے میدان کو پسند کرتا ہے لیکن اگر میدان فیاض کی طرف سے کسی شخص واحد میں یہ تینوں ملکے ودیعت کر دیئے جائیں تو اس کی جامعیت اور اکملیت تو مسلم ہوتی ہے لیکن تبلیغ و دعوت جیسے عظیم مقصد میں کامیابی اپنے انتہائی عروج پر ہوتی ہے۔

ہم آج بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حکیم الاسلام مسند رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر ہیں کیونکہ اگر آپ ایک طرف راہ طریقت اور تصوف وسلوک کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیہ نفس اور ان کی اصلاح باطنی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف اپنی

تقریر وتحریر کے ذریعے بیرون ملک میں گمراہی وتاریکی کے اس دور میں حقیقت ومعرفت کی شمعیں جلاتے رہے۔

پہلے آپ کا سلسلہ بیعت ۱۳۳۹ھ میں شیخ وقت حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے قائم ہوا ابھی آپ راہ طریقت کی اعلیٰ منازل طے کر رہے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا وصال ہو گیا ان کے بعد آپ نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے شیخ قطب العالم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی نگرانی میں راہ معرفت وحقیقت کے اعلیٰ مدارج طے کئے حضرت تھانویؒ کے یہاں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی اور آپ کی تربیت میں مخصوص طریقے سے حصہ لیتے تھے۔

آخرکار جب شیخ کی حقیقت آشنا نگاہوں نے مرید کے جواہر استعداد کا اعتراف کرلیا تو ۱۳۵۰ میں آپ کو اپنا مجاز قرار دے دیا اور خلافت کے خلعت فاخرہ سے مشرف فرمایا۔

اس کے بعد حضرت مدظلہ نے اپنے چشمہ ہدایت سے تشنگانِ قلب وروح کو سیراب فرمانے لگے اور راہ حق کے طلب گار اپنی آرزوؤں اور امیدوں کی جھولی اس خزانہ معرفت سے بھرتے رہے اور فیض حاصل کرتے ہیں ملک اور بیرون ملک میں حضرت کے مریدین اور مسترشدین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے جو براہ راست آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر آپ کی روحانی تربیت اور ہدایت واصلاح سے اپنی زندگی کو منور کر رہے ہیں ان کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی رہتا ہے جو راہ حق کے طلبگار ہوتے ہیں اور بذریعہ خط وکتاب آپ کی روحانی وعرفانی ہدایتوں سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔

رشد وہدایت کے سلسلے میں حضرات کی تبلیغی تقریریں اور وعظ آپ کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا کہ جس کی وجہ سے پاک وہند کا چپہ چپہ گونجتا رہا اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آپ کی تقریروں کی وجہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت وراستی کی روشنی پاتے رہے۔ فن خطابت اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل تھی زمانہ طالب علمی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں اور علمی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

اہم سے اہم مسائل پر تین تین چار چار گھنٹے مسلسل تقریر کرنے اور علمی مواد پیش کرنے میں آپ کی کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ حقائق وشریعت کے بیان وایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی جسے بڑے بڑے اہل علم تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا رہا۔ چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ کی علمی تقریریں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ بعض تقریروں کو مسلم یونیورسٹی نے شائع بھی کروایا ہے۔ فرق باطلہ کے رد میں آپ کی انفرادی شان ہے۔ نہایت باوقار متین اور سنجیدہ لہجہ اختیار فرماتے۔ بازاری اور سوقیانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی واصلاحی انداز میں گمراہ عقائد کا اس طرح رد فرماتے ہیں کہ مخالف بھی متاثر ہوئے

بغیر نہیں رہتا۔

آپ کی بعض تقریریں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔۱۹۴۷میں سرکاری عربی مدارس کے نصاب کی ترتیب وتدوین کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی زیرصدارت کونسل ہاؤس لکھنو میں منعقدہ کانفرنس کی وہ تقریر جو حضرت نے علماء دیوبند کی قیادت کرتے ہوئے فرمائی تھی وہ آج بھی تاریخ خطابت کا انمول شاہکار ہے جس پر مولانا آزاد جیسا خطیب بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

۱۹۵۳ء میں بسلسلہ سفر حجاز آپ نے ہندوستان کے ایک مؤتمر وفد کی قیادت کرتے ہوئے سلطان ابن مسعود کے دربار میں ایک شاندار تقریر فرمائی جس پر سلطان بہت متاثر ہوئے اور بوقت رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب کے عطیہ کے ذریعے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا۔آپ نے افغانستان' برما اور افریقی ممالک کے اسفار و دورے بھی کئے۔

دیوبند میں زمانہ قیام میں روزانہ بعد مغرب آپ کی مجلس مقامی اور غیر مقامی طالبان حق کے لئے ایک مکتب رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتی تھی جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرہ رہتا تھا جس میں آپ مختلف موضوعات پر اپنی علمی تحقیق سے حاضرین کو محفوظ فرماتے ہیں اس سلسلہ کی تیسری کڑی آپ کا مشغلہ تصنیف وتالیف تھی۔آپ کی مضمون نگاری اور انشا پردازی کی ابتداء زمانہ طالب علمی سے القاسم کے صفحات سے شروع ہوئی۔ جب ہی اس سے آپ کے تحقیقی مقالے علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھے جاتے تھے۔انشا پردازی میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک تھے' ہندو پاکستان کے طبقہ علماء کے صف اول کے اہل قلم اور مقالہ نگار ہیں ملک کے مؤتمر جریدے اور رسالے آپ کے مضامین کی اشاعت باعث فخر سمجھتے ہیں اس فن میں بھی آپ کو خاص ملکہ اصل تھا اور ادق سے ادق پر لمبے لمبے طویل مقالے اور مضامین ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔آپ کی تصنیف وتالیف اور مقالہ نگاری کا اکثر حصہ دوران سفر میں انجام پاتا۔

تصنیف وتالیف کی تعداد بہت زیادہ ہے اگر الگ الگ کتابوں پر تبصرہ کروں تو صفحات کو تنگ دامنی کا گلہ ہوگا۔ اس لئے صرف ان کتابوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کی سب سے پہلی تصنیف التشبہ فی الاسلام ہے جو آپ کے ابتدائی دور کے شاہکار ہے۔علمی حلقوں نے اسے بہت زیادہ پسند کیا ہے۔اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر مقبول خاص وعام ہوچکی ہیں۔

فطری حکومت' اسلام اور فرقہ واریت' سائنس اور اسلام' مشاہیر امت' شانِ رسالت' فلسفہ نماز' شرعی پردہ' ڈاڑھی کی شرعی حیثیت' مسئلہ تقدیر' اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام' علم غیب' خاتم النبین' اسلام اور مغربی تہذیب' تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام' اصول دعوت اسلام' عالمی مذہب نظریہ دوقرآن پر ایک نظر' کلمہ طیبہ کی حقیقت وغیرہ۔

تصانیف کے علاوہ ان علمی مقالوں کی تعداد حد کثرت سے تجاوز ہے جو ہندوستان و پاکستان کے مقتدر علمی جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔

یاد ایّام

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئی جو ''ماہنامہ دارالعلوم'' دیوبند کے شکریے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔(ادارہ)

چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کے قدیم تہذیب وتمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئی تہذیب وتعلیم کا غلغلہ تھا میری پیدائش میرے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے جو اپنے وقت میں علم دین کے مجدد تھے اور ان کی زندگی سادگی، توکل پسندی، کم سے کم اسباب معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ مرحومہ میری دادی صاحبہؒ حضرت نانوتویؒ کے فیضان صحبت ورفاقت سے براہ راست مستفید تھیں، دادی صاحب اپنی عبادت وریاضت، سخاوت کشادہ دلی، شعائر دین پر پختگی، نماز روزہ ذکر وشغل کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں۔

میرے والد مرحوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیر سایہ مجھے تعلیم وتربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی، مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلبہ دارالعلوم کے لئے جو ملک اور بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے۔ میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی۔

والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی مگر بعد میں آپ نے جذبہ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متاسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلا کر اس سے

معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا یہ گویا طلبہ دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا جو طلبہ میں معروف تھا۔ یہاں ایک واقعہ یہ بھی بیان کرنا مناسب ہوگا کہ میری دادی اماں ایک دفعہ امروہہ ضلع مراد آباد تشریف لے گئیں جہاں میرے دادا صاحبؒ کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی تشریف فرما تھے وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے حضرت مولانا مرحوم دادی اماںؒ کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والے خود بھی شریک تھے۔ یہ تھا اس دور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب و احترام۔

تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانہ روزگار علماء اور فضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔ حفظ قرآن اور تجوید قرأت میں مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ فارسی میں مولانا محمد یٰسین صاحب فنون میں ابو الاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی اور علوم کتب وسنت میں علامہ دہر یگانہ روزگار الاستاذ الاکبر مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ' مولانا رسول خانصاحب ہزارویؒ' مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ' مولانا اعجاز علی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین میرے اساتذہ رہے۔ اپنے رفقاء درس میں وقت کے بڑے بڑے فضلاء کو جمع پاتا ہوں لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گذرا ان میں مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی حال مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' مولانا میرک شاہ کشمیری' مولانا محمد یوسف واعظ کشمیر' مولانا محمد علی حیدر آبادیؒ کا خاص طور سے ذکر ہے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن' مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا سید محمد میاںؒ دیوبندی مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی یہ سب حضرات میرے بعد کے فضلاء دارالعلوم میں سے ہیں۔

اساتذہ نے کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا۔ اس ذیل میں دو واقعے قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حدیث شریف کے استاذ اعلیٰ تھے مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے۔ طلباء کی ذرا سی غفلت پر خفا ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ طلبہ کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور دارالعلوم میں سبق پڑھانا موقوف کر دیا طلبہ پر استاد کی خفگی کا بہت اثر ہوا۔ مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی اور طلبہ نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا کے منانے کے لئے ان کے سامنے سفارش کے لئے مجھے پیش کیا جائے درحالیکہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا چنانچہ میں نے مولانا کی خدمت میں جا کر عرض و معروض اور طلبہ کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا۔ تو حضرت مولانا نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرمائی اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آئے اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت دیکھ کر اکثر اکابر کی کشیدگیوں کو دور کرنے کے لیے اساتذہ کی طرف سے مجھے یہ منتخب کیا جاتا تھا۔

تحریر و تقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی اسے بڑھانے اور ترقی دینے' نیز اس لائن پر سفر کرانے میں یہ اکابر

پیش پیش رہتے تھے۔ میری اسی طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ علامہ کشمیریؒ جو مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے۔ بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریریں کرائیں۔ یہ واقعہ اب سے ساٹھ سال پہلے کا ہے لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کے لئے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ پیر میں جوتا اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آ گیا۔ حضرت علامہ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں' ہرگز یہ خیال نہ کیجئے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں تو ان کے پاس کچھ نہیں' بلکہ یہ سمجھئے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے۔ یہ حضرت الاستاذ مرحوم کی حوصلہ افزائی تھی' ورنہ کہاں ایک معمولی سا طالب علم اور کہاں لعل و یاقوت؟ یہ اکابر تو مربی تھے ہی حوادث زمانہ بھی اس مستقل مربی کی حیثیت رکھتے ہیں ماضی کے گمشدہ اوراق الٹتا پلٹتا ہوں تو اس دور کے سینکڑوں واقعات نے بھی میرے لئے عبرت وموعظت اور تربیت کا راستہ ہموار کر دیا ہے۔ ۱۹۱۵ء میں جنگ عظیم کے خاتمہ پر سیدنا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حجاز ان کے ہزاروں معتقدین میں یہ عام شہرت تھی کہ حضرت مولانا ہجرت کے ارادہ سے ہندوستان چھوڑ رہے ہیں۔ ملک میں عالم سراسیمگی پھر حجاز میں حضرت کی گرفتاری ساڑھے چار سال مالٹا میں نظر بندی ان کی عدم موجودگی میں سارے ہندوستان میں حکومت کے خلاف غیر معمولی غم وغصہ کے جذبات اور ان کی طویل نظر بندی پر دارالعلوم اور اس کے اکابر واصاغر نیز ملک کے سبھی حلقوں کا احتجاج ۱۹۲۰ء میں حضرت کی مالٹا سے رہائی بمبئی میں تشریف آوری' ساحل بمبئی پر لاکھوں ہندوؤں اور مسلمانوں کا استقبال' استقبال میں گاندھی جی' مولانا شوکت علی کی قیادت اور ساحل پر سب سے پہلے حضرت شیخ الہندؒ سے میرے والد محترم مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے ساتھ میری پہلی ملاقات' بمبئی' دہلی اور ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کے استقبالیہ اور اجتماعات میں حضرت کی شرکت اور تقریریں یہ سب ایک لمبی چوڑی داستان ہے جو حالات زمانہ کو سمجھنے اور طرز زندگی سیکھنے میں معاون و مددگار ہوئے اور بنتے رہے اور ماضی کے تجربات مستقبل کے لئے قدم قدم پر مشعل راہ ثابت ہوتے گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحبؒ مولانا محمد علی جوہرؒ ڈاکٹر انصاری صاحب حکیم اجمل' پنڈت جواہر لال نہرو' ڈاکٹر راجندر پرشاد' نیز بیرون ملک کے مشاہیر علم وادب اور ناموران سیاست سے بار بار ملاقاتیں خاموش مربی کا کام دیتی رہیں اور ساتھ ہی توفیق خداوندی سے دارالعلوم کے علمی اور دینی نقطہ نظر کو ان کے سامنے واضح کرنے کا موقع بھی ملتا رہا۔ ۱۹۴۹ء کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے اس ملک کے تعلیمی مسائل پر لکھنو میں ایک کانفرنس طلب کی اس میں احقر کو بھی طویل تقریر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حضرت مولانا نے میری گذارشات کی جو تحسین فرمائی اور اپنی تقریر میں جس طرح میری تقریر کے الفاظ کی تائید کی اس سے مجھ کو اندازہ ہوا کہ مولانا آزاد کو اپنے چھوٹوں تک کی بھی رائے کو ماننے میں کوئی تامل نہ ہوتا۔ میری زندگی کی ساخت و پرداخت میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ

ہے۔ عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت مرحوم کے ہاں آتے جاتے گذرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی فقیہ نجی' بیدار مغزی' حکیمانہ تنقیہات' معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط ونظم' ان کا وسیع عمیق علم ان کی سینکڑوں تصانیف ان کی محبت و بابرکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھائے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفاء کرام شریعت وطریقت کے میدان میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام وحلال کا اور جائز وناجائز کا اہتمام کم ہی ملتا ہے جتنا کہ حضرت کے یہاں تھا۔ آپ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق آپؒ نے سرکاری کاغذات ودستاویزات ترکہ سے اپنے از سر نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے' پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچایا کچھ میرا تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور اس ذیل میں دین کے نادار طلباء سے محبت وشفقت زندگی کا ایک بہت بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ میرے آباؤ اجداد نے طلبہ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اور یہاں تک کہ بعضوں کے شادی بیاہ کی تقریبات بھی خود ہی انجام دیں۔ کتنے ہی مشہور علماء فضلاء ہیں جن کی مجلس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں۔ حضرت قبلہ مولانا سید انور شاہ صاحب کی شادی بھی میرے والد صاحب کے اہتمام سے ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد جامعہ قاسمیہ خود دیوبند کے اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد نے کی۔ اس تقریب کے شروع میں کہا تھا کہ میرا گھرانہ علماء فضلاء عصر کا مورد تھا۔ دوسرے متعدد علماء فضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت وآرام سے وقت گذارا۔ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارہ سے پچاس پچپن سال کے تعلق میں مجھے ہزاروں نام آور حضرات سے ملنے کا اتفاق ہوا' مگر وہ موقع مجھے نہیں بھولتا جب عالم اسلامی کے مشہور فاضل علامہ رشید رضا مصری مدیر المینار قاہرہ دیوبند تشریف لائے تو ان کے استقبالیہ اجتماع میں استاد محترم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ نے فن حدیث اور ان کے مدارج حجیت' نیز دوسرے علوم دینیہ کی روشنی میں دارالعلوم کے مسلک کی وضاحت فرمائی تھی۔ تقریر کے دوران علامہ موصوف کچھ تنقیحی سوالات بھی کرتے جاتے تھے' تقریر عربی میں تھی۔ حضرت علامہ صاحبؒ برجستگی سے جوابات بھی ارشاد فرماتے جاتے تھے جس سے شاہ صاحب کی عظمت کا سکہ ان کے دل پر بیٹھ گیا۔ بالآخر انہوں نے رخصت ہوتے ہوئے یہ جملہ فرمایا'' اگر میں ہندوستان آکر دیوبند نہ دیکھتا تو ہندوستان سے غمگین جاتا بطور خاص حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق علامہ رشید رضا مصری نے فرمایا'' خدا کی قسم میں نے ان جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔'' میری بیاسی سالہ زندگی کا ایک بڑا حصہ تینوں براعظموں کے طویل سفروں میں گزرا ہے۔ برما' افغانستان' حجاز' عدن' جرمنی' جنوبی افریقہ' کینیا' روڈلیشیا' مڈغاسکر' زنجبار' سری لنکا' ایسٹ افریقہ' حبشہ' رے یونین' کویت' لبنان' اردن' انگلستان' فرانس اور بہت سے ممالک میں مجھے بار بار آنے جانے اور وہاں مذہبی اور علمی سوسائٹیوں

میں شرکت کا موقع ملا ہے میں جہاں تک حق تعالٰی کے اس فضل و کرم پر ہزاروں ہزار شکریہ ادا کرتا ہوں اور عہدہ برآ نہیں ہو سکتا کہ ان لاکھوں بندوں تک مجھے اسلام' ایمان' انسانیت اور دیو بند کے مسلک کے تحت اخوت درداداری کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہوئی وہیں اس اعتراف پر بھی مجبور ہوں کہ اپنے اساتذہ اور مربیوں کی نظیر شاذ و نادر ہی کہیں دیکھنے میں آئی جن سے میری علمی اور اخلاقی تربیت کا تعلق رہا ہے میری ماضی کی داستان اتنی لمبی ہے کہ اس بیان کرنے کے لئے وقت کا طویل وعریض حصہ ناکافی ہے اس لئے

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر

کے تحت جستہ جستہ منتشر واقعات کے اس احتصار کو اس مجلس یاران دارالعلوم کے لئے کافی سمجھتے ہوئے ختم کرتا ہوں۔

(بشکریہ' خدام الدین)

از حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہ:
مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا:

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر اور نامور جید اکابر علمائے دین میں تھا۔ آپ کی شخصیت اپنے علمی کمالات کی جامعیت اور ظاہری و باطنی اوصاف کمالیہ کے اعتبار سے نہایت بلند پایہ نادرہ روزگار شخصیتوں میں ممتاز حیثیت کی حامل تھی۔ آپ علوم قرآن وسنت کے ماہر و فاضل' حافظ و قاری' بے نظیر خطیب و واعظ یگانہ روزگار اور بے بدل مصنف تھے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کی تربیت و اصلاح کے لئے عظیم روحانی مربی اور پیشوا۔ عارف کامل اور شیخ طریقت بھی تھے۔ اور ہمہ جہت خوبیوں سے متصف تھے۔

فضلائے دارالعلوم دیوبند میں آں محترم کا ایک خاص اور ممتاز مقام تھا۔ آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے بیٹے تھے اوران روحانی اور جسمانی نسبتوں میں اپنے اکابر سلسلے کے علوم کے وارث و امین اور مسلک دیوبند کے حقیقی معنی میں ترجمان ومحافظ تھے۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور شیخ عالم حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ وغیرہ اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام سے ظاہری و باطنی تعلیم وتربیت کا فیض پایا تھا۔ دورۂ حدیث شریف کے درس کی سعادت بھی حضرت قطب گنگوہیؒ کی خدمت میں ہی حاصل کی تھی۔

دارالعلوم دیوبند ایسے یہ اکابرین اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی مساعی جمیلہ اور دعا سحر گاہی کے نتیجے میں قائم ہوا اور ایسی ہی برگزیدہ شخصیتوں کی سرپرستی میں علمی اور روحانی ترقی کے مدارج طے کر کے نہ صرف پاک و ہند بلکہ دنیائے اسلام کی علمی اور روحانی پیشوائی کے قابل بنا۔ دارالعلوم کے فیض یافتہ برصغیر کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی تشنگان علوم قرآن وسنت کو سیراب کرنے میں مصروف اور اصلاح اخلاق روحانی کے کمالات کے اضافے میں مشغول ہیں۔

دوراول کے دارالعلوم میں ہر علم وفن کے ماہر اساتذہ کرام اور یکتائے زمانہ علمائے کرام تعلیمی اور تدریسی خدمات

کی انجام دہی پر فائز تھے جو اپنی نظیر آپ تھے۔ ظاہری علوم میں کمال اور جامعیت کے ساتھ اس وقت کے دارالعلوم کے ادنیٰ خادم سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر شخص شب زندہ دار تہجد گزار۔ ذاکر و مشاغل بھی ہوتا تھا اور رات کے وقت دارالعلوم کا گوشہ گوشہ ذکر اللہ اور تلاوت کلام اللہ سے گونجتا ہوتا تھا۔ دارالعلوم کے نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی ؒ وہ صاحب نسبت بزرگ تھے جن کی تربیت حضرت قطب گنگوہیؒ نے کی تھی اور ان کا ذکر اللہ کا معمول سوا لاکھ مرتبہ روزانہ کا تھا۔ مشاغل اہتمام کی کثرت کے باوجود معمولات مشائخ اور اوراد و وظائف کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ وفات کے دن تک بارہ ہزار اسم ذات کا وظیفہ جاری رہا۔

دارالعلوم میں جس طرح قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی تعلیم معیاری اور اعلیٰ درجے کی ہوتی تھی۔ نیز علوم عقلیہ، منطق وفلسفہ، کلام، ریاضی، ہیئت واقلیدس کی تعلیم بھی ان فنون عقلیہ کے ماہر و کامل اساتذہ کرام کے سپرد تھی۔ غرضیکہ دارالعلوم تمام علوم نقلیہ اور فنون عقلیہ کا جامع تھا۔ اسی طرح وہ اعمال فاضلہ اور اخلاق حسنہ کی تربیت گاہ اور اصلاح باطن وتزکیہ نفوس کا مرکز بھی تھا۔

علم اگر روح عمل اور تربیت اخلاق سے خالی ہو تو یہ بے روح علم عجب وخود پسندی کا سبب اور موجب وبال ہوسکتا ہے۔ دارالعلوم دیو بند کا علم چونکہ روح عمل کا حامل اور مکارم اخلاق کا جامع تھا اس لئے وہاں کا ماحول علم وعمل کا داعی اور مبلغ تھا اور وہاں کا ہر شخص علم وعمل کی چلتی پھرتی تصویر اور اسلام کی عملی تبلیغ تھی۔ علم وعمل اور باطنی تربیت کے امتزاج و اجتماع سے اسلام کا جو خصوصی مزاج اور ذوق قلوب میں رسوخ پاتا تھا وہ محض کتابی خشک علم سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس جامعیت ظاہر و باطن اور علم وعمل نیز تزکیہ باطن کی ترکیب واجتماعیت سے حاصل شدہ مزاج اور ذوق کو دیو بندیت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دیو بندیت کی حقیقی جامع تعریف معلوم کرنے کے لئے ذیل کے شعر کا مصرعہ اول کافی وافی ہے

؎ درکفے جام شریعت درکفے سندان عشق
ہر ہوس نا کے نہ داند جام و سنداں باختن

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نے دارالعلوم کے علمی اور روحانی ماحول میں آنکھ کھولی اور پرورش پائی اور وہاں یہی اپنے زمانے کے ممتاز علماء اور فضلائے کرام اور مشائخ عظام سے شریعت وطریقت کی تعلیم وتربیت حاصل کر کے علم ومعرفت میں امتیازی شان اور ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔ آپ ان فضلائے دارالعلوم میں سے ایک ہیں جن پر دارالعلوم کو بڑا ناز ہے اور وہ دارالعلوم کے لئے سرمایا افتخار واعزاز ہیں۔

۱۳۱۵ ہجری میں آپ دیو بند میں ہی پیدا ہوئے۔ اور ۱۳۲۲ھ سے ۱۳۳۷ھ تک پندرہ سال کی مدت میں قرآن کریم۔ فارسی عربی کے درجات میں تمام علوم وفنون کی تکمیل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔ دو سال میں قرآن کریم حفظ کیا پانچ سال میں فارسی، ریاضی، حساب کا نصاب مکمل کیا اور آٹھ سال میں درجہ عربی کی تمام نصابی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۳۵ھ میں حضرت محدث کبیر وشہیر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ متکلم اسلام اور والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ شیخ الادب وفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ 'عارف ربانی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ ' حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ۔ معقول وفلسفے کے امام حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ وغیرہ آپ کے اساتذہ کرام میں شامل ہیں۔

۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کو چونکہ سفر حجاز پیش آ گیا تھا اور پھر وہاں سے جزیرہ مالٹا (مصر) میں قید و بند کی صعوبتوں اور آزمائشوں میں تقریباً پانچ سال کا عرصہ لگ گیا تھا۔ اس لئے حضرت شیخ سے باقاعدہ درس حدیث لینے اور کتابوں کے پڑھنے کا موقع میسر نہیں آ سکا۔ ویسے حضرت شیخ کی مجلسوں اور صحبتوں سے اپنی خداداد صلاحیت وقابلیت اور ذہانت وفطانت کی بدولت ہمہ وقت بھرپور استفادہ ہوتا رہا۔

۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ کی مالٹا سے واپسی پر باضابطہ نسبت بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔ مگر حضرت شیخ کی وفات جلد ہوگئی۔ واپسی مالٹا کے بعد صرف سات ماہ حضرت بقید حیات رہے۔ اس لیے حکیم الاسلام نے تزکیہ باطنی کی تکمیل کے لئے مجدد وقت مصلح اعظم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے دربار گوہر بار خانقاہ تھانہ بھون کی طرف رجوع کیا۔ تکمیل سلوک کے بعد ۱۳۵۰ھ میں دربار اشرفی سے آپ کو خلعت خلافت واجازت بیعت سے سرفراز کیا گیا۔

۱۳۳۷ھ میں تحصیل علم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ہی تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ جو درجہ بدرجہ اپنے آخری نقطہ عروج پر پہنچ گیا مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف' جلالین شریف' صحیح مسلم شریف اور منطق میں میر زاہد وغیرہ پڑھایا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف حضرت حکیم الاسلام نے اپنے والد ماجد سے ہی پڑھی ہیں۔

احقر کو بھی بزمانہ طالب علمی مشکوٰۃ شریف کے سبق میں حاضری کا موقع ملا۔ حضرت حکیم الاسلام کا طرز بیان متکلمانہ اور انداز تفہیم حکیمانہ ہوتا تھا مشکل سے مشکل مسئلے کا بڑی آسانی کے ساتھ دلنشیں کرنے کا ملکہ حاصل تھا عارفانہ نکات اور لطائف کے بیان سے حلقہ درس مسرور وشگفتہ رہتا تھا تقریر رواں اور مربوط ہوتی تھی۔ آواز میٹھی' لہجہ سنجیدہ اور مشفقانہ ہوتا تھا حلم وبردباری' شگفتہ مزاجی آپ کے اوصاف اور خصائل ہیں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔ شفقت ومحبت' تواضع اور سادگی کے آثار آپ پر ہر وقت ظاہر تھے۔

وعظ وتلقین' حکیم الاسلام کی وعظ وتلقین اور خطاب عام کے وقت بھی یہی حالت رہتی تھی۔ چار پانچ گھنٹے کے وعظ و خطاب میں آواز یکساں رہتی تھی۔ عام مقررین کی طرح گلا پھاڑنا اور ہاتھ پاؤں مارنا تو کجا معمولی حرکت بھی نہیں ہونے پاتی تھی۔ تقریر میں بے ساختگی روانی اور بے تکلیف تسلسل انتہائی درجے کی آمد گویا آپ رواں کا سیلاب ہے۔ جو اوپر

سے نشیبی جگہ میں چلا آ رہا ہے۔ گویا سامنے کھلی کتاب ہے۔ جس کو آپ پڑھ رہے ہیں موقع بہ موقع سبق آموز حکایات و لطائف۔ حقائق و معارف۔ متکلمانہ استدلالات اور عارفانہ نکات سے بھرا ہوا خزانہ ہوتا تھا۔ بات میں سے بات نکال لینے کا وہ خداداد سلیقہ آپ کو حاصل تھا کہ سامعین محو حیرت رہ جاتے تھے۔ اگر کسی جلسے میں طبیعت ناساز ہو گئی اور تقریر سے معذرت کرنے لئے کھڑے ہوئے تو کئی کئی گھنٹے معذرت ہی میں لگ جاتے۔ بجائے خود وہ معذرت ہی ایک بڑی مفید تقریر کے قائم مقام ہو جاتی۔

وعظ و خطاب کا یہ ملکہ راسخہ اور قوت بیانیہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور موہبت خاص تھی۔ جس سے آپ کو نوازا گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی اور روحانی نسبت قاسمی آپ کے اندر متصرف تھی اور آپ گویا چلتی پھرتی قاسمی تصویر تھے۔

پھر اس وہبی ملکہ اور طبعی قابلیت میں آیت من آیات اللہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ علوم و معارف قاسمیہ کے شارع اور ترجمان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے برادر معظم شیخ الادباء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی تعلیم و تربیت نے مزید جلا بخشی اور آپ کو بین الاقوامی بےنظیر واعظ و خطیب بنا دیا۔

دیوبند میں بعد نماز جمعہ عام طور پر شہر کی جامع مسجد میں حضرت حکیم الاسلام کا وعظ ہوا کرتا تھا۔ وعظ کے بعد دارالعلوم کے دارالاہتمام میں مجلس ہوتی تھی۔ جس میں حاضرین کو بہت لذیذ اور عمدہ چائے پیش کئے جانے کا معمول تھا۔

نماز جمعہ کے بعد وعظ میں عام نمازیوں کے علاوہ طلبا اور علماء بہت اشتیاق سے شرکت کیا کرتے تھے۔ اپنی تعلیم کے زمانہ میں ایک مرتبہ احقر اس مجلس میں شریک تھا اور میرے والد ماجد مولانا سید عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی اس وعظ کے سامعین میں تھے۔ حضرت حکیم الاسلام کا یہ وعظ "**لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات**" پر تھا۔۔ اپنی خاص طرز کے مطابق اس مضمون کو خوب بسط و شرح کے ساتھ یہ کہا تھا۔ اور قیاس کی تین قسموں بالمساوات قیاس بالاعلیٰ قیاس بالادنیٰ کو بیان کرنے کے بعد شہداء کی حیات برزخی سے قیاس بالا و لویت کے اعتبار سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخیہ کو اور قیاس بالادنیٰ کے لحاظ سے اولیائے کرام کی حیات کو ثابت فرما رہے تھے۔ کہ یہ گروہ اولیاء بھی خداوندی کا مقتول ہے اور ہر لحظ فنا و بقا کا ورود اس پر ہوتا ہے اور موت و حیات کا مشاہدہ کرنا۔ موت کی تلخی کے بعد حیات کی مدت سے شاد کام ہوتا رہنا ہے گویا

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں ازغیب جانے دیگر است

کا مصداق یہ گروہ ہے۔ متذکرۃ الصدر دونوں حضرات مفتیان کرام کا تاثر اب ذہن میں اتنا ہی محفوظ رہ گیا کہ مضمون کو بہت ہی پھیلا دیا گیا جس کا سمیٹنا مشکل ہو گیا۔ واقعی حضرت حکیم الاسلام کے مضامین و تقاریر میں بہت ہی پھیلاؤ ہوتا تھا۔

ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ جلسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں پیش آیا جلسہ میں حضرت حکیم الاسلام کا وعظ ہوا۔ اپنے مزاج

اور مقام کے مناسب اس میں ایسا صوفیانہ اور عارفانہ مضمون بیان فرمایا۔ جو خواص بلکہ اخص الخواص کے سمجھنے کا تھا۔ مگر روانی تقریر میں مجمع عام میں بیان فرما گئے۔ آں ممدوح کی تقریر کے بعد متصل میں حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ اسی جلسے میں تھا۔

حضرت شیخ الاسلام نے ابتداء وعظ میں موضوع مضمون کی نزاکت اور اس کا مجمع خواص کے مناسب ہونے کا ذکر فرمایا۔ پھر اس کا تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی مجلس مبارک میں ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا۔ یہ احقر اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ اس جلسے میں شریک تھے۔

ہمارے لئے اس واقع میں سبق یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع عام میں اور حکیم الاسلام کی موجودگی میں ان کی تقریر کا جو حصہ قابل اصلاح سمجھا اس کا اظہار بلاتکلف فرمایا۔ مگر الفاظ نرم اور طریقہ بیان خوشگوار تھا۔

دوسری طرف حضرت حکیم الاسلام نے بھی کسی قسم کی ناگواری اور ناخوشی کا مطلق اظہار واحساس نہیں فرمایا۔ اس زمانے میں عام طور پر یا تو اصلاحی مشورے کا اظہار ہی نہیں کیا جاتا اور اگر کیا جاتا ہے تو لہجہ عام طور پر کرخت اور طریقہ بیان سخت ہو جاتا ہے جس کا اثر مخاطب پر ناگواری کی صورت میں ہوتا ہے اور بجائے اصلاح کے تقابل ونزاع کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

ریاست پٹیالہ راجپورہ اسٹیشن کے قریب عربی مدرسہ میں احقر پڑھتا تھا۔ مدرسہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کیا ہوا تھا۔ حضرت حکیم الاسلام وہاں تشریف لائے۔ شب کے وقت شہر کے اندر عام میدان میں وعظ ہوا۔ مسلمانوں کے علاوہ غیر مذاہب کے لوگ بھی شریک ہوئے۔ آپ کے انداز بیان اور تقریر کی روانی اور تسلسل سے وہ لوگ بے حد متاثر تھے۔ بعض سامعین نے کہا کہ اس تقریر میں اس قدر ربط اور بسط تھا کہ مقرر کو کسی جگہ یعنی کہہ کر تشریح کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ یعنی کے ذریعے کلام کو سمجھا جاتا تو اس مثل کے مصداق ہوتا ہے کہ محتاج یعنی باشد لایعنی باشد۔

پاکستان میں حکیم الاسلام کا سب سے پہلا سفر غالباً ۱۹۵۰ میں ہوا۔ فیصل آباد بھی تشریف لائے اور دھوبی گھاٹ کے مشہور گراؤنڈ میں جلسہ عام کا اعلان ہوا۔ حدیث بنی الاسلام علی خمس پر کئی گھنٹے علم وعرفان کی بارش ہوتی رہی۔ نماز روزہ حج وزکوۃ ارکان اربعہ اسلام کا فلسفہ عجیب وغریب طریقے سے بیان فرمایا۔

کابل میں ایک تقریر:

حکیم الاسلام کو فارسی زبان میں بھی تقریر کا ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ اپنے سفر افغانستان کے دوران کابل کے ایک ہوٹل میں وہاں کی سب سے اونچی علمی سوسائٹی انجمن ادبی نے شاندار عصرانہ دیا جس میں اعلیٰ حکام' مدیران جرائد و رسائل۔ علماء۔ امراء وغیرہ مدعو کئے گئے۔ اس مجمع میں حضرت حکیم الاسلام نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تقریر کی جو علمی مہمات مثلاً

قرآن کریم کی امامت اس کا جامع علوم ہونا۔ اسلامی مرکزیت۔ مسئلہ امامت و امارت' دارالعلوم کے تعارف اپنے سفر کے مقصد اور افغانستان سے متعلق چند اصلاحی نکات پر مشتمل تھی۔ یہ پوری تقریر فارسی زبان میں ہوئی فاضل مدیر انیس نے اسی مجمع میں کھڑے ہو کر کہا کہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ افغانستان کی تاریخ میں اس نوع کی فاضلانہ تقریر اب تک نہیں ہوئی تھی جس سے علماء اور نوجوان تعلیم یافتہ طبقے نے یکساں اثر قبول کیا ہو۔

جناب محمد صالح صاحب قاضی مرافعہ نے فرمایا جو ہائی کورٹ کے قاضی اور حضرت حکیم الاسلام کے والد ماجد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے کہ اس تقریر نے نوجوانوں کو قرآن حکیم کے قدموں میں لا گرایا۔ ان اثرات کا کابل کے مؤقر جریدہ انیس نے پشتو زبان میں بھی شائع کیا۔

مجلس وزراء کے صدر نشین صدر محمد ہاشم خان صدر اعظم کی دعوت پر قصر صدارت عظمیٰ میں حضرت حکیم الاسلام تشریف لے گئے۔ صدر اعظم نے غایت عقیدت سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب بانی دارالعلوم دیو بند کا ذکر فرمایا اور کہا۔

میرے والد معظم اور عم محترم نے حضرت مولانا کا زمانہ پایا اور والدہ معظّمہ ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتی تھیں۔ اس مجلس میں حضرت شمس العلوم مولانا حضرت گنگوہیؒ کا ذکر مبارک بھی آیا۔ اسی اثنا میں فرمایا کہ ہمارے گھر میں ان حضرات کے تبرکات بھی محفوظ ہیں۔ حضرت نانوتویؒ قدس سرہ کی ایک ٹوپی تھی جس کو ہماری والدہ معظّمہ بطور تبرک کے سال بھر میں ایک آدھ بار نکالا کرتی تھیں اور ہم جب کبھی بیمار پڑ جاتے تو وہ ٹوپی ہمارے سروں پر رکھ دی جاتی جس سے ہم شفا یاب ہو جاتے تھے۔

روئیداد سفر نامہ افغانستان:

قصر شاہی میں شاہ افغانستان سے ملاقات ہوئی اور حضرت حکیم الاسلام بعنوان نذر عقیدت و اخلاص اپنی تحریر اجازت لے کر پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو شاہ افغانستان غایت تواضع سے خود ہی کھڑے ہو گئے۔ حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ آپ تکلیف نہ فرمائیں۔ فرمایا یہ خلاف ادب ہے جتنی دیر کھڑے ہو کر یہ تحریر پڑھی جاتی رہی شاہ افغانستان برابر کھڑے سنتے رہے۔

تصانیف:

تقریر کی طرح حضرت حکیم الاسلام کا فیض قابل قدر تصانیف اور تالیفات سے بھی ملک اور بیرون ملک عام ہوا۔ اور مسلمانوں کے ہر طبقے کو نو تعلیم یافتہ اور قدیم طلباء سب کو آپ کا فیض پہنچا۔ ایک سو سے زیادہ آپ کی تصانیف کی تعداد ہے۔ جن میں خصوصیت سے فطری حکومت التشبہ فی الاسلام۔ آفتاب نبوت کامل۔ شہید کربلا اور یزید۔ کلمہ طیبہ بمعہ کلامات طیبات روایات الطیب وغیرہ وغیرہ۔

املائی تقریر:

حکیم الاسلام نے اپنے استاذ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی املائی تقریر کے لئے ایک کاپی میں چھ سات کالم بنائے اور ہر کالم میں ایک ایک بحث کا عنوان قائم کیا۔

مباحث حدیث، مباحث تفسیر، مباحث عربیت، نحو وصرف، مباحث فلسفہ ومنطق، مباحث ادبیات جن میں اشعار عرب اور فصاحت و بلاغت کی تحقیق آتی تھی۔ مباحث تاریخ وغیرہ نیز فنون عصریہ کے لئے ایک کالم رکھا۔ اس لئے کہ موجودہ دور کے فنون جیسے سائنس فلسفہ جدید اور ہیئت جدید وغیرہ کے مباحث بھی حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں آ جاتے تھے۔

ایک کالم حضرت شاہ صاحب کی رائے اور محاکمے کا بھی تھا۔ جس میں قال الاستاذ کے عنوان کے تحت بحث وتنقیح کے بعد اس نتیجے اور فیصلے کا تذکرہ کیا جاتا تھا جس کو حضرت شاہ صاحب یہ کہہ کر فرمایا کرتے تھے کہ "میں کہتا ہوں" اس بیاض کو ایک طالب علم نے حضرت حکیم الاسلام سے لے کر پھر واپس نہیں کیا۔ ورنہ تو علوم وفنون کا بڑا خزانہ اور تحقیقات عجیبہ اور غریبہ کا بہت بڑا ذخیرہ طلباء اور علماء کے ہاتھ میں ہوتا۔ اس طرز تحقیق سے طلباء میں بھی شوق مطالعہ اور ذوق تبحر پیدا ہوتا تھا۔ اور اس کے آثار زمانہ طالب علمی ہی میں نمایاں ہونے لگے تھے۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ کے دورۂ حدیث کے تلامذہ میں بعض نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں کئی تحقیقی مقالے اور قابل قدر رسالے لکھے جن سے ان کے ذوق مطالعہ اور علمی تبحر کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مسئلہ ختم نبوت کے موضوع پر ختم نبوت فی القرآن میں سو آیات اور ختم نبوت فی الحدیث میں دوسو احادیث اور ختم نبوت فی الآثار میں سینکڑوں اقوال اکابر امت کا ذخیرہ جمع کر دیا اور حضرت مولانا بدر عالمؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بھی حیات عیسیٰ علیہ السلام پر رسالے لکھے۔

حضرت حکیم السلام نے بھی تاریخ ادب کے سلسلے میں مشاہیر امت پر قابل قدر اور معلومات افزا رسالہ لکھا۔

عربی ادب:

حضرت حکیم الاسلام کو عربی ادب سے بھی خوب مناسبت تھی اور عربی قصائد لکھنے کا ملکہ حاصل تھا۔ ایک عربی قصیدہ نونیة الآحاد. آپ کا طبع شدہ قصیدہ ہے۔ اس میں امت کے مشاہیر علم وفن کی مختصر سوانح نظم ونثر میں جمع کی ہے۔ آپ کی متعدد نظمیں، مثنویاں اور قصائد رسالہ القاسم دیوبند وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

غرضیکہ حضرت حکیم الاسلام کو اللہ تعالیٰ نے تقریر وتحریر تصنیف وتالیف کا وہ عظیم ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جس سے عام و خاص جدید وقدیم ہر طبقے کے لوگوں کا عظیم فائدہ پہنچا اور آپ کی بہت سی تحریرات اور تالیفات مسلمانوں کی ہدایت و راہ نمائی کے لئے آپ کی عمدہ یادگار باقیات صالحات میں شمار ہوں گی۔

تقریر کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلامؒ پاک و ہند کے تقریباً ہر گوشے میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے ساتھ بھی آپ نے مرزائیوں کی تردید کے لئے پنجاب کا دورہ فرمایا اور خاص قادیان بھی گئے۔ کہوٹہ ضلع راولپنڈی کے سفر میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فقیر صاحب کا خطاب دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ جلسہ گاہ شہر سے میل بھر کے فاصلے پر تھی۔ بارش زیادہ ہونے کی وجہ سے سر سے پاؤں تک کپڑے بھیگ گئے۔ جلسہ گاہ کے قریب ایک مسجد میں جا کر بھیگے ہوئے کپڑے اتارے۔ ایک صاحب نے کپڑے اتارنے کے لئے ایک لنگی چادر کے طور پر دی اور ایک صاحب نے لنگی اوپر اوڑھنے کے لئے دی۔ جناب حکیم الاسلام اسی ہیئت و حالت میں ننگے سر اور ننگے پاؤں جلسہ گاہ میں پہنچے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کرنے کا حکم فرمایا اور سٹیج پر کھڑے ہو کر حکیم الاسلام کا ان الفاظ میں تعارف کرایا۔

''یہ فقیر جو آپ کے سامنے جلسے میں ننگے سر اور ننگے پاؤں کھڑے ہیں فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں علمی مواد خاصہ رکھتے ہیں۔ مجمع میں بولنے کا ڈھنگ انہیں آ گیا ہے۔ یہ جیسے باہر سے فقیر نظر آتے ہیں ویسے یہ اندر سے بھی فقیر صاحب ہی ہیں۔ آپ ان کی تقریر سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ملتان میں بھی حضرت شیخ ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے احاطے میں جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں بھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم الاسلام کو تقریر کرنے کا حکم دیا اور تقریر کے بعد اپنی تقریر میں بار بار حوصلہ افزاء کلمات فرماتے رہے۔ (سیرت انور)

مسلک دیو بند:

اس نام سے حکیم الاسلام کا طبع شدہ رسالہ موجود ہے اس خاص موضوع سے آپ کی دلبستگی اور گہرے تعلق کا اندازہ اس رسالے کے مطالعہ سے ہوگا۔ اس رسالے میں مسلک دیو بند کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کر کے مسلک کو ہر طرح کے گرد و غبار اور ملاوٹ سے پاک صاف کر کے منقح صورت میں پیش کیا ہے اور دیو بندیت کی حدود متعین کر کے اس کی جامع مانع اصولی تعریف کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ علمی طور پر بھی مسلک دیو بند کی حفاظت کے لئے حضرت حکیم الاسلام نے نہایت محنت' مشقت برداشت فرمائی اور خصوصیت سے مسئلہ حیات النبی ﷺ پر چار سالہ نزاع کا خاتمہ کے لئے بے حد سعی اور کوشش فرمائی۔ ملتان' جہلم' سرگودھا اور راولپنڈی وغیرہ میں عام و خاص مجالس میں اس مسلک کی وضاحت مسلک اکابر کے مطابق فرماتے رہے اور اس سلسلے میں ایک جامع اور مفصل تحریر سپرد قلم فرما کر اس نزاع کا خاتمہ فرمایا۔

آنحضرت ﷺ کی حیات فی القبر کے بارے میں کل پاکستان اشاعت التوحید والسنۃ کے اس وقت کے صدر مولانا قاضی محمد نور صاحب مرحوم قلعہ دیدار سنگھ اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام اللہ خان صاحب راولپنڈی کے دستخط بھی حاصل کر لئے۔

حضرت حکیم الاسلام کا مسلک دیو بند کے تحفظ کے لئے یہ عظیم کارنامہ تھا۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

(تفصیل کے لئے ماہنامہ تعلیم القرآن اگست ۱۹۶۲ ملاحظہ کیجئے)۔

حکیم الاسلام سرگودھا تشریف لاتے ہوئے کار میں جھنگ سے اسی سڑک سے سفر ہوا جس پر اس حقیر کی رہائش گاہ قصبہ ساہیوال آباد ہے۔ جب قصبہ ساہیوال کے قریب کار پہنچی تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اتر کر عبدالشکور کو اطلاع کر دوں۔ اس پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی نے فرمایا کہ ان کو اطلاع ہو گئی ہوگی۔ آپ تنہا تکلیف نہ فرمائیں اور واقعہ بھی یہی تھا کہ احقر پہلے ہی سرگودھا مسجد بلاک نمبر ا میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں دن میں خصوصی مجلس میں بڑی بسط اور تفصیل کے ساتھ مسئلہ حیات النبی ﷺ کی وضاحت فرمائی۔ جس میں اکابر علماء اور یہ حقیر بھی شامل تھا۔ رات کے وقت کمپنی باغ سرگودھا میں بہت مفصل وعظ ہوا۔ جس میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گمتھلوی مدظلہ العالی بھی تشریف فرما تھے۔ سامعین بہت محظوظ اور مسرور تھے کہ تقریریں بہت سنتے آئے ہیں۔ مگر علم وعرفان کی یہ بارش اور معرفت وحکمت کی یہ فراوانی۔ اپنی مثال آپ ہے۔ پھر طرز بیان اور فصاحت لسان اس پر مزید برآں ہے۔

اس واقعہ میں حضرت حکیم الاسلام کا ورود مسعود قصبہ ساہیوال میں تو نہ ہو سکا اور یہ سعادت ہماری قسمت میں نہیں تھی۔ مگر اس سڑک پر آپ کا گزر رہا اور اس مجلس میں احقر کا غائبانہ ذکر احقر کے لئے باعث صد مسرت اور خوشی ہے۔

ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مجلس میں ہے

حضرت حکیم الاسلام کے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے توسط اور نسبت سے حضرت حکیم الاسلام کی بے انتہا شفقتیں اس حقیر پر بہت کم عمری اور بچپن سے ہی مبذول رہی ہیں۔ زمانہ طالب علمی دارالعلوم میں بھی آپ کے ہی دورۂ اہتمام میں دو سال تک حصول تعلیم کے لئے قیام رہا۔ آپ کے ہی زیر سرپرستی زیر سایہ قیام رہا اور محبت وشفقت سے بھرپور آپ کا حسن سلوک ہمیشہ قائم رہا۔

خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی زیارت اور مجالست کے لئے دوسرے مشاہیر اکابر وعلماء کی طرح حضرت حکیم الاسلام بھی آیا کرتے تھے اور یہ ناکارہ بھی اپنے والد ماجد کے ساتھ وہاں قیام پذیر رہتا تھا۔ اس لئے سبھی حضرات کی زیارت سے مشرف ہونے کا شرف حاصل رہتا تھا۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حضرت حکیم الاسلام پندرہ روز قیام کے ارادے سے تھانہ بھون تشریف لائے۔ میری بہت کم عمری کا زمانہ تھا۔ قرآن پاک بھی ابھی پورا نہیں ہوا تھا۔ والد ماجد وغیرہ کے مشورہ سے حضرت حکیم الاسلام نے عدالت والی مسجد میں تراویح کے اندر دو دو سیپارے روزانہ پڑھنا شروع کر دیئے۔ احقر بھی والد ماجد مرحوم کے ساتھ اشتیاق میں جاتا۔

ایک دن حضرت حکیم الاسلام نے دیکھ کر پوچھا کہ تمہیں نیند نہیں آتی اور تم تھکتے بھی نہیں۔ مجھے جواب میں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ خاموشی کے ساتھ میں نے والد صاحب سے عرض کیا جو پاس ہی کھڑے تھے کہ حضرت سے دعا کرائیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ قاری بنا دے۔ والد صاحب کے کہنے پر حضرت نے دعا کی اور میرا غالب گمان یہی ہے کہ حضرت حکیم

الاسلامؒ کی وہ دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعائے نیم شبی قبول ہوئی اور اس احقر کے نام کے ساتھ قاری کا لفظ لگ گیا۔ اگر چہ معنوی حیثیت سے اس کا مصداق یہ ناکارہ نہیں بن سکا۔

دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں نماز مغرب کے بعد نوافل میں حضرت حکیم الاسلام قرآن کریم کا ایک پارہ پڑھا کرتے تھے اور یہ معمول آپ کا سفر حضر میں برابر جاری رہتا تھا۔ جہاں کہیں بھی ہوتے یہ عمل آپ کا جاری رہتا۔ ان دنوں احقر کو بھی جوش اٹھا اور حضرت حکیم الاسلام کی نقالی کرنے لگ گیا۔ ایک دفعہ بڑی نادانی ہوئی کہ مسجد کے اسی حصے میں کچھ صفیں چھوڑ کر خود بھی نوافل میں قرآن کریم پڑھنے لگا۔

حضرت حکیم الاسلام بھی محراب میں حسب عادت اپنی منزل پڑھ رہے تھے۔ احقر کی آواز سے حضرت کے پڑھنے میں خلجان ہوا اور منازعت کی صورت پیدا ہوگئی۔ تو حضرت نے سلام پھیرنے کے بعد اس پر مناسب لہجے میں تنبیہ فرمائی۔ اس کے بعد یہ احقر مسجد کے بالائی حصے میں پڑھنے لگا۔

اس معمولی سی ناگواری کے علاوہ عمر بھر باوجود طول طویل صحبت اور مجلسوں کے کبھی حضرت حکیم الاسلام کو احقر کے متعلق ناگواری کے اظہار کی نوبت نہیں آئی۔ طلباء اپنے زمانہ طالب علمی میں عام طور پر آزادانہ روش پر چلتے ہیں۔ انجمن سازی اور کئی قسم کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں دارالعلوم میں بھی اس قسم کے مشاغل میں بعض طلباء مصروف رہتے تھے۔ مگر الحمد اللہ خانقاہ تھانہ بھون کی برکت سے کسی ایسی مجلس میں کبھی شرکت کا خیال نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ پنجابی طلباء نے بہت زور لگایا اور یہ کہہ کر شرکت سے انکار کر دیا کہ نئی انجمن سازی، صدارت اور نظامت کی کیا ضرورت ہے حضرت مہتمم صاحب ہمارے سب کے صدر اور سرپرست ہیں۔ بعض طلباء کے سخت اصرار پر نودرے میں بعد مغرب ایک جلسہ طلباء میں صرف ایک مرتبہ شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو اس میں بھی ایسی ہی تقریر کی جو عام طور پر طلباء کے مزاج اور مذاق کے مناسب نہ تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سیاسیات عبادات کی حفاظت کا ذریعہ وسیلہ ہیں۔ اصل مقصود عبادات ہیں۔

اہتمام:

حضرت حکیم الاسلام کو ۱۳۴۱ھ میں نائب مہتمم بنایا گیا اور حضرت والد ماجد مولانا محمد احمد صاحب کی وفات پر ۱۳۴۸ھ میں باقاعدہ طور پر دارالعلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا۔ آپ کا دور اہتمام ساٹھ سال تک جاری رہا۔ اس دور میں دارالعلوم نے نہایت شاندار ترقی کے مدارج طے کئے اور دارالعلوم کی شہرت وعظمت میں بھی بہت اضافہ ہوا۔

درحقیقت دارالعلوم کو عربی مدرسہ سے دارالعلوم بنانے میں حضرت قاسم العلوم کے خلف حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مرحوم کی وجاہت اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے حسن تدبیر اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کی علمی اور روحانی عظمت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ حضرت حافظ صاحب مرحوم کے چالیس سالہ دور اہتمام میں دارالعلوم کے ہر شعبے میں جو ترقیات حاصل ہوئی اور اس کی تعمیرات میں جو شاندار اضافات ہوئے اس سے دارالعلوم کو صحیح مقام حاصل ہوا۔ پھر حکیم الاسلام حضرت

مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ساٹھ سالہ دور میں یہ ترقیات روز بروز بڑھتی گئیں۔ دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل ہوئی۔ تعلیمی اور تعمیری سلسلہ کافی بڑھا۔ اساتذہ طلباء اور عملے کی تعداد بڑھ گئی اور آمدنی کی رفتار غیر معمولی طور پر ترقی پذیر ہوئی۔

دارالعلوم کے آغاز ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۴۷ھ تک چھ مہتمموں کے چونسٹھ سالہ دور اہتمام میں چودہ لاکھ اٹھاسی ہزار آٹھ سوئیس روپے نو آنے گیارہ پائی کل آمدنی ہوئی اور حضرت حکیم الاسلام کے دورۂ اہتمام ۱۳۴۸ھ تا ۱۳۸۲ھ صرف چونتیس سال کی آمدنی ترانوے لاکھ بیالیس ہزار سات سوتینتالیس روپے تین آنے تین پائی ہوئی ہے۔

(از تاریخ دیوبند)

اس ترقی اور اضافے کا سلسلہ آخری دور تک برابر جاری رہا۔ دارالعلوم کے ذمہ داروں میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیرونی ممالک برما افغانستان' عدن' حجاز' مصر' اردن' لبنان' ساؤتھ افریقہ' روڈیشیا' کینیا' ٹانگانیکا' زنجبار' مدغاسکر' حبش اور پاکستان وغیرہ میں جاکر دارالعلوم کا تعارف کرایا اور ہر خطہ ملک میں پہنچ کر اپنی خداداد قابلیت خطابت اور وہبی طرز بیان اور فصاحت زبان کے ذریعے اسلامی مقاصد اور مسلک دارالعلوم کی اشاعت وتبلیغ آپ کی اسلامی خدمات اور کارہائے نمایاں کا عظیم حصہ اور ناقابل فراموش بہترین یادگار ہے۔ اس کے ساتھ ہی امت پر عموماً اور منتسبین دارالعلوم پر خصوصاً ناقابل فراموش احسان بھی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں ان ترقیات اور شاندار خدمات کی اجتماعی طور پر اظہار کا وقت موعود آیا۔ اور نہ صرف پاک و ہند بلکہ دنیائے اسلام کے اساطین و اراکین سلطنت نے دارالعلوم کے جلال و وقار اس کی عظمت و سطوت اور عروج و کمال کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرلیا۔ تو پھر اس باغ و بہار میں خزاں کے آثار شروع ہوئے اور اختلافات و تنازعات کا سلسلہ دراز ہوا۔ جس کے نتیجے میں حضرت حکیم الاسلام کو دارالعلوم سے ظاہری مفارقت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ و کان امر الله قدراً مقدوراً ولله الامر من قبل و من بعد۔

خاندان قاسمی کی سو سالہ خدمت جلیلہ اور مساعی جمیلہ کے ذریعے دارالعلوم کو جو شاندار عروج اور غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی وہ تاریخ کا ایک سنہری باب اور اس کے مظاہر و آثار تاریخ کا ایک درخشندہ حصہ بن چکا ہے۔

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

کا مصداق انشاء اللہ یہ حصہ ہمیشہ صفحات تاریخ پر ثبت رہے گا اور حالات میں اس وقت جو غیر معمولی تبدیلی آ گئی امید ہے کہ اس کا کوئی اثر دارالعلوم اور اس کے منافع پر نہیں ہوگا۔ یہ عارضی حالات تو فاما الذبد فیذھب جفاء کو منظر ثابت ہوں گے اور دارالعلوم و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کا مظہر رہے گا اور اس کے منافع اور برکات و ثمرات انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ باقی رہیں گے۔ ویرحم الله قال عبداً امینا۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کی اپنے مرض وفات میں نصیحت:

حضرت تھانویؒ کے مرض وفات میں حکیم الاسلام تھانہ بھون حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ باوجود طول مرض اور ضعف شدید کے حضرت تھانویؒ نے تعلیم وتربیت کے زرین اصول اور اصلاحی آئین سے متعلق ایک مفصل تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا۔

''میں نے قرآن وسنت اور عمر بھر کے تجربے نیز جن بزرگوں کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان سب کے طرز عمل سے مدرسے (دارالعلوم) کے بارے میں جو کچھ اصلح سمجھا وہ یہ ہے۔ کہ مدارس اور ان کے متعلقین کو سیاست حاضرہ سے بالکل مجتنب رہنا چاہئے اور سیرت سیاسیات ہی نہیں بلکہ ہراس کام سے جو تعلیمی کام میں خلل انداز ہو۔ اگرچہ وہ کام فی نفسہ کیسا ہی محمود اور مفید کیوں نہ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے طلبا کو بیعت کرنے اور سلوک میں مشغول ہونے سے بھی باوجود اس کے اہم سمجھنے کے طالب علمی کے زمانے میں ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کسی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہ فرماتے تھے۔ پھر کسی سیاسی یا ملکی تحریک میں شرکت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے۔''

آخری نصیحت:

۲۹ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ کو حضرت حکیم الاسلام دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو حضرت حکیم الامتؒ نے ایک آخری نصیحت اس اہتمام کے ساتھ فرمائی کہ اس مجلس میں خواجہ عزیز الحسنؒ۔ مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ اور ڈپٹی سجاد علی صاحب کو بھی طلب فرمایا تقریباً سوا گھنٹہ مسلسل تقریر فرماتے رہے۔ اس میں اپنی اس رائے کا اظہار فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کو سیاسیات سے بالکل الگ رہنا چاہئے اور یہی ہمارے اکابر کا طریق کار تھا۔ تعلیم کے زمانے میں کسی دوسری طرف توجہ کو سخت مضر فرماتے رہے اور ظاہر ہے کہ معلمین کے طرز عمل کا طلبہ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ لہذا مدرسہ کے مدرسین کو بالخصوص طلبہ کی مصلحت سے سیاسیات سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے اور مدرسین کے دوسری طرف متوجہ ہونے سے تعلیم کا حرج بھی شاہد ہے۔ ایک ایسی جماعت کی بھی سخت ضرورت ہے جو محض علم دین کی خدمت کرے۔

حق تعالیٰ کے ارشاد الذین ان مکنا ھم فی الارض اقامو الصلوٰۃ (الآیہ) سے واضح ہے کہ دیانات مقصود بالذات ہے اور سیاسیات و جہاد اصل نہیں بلکہ اقامت دین کا وسیلہ ہے۔ اور دیانت مقصود اصلی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجے میں بھی مطلوب نہیں۔ بلکہ اس کا درجہ بتانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود نہیں اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔ اس بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی ہونی اور رہنی چاہئے جو خالص عبادت دیانت اور تعلیم دین میں مشغول رہے اور وہ جماعت اہل مدارس ہی کی ہوسکتی ہے۔ اس لئے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلباء کو سیاسیات میں مبتلا نہ کیا جائے۔ طلباء اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو وہ تعلیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔ چنانچہ جب سے طلباء کو اس سلسلے میں ڈال دیا گیا ان میں آزادی پیدا ہوگئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ہی لوگ ہر وقت ان کی طرف سے متفکر اور خائف رہتے ہیں۔ (خاتمۃ السوانح)

حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کی مبارک رائے یہی تھی۔ کہ موجودہ سیاسیات کا اشتغال خواہ فی نفسہ حق ہو یا باطل مگر دارالعلوم کے طلباء وعلماء کی اس میں شرکت بہر حال مدرسے کے مقاصد اصلیہ کو متزلزل کر دینے والی ہے۔ جس کا مشاہدہ اور تجربہ بھی عرصے سے اکثر حضرات کا ہو چکا ہے۔ لیکن حضرت اقدس تھانویؒ کی عادت مبارک ہمیشہ سے یہ تھی کہ اختلاف کے موقع پر جو بات حق سمجھیں اس کا اظہار صاف صاف کر دیا اگر قبول کر لیا گیا تو بہتر ورنہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لیا۔ اس مجلس میں بھی حضرت اقدس نے اپنا خیال صاف صاف ظاہر فرما دیا اور یہ بھی فرمایا کہ مدرسہ دیو بند ایسی چیز نہیں جس کے متعلق میں اپنی مختتم رائے ظاہر کئے بغیر چلا جاؤں۔

آج کل یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ اور ماہرین تعلیم نیز انتظامی امور کا تجربہ رکھنے والے ذمہ داروں سب کی یہی رائے ہے کہ زمانہ تعلیم میں طلباء کو عملی طور پر سیاسیات سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ کیوں کہ سیاسیات کے اشغال سے تعلیمی مقاصد کی تحصیل میں نقصان آتا اور علمی استعداد وقابلیت کمزور ہو جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی اس تجربہ شدہ حکیمانہ رائے گرامی کے پیش نظر ارباب مدارس عربیہ کو غور وفکر کر کے مدارس عربیہ کے لئے کسی اصلاحی ضابطے کا رکو وضع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

الحاصل ہم سب کے لئے دارالعلوم دیو بند کی حفاظت اور اس کے اصل مقصد اور مسلک کو اپنانا ضروری اور اولین فرض ہے۔ یہ ہمارے اکابر اور اسلاف کا نہایت قابل قدر اور وقیع ورثہ ہے۔ ان اکابر کے نام لینے والوں کے لئے اس کا تحفظ وقت کا اہم تقاضا ہے۔

حضرت حکیم الاسلام دارالعلوم دیو بند کے محافظ اور اس کے مسلک کے منادو داعی رہے ہیں ان سے محبت رکھنے والوں کا بھی فرض ہے کہ ان کی اس متاع عزیز اور تمام عمر کی پونجی اور سرمائے کو ضائع یا کمزور نہ ہونے دیں۔

حضرت حکیم الاسلام نے تمام عمر علوم اسلامیہ کی اشاعت وتبلیغ اور اس کے پھیلانے میں صرف فرمائی ہے۔ دارالعلوم کی خدمت جلیلہ کے علاوہ دوسرے متعدد مدارس دینیہ کے بھی آپ بانی تھے۔ ملک میں متعدد مدارس عربیہ دینیہ آپ کے دم قدم سے قائم ہوئے اور آپ کی برکات وفیوضات سے پھلے پھولے اور قائم ہیں۔

اس کے علاوہ آپ نے دنیوی تعلیم کے مرکز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمت بھی کی کہ مسلمانوں کے دنیاوی مفاد اس یونیورسٹی سے وابستہ اور متعلق تھے۔ آپ اس یونیورسٹی کی ایگزیکٹوکونسل کے ممبر تھے اور اپنی مفید تجاویز اور مشوروں سے یونیورسٹی کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ نیز مسلمانوں کی خدمت کے طور پر سنی سنٹرل وقف بورڈ کے بھی عرصہ دراز تک آپ ممبر رہے اور مسلمانوں کے مذہبی شعار وقف کی اسلامی حیثیت سے حفاظت کرنے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

اس جگہ اس کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۵۲ھ میں جب کہ برطانیہ کے زمانے میں ایک مسودہ قانون کونسل میں پیش ہوا تھا اور اس کے بارے میں مشورے کے لیے حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں دیو بند اور سہارنپور

کے علماء تشریف لائے تھے۔ اس میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی شامل تھے۔ اس مسودے پر تفصیلی نظر کے لئے حضرت والد ماجد مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کو تجویز فرمایا گیا تھا۔ ان حضرات نے غور و تحقیق کے بعد اس مسودہ قانون پر تبصرہ لکھا اور اس پر غور کرنے کے لئے علمائے سہارنپور اور تھانہ بھون سے حضرت والد صاحب مرحوم دیو بند پہنچے اور صبح سے تقریباً عشاء تک تمام تبصرہ نہایت غور و خوض کے بعد بالاتفاق منظور ہو گیا تمیں علماء کرام کے دستخط ہونے کے بعد کونسل میں بھیج دیا گیا۔

دوسری مرتبہ پھر تھانہ بھون میں ہی اجتماع ہوا۔ اس میں حافظ ہدایت حسین معہ نواب جمشید علی خان صاحب ممبر کونسل اور حاجی وجیہ الدین صاحب ممبر اسمبلی اور حاجی رشید احمد خان صاحب سوداگر اسلحہ دہلی وغیرہ تشریف لائے اس وقت بھی دیو بند سے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت حکیم الاسلام اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تھانہ بھون تشریف لائے او تقریباً پانچ گھنٹے تک مفصل گفتگو ہوئی اس میں بعض اصلاحات کو حافظ ہدایت حسین صاحب ممبر کونسل اور مجوز مسودہ مذکور نے تسلیم کر لیا۔ پھر بعض اسباب کی بنا پر دیو بند میں دوبارہ اجتماع ہوا۔ اس میں سہارنپور کے علاوہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کو بھی دہلی سے دعوت شرکت دی گئی تھی۔ حضرت مولانا مفتی صاحبؒ معہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے شریک جلسہ ہوئے۔ اس اجتماع میں اس مسودے کے متعلق چند جدید ترمیمات باتفاق طے ہوئیں۔ اور الحاق تبصرہ کے طور پر کونسل میں روانہ کر دیا گیا۔

اس واقعہ سے واضح ہو گیا ہو گا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور ہمارے دوسرے اکابر علماء برطانیہ کے زمانے میں بھی اسلامی اوقاف کے تحفظ کی شرعی قواعد وضوابط کے مطابق سعی بلیغ فرماتے رہے اور حضرت حکیم الامت نے تو اس اہم امر میں قیادت کا فرض انجام دیا۔ سی طرح ہندوستان کی موجودہ حکومت میں بھی حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی سنٹرل وقف بورڈ کی رکنیت قبول فرما کر اپنے اکابر کی جانشینی کا حق ادا کیا تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے مسلک اور نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

حضرات اہل اللہ نے مستفیدین اور طالبین کے اعمال و اخلاق کی اصلاح و تربیت کے لئے نیک صحبت کو نہایت مفید اور مؤثر قرار دیا ہے۔ واقعی صحبت نیک اور ہم نشینی ایسی سریع الاثر اور قوی التاثیر چیز ہے کہ مختصر سی صحبت ہی آدمی کی حالت بدل کر اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دینے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ ؎

صحبت نیکاں اگر یک ساعت ست
بہتر از صد سالہ زہد و طاعت ست

اور روحانیت سے گذر کر بادیات تک سب اپنا اثر دکھاتی اور گلے ناچیز چندروزہ صحبت گل کے بعد بزبان حال لئے کہتی ہے۔ ؎

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

آنحضرت ﷺ کی صحبت کے اثر ہی کا کرشمہ تھا کہ ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ کو بعد کے تمام اولیاء اللہ نہیں پہنچ سکتے۔

صوفیاء کرام کے نزدیک صحبت نیک کو طریق سلوک کا رکن اعظم قرار دیا ہے اور ان کے یہاں اس کی بہت تاکید ہے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

مقام امن دمے بے غش و رفیق شفیق
گرت مدام میسر شود زہے توفیق

اکبرالہ آبادی بزرگوں کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اسی کو حافظ شیرازیؒ نے بزرگوں سے طلب کیا ہے اور کہا ہے ؎

آنانکہ خاک رابنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشئہ چشمے بماکنند

بزرگوں کی صحبت وہم نشینی اور ان کی خدمت بابرکت کی ملازمت اختیار کرنے سے ہی طبیعت اثر پذیر اور دین کے رنگ سے رنگین ہوتی ہے۔ محض کتابوں اور وعظوں سے دین کا یہ رنگ نہیں چڑھتا اور صحیح مزاج و ذوق پیدا نہیں ہوتا۔

اصل دولت تو صحبت و ہم نشینی ہی ہے۔ مگر اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ہو تو بزرگان دین اور اہل رشد کے حالات و حکایات' ملفوظات و مقالات ہی کسی درجہ میں صحبت و مجلس کے قائم مقام ہو جاتے ہیں اور حضرات علماء کرام اور مشائخ عظام کے واقعات وارشادات کے پڑھنے اور سننے سے بھی قریب قریب وہی اثرات و برکات حاصل ہوتے ہیں جو بزرگان دین کی پاک مجلسوں اور بابرکت صحبتوں سے حاضرین حاصل کرتے ہیں۔ نیک صحبت کا اثر اور قلوب صافیہ کا فیض بزرگوں کے الفاظ واقوال اور سوانح و حکایات کے ذریعہ سامعین تک پہنچ کر قلوب کو منور اور متاثر کرتے ہیں۔ اس لئے بزرگوں کی حکایات اور ان کے سوانح حیات سے ہی اعمال واخلاق کی اصلاح کا کام لیا جاسکتا ہے۔

حافظ شیراز فرماتے ہیں ؎

دریں زمانہ رفیقے کی خالی از خلل است
صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

از حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ
مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور:

حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

احب الصالحین ولست منهم
لعل الله یرزقنی صلاحاً

خانوادہ قاسمی کے چشم و چراغ برصغیر کی عظیم ترین مذہبی یونیورسٹی کے مہتمم اور عالم اسلام کے ممتاز عالم دین، علوم عقلیہ ونقلیہ کے بحر ذخار خطیب بے بدل اور حکیم الاسلام۔ علمی دنیا کے چراغ اور علماء کے سرتاج شیخ الہند کے ممتاز شاگرد و مرید۔ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے۔ حافظ الحدیث والقرآن مولانا محمد احمد صاحب کے صاحبزادے۔ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے خصوصی تلمیذ و جانشین اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند جن کی شخصیت اظہر من الشمس ہے کہ بارے میں مجھ جیسے بے بضاحت کا کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے اور لقمان کو حکمت سکھانے کے مترادف ہے تاہم حضرت حکیم الاسلامؒ کے بارے میں چند کلمات لکھنے کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہوئے یہ جرأت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

آپ کا مختصر سوانحی خاکہ کچھ یوں ہے۔ آپ کا مولد قصبہ دیوبند ہے۔ تاریخ ولادت ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء ہے۔ تاریخی نام "مظفر الدین" ہے۔ سات سال کے ہوئے تو دارالعلوم میں داخل کروایا گیا۔ صرف دو سال کی قلیل مدت میں قرآن پاک قرأت وتجوید کے ساتھ حفظ کر لیا۔ پانچ سال فارسی اور ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کی اور پھر عربی نصاب شروع کیا۔ ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور سند فضیلت حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں سے علامۃ العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں حضرت شیخ الہند سے بیعت فرمائی حضرت کی وفات کے بعد آپ نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی طرف

رجوع کیا اور ان سے تربیت باطنی و ظاہری حاصل کی۔ ۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ فراغت کے فوراً بعد ہی آپ نے دارالعلوم دیوبند میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ ذہانت و فطانت تو آپ کو ورثے میں ملی تھی۔ جس کی بدولت آپ طلباء اور حلقۂ مستفیدین میں بہت جلد مقبول ہو گئے۔

۱۳۴۳ھ-۱۹۲۴ء میں نائب مہتمم کے عہدہ پر آپ کا تقرر ہوا۔

۱۳۴۸ھ-۱۹۲۹ء کے اوائل تک آپ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی زیر نگرانی ادارۂ اہتمام کے انتظامی امور بطریق احسن نمٹاتے رہے۔

۱۳۴۸ھ-۱۹۲۹ء کے وسط میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو باقاعدہ دارالعلوم کا مہتمم بنا دیا گیا اور پھر تادم آخر آپ اسی منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

آہ افسوس صد افسوس کہ حکیم الاسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی وہ ساری رونقیں بھی یک سر ختم ہو گئیں۔ جن سے دارالعلوم دیوبند کی ایک خاص شان نمایاں تھی۔ مختصر یہ کہ اگر حضرت قاری صاحبؒ کی حیات مبارکہ پر ایک نظر دوڑائی جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی زندگی میں اشاعت علوم کا فیض صرف طلبہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ آسمانِ علم کے بڑے بڑے درخشندہ ستارے بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔

کیسی کیسی صورتیں آنکھوں سے پنہاں ہو گئیں
کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں

حضرت قاری صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ بیک وقت عالم بھی تھے اور صوفی بھی۔ خطیب بھی تھے اور مدرس بھی۔ واعظ بھی تھے اور مصلح بھی۔ الغرض ایک عالم میں جتنی بھی خوبیاں ا[illegible] ہوسکتی ہیں وہ سب ہی اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھی تھیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر
ان یجمع العالم فی واحد

حضرت قاری صاحب کا وعظ تو بہت ہی مشہور تھا جب کسی مضمون کو شروع فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کہ لڑی میں موتی پرو رہے ہیں۔ یہ حضرت قاری صاحب کے وعظ ہی کی خصوصیت تھی کہ ہزاروں کے مجمع میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہیں اٹھتا تھا جب تک کہ وعظ ختم نہ ہو جاتا عجیب محویت کا عالم ہوتا تھا۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر میرے نالے غزل خواں ہو گئیں

کتنا ہی مشکل موضوع کیوں نہ ہو۔ اپنے پرائے سب ہی سنتے اور حضرت قاری صاحب کو ان کی حسن بیانی پر داد

دیتے اور خوب دل کھول کر دیتے بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کا وعظ اور درس الہامی ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہو حضرت قاری صاحب مہتمم بھی تو ایک ایسے ادارے اور جامعہ کے تھے جس کی بنیاد بھی الہامی طور پر رکھی گئی تھی۔ جیسا کہ خود آپ کا فرمانا ہے کہ دارالعلوم کی بنیاد ہی الہامی نہیں بلکہ اس کے اساتذہ کا تقرر، طلباء کا استفادہ سب ہی الہامی ہے۔ جس کی تفصیل حضرت کے مختلف مواعظ اور حضرت کی بہت سی تصنیفات مبارکہ میں موجود ہے۔

حضرت قاری صاحب کا تعلق علماء کرام سے بھی عجیب ہی تھا۔ پاک و ہند کا شاید ہی کوئی ایسا عالم ہو جس کے دل میں حضرت قاری صاحب کی خاص محبت نہ ہو۔ ہر دل قاری صاحب کی محبت سے لبریز تھا۔ آپ جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو کوشش یہی فرماتے کہ یہاں کے تمام علماء کرام سے مل جائیں۔

حضرت اقدس والد صاحب کی حیات مبارکہ میں جب بھی آتے تو سب سے پہلے ان ہی کی خدمت میں حاضری دیتے۔ حضرت والد صاحبؒ (حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ) کے ساتھ بہت ہی گہرا تعلق تھا۔ جامعہ اشرفیہ کا سالانہ جلسہ اس وقت تک نہیں ہوتا تھا جب تک حضرت قاری صاحب نہ تشریف لائیں۔ جامعہ اشرفیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت قاری صاحب جب بھی تشریف لاتے تو جامعہ ہی میں قیام فرماتے دوران قیام کبھی تو جامعہ کے طلبہ کو درس دیتے اور کبھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات طیبات سناتے اور اکثر جمعہ کا وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت قاری صاحب جہاں بھی تشریف فرما ہوتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ تشنگان علوم کا سیلاب امنڈ آیا ہے۔ ہر آنے والے کی نظر حضرت قاری صاحب پر ہی جا کر رکتی تھی۔ بس یوں لگتا تھا کہ اس جلسے کا چہرہ مہرہ حضرت ہی کی ذات اقدس ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور
کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

حضرت جب کسی موضوع پر گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ پورا کتب خانہ ہی حضرت کے سامنے کھلا پڑا ہے۔ ہر بات قرآن حدیث اور فقہ کے حوالے سے فرماتے۔ مجھے بہت کم یاد ہے کہ حضرت نے کبھی کوئی بات حوالے کے بغیر کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کی زبان مبارک میں بڑی کشش اور تاثیر ہوتی تھی۔

حضرت والا تو اس کے مصداق تھے ؎

چلتا پھرتا وہ کتب خانہ تھا مثل زیلعی
نکتہ داں فقہ وحیرا ذکیا و ترمذی

امام رازی وغزالی کے علوم ومعارف کے تو حافظ تھے اس کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم پر بھی گرفت خوب مضبوط تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک طویل مدت تک حجۃ اللہ البالغہ کا باقاعدہ درس دیتے رہے اس درس کی شان یہ ہوتی

تھی کہ اس وقت دارالعلوم کے بڑے بڑے اساتذہ کرام اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت قاری صاحب اس طرح اس کی تشریح وتوضیح فرماتے کہ سبحان اللہ! بیساختہ ہر ایک کی زبان سے نکلتا تھا۔

بوعلی وقت فخر الدین رازی زمان

شہ ولی اللہ دوران و غزالی زمان

اللہ رب العزت نے حضرت قاری صاحب کی ذات گرامی پر یہ خاص فضل فرمایا تھا کہ وہ جس میدان میں بھی چلے جاتے اس کے شہسوار ہوتے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ جب دارالعلوم سے فراغت حاصل کی تو حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے دستارفضیلت عطا کرنے کے لئے ایک جلسے کا اعلان فرمایا:

حضرت تھانویؒ نے اپنے ساتھیوں سے یہ مشورہ کیا کہ اب کیا ہوگا جلسے میں بڑے علماء ہوں گے عوام ہوں گے خواص ہوں گے سب کے سامنے یہ اعلان کیا جائے گا کہ یہ حضرات فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔ اب لوگ ہمارے پاس آئیں گے۔ مسائل پوچھیں گے اور اگر ہمیں نہ آئے تو اساتذہ کی بدنامی ہوگی جو ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔ تو مشورہ یہ طے پایا کہ حضرت تھانویؒ ہی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوں اور حاضر ہو کر عرض کریں کہ جلسہ کو منسوخ کر دیا جائے۔ اس طرح دارالعلوم اور اساتذہ کرام نہ صرف بدنامی سے بچ جائیں گے بلکہ ہمیں بھی لوگوں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔

حضرت تھانویؒ ڈرتے ڈرتے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ جلسہ کر رہے ہیں اور اس میں ہمیں دستارفضیلت عطا کی جائے گی۔

حضرت مولانا یعقوب نے فرمایا کہ ہاں۔ ایسا ہی ہے۔

اس پر حضرت تھانویؒ نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں۔

حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہاں بڑے شوق سے کہیئے۔ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

اس پر حضرت تھانویؒ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا اور بڑی منت سماجت سے عرض کیا کہ حضرت اس جلسے کو منسوخ کر دیا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ہم جیسے نااہل اساتذہ دارالعلوم کی بدنامی کا باعث ہی بن جائیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ ہاں تمہیں اپنے آپ کو اپنے اساتذہ کے سامنے یوں ہی سمجھنا چاہئے۔ لیکن سنو!

''خدا کی قسم میں دعویٰ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ تم جس میدان میں بھی جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے اور پھر فرمایا کہ اب صرف یہی نہیں ہوگا کہ تمہیں دستارفضیلت ہی دے دی جائے گی بلکہ یہ اعلان بھی کیا جائے گا کہ جس کا جی چاہے اور جس فن میں چاہے ان سے مناظرہ کرلے۔

یہ واقعہ حضرت قاری صاحب نے خود بھی جامعہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد پر سنایا تھا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے اس فرمان اقدس کا اتنا اثر ہوا کہ حضرت قاری صاحب تک جو بھی عالم و فاضل دارالعلوم دیو بند سے فارغ ہو کر آیا اس کی یہی شان تھی۔ جس میدان میں گیا تو اس کا شہسوار تھا۔ فلسفہ جدید ہو یا قدیم حضرت قاری صاحبؒ کے پاؤں چومتا تھا اور قرآن پر جو دسترس تھی وہ بھی انہیں کا حصہ تھی۔ علم حدیث میں بھی آپ ید طولیٰ رکھتے تھے اور گویا کہ وہ اس کا مصداق تھے۔

فلسفی و آشنائے رمز قرآن مبین
شارح علم حدیث پاک و نکتہ آفریں

بہر حال حضرت قاری صاحبؒ نے پاک و ہند کے علاوہ بیرونی دنیا میں جو تبلیغ دین کا کام انجام دیا وہ ہر شخص جانتا ہے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ ثم الحمدللہ افریقہ وغیرہ میں ہزارہا کی تعداد میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس حقیر کے مواعظ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے۔''

اندریں سلسلہ ایک عجیب و غریب واقعہ بھی بیان فرمایا جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

ایک دفعہ آپ افریقہ کے دورے پر تھے۔ وہاں چند مخلصین نے درخواست کی کہ حضرت آپ کو یہاں کے مشہور مشہور اور تاریخی مقامات دکھائے جائیں۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا۔ چنانچہ یہ حضرات حضرت کو لے کر سب سے پہلے وہاں کی مشہور یونیورسٹی میں لے گئے۔ وہاں اتفاقاً طلباء کا جلسہ ہو رہا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب وہاں گورے اور کالے کی تفریق چل رہی تھی۔ اسی میں لڑائی جھگڑا ہو رہا تھا۔ کالے گوروں کو اور گورے کالوں کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

حضرت کا فرمانا ہے کہ جب میں یونیورسٹی میں داخل ہوا تو وہاں استقبال کرنے والوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید یہ بھی مدعوئین میں سے ہیں۔ ہمارا استقبال کیا اور سیدھے وہاں پہنچادئے جہاں جلسہ ہو رہا تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو اسٹیج پر تین کرسیاں تھیں۔ ایک صدر کی ایک نائب صدر کی اور ایک سیکرٹری کی' سیکرٹری خاتون تھیں۔ ہمیں دیکھ کر یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اسٹیج پر لے کر پہنچ گئے۔ سیکرٹری نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور مجھے وہاں بیٹھنے کو کہا۔ اب تعارف ہوا اور انہوں نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ ہندوستان کی مشہور یونیورسٹی دیو بند کے چانسلر آئے ہیں۔ یہ آپ کے سامنے کچھ بیان کریں گے۔

حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر تشویش ہوئی۔ کہ نہ مجھے اس جلسہ کی غرض و غایت کا علم ہے اور نہ ہی ذہن میں کچھ ہے۔ اب کیا بیان کروں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی یہ ڈال دیا کہ یہاں فضیلت علم بیان کی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان حضرات سے سوال کیا کہ آپ کو یہاں کس چیز نے جمع کیا ہے؟ اگر آپ کہیں کہ وطن نے۔ تو میں کہوں گا اس طرح ٹھیک نہیں کہ میرا وطن ہندوستان ہے اور آپ کا افریقہ سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے۔ اگر آپ کہیں کہ رنگ نے تو یہ بھی خلاف مشاہدہ ہے۔ کہ میرا رنگ کچھ گورا ہے اور آپ کا سیاہ ہے۔ اگر آپ کہیں کہ قومیت نے تو وہ بھی

ایسی نہیں۔ آپ کی قومیت اور ہے اور میری اور اگر آپ کہیں مذہب نے تو وہ بھی ایسا نہیں۔ آپ کا مذہب اور ہے اور میرا مذہب اور ہے اور پھر کس چیز نے جمع کیا۔

فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ سوال کیا تو وہ سارے میرا منہ تکنے لگے کہ یہ کیسا سوال ہے اور سائل کون ہے؟ پھر میں نے خود ہی عرض کیا کہ ہمیں جمع کیا ہے علم نے آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں اور کیا کہنے والا ہوں اور میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کیوں اور کیسے اور کس لئے جمع ہوئے ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں۔ پھر میں نے پہلے تو قرآن و حدیث سے علم کی فضیلت بیان کی اور پھر یہ عرض کیا کہ ہمارے مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ گورے اور کالے میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وہاں وہ معزز اور محترم ہے جو متقی ہو۔ پرہیزگار ہو۔

فرماتے ہیں کہ جب میرا وعظ ختم ہوا تو سینکڑوں کی تعداد میں طلباء اور سامعین رو رہے تھے۔ اس وعظ کا اثر یہ ہوا کہ گوروں نے کالوں کو اور کالوں نے گوروں کو گلے لگا لیا اور پھر ان میں سے ایک بڑی تعداد نے اسلام بھی قبول کر لیا۔

دین کی حقانیت کا حجت و برہان رہا
تھا فرشتہ اور گمان حضرت انسان رہا

باوجود اس کے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے عرب و عجم کا شاید ہی کوئی خط ایسا ہو کہ سفر نہ کیا ہو اور ہر جگہ ہی حضرتؒ کے چاہنے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ مگر حضرت نے اپنی ذات کے لئے بھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔ جمعیت آپ کے مدنظر دارالعلوم دیوبند کی خدمت ہوا کرتی تھی اسی مقصد کے لئے دور دراز کے سفر کیا کرتے تھے۔

بے نیاز خانہ وجاہ جمال وسیم وزر
محو تھا درس و بیاں وعظ میں شام و سحر

حضرت کی کس کس بات کا ذکر کروں اور کسے چھوڑوں۔ حضرت نے وعظ و ارشاد کے علاوہ تقریباً ایک سو سے زائد تصنیفات مبارکہ بھی ملت اسلامیہ کے لئے چھوڑی ہیں۔ حضرت ساٹھ سال تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔ اس ساٹھ سالہ دور میں دارالعلوم نے جو ترقی کی وہ ایک ریکارڈ ہے۔

اس بات کا دکھ اور افسوس تا حیات ضرور رہے گا کہ آخری وقت میں بعض ناعاقبت اندیش حضرات کی وجہ سے حضرت قاری صاحب کو سخت ذہنی اور جسمانی کوفت ہوئی۔ اس پیرانہ سالی میں یہ بات قطعاً نامناسب تھی اسی وجہ سے حضرت کی صحت دن بدن گرتی گئی یہاں تک کہ وہ وقت بھی آیا کہ جس دارالعلوم کے لئے حضرت نے ساری زندگی وقف کر دی تھی اس کے صحن سے حضرت کا جنازہ اٹھایا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت قاری صاحب کا وصال ایک فرد کا نہیں بلکہ ایک قوم کی موت ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدّما

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ فرماتے ہیں۔

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے

حال دنیا رابہ پر سیدم من از فرزانہ

گفت یا خواب است یا باداست یا افسانہ

بہرکیف حضرت قاری صاحبؒ روشن دلان دیوبند کے لعل شب چراغ تھے جس سے یہ گھر تمام آفتاب ہوگیا۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں

ایک طلوع آفتاب دشت و چمن سحر سحر

اللہ تعالیٰ حضرت حکیم الاسلامؒ کی علمی، مذہبی اور دینی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرمائے۔ آمین۔

ایں دعا از من و از جملہ یہاں امین ماد

محمد عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ ۲۰ فروری ۱۹۸۴ء

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر دیوبند:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پچھلی تاریخ نہیں بلکہ خود اپنے دور اور اپنی زندگی کے رواں دواں اوقات اور اس زندگی کے پیچ وخم کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سلسلۂ نبوت ختم اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے مگر غیر پیغمبرانہ سطح پر اب بھی ایسے مصلحین امت علماء حق اور قوم وملت کو زندگی کی تب وتاب بخشنے والے مردان کار دنیا میں آتے رہتے ہیں جن کی قابل تقلید زندگی بے غرض عمل، علم وفضل کی گہرائیاں بابرکت صحبت اور ہمہ گیر تبلیغی اور اخلاقی سرگرمیاں ملت کو از سر نو زندگی بخشتی ہیں۔ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، سید احمد شہید بریلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا محمد الیاس کاندھلوی کا نام لینا غلط نہ ہوگا یہ حضرات بعض وقت تو امت کی زندگی کے کسی ایک گوشہ تجدید وتذکیر کا کام کرتے ہیں بعض وقت اصلاح وتعمیر کے لیے ان کے سامنے امت کی زندگی کے بہت سے شعبے ہوتے ہیں اور وہ سب ہی شعبوں میں اپنی کارکردگی کا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔

مولانا محمد طیب صاحبؒ نے تقریباً ۸۷ برس کی عمر پائی عمر کے ابتدائی ۲۰ سال چھوڑ کر جو تعلیم اور تربیت کے نذر ہو گئے بقیہ ۶۷ برس انہوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، دارالعلوم جیسے عظیم الشان ادارہ کی تعمیر وترقی، دنیا کے مختلف منطقوں میں بسنے والے کروڑوں مسلمانوں کو قرآن وسنت۔ نبی کریم ﷺ کے قریب لانے کے لئے ہزاروں میل کے سفر، دن رات دینی مذاکرات، بیعت وارشاد کی لائن پر ہزاروں افراد کی اخلاقی اور مزاجی تربیت اور ملی اداروں میں کام کرنے والے افراد کی تربیت میں گزارے۔ حضرت مرحوم ایک بے حد مصروف زندگی کے انسان تھے مزاجاً بھی نفاست پسند تھے کہ ان کے اوپر کی کئی پیڑھیاں خوشحال زمینداروں اور قصباتی رئیسوں کی پیڑھیاں تھیں اچھا لباس اور گھر کا اچھا ماحول پسند فرماتے تھے اس نفاست پسندی کے ساتھ سخت کوش اور اوقات کے سخت پابند تھے سفر میں ہر طرح کی صعوبت باآسانی برداشت کرتے تھے سفر وحضر میں کھانا اگر معمول کے مطابق نہیں ملتا تھا تو کبھی ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے غریب سے غریب کسی انسان کے دستر خوان پر بیٹھ کر انہیں دال دھیال کھانے میں بھی کوئی عذر نہ تھا ان کی خندہ روئی، چہرے کی

مسکراہٹ' لب ولہجہ کی شیرینی بڑی نرمی اور آہستگی کے ساتھ اصلاحی اقدامات کو آگے بڑھانے کا طریقہ ان کے اردگرد کے لوگوں کو متاثر کرتا تھا' اصلاح کے لئے ان کا طریقہ سخت گیری کا نہیں تھا بلکہ وہ اپنے ماحول میں اپنے اوقات کے انضباط اور اپنے اخلاق کی مضبوطی سے تغیر پیدا فرماتے تھے غریبوں کی مالی مدد فرماتے تھے مگر بہت پوشیدہ طور پر اس طرح کے لینے اور دینے والے ہاتھ کے سوا کسی اور کو اس کا پتہ نہ چلے امانت کی ذمہ داری کو خوب سمجھتے تھے اگر کوئی شخص اپنے دس روپے بھی کسی دوسرے شخص کو پہنچانے کے لئے دیتا تھا تو پوری کوشش فرماتے تھے کہ جسے امانت دینی ہے اس تک خود پہنچ کر امانت سپرد کریں' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج کی ادائیگی میں ان کا غیر معمولی شغف انتہائی طور پر حیرت انگیز تھا۔ مغرب کے بعد چند نوافل میں قرآن کریم کے ایک دو سیپاروں کی تلاوت ان کا معمول تھا اور اس معمول کو وہ ہوائی جہاز' ریل' ہوائی اڈوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر بھی پورا فرماتے تھے مجلس کے اوقات متعین تھے اس سے زائد وقت مجلس میں صرف نہیں فرماتے تھے۔ تحریر وتصنیف کی دنیا الگ تھی اور اس دنیا سے بھی ان کی وابستگی دائمی تھی تقریر کی خوبیاں اور کمالات ان پر نازل ہوتی تھیں سوتے سوتے بھی تقریر فرماتے اور نیند کی یہ تقریریں بھی انتہائی مربوط' موثر اور منطقی لحاظ سے مکمل ہوتی تھیں ان کی نیند کی تقریروں کے بہت سے کیسٹ لوگوں کے پاس موجود ہیں جنہیں سن کر قطعاً اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ بیداری کی تقریریں نہیں بلکہ نیند کی تقریریں ہیں گھنٹہ گھنٹہ بھر کی پوری تقریر بلند آواز اور اپنے مخصوص لہجہ میں سوتے سوتے فرما دیتے اور انہیں اس کا احساس نہ ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

اپنے اساتذہ' مشائخ اور بزرگوں کے بے حد مداح' ان کی روایات وکمالات کے عاشق' ان کی بارگاہ میں بے حد مودب تھے اپنے جدّ امجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم پر فائز نظر تھی۔ جنہیں اپنی سادہ زبان میں اس طرح بیان فرماتے تھے کہ معمولی استعداد کا انسان بھی ان سے مستفید ہوتا تھا۔ علمی لائن پر اپنے اساتذہ محدّث عصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بیکراں علوم کے قدردان تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے تعلق خاطر غیر محدود تھا جب بھی محدث جلیل کا ذکر چھڑ جاتا تو وہ ان کے ذکر خیر میں مستغرق ہو جاتے۔ ان کے علم ان کے درس اور ان کی ذاتی زندگی کی ایک داستان ان کی زبان پر آ جاتی' سیاست و جہاد میں حضرت شیخ الہندؒ کی مردانہ وار سرگرمیوں کے ورق کے ورق انہیں محفوظ تھے بعض دفعہ دیر تک حضرت کی زندگی کے اس پہلو پر روشنی ڈالتے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے عملی اور جہادی فضائل کے معترف تھے سیاسیات اور دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں کبھی کبھار کچھ اختلافات پیدا ہو جانے کے باوجود دونوں اپنے ظاہر و باطن میں ایک دوسرے سے مربوط تھے ہم نے حضرت مدنیؒ کو حضرت مہتمم صاحب کے جوتے اٹھانے میں پیش قدمی فرماتے ہوئے دیکھا ہے۔ دارالحدیث دارالعلوم کی وہ ولولہ انگیز تقریر بھی ہمیں خوب یاد ہے جو حضرت مہتمم صاحب کی پاکستان سے واپسی پر حضرت مدنیؒ نے فرمائی تھی حضرتؒ کی یہ تقریر خاندان قاسمی اور حضرت مہتمم صاحبؒ کے لئے ان کی بے لوث محبت کی آئینہ دار تھی حضرت مدنیؒ کے وہ نام لیوا جنہوں نے

آخر وقت میں حضرت مہتمم صاحبؒ پر ہر طرح کے الزامات لگائے اگر خود حضرت مدنیؒ کے طرز عمل کو اپنے سامنے رکھتے اور اپنے اقتدار کی خاطر وقت کی سیاسی طاقتوں کا آلہ کار نہ بنتے اور حضرت مہتمم صاحبؒ کے واجبی ادب واحترام کا حق ادا کرتے تو کتنا اچھا ہوتا' سعادت اور پاکیزگی کی کیسی فضا پیدا ہوتی اور رشد وہدایت کا کیسا ماحول بنتا۔ یہ بات کھلے دل سے ماننی اور کھلے کانوں سے سننی چاہئے کہ اگر ہم اپنے بڑوں کا ادب نہیں کریں گے ان کے خلاف ان کے چھوٹوں میں مخالفانہ اور جارحانہ جذبات کی تخم ریزی کریں گے اور عزت وتعظیم کی جن مسندوں میں وہ سالہا سال کی مشقتوں اور ریاضتوں کے بعد پہنچے ہیں اگر ان مسندوں کا ہم اعتبار واعتماد باقی نہیں رکھیں گے تو یہی چھوٹے جن سے ہم نے ہزاروں کی بے عزتی اور عزت شکنی کا کام لیا ہے۔ کل کو خود ہماری عزت وآبرو ہمارے ڈسپلن اور ہماری انتظامیہ کے خلاف ہنگامہ آرائی اور انہی تیروں سے ہمارے سینہ کو زخمی کریں گے جو ہم نے اپنے بڑوں کی کلاہ اقتدار کو گرانے کے لئے ان کے ہاتھوں میں دیئے تھے۔ انہیں زندگی کی ان باریکیوں اور ادارہ کی ذمہ داریوں کی ان گرانباریوں سے خود کو ہرگز فارغ نہیں بنانا چاہئے۔

منجملہ اور اوصاف کے حضرت مہتمم صاحبؒ کا ایک وصف خصوصی یہ تھا کہ وہ خلوت وجلوت میں کبھی کسی کی غیبت اور برائی نہیں فرماتے تھے سیاسی اور انتظامی معاملات میں ان پر مخالفین نے سینکڑوں دفعہ یورش اور یلغار کی دوسرا کوئی ہوتا تو ان کے صبر آزما الزامات اور بدترین لب ولہجہ سے یقیناً مشتعل ہو جاتا مگر حضرتؒ دارالعلوم کی شوریٰ کے جلسوں سے باہر آتے تو ان کے ماتھے پر ایک بھی شکن نہ ہوتی اور ان ہی لوگوں سے جو خفیہ میٹنگوں میں اچھل اچھل کر ان پر حملے کرتے تھے ان کا لب ولہجہ انتہائی نرم' ادب آمیز اور مشفقانہ ہوتا۔ ہم لوگ عمر بھر حضرتؒ کے قریب رہے' خلوت وجلوت کے ساتھی رہے مگر بہت سی تلخیوں کا ہمیں بروقت نہ علم ہو سکا اور نہ احساس' انہی تلخ واقعات کی گونج جب کبھی باہر اٹھی تو ہمیں معلوم ہوا کہ فلاں جلسۂ شوریٰ میں فلاں صاحب نے یہ دریدہ دہنی کی تھی اور فلاں میٹنگ میں فلاں صاحب اس طرح آستین چڑھا کر مقابلے پر آ گئے تھے۔ حضرتؒ کی زندگی اپنے کمالات معنوی وظاہری کے ساتھ بے حد وسیع اور ہمہ گیر ہے ان کے اخلاق واعمال' ان کے درس وتدریس' ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف' افریقہ' امریکہ' لندن اور ممالک عرب تک ان کے اصلاحی مواعظ' دارالعلوم میں اُن کی ۶۰ سالہ خدمات' دارالعلوم کی علمی وعملی زندگی کو منظم کرنے کے لیے ان کی بھرپور جدوجہد' بیعت وارشاد کے گوشوں میں ان کی امتیازی خصوصیات' ان کی دیانت' حلم' بردباری' شرافت طبعی اور شرافت نسبی' جمعیۃ العلماء ہند کے تعمیری دور سے ان کی وابستگی اور اس کے بہت سے اجتماعات میں ان کے معرکۃ الآراء خطبات' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مذہبی شعور کے احیاء کے لئے ان کے ابتدائی اقدامات' مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم پر مسلمانوں کے شخصی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے ان کا قائدانہ کردار' دارالعلوم کا بے مثال صد سالہ اجتماع جو اس کا نقطہ عروج تھا اور جسے دیکھ کر مسلمانوں کے شاندار مستقبل کا اندازہ کر کے مخالفین نے وہیں سے دارالعلوم کے لئے زوال کے حالات پیدا کئے اپنے اساتذہ کا احترام اور ان کی اولاد سے ان کا مشفقانہ طرز عمل' طلب علوم دینیہ پر ان کی لگاتار شفقت'

اپنے مخالفین و معاندین سے چشم پوشی کی عادت' ان کے لاتعداد ملکی اور غیر ملکی سفر' مسلم لیگ اور کانگریس کے سیاسی نزاعات کے تحریکی دور میں دارالعلوم کے مفاد کی خاطر ان کا محتاط طرز عمل' دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں ان کے بے نظیر تدبر' اور مدبرانہ حکمت عملی کے صدہا واقعات' نرمی اور شفقت کے ساتھ دارالعلوم کے سینکڑوں افراد پر مشتمل عملہ سے ان کی درسی اور انتظامی خدمات کو بروقت پورا کرنے کا مخصوص طریقہ' یہ سب عنوانات حضرتؒ صد بہار بہ دامن زندگی کے پھیلے ہوئے گوشے ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک مفصل مضمون لکھا جانا چاہئے اور کسی ایک مضمون میں ان سب کا احاطہ ناممکن ہے بعض احباب کی طرف سے اس کی تحریک ہے کہ میں اپنے موجودہ فرصت کے اوقات میں حضرت مرحوم کی ایک مفصل سوانح عمری لکھ دوں ان کا خیال ہے کہ خود میرے حافظہ میں گزشتہ ۴۵' ۵۰ سال کے واقعات محفوظ ہیں پھر برادران مکرم مولانا حامد الانصاری غازی' محترم مولانا محمد سالم' مولانا محمد اسلم' عزیزی پروفیسر محمد اعظم' خاندان قاسمی کے افراد' دوسرے افراد' رفیق خاص مولانا عبدالحق پیشکار' اور حضرتؒ کے دوسرے منتسبین اور متعلقین سے قریبی تعلق کی بناء پر میرے لئے یہ کام آسان ہے میرا تاثر یہ ہے کہ مجھے افراد و اشخاص پر تعارفی مضامین اور سوانحی خاکے لکھنے کا تو بار بار اتفاق ہے مگر ایسی کوئی جامع اور مفصل سوانح عمری میرے قلم سے نہیں نکلی۔

بہر حال اس سلسلہ میں حضرت کا قریبی حلقہ جلد ہی کوئی فیصلہ کرے گا۔

حق یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی پوری امت کے لئے ایک حادثہ ہے میں جذباتی طور پر نہیں بلکہ عقلی طور پر سمجھتا ہوں کہ اب قریب و بعید میں علماء کی صف میں ایسی جامع کمالات شخصیت کوئی نہیں اور پھر اتنے ہمہ گیر اثر و رسوخ اور بے اندازہ مقبولیت کے باوجود حضرت کو آخر زندگی میں جن حوادث و شدائد کا سامنا کرنا پڑا اس پر سبھی کو بے حد رنج ہے مگر میرا یقین ہے کہ یہ ۱۶ ماہی ترددات من جانب اللہ حضرت، کے اضافہ مراتب کا باعث بنے ہیں کہ حضرت کو ان حالات پر صبر و سکینت کی جو دولت نصیب تھی۔ وہ اس کی گواہ ہے کہ یہ حالات ان کے لئے ابتلاء نہیں تھے بلکہ آخرت میں انہیں مدارج عالیہ تک پہنچانے کا ذریعہ تھے۔

از حضرت علامہ محمد تقی عثمانی مدظلہ:

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حمد وستائش اس ذات کے لیے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

یہ دلگداز خبر اب تک پرانی بھی ہو چکی ہوگی کہ دارالعلوم دیوبند میں سلف کی آخری یادگار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ لیکن اس سانحے کی ٹیس نہ جانے کب تک دلوں میں تازہ رہے گی۔ اس لئے کہ یہ صرف کسی ایک شخص کی وفات نہیں' یہ ایک پورے عہد کا اس کے مزاج و مذاق کا اور اس کی دلآویز خصوصیات کا خاتمہ ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی ذات گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت دور کی دلکش یادگار تھی جس نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات کا جلوۂ جہاں آرا دیکھا تھا۔ جس ہستی کی تعلیم و تربیت میں علم وعمل کے ان مجسم پیکروں نے حصہ لیا ہو' اس کے اوصاف و کمالات کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ہم جیسوں کے لیے مشکل ہے' لیکن یہ ضرور ہے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہم کے پیکر میں معصومیت' حسن اخلاق اور علم وعمل کے جو نمونے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں' ان کے نقوش دل و دماغ سے محو نہیں ہو سکتے۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ' بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حکمت دین کی جو معرفت حضرت نانوتوی قدس سرہ کو عطا فرمائی تھی۔ اس دور میں حضرت قاری صاحبؒ اس کے تنہا وارث تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم کو جن حضرات نے اپنے مزاج و مذاق میں جذب کر کے انہیں شرح و بسط کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا' ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے بعد حضرت

قاری صاحبؒ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس اور تصنیف کے لئے با قاعدہ وقت بہت کم ملا' اور نو عمری ہی میں دارالعلوم دیو بند جیسے عظیم الشان ادارے کے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آ گئیں۔ ان ذمہ داریوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو عموماً علمی مشاغل سے دور کر کے اس کی علمی استعداد پر بہت برا اثر ڈالتی ہیں' لیکن حضرت قاری صاحب قدس سرہ کا معاملہ اس لحاظ سے بھی حیرت انگیز تھا انتظامی بکھیڑوں میں مبتلا رہنے کے باوجود ان کا علمی مذاق ہمیشہ تازہ اور ان کی علمی استعداد سدا بہار رہی۔

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اور حضرت قاری صاحب قدس سرہ بچپن سے ایک دوسرے کے ساتھ اور زندگی کے ہر مرحلے میں ایک دوسرے کے رفیق رہے' دونوں نے دارالعلوم دیو بند میں ساتھ پڑھا' ساتھ فارغ ہوئے' ساتھ ہی پڑھانا شروع کیا' دونوں ایک ہی وقت حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے' اور پھر حضرتؒ کی وفات کے بعد ایک ہی ساتھ تھانہ بھون حاضر ہو کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے' اور تقریباً ساتھ ہی ساتھ دونوں کو حضرت تھانویؒ کی طرف سے خلافت عطا ہوئی۔ ۱۳۴۵ھ میں سب سے پہلا حج بھی دونوں نے ساتھ کیا' غرض ظاہری تعلیم اور باطنی تربیت سے لے کر سیر و تفریح تک' ہر چیز میں دونوں کی رفاقت مثالی رفاقت تھی۔

پھر جب قیام پاکستان کی تحریک شروع ہوئی اور آزادی ہند کے طریق کار سے متعلق علماء دیو بند کے درمیان اختلاف رونما ہوا تو حضرت والد صاحبؒ کی طرح حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر بھی حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی رائے کی طرف مائل تھا' لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے آپ کو عملی سیاست سے بالکلیہ یکسو کر کے ہمہ تن دارالعلوم دیو بند کی خدمت کے لیے وقف کیا ہوا تھا' اس لئے یہ نقطہ نظر اسٹیج پر نہ آ سکا' حضرت والد صاحبؒ قیام پاکستان کے بعد یہاں تشریف لے آئے اور حضرت قاری صاحبؒ کے لیے دارالعلوم کی گراں بار ذمہ داری کے پیش نظر دیو بند چھوڑنے کا سوال ہی نہ تھا۔ لیکن یہ بات میں نے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنی کہ جس روز حضرت مفتی صاحب دیو بند سے پاکستان کے لیے روانہ ہوئے' اس روز میں دن بھر روتا رہا' آپ نے حضرت والد صاحبؒ کی وفات کے موقع پر جو تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا' اس میں بھی لکھا تھا کہ:

> تقسیم ملک کے بعد جب آپ نے پاکستانی قومیت اختیار فرمائی اور یہاں سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے گئے تو میں کسی مرنے والے کے لئے بھی اتنا کبھی نہیں رویا تھا جتنا آپ کے فراق پر رویا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر سب گھر والے پریشان ہو گئے تھے کہ آخر کیا حادثہ پیش آ گیا جو اتنا گریہ طاری ہے۔ یہ تعلق کی بنا پر تھا کہ ابتدائے عہد سے ہم رفیق رہے تھے۔ (البلاغ' مفتی اعظمؒ نمبر ص ۳۰)

اس کے بعد سے وہ ہمہ وقتی رفاقت چھوٹ گئی' لیکن قلب و روح کا رشتہ کسی مرحلے پر نہ ٹوٹا' ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے خط میں حضرت والد صاحبؒ کو لکھا۔

''کل میاں مستحسن صاحب فاروقی کے ساتھ مولوی ظہور احمد صاحب نے میری بھی دعوت کی تھی۔ آپ ہی کے مکان سے متصل منشی بشیر احمد صاحب مرحوم کے مکان میں کھانا کھلایا۔ مکان دیکھ کر مکینوں کی یاد تازہ ہوگئی اور دیر تک اس تصور میں استغراق رہا۔''

یہ لکھنے کے بعد حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے متمم بن نویرہ کے ان اشعار سے تمثل فرمایا کہ: ؎

وكنا كندمانى جذيمة حقبة

من الدهر حتى قيل لن تيصدعا

فلما تفرقنا كانى ومالكا

طول اجتماع لم نبت ليلة معا

قیام پاکستان کے بعد بارہا حضرت قاری صاحب قدس سرہ کراچی تشریف لائے اور یہ ممکن نہیں تھا کہ کراچی تشریف لانے کے بعد آپ دارالعلوم تشریف نہ لائیں۔ چنانچہ ہر بار خدام دارالعلوم کو اپنی شفقتوں سے بہرہ ور فرماتے۔ طلباء اور اساتذہ سے خطاب بھی ہوتا' اور پھر حضرت والد صاحبؒ اور ان کے درمیان جو باغ و بہار مجلس ہوتی' اس میں علمی تبادلہ خیال کے علاوہ ماضی کے تذکرے' زمانہ طالب علمی کی یادیں' اساتذہ کے واقعات' اور نہ جانے کتنے موضوعات پر گفتگو آتی' اور ہم خدام کو افادات کا نہ جانے کتنا خزانہ ہاتھ آجاتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب قدس سرہ کی تصنیف اور خطابت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا' اگرچہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت بھی حضرتؒ کی زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھی' حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو' لیکن حیرت ہے کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ تصنیف و تالیف کے لیے بھی وقت نکال لیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی دسیوں تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں' اور ان کے مطالبہ سے دین کی عظمت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جہاں تک وعظ و خطابت کا تعلق ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایسا عجیب و غریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی' بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں' حضرت قاری صاحبؒ کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے' نہ جوش و خروش' نہ فقرے چست کرنے کا انداز' نہ پر تکلف لسانی' نہ لہجہ اور ترنم' نہ خطیبانہ ادائیں' لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر مؤثر' دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے' مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ' لیکن انداز بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی

پانی ہو کر رہ جاتے۔ جوش و خروش نام کو نہ تھا' لیکن الفاظ و معانی کی ایک نہر سلسبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی' اور قلب و دماغ کو نہال کر دیتی تھی' ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں' ان کی تقریر میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک باوقار دریا کا ٹھہراؤ تھا جو انسان کو زیر و زبر کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا' لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی اور کتنے غلط عقائد ونظریات سے تائب ہوئے۔

لاہور میں ایک صاحب علماء دیوبند کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈے سے بہت متاثر اور علماء دیوبند سے بری طرح برگشتہ تھے' طرح طرح کی بدعات میں مبتلا' بلکہ ان کو کفر و ایمان کا معیار قرار دینے والے' اتفاق سے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ لاہور تشریف لائے اور وہاں ایک مسجد میں آپ کے وعظ کا اعلان ہوا' یہ صاحب خود سناتے ہیں کہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ان کے وعظ میں اس نیت سے پہنچا کہ انہیں اعتراضات کا نشانہ بناؤں گا اور موقع ملا تو اس مجلس کو خراب کرنے کی کوشش کروں گا۔

لیکن اول تو ابھی تقریر شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت قاری صاحبؒ کا معصوم اور پرنور چہرہ دیکھ کر ہی اپنے عزائم میں زلزلہ سا آ گیا' دل نے اندر سے گواہی دی کہ یہ چہرہ کسی بے ادب گستاخ یا گمراہ کا نہیں ہو سکتا۔ پھر جب وعظ شروع ہوا اور اس میں دین کے جو حقائق و معارف سامنے آئے تو پہلی بار اندازہ ہوا کہ علم دین کسے کہتے ہیں؟ یہاں تک کہ تقریر کے اختتام تک میں حضرت قاری صاحبؒ کے آگے موم ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کی' اور اللہ تعالیٰ نے بزرگان دین کے بارے میں ایسی بدگمانیوں سے نجات عطا فرمائی۔

برصغیر کا تو شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں حضرت قاری صاحبؒ کی آواز نہ پہنچی ہو۔ اس کے علاوہ افریقہ' یورپ' اور امریکہ تک آپ کے وعظ و ارشاد کے فیوض پھیلے ہوئے ہیں' اور ان سے نہ جانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا منصب اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی' حضرت قاری صاحبؒ نے پچاس سال سے زائد اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا' اس دوران دارالعلوم پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک دور آئے' لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے ان تمام جھمیلوں کو نمٹایا' اور اپنی ساری زندگی دارالعلوم کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ سخت سے سخت مرحلوں پر بھی انہیں پرسکون ہی دیکھا۔ اجلاس صد سالہ کا ہنگامہ دارالعلوم کے منتظمین کے لئے ایک کڑی آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا۔ دیوبند جیسی مختصر جگہ میں لاکھوں افراد کے اجتماع کا انتظام انتہائی مشکل کام تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر سراسیمگی سے نجات حاصل نہ کر سکتا' لیکن ٹھیک اجلاس کے افتتاح کے روز حضرت قاری صاحب کے پاس حاضری ہوئی تو حسب معمول انہیں متبسم اور پرسکون دیکھا' چہرے پر تھکن ضرور تھی' لیکن گھبراہٹ اور پریشانی نام کو نہ تھی۔

افسوس ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں باہمی اختلافات نے جن طوفانی ہنگاموں کی شکل اختیار کی انہوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کر دیا' دور ہونے کی وجہ سے ہمیں تمام حالات و واقعات سے واقفیت تو نہ تھی' لیکن اس بات سے دل بے چین تھا کہ اس آخری عمر میں حضرت قاری صاحبؒ پر ان ہنگاموں کی وجہ سے کیا بیت رہی ہو گی؟ اس زمانے کے حالات اس قدر پیچیدہ اور ان کے بارے میں ملنے والی اطلاعات اتنی متضاد ہیں کہ اب حق و ناحق کا فیصلہ تو شاید آخرت ہی میں ہو سکے گا۔ لیکن اتنی بات واضح ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے چھوٹوں نے ان کی نصف صدی سے زائد کی خدمات کا جو صلہ اس آخری عمر میں ان کو دیا ہے۔ وہ انتہائی تکلیف دہ ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی تک ایک خفیف سی امید باقی تھی کہ شاید اس بحران کا کوئی مناسب حل نکل آئے' لیکن اب ان کی وفات نے اس امید کو بھی خاکستر کر دیا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے دم سے دارالعلوم میں بزرگوں کی روایات زندہ تھیں اور اس کے مخصوص مزاج و مذاق کی جھلک باقی تھی۔ اب دارالعلوم کی ان روایات کا اللہ ہی حافظ ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات بلاشبہ پوری امت کے لیے عظیم سانحہ ہے اور ہم میں سے ہر شخص پر ان کا حق ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق انہیں ایصال ثواب کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائیں۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے نوازیں۔

اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔

(محمد تقی عثمانی کیم ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ)

از مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم الله الرحمن الرحيم ـ الحمدلله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ۔

کل من عليها فان۔

۶ر شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ۔ ۸۸ سال کی عمر میں عالم فنا سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما ہوئے' انا الله وانا اليه راجعون۔

حضرت مرحوم کی عبقری شخصیت گوناگوں فضائل وکمالات کا مجموعہ تھی' وہ اپنے دور کے بہترین قاری' جید حافظ صاحب کمال عالم' قوی النسبت شیخ طریقت' بے بدل خطیب' صاحب طرز' ادیب' نامور متکلم' نکتہ رس فلسفی' قادر الکلام شاعر' کامیاب مدرس اور شگفتہ قلم مصنف تھے۔ حکمت قاسمی کے شارح اور روایات سلف کے امین تھے۔

حضرت مرحوم' حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے پوتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں عالم وجود کو رونق بخشی۔ اہل اللہ کی آغوش محبت میں پھلے پھولے۔ قاعدہ بغدادی کی بسم اللہ سے لے کر علوم عالیہ کی تکمیل تک سب کچھ دارالعلوم میں ہی پڑھا۔ دارالعلوم کے اس دور کے خضر صفت اساتذہ نے نہایت محبت وشفقت اور محنت وتوجہ سے پڑھایا۔ حدیث میں امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ سے تلمذ تھا۔ ۱۳۳۷ھ میں سند فراغ حاصل کی اور دارالعلوم ہی حسبۃ للہ تدریس کی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۳۴۳ھ سے ۱۳۴۸ھ تک اپنے اکابر کی موجودگی میں دارالعلوم کے نائب مہتمم رہے' اور ۱۳۴۸ھ سے اہتمام کے منصب پر فائز ہوئے قدرت فیاض نے انہیں حسن وجمال اور فضل وکمال کے ساتھ ساتھ عقل ودانش' فہم وفراست' حلم ووقار' حسن تدبیر اور نظم ونسق کی بے پناہ صلاحیتیں بھی عطا فرمائی تھیں۔

حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی قدس سرہ کی مالٹا سے تشریف آوری پر ان سے بیعت ہوئے اور ان کے وصال کے بعد حضرت اقدس حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے سلوک کی تکمیل کی، اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو خطابت کا خاص ذوق، زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام وتفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اردو، فارسی اور عربی، تینوں زبانوں میں بلا تکلف خطاب فرماتے تھے، زبان ایسی صاف اور شستہ اور جملے ایسے نپے تلے کہ گویا سامنے کتاب رکھی ہے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ حقائق و واقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے تھے گویا واقعہ متمثل ہو کر سامعین کے سامنے کھڑا ہے۔ شریعت کے اسرار و حکم اور طریقت وحقیقت کے رموز و لطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم ومعرفت کا بند ٹوٹ گیا ہے اور علوم وھبیہ کا طوفان امڈ آیا ہے۔ حضرت مرحوم نے اپنے ساٹھ پینسٹھ سالہ علمی دور میں خدا جانے ہزاروں مرتبہ خطاب کیا ہوگا، اور بعض اوقات ایک ایک دن کئی کئی مرتبہ انہیں تقریر و خطابت کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی ہر تقریر کا موضوع منفرد ہوتا تھا اور جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس میں لطائف و اسرار کے ایسے گل و لالہ بکھیرتے کہ حقائق معارف کے چمنستان میں نئی بہار آ جاتی۔ ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی تھے۔ مشکل سے مشکل مسائل کو بلا تکلف سامعین کے ذہن میں انڈیل دینا اور بات بات میں نکتہ پیدا کرنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ایک موقعہ پر یہ مضمون ارشاد فرما رہے تھے کہ مطالب و معانی کو صرف الفاظ سے ہی نہیں ادا کیا جاتا بلکہ لب ولہجہ اور انداز تکلم سے بھی الفاظ میں معنی بھرے جاتے ہیں اور اس کی مثال میں اردو کا ایک فقرہ ''کیا بات ہے؟'' پیش کیا کہ یہ انکار کے لئے بھی ہے اور اقرار کے لئے بھی ہے، استفہام کے لئے بھی ہے اور اخبار کے لئے بھی، داد وتحسین کے لئے بھی ہے اور زجر و توبیخ کے لئے بھی۔

الغرض مسلسل ایک گھنٹہ تک ''کیا بات ہے؟'' کی تشریح ہوتی رہی اور حضرت مرحوم اس کے ہر مفہوم کو لب ولہجہ کی تبدیلی سے سمجھاتے رہے اور مجمع سحر بیان سے عش عش کر رہا تھا۔ حضرت مرحوم کی بعض تقریریں وقتاً فوقتاً شائع بھی ہوتی رہیں۔ حال ہی میں عزیز محترم مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری سلمہ (خطیب مسجد غفوریہ، حسن پردانہ کالونی ملتان) حضرتؒ کی تقریروں کے کیسٹیں فراہم کر کے ''خطبات حکیم الاسلام'' کے نام سے تین ضخیم جلدیں مرتب کی ہیں اور اگر یہ محنت وجستجو جاری رہی اور حضرتؒ کی جتنی تقریریں محفوظ کر لی گئی ہیں وہ سب شائع کر دی گئیں تو امت کے لئے حقائق و معارف اور ''کلمات طیبات'' کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم ہو جائے گا۔

تقریر و خطابت کی طرح حضرت مرحوم کا تصنیف و تالیف میں بھی ایک خاص رنگ تھا۔ جس میں علم وعقل کی ہم آہنگی اور ظاہر و باطن کی یکجائی پائی جاتی تھی، ان کی خدا حکمت و معرفت مسائل کے اسباب و علل، اسرار و حکم، مبادی و غایات اور اطراف و جوانب کا احاطہ کر لیتی تھی۔ موصوف کو حسین و شریں الفاظ میں مافی الضمیر ادا کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ دقیق

ترین مسائل کو بہت ہی آسان عبارت میں ادا فرماتے تھے اور ایسے ژولیدہ و پیچیدہ مباحث جن میں برسوں بھٹکتے ہیں اور انہیں ان کا کوئی سرا نہیں ملتا۔ حضرتؒ کا قلم حقائق رقم ایسے مباحث کو بڑی سہولت وسلاست سے حل کر دیتا تھا اور ان کی تحریر پڑھ کر آدمی محسوس کرتا کہ اس موضوع پر اس کے ذہن میں کوئی الجھن باقی نہیں رہی۔ انہوں نے سیرت طیبہ سے لے کر مسئلہ تقدیر ایسے نازک مسئلہ پر قلم اٹھایا مگر ان کا خاص معیاری اسلوب ہر جگہ قائم رہا' صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض ذہن کی صناعی اور الفاظ کی مینا کاری نہیں۔ بلکہ یہ وہبی علوم ہیں' اور ان میں ''قاسمی روح'' جھلکتی ہے۔

حضرت مرحوم کا ایک عظیم الشان کارنامہ قریباً ساٹھ برس تک مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی انتظامی خدمات ہیں۔ صرف دارالعلوم کی تاریخ ہی میں نہیں۔ بلکہ دیگر اداروں میں بھی اتنی طویل مدت تک منصب اہتمام پر فائز رہنے کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں' جشن صد سالہ کے بعد بعض خفی وجلی وجود واسباب کی بناء پر دارالعلوم میں خلفشار کی صورت پیدا ہوئی اور حضرت مرحوم کے لئے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف وانحطاط کی وجہ سے اس کا سلجھانا ممکن نہ رہا۔ اس لئے عمر کے آخری دو سال دارالعلوم کے اہتمام اور نظم ونسق سے لاتعلق رہے۔ مگر آپ کا روحانی وقلبی تعلق دارالعلوم سے بدستور قائم رہا اور ہمیشہ دارالعلوم کے لئے خیر طلب اور دعا گو رہے اور وصیت فرمائی کہ آپ کی نماز جنازہ دارالعلوم کے احاطہ میں ہو۔

حضرتؒ کی صحت کافی عرصہ سے کمزور چلی آ رہی تھی اور ایک سال سے تو قریباً صاحب فراش تھے۔ بالآخر وہ وقت موعود آ پہنچا جس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں۔ انا اللہ ما اخذ' ولہ ما اعطیٰ۔ و کل عندہ باجل مسمیٰ۔

حضرتؒ کی وفات حسرت آیات اہل حق کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو درجات عالیہ عطاء فرمائیں اور تمام متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائیں۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔ واکرم نزلہ' ووسع مدخلہ' واغسلہ بالماء والثلج' ونقہ من الخطا یا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔ وابدلہ داراخیرا من دارہ واھلا خیراً من اھلہ۔ وادخلہ الجنۃ واعذہ من النار ومن فتنہ القبر۔ برحمتك یا ارحم الرحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

وجاہت حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرخ وسفید رنگ بیضوی چہرہ' غلافی آنکھیں' کشادہ پیشانی' دلکش خدوخال' تیکھے نقش' موزوں قامت' اکہرا بدن' نگار آتشیں رخ' سر پر کلاہِ فضیلت' آنکھوں میں حیاء طبیعت میں گداز' رخ روشن پر اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات کی تابندگی کا پرتو' ایک پیکر حسن و جمال ایک مجسمہء خوبی و رعنائی' ایک سراپا اخلاص وللّٰہیت وجود' علم ومعرفت کا سرچشمہ رشد و ہدایت کا منبع' شریعت وطریقت کا مرکز' حسن ظاہری و باطنی کا جامع ایک مینارۂ نور جس کی ضیاباریوں سے فکر ونظر کا امن منور اور دلوں کی دنیا جگمگاتی تھی۔ جس کا سینہ معرفت الٰہی کا گنجینہ اور دل انوار وتجلیات کا خزینہ تھا۔

مولانا قاری محمد طیبؒ ہمارے کاروان علم وفضل کے ان باقیات وصالحات میں سے تھے جنہیں دیکھ کر ایک گونہ اطمینان ہوتا تھا کہ یہ دنیا ابھی اہل اللہ سے خالی نہیں ہوئی اور ابھی ہمارے دامن میں ایسے گنج ہائے گراں مایہ موجود ہیں جن سے نہ صرف ہماری عظمت کا قومی بھرم قائم ہے کہ بلکہ جو خود انسانیت کی آبرو اور اس کے چہرے کا غازہ ہیں۔ وہ اس خانوادۂ شرف ومجد کے گوہر شب چراغ تھے جو خاندان ولی اللّٰہی کے روحانی اثاثہ کا امین اور علماء سلف کی متاع عظمت کا وارث رہا ہے۔ ان کے جدّ امجد مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور آج ہندوستان کی ناموافق آب وہوا وقت کی نامساعدت اور حالات کی ناسازگاری کے باوصف یہ حضرت قاری صاحبؒ کی کرامت تھی کہ وہ اس مرکزی علمی اور اپنی نوعیت کی دنیا بھر میں منفرد درسگاہ کی آب وتاب اور اس کی روایتی شان وشوکت کو برقرار رکھے ہوتے تھے۔ تقسیم ملک کے ابتدائی دور میں انہوں نے پاکستان کو اپنا مستقر بنانا چاہا مگر یہاں کی فضا انہیں راس نہ آسکی اور وہ حضرت مدنیؒ کے تقاضا واصرار پر واپس دیوبند تشریف لے گئے۔ آج دارالعلوم دیوبند اس ظلمت کدہ شرک ومعصیت میں روشنی کا وہ مینارہ ہے جس سے اکناف واطراف عالم کے تشنگان علم اکتسابِ ضیا کرتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ تقریر کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نسیم صبحگاہی محوخرام ناز ہو' وہ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے ان کے انداز تکلم میں جوئے آب رواں کی نغمگی تھی جو فردوس گوش بن جاتی تھی' ان کے لب ولہجہ میں

حدی خوانوں کا سوز اور ان کی گفتگو میں نو دمیدہ غنچوں کی مہک تھی جو دماغوں کو معطر کرتی اور دلوں کی دنیا میں ہلچلی برپا کر دیتی' وہ ہماری عظمت رفتہ کی حسین وجمیل یادگار تھے۔ قاری صاحبؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اجل تھے۔ سیاست سے الگ ہو کر علم کی دنیا کے سیاح عمل کی وادیوں میں تھے۔

جستجو کہ ''خوب سے خوب تر کہاں'' کے متلاشی' خیال وکردار میں پاکیزہ' فکر ونظر میں راست باز' تقویٰ وطہارت میں نمونہ کے انسان خوش وضع' خوش قطع' خوش لباس' خوش پوشاک' خوش بخت خوش خصال خوش اطوار خوش نہاد۔ ایک نورانی وجود (الدین) کہ ادب کی رخشندہ مثال جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک اور شبنم کا صحیح مصداق۔

بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے مہتمم دارالعلوم مولانا حافظ محمد احمدؒ کے فرزند طیب' حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت' حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ' علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذ رشید دارالعلوم دیوبند کے پچپن سالہ خدمت گار۔ مزاج ایسا کہ بچوں کے ساتھ ہوں تو حکایت لطیف' نوجوانوں' بزرگوں کو کلمات طیبات فرمادیں تو اخلاق محسنی۔ دلچسپ نصائح سنائیں تو گلستان۔ منظوم ہدایت کا باب کھلے تو ''ہست قرآں درزبان پہلوی''' حلیم وبردبار شخص ومتواضع وجود مسعود۔ ع: نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز۔

(فاضل رشیدی القاسمی)

مرقع عقیدت

از حضرت مولانا قاری محمد عبدالعزیز شوقی اسعدے انبالوے رحمۃ اللہ علیہ بخدمت عالی جناب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند۔

اے حکیم عالم اسلام! اے شیخ جلیل — ذوق علم و فن کی رونق ہے تیرا ذکر جمیل
اے خطیبِ ملک! اے ملت کے سحبان کبیر — حسن رازیؒ و غزالیؒ زینتِ ابن کثیرؒ
اے مجاہد اے زعیم قوم دانائے عظیم! — زیب دیتا ہے۔ اگر تجھ کو کہیں فخر کلیم
اے علوم قاسمی کے شارع شیریں ادا — ندرتِ انشا تری کلک ازل کی ہم نوا
اے سریرآرائے بزم مرشد اے قطب زماں — تیرے فیض خاص سے سیراب ہے سارا جہاں
ثانی قاسمؒ ہے احمدؒ کا جگر پارہ ہے تو — ہاں رشیدؒ و اشرفؒ و محمودؒ کا پیارا ہے تو
تو صلاح و خیر کی اقلیم کا ہے تاجدار — شوکت تقویٰ تری ہر ہر ادا سے آشکار
تو نے رکھا پرچم اسلاف دنیا میں بلند — تجھ پہ نازاں کیوں نہ ہو دارالعلوم دیو بند
تیرے اخلاق کریمانہ کا ہر خاطر اسیر — نور باطن سے ترے ہر ذرۂ دل مستنیر
نطق کو تیرے میسر قوت روح الامیں — فکر تیرا لامکانی سطوتوں کا ہے مکیں
صورت طیب تری آوازہ طوبیٰ نصیب — سیرات اکمل میں ہے اسلاف کا رنگ عجیب
تیری ایمانی فراست روکش اعجاز ہے — تیری آنکھوں میں خدا والوں کا ہر انداز ہے

علم تیرا بے نظیر اعمال تیرے بے مثال
شوقی ناکارہ کو تعریف کی ہے کب مجال

﴿۱۳﴾

شمس العلماء

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۱۸ھ

وفات: ۱۴۰۳ھ

از فضل حق ترنگزئی:

شمس المعارف حضرت علامہ شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ

حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال ابھی بھولا نہ تھا۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب کا زخم ابھی تازہ تھا کہ اس قافلہ شوق کا ایک اور رہوار اپنے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ یعنی حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہوا۔ شاید ہی پُر ہو سکے۔

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

بیسویں صدی کی ابتداء میں علوم کا یہ سورج ترنگزئی کی وادیوں سے طلوع ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ برطانوی حکومت پورے شباب پر تھی۔ ہر طرف انگریز کا تسلط تھا۔ اللہ پاک نے آپ کو مولانا غلام حیدر رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ۱۹۰۱ء میں پیدا کیا۔ آپ کا سارا خاندان پشت در پشت عالم تھا۔ جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو ۲۹ جولائی ۱۹۰۹ء میں سکول میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں آپ نے پرائمری امتحان پاس کیا۔ چونکہ باری تعالیٰ نے آپ سے دین کی خدمت کا کام لینا تھا اور آپ کو اپنے علوم اور معرفت کا مخزن بنانا تھا۔ لہذا آپ کا رخ اللہ پاک نے علوم دنیوی سے پھیر کر علوم اخروی کی طرف منتقل کر دیا۔ آپ نے صوبہ سرحد کے مختلف علماء سے علمی فیض حاصل کیا۔ آپ نے سارے فنون میں مہارت حاصل کر لی۔ آپ نے ۱۹۲۰ء میں دیوبند میں داخلہ لیا۔ اس وقت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ درس حدیث دیا کرتے تھے۔ آپ نے ان سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور ایسی پڑھیں جیسے گھول کر پی لی ہوں۔

۱۹۲۱ء میں آپ نے دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ جب آپ دورۂ حدیث سے فارغ ہو گئے تو حج کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے ۱۹۲۲ء میں آپ دیار حبیب سے واپس تشریف لائے تو ہندوستان چلے گئے۔ اس وقت شدھی تحریک زوروں پر تھی۔ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اس فتنے کو ختم کرنے کے لئے ایک جماعت (علماء کی) راجپوتانہ بھیجی اور آپ کو ان کا قائد بنایا۔ آپ نے وہاں جا کر ایسا مقابلہ کیا اور ایسی مدلل تقریریں کیں کہ بالآخر اس تحریک کا خاتمہ ہو گیا اور کئی مسلمان جو مرتد ہو گئے تھے۔ دوبارہ مسلمان ہو گئے اور سینکڑوں ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہو

گئے۔ آریوں کو شکست ہوئی۔ جب آپ اپنی جماعت کے ہمراہ دیو بند تشریف لائے۔ تو دارالعلوم میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت فرمائی۔ مولانا افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سامنے اپنے دورے اور آریوں کے ساتھ مناظرے، کی کارگذاری پیش کی جس کا ان حضرات پر بڑا اثر ہوا اور آپ کے ساتھ علامہ کشمیریؒ کی شفقت اور محبت اور بڑھ گئی۔ انہوں نے دل کھول کر مولانا کو دعائیں دیں جب مفید اور مستفید کے درمیان نسبت تامہ پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ پاک مفید کے علوم و فیوض کو مستفید کے قلب پر ایسے القاء فرما دیتے تھے گویا مستفید مفید کی زبان بن جاتا ہے اور اس کے علوم کی ترجمانی کرنے لگتا ہے۔ واقعی جب مولانا افغانی نوراللہ مرقدہ اور علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان محبت تامہ پیدا ہوگئی تو اللہ پاک نے وہ علوم جو کہ علامہ کشمیریؒ کو دیئے تھے وہ علامہ افغانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سینے میں منتقل ہو گئے۔ حضرت افغانی خود فرماتے تھے کہ میں اپنے سارے اساتذہ میں سب سے زیادہ علامہ کشمیریؒ سے متاثر ہوا۔

۱۹۳۵ء میں آپ اپنی خداداد ذہانت و قابلیت کی وجہ سے دارالعلوم دیو بند کے شیخ التفسیر بنا دیئے گئے اور علم تفسیر کے علاوہ منطق، فلسفہ، علم کلام اور اصول فقہ کی مشکل ترین کتابوں کا آپ نے درس دیا اور وہاں پر ہزاروں تشنگان علوم نے آپ سے استفادہ کیا۔ اس زمانہ میں جو شخص بھی معقولات کے بارے میں پوچھنے کے لئے دارالعلوم دیو بند آتا۔ تو ان کو حضرت افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجا جاتا اور آپ ان کی پوری تشفی فرما دیتے۔

آپ نے ہندوستان میں رہ کر ہندوؤں اور آریہ پنڈتوں کے ساتھ بہت مناظرے کئے اور ان کو اپنے مدلل جوابات سے خاموش کر دیا۔ اس زمانہ میں آپ کی مشہور تصنیف آئین آریہ ہے۔ ان ایام میں آپ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور ان کی صحبت میں رہ کر ان سے زیادہ استفادہ کیا۔ یہاں تک کہ اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ گئے اور آخر دم تک ان کے معمولات حضرت تھانویؒ کے طریق پر تھے اور علمی انداز حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر تھا۔ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان باختن

سلسلہ قادریہ میں آپ پہلے اپنے والد ماجد غلام حیدر رحمۃ اللہ سے بیعت تھے اور جس کی بعد میں حضرت غلام محمد صاحب دین پوری سے تکمیل کی حضرت تھانوی کے وصال کے بعد آپ نے حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت بیعت حاصل کی۔ جب آپ دیو بند میں شیخ التفسیر تھے تو نواب قلات نے دارالعلوم دیو بند کو خط لکھا کہ آپ چند علماء کو ہمارے ہاں بھیج دیں تا کہ ہماری ریاست کے لئے قانون بنا دے۔ اہل دارالعلوم نے مشورہ کیا اور حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو منتخب فرمایا۔ آپ دونوں حضرات قلات روانہ ہو گئے اور وہاں کا دستور

اسلامی طریقہ پر بنایا۔ جب دستور کو نواب قلات نے دیکھا تو حیران رہ گئے اور قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ چونکہ اس دستور کو حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایا ہے تو اب اس کو چلانے کے لئے حضرت افغانیؒ کو ہمارے پاس چھوڑ دیں تاکہ یہ اپنا بنایا ہوا دستور ریاست میں رائج کریں۔ نواب قلات کو دستور دیکھنے سے پتہ چلا کہ حضرت مولانا کس مقام کے عالم تھے۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند سے مشورہ طلب کر کے حضرت افغانی صاحبؒ کو قلات میں چھوڑ دیا اور خود دارالعلوم دیوبند واپس چلے گئے اور آپ کو ریاست قلات کا وزیر معارف بنا دیا گیا۔ آپ ریاست کے گیارہ سال تک وزیر رہے اور ملک میں ہر طرح سے امن و امان قائم کیا۔ شاید ہی پاکستان میں اتنی طویل مدت تک کسی نے وزارت کی ہو۔

قلات کے زمانہ قیام میں قضا اور افتاء کے اصول مرتب کر کے ایک کتاب معین القضاۃ والمفتیین عربی زبان میں لکھی۔ اس میں آپ نے فقہ اسلامی کے باریک نکات جمع کئے اور یہ کتاب پاکستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی شہرت پا چکی ہے اس کتاب کی تالیف پر علماء ہند نے آپ کو ایک قرارداد کے ذریعہ خراج تحسین پیش کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو زبان میں بھی اسلام کے قانون دیوانی کو دفعات کی صورت میں مرتب کیا۔ یہ تالیف بھی علمی اور قانونی حلقوں میں مقبول ہوئی۔ قلات میں شرعی قانون نافذ تھا۔ ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کی وجہ سے اس کا ادغام ہو گیا اور قلات کی عدالتوں کے شرعی فیصلوں کے خلاف ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کی گنجائش پیدا ہو گئی اور چونکہ ان کے ارکان قانون شرعی سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ تو آپ نے دینی حمیت کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا اور اگر استعفیٰ نہ دیتے۔ تو آپ کو بڑی رقم پنشن کے ذریعے سے مل سکتی تھی۔ لیکن آپ کی دینی غیرت نے اسے گوارا نہ کیا۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

تدریسی خدمات:

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ نے دیوبند کے علاوہ جتنے مدارس میں تدریس کی ہر مدرسے میں صدر مدرس کی حیثیت سے رہے کہ سورج کے سامنے چراغ نہیں جلتا۔ آپ کے درس میں حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی محدثانہ شان اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تکلمانہ مہارت پائی جاتی تھی۔ ہر بات پر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے تھے۔ جس سے ایک متعلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی تھیں۔

آپ نے مندرجہ ذیل مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

◎ ۱- مدرس اعلیٰ و شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند ۱۹۳۵ء۔

◎ ۲- صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۱۹۴۴ء۔

◎ ۳- صدر مدرس قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور۔۱۹۴۶ء۔

◎ ۴- صدر مدرس مدرسہ دارالرشاد جھنڈہ۔سندھ۔

◎ ۵- صدر مدرس دارالعلوم کھڈہ کراچی ۱۳۴۱ھ۔

◎ ۶- صدر مدرس مدرسہ ارشادالعلوم عنبہ علی خان لاڑکانہ۔سندھ۔۱۳۴۲ھ۔

◎ ۷- صدر مدرس دارالفیوض ہاشمیہ سجاول۔سندھ۔۱۳۵۰ھ۔

◎ ۸- شیخ التفسیر والحدیث اکیڈیمی علوم اسلامیہ کوئٹہ۔۱۹۶۲ء۔

◎ ۹- صدر شعبہ تفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور۔۱۹۶۳ء۔

تصنیفی خدمات:

حضرت کی تصنیفات کی تعداد کافی زیادہ ہے اور سب میں للّٰہیت واخلاص ہے۔عبارت آرائی اور ادبی موشگافیوں سے بہت دور ہیں۔تحریر وتقریر میں لہجہ نرم قلم سہل اور تواضع اور انکساری سے بھرپور ہے۔آپ کی ہر تصنیف میں متکلمانہ شان پائی جاتی ہے۔مندرجہ ذیل تصنیفات سے حضرت کے علمی انداز کا علم ہو جاتا ہے۔

◎ ۱- معین القضاۃ والمفتین (عربی)

◎ ۲- علوم القرآن (اردو)

◎ ۳- شرعی ضابطہ دیوانی (اردو)

◎ ۴- ترقی اور اسلام (اردو)

◎ ۵- اسلام دین فطرت ہے (اردو)

◎ ۶- اسلام عالمگیر مذہب ہے (اردو)

◎ ۷- عالمی مشکلات اور اس کا قرآنی حل (اردو)

◎ ۸- مدارس عربیہ کا معاشرے پر اثر (اردو)

◎ ۹- سوشلزم اور اسلام (اردو)

◎ ۱۰- معدن السرور فی الفتوی بہاولپور (اردو)

◎ ۱۱- تصوف اور تعمیر کردار (اردو)

◎ ۱۲- اسلامی جہاد (اردو)

◎ ۱۳- کیمونزم اور اسلام (اردو)

◎ ۱۴- آئین آریہ (اردو) نایاب ہے۔

مندرجہ ذیل کتاب زیر طبع ہیں:

◎ ۱- مفردات القرآن (اردو)

◎ ۲- مشکلات القرآن (اردو)

◎ ۳- تنقیح الشذی علی جامع الترمذی

◎ ۴- المعارف افغانی کے نام سے مختلف اس علوم کے مہمات مسائل پانچ حصوں میں زیر ترتیب ہے۔

اس کے علاوہ بہت ساری کتابوں پہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقدمات ہیں اور اکثر پاکستان کے مشہور رسائل میں آپ کے سینکڑوں کی تعداد میں مضامین آچکے ہیں۔

کانفرنسوں میں شمولیت:

آپ نے بیرونی اور اندرون ملک کی عالمی کانفرنسوں میں شرکت فرما کر اسلام کا نام بلند کیا۔ آپ نے موتمر عالم اسلام کوالا لمپور (ملائیشیا) کانفرنس میں بحیثیت پاکستانی مندوب کے شرکت فرمائی۔ جس میں سارے عالم اسلام سے چیدہ چیدہ علماء شریک تھے۔ آپ نے تعدد ازواج کے مسئلہ پر ایسی محققانہ بحث کی کہ آپ کے دلائل کو عالم اسلام کے علماء نے تسلیم کر لیا اور اس کے علاوہ موتمر عالم اسلامی کانفرنس اسلام آباد میں آپ نے سود، بیمہ انشورنس کی کمیٹی کے سامنے جب مضبوط دلائل پیش کئے تو عالم اسلام کے علماء عش عش کر اٹھے۔ ان ساری کانفرنسوں کے آپ کے مدبرانہ دلائل آج بھی عالمی ریکارڈ پر موجود ہیں۔

آپ نے ۱۴ر جوان ۱۹۷۳ء کو جامعہ بہاولپور سے بوجہ ضعف و بیماری کے استعفیٰ دے کر اپنے آبائی وطن ترنگ زئی (تحصیل چارسدہ) میں مقیم ہو گئے۔ تا آخر حیات باوجود ضعف و کمزوری کے اپنے خطبات کے ذریعے عوام کی اصلاح کرتے رہے۔ آپ کی ہر تقریر میں علمی اور تحقیقی رنگ غالب ہوتا تھا۔ اہل علم اور تعلیم یافتہ طبقہ زیادہ متاثر ہوتا تھا۔ ہم نے تو شیخ الہندؒ اور مولانا قاسم نانوتوی جیسے بزرگوں کو نہیں دیکھا۔ مگر آپ کی صحبت میں رہنے اور آپ کے اقوال سننے اور کردار دیکھنے کے بعد ان حضرات کے نہ دیکھنے کی حسرت نہیں رہی۔ آپ اپنے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، سادگی، قناعت، زہد و تقویٰ کے لحاظ سے اسلاف دیوبند کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ برصغیر میں علم حدیث و تفسیر اور فقہ اسلامی کی خدمت کرنے والے اکابر میں آپ کا نام نامی ہمیشہ روشن رہے گا۔

آفاق ہا گردیدہ ام　　مہر بتاں ورز دیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام　　لیکن تو چیزے، دیگری

آپ کی مجلس میں جو شخص بھی آیا متاثر ہو کر گیا۔ بارہا آنے والوں کے دین کے متعلق شبہات، سوال و جواب کے بغیر زائل ہو گئے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ کا ہر ایک حرف ،جچا تلا ہوتا۔ جیسے دل میں ترازو رکھا ہو۔ تقریر بھی ایسے ہوتی تھی جیسے مرتب کتاب پڑھی جا رہی ہے۔ وہ ایک روح دل نواز ایک پیکر حسن وخوبی شرافت ومروت کا ایک دریا۔ جذبہ حق گوئی کا ایک پہاڑ علوم شریعت کا ایک خزانہ تھے۔ انہوں نے چٹائی پر بیٹھ کر مخلوق خدا کی خدمت کی اور اس بے لوث خدمت سے ان کے دلوں پر حکومت کی۔ انہوں نے اپنے علم وتحقیق سے اپنے استاذ علامہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وہبی علوم کی یاد تازہ رکھی۔

صوفیانہ مسلک:

سلسلہ قادریہ میں آپ اپنے والد بزرگوار مولانا غلام حیدر سے بیعت ہوئے۔ پھر حضرت مولانا غلام محمد دین پوری سے اس کی تکمیل کی۔

سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت:

سلسلہ نقشبندیہ سرزمین حجاز میں شیخ عثمان جامع الطریقتین النقشبندیہ والقادریہ علاؤ الدین عراقی بیارہ ضلع سلیمانیہ سے حاصل کیا۔ چونکہ یہ صحبت آٹھ نو ماہ رہی۔ اس لئے حضرت نے اجازت بیعت بھی مرحمت فرمائی۔ جو علامہ افغانی کے پاس مہر شدہ موجود تھی۔

سلسلہ چشتیہ:

سلسلہ چشتیہ کی بیعت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ یہ سب سلاسل سلسلہ علمائے ربانی مطبوعہ جامعہ رشیدیہ میں موجود ہیں۔

چند اہم واقعات:

۱-۱۳۷۹ھ میں مدارس عربیہ کل پاکستان (مغربی ومشرقی) کا اجلاس ہوا جس میں مشرقی ومغربی پاکستان کے چوٹی کے علماء نے شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں علامہ افغانی کو متفقہ طور پر ''وفاق المدارس عربیہ'' کل پاکستان کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ مولانا محمد یوسف بنوری کو نائب صدر اور مولانا مفتی محمود کو ناظم مقرر کیا گیا۔

۲-مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع کے مابین بعض فتوں کے بارے میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ تو دارالعلوم دیوبند نے ان تمام فتوؤں پر نظر ثانی کے لئے علامہ افغانی کو مقرر کیا۔ حضرت علامہ افغانیؒ نے محققانہ نظر ثانی کر کے فیصلہ دے دیا۔

۳- جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (بھارت) جیسے بین الاقوامی ادارے میں بحیثیت پہلے صدر مدرس حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری۔ دوسرے صدر مدرس حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور تیسرے صدر مدرس حضرت علامہ شمس الحق

افغانیؒ کو نامزد کیا گیا۔

۴-مولانا حسین احمد مدنیؒ نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ ''آج کل اقوام اوطان سے بنتی ہیں۔'' جس پر غلط فہمی کی بنا پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں حضرت مدنیؒ کی تقریر ''الامان'' اور ''وحدت'' نے غلط طور پر شائع کی۔ علامہ اقبالؒ نے حضرت مدنیؒ کے بارے میں تنقیدی اشعار کہے۔ حضرت مدنیؒ اور دوسرے اکابر دیو بند نے نظریہ قومیت کی وضاحت کی۔ بعض حضرات نے اشعار بھی کہے۔ چنانچہ علامہ افغانی نے بھی نظریہ قومیت کی وضاحت کے لئے تین مشہورِ زمانہ اشعار علامہ اقبالؒ کے اشعار کے طرز پر کہے۔ جو اس وقت متعدد اخبارات و رسائل میں چھپے۔ ذیل میں نظریہ قومیت کے سلسلے میں علامہ اقبال اور علامہ افغانی کے اشعار درج کئے جاتے ہیں

علامہ اقبالؒ کے اشعار:

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ — ز دیو بند حسین احمد چہ بوالعجبی ست
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر زِ مقامِ محمدؐ عربی ست
بہ مصطفیٰ براساں خویش راکہ دیں ہمہ است — اگر بہ اونر سیدی تمام بولہبی ست

علامہ افغانیؒ کے اشعار:

نظام قوم بدوگونہ مے شود پیدا — اگر ہنوز ندانی کمال بولہبی ست
نظام ملت واحد بہ اختلافِ بلاد — قوام گیرزِ جذب محمدؐ عربی ست
نظام دوم کہ قائم میان صد ملل ست — نظامِ وحدتِ ملکی ست ایں چہ بوالعجبی ست

علامہ افغانیؒ ہی کے اپنے الفاظ میں تشریح:

قومیت کی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ افراد کا دین ایک ہو۔ اگر چہ وطن مختلف ہوں جیسے کہ اسلامی امت کے تحت مسلمان ایک قوم ہے۔ اگر چہ وطن مختلف ہیں دوم یہ کہ وطن اور وطنی مفاد ایک ہو۔ اگر چہ دین مختلف ہوں۔ جیسے کہ مکہ معظمہ میں قریش ایک قوم تھے۔ اگر چہ دین مختلف تھا اور مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کا وطن ایک تھا۔ اگر چہ دین ایک نہ تھا۔ اسی بنا پر حضور ﷺ نے وطنی مدافعت کے تحت ان سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ کہ جب مدینہ پر کوئی حملہ آور ہو تو سب مل کر مقابلہ کریں۔

حضرت مدنیؒ نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے اگر قسم دوم کا ذکر کیا۔ تو اس سے قسم اول کا انکار لازم نہیں آیا چنانچہ انکشاف احوال کے بعد علامہ اقبال نے ۲۸/ مارچ ۱۹۳۸ء کو رجوع کیا۔ (ماخوذ از مدنی و اقبال نمبر ص ۲۴۷)

''میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا'' حضرت مدنیؒ کا بیان

''مجھے اس اعتراف کے بعد آپ پر اعتراض کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔'' علامہ اقبالؒ کا بیان

۵- علامہ افغانیؒ نے نظام اسلام کے سلسلے میں سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیر صدارت اکتیس علماء کے مشہور زمانہ بائیس نکات والے اجلاس میں شرکت کی۔ یہ تاریخی اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ آج ہر مکتب فکر کے علماء نظام اسلامی کے لئے ان بائیس نکات کو راہنما اصول کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

۶- ایک مغربی مفکر جوزف کرافٹ کا مضمون جو اسلام کے خلاف عیسائیت کی حمایت میں لکھا گیا اور ہیرالڈ انٹرنیشنل میں ۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو شائع ہو گیا۔ حکومت پاکستان نے اسلامی نظریات کونسل کو جواب لکھنے کی ہدایت کی۔ کونسل کے ممبران نے جوابی مضامین تحریر کئے۔ لیکن علامہ افغانیؒ کا مضمون کونسل نے متفقہ طور پر جامع مضمون قرار دے کر جوزف کرافٹ کے جواب میں شائع کرایا۔

چند اعزازات:

- سابق صدر ایوب خان نے ۱۴ راگست ۱۹۶۶ء کو علامہ افغانی کو تمغۂ امتیاز پیش کیا۔
- صدر ضیاء الحق نے اگست ۱۹۸۰ء میں ستارۂ امتیاز پیش کیا۔
- پشاور یونیورسٹی نے ۹ ستمبر ۱۹۷۸ء کو Doctor of Divinity کی اعزازی ڈگری دی۔

علامہ افغانی کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ یہ بات ان کے مختلف مدارس اور جامعات خاص کر دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈھابیل (بھارت) جیسے بین الاقوامی اداروں میں تدریسی خدمات سے بہ آسانی واضح ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں موجودہ خطیبوں کی اکثریت ان کی شاگردی کے فیض سے فیض یاب ہیں۔ کیونکہ کوئٹہ اکیڈمی میں خطیبوں کو تربیت دی جاتی ہے۔ جہاں پر علامہ افغانی شیخ التفسیر والحدیث کی حیثیت سے فرائض انجام دے چکے ہیں۔

یہاں آپ کے چند مشہور شاگردوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ یہ علامہ صاحب کے شاگردوں کی ایک جھلک ہے۔

- مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی۔ کراچی۔
- مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل۔ ممبر اسلامی نظریاتی کونسل۔
- مولانا مفتی محمد حسین نعیمی۔ سابق ممبر اسلامی نظریاتی کونسل۔
- مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی۔
- مولانا عبدالقادر آزاد۔ خطیب شاہی مسجد لاہور۔
- مولانا بادشاہ گل بخاری۔ سجادہ نشین و شیخ الجامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک۔
- مولانا عبدالقدوس صاحب ہاشمی صدر شعبہ اسلامیہ پشاور یونیورسٹی۔
- مولانا محمد شریف کشمیری۔ شیخ الحدیث قاسم العلوم ملتان۔
- مولانا محمد موسیٰ صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

- مولانا قاضی عبدالکریم شیخ الحدیث ومہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان۔
- مولانا فضل احمد صاحب شیخ الحدیث مظہر العلوم کھڈہ کراچی۔
- مولانا قاضی عبدالحئی چن پیر صاحب ہاشمی استاد جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔
- مولانا عبدالرحمٰن صاحب شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی۔
- مولانا نور احمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ ہاشمیہ سجاول۔ کراچی۔
- مولانا لطف الرحمٰن صاحب سواتی۔ استاذ اسلامی یونیورسٹی بہاولپور۔
- مولانا مفتی عبداللہ صاحب۔ استاد خیر المدارس۔ ملتان۔
- مولانا عبدالرؤف صاحب۔ شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی۔
- مولانا علی اصغر صاحب ڈسٹرکٹ خطیب نیلا گنبد۔ لاہور۔
- مولانا حبیب اللہ شاہ استاد اسلامی یونیورسٹی بہاول پور۔

علامہ افغانی چار زبانیں عربی، فارسی، اردو، پشتو لکھ بول سکتے تھے۔ بلکہ ان زبانوں میں ان کی تصانیف بھی ہیں۔

حضرت مولانا افغانیؒ عالم ہی نہیں بلکہ وہ استاذ العلماء تھے۔ وہ ایک اونچے درجے کے صوفی تھے۔ ہر معیار پر لوگوں نے ان کو جانچا، ہر کسوٹی پر لوگوں نے انہیں پرکھا۔ وہ ہر محک پر کامل اور ہر معیار پر پورے اترے۔ وہ مرد درویش ظاہری شان و شوکت سے مستغنی تھے۔ وہ ہندو پاک کے اس قافلہ علم و تحقیق کے شاہسواروں میں تھے جن کی مثل شاید ہی زمانہ پیدا کر سکے۔

اے علم و تحقیق کے مہر منیر۔ الوداع
اے نازش برہان و دین۔ الوداع
والسلام الی یوم التلاق۔
ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

مرتب: مولانا عبدالغنی صاحب (بہاول پور):

حضرت علامہ شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ کی عظمت عظمت والوں کی نظر میں

حضرت علامہ شمس الحق افغانی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ برصغیر کے اہم علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ آپ خاتم المحدثین شیخ العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی (۱۳۵۲ھ، ۱۹۳۴ء) کے خاص شاگرد تھے، جن کے متعلق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: ''اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔''

حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید ہی نہ تھے بلکہ ان کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ ادارہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے ان کے مسند نشین بھی رہے۔ اور اس عظیم منصب پر حضرت افغانی کو ان کے استاد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی (۱۳۶۹ھ، ۱۹۴۹ء) نے فائز فرمایا تھا۔

نام ونسب:

حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ سید جلال الدین حیدر کی اولاد سے ہیں، جن کا سلسلہ حسینی اعجاز الحق قدوسی کی کتاب (صوفیاء پنجاب) کے ص ۵۵۱ پر درج ہے۔ نسب یہ ہے: سید شمس الحق ابن سید غلام حیدر ابن سید عالم خان ابن سید سعد اللہ خان رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ آپ کے والد حضرت سید غلام حیدر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ۱۰۹ سال عمر پائی۔ آپ کے پردادا حضرت مولانا سید سعد اللہ رحمۃ اللہ حضرت سید احمد بریلی شہید رحمۃ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے اور بالاکوٹ کے مشہور معرکہ میں انہوں نے شہادت پائی۔

تحصیل علم:

سب سے پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید غلام حیدر سے ابتدائی اور وسطانی کتب کی تکمیل کی۔ اس کے

بعد سرحد اور افغانستان کے مشاہیر علماء کرام سے تمام علوم وفنون نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کی۔ بعد ازاں منبع علوم و معارف دارالعلوم دیو بند میں امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

تدریس:

آپ کا تدریسی سلسلہ خاصہ وسیع ہے' جسے انتہائی مختصر تحریر کرتا ہوں۔ حصول تعلیم کے فارغ ہونے کے ساتھ ہی آپ کو دارالعلوم دیو بند میں تدریسی خدمات سرانجام دینے پر مامور کیا گیا۔ بحیثیت شیخ التفسیر علوم قرآنی کی تعلیم دیتے رہے۔ بعد ازاں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام کیا۔ سندھ کے علاقے میں کافی عرصہ تدریسی خدمات سرانجام دیں۔

تبلیغ ومناظرہ:

ابھی آپ دیو بند میں تعلیم حاصل کرتے تھے کہ آپ کو مناظرہ اور تبلیغی خدمات سونپ دی گئیں۔ آپ نے وعظ و نصائح اور مناظروں کے ذریعے ہر باطل تحریک کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کچل کر رکھ دیا۔ خصوصاً شردھانند کی مشہور شدھی تحریک کو اس طرح نیست و نابود کیا کہ اس کا نام تک باقی نہ رہا۔

دارالعلوم دیو بند کے علماء کرام نے آپ کی قیادت میں علماء کرام کا وفد شدھی تحریک سے نمٹنے کے لئے روانہ کیا۔ آپ نے متعدد مناظروں میں اس تحریک کے سرکردہ پنڈتوں کو بری طرح شکست دی اور ماشاء اللہ کافی تعداد میں ہندو حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ کچھ پنڈت بھی مسلمان ہوئے۔ (ہمارے ہاں بہاولپور میں ایک بزرگ حاجی محمد قاسم صاحب مدظلہ بقید حیات ہیں' جو ان مناظروں کا آنکھوں دیکھا حال سنایا کرتے ہیں)۔

بیعت وارشاد:

آپ تین سلسلوں میں بیعت وارشاد کے مجاز تھے (مختصر)

تصنیف وتالیف:

باوجود کافی مصروفیتوں اور مختلف امراض کے کافی تصانیف ہیں' جن سے ہر عالم واقف ہے (مختصر)

وعظ ونصیحت:

آپ کی مادری زبان تو پشتو تھی' مگر فصیح اردو کے علاوہ عربی' فارسی' بلوچی' سندھی اور ہندی زبانوں میں فی البدیہہ پر قدرت رکھتے تھے۔

وزیر معارف الشریعہ بلوچستان قلات:

نواب آف قلات احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ علم دوست اور مذہبی آدمی تھے۔ انہوں نے دارالعلوم دیو بند سے درخواست کی کہ مجھے اسلامی منشور دیا جائے' تاکہ میں اپنی ریاست میں اسلامی نظام رائج کروں۔ جو منشور حضرت علامہ

افغانی نے ہی تحریر کیا۔ جب والی قلات نے وہ منشور پڑھا تو کہنے لگے کہ جس عالم دین نے یہ منشور لکھا ہے انہیں مجھے دیں' میں اپنی ریاست کا نظام انہیں سپرد کرتا ہوں۔ تو تقریباً گیارہ سال حضرت افغانی نے ریاست قلات میں اسلامی قانون کے تحت نظام چلایا۔ ماشاء اللہ اب تک بھی ریاست قلات کی عدالتوں میں حضرت افغانی کی کتاب (معین القضاۃ) اور (شرعی ضابطہ دیوانی حیات) سرکاری طور پر قاضی صاحبان کو دی جاتی ہیں۔

وزارت سے استعفیٰ:

۱۹۵٦ء تک وزارت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ پھر جب ون یونٹ بنا تو اس لئے استعفیٰ دیا کہ اب بلوچستان کی آخری عدالت جس کے انچارج حضرت افغانی تھے' وہ لاہور ہائی کورٹ کے ماتحت ہوگئی۔ تو یوں حضرت افغانی کے صادر کردہ شرعی فیصلوں کو قانوناً چیلنج کیا جا سکتا تھا۔ تو اس پر حضرت افغانی نے فرمایا کہ یہ شرعی وقار کے خلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے صادر کیے ہوئے فیصلوں پر ان غیر عالم دین کو حق اپیل دیا جائے۔ اس لئے آپ نے استعفیٰ دے دیا۔

گورنر امیر محمد خاں نواب آف کالا باغ نے بہاولپور تار بھیجا کہ گورنمنٹ آپ کو چار مربع زمین ریاست قلات کی گیارہ سالہ ملازمت کے سلسلہ میں دینا چاہتی ہے۔ ملک پاکستان میں جس جگہ تجویز فرما دیں' مطلع کر دیں تاکہ وہ آپ کے نام کر دی جائے۔

ڈاکٹر نیاز احمد مرحوم حضرت کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ سنٹرل جیل بہاولپور میں ملازم تھے۔ ان کی محنت و کاوش سے لیاقت پور کے علاقے میں زمین تلاش کر لی گئی۔ جب ہم نے درخواست تیار کی' زمین کے نمبر وغیرہ سب مکمل کر لئے اب درخواست حضرت افغانی کو پیش کی کہ دستخط فرما دیں تو حضرت افغانی نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ ساری صورتحال سے آگاہ کیا تو حضرت جی نے یہ فرماتے ہوئے دستخط کرنے سے انکار کر دیا'' کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا علم دیا ہے اور میں ان دنیا داروں سے درخواست کروں۔ اگر میرا حق سمجھتے ہیں تو مجھے خود دیں' میں درخواست نہیں دیتا۔'' نہ دینا تھی اور نہ ہی دی۔

قیام بہاول پور:

حضرت افغانی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی کے محاسن اور خوبیاں بیان کرنے کے لئے وقت اور دفتر درکار ہیں اور پھر مجھ جیسا بے علم و عمل' نالائق کی کیا مجال' مگر آپ کے دس سالہ دور قیام بہاول پور میں کچھ سنا اور کچھ دیکھا تو جی چاہا کہ حضرت افغانی کے یوم وفات ۱۵ اگست ۹۷ء کے موقعہ پر مختصر سا مضمون تحریر کر کے سعادت حاصل کرلوں۔

حضرت علامہ افغانی غالباً مئی ۱۹٦۳ء کو بہاولپور میں تشریف لائے۔ جامعہ اسلامیہ حال ''اسلامیہ یونیورسٹی'' میں اولاً شیخ التفسیر وبعدہ رئیس الجامعہ کے منصب پر فائز تھے۔ اس منصب کو حضرت کے علم نے چار چاند لگائے۔ بہاولپور کا

ماحول قدرتی طور پر سادہ' مذہبی اور علم دوست ہے۔ چند ہی دنوں میں ایسی شہرت ہوئی کہ ہر مسلک کا خواندہ اور ناخواندہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنی سعادت سمجھتا۔

گھر پر مجلس:

تو حضرت جی نے لوگوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے روزانہ بعد نماز عصر تا نماز مغرب اپنے مکان پر عوام الناس کو وقت دیا۔ حضرت جی اگر کہیں مضافات بہاول پور میں تشریف لے جاتے تو اس وقت پر واپس آنے کی ہر ممکن کوشش کرتے' تاکہ آنے والے صاحبان کو پریشانی نہ ہو۔ حضرت افغانی نے اپنے قیام بہاولپور کے دس سالہ دور میں پابندی سے یہ وقت لوگوں کو دیا۔ اگر حضرت جی کو کوئی تکلیف مثلاً بخار وغیرہ ہوتا تو بھی لوگوں کو یہ وقت دیتے۔ رمضان شریف میں تو آپ کے ہاں افطاری کا پر تکلف انتظام ہوتا۔ بعض اوقات اگر کوئی پابندی سے آنے والا شخص حاضر نہ ہوسکتا تو خورد ونوش کی اشیاء اس کے گھر پہنچواتے۔ اس مجلس میں خواندہ اور ناخواندہ کے علاوہ علماء کرام' شیوخ عظام اور تحصیل دار سے لے کر کمشنر صاحب اور میجر صاحبان سے لے کر بریگیڈیئر صاحب تک اکثر و بیشتر حاضر ہوتے رہتے۔ مجلس میں ہر قسم کے علمی سوالات کئے جاتے تو آپ ایک ایک سوال کا تفصیل سے جواب دیتے۔ کبھی بزرگان دین کے واقعات سنا دیتے۔ کبھی کسی حدیث یا آیت کی تشریح فرماتے اور کبھی تصوف اور منازل سلوک پر گفتگو ہوتی' اور کبھی اوراد و وظائف بیان فرما کر لوگوں کی اصلاح کرتے۔ لوگ اس وقت کا بے تابی سے انتظار کرتے۔ ہم نے حضرت جی کی مجلس میں دنیا کی بات کبھی نہ سنی۔ بس موت' قبر' آخرت اور جنت وجہنم کا ذکر ہوتا۔ حضرت جی کی وجہ سے کافی تعداد میں ایسے علماء کرام نے جامعہ اسلامیہ میں بحیثیت طالب علم کے داخلہ لیا جو خود درسگاہوں میں بیس سال سے کم و بیش تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان میں کچھ حضرات کے اسمائے گرامی مجھے اب بھی یاد ہیں۔ حضرت حافظ محمد میاں صاحب' غالباً بالیجی شریف سے ان کا تعلق تھا۔ لاہور سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے دو صاحبزادے تھے حضرت مولانا حافظ عبدالرحیم مرحوم اور حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب مدظلہ اور مولانا محمد الیاس مرحوم اور مولانا علی اصغر عباسی مدظلہ بھی لاہور سے تعلق رکھتے تھے۔

توسیعی پروگرام:

رئیس الجامعہ احمد حسن بلگرامی صاحب نے آپ کے اور دیگر علماء کرام کے فیوض و برکات عوام الناس تک پہنچانے کے لئے ہفتہ وار توسیعی پروگرام شروع کیا۔ یہ پروگرام اتوار کو ہوتا' جس میں عوام الناس سے لے کر ہر طبقہ کے دانشور' پروفیسر اور جج صاحبان شریک ہوتے۔ آخری تقریر حضرت جی کی ہوتی تھی۔ پھر سارا ہفتہ ہر جگہ اس تقریر کا چرچا رہتا کہ حضرت نے یوں فرمایا وغیرہ۔

درس بیضاوی شریف:

حضرت افغانی جامعہ اسلامیہ میں بیضاوی شریف پڑھاتے تھیں اس درس میں علماء کرام و دیگر حضرات پابندی سے حاضر

ہوتے۔ علماء کرام کو تو حضرت جی اپنے ساتھ بٹھاتے۔ باقی صاحبان کو طلباء سے پیچھے بیٹھنے کی اجازت تھی۔ وزیر تعلیم جناب یٰسین وٹو صاحب اور غالباً چیف سیکرٹری مسعود صاحب بھی طلباء سے پیچھے بیٹھتے۔ دارالعلوم دیو بند میں بھی یہی طریقہ کار ہے۔

طوالت سے بچنا چاہتا ہوں' مگر ایک واقعہ کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔

چیف سیکرٹری اوقاف جناب مسعود صاحب کو ڈاکٹر احمد حسن بلگرامی صاحب حضرت جی کے کمرے میں ایک ضروری بات ذکر کرنے کے لئے لے آئے۔ وہ بات یہ تھی کہ چیف صاحب نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ نصاب میں شرح ملا جامی کی جگہ النحو الواضع رکھی جائے۔ بس حضرت جی نے جب یہ سنا تو غصے سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اپنے مخصوص انداز میں حضرت جی نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: ہاں! اپنی کھوپڑی سے بھوسہ نکال کر دیکھو تو پھر آپ کو شرح جامی کا مقام معلوم ہوگا۔

طریقہ تدریس:

حضرت جی کا طریقہ تدریس بھی عجیب انداز کا تھا کہ سبق کے لحاظ سے کوئی قاری صاحب تلاوت کرتا' جسے حضرت جی غور سے سنتے۔ اس کے بعد ایک طالب علم سے پوچھتے کیا چل رہا تھا۔ وہ طالب علم ابھی پہلا لفظ منہ سے نکالتا ہی تھا کہ آپ فرماتے بس اور اس سے معاً حضرت بیان شروع کر دیتے۔

درس قرآن:

شہر کے علماء کرام اور عوام کی خواہش پر آپ ہفتہ میں دو دن جمعہ اور اتوار کو قرآن شریف کا درس دیتے۔ یہ درس پہلے مسجد فاور قیہ ماڈل ٹاؤن بی میں اور بعد ازاں بہاول پور کی شاہی مسجد میں بیان کیا جاتا تھا۔ ایک گھنٹہ درس ہوتا۔ اس درس میں بھی ہر طبقہ کے لوگ شامل ہوتے اور دیگر شہروں میں سے بھی پابندی سے لوگ آتے۔ آپ نے یہ درس قرآن دس سال تک بغیر کسی معاوضہ لئے بیان فرمایا۔

جج فاروقی صاحب لاہور بنچ میں بہاول پور آئے ہوئے تھے۔ یہ ''غیر مقلد'' تھے۔ یہ جج صاحب بھی درس میں پابندی سے حاضر ہوتے۔ اتفاق سے ان دنوں درس بھی ضرورت تقلید پر تھے اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شان بیان کی جاتی۔ چونکہ میں درس قلم بند کیا کرتا تھا۔ یہ جج صاحب میرے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے۔ یہ آبدیدہ بھی ہوتے اور باآواز بلند بار بار کہتے کہ حقیقت بیان ہو رہی ہے۔ دو درس ابھی تقلید پر دینا باقی تھے کہ یہ جج صاحب لاہور تشریف لے گئے' مگر آپ ہوائی جہاز کے ذریعے ملتان اور پھر عدالت عالیہ کی سبز رنگ کی بہت بڑی گاڑی غالباً لینڈ کروزر میں بیٹھ کر بہاول پور آئے اور اپنے بقیہ درس مکمل کئے۔ یہ جج صاحب بھٹو صاحب کے آخری کیس کے بنچ میں بھی تھے اور انہی جج صاحب نے ضیاء الحق کے دریافت کرنے پر کہ ''ملک میں کوئی آدمی ہے؟'' بتایا کہ ہاں صرف ایک آدمی ہے' علامہ سید شمس الحق افغانیؒ۔ اس درس میں حضرت افغانیؒ کا یہی طریقہ تھا کہ قاری صاحب پہلے چند آیات تلاوت کرتے۔ بعد

ازاں حضرت ہم سے پوچھتے کیا بیان چل رہا تھا۔ بس ہم ابھی پہلا ہی لفظ منہ سے نکالتے کہ حضرت بیان شروع فرما دیتے۔ یہی سلسلہ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۳ء تک دس سال رہا۔

علمیت:

حضرت علامہ افغانی کی علمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس دس سالہ دور میں تعوذ وتسمیہ' سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے چار رکوع کا درس دیا۔ ایک گھنٹہ درس بیان کرتے' کبھی گھنٹے سے زائد بھی ہو جاتا تھا۔ الحمد اللہ یہ سب دروس بندہ نے قلم بند کئے تھے۔ ان دروس کی تعداد تقریباً پانچ سو تک بنتی ہے۔

دروس القرآن الحکیم:

دروس القرآن الحکیم کے نام سے یہ دروس طباعت ہو رہے ہیں۔ پہلی دو جلدیں صرف تعوذ اور تسمیہ کی ہیں' جن میں کل ۶۲ دروس ہیں۔ تیسری جلد سورۃ فاتحہ کی ہے' اس میں ۴۳ دروس ہیں۔ یہ بھی طبع ہو کر مارکیٹ میں آ گئی ہے۔ سورۃ بقرہ کی جلد کو ۳۰ دروس میں مشتمل کیا ہے۔ تو یوں کل ۱۳ جلدیں بنتی ہیں۔ ہر جلد تقریباً ۴۰۰ صفحات کی بنتی ہے۔

خطبات افغانی:

یہ حضرت افغانی کی تقاریر کا مجموعہ ہے' جو آپ نے اپنے قیام بہاولپور کے دوران بیان فرمائی تھیں۔ الحمد للہ یہ بھی قلم بند کر لی گئی تھیں۔ جلد اول تو طبع ہو چکی ہے' باقی جلدوں کا مسودہ موجود ہے۔

مقالات افغانی:

یہ کتاب حضرت علامہ افغانی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو یا تو کتابچوں کی صورت میں ہیں یا پھر جو مضامین مختلف رسائل میں چھپ چکے ہیں۔ انہیں کتابی شکل دی گئی ہے۔ اس کی جلد اول زیر طباعت ہے' جس میں چھ مقالے ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز چند دنوں میں طبع ہو کر مارکیٹ میں آ جائے گی۔

اہم بات:

حضرت کے بیان کردہ دروس کو کمپیوٹر پر طباعت کرایا گیا ہے' ہر درس کے صفحات کی تعداد برابر ہے۔ اگر چند منٹ زائد وقت لیا ہے تو ایک آدھ صفحہ بڑھ جاتا ہے۔

عظمت' عظمت والوں کی نظر میں

برکت کے طور پر سب سے پہلے حضرت شاہ خالد رحمۃ اللہ علیہ خادم الحرمین شریفین کا اسم گرامی بیان کرتا ہوں۔

۱۔ حضرت شاہ خالد ''خادم الحرمین شریفین'':

حضرت علامہ افغانی کو زندگی میں تین مرتبہ عربی زبان میں فی البدیہہ تقریر کرنے کا موقعہ ملا ہے۔

◎ ۱- دارالعلوم دیوبند میں۔
◎ ۲- کوالالمپور کی اسلامی کانفرنس میں۔
◎ ۳- جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں۔

جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں عرب شریف کے قراء حضرات اور قاضی صاحبان تشریف لائے۔ اس موقعہ پر ''حجیت حدیث'' کے موضوع پر جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے حضرت شیخ الحدیث نے بیان کرنا تھا' مگر عین تقریر کے وقت سے پندرہ بیس منٹ پہلے ان بزرگوں نے معذرت کر لی۔ رئیس الجامعہ احمد حسن بلگرامی صاحب گھبراتے ہوئے حضرت افغانی کے کمرے میں آئے۔ صورتحال سے آگاہ کیا۔ حضرت افغانی نے بخوشی بیان کرنا قبول کیا اور معاً ہال کی جانب تقریر کرنے کے لئے چلے آئے۔ (یہاں کسی عالم کی شان میں کمی کرنا میرا مقصود نہیں' مگر ایک واقعہ ہے جس کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا)

تقریر شروع ہوئی۔ بیان سن کر متحدہ عرب کے قراء حضرات خصوصاً مکۃ المکرّمہ کے قاضی صاحب بار بار با آواز بلند ''مرحبا یا شیخ افغانی'' کہتے رہے اور تقریر کے بعد حضرت سے والہانہ انداز میں مصافحہ کیا اور حضرت افغانی کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

جب مکۃ المکرّمہ کے قاضی صاحب نے حضرت افغانی کی قابلیت کا ذکر حضرت شاہ خالد سے کیا تو آپ نے حضرت افغانی کو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیمی خدمات سرانجام دینے کی دعوت دی' جس سے آپ نے کبرسنی کی وجہ سے معذرت کر لی۔

۲- امام العصر حضرت سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ:

جب آپ کو نزع کی حالت طاری ہوئی تو علماء کرام رونے لگے۔ آپ نے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا' تم لوگ کیوں روتے ہو؟ عرض کی گئی کہ ایک عالم دین کی جدائی سے۔ فرمایا کہ میں تم میں ''افغانی'' نہیں چھوڑے جا رہا۔

۳- ابن الانور حضرت علامہ محمد انظر شاہ کشمیری دامت برکاتہم (دیوبند):

میرے عریضے کے جواب میں لکھتے ہیں: تمہارا خط پہنچا' تم نے بھی کمال کر دیا۔ حسن ظن کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور پھر مجھ ایسے بے بضاعت و کوتاہ قلم سے حضرت علامہ افغانی علیہ الرحمہ کے تفسیری افادات پر ''تحیۃ الکتاب'' لکھنے کی فرمائش ایک زنگی کو رومی قرار دینے کے مترادف ہے۔ بھلا خاک نشیں ان شخصیتوں کے متعلق کیا لکھے جو آسمان علم پر مہر نیم روز بن کر چمکے اور جن کی رحلت اپنے پیچھے تاریکیاں چھوڑ گئی۔

۴- حضرت مولانا سلطان الحق قاسمی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ بزرگ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ کے ناظم تھے اور دارالعلوم دیوبند کی ستر سالہ تاریخ کے امین تھے اور اپنے فہم و ذکاء کی بناء پر اشخاص و رجال کی علمی دسترس پر بھرپور نظر رکھتے۔ بار ہا ان سے سنا کہ حضرت افغانی ان عبقری اشخاص میں

سے تھے جنہیں طلبہ کے بجائے اساتذہ کے استفادہ کے لئے مامور کرنا چاہئے تھے (حضرت علامہ محمد انظر شاہ صاحب مدظلہم)

۵-حضرت شیخ مدنی نور اللہ مرقدہ:

حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء کرام دارالعلوم دیوبند میں یہ بحث کر رہے تھے کہ کتاب ''خلاصۃ الحساب'' پڑھانے کے لئے کس استاد صاحب کو دی جائے۔ اتنے میں شیخ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ فرمایا کہ یہ کتاب کما حقہ یا میں پڑھا سکتا ہوں یا پھر حضرت افغانی پڑھا سکتے ہیں۔ لیکن ہم دونوں مصروف ہیں' آگے آپ کی مرضی۔

۶- شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ جب تحریک قیام پاکستان کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت افغانی کے کمرے میں تشریف لائے۔ حضرت افغانی کے کندھے سے پکڑ کر فرماتے ہیں کہ اٹھو' میری مسند پر بیٹھ کر میرے اسباق پڑھاؤ۔ میں تحریک میں کام کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔

۷-حضرت علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ:

ایک مجلس میں آپ نے حضرت افغانی کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا:

لست عالما هنديا او باكستانيا بل انت ملك انزل الله تعالىٰ من السماء لصارحنا۔

۸-حضرت سید ابو معاویہ ابو ذر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ:

ابن امیر شریعت سید ابو ذر شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا: عبدالغنی! اگر اس شخص (یعنی علامہ افغانی) کی عمر سو سال ہو اور سو عالم بھی ان کے پاس بٹھا دیئے جائیں تو بھی یہ قرآن شریف کی تفسیر مکمل نہیں کر سکتے۔ بس ان سے برکت کے طور پر قرآن شریف کا لفظی ترجمہ کرا لیا جائے۔

۹-حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ:

میں نے دس سال حضرت علامہ افغانی سے علم حاصل کیا ہے اور پچاس سال پڑھا چکا ہوں۔ اگر اب بھی حضرت افغانی سے دس سال مزید علم حاصل کروں تو حضرت کے علم کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۰-حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم (برطانیہ):

حضرت علامہ افغانی کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وما كان ليس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

''قیس کی موت فرد واحد کی موت نہ تھی' بلکہ وہ تو قوم کی بنیاد تھی جو منہدم ہو گئی۔''

احقر نے مضمون کو انتہائی اختصار کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ فرما دیں۔

◎ ۱- نقوش افغانی۔ مرتبہ صاحبزادہ محمد داؤد جان صاحب افغانی مدظلہ۔ ناشر ادارۂ شمس المعارف ترنگ زئی پشاور۔

◎ ۲- دروس سورۃ الفاتحہ۔ مرتبہ مولانا علی اصغر صاحب عباسی مدظلہ۔ مکتبہ عباسیہ نیلا گنبد لاہور۔

◎ ۳- خطبات افغانی۔ مرتبہ عبدالغنی۔ مکتبہ سید شمس الحق افغانی شاہی بازار بہاولپور۔

◎ ۴- دروس القرآن الحکیم۔ جلد اول۔ مرتبہ عبدالغنی۔ مکتبہ سید شمس الحق افغانی۔ بہاول پور۔

﴿۱۴﴾

شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت:۱۳۴۳ھ

وفات:۱۴۰۹ھ

از محمد اکبر شاہ بخاری:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

خاندانی حالات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی نور اللہ مرقدہ ایک بلند پایہ علمی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں سلسلہ نسب خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ اور حضرت امام فخر الدین رازی آپ کے اجداد میں سے ہیں آپ کا آبائی وطن یوپی کا مردم خیز علاقہ قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر (بھارت) ہے جو ایک علمی خطہ ہے جہاں بڑے بڑے علماء صلحاء اور اہل اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد یونس کاندھلویؒ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد علی کاندھلویؒ اسی قصبہ کاندھلہ کے آفتاب و ماہتاب ہیں اس میں سے ہر شخص اپنی اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتا ہے حضرت مولانا محمد مالک صاحبؒ کے برادر اصغر مولانا محمد میاں صدیقی فرماتے ہیں کہ:

''بارہویں تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں جس قدر اہلِ علم و فضل قصبہ کاندھلہ کی خاک سے اٹھے کسی اور قصبے کو یہ شرف حاصل نہ ہو سکا ہمارا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ مولانا کمال الدین اور مولانا مظفر حسین ہمارے اجداد میں سے ہیں ہمارے دادا مولانا حافظ محمد اسماعیل کاندھلویؒ ریاست بھوپال میں محکمہ جنگلات کے مہتمم تھے بڑے عابد و زاہد و متقی پرہیز گار تھے ایک جید عالم دین اور صاحب نسب بزرگ تھے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ان کے پیر بھائی بھی تھے اور آپس میں گہرے ذاتی تعلقات بھی تھے۔ ہمارا خاندان خدا کے فضل و کرم سے صدیوں سے علم و فضل اور دین کا گہوارہ چلا آ رہا ہے مرد تو مرد عورتوں میں بھی حد سے زیادہ دین داری نماز روزہ زکوٰۃ اور ارکانِ اسلام کی پابندی کے علاوہ میں نے بچپن میں اپنے

خاندان کی بعض بزرگ عورتوں کو رمضان المبارک میں اعتکاف تک میں بیٹھے ہوئے دیکھا بہرکیف ہمارا خاندان ایک علمی و دینی خاندان ہے۔''تذکرۂ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔

مولانا محمد یوسف خان استاذ جامعہ اشرفیہ لاہور تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان کے صوبہ اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر میں ایک قصبہ کاندھلہ مایہ ناز علماء صلحاء محققین اور مصنفین کی جائے پیدائش اور علمی خطہ ہونے کی بنا پر تاریخ کے اوراق پر بڑی عظمت کا حامل ہے۔ مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ جیسے عظیم محدث مفسر فقیہ ' ولی اللہ معقولات و منقولات کے بحر ذخار کا تعلق اسی قصبہ سے تھا یہ وہ عظیم ہستیاں تھیں جن کے قلوب معرفت الٰہی اور حب نبوی ﷺ سے منور تھے ان کا ظاہر و باطن سیرتِ طیبہ کے انوار کا آئینہ ہدایت الٰہیہ کا گنجینہ اور فیوض نبوی کا خزینہ تھا مولانا محمد مالک کے والد ماجد شیخ الحدیثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ایک عظیم محدث جلیل القدر مفسر نامور محقق مشہور مصنف اور عارف باللہ تھے آپ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ بھی ایک ممتاز عالم دین اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ سے بیعت تھے۔ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا رشتہ حضرت مولانا محمد قاسم تھانوی سے ملتا ہے۔ (ماہنامہ الحسن لاہور)

ولادت و تعلیم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک صاحب قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر یوپی میں ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ قدس سرہٗ ہی سے حاصل کی دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا جہاں حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کی شفقتوں اور عنایتوں سے خوب مالا مال ہوئے اس کے بعد اپنے والد ماجد کے حکم پر مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے آپ کے والد ماجد ان دنوں دارالعلوم میں شیخ التفسیر کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ' حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث مولانا اعزاز علی امروہی علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سامنے زانوے ادب تہہ کئے اور دورہ حدیث کی اعلیٰ درجہ میں تکمیل کی اور سند فراغ حاصل کی۔

مولانا محمد اکرم کاشمیری اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ کی ولادت با سعادت ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر بھارت میں ہوئی جو حقیقی معنوں میں علم و ادب کا گہوارہ تھا اور اس قصبہ سے ایسی قدسی صفات ہستیاں پیدا ہوئیں جن کے فیوض و برکات چار وانگ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا محمد

مالک صاحب بھی اسی قصبہ کے ایک علمی مذہبی اور دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اسی لئے بچپن ہی سے دینی تعلیم و تربیت کا رنگ غالب چلا آ رہا تھا فطرۃً طبیعت دینی پائی تھی اس نسبت سے دینی علوم کے ساتھ غیر معمولی شفقت کا ہونا ظاہر ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے صفحۂ ہستی میں ہی اپنے والد گرامی کے سایہ عاطفت میں قرآن کریم حفظ فرمایا یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کے والد گرامی حیدر آباد دکن میں مقیم تھے سن شعور کو پہنچتے ہیں آپ کے والد گرامی رئیس المحد ثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے دینی تعلیم و تربیت کی خاطر آپ کو حکیم الحدیث مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں تھانہ بھون کے خانقاہی مدرسے میں داخل کرا دیا اسی مدرسے سے جو علوم ظاہری و باطنی کا بہترین امتزاج تھا آپ کے والد گرامی حضرت اقدس مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دینی تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا تھا ان کو ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ تھانو بھون لے کر حاضر ہوئے تھے۔ مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم و تربیت کا آغاز ایک ایسی تربیت گاہ سے کیا جس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا طریقہ بھی بتایا جاتا تھا پھر یوں کہتے کہ علم و عمل ایک ساتھ چلتے تھے مولانا نے ابتدائی تعلیم یہاں ہی مکمل فرمائی فارسی کی کتب پڑھیں اور کچھ عربی نحو وحرف کی اس کے بعد آپ پھر اپنے آبائی قصبہ کاندھلہ تشریف لے گئے آپ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ جو حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ مہاجر مکی سے بیعت ہونے کے ساتھ بہت بڑے عالم باعمل عارف باللہ اور فقیہ تھے' راقم الحروف نے اپنے استاد و شیخ اور مربی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ رحمۃ اللہ سے درس بخاری کے دوران میں متعدد بار خود سنا آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے کاندھلہ میں نصرت الاسلام کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا جس کا انتظام و انصرام یہ خود ہی فرمایا کرتے تھے تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام تھا۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی نے متوسط تعلیم یہاں ہی حاصل کی یہاں کے محنتی مشفق اور درجہ علیہ کے اساتذہ سے استفادہ فرمایا تین سال یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ درجوں کی تعلیم کے لئے آپ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے یہاں دورۂ حدیث تک تعلیم مکمل فرمائی مظاہر العلوم کے ناظم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سمیت تمام اکابر اساتذہ کی مولانا محمد مالک جیسے ہونہار محنتی اور ذہین طالب علم پر نظر شفقت رہی آپ نے اپنی محنت شاقہ خدا داد ذہانت و فطانت سے مدرسہ مظاہر العلوم میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ ادھر آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ مدرسہ دارالعلوم دیو بند میں شیخ التفسیر ہو چکے تھے چنانچہ ۱۳۵۸ھ میں آپ نے اپنے اس ہونہار بیٹے کو دارالعلوم دیو بند بلا لیا اور وہاں اپنی نگرانی میں علم الکلام سمیت علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت حاصل کروائی مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم دیو بند میں بھی اکابر اساتذہ کی نظر شفقت انہیں حاصل رہی۔ دارالعلوم میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ' حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ' حضرت مولانا اعزاز علیؒ ' حضرت مولانا

عبدالسمیع حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا نافع گل اور ان کے والد عظیم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ قابل ذکر ہیں۔ جس زمانے میں امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرد دارالعلوم دیوبند سے بعض اختلافات کی بنیاد پر ڈابھیل تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی سمیت کئی اساتذہ بھی چلے گئے ان کے ساتھ دورۂ حدیث کے جو چالیس طلبہ گئے تھے ان میں مولانا محمد مالک کاندھلوی بھی تھے آپ نے ڈابھیل میں دورۂ حدیث مکرر کیا اور وہاں مولانا بدر عالم مہاجر مدنی اور مولانا عبدالرحمٰن امروہی سے بھی استفادہ کیا۔ آپ نے ۱۳۶۲ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے مکرر دورۂ حدیث کی تکمیل کی جسے دارالعلوم کی طرز پر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قائم فرمایا تھا اور آپ پر ان حضرات اکابر کی خصوصی شفقت وعنایت رہی تھی۔ (ماہنامہ الحسن لاہور۔ نومبر ۱۹۸۸ء)

درس وتدریس

سند فراغت تعلیم کے بعد اس خیال سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے کہ وہ کچھ عرصہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں تصنیف وتالیف میں گزاریں گے لیکن ان ایام میں بہاولنگر کے ایک مدرسہ جامع العلوم کے مہتمم صاحب دیوبند آئے ہوئے تھے ان کے اصرار پر آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی رائے سے بہاولنگر تشریف لے گئے اور درس وتدریس کا آغاز فرمایا۔ بعد میں اسی مدرسہ جامعہ العلوم کے لئے وہاں کے لوگوں کے تقاضے پر آپ کی کوششوں سے حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی بھی تشریف لے آئے۔ جامع العلوم میں تدریسی زندگی کا آغاز صحیح مسلم ابوداؤد تفسیر جلالین اور ہدایہ سے کیا اس کے علاوہ معقولات میں قاضی مبارک اور میر زاہد جیسی کتابیں بھی پہلے سال پڑھائیں۔ (اکابر علماء دیوبند)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس حدیث

۱۳۶۲ھ کو بعض سیاسی اختلافات کی بنا پر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور بعض دوسرے مشاہیر علماء ڈابھیل تشریف لے گئے ان حضرات اکابر نے دارالعلوم دیوبند کی طرز پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری فرمایا چنانچہ مولانا محمد مالک صاحب جنہوں نے اسی جامعہ اسلامیہ سے سند فراغ حاصل کی جامع العلوم بہاولنگر کے دو سال قیام کے بعد اپنے استاد مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حکم پر جامع الاسلامیہ ڈابھیل منتقل ہونے کا فیصلہ کیا اور ۱۳۶۵ھ میں استاد حدیث کی حیثیت سے جامعہ اسلامیہ میں درس وتدریس کا کام شروع کیا اور اپنے اساتذہ کے پہلو بہ پہلو تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور اس زمانہ میں حضرت علامہ شمس الحق افغانی جامعہ

اسلامیہ ڈابھیل کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ جب حضرت علامہ افغانی قیام پاکستان کی وجہ سے ہندوستان واپس نہ جا سکے تو جامعہ اسلامیہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری کے ہمراہ آپ دورۂ حدیث کی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ (اکابر علماء دیوبند صفحہ نمبر ۳۲۹)

مولانا محمد یوسف خان لکھتے ہیں کہ:

جامع العلوم بہاولنگر میں دو سال تدریس وتعلیم کے بعد ۱۳۶۵ھ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد محترم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کے حکم پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں استاد الحدیث کی مسند سنبھالی جہاں سے آپ نے دو سال قبل مکرر دورۂ حدیث مکمل فرمایا تھا اس وقت یہاں شیخ الحدیث کے منصب پر علامہ شمس الحق افغانی جلوہ افروز تھے۔ لیکن جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو علامہ افغانی پاکستان علاقے میں تھے۔ چنانچہ ان کا دوبارہ ڈابھیل جانا ممکن نہ ہوسکا اس لئے مولانا محمد مالک صاحب اور مولانا محمد یوسف بنوری نے مل کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں دورۂ حدیث کی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے انجام دیا اور ہزاروں طالبانِ علم کو اپنے فیض علمی سے سیراب وشاداب کیا۔ (ماہنامہ الحسن لاہور)

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں بطور استاد الحدیث

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ نے پاکستان میں بھی دارالعلوم دیوبند کی طرز پر ایک مرکزی دارالعلوم قائم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور اس کے قیام کی ذمہ داری خطیب الامت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے سپرد کی گئی۔ مولانا تھانوی نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ باحسن وجوہ ان خدمات کو سرانجام دیا اور حیدرآباد سندھ کے مضافات میں ٹنڈوالہ یار کے مقام پر ایک عظیم الشان مرکزی دارالعلوم قائم کیا جس میں شیخ الاسلام علامہ عثمانی ؒ کی خواہش اور فیصلہ کے مطابق اکابر مدرسین کو جمع کیا گیا جن میں مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی ' مولانا عبدالرحمن کاملپوری ' مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی ؒ مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ ' مولانا محمد یوسف نبوری ؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلوی ؒ جیسے مشاہیر علما کو مولانا احتشام الحق تھانوی نے تدریس حدیث کے لئے منتخب فرمایا حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی ؒ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ دارالعلوم دیوبند سے اپنے استاذ گرامی حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی ؒ کے اصرار پر خاندان کے دوسرے افراد کے ہمراہ پاکستان پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد مالک صاحب نے بھی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (بھارت) سے حضرت شیخ الاسلام کے دارالعلوم کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی ؒ کی دعوت پر پاکستان آنے کا فیصلہ کیا اور ۱۳۶۷ھ میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ؒ کے ہمراہ دہلی سے لاہور کا سفر کیا حضرت مولانا خیر محمد جالندھری

آپ کو اپنے مدرسہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں استاد حدیث مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن آپ نے دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار کی مسند حدیث کو سنبھالا اور اپنی حیات طیبہ کے پچیس سال دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں استاد حدیث کی حیثیت سے خدمت حدیث میں گزارے ہزاروں افراد کو اپنے فیض علمی و روحانی سے مستفیض و مستفید کیا ملک و بیرون ملک میں آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں علم دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔

جناب مولانا محمد یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ؟

حضرت مولانا محمد مالک صاحب کے والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ رحمۃ اللہ اپنے خاندان کے ہمراہ ۱۹۴۹ء میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بلانے پر پاکستان تشریف لے آئے اور پہلے جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ اور پھر جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث والتفسیر کے عہدہ جلیلہ پر فائز رہے لیکن مولانا محمد مالک صاحب ڈابھیل ہی میں قیام فرما رہے بعدازاں ۱۳۶۷ھ میں دہلی سے لاہور کی طرف رخت سفر باندھا اس سفر میں علامہ سید سلیمان ندویؒ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت مولانا مالک صاحب کے پاکستان پہنچنے پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ مہتمم خیر المدارس ملتان کی بڑی تمنا تھی کہ مولانا محمد مالک صاحب ان کے جامعہ میں مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوں۔ لیکن مولانا اپنے استاد مکرم حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے حکم کی تعمیل اور خواہش کے مطابق دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار تشریف لے آئے یہ وہی دار العلوم ہے جسے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان تشریف لانے کے بعد دار العلوم دیوبند کی طرز پر قائم فرمایا اور پھر مولانا احتشام الحق تھانوی مولانا بدر عالم میرٹھی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے حضرت علامہ عثمانیؒ کے خواب کو حقیقت کا روپ دیا۔ دار العلوم میں مولانا محمد مالک نے ۲۵ سال علم حدیث اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریسی خدمات انجام دیں اور محدث کی حیثیت سے علمی دنیا میں اہم مقام پایا۔

(ماہنامہ الحسن لاہور ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث والتفسیر

دار العلوم دیوبند برصغیر پاک و ہند کی وہ عظیم علمی و دینی یونیورسٹی ہے جس نے گزشتہ صدی میں عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیات پیدا کیں اور ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کئے اس علم و عمل کی عظیم درسگاہ سے علم و فضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد

ادریس کاندھلویؒ' مولانا احتشام الحق تھانویؒ' مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا محمد مالک کاندھلویؒ' جیسے مشاہیر علماء اس مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیو بند کی پیداوار ہیں۔ جن کے علم وعمل اور زہد وتقویٰ کی مثالیں اب نہیں ملتیں۔ تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں جن اکابرین نے دارالعلوم دیو بند کی طرز پر دینی مدارس قائم فرمائے ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا دارالعلوم کراچی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا جامعہ خیر المدارس ملتان اور حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کا جامعہ اشرفیہ لاہور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت اقدس مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے نیلا گنبد لاہور میں مولی چند بلڈنگ کا ایک حصہ مدرسہ کے لئے الاٹ کرایا اور توکلاً علی اللہ جامعہ اشرفیہ کے نام سے ۸ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ایک دینی درس گاہ کا قیام عمل میں لایا گیا جو ان اشعار کا مصداق ہے۔

درسگاہ علم دین ایں جامعہ　اشرفیہ از معارف لامعہ
یاد گار مولوی معنوی　مولوی اشرف علی تھانویؒ
اے خدا ایں جامعہ قائم بدار　فیض او جاری بود لیل و نہار

جب جامعہ کی عمارت طلبہ اور اساتذہ کے لئے ناکافی ہوئی تو فیروز پور روڈ لاہور پر مدرسہ کی جدید عمارت کے لئے ایک سو کنال اراضی خریدی گئی جس طرح حق تعالیٰ نے دارالعلوم دیو بند کو یہ شرف عطا کیا تھا کہ اس کا سنگ بنیاد جملہ مقدسین نے مل کر رکھا تھا اسی طرح حق تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے خلوص و برکت سے اس جامعہ کے سنگ بنیاد رکھتے وقت اہل اللہ کو جمع فرما دیا اس وقت جو حضرات موجود تھے ان میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ' حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ' حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ' حضرت مولانا جلیل احمد شروانی ؒ' حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ' حضرت مولانا داؤد غزنویؒ' حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب شروانی شامل ہیں۔ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ کی تدریسی خدمات اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق کے سلسلے میں جناب مولانا محمد شاہد تھانوی فرماتے ہیں کہ:

سند فراغت کے بعد مادر علمی دارالعلوم دیو بند کی تڑپ آپ کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے پھر واپس دیو بند لے گئی اور کچھ عرصہ دارالعلوم دیو بند میں تصنیف و تالیف میں گزارنے کا ارادہ تھا۔ لیکن آپ کے والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے حکم پر بہاولنگر جانا پڑا اور یہاں سے آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا علم وفضل کا یہ درخشندہ ستارہ اپنی آب وتاب سے بہاولنگر کو منور کرنے لگا اور درس وتدریس کا آغاز صحیح مسلم شریف ابو داؤد شریف' تفسیر جلالین اور فقہ کی عظیم کتاب ہدایہ سے کیا دو سال تک یہ دین کا خادم اپنے علم وفضل سے اہل بہاول نگر کو مستفیض کرتا رہا اور پھر اپنے استاد

محترم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے حکم پر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلا آیا اور جہاں دورۂ حدیث پڑھاتا تھا۔ وہیں استاد الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوگیا قیام پاکستان کے وقت سیاسی معاملات میں اپنے استادِ محترم شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کا ساتھ دیا اور بڑھ چڑھ کر تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا۔ آخر کار مملکت اسلامیہ وجود میں آ گئی تو شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کے حکم پر پاکستان ہجرت فرمائی استاد العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی خواہش تھی کہ مولانا محمد مالک ان کے جامعہ خیر المدارس میں استاد الحدیث کے عہدہ پر متمکن ہوں لیکن علامہ عثمانیؒ کی دلی خواہش تھی کہ ان کے قائم کردہ عظیم دینی ادارہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں ان کا مایہ ناز شاگرد تدریسی خدمات انجام دے تو لائق شاگرد کو استادِ محترم کی حکم عدولی اور دل شکنی کیسے برداشت ہوسکتی تھی فوراً لبیک کہا اور دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں شب و روز یہ اللہ کا بندہ اللہ کے دین کی خدمت میں مصروف ہوگیا اور ربع صدی (۲۵ برس) اس ادارہ میں قال اللہ اور قال الرسول کرتے ہوئے گزار دی جہاں پاکستان اور بیرون ممالک کے طلبہ اس عظیم ہستی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے رہے اور آج آپ کے بے شمار تلامذہ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ میں علوم نبوت کی تشہیر و تبلیغ میں مصروف ہیں ابھی مولانا ٹنڈوالہ یار کے دارالعلوم ہی میں علم حدیث کی خدمت جلیلہ انجام دے رہے تھے کہ والد محترم شیخ المحدثین والمفسرین حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ کا انتقال ہوگیا اور پاکستان کے عظیم ادارہ جامعہ اشرفیہ لاہور کی عظیم مسند (مسند شیخ الحدیث) اجڑ گئی جامعہ اشرفیہ لاہور کے ارباب حل وعقد کی نگاہ انتخاب اسی گوہر نایاب پر آ کر ٹھہر اور ۱۳۹۴ھ بمطابق ۱۹۷۴ء میں عظیم بیٹا اپنے عظیم والد کی عظیم مسند کا صحیح جانشین قرار پایا اور آخری سانس تک اس مسند کا صحیح اور بے مثال حق ادا کرتے ہوئے اپنے آپ کو الولد سر لابیہ۔ کا مصداق ثابت کیا اور اسی مسند کی خدمت میں اعلاء کلمۃ اللہ کا پرچم تھامے اپنی جان کا نذرانہ دربار حقیقی میں پیش کر دیا اور من المومنین رجال صدقوا ماعاھدوا اللّٰہ علیہ کا عملی نمونہ پیش کیا۔

(ماہنامہ الاشرف کراچی ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

مولانا محمد یوسف خان جامعہ اشرفیہ لاہور میں آمد کے متعلق فرماتے ہیں کہ رجب ۱۳۹۴ھ اور بمطابق ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء کو حضرت شیخ مولانا محمد مالک صاحب کے والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی اہلیہ محترمہ پیرانی صاحبہ مدظلہا کے اصرار پر برصغیر کی ممتاز درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں آئے جامعہ اشرفیہ کے مہتمم حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہم اور نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ اور جامعہ کی مجلس شوریٰ نے یہ بات طے کی کہ حضرت مولانا محمد مالک صاحب نے شیخ الحدیث والتفسیر کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہوئے بروز پیر ۱۸ شوال المکرم ۱۳۹۴ھ بمطابق ۵ نومبر ۱۹۷۴ء کو صحیح بخاری شریف کا پہلا سبق جامعہ اشرفیہ میں پڑھایا راقم الحروف بھی اس درس میں شریک تھا اور اس سال حضرت شیخ الحدیث کے زیر سایہ

دورہ حدیث کی تکمیل کی سعادت حاصل ہوئی حضرت شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ میں تشریف لانے سے قبل اگرچہ علمی افق پر ایک محدث کی حیثیت سے چمک رہے تھے لیکن جامعہ اشرفیہ میں تشریف لانے کے بعد ایک بین الاقوامی شخصیت بن گئے اور حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے صحیح معنوں میں علمی جانشین ثابت ہوئے جامعہ اشرفیہ میں آخری دم تک درس بخاری دیتے رہے جس رات کے آخری پہر حضرت شیخ کا انتقال ہوا اس سے ایک دن قبل یعنی جمعرات کو آپ نے درس بخاری معمول کے مطابق دیا جامعہ اشرفیہ کے لئے آپ کی رحلت کا بہت بڑا حادثہ ہے جامعہ کو مولانا اور مولانا کو جامعہ سے جو تعلق تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ جو جلد بھول جائے آپ نے ساری زندگی خدمت حدیث میں صرف فرمائی اور ہزاروں کی تعداد میں شاگرد چھوڑے اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشیں۔آمین۔

حضرت علامہ محمد تقی عثمانیؒ مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ قدس سرہ کے علم وفضل کے صحیح وارث و جانشین تھے اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں اپنے والد کی جگہ صحیح بخاری کا درس آپ نے شروع فرمایا جو زندگی کے آخر ۔ ورتک جاری رہا آپ کا صحیح بخاری کا درس بڑا مقبول درس تھا ہر سال تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ آپ کے درس میں شریک ہوتے ۔ ےحضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ قدس سرہ کی درس حدیث کی مسند کو سنبھالنا کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن حضرت مولانا مد مالک صاحبؒ نے ٹھوس علمی مذاق اپنے والد ماجدؒ سے وارثت میں پایا تھا اور ذوق مطالعہ بھی خوب تھا چنانچہ آپ نے درس حدیث کے اس معیار کو بڑی حد تک باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دورۂ حدیث میں طلبہ کے رجوع و اقبال میں کوئی کمی نہیں آئی ہزاروں طلبہ حدیث نے آپ سے فیض حاصل کیا رجوع و اقبال میں کوئی کمی نہیں آئی ہزاروں طلبہ حدیث نے آپ سے فیض حاصل کیا جن میں مولانا الشیخ الفتا ابوغدہ‘ مولانا محمد آفتاب احمد مدنی‘ مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی‘ مولانا قاری سعید الرحمٰن اور مولانا عبدالرحمٰن صدیقی ممتاز تلانذہ میں سے ہیں۔

تصنیف و تالیف:

درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف بھی آپ کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور اپنی حیات میں کئی ضخیم اور علمی تصانیف اپنے قلم فیض رقم سے تالیف فرمائیں جن میں اُردو زبان میں دو جلدوں پر مشتمل ”تجرید صحیح مسلم“ ”التحریر فی اصول التفسیر“ منازل العرفان فی علوم القرآن۔ ”سراج الہدایہ“ تاریخ حرمین“ پیغام مسیح“ ”اسلامی معاشرت“ پردہ اور مسلمان خاتون ”اسلام پر عیسائیت کے حملے اور ان کا جواب“ اور دو جلدیں تکملہ تفسیر معارف القرآن (جلد۴-۷) خاص طور پر علمی شاہکار ہیں۔

جناب علامہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب‘ آپ کی علمی و تصنیفی خدمات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''تدریس کے علاوہ اپنے والد ماجد کی طرح مولانا محمد مالک صاحبؒ کو تصنیف و تالیف کا بھی خاص ذوق تھا آپ کی بہت سی ٹھوس علمی کتابیں آپ کے صدقہ جاریہ کے طور پر باقی ہیں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ قدس سرہ اپنی حیات میں تفسیر معارف القرآن کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے۔ مولانا نے ماشاء اللہ اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور تفسیر میں اپنے والد ماجد کے رنگ کو باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اس کے علاوہ مولانا کی کتابوں میں منازل الفرحان فی علوم القرآن بڑے پائے کی کتاب ہے جس میں علوم قرآن کے موضوع پر بڑے بڑے گراں قدر مباحث اور معلومات جمع فرمائی ہیں اور شاید اردو میں علوم القرآن پر اتنی عظیم وضخیم کتاب کوئی اور نہیں ہے۔

''تجرید صحیح مسلم'' ''دوجلد'' مولانا کی یہ کتاب صحیح مسلم کی اردو شرح میں ایک بلند مقام رکھتی ہے کتاب کے بنیادی واساسی ماخذ میں صحاح ستہ' مشکوٰۃ المصابیح شرح فقہ اکبر' التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح' معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ے علاوہ شبیر احمد عثمانیؒ کے درس بھی شامل ہیں مسائل فقہیہ کو احسن اسلوب کے ساتھ آسان زبان اور مختصر عبارت میں بیان کیا گیا ہے اختلاف ائمہ کی صورت ترجیح راجح کے بیان ائمہ کا ادب و احترام ملحوظ رکھا گیا ہے اور صرف علمی دلائل سے ترجیح دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ''تاریخ حرمین'' اور ''اصول تفسیر'' بھی آپ کی گراں قدر علمی یادگار ہیں جو اپنے اپنے موضوع میں وقیع تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تبلیغ واشاعت:

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کی تمام زندگی دین کی تبلیغ واشاعت میں گزری آپ اکثر و بیشتر بیرون ممالک وہاں کے مسلمانوں کی دعوت پر تبلیغ دین کے لئے سفر فرماتے پورے عالم اسلام میں آپ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے علم حدیث کی خدمت کے ساتھ ساتھ آپ نے تبلیغ دین کا بھی پورا پورا حق ادا کیا ملک و بیرون ملک تبلیغی و اصلاحی اجتماعات میں شریک ہوتے اور اپنے علمی اندااز ہ میں عوام وخواص کو دین اسلام کی حقانیت پر کئی کئی گھنٹے خطاب فرماتے تھے اپنی زندگی میں لاکھوں افراد کی اصلاح ذریعہ بنے اور ہزاروں افراد کو مشرف بہ اسلام کیا اپنی حیات میں ہزاروں مرتبہ ریڈیو پاکستان لاہور میں مقامی اور قومی پروگراموں میں تقاریر کے ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ کی۔ دینی مدارس خصوصاً جامعہ اشرفیہ لاہور جامعہ خیر المدارس ملتان اور جامعات کراچی سکھر آپ کے مراکز تبلیغ تھے تصنیفات کی اشاعت کو باقاعدہ ایک مشن بناتے ہوئے جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور میں ''مکتبہ عثمانیہ'' کے نام سے تبلیغ دین کی نشر واشاعت کا ادارہ قائم فرمایا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی قائم کردہ خالص تبلیغی و اصلاحی مجلس صیانۃ المسلمین کے باقاعدہ رکن اور صدر رہے جس کا واحد مقصد صرف اور صرف اللہ کے دین کی سربلندی ہے اور اس کے اغراض ومقاصد میں تبلیغ دین اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کی منظم جدوجہد کے لئے تمام مسلمانوں خصوصاً علماء اسلام کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے کراچی سے پشاور تک کے بڑے بڑے دینی مدارس کے ارباب علم وتقویٰ اس مجلس

سے وابستہ اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں جو اپنے اپنے علاقوں اور شہروں میں دینی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات میں مصروف ہیں اور الحمدللہ ملک کے گوشہ گوشہ میں مجلس صیانۃ المسلمین کے ذریعے تبلیغ دین کا کام جاری وساری ہے۔
(ماخوذ اکابر علمائے دیوبند)

تحریک پاکستان:

مولانا محمد ملک کاندھلویؒ کا سیاسی نظریہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے سیاسی نظریے کے عین مطابق تھا شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ آپ کے شیخ و مربی اور استاد مکرم تھے آپ نے ہمیشہ ان کے نظریہ کی تائید وحمایت کی، آپ شروع سے دوقومی نظریے اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے اور آپ نے کانگریس کے نظریہ متحدہ قومیت کی ہمیشہ مخالفت کی، تحریک پاکستان کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے اور ان کے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ اور اکابر علماء دیوبند کے شیخ و مربی تھے انہوں نے اپنے متوسلین اور خلفاء کے ذریعے زعماء مسلم لیگ خصوصاً قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کی اصلاح اور دینی تربیت کا فیصلہ کیا اور اپنے خلفاء تلامذہ میں سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا محمد شفیعؒ مولانا مرتضیٰ حسن، مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ مولانا اطہر علیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ، مفتی محمد حسن امرتسریؒ مولانا خیر محمد جالندھریؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا قاری محمد طیب قاسمی وغیرہ علماء کرام کو ان کی اصلاح وتبلیغ کے لئے مقرر فرمایا ان حضرات نے زعمائے لیگ کی اصلاح کے لئے تبلیغ دین کا خوب حق ادا کیا۔ ۱۹۴۵ء میں انہی علماء حق نے تحریک پاکستان کی حمایت میں ایک تنظیم ''جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے تشکیل دی جس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور نائب صدر علامہ ظفر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے ان حضرات نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک فتویٰ شائع کرایا جس سے ہوا کا رخ بدل گیا اور ہر طرف لیگ کو کامیابی نصیب ہوئی اسی طرح سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں کامیابی انہی علماء حق کی سعی وکاوشوں کی بدولت ہوئی جس کا اعتراف قائداعظم اور لیاقت علی خاں نے بارہا کیا اور قیام پاکستان کے موقع پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان پرچم کی پہلی رسم پرچم کشائی علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں کرائی گئی الغرض آپ اپنے سیاسی نظریات میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ شیخ الاسلام عثمانیؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد حسنؒ مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا قاری محمد طیبؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی طرح دوقومی نظریے کے علمبردار رہے اور تحریک پاکستان کے پرجوش حامی اور کارکن رہے۔ (ماہنامہ الحسن۔ لاہور)

تحریک نظام اسلام:

قیام پاکستان کے بعد اکابر علماء دیوبند کے شانہ بشانہ نظام اسلام کی تحریک میں عملی حصہ لیا ۱۹۴۹ء میں قرارداد

مقاصد کے نام سے دستور اسلامی کا ایک خاکہ علامہ شبیر احمد عثانیؒ مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے شب و روز کی محنت کے بعد مرتب کر کے قومی اسمبلی میں پاس کرایا ان حضرات کا یہ تاریخی کارنامہ ہے۔۱۹۵۱ء میں مولانا احتشام الحق تھانوی کی تحریک اور دعوت پر علماء حق کا ایک عظیم اجتماع کراچی میں منعقد ہوا جس میں ہر مکتب فکر کے جید علماء کرام شامل تھے اس اجتماع میں نظام اسلام کا ایک مسودہ بائیس نکات پر مشتمل مرتب کیا گیا۔۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔۱۹۴۹ء میں ملک میں سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لئے مرکزی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین نے عملی طور پر ایک ملک گیر تحریک نظام اسلام چلائی اور مسلمانوں کو سوشلزم جیسے فتنہ سے آگاہ کیا۔مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ نے دوسرے مشاغل علمیہ کے ساتھ ساتھ تحریک نظام اسلام میں عملی طور پر حصہ لینے سے دریغ نہیں کیا اور ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کام کیا آپ ہمیشہ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے کوشاں رہے۔مرکزی جمعیت علماء اسلام مجلس تحفظ ختم نبوت اور مجلس صیانۃ المسلمین کے ذریعے بڑی سرگرمی سے اسلام کی سربلندی کے لئے کام کرتے رہے مولانا محمد اکرم کاشمیری لکھتے ہیں کہ

مولانا کاندھلویؒ صحیح معنوں میں ملک وملت کا درد رکھتے تھے اور ہمیشہ نظریہ پاکستان کے حامی اور استحکام پاکستان کے لئے کوشاں رہے مولانا اپنی نجی اور عام محافل ومجالس میں پاکستان کی نظریاتی حدود کی حفاظت اور اس میں نظام اسلام کے نفاذ پر زور دیتے تھے اور فرمایا کرتے' پاکستان اور ہم سب کی بقاء اسی میں ہے کہ اس میں نظام اسلام نافذ ہو جائے ان کے جذبے کے مدنظر شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔مولانا جنرل ضیاء الحق شہید کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی ادارہ تحقیقات اسلامی کے ممبر بھی تھے اور حکومت پاکستان کے تعلیمی کمیشن کے رکن بھی غرض یہ کہ مولانا مرحوم پاکستان میں ہر مرحلہ اور ہر صورت میں اسلامی نظام کے لئے سعی فرماتے رہے اور ساری زندگی دین اسلام کی خدمت میں گزار دی۔(ماہنامہ الحسن لاہور)

مولانا محمد شاہد تھانوی فرماتے ہیں کہ:

مولانا محمد مالک کاندھلوی مرحوم کی زندگی خدمت اسلام میں گزری ہے ان کے دل میں اسلامی نظام کے نفاذ کی تڑپ اس قدر تھی کہ ہر محفل میں ذکر فرماتے اور اس کے لئے بے چین رہتے۔اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو بھی تحریک اور کام ہوا مولانا مرحوم اس میں پیش پیش ہوتے تھے درس و تدریس تصنیف و تالیف اور دوسرے مشاغل دینیہ کے علاوہ نظام اسلام کے نفاذ کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے نظام اسلام کے لئے جدو جہد فرمائی۔ادارہ تحقیقات اسلامی کا رکن بننا فقط اسی لئے منظور فرمایا کہ کسی طرح اسلام کا بول بالا ہو' صدر ضیاء الحق شہید کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی صرف اسی نظریے سے بنے کہ نظام اسلام کے لئے کچھ کام ہو جائے اور اس سلسلہ میں شہید صدر ضیاء الحق سے بارہا اپنی اس تڑپ اور خواہش کا اظہار فرمایا کہ خدارا پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے' شہید صدر ضیاء

الحق آپ کا دلی احترام کرتے تھے اور انتہائی عقیدت کا اظہار کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ مولانا کو شہید صدر کے دنیا سے چلے جانے کا انتہائی صدمہ اور غم تھا یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کو عارضہ قلب اسی صدمہ کی وجہ سے پیش آیا ہو۔ غرضیکہ مولانا کی شخصیت مسلمہ طور پر عالم اسلام کی ایک مایہ ناز شخصیت تھی ہر اہم اور دینی مسائل میں حکومت وقت بھی آپ کے مفید مشوروں سے استفادہ کرتی تھی۔ (ماہنامہ الاشرف کراچی نومبر و دسمبر ۱۹۸۸ء)

بہر حال تحریک پاکستان ہو یا تحریک ختم نبوت ۱۹۶۹ء کی لادینی نظریات کے خلاف تحریک ہو یا ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ آپ نے اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ہمیشہ سعی فرمائی اور حق وصداقت کے پرچم کو بلند رکھا۔

اوصاف وکمالات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کے اوصاف وکمالات اور علمی و دینی خدمات کے بارے میں جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی قصبہ کاندھلہ ضلع مظفرنگر کے مشہور علمی خاندان کے چشم و چراغ اور شیخ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے نامور فرزند تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے تعلیم کی تکمیل کی، قیام پاکستان سے پہلے ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، تقسیم کے بعد ایک عرصہ تک دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں حدیث وتفسیر کا درس دیا اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے سانحہ ارتحال کے بعد ان کی جگہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں مسند حدیث کو رونق بخشی اور تادم زیست جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث رہے گویا مولانا مرحوم کی پوری زندگی علوم نبوت کی نشر و اشاعت اور قال اللہ وقال الرسول کی تدریس میں بسر ہوئی۔ حضرت مولانا مرحوم نے کافی عرصہ پہلے کراچی میں ایک دینی درس گاہ بنانے کے لئے جگہ لے رکھی تھی گزشتہ سال جامعہ اشرفیہ ہی کے نام سے وہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ تعلیم و تدریس تو حضرت مرحوم کا صحیح ذوق اور اصل جوہر تھا اس کے علاوہ بھی ملکی وقومی سطح پر ان کی خدمات دین کی سربلندی و سرخروئی کے لئے وقف تھیں اسی جذبہ سے وہ سابق مجلس شوریٰ اسلامی نظریاتی کونسل، تعلیمی کمیشن وغیرہ سرکاری اداروں کے ممتاز رکن رہے۔ علوم قرآن پر ان کی خاص نظر تھی ان کے والد ماجد حضرتؒ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر معارف القرآن کتب تفسیر میں ایک شان رکھتی ہے اور اس میں مصنف کا محدثانہ اور متکلمانہ رنگ بہت نمایاں ہے لیکن افسوس کہ وہ پوری نہیں ہو سکی تھی، مولانا محمد مالک صاحبؒ نے اسی اسلوب و انداز میں اس کی تکمیل فرمائی ان دو کتابوں کے علاوہ اور متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ حضرت مرحوم علم وفضل اور شرافت وامانت کا

پیکر تھے۔ بڑا صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ چہرے سے شرافت وسنجیدگی اور نورانیت ومعصومیت ٹپکتی تھی، غالباً دور شباب ہی سے رمضان المبارک میں پوری شب بیداری کا معمول تھا جو آخر تک قائم رہا۔

(ماہنامہ بینات کراچی دسمبر ۱۹۸۸ء)

مولانا محمد اکرم کاشمیری فرماتے ہیں کہ:

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی علمی مقام میں ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے۔ ایک عظیم محدث، مفسر، مصنف، متکلم، محقق، مدبر، فصیح وبلیغ خطیب تقویٰ وتواضع میں اسلاف کا نمونہ اخلاق وعادات میں اپنے والدمحترم کی مثال، باوقار ملنسار شخصیت اور شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ اور علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ کے صحیح جانشین تھے۔ ہر بات اور ادا سے علمی رنگ جھلکتا تھا۔ مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور علمبردار تھے۔ وہ بیک وقت شیخ الحدیث بھی تھے اور میدان سیاست کے شہسوار بھی، مولانا کی بصیرت آنے والے حالات کو بڑے قریب سے دیکھ رہی تھی وہ وقتاً فوقتاً قوم کو آنے والی مشکلات سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ مولانا کی ذات گرامی اتنی پرکشش تھی جس کو ایک مرتبہ بھی زیارت کا موقع ملا وہ بھی آپ کا فریفتہ ہی ہوگیا آپ کی خوش اخلاقی اور ملن ساری ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور آپ کا حسن ظاہر اور حسن باطن یکساں تھا۔ (ماہنامہ الحسن لاہور)

جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

مولانا محمد مالک صاحب بڑے متواضع، ملنسار، ہنس مکھ اور شفیق بزرگ تھے، آپ کی باتوں میں اپنے والد ماجد کا علمی رنگ جھلکتا تھا۔ سنجیدگی اور امانت کے ساتھ عالمانہ خوش طبعی آپ کا خاص وصف تھا آپ علماء دیوبند کے مسلک ومزاج پر سختی سے کاربند تھے۔ لیکن فرقہ وارانہ تعصب سے بلند ہو کر دین کے مشترک مقاصد میں وحدت امت کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے چنانچہ دوسرے مسلک کے حضرات بھی آپ سے اختلاف رکھنے کے باوجود آپ کے علمی مقام اور دین کے لئے آپ کے خلوص کے قائل تھے۔ عبادت کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذوق عطا فرمایا تھا اور علمی واجتماعی مشاغل کے ساتھ عبادات کا اہتمام قابل رشک حد تک تھا۔ اس دور میں کوئی اجتماعی علمی یا دینی کام کرنا ہو تو اس کی انجام دہی کے لئے ملک کے جن چیدہ لوگوں کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں مولانا انہی میں سے تھے اور اس نازک دور میں ایسی عظیم شخصیت کا اٹھ جانا یقیناً ملت کا بہت بڑا نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی)

مولانا محمد شاہد تھانوی فرماتے ہیں کہ:

مولانا محمد مالک کاندھلویؒ کی شخصیت ایک باوقار وجیہہ ملنسار دین کے ایک ستون کی حیثیت رکھتی تھی اور مولانا کا شمار جلیل القدر علماء کرام میں ہوتا تھا۔ سب سے بڑا یہ کمال تھا کہ غیر متنازعہ شخصیت کے مالک تھے ہر حلقہ میں یکساں مقبول ومحبوب تھے، پورے عالم اسلام میں آپ نہایت عزت واحترام سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ میں چند خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں آپ

بیک وقت خوش خو، خوش لباس، خوبصورت، خوب سیرت، بااخلاق، منکسر المزاج، متواضع خوش بیان بہترین واعظ، عمدہ خطیب، عظیم محدث، شاندار مفسر، بہترین محقق، مدبر، متکلم، ادیب، مصنف مایہ ناز استاد علم وعمل کا پیکر، اکابر کے تقویٰ وطہارت کی تصویر اور اسلاف کی یادگار تھے۔ آپ کی شخصیت مسلمہ طور پر عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت تھی ہر کام اور ہر اہم دینی مسائل میں حکومت وقت بھی آپ کے مفید مشوروں سے استفادہ کرتی تھی اسی لیے پاکستان کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے، ادارہ تحقیقات اسلامی کے رکن بھی رہے، یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کے رکن بھی رہے اسلامی مشاورتی کونسل کے ممبر بھی رہے، شریعت بنچ حکومت پاکستان کے رکن اعلیٰ رہے، مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے صدر بھی رہے اور سواد اعظم اہل سنت پاکستان کے امیر اعلیٰ بھی رہے۔ ماہنامہ الحسن لاہور کی مجلس ادارت میں مشیر اعلیٰ اور پاکستان کے مرکزی دینی مدارس کی شوریٰ کے معزز رکن بھی رہے۔ غرضیکہ مولانا مرحوم کی زندگی تمام دین وملت کی خدمات میں گزری صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق شہید نے حضرت مولانا مرحوم کو دینی علمی اور ملی خدمات کے اعتراف میں ستارۂ امتیاز بھی عطا کیا تھا۔ (ماہنامہ الاشرف کراچی)

بہر حال حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اوصاف و کمالات سے نوازا تھا ان کی خوش اخلاقی، خوش طبعی اور شفقت کا اندازہ ہمیشہ دل پر نقش رہے گا۔ حضرت کو احقر راقم سے بے حد محبت و شفقت تھی ان کی عنایات بے شمار ہیں وہ ہمیشہ احقر کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے تھے احقر کی درخواست پر ڈیرہ غازی خاں اور جام پور جیسے دور دراز علاقوں میں مجلس صیانۃ المسلمین کے جلسہ میں تشریف لائے آپ نے کئی بار فرمایا کہ یہ تمہاری محبت اور خلوص کھینچ کر لایا ہے راقم کی تصانیف کو دیکھ کر مسرت کا اظہار فرماتے اور خصوصی دعاؤں سے نوازتے تھے حضرت کی دلکش ادائیں، حسن صورت، حسن سیرت ان کی شفقت ومحبت ان کی عنایات دل سے کبھی نہیں بھلائی جاسکیں گی اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ نور اللہ مرقدہ۔

عشق رسالت مآب ﷺ

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ کو ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا تھا وہ علم کا خزانہ اور عمل کا نمونہ تھے، عاقل وفہیم تھے، ذکی ولبیب تھے۔ زاہد و عابد تھے متقی و پرہیز گار تھے۔ حق گو اور جری تھے فیاض وسخی تھے، اتباع سنت کا پیکر اور عشق رسولؐ میں سرشار تھے آپ کو رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عشق تھا زندگی کے ہر پہلو میں رسول اکرم کے افعال و اقوال کی پیروی کی۔ آپ جامع علوم تھے لیکن علم کے جس شعبے میں آپ کو کمال عروج تھا وہ علوم قرآن و حدیث تھا اور دراصل اس میں بڑا دخل اس شدید محبت و عشق کا تھا جو آپ کو حق تعالیٰ جل شانہ اور اس کے محبوب نبی حضرت ﷺ سے تھا۔ ظاہر ہے کہ جس سے محبت وعشق ہو اس کے کلام اور ہر قول وفعل سے محبت ہونا فطری بات ہے آپ نے آخر دم تک علم حدیث اور علم قرآن کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس کی خدمات انجام دین اور ہزاروں طالبان علم

حدیث کو علوم نبوت سے منور کیا مختصر یہ کہ رسول مقبول ﷺ سے آپ کو حد درجہ عشق تھا آپ نے اپنی حیات میں متعدد بار حج بیت اللہ اور روضہ رسول اللہ کی زیارت کی سعادت حاصل کی آپ نے ۱۹۳۲ء میں جو بچپن کا زمانہ تھا اپنے والد ماجد کے ہمراہ پہلی بار حج و زیارت کی سعادت حاصل کی آپ کے سینہ بے کینہ میں عشق نبوی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ہر وقت زیارت حرمین شریفین کا شوق دل و دماغ میں سمایا رہتا تھا۔ روضہ رسول کی زیارت والہانہ انداز میں فرماتے بارہا مسجد نبوی میں اعتکاف فرماتے اور زبان مبارک پر درود و سلام کثرت سے جاری رہتا چہرے سے عجیب کیف و سرور عیاں ہوتا اور اپنے ہر قول و فعل سے اپنے والہانہ عشق کا اظہار فرماتے سیرت النبی ﷺ کے جلسوں اور کانفرنسوں میں ملک و بیرون ملک سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لے جاتے اور اپنے آقائے نامدار تاجدار مدینہ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے فضائل و مناقب بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے۔ اپنے خطابات اور تقاریر میں فرماتے تھے کہ نبوت و رسالت سے عقیدت کا لازمی نتیجہ حضور اقدس ﷺ سے والہانہ محبت و عشق اور آپ کی اطاعت و پیروی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اپنے رسول جیسی پیروی چاہتے ہیں وہ اسی وقت ممکن ہے جب آدمی کا دل اپنے نبی کے عشق و محبت سے سرشار ہو اگر کوئی شخص آپ کو نبی مانتا ہے مگر اس کا دل آپ کی غایت درجہ محبت سے محروم ہے تو اس کا ایمان ہی مشکوک و مشتبہ ہے کیونکہ کامل محبت کے بغیر اطاعت و فرمانبرداری کی منزلیں طے نہیں ہو سکتیں خود حضور اکرم ﷺ کا فرمان یہی ہے کہ کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ مجھے اپنے اپنی اولاد اپنے ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اصل عشق رسول یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو اسوۂ رسول ﷺ کے تابع بنا دے کسی معاملے میں اپنی رائے اور ارادے کو باقی نہ رکھے اس کے پیش نظر ہر وقت یہ بات ہو کہ حضور اقدس ﷺ کا عمل کیا تھا۔ اور حکم کیا تھا محض زبان سے عشق کے دعوے کرنا اور عمل سے اس کی نفی کرنا کسی صورت میں بھی عشق رسول ﷺ نہیں کہلا سکتا۔ مولانا محمد مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اکرم ﷺ سے اپنے عشق و محبت کا اظہار جہاں ایک طرف اپنے مواعظ حسنہ سے کیا وہاں دوسری طرف زندگی بھر حدیث رسول اور سنت رسول کی بہر نوع خدمت کی اور خود اپنی زندگی کو آقائے دو جہاں کے اسوہ اور نمونہ کے مطابق ڈھالا اسی کو عشق رسول ﷺ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی سچا اور پکا عشق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وفات حسرت آیات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی عرصہ پندرہ سال سے جامعہ اشرفیہ لاہور میں علم حدیث کے شیریں چشمے سے طلبائے علم دین کو سیراب فرما رہے تھے اور شب و روز اپنی بے مثال دینی علمی تبلیغی اور ملی خدمات میں مصروف تھے ایک عرصہ سے آپ ذیابیطس کے موذی مرض میں مبتلا تھے بایں ہمہ آپ کے معمولات میں کبھی بھی فرق نہیں آیا مسلسل محنت کے عادی ہو چکے تھے جامعہ میں درس بخاری تصنیف و تالیف دینی مدارس کے تبلیغی و اصلاحی اجتماعات میں شرکت اور

دراز علاقوں اور غیر ممالک کے اسفار کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ بیک وقت شیخ الحدیث بھی تھے اور میدان سیاست کے شہسوار بھی تھے آپ پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ اپنی حیات میں دیکھنا چاہتے تھے اور اسی لئے صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ سے اپنی اس خواہش کا اظہار بار با فرمایا کرتے تھے مگر افسوس کہ جنرل صاحب کو بھی اسلام دشمنوں نے شہید کر دیا اور آپ کی یہ خواہش جس کی تکمیل جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ہاتھوں عمل میں آنے کی امید تھی وہ پوری نہ ہو سکی۔ جنرل ضیاء الحق کو ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء کو ہوائی حادثہ میں شہادت کا درجہ ملا آپ کو اس کا انتہائی صدمہ اور قلق ہوا جنرل صاحب مرحوم کی جدائی سے آپ انتہائی غمگین اور نڈھال ہو گئے اور یہ صدمہ صحت پر زبردست اثر انداز ہوا لیکن آپ کا مقصد حیات صرف علم اور علم کی خدمت تھا اس لئے معمول درس حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول و مصروف رہے یہاں تک کہ ۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء جمعۃ المبارک کی بابرکت شب کو صبح صادق سے قبل ۳ بجے قال قال رسول اللہ ﷺ کی صدا سے دھڑکنے والے دل کی حرکت بند ہو گئی اور یہ عظیم محدث علمی دنیا سے رخصت ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بعد نماز جمعہ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہم نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں نماز جنازہ پڑھائی ہزاروں عقیدت مندوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور پھر ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں اچھرہ کے قبرستان میں اپنے والد ماجد کے قدموں میں پہلو کی جانب مدفون ہوئے اور ہمیشہ کے لئے یہ آفتاب علم و عمل غروب ہو گیا ہم ان کی شفقتوں اور عنایتوں سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے جہاں ہزاروں کی تعداد میں شاگرد چھوڑے اور بہت سی قیمتی تصانیف کی صورت میں علمی سرمایہ چھوڑا وہاں پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ کے علاوہ روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ کچھ نسبی اولاد بھی چھوڑی ہے ان میں پانچ صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہیں صاحبزادوں میں بڑے مولانا محمد سعد صدیقی ہیں جو جامعہ اشرفیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے بھی ہیں اس وقت قائداعظم لائبریری لاہور میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد سعید جامعہ اشرفیہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بفضلہ تعالیٰ دونوں صاحبزادوں کو حافظ قرآن بھی بنایا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں صاحبزادوں اور ان ہزارہا تلامذہ کو جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین بار اللہ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزۂ نورستہ تیرے در کی دربانی کرے۔ اللھم اغفرلہ وارحم وارفع درجاتہ۔ (ماخوذ ''حیات مالک'')

منظوم خراج عقیدت

(بیاد مولانا محمد مالک کاندھلویؒ)

راہ زندگی حق و صداقت کا امین
شیخ الحدیث علامہ مالک شمع ایمان ویقین
شخصیت تھی حضرت کاندھلویؒ کی پر بہار
عظمت حسن شریعت آئینہ دار وقار
حق تعالیٰ کی اطاعت کی لگن باحد شوق
دین حق کی پیروی میں گامزن باعزم ذوق
جو رہا تا زندگی دیوانہ عشق رسولؐ
جس کے انداز سخن میں تھا شریعت کا اصول
ابتداء بھی جس کی روشن انتہا بھی تابناک
جس کے کردار و عمل سے جگمگایا ارض پاک
جو رضائے حق کی منزل پر رواں تھا گام گام
جس نے اپنایا حقیقت کے اصولوں کو مدام
جس نے ہر دل کو کیا پروانہ شمع رسولؐ
بھر دیئے دامن میں جس نے جذبہ الفت کے پھول
جس کے سجدے تھے حقیقت آشنائے بندگی
صورت و سیرت میں یکساں جس کا دور زندگی
ہر قدم جس نے دیا شائستہ پیغام عمل
حق کی اطاعت میں شگفتہ کر دیا دل کا کنول
روز و شب ہے طاہر مغموم کی دل سے دعا
کر الٰہی پیرو مرشد کو میرے جنت عطا

(طاہرؔ جنید۔ جدہ)

مولانا محمد تقی عثمانی:

مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ماہ نومبر سے احقر کو پے در پے کئی طویل غیر ملکی سفر پیش آئے۔ میں کینیڈا میں تھا کہ میرے پیچھے ملک کے ممتاز اور مشہور عالم دین حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حادثہ وفات پیش آیا جس کی اندوہناک اطلاع مجھے پاکستان واپس پہنچ کر ملی۔ یہ خبر اتنی غیر متوقع اور ناگہانی تھی کہ شروع میں اس پر یقین نہیں آیا۔ مولاناؒ ماشاء اللہ بڑے صحت مند، چاق و چوبند اور ہشاش بشاش بزرگ تھے، عمر بھی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ اس لئے دور دور تصور نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی ہم سے رخصت ہو جائیں گے لیکن موت جس کا وقت لمحوں تک کے حساب سے کہیں اور طے ہو چکا ہے، ہمارے تصورات اور خواہشات کی پابند نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ وہ حاکم و حکیم ذات کرتی ہے۔ جس کی مشیت ہمارے محدود دائرہ فکر سے ماورا ہے۔ معلوم ہوا کہ خبر انتہائی المناک اور بڑی حیرت ناک ہونے کے باوجود درست ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ برصغیر کے مایہ ناز عالم اور بزرگ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے اور ان کے علم و فضل کے صحیح وارث۔ احقر نے انہیں سب سے پہلے اس وقت دیکھا جب (تقریباً ۱۳۷۳ھ میں) دارالعلوم نانک واڑہ میں قدوری اور کافیہ وغیرہ پڑھتا تھا۔ مولاناؒ اس وقت حضرت والد صاحب قدس سرہ کی خواہش پر دارالعلوم میں تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے اور غالباً ابوداؤد یا ترمذی شریف کا درس ان کے سپرد تھا۔ احقر کو ان سے براہ راست استفادے کا موقع تو نہیں ملا۔ لیکن درجے کے اعتبار سے یقیناً وہ احقر کے اساتذہ کے رتبے کے تھے۔

دارالعلوم میں ان کا قیام مختصر مدت کے لئے رہا، لیکن ان کی خوش اخلاقی، خوش وضعی اور شفقت کا انداز ہمیشہ دل پر نقش رہا۔ اس کے بعد مولاناؒ ٹنڈو الہ یار میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور ایک طویل عرصہ تک وہاں درس حدیث دیا۔ بعد میں جب ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ تو جامعہ اشرفیہ لاہور میں اپنے والد کی جگہ صحیح بخاری کا درس آپ نے شروع فرمایا جو زندگی کے آخری دور تک جاری رہا۔

آپ کے صحیح بخاریؒ کا درس بڑا مقبول درس تھا۔ ہر سال تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ کی درس حدیث کی مسند کو سنبھالنا کوئی معمولی بات نہیں تھی لیکن حضرت مولاناؒ نے ٹھوس علمی مذاق اپنے والد ماجدؒ سے وراثت میں پایا تھا اور ذوق مطالعہ بھی خوب تھا۔ چنانچہ آپ نے درس حدیث کے اس معیار کو بڑی حد تک برقرار رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دورۂ حدیث میں طلبہ کے رجوع واقبال میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تدریس کے علاوہ اپنے والد ماجدؒ کی طرح مولاناؒ کو تصنیف وتالیف کا بھی خاص ذوق تھا آپ کی بہت سی ٹھوس علمی کتابیں آپ کے صدقہ جاریہ کے طور پر باقی ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہ اپنی حیات میں تفسیر معارف القرآن کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے' مولاناؒ نے ماشاء اللہ اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور تفسیر میں اپنے والد ماجدؒ کے رنگ کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش فرمائی۔

اس کے علاوہ مولانا کی کتابوں میں ''مناھل القرآن'' بڑے پائے کی کتاب ہے جس میں علوم قرآن کے موضوع پر بڑے گراں قدر مباحث اور معلومات جمع فرمائی ہیں اور شاید اردو میں علوم القرآن پر اتنی ضخیم کتاب کوئی اور نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ''تاریخ حرمین'' اور ''اصول تفسیر'' بھی آپ کی گراں قدر علمی یادگار ہیں جو اپنے اپنے موضوع پر دقیع تصانیف کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تدریس وتصنیف کے ساتھ ملت کے اجتماعی مسائل کا درد اور ان کے ساتھ خاص شغف بھی عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ صدر ضیاء الحق صاحب شہید مرحوم کے دور میں مجلس شوریٰ اور پھر اسلامی نظریاتی کونسل کے بھی رکن رکین رہے۔ جامعہ اسلامیہ اسلام آباد اور متعدد تعلیمی اداروں کی ذمہ دار مجالس اور نصاب کمیٹیوں کے بھی رکن رہے اور ان تمام حیثیتوں میں دین کی دعوت واشاعت کے لئے کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کیا۔

آپ کے ذہن پر مدت سے اس بات کا تقاضا تھا کہ دینی مدارس کے فضلاء میں ایسے حضرات کی ایک کھیپ تیار کی جائے جو دعوت وارشاد کی لگن رکھتی ہو اور اس مقدس فریضے کی انجام دہی کے لئے ان ہتھیاروں سے لیس ہو جو اس دور میں ایک داعی حق کے لئے ضروری ہیں چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے شمالی ناظم آباد کراچی میں ایک مستقل ادارہ اپنی عمر کے آخری حصے میں قائم فرمایا۔ جس کا بنیادی مقصد فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت وارشاد کی تربیت دینا اور اس سلسلے کی ضروری معلومات سے آراستہ کرنا تھا۔ افسوس ہے کہ ابھی یہ ادارہ اپنے ابتدائی مراحل ہی طے کر رہا تھا کہ وہ مولاناؒ کی سرپرستی اور نگرانی سے محروم ہو گیا۔

مولاناؒ بڑے متواضع' ملن سار' ہنس مکھ اور شفیق بزرگ تھے۔ آپ کی باتوں میں اپنے والد ماجدؒ کا علمی رنگ جھلکتا

تھا۔ سنجیدگی اور متانت کے ساتھ عالمانہ خوش طبعی آپ کا خاص وصف تھا آپ علمائے دیو بند کے مسلک اور مزاج پر سختی سے کار بند تھے۔ لیکن فرقہ وارانہ تعصب سے بلند ہو کر دین کے مشترک مقاصد میں وحدت امت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔

• چنانچہ دوسرے مسلک کے حضرات بھی آپ سے اختلاف رکھنے کے باوجود آپ کے علمی مقام اور دین کے لئے آپ کے خلوص کے قائل تھے عبادات کا بھی اللہ تعالیٰ نے ذوق عطا فرمایا تھا اور علمی و اجتماعی مشاغل کے ساتھ عبادات کا اہتمام قابل رشک حد تک تھا۔

اس دور میں کوئی اجتماعی علمی یا دینی کام کرنا ہوتو اس کی انجام دہی کے لئے ملک کے جن چیدہ لوگوں کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں۔ مولاناؒ انہی میں سے تھے اور اس نازک دور میں ایسی شخصیت کا اٹھ جانا یقیناً ملت کا بہت بڑا نقصان ہے۔ ایسا خلا آج کے دور میں مشکل ہی سے پُر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مکمل مغفرت فرما کر انہیں جوار رحمت میں مقامات عالیہ عطا فرمائیں۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین۔

از مولانا محمد اکرم کاشمیری:
مدیر ماہنامہ الحسن لاہور:

موت العالِم موت العالَم

آہ! حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث، ممتاز عالم دین بین الاقوامی شہرت کے حامل حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ بھی زندگی کی باسٹھ بہاریں دیکھ کر ۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ بمطابق ۲۱/اکتوبر ۱۹۸۸ء شب جمعہ کے آخری پہر صبح صادق سے کچھ دیر پہلے دعاؤں اور استغفار کی قبولیت کے مبارک وقت میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

مولانا ۱۹۲۵ء میں ضلع مظفر نگر (بھارت) کے ایک ایسے گاؤں میں پیدا ہوئے جو حقیقی معنوں میں علم و ادب کا گہوارہ تھا۔ اس کی آغوش میں اکابر علماء اولیاء اور صلحاء امت نے پرورش پائی۔ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش، حضرت مولانا محمد یحییٰ، حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا محمد ادریس، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ کا تعلق اس گاؤں سے تھا۔ یہ وہ حضرات قدسی صفات ہیں کہ جن کے فیوض و برکات چار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد مالک رحمہ اللہ چونکہ ایک علمی، مذہبی اور دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے اس لیے بچپن ہی سے دینی تعلیم و تربیت کا رنگ غالب چلا آ رہا تھا۔ فطرۃً طبیعت دینی پائی تھی اس نسبت سے دینی علوم کے ساتھ غیر معمولی شفقت کا ہونا ظاہر ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے صغرسنی میں ہی اپنے والد گرامی کے سایۂ عاطفت میں قرآن کریم حفظ فرما لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آپ کے والد گرامی حیدرآباد دکن میں مقیم تھے سن شعور کو پہنچتے ہی آپ کے والد گرامی رئیس المحدثین والمفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے دینی تعلیم و تربیت کی خاطر آپ کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی سرپرستی میں تھانہ بھون کے خانقاہی مدرسے میں داخل کروا دیا۔ اسی مدرسے

سے جو علوم ظاہری و باطنی کا بہترین امتزاج تھا آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تعلیم وتربیت کا آغاز فرمایا تھا ان کو ان کے والد گرامی حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ لے کر حاضر ہوتے تھے۔

مولانا محمد مالک کاندھلوی نے اپنی ابتدائی تعلیم وتربیت کا آغاز ایک ایسی تربیت گاہ سے کیا۔ جس کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا طریقہ بھی بتایا جاتا تھا یا پھر یوں کہئے کہ علم وعمل ایک ساتھ چلتے تھے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم یہاں ہی مکمل فرمائی۔ فارسی کی کتب پڑھیں اور کچھ عربی نحو وصرف کی۔ اس کے بعد آپ پھر اپنے آبائی قصبہ کاندھلہ تشریف لے گئے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی رحمہ اللہ جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ سے بیعت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے عالم باعمل عارف باللہ اور فقیہ تھے راقم الحروف نے اپنے استاد شیخ اور مربی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سے درس بخاری کے دوران میں متعدد بار خود سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم لدُنّی عطا فرمایا تھا۔

انہوں نے کاندھلہ میں نصرت الاسلام کے نام سے ایک مدرسہ قائم فرمایا تھا جس کا انتظام وانصرام یہ خود ہی فرمایا کرتے تھے۔ تعلیم وتربیت کا اعلیٰ انتظام تھا۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمہ اللہ نے متوسط تعلیم یہاں ہی حاصل کی۔ یہاں کے محنتی مشفق اور درجہ علیا کے اساتذہ سے استفادہ فرمایا۔ تین سال یہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ درجوں کی تعلیم کے لیے آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے۔ یہاں دورۂ حدیث تک تعلیم مکمل فرمائی۔ مظاہر العلوم کے ناظم حضرت مولانا عبداللطیف نور اللہ مرقدہ سمیت تمام اکابر اساتذہ کی مولانا مالک جیسے ہونہار۔ محنتی اور ذہین طالب علم پر نظر شفقت رہی۔ آپ نے اپنی محنت شاقہ خداداد ذہانت وفطانت سے مظاہر العلوم میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا۔ ادھر آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۸ء میں آپ نے اپنے اس ہونہار بیٹے کو دارالعلوم دیوبند بلا لیا اور وہاں اپنی نگرانی میں علم الکلام سمیت علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت حاصل کروائی۔ مظاہر العلوم کی طرح دارالعلوم دیوبند میں بھی اکابر اساتذہ کی نظر شفقت انہیں حاصل رہی دارالعلوم میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی۔ حضرت مولانا اعزاز علی۔ حضرت مولانا عبدالسمیع۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع۔ حضرت مولانا نافع گل رحمہم اللہ اور ان کے والد عظیم محدث ومفسر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ قابل ذکر ہیں۔ جس زمانے میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ دارالعلوم دیوبند سے بعض اختلافات کی بنیاد پر ڈابھیل تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ حضرت عثمانی سمیت کئی اساتذہ بھی چلے گئے ان کے ساتھ دورۂ حدیث کے جو چالیس طلباء گئے تھے ان میں مولانا محمد مالک کاندھلوی بھی تھے۔ آپ نے ڈابھیل میں دورۂ حدیث مکرر کیا اور وہاں مولانا بدر عالم مہاجر مدنی اور مولانا عبدالرحمٰن امروہی سے بھی استفادہ فرمایا یہاں سے فراغت کے بعد اپنے والد

گرامی حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ کے حکم پر جامع العلوم بہاول نگر سے اپنی تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ ابتدائی سال میں صحیح مسلم ابوداؤد، جلالین جیسی کتب زیر درس رہیں۔ ۱۳۶۵ھ میں حضرت عثمانی رحمہ اللہ نے ان کو اسی مدت میں جہاں سے چند سال قبل فراغت حاصل کی تھی درس حدیث کے لیے بلا لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے استاد محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے حکم پر ڈابھیل میں تدریسی خدمات شروع فرمادیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد دوسرے بہت سے علماء کرام کی طرح آپ بھی پاکستان تشریف لے آئے یہاں آکر ایک بار پھر اپنے استاذ حضرت عثمانی کے حکم پر ان کے قائم کردہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں مسند تدریس پر فائز ہو گئے یہ ۱۳۶۷ھ کا زمانہ تھا۔ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں حضرت مولانا محمد مالک رحمہ اللہ نے ۲۵ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۹۴ھ میں آپ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ نے جو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھے انتقال فرمایا۔ والد گرامی کے انتقال کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن مدظلہ کی درخواست پر جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے آئے جہاں آخری دم تک درس بخاری دیتے رہے۔ جس رات کے آخری پہر مولانا کا انتقال ہوا اس سے ایک دن قبل یعنی جمعرات کو آپ نے درس بخاری معمول کے مطابق دیا۔

مولانا کا انتقال جہاں پورے ملک کے لیے ایک عظیم سانحہ کی حیثیت رکھتا ہے وہاں جامعہ اشرفیہ کے لیے ایک بہت بڑا حادثہ ہے جامعہ کو مولانا اور مولانا کو جامعہ سے جو تعلق تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ جو جلد بھول جائے۔ مولانا نے ساری زندگی دین کی خدمت فرمائی۔ ہزاروں کی تعداد میں شاگرد چھوڑے۔ کئی ایک قیمتی تصانیف چھوڑیں۔ مولانا کے لیے یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ مولانا نے اپنے والدمکرم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی تفسیر معارف القرآن کی تکمیل فرمائی۔ اس کے علاوہ مولانا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین کے صدر سواداعظم اہل سنت پنجاب کے امیر اعلیٰ۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے رکن اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر حکومت پاکستان کے تعلیمی کمیشن کے رکن، الحسن کی مجلس ادارت ومشاورت کے رکن اور جنرل محمد ضیاء الحق شہید صدر کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے۔ مولانا کاندھلوی صحیح معنوں میں ملک وملت کا درد رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ نظریہ پاکستان کے حامی اور استحکام پاکستان کے لئے کوشاں رہے۔ مولانا اپنی نجی اور عام محافل میں پاکستان کی نظریاتی حدود کی حفاظت اور اس میں نظام اسلام کے لیے نفاذ پر زور دیتے تھے اور فرمایا کرتے پاکستان اور ہم سب کی بقا اسی میں ہے کہ اس میں نظام اسلام نافذ ہو جائے۔ ان کے جذبے کے مدنظر شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق ان کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے مرحوم صدر کو مولانا سے انتہائی عقیدت تھی وہ ان کا دلی احترام کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ مولانا کو شہید صدر کے دنیا سے چلے جانے کا انتہائی صدمہ اور غم تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کو عارضہ قلب اسی صدمہ کی وجہ سے پیش آیا ہو۔

مولانا ایک عرصہ سے ذیابیطس کے موذی مرض میں مبتلا تھے بایں ہمہ ان کے معمولات میں کبھی بھی فرق نہیں آیا۔

وہ شب و روز مسلسل محنت کے عادی ہو چکے تھے۔ درس بخاری، تصنیف و تالیف کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ بیک وقت شیخ الحدیث بھی تھے اور میدان سیاست کے شہسوار بھی۔ مولانا کی بصیرت آنے والے حالات کو بڑے قریب سے دیکھ رہی تھی وہ وقتاً فوقتاً قوم کو آنے والی مشکلات اور حالات سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ مولانا کی ذات گرامی اتنی پرکشش تھی کہ جس کو ایک مرتبہ بھی زیارت کا موقع ملا وہ بھی آپ کا فریفتہ ہی ہو گیا۔ آپ کی خوش طبعی خوش اخلاقی اور ملنساری ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی۔

راقم کا تعلق حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ساتھ نیاز مندانہ رہا جب بھی ملاقات ہوتی انتہائی محبت شفقت اور پیار سے بلاتے۔ مولانا اس لئے بھی اس احقر پر شفقت فرمایا کرتے کہ انہیں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی خدمت میں میری حاضری کا علم تھا۔ راقم کو یہ اعزاز اور سعادت نصیب ہے کہ کئی سال تک حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمہ اللہ کی جوتیاں سیدھی کرنے کا موقع ملا۔ اس زمانے میں مولانا محمد مالک رحمہ اللہ اگرچہ دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں ہوتے تھے مگر کثرت سے اپنے والد گرامی کی زیارت اور ملاقات کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ احقر برابر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی خدمت اقدس میں ہوا کرتا تھا۔ اس مناسبت سے مولانا مجھ سے نہایت شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بھائی تم تو میرے والد کے خادم ہو۔ مولانا کا یہ فرمانا مجھے اس قدر شیریں معلوم ہوتا تھا کہ میں دل دل ہی میں یہ سوچتا کہ کاش مولانا یہ بار بار فرمائیں اور میں اس کی شیرینی بار بار محسوس کروں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مالک رحمہ اللہ کا خادم بنا دے۔ آمین یارب العالمین۔

مولانا محمد مالک رحمۃ اللہ نے اپنے پسماندگان میں اہلیہ محترم کے علاوہ روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ کچھ نسبی اولاد بھی چھوڑی ہے۔ اس میں پانچ صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں میں بڑے مولانا محمد سعد صدیقی ہیں۔ جو جامعہ اشرفیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے بھی ہیں۔ اس وقت قائد اعظم لائبریری میں ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ چھوٹے صاحبزادے مولوی محمد سعید سلمہ اشرفیہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مولانا نے بفضلہ تعالیٰ دونوں صاحبزادوں کو حافظ قرآن بھی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان صاحبزادوں اور ان ہزارہا شاگردوں کو (جنہوں نے مولانا سے کسب فیض کیا ہے) مولانا کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

این دعا ازمن واز جملہ جہاں آمین باد

(محمد اکرم کاشمیری)

﴿۱۵﴾

محدث کبیر

حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۲۴ھ

وفات: ۱۴۱۰ھ

از محمد اکبر شاہ بخاری:

محدث کبیر علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

ولادت اور ابتدائی تعلیم:

استاذ الاساتذہ شیخ الجامعہ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جامعہ خیر المدارس کے چوتھے صدر مدرس تھے آپ جون ۱۹۰۵ء میں موضع کپڑ (کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں مدرسہ اشاعت العلوم چکوال میں مولانا حبیب احمد شاہ صاحب پشاوریؒ اور مولانا فضل کریم صاحب سے پڑھیں۔ فنون کی تکمیل پپلاں ضلع میانوالی میں ماہر معقولات مولانا غلام محمود صاحبؒ کے پاس کی' مولانا مشہور ریاضی دان' نحوی اور فقیہ تھے۔ آپ نے ان کے پاس ریاضی کے رسائل' تصریح شرح چغمینی' اقلیدس اور علم ہیئت وعروض کی متعدد کتابیں پڑھیں۔

تکمیل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں:

یہاں سے فارغ ہوکر ازہر الہند دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں محدث العصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ سے ترمذی شریف شروع کی' سوء اتفاق کہ یہاں آپ کی صحبت برقرار نہ رہ سکی اور آپ مریض ہوکر لاہور آ گئے' ان دنوں شیرانوالہ دروازہ لاہور میں حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی ؒ پڑھاتے تھے۔ آپ ان کے حلقہ تلمذ میں شریک ہوئے اور بیضاوی شریف وترمذی شریف شروع کیں۔ کچھ عرصہ بعد مولانا افغانیؒ پیر جھنڈا سندھ جانے لگے تو علامہ کشمیری صاحبؒ بھی رفیق سفر بنے' وہاں پہنچ کر حضرت افغانی ؒ سے مکمل مشکوٰۃ شریف' حجۃ اللہ البالغہ' شرح اشارات للطوسی' تلخیص مقالات ارسطو لابن رشد' تحافۃ الفلاسفہ' احیاء العلوم کا حصہ موبقات ومنجیات اور تفسیر کشاف کا کچھ حصہ پڑھا۔ دوسرے سال حضرت افغانی قدس سرہ مدرسہ ہاشمیہ دارالفیوض سجاول (سندھ) تشریف لے گئے تو علامہ کشمیری بھی ان کے ہمراہ گئے اور مکمل دورۂ حدیث شریف ان کے پاس پڑھا' وہاں سے فارغ ہوکر راجپوتانہ ریاست ٹونک میں حکیم برکات احمد صاحبؒ کے پاس مدرسہ خلیلیہ میں فنون کی نہائی کتابیں پڑھیں۔ میر زاہد رسالہ قطبیہ اور ''میر زاہد جلال'' بھی یہیں پڑھیں۔

بعد ازاں علامہ موصوف دہلی میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے مدرسہ امینیہ میں حاضر ہوئے اور ترمذی شریف و بخاری شریف کا سماع کیا۔ غرضیکہ تقریباً ۱۲ سال مختلف شہروں میں تحصیل علم کے لئے آپ نے سفر کئے' اس دوران اپنے آبائی وطن تشریف نہیں لے گئے' بلکہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ سے دوبارہ دورۂ حدیث کرنے کے بعد وطن لوٹے۔

تدریس:

فراغت کے بعد آپ نے شروع میں جالندھر کے ایک مدرسہ میں فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ اس دوران حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہ ریاست قلات میں وزیر معارف مقرر ہوئے تو انہوں نے آپ کو بلوا کر نائب وزیر معارف کے منصب پر فائز کیا۔ ٦ سال آپؒ کی خدمت میں نائب وزیر کی حیثیت سے کام کیا' چھ سال بعد حضرت افغانیؒ نے یہ ملازمت چھوڑ دی اور علامہ کشمیری صاحب کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند طلب فرما لیا۔ تقریباً سات سال تک دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے اسباق پڑھائے تھے کہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے تین سال (۵۰ء تک) دارالعلوم پلندری آزاد کشمیر میں حدیث کی کتابیں پڑھائیں۔

جامعہ خیر المدارس میں تشریف آوری:

بعد ازاں حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کی دعوت پر جامعہ خیر المدارس تشریف لائے۔ آخری وقت تک جامعہ ہی میں تشنگان علوم کو سیراب فرماتے رہے اس عرصہ سے دارالھدیٰ (ٹھیڑی) اور قاسم العلوم (ملتان) کے دو دو سال مستثنیٰ ہیں۔ ٹھیڑی سے واپسی پر ۵۸ء میں آپ منصب صدارت پر فائز ہوئے۔ حضرت علامہ صاحبؒ کمال حلم و شفقت اور محبت و رأفت کا مجسمہ تھے پوری عمر' علم دین اور حدیث کی خدمت میں صرف کی' استحضار' حافظہ' رسوخ فی العلم' ذہانت' تفقہ فی الدین اور علمی تبحر میں اپنے اساتذہ' محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ' مفتی اعظم ہند' مولانا مفتی کفایت اللہؒ اور شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانیؒ کے جانشین ثابت ہوئے تھے۔''

درسی خصوصیات:

حضرت علامہ صاحب کا انداز تدریس منفردانہ ہے۔ آپ جہاں قرآن وسنت کے رموز و نکات اور دقیق علمی مباحث بیان فرماتے ہوئے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کی یاد تازہ فرما دیتے تھے وہیں اپنے شگفتہ انداز بیان سے طلبہ کو کسی قسم کی تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے تھے۔ آپ کی شگفتہ بیانی اور خوش طبعی پورے درس میں طالب علم کو ہمہ تن متوجہ رکھتی تھی۔ بعض اوقات ترمذی شریف کا سبق تین تین گھنٹے مسلسل جاری رہتا تھا۔ جب آپ محسوس فرماتے کہ طلبہ میں کچھ تھکان ہو رہی ہے تو ان کی نشاط طبع کے لئے کوئی ایسا علمی لطیفہ یا دلچسپ واقعہ سنا دیتے جس سے ساری سستی

اور **کلفت فوراً** کافور ہو جاتی تھی اور تازگی اور نشاط پیدا ہو جاتا تھا۔ آپ کے سامنے طلبہ کرام بلا تکلف علمی اشکالات پیش کرتے تو آپ نہایت خندہ پیشانی اور محبت کے ساتھ شافی جواب دیتے تھے۔ طلبہ آپ سے ایک ہی نشست میں مانوس، فریفتہ اور بالآخر گرویدہ ہو جاتے تھے۔ جو ذکاوت و وفورِ علم کے ساتھ آپ کے اخلاق عالیہ کی بھی دلیل تھی۔

کمال تواضع:

حضرت علامہ صاحبؒ کے علمی مقام اور فیض عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں دو چار مدارس کے سوا کوئی مدرسہ ایسا نہیں جس کے اساتذہ حدیث علامہ موصوف کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد نہ ہوں، بایں ہمہ آپ بے نفسی اور تواضع کا پیکر تھے ۱۹۷۶ء میں جامعہ کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانیؒ تشریف لائے ہوئے تھے، راقم اور دیگر حضرات نے بچشم حیرت دیکھا کہ حضرت افغانیؒ اپنے کمرے میں چارپائی پر پاؤں لٹکائے ہوئے تشریف فرما ہیں اور علامہ کشمیری صاحب فرش زمین پر بیٹھے ان کے پاؤں دبا رہے ہیں۔

نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں

علامہ موصوفؒ اس وقت پورے پاکستان میں اجلّہ اساتذۂ حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کو بلند مقام علمی عطا فرمایا تھا مگر سادگی تواضع میں اسلاف کی یادگار تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائیں۔ آمین۔

مولانا محمد حنیف جالندھری:

حضرت علاّمہ کشمیری قُدس سرہٗ کی حسین یادیں

میرے زمانۂ تعلیم میں حضرتؒ کی شفقت:

بچپن ہی سے جامع خیر المدارس کے ماحول میں جن شخصیات کے نام کانوں میں عقیدت ومحبت کے ساتھ پڑے ان میں استاذ العلماء مربی ومشفق حضرت علامہ کشمیری صاحب نور اللہ مرقدہ کا نام سرفہرست تھا۔ بچپن سے ہی حضرتؒ کے ساتھ محبت وعقیدت کا گہرا تعلق قائم ہوگیا تھا۔ خیر المدارس کے تمام طلبا اور متعلقین حضرت کا بے حد اکرام کرتے نظر آتے حضرت شیخ الحدیث (میرے عہد طفولیت میں) اور صدر مدرس ہونے کے باوجود چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ آپ کا چہرہ پرکشش اور بارعب تھا۔ لیکن مزاج میں نرمی تھی۔ بہت کم غصہ ہوتے۔ اکثر آپ متبسم ہوتے۔ میں نے جب حفظ قرآن کے بعد درس نظامی کی تعلیم شروع کی تو حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ سے سبق پڑھنے کی خواہش اپنے والد رحمہ اللہ سے ظاہر کی لیکن حضرت والا چونکہ بڑے اسباق پڑھاتے تھے اس لئے اس خواہش کی تکمیل فی الحال ممکن نظر نہ آئی۔ دورۂ حدیث والے سال بخاری شریف وترمذی شریف حضرتؒ سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ فراغت کے بعد درجہ تکمیل کے اسباق ملاحسن، میبذی، حمد اللہ، صدرا، حضرت رحمہ اللہ نے بڑی محبت کے ساتھ ہمیں پڑھائے۔ اور روزانہ مجھ سے سبق سنتے اور سبق یاد ہونے پر خوشی کا اظہار فرماتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ ایک روز مجھے فرمایا کہ میں نے اپنے استاد کو یہ تمام کتابیں زبانی سنائی تھیں اس لئے تم بھی سال کے آخر میں مجھے یہ تمام کتب حفظ سنانا۔ میں نے وعدہ کرلیا۔ حضرت کی محنت اور توجہ کی برکت تھی کہ آخر سال میں مندرجہ بالا تمام کتابیں حفظ حضرتؒ کو سنائیں والحمد للہ علی ذالک، حضرت کا حافظہ بے پناہ تھا۔ ہمیں جس سال بخاری وترمذی پڑھائی اس سال حضرت کی بصارت کمزور ہوچکی تھی۔ لیکن حافظہ اسی طرح تھا چنانچہ تمام مباحث اور کتابیں زبانی پڑھائیں منطق وفلسفہ کی کتابیں عام طور پر مشکل اور محنت طلب سمجھی جاتی ہیں مگر حضرت والاؒ ان فنون کے ماہر اور امام تھے۔ حضرتؒ کو حمد اللہ، صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک۔ میبذی وغیرہ یہ تمام کتب زبانی یاد تھیں اور حضرتؒ منطق وفلسفہ کا مشکل ترین مسئلہ بہت ہی سہل اور آسان انداز میں نہ صرف طالب علم کو سمجھا دیتے بلکہ دوران تدریس

ہی یاد کرا دیتے اور ذہن نشین کرا دیتے آپ کا انداز درس نرالا تھا۔ حدیث کا سبق محدثانہ اور عالمانہ شان کے ساتھ پڑھاتے۔ کئی کئی گھنٹے مسلسل سبق ہوتا لیکن طلبہ کو مختلف علمی لطائف دوران درس سنا کر ہشاش بشاش رکھتے اور تھکاوٹ کا احساس بالکل نہ ہونے دیتے۔ تمام طلبہ آپ کے سبق کو بہت زیادہ دلچسپی کے ساتھ پڑھتے۔ احقر کے ساتھ ہمیشہ محبت و شفقت کا خصوصی برتاؤ فرماتے مجھے اس حقیقت کا مکمل اعتراف ہے کہ حضرت مرحوم نے حقیقی والد کی طرح میری سر پرستی فرمائی۔ بالخصوص حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد۔

اہتمام کی ذمہ داریاں:

۷رذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو جب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوا تو میں اس وقت فیصل آباد گیا ہوا تھا۔ اطلاع ملنے پر واپس ملتان بوقت شام پہنچا۔ حضرت کشمیری صاحبؒ گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ اگلے روز صبح حضرت مرحوم کے کمرے میں بغرض ملاقات حاضر ہوا تو حضرتؒ نے فوراً گلے لگایا۔ پیار کیا۔ اور تعزیت وتسلی کے الفاظ ارشاد فرمائے اور فرمایا کہ اب ہم نے تمہیں مہتمم بنانا ہے۔ یہ الفاظ حضرتؒ کی زبان سے سن کر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ اس لئے کہ اس کا خیال اور وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مجھے اس کم سنی میں اتنا بڑا منصب سونپا جائے گا۔ لیکن حضرتؒ نے ''خاندان خیر محمدؒ'' کے ساتھ اپنے قلبی اور غیر معمولی تعلق اور احقر کے ساتھ خصوصی شفقت کی وجہ سے اپنی بات کو پورا کر دکھایا۔ تمام رکاوٹوں کو خود دور فرمایا اور حقیقی والد کی طرح ابتداء ہی سے سر پرستی فرمائی۔ مجھے نہ صرف یہ کہ خیر المدارس جیسے عظیم ادارہ کا مہتمم بنوایا۔ بلکہ آخر دم تک ہر مرحلہ پر میری راہنمائی فرمائی۔ دوران اہتمام جب اس سلسلہ میں کبھی کوئی مشکل آئی تو حضرتؒ نے اپنے تدبر اور بصیرت سے اسے حل فرما کر مجھے بے فکر کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پر خلوص اور بے لوث تعلق کی وجہ سے مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہوئی اور مجھے جامعہ کے امور باحسن وجہ نبھانے کا موقع ملا اکثر جامعہ کے مختلف معاملات میں دریافت فرماتے رہتے' اور اپنی ہدایات سے نوازتے رہتے۔ مجھے کبھی بھی تنہا یا بے سہارا ہونے کا احساس نہ ہونے دیتے۔ میرے ہر کام کو انفرادی کی بجائے اجتماعی بنا دیتے اور اکثر از راہ شفقت ادب و احترام کا معاملہ فرماتے حالانکہ میں ان کی خاکِ پا کے برابر بھی نہ تھا۔ لیکن یہ ان کا کمال اور عظمت تھی کہ چھوٹے کو بڑا بنا دیا اور ''بندہ پروری'' کے انمٹ نقوش ثبت کئے اکثر مجھ سے فرماتے کہ کوئی پریشانی تو نہیں ہے مہتمم صاحب آپ فکر نہ کریں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ حضرتؒ کے یہ الفاظ بہت یاد آتے ہیں۔ اللہ اکبر' واقعی حضرتؒ بہت عظیم انسان تھے۔ جب مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ میں میرے اہتمام کا فیصلہ فرمایا اور دارالحدیث میں طلبہ' اساتذہ' کارکنان و متعلقین جامعہ کے اجتماع میں اس فیصلہ کا اعلان ہوا تو اس موقعہ پر حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ نے اپنے خطاب میں احقر کے متعلق وہ باتیں ارشاد فرمائیں جو میرے لئے سند اور سرمایہ حیات ہیں۔ یہ حضرت کا حسن ظن تھا بعد ازاں مجمع سے نعرے لگوائے اور حنیف زندہ باد خود کہلوایا۔

حضرت کشمیریؒ اور جد امجد:

حضرتؒ کو ہمارے جد امجد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اور ان کے خاندان سے بہت پرخلوص تعلق تھا۔ چنانچہ اس کا اندازہ حضرتؒ کے ایک مکتوب سے بخوبی ہوتا ہے جو آپ نے میرے والد مرحوم کو لکھا تھا۔

والد صاحبؒ کے نام علامہ کشمیریؒ کا ایک مکتوب:

بخدمت حضرت مہتمم صاحب گذارش ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے اور اس پر حق الیقین ہونا چاہئے کہ میں حضرت قبلہ مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے آپ حضرات جو حضرتؒ کے صاحبزادگان اور اولاد حقیقی ہیں کی جگہ کسی دوسرے کو خواہ وہ کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ ایک لمحے کے لئے دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ میری سرشت اور اصلی فطرت ہے انشاء اللہ العزیز آپ اگر گہرا مطالعہ اور دقیق نگاہ ڈالیں گے تو آپ کو دن بدن میری اس بات کی تصدیق ہوتی جائے گی اور میں نے اسی انداز میں یہاں رہنے کا پورا تہیہ کیا ہوا ہے۔ جب اس کے خلاف شیطان نے وَرغلایا تو اس وقت میں خود اپنے آپ کو الگ کردوں گا۔ بہرکیف آپ حضرات کو میرے وجود سے انشاء اللہ العزیز کوئی ذرہ برابر تکلیف نہ ہو گی۔ یہی میرا ایمان اور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح کے ساتھ میری وفاداری ہے۔ باری تعالٰی اس پر مجھے قائم و دائم رکھے۔ (آمین) میری طبیعت میں شرپسندی ہرگز نہیں۔

اس خط کا ایک ایک حرف حقیقت پرمبنی ہے اور حضرتؒ کی زندگی کو دیکھنے والے اس کی گواہی دیں گے کہ آپ نے تمام عمر جامعہ خیر المدارس میں اسی طرح گزاری ہے۔ حضرت علّامہ کشمیری صاحبؒ حضرت جد امجدؒ کا انتخاب تھے۔ حضرت جد امجد مزاج شناس اور قدر شناس تھے آپ نے خیر المدارس کے لئے جن اساتذہ کا انتخاب فرمایا وہ واقعۃً باکمال اور مخلص لوگ تھے خصوصاً شعبہ تحفیظ وتجوید وقرأت کی صدارت وتدریس کے لئے شیخ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ اور شعبہ کتب کی صدارت تدریس کے لئے حضرت علامہ کشمیریؒ کا انتخاب آپ کی بصیرت اور حسنِ انتخاب کا واضح ثبوت ہے۔ اور ہردو (۲) حضرات نے اپنے منصب کو خوب نبھایا۔ دونوں کے مزاج میں تدریس کے علاوہ کسی اور مشغلہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ ہردو حضرات گھر سے جامعہ اور جامعہ سے گھر کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے اور سال بھر میں بہت ہی کم انفرادی رخصت لیتے۔

علامہ کشمیریؒ اور سرکاری مناصب:

حضرت کشمیری صاحبؒ کو قومی کمیٹی برائے مدارس کا ممبر منتخب کیا گیا تو چند اجلاسوں میں شرکت کے بعد آپ نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کرلیا اور فرمایا کہ ''نشستند وگفتند وبرخاستند'' کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو بے شمار مناصب کی پیش کش کی گئی لیکن آپ نے ہمیشہ گمنامی کی زندگی کو ترجیح دی اور اپنے مقصد تعلیم میں شب و روز کوشاں رہے کوئی نفس بخش عہدہ قبول نہ کیا۔ اس وقت الحمد للہ حضرتِ مرحوم کا حلقہ تلامذہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔ مدارس سے وابستہ حضرات بالواسطہ یا

بلا واسطہ آپ کے شاگرد ہیں۔ دارالعلوم دیوبند (بھارت) میں تدریس کے زمانہ میں بھی بے شمار نامور علماء نے آپ سے کسب فیض کیا۔

خیر المدارس میں تدریس:

حضرت جدِّ امجدؒ کو انہی خصائل کی بناء پر آپ سے محبت تھی اور حضرت جد امجدؒ جو با اصول اور مستغنی مزاج تھے صرف حضرت کشمیریؒ کے لئے اپنے اصول کو بدلا اور جب حضرت کشمیریؒ خیر المدارس سے ۱۳۷۷ھ میں ٹھیڑی (سندھ) تشریف لے گئے تو آپ نے ان کو دوبارہ واپس بلا لیا اور ۱۳۷۸ھ سے آپ نے خیر المدارس میں دوبارہ اپنی تدریسی خدمات کا آغاز کر دیا۔ حضرت جد امجدؒ کی حیات میں آپ تکمیل کے اسباق کے علاوہ ترمذی شریف پڑھاتے رہے اور حضرت جد امجدؒ کی وفات کے بعد تا حیات بخاری شریف بھی آپ نے پڑھائی۔

حضرت کشمیریؒ فنا فی التدریس تھے:

حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ کے مزاج میں چھوٹوں پر شفقت خوب تھی اور فتنہ و فساد وغیرہ سے بالکل عاری تھے آپ کا مزاج تعلیمی و تدریسی تھا ہر قسم کے خارجی عوارض سے صَرفِ نظر فرما کر صرف تعلیم پر ہی توجہ فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں بھی اس کا اظہار فرمایا' جو مبنی بر حقیقت ہے۔

> ''گذارش ہے کہ حضرت والا قطعاً وحتماً سو فیصد اطمینان رکھیں کہ میرے طلبہ کے واسطہ سے ان شاء اللہ العزیز کوئی حرکت جو نقض امن کے خلاف ہو سرزد نہ ہوگی اور نہ ہی ایسا خیال میرے حاشیہ قلب پر کبھی شیطان نے بطورِ وسوسہ ڈالا ہے۔ اس قسم کی حرکتیں وہ لوگ کیا کرتے ہیں جو فطری طور پر فسادی ہوتے ہیں۔ الحمدللہ میرا قلب ایسی شیطانی حرکات سے بالکل پاک و مبرا ہے۔ اب ذرا ایک بات جو ادارہٗ کے لئے اشد ضروری ہے عرض کر دوں۔''

حضرت کشمیریؒ کا احترام اساتذہ:

حضرت علامہؒ اپنے اساتذہ کرام کا تذکرہٗ ہمیشہ محبت اور انتہائی ادب و احترام کے ساتھ فرماتے۔ اپنے استاد محترم حضرت افغانیؒ کے ساتھ آپ کو بڑی عقیدت تھی ہم نے خود ہی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ پر حضرت افغانیؒ تشریف لاتے تو حضرت علّامہ کشمیری صاحب مرحوم شیخ الحدیث اور صدرِ مدرس ہونے کے باوجود اپنے شاگردوں کی موجودگی میں خود حضرت افغانیؒ کے پاؤں دباتے۔ حضرت افغانیؒ کی ملاقات کے لئے ہر سال شعبان میں سالانہ تعطیلات کے موقع پر کشمیر اپنے گھر جانے سے قبل چارسدہ جاتے اور حضرتؒ کی خدمت میں ہدایا پیش کرتے۔

حضرت افغانیؒ کو آپ پر بڑا اعتماد اور آپ سے خوب محبت تھی۔ حضرت افغانی نے حضرت والا مرحوم کے نام

اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا کہ۔

صدر مدرس کی نفسیات کو علمی قابلیت کے علاوہ حضرت مولانا مرحوم کی طرح میں بھی جانتا ہوں کہ اکثر مدارس عربیہ کا زوال صدارت تدریس اور اہتمام کے تصادم سے ہوتا ہے لیکن مولانا کشمیری کی فطرت میں تصادم نہیں اور نہ ہی دور حاضر کی سیاست سے ان کا ذہن ملوث ہے۔ لہذا آپ دونوں حضرات مدرسہ کے مفاد کے لئے اخلاص سے کام کریں گے اور مدرسہ میں کسی قسم کے فتنے کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت مولانا مرحوم کا بھی صدر مدرس صاحب کے متعلق یہی خیال تھا اور میرے علم میں یہ آپ مدرسہ اور آپ کے خاندان کے خیر خواہ ہیں۔ ایک اور خط میں فرمایا حضرت کشمیری صاحبؒ کا قیام خیر المدارس مبارک ہو۔ میری انتہائی خوشی ہوگی کہ جناب کشمیری صاحب خیر المدارس کے ساتھ ہمیشہ مربوط رہیں۔

اس مکتوب کے ایک ایک حرف سے معلوم ہوتا ہے کہ عظیم استاد کو اپنے قابل فخر شاگرد پر کس قدر اعتماد تھا۔

حضرتؒ کی رفاقت میں حرمین شریفین کے اسفار:

حضرت علامہ کشمیریؒ سفر کے عادی نہ تھے۔ اکثر اوقات احباب، متعلقین، اور تلامذہ سے سفر کی معذرت فرما دیتے لیکن حرمین شریفین کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ ابتداءً آپ کے لائق شاگرد حضرت قاری محمد عبداللہ صاحب (مقیم مدینہ منورہ) نے آپ کو ماہ رمضان میں عمرہ کے لئے بلوایا۔ اس کے بعد کئی سال تک آپ حضرت قاری صاحب کی دعوت پر ماہ رمضان میں عمرہ کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔ احقر کو بھی حرمین شریفین کے بعض اسفار میں آپ کی معیت کا شرف حاصل ہوا اور ان سفروں میں آپ کے کئی عجیب وغریب واقعات اور کیفیات دیکھیں۔ آپ کا ظاہر صالح اور باطن ظاہر سے عظیم تھا۔ آپ صرف ایک عالم دین اور محدث ہی نہ تھے بلکہ بہت بڑے ولی اللہ اور عاشق رسولؐ بھی تھے۔ پاکستان میں رہتے ہوئے آپ اکثر ہنستے اور ہنساتے۔ ہم نے آپ کو کبھی روتے نہ دیکھا تھا لیکن حرمین میں خوب روتے دیکھا۔ بالخصوص طواف وداع کے وقت آپ کی کیفیت بہت ہی عجیب ہوتی تھی باہمت بہت تھے۔ ہمیشہ بڑے ذوق وشوق کے ساتھ عمرہ کرتے۔ ایک بار احقر اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب (استاذ الحدیث و ناظم جامعہ) حضرت کے ہمراہ تھے۔ صفا و مروہ کی سعی کے دوران ہر چکر کے اختتام پر ہم حضرتؒ کو دباتے اور عرض کرتے کہ حضرت آپ ضعیف ہیں تھک گئے ہوں گے اس لئے اگر اجازت دیں تو ریڑھی لے لیتے ہیں آپ سوار ہو کر سعی کر لیں تو فرمایا کہ حضورؐ سے سوار ہو کر طواف کرنا تو ثابت ہے لیکن سعی ثابت نہیں اور طواف میں نے خود ہی کر لیا ہے اس لئے سعی بھی یونہی کروں گا۔

ایک بار ساری رات کا سفر کر کے مدینہ منورہ سے بغرض عمرہ مکہ مکرمہ صبح کے وقت پہنچے ہم نے عرض کیا کہ حضرت اب آرام کر لیتے ساری رات کے جاگے ہوئے ہیں۔ تھکاوٹ کافی ہے۔ شام کے وقت عمرہ کر لیں گے۔ تو حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں۔ جس مقصد (عمرہ) کے لئے آئے ہیں پہلے اس کو پورا کریں گے۔ لہذا عمرہ پہلے اور آرام بعد میں ہوگا۔ اور زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ بیمار ہو جائیں گے یا مر جائیں گے۔ اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ عمرہ

کرتے ہوئے جان چلی جائے۔ اللہ اکبر!

ایک بار مدینہ منورہ میں کسی نے حضرت سے پوچھا کہ آپ جب تشریف لاتے ہیں تو زیادہ تر قیام مدینہ منورہ میں فرماتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا قیام بہت کم ہوتا ہے جواب میں فرمایا کہ مدینہ والی ذات ملتان میں نہیں ملتی اور مکہ میں جس ذات کا گھر ہے وہ ملتان میں بھی مل جاتی ہے اس لئے زیادہ قیام مدینہ منورہ میں کرتا ہوں۔ سبحان اللہ کتنے بہترین انداز میں ''مسئلہ حاضر ناظر'' کو بیان فرما دیا۔

حُسنِ اتفاق:

اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے مجھے جسمانی و روحانی والد ''شریف'' عطا فرمائے۔ ہر دو حضرات نہ صرف اپنے نام کی نسبت سے شرافت و انسانیت کے بہترین نمونے تھے بلکہ ان کی اصلاح و تربیت نے سینکڑوں افراد کو صلاح و شرافت کی راہ پر لگا دیا۔

مولودِ مسعود:

جس شب (پیر ۱۱ر شوال ۱۴۱۰ھ) حضرت علامہؒ کا وصال ہوا۔ اسی شب ان کے وصال کے ایک گھنٹہ بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے گھر ایک بیٹے کی آمد ہوئی۔ علامہ کشمیریؒ کی جدائی کے شدید صدمے کے بعد اس قدرتی تسلی و طبعی فرحت سے غم کا بوجھ ہلکا محسوس ہوا۔ احقر نے اپنے والد گرامیؒ اور استاذ ذی قدرؒ کے ناموں کی مناسبت سے نومولود کا نام باہمی مشورہ سے ''محمد شریف'' رکھا۔ اللہ تعالیٰ اسے دونوں حضرات کی نسبتوں کا جامع بنائیں۔ آمین!

مولانا منظور احمد استاذ الحدیث:
جامعہ خیر المدارس ملتان:

حضرت الاستاذ کشمیری قدس اللہ سرہٗ کا علمی ذوق

دورِ طالب علمی:

فرمایا کہ کافیہ پڑھنا تھا لیکن جس استاذ سے پڑھنے کا ارادہ تھا ہمارے گھر سے وہاں تک کا کرایہ ۱۲ آنے لگتا تھا۔ میں نے والدہ صاحبہ کو کہا انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ میں مانگتا رہا آخر انہوں نے ادھار لے کر ڈیڑھ روپیہ مجھے دیا ۱۲ آنے کرایہ میں صرف ہوئے باقی ۱۲ آنے سارا سال محفوظ رکھے تاکہ گھر واپسی کا کرایہ بنے اس سے حضرت الاستاذؒ کا طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذوقِ علمی معلوم ہوا۔

۲- فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں گھر سے دس سال اس طرح غائب رہا کہ کبھی خط تک نہیں بھیجا میری منگنی ہو چکی تھی لیکن اتنی غیبوبت سے سمجھا گیا کہ میری وفات ہوگئی ہے تو میری منسوبہ بیوی کا آگے نکاح کر دیا گیا۔ اس دوران دارالعلوم دیوبند میں ایک کشمیری طالب علم آیا میں نے اس سے اپنے گھر کے حالات معلوم کرنے شروع کئے بغیر اس کے اس کو میرے بارے میں علم ہو۔ لیکن اس طالب علم نے میرے والد صاحب کو خط لکھ دیا وہ مجھے آکر دارالعلوم دیوبند سے لے گئے اور پھر نیا رشتہ کیا اور میرا نکاح ہوا۔ اس سے بھی حضرت الاستاذؒ کا انہاک علمی معلوم ہوا۔

۳- فرمایا کہ ریاست ٹونک میں حکیم برکات احمد صاحب سے جو کہ نواب ٹونک کے خصوصی معالج بھی تھے بندہ نے علوم عقلیہ کو حاصل کیا۔ امتحان دیتے وقت سارا دن پرچہ لکھتا رہا۔ قبیل مغرب پرچہ دیا۔ ایک طالب علم سارا دن میری نگرانی کرتا رہا نتیجہ امتحان اچھا نکلا تو حکیم صاحب موصوف نے انعام میں ایک عمدہ ٹائم پیس عنایت فرمایا اور بہت ہی دعائیں دیں۔

زمانۂ تدریس:

فرمایا کہ تقسیم ملک سے پہلے بندہ حضرت الاستاذ وعلامہ افغانیؒ کے ساتھ ریاست قلات کا نائب وزیر بھی رہا جس سے مالی منفعت تو بہت ہوئی مگر علمی ترقی نہ رہی تو بندہ نے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو لکھا اور مدرسی چاہی تو حضرت قاری صاحب مدظلہم کا فوری جواب آیا کہ جلد دارالعلوم دیوبند میں آجاؤ۔ بندہ فوراً مستعفی

دے کر چلا گیا ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی اور حضرت قاری صاحب مدظلہم نے اپنے متعلقہ اسباق مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھانے کے لئے عنایت فرمائے۔ اس سے بھی حضرت الاستاذؒ کا ذوق علمی واضح ہے۔

۴- تقسیم ملک کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع مفتی اعظم پاکستان کی رہنمائی سے خیر المدارس ملتان آنا ہوا یہاں شروع شروع میں بہت محنت سے مطالعہ کرتا رہا حتیٰ کہ اگر کسی رات کو بجلی نہ ہوتی تو ٹارچ جلا کر مطالعہ پورا کیا (اس زمانہ میں حضرت کے ہاں سنن ابی داؤد کا سبق تھا)۔

۵- ایک دفعہ فرمایا کہ مجھے حضرت مولانا عبدالسمیع استاذ دارالعلوم دیوبند کی خواب میں زیارت ہوئی ایک ڈبیہ عطا فرمائی کہ یہ آپ کے لئے مفید ہے فرمایا اس کے بعد بندہ کو کبھی ضعف دماغ کی شکایت نہیں ہوئی۔

۶- ایک دفعہ عید قربانی پر گھر کشمیر جاتے ہوئے حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ مہتمم خیر المدارس سے دو زائد رخصتیں مانگیں مگر ادھر سے انکار ہوا تو اس کو برا نہیں مانا بلکہ حسب سابق مدرسہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ باوجود اتنے مرتبہ علمی کے کبھی کبر خود بینی آپ میں نہ دیکھی گئی۔

۷- فرمایا کرتے کہ ہر شخص کو اپنے دائرے کے اندر رہنا چاہئے اس سے تصادم نہیں ہوتا۔

۸- حضرت کے ہاں ناغہ نام کی کوئی چیز ہی نہ تھی از شوال تا آخر رجب روزانہ اسباق پڑھاتے اور ناغہ کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔

۹- فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے زمانہ میں ایک سال حمد اللہ قاضی مبارک میرے پاس ہوتے تھے اور دوسرے سال حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ بانی دارالعلوم کبیر والا کے ہاں ہوتے تھے جبکہ حضرت مرحوم بھی دیوبند میں استاذ تھے۔

۱۰- ایک دفعہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر حضرت اقدس مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے اور حضرت الاستاذ کشمیری صاحب سے ایک ادق مسئلہ پوچھا' بشرط شی لا بشرط شئی بشرط لا شئی کا فرق حضرت نے فوراً ان کے مابین فرق فرما کر پوری روشنی ڈالی تو حضرت کاندھلوی بہت ہی خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

۱۱- اسی طرح جب بھی کوئی آپ کا شاگرد تدریس کے دوران کوئی علمی بات پوچھتا تو حضرت بغیر کتاب بینی کے فوراً مسئلہ کا جواب عنایت فرما دیتے۔ خود راقم الحروف کو کئی مواقع ایسے پیش آئے تو حضرت نے فوراً جوابات سے نوازا۔

۱۲- حضرت الاستاذ فرقہ اور گروہ بندی سے بہت دور رہتے حتیٰ کہ تھانوی' مدنی کی تفریق سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھی فرماتے ہم سب کے غلام ہیں۔

۱۳- عرصہ دراز تک جامعہ خیر المدارس کے صدر مدرس و شیخ الحدیث کی حیثیت سے رہے مگر کبھی بھی اپنے ان عہدوں کا اظہار تک نہیں فرمایا۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی:

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

۱۱رشوال ۱۴۱۰ھ ۷مئی ۱۹۹۰ء شب دوشنبہ کو حضرت الاستاذ علامہ کشمیریؒ نور اللہ مرقدہ۔ قریباً ۹۰ برس کی عمر میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مرحوم کو امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، اور مولانا حکیم برکات احمد ٹونکیؒ سے تلمذ تھا، وہ زمانہ طالب علمی کے عجیب قصے سنایا کرتے تھے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنی جوانی کا طویل زمانہ تحصیل علم میں گزارا، اور ایسی محنت و جانفشانی اور تقشف سے علم حاصل کیا جس کا تصور بھی اس زمانہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ فراغت کے بعد سابق ریاست قلات میں نائب وزیر معارف رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیا کے استاذ رہے اور ۱۹۵۰ء میں سیدی حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے تقاضا پر مدرسہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے ان کے چہل سالہ دور تدریس میں مدرسہ پر کئی رنگ آئے اور کئی گئے، اہتمام کی تین پیڑھیاں بدلیں، اور دوسری جگہوں سے بڑی بڑی پیشکشیں آئیں مگر ان کی وابستگی و وفاداری میں کوئی تغیر اور ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آئی۔ جن دنوں حضرت مرحوم۔ ''معقولات کے امام'' کی حیثیت سے خیر المدارس میں تشریف لائے تھے، حسن اتفاق سے یہ سال اس ناکارہ کا (دورۂ حدیث کے بعد) تکمیل کا سال تھا۔ اس لئے معقولات کی کتابوں میں حضرت سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ ان کا انداز تدریس عجیب دلربا اور حلقہ درس عجیب باغ و بہار ہوتا تھا۔ سبق کا گھنٹہ شروع ہوتے ہی طلبہ حاضر خدمت ہو جاتے، کتاب کا ایک نسخہ حضرت کے سامنے رکھ دیا جاتا سبق کی عبارت پڑھی جاتی، عبارت ختم ہوتی تو حضرت دیر تک اور چٹکلوں سے محظوظ فرماتے، اور پھر فرماتے ''اب یہ کہتا ہے'' یہ فرما کر کتاب کے متعلقہ حصہ کی ایسی تقریر فرماتے کہ پورا سبق وہیں ذہن نشین ہو جاتا۔ پوری کتاب کی تدریس کے دوران انہیں کبھی کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

انہیں معقولات کی بڑی کتابیں صدرا' شمس بازغہ' قاضی مبارک اور زواہد ثلثہ وغیرہ نہ صرف متحضر تھیں۔ بلکہ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حافظوں کی طرح از بر تھیں۔ کبھی کبھی مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ کتاب کا صرف متن اور حاشیہ ہی نہیں صفحہ نمبر بھی یاد ہونا چاہئے' ان جیسے شفیق' سبک روح اور خندہ رو استاذ کم دیکھنے میں آئے ہیں' ارباب معقولات میں اکثر و بیشتر ایک طرح کا عجب ہوتا ہے۔ چالیس سال پہلے کا سنا ہوا حضرت کا یہ فقرہ آج بھی گویا کانوں میں گونج رہا ہے۔

ابوعلی ابن سینا' جو انسان کو انسان نہیں سمجھتا' ابوزید دبوسیؒ کے بارے میں یہ کہتا ہے۔''

لیکن حضرت الاستاد میں عجب و خود پسندی کی جڑ کٹی ہوئی تھی۔ وہ ہر چھوٹے بڑے سے نہایت لطف و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اور اپنی برتری کا احساس ان کے قریب تک نہیں پھٹکتا تھا۔

حضرت مرحوم صحیح اور حقیقی معنوں میں مدرس تھے اور سارے لنگر توڑ کر انہوں نے اپنے آپ کو لیلائے علم کی مشاطی کے لئے وقف کر لیا تھا' مزاحاً فرمایا کرتے تھے کے پنجاب میں صرف دو مدرس ہیں' مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا عبدالخالق' اور آدھا مدرس میں ہوں۔ اس فقرے کی تفسیر پوچھی گئی تو فرمایا کہ مدرس وہ ہوتا ہے جو ہر علم کی کتاب پڑھا سکے۔

حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے انہیں والہانہ عقیدت تھی' ایک بار فرمایا کہ آدمی کو بیعت تو ضرور ہونا چاہئے۔ لیکن حضرت مدنیؒ کے سوا کس سے بیعت ہوا جائے' ہمارے حضرت سیدی مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مرید نہ تھے نہ شاگرد' لیکن حضرت کا احترام اسی طرح کرتے تھے' جس طرح ایک مخلص و عاشق مرید باصفا اپنے شیخ کا احترام کیا کرتا ہے۔ انہیں اپنے استاد محترم حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ یہ منظر بہت سے حضرات نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے شاگردوں کے سامنے حضرت افغانیؒ کے پاؤں دبا رہے ہیں اور خدام کی طرح دوسری خدمات بجا لا رہے ہیں۔ اس ناکارہ نے دو بزرگوں کو اپنے اساتذہ کے سامنے اس طرح متادب بیٹھتے دیکھا ہے جس طرح وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے ہوں گے۔ ایک رئیس القراء حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی کو اپنے شیخ حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ کے سامنے' دوسرے حضرت کشمیریؒ کو حضرت افغانیؒ کے سامنے۔

وصال سے قبل حضرت کو دو سانحے ایسے پیش آئے جو تکوینی طور پر گویا آپ کے مراتب علیا کی تکمیل کے موجب ہوئے' پہلا حادثہ ہوش ربا اور صدمہ جانکاہ یہ پیش آیا کہ آپ کے اکلوتے فرزند ارجمند جناب مولانا محمد مسعود کشمیریؒ نے جہاد افغانستان میں جام شہادت نوش فرمایا۔ چھوٹے چھوٹے چار معصوم بچوں اور بیوہ کو بوڑھے باپ کے حوالے کر کے خلد آشیاں ہوئے۔ حضرت مرحوم کا سن ۸۵ سے متجاوز تھا۔ قوائے طبعی مضمحل ہو چکے تھے' بصارت بھی متاثر ہو چکی تھی۔ ایسے عالم میں یہ حادثہ ایسا روح فرسا تھا کہ مرحوم سے تعزیت کرتے ہوئے بھی دل لرزتا تھا۔ حضرتؒ نے اس حادثہ کو بے پناہ صبر و استقامت سے برداشت فرمایا اور رضا بالقضا کی تصویر بنے رہے' البتہ آنکھوں سے بہنے والی ندیاں زخم جگر کی غمازی

کرتی تھیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان العین تلمح والقلب بحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا۔

دوسرا سانحہ یہ کہ انہی دنوں حضرت کا نحیف ونزار بدن فالج سے متاثر ہوا' قریباً دو سال اسی حالت میں گذارے۔ تکوینی طور پر یہ دونوں حوادث حضرتؒ کے لئے صبر آزما تھے۔ یہ ناکارہ قبیل رمضان حاضر خدمت ہوا تھا' بڑی رقت طاری تھی' میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ نے پہچان بھی لیا؟ نفی میں سر ہلایا' ہماری طلب علمی کے زمانے میں حضرتؒ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ'' حق تعالیٰ بوڑھے کو کیا عذاب دیں گے' اس کے تمام عوارض تو ختم ہو چکے ہیں' ماہیت من حیث ہی باقی رہ جاتی ہے۔'' ہمیں کیا معلوم تھا کہ لسان غیب خود آپ ہی کے حق میں یہ کہلا رہی ہے' بہر حال حق تعالیٰ شانہ کے لطف واحسان اور ان کے عفو وکرم سے یہی توقع ہے کہ ہمارے حضرت الاستاذ کے ساتھ لطف وکرم اور عفو ودرگزر کا معاملہ ہوا ہوگا۔

حق تعالیٰ شانہ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں اور رحمت ورضوان کے درجات عالیہ ان کو نصیب فرمائیں۔

(بینات ذیقیدہ ۱۴۱۰ھ مطابق جون ۱۹۹۰ء)

از مولانا محمد ازہر صاحب:

جامع المعقول والمنقول

حضرت العلامہ کشمیری قدس سرہ کی رحلت

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم۔

حمد وستائش اس ذات کے لئے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

جامعہ خیر المدارس کی تاسیس سے دم تحریر تک اس ادارے کو کل من علیھا فان کے اٹل اور بے لچک ضابطہ فطرت کے تحت جن علمی و دینی نادرہ روزگار شخصیات کی جدائی کے صدموں نے صرف متاثر ہی نہیں کیا بلا کر رکھ دیا ان میں استاذ العلماء عارف باللہ بانی جامعہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ کی رحلت کے بعد استاذ الاساتذہ محدث جلیل جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ مولانا محمد شریف کشمیری نور اللہ مرقدہ کا نام سرفہرست ہے۔ خیر المدارس کے ساتھ ان کی طویل وابستگی اور مخلصانہ بے لوث خدمات نے ان کے اسم گرامی اور خیر المدارس کو لازم وملزوم بنا دیا تھا۔ افسوس کہ ۱۱رشوال ۱۴۱۰ھ پیر کی شب کو جامعہ کے ساتھ ان کی ۴۰ سالہ رفاقت کا زریں باب ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا اور ان کے علوم وفیوض کا چشمہ صافی ہزاروں تشنگان علوم کی پیاس بجھانے اور بنجر و بے آباد دلوں کی زمین کو سرسبز وشاداب کرنے کے بعد اس عالم فانی کے لحاظ سے خشک ہوگیا' انا للہ وانا الیہ راجعون.

جامعہ خیر المدارس کو اپنی تاریخ میں تائید ایزدی سے جو عبقری شخصیات میسر آئیں ان میں ایک ممتاز وجود حضرت علامہ کشمیری کا بھی تھا۔ آپ جہاں منطق' فلسفہ' کلام عقائد اور دیگر علوم عقلیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے وہاں حدیث وتفسیر فقہ اور علوم نقلیہ میں بھی معاصر علماء میں ممتاز اور یگانہ روزگار تھے۔ بے پناہ حافظہ اور بے مثال انداز تدریس کے باعث آپ کا شمار برصغیر کے چوٹی کے شیوخ حدیث میں ہوتا تھا۔ حضرت کشمیری علمی تبحر' جامعیت علوم' سلامتی طبع' وقار وتمکنت' خلوص

وللٰہیت زہد وتقویٰ اور تواضع و بے نفسی ہر لحاظ سے عدیم النظیر اور اسلاف واکابر دیوبند کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

آپ نے محدث عصر حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ استحضار علوم رسوخ فی العلم ذہانت تفقہہ فی الدین اور علمی تبحر میں اپنے اساتذہ کرام کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔

آپ ریاست قلات کے نائب وزیر معارف' از ہر الہند دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاذ اور بعد ازاں تا حیات جامعہ خیر المدارس کے صدر مدرس و شیخ الحدیث کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے مگر ان جلیل القدر مناسب کے باوجود آپ کے دامن اخلاص واخلاق پر کبر وخود نمائی کا خفیف سے خفیف داغ بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ تواضع وانکسار کے ساتھ غیرت وخودداری میں ہمیشہ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ نظر آتے۔ جامعہ خیر المدارس کے شمالی صدر دروازے کے سامنے ایک تنور والے کی چھوٹی سی دکان ہے جس پر اکثر و بیشتر مزدور اور غریب طبقہ کے افراد صبح وشام کھانا کھاتے نظر آتے ہیں۔ احقر نے کئی مرتبہ حضرت الاستاذ کو دوپہر کے وقت اسی معمول دکان پر کھانا کھاتے دیکھا' حالاں کہ حضرت کے ادنی اشارہ پر جامعہ کی طرف سے بہتر اور پر تکلف کھانے کا انتظام ہوسکتا تھا' مگر آپ کی غیور وخوددار طبیعت نے اس قسم کی استدعا یا تذکرہ بھی کبھی پسند نہیں کیا۔

عنقارا بلند است آشیانہ

حضرت الاستاذ ۱۹۵۰ء میں جامعہ خیر المدارس میں بانی جامعہ حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ کی دعوت پر تشریف لائے اور تازیست خیر المدارس کے ساتھ عہد وفا' نبھایا' اس دوران آپ کو متعدد سرکاری و غیر سرکاری مناصب و مراعات کی پیشکشیں ہوئیں مگر انہوں نے ان کے قبول کرنے سے صاف معذرت کر دی اور اپنے اسلاف کی طرح آخر وقت تک علم ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ مدارس عربیہ میں وظیفہ یا مشاہرہ کے نام سے جو مقدار مدرسین کو دی جاتی ہے۔ اس سے ان کے قریبی حلقے بخوبی واقف ہیں۔ بسا اوقات اس لئے جائز معاشی ضروریات بھی پوری نہیں ہو پاتیں۔ ایسے حالات میں پرکشش مناصب اور خطیر مشاہرات کو ٹھکرا کر قوت لا یموت کو اختیار کئے رکھنا بے نفسی اور اخلاص و استغناء کی روشن مثال ہے۔

حضرت العلامہ حلم وشفقت اور محبت در آفت میں بھی بے مثال تھے' ان کی تدریسی وعلمی خدمات ساٹھ سال پر محیط ہیں جن میں کم وبیش ۴۰ برس جامعہ خیر المدارس میں گزرے عقلاً اتنے طویل عرصہ میں بیسیوں خلاف طبع امور پیش آسکتے اور عملاً ایسا ہوا بھی' بالخصوص بانی جامعہ مولانا خیر محمد صاحب کے سانحہ وفات کے بعد ان کے جانشین مخدوم محترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری کا زمانہ اہتمام کچھ عرصہ بعض خارجی عوامل کے زیر اثر آپ کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں رہا۔ مگر آپ کے حلم ومروت اور جامعہ کے ساتھ اخلاص و وفا میں کبھی کوئی تغیر نہیں آیا اور آپ کی پوری زندگی عملاً اس شعر کی تصویر رہی۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اہل علم عام طور پر اپنے تلامذہ کا تذکرہ فخر سے کرتے ہیں اور اساتذہ اپنے طلبہ کے علم وفضل اور مقام وشہرت کو اپنی طرف ہی منسوب سمجھتے ہیں مگر حضرت علامہ کشمیری اس قسم کے پندار میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے۔ حالاں کہ اس وقت برصغیر بالخصوص پاکستان مشرب دیو بند کے کم اساتذہ حدیث ایسے ہوں گے جو بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کے سلسلۂ تلمذ میں داخل نہ ہوں۔ مشاہیر میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ (صدر جمعیۃ علماء ہند) مولانا محمد سالم قاسمی مدظلہ مولانا عبید اللہ انور، مولانا مفتی ولی حسن مدظلہ اور مولانا سلیم اللہ خاں صاحب (صدر وفاق المدارس) کے نام آپ کے تلامذہ میں آتے ہیں مگر آپ نے کبھی برسبیل تذکرہ بھی یہ تاثر نہیں ہونے دیا کہ یہ شخصیات میری شاگرد ہیں بلکہ ان کا نام ہمیشہ ایسے احترام واکرام سے لیتے کہ سننے والا یہ سمجھتا کہ آپ اپنی کسی بڑے یا کم از کم ہم مرتبہ عالم کا ذکر کر رہے ہیں۔

اپنے سفر آخرت پر روانہ ہونے سے قبل حضرت والا کو تکوینی طور پر ایک عظیم حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ جو انشاء اللہ آپ کے رفع درجات اور مراتب عالیہ کا سبب ہوا ہوگا۔ یعنی آپ کے اکلوتے فرزند صاحب علم وعمل اور مجاہد فی سبیل مولانا محمد مسعود کشمیری کی شہادت ہو آپ کی وفات سے دو سال قبل جہاد افغانستان میں خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت الاستاذ نے عالم پیری میں اس عظیم صدمے کو جس ضبط وتحمل سے برداشت کیا وہ رضا بالقضا اور صبر وعزیمت کی عجیب تصویر ہے۔ اس بات کا صرف تصور ہی سخت سے سخت دل کو پگھلا دیتا ہے کہ ۳۵ سال کا جوان وکٹریل بیٹا جو بڑھاپے کا واحد سہارا تھا ۴ معصوم بچوں اور ایک بیوہ کو ۷۵ سالہ والد کے سپرد کر کے آخرت کا رخت سفر باندھ لے اس سانحہ فاجعہ کا آپ کی طبیعت پر اثر اور پھر آپ کے صبر کا اندازہ کچھ اس سے ہوتا ہے کہ جب صاحبزادہ مولانا محمد مسعود کے رفقاء واحباب میں سے کوئی صاحب حضرت والا سے ملتے تو آپ فرط جذبات سے پوچھتے کہیں مولوی مسعود تو نہیں ملا؟ پھر رو پڑتے اور فرماتے دعا کرو اللہ اس کی شہادت کو قبول فرمائے۔ ''اللہ اکبر'' صبر ورضا اور خوف ورجاء کو کس طرح جمع فرما دیا؟

حضرت والا گذشتہ دو سال سے صاحب فراش تھے اس علالت کو صاحبزادے کی جدائی کے صدمے نے مزید تکلیف دہ بنا دیا تھا مگر یہ عرصہ آپ نے نہایت صبر وسکوت سے گزارا بالآخر ۱۱ شوال ۱۴۱۰ھ کو اس سفر پر روانہ ہوئے جو ہر مرد بشر کو جلد یا بدیر پیش آنے والا ہے۔ پیر کی شب کو رات ساڑھے بارہ بجے آپ کی روح مبارک نے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔ خیر المدارس اور ملتان کی علمی حلقوں میں آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر نے ہر علم دوست فرد کو تصویر غم بنا دیا۔ آپ کے دولت کدہ پر جسد اطہر کو غسل دیا گیا، نعش مبارک ظہر کی نماز کے بعد دیدار عام کے لئے جامعہ کے دارالحدیث میں رکھ دی گئی۔ یہ وہی دارالحدیث تھا جہاں چار چار گھنٹے بلا توقف حضرت والا کے درس حدیث سے سامعین مستفید ہوتے تھے۔ آج اس دارالحدیث میں آپ کا منور چہرہ زبان حال سے نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظہا واداھا کما سمع (حدیث نبوی، اللہ

تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھیں جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا اور جیسے سنی تھی آگے پہنچا دی) کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ نے چہرۂ مبارک کو بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا تو بے اختیار بول اٹھے کہ حضور کی پیشین گوئی سچی ہوگئی۔ دیکھو میرے حضرت کا چہرے کس طرح تازہ اور نرم ہے۔ آپ کی وفات کی خبر ملک کے جس جس حصہ میں پہنچی وہاں سے علماء صلحاء حفاظ اور اہل دین بے تاب ہو کر جامعہ کی طرف اٹھ پڑے۔ نماز جنازہ تک ہزاروں افراد جن میں کثیر تعداد اہل علم و دین کی تھی جامعہ میں حاضر ہو چکے تھے۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم جو ایک دن قبل عمرہ سے تشریف لائے تھے۔ خان پورے ویگن کا تکلیف دہ سفر طے کر کے ملتان تشریف لائے اور نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ عصر کے وقت اس یگانۂ روزگار فاضل ہزاروں علماء کے استاذ اور محدث جلیل کو سپرد خاک کر دیا گیا ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی تدفین آپ کے صاحبزادے مولانا محمد مسعود شہید کے پہلو میں ہوئی جہاں اس سے قبل حضرت العلامہ کی والدہ ماجدہ بھی آسودۂ خاک ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

(ازہر)

اکابر علماء کرام کے تعزیت نامے

تاریخ ۱۲ ذیقعدہ ۱۴۱۰ ھج

محترم المقام جناب مولانا محمد حنیف صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے احقر میں بفضل تعالیٰ خیریت سے ہے۔ابھی ابھی بذریعہ ڈاک جامعہ کا ترجمان ''الخیر'' موصول ہوا حسب معمول پہلے تو میں فقط عنوانات پرنظر ڈالنے کی غرض سے سرسری ورق الٹ پلٹ کرتا ہوں بعدازاں فرصت کے اوقات میں مطالعہ کرتا ہوں آج جو ذوالقعدہ کا شمارہ دیکھا تو حضرت استاذ الاساتذہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کا علم ہوا اس سے قبل آگاہ نہ تھا یقین جانیے دل بجھ کر رہ گیا اللہ رب العزت حضرت علامہ موصوف کو زندگی کی گرانقدر دینی اور تدریسی بے لوث خدمات کے صلہ میں اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائیں۔(آمین)

بلا شبہ اتنی عظیم شخصیت کے دنیا سے پردہ فرمانے پر آپ سمیت جملہ متعلقین جامعہ خیر المدارس کو بے انتہا صدمہ اور حزن و ملال ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا روحانی فیض قیام قیامت تک جاری وساری رہے۔(آمین)

جامعہ خیر المدارس کو منجملہ دیگر خصوصیات کے باوجود ایک بہترین فخر یہ بھی ہے کہ ایسی عظیم شخصیت علامت اسلاف واکابر دارالعلوم دیوبند اور یگانہ روزگار ہستی نے نہ صرف یہ کہ قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس کے لئے منتخب فرمایا بلکہ دم واپسیں تک قیام فرما کر بزرگوں کی تعلیم ''یک در گیر محکم گیر'' کو احسن واکمل طریقہ پر عملاً ثابت کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی تمام خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائیں آمین۔ میری طرف سے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ پسماندگان اور تمام حضرات اساتذہ کرام سے خصوصی طور پر دلی تعزیت کا اظہار فرما دیجئے گا اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے ہاں نو مولود صاحبزادہ کی بھی ولادت سے آگاہی ہوئی وقت ولادت اور تسمیہ و وجہ تسمیہ تمام باتوں سے روحانی اور ایمانی مسرت ہوئی

گویا کہ یوں سمجھیے کہ اس واقعہ غم و مسرت نے آپ کی شخصیت کو قابل رشک بنا دیا ہے۔ نومولود (علامہ محمد شریف سلمہ) کی مبارکباد آپ اور اہلیہ صاحبہ دونوں قبول فرمائیں۔ والدہ صاحبہ اور حضرت دادی جان دام ظلہا کی خدمت میں احقر کا سلام اور خصوصی دعاؤں کی درخواست پیش فرما دیجئے گا۔ اب اجازت دیجئے۔ والسلام

تنویر الحق تھانوی۔

عزیز گرامی قدر جناب مولانا مولوی محمد حنیف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الخیر کا تازہ شمارہ ہمیشہ کی طرح عین انتظار و اشتیاق کی حالت میں ملا۔ جس سے حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر ملی۔ جو کچھ صدمہ ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ ان کی ذات گرامی سلف کی یادگار اور ہم سب کے لیے باعث رحمت تھی۔ اگرچہ ان سے نیاز اور زیارت کبھی کبھی میسر ہوا کرتی تھی مگر دل کو ایک قسم کی ڈھارس رہتی تھی کہ ان جیسے حضرات کا سایہ موجود ہے۔ ان کی پیرانہ سالی اور ضعیف و امراض کی وجہ سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کسی وقت کل من علیہا فان کے پیش نظر کوئی خبر آ جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک مدت سے تھی خلش جس کی
وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

نہ مجھ کم مایہ و گنہگار کے پاس الفاظ کہ کچھ لکھ سکوں اور نہ کوئی سلیقہ کہ کچھ عرض کر سکوں

تلخئ غم سہی نہیں جاتی
دل کی حالت کہی نہیں جاتی

یہ حضرات تو اپنی قابل رشک زندگی گزار کر دائمی راحت و آرام میں تشریف لے گئے بعد میں ان حضرات کی جگہ خالی نظر آتی ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے۔ ان للہ وانا الیہ راجعون۔

اب آپ حضرات پر نظریں ہیں اور دعا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کا سچا جانشین بنائے۔ (آمین)

احقر کی طرف سے ان کی متعلقین کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کر دیجئے اور یہ ہم ان کی جوتیاں سیدھی کرنے کے نا قابل ہونے کے باوجود ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

کتبت الیک والعبرات تجری
علی الخدین رشا بعد رش

جریح الفؤاد احقر نجم الحسن تھانوی

B.V59 کوری روڈ مسلم ٹاؤن راولپنڈی ۱۲ ذی قعدہ ۱۰ھ

مکتوب گرامی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر مدظلہٗ

باسمہٖ سبحانہٗ۔

من ابی الزاھد۔ الی محترم المقام حضرت العلام مولانا محمد حنیف صاحب دام مجد ھم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج سامی۔

یہ اندوہناک خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا کہ حضرت علامہ محمد شریف صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ہمیں داغِ مفارقت دے چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محترم! دنیا میں جو بھی آتا ہے جانے ہی کے لئے آتا ہے کسی کے لئے بقاء نہیں۔

مگر بعض حضرات کا وجود بڑی برکت ہوتی ہے اور البرکۃ مع اکابرکم (مستدرک) کی حدیث اس کا واضح ثبوت ہے حضرت مرحوم محقق اور کہنہ مشق مدرس تھے اور صدہا علماء کرام کے استاد تھے جن کی ساری زندگی خدمت دین میں گزری جلسوں میں لوگوں کے دلوں کو گرمانے والوں کی ملک میں کمی نہیں لیکن جید قسم کے مدرس بہت ہی کم رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کمی کی تلافی فرمائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز حضرت کو اپنے بیٹے مولانا معسود مرحوم کی شہادت کا کیا ہی صدمہ تھا کہ خود بھی ہمارے لئے باعث صدمہ بن گئے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں ان کی شان اور خدمت کے مناسب جگہ مرحمت فرمائے اور جملہ اعزّہ واقارب اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے آمین ثم آمین۔ راقم اثیم سفر سے قاصر اور علیل رہتا ہے عزیزم قارن سلمہ اللہ تعالیٰ تعزیت کے سلسلہ میں حاضر ہوا تھا حاضرین مجلس سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور دعوات مستجابات میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی وخاطی بھی داعی ہے۔

والسلام!

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز گکھڑ

۲-مکتوب گرامی
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ

محترم المقام جناب مولانا محمد حنیف صاحب زید مجدکم
سلام مسنون بالاحترام مقرون کے بعد
بعض ماہانہ جرائد سے حضرت علامہ محمد شریف کشمیری کی رحلت کا پڑھ کر دلی صدمہ ہوا۔
انا لله و انا اليه راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان کو ارفع درجات سے نوازے اور امت کو ان کانعم البدل عطاء فرمائے۔آمین! آج جبکہ دین حق کے محافظ اداروں کے لئے محقق، متقی، مخلص اساتذہ کی ضرورت بہت زیادہ ہے ایسے محقق، محدث، فقیہ النفس یادگار سلف امین علوم اکابر کا اٹھ جانا بہت زیادہ صدمہ کا باعث ہے کہ یہ ساری علمی، دینی، روحانی بہاران ہی قدسی انفاس بزرگوں کی آب یاری کی مرہون منت ہے۔مگر بیدہ الخیر اور بیدک الخیر پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے احقر کو ذاتی طور پر اس لئے بھی شدید صدمہ ہوا کہ اب علم حدیث کے معلمین کی فہرست تقریباً ختم ہو رہی ہے شیخ الحدیث تو مل سکتے ہیں مگر استاذ الحدیث اور پھر علامہ انور شاہ کشمیری کے فیض یافتہ وفا شعار اساتذہ کا قحط نہیں اب تو فقدان ہے۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کو، خیر المدارس اور دیگر دینی درس گاہوں، خانقاہوں، مجالس تصانیف اور مکاتیبِ اسلامیہ کو ایسے صدمات سے محفوظ رکھے۔آمین۔

اپنی دعاؤں میں اس گناہ گار کو بھی یاد فرمایا کریں کہ اب اپنے آپ کو بلا کسی سرپرست کے پا کر پریشان رہتا ہوں۔ ویسے بھی عرصہ ۹ ماہ سے بعارضہ بیمار ہوں اب آرام تو ہے مگر کمزوری زیادہ ہے۔دعاؤں کا خواستگار، حد سے زیادہ گناہ گار، اکابر کے سامنے شرم سار۔

زاہد الحسینی غفرلہٗ۔

۳-مکتوب گرامی

حضرت مولانا فیض احمد مدظلہٗ (حال مکّہ مکرمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد حنیف صاحب وحضرت مولانا محمد صدیق صاحب وفقنی اللہ وایاکم لما یحب ویرضی وزید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بحمد اللہ الکریم' بندہ مع رفقاء خیریت سے ہے آپ حضرات کو خیرہ عافیت بارگاہ لایزال سے مطلوب ومرجو ہے۔

مخدوم العلماء والصلحاء استاذ الاساتذہ جامع المنقول والمعقول' بحرالعلوم۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیری قدس سرہٗ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سے ہم سب کو انتہائی صدمہ پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے حضرت موصوف کے درجات رفیعہ کو مزید بلند فرمائیں اور حضرت اقدس کے اہل وعیال ومتعلقین کو صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں۔ آمین۔

یہاں حرم مکہ مکرمہ میں حضرت والا کے ایصال ثواب کے لیے قرآن مجید کی مجلس منعقد ہوئی' علماء وقراء کرام۔ عزیز طلباء ودیگر احباب شریک ہوئے۔ بندہ نے مختصر طور پر حضرت اقدس کے مناقب' علمی خدمات ودینی کمالات بیان کئے۔ دعائے مغفرت کی گئی۔ بندہ نے اور دیگر متعدد احباب نے حضرت کے لئے طواف بھی کئے۔

اللہ سبحانہ وتقدس نے حضرت شیخ الحدیث مرحوم کو ان گنت کمالات وخصوصیات سے نوازا تھا۔ حضرت والا کی ساری زندگی علوم دینیہ کی خدمت میں گزری۔ ہزاروں علماء نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔ جو پاکستان وبیرون پاکستان علمی ودینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں تقسیم سے قبل عالم اسلام کی عظیم دانش گاہ دارالعلوم دیوبند میں آپ مدرس رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان کی متعدد جامعات میں آپ صدر مدرس وشیخ الحدیث رہے۔ تدریسی زندگی کا زیادہ حصہ پاکستان کی معروف عظیم درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں گزرا۔ یہاں تقریباً اڑتیس سال بخاری وترمذی کا درس دیا۔ قسام ازل نے بے مثال قوت حافظہ سے آپ کو نوازا تھا۔ منقولات معقولات کی اہم کتابوں کے مضامین از بر تھے۔ آخری دور میں بصارت

سے معذور ہو گئے تھے لیکن بصیرت پہلے سے زیادہ روشن تھی۔ بخاری شریف و ترمذی شریف یاد پڑھاتے تھے۔ حضرت اقدس فی زمانہ اکابر دیوبند کی یادگار تھے۔ تواضع و انکساری، بے تکلفی و سادگی، نمود و نمائش سے تنفر و بیزاری۔ حلم و صبر۔

جفا کشی، غنا قلبی جیسے ملکات فاضلہ سے مالا مال تھے۔ حضرت والا کا ذاتی معمول مکان، رائٹرز کالونی ملتان میں ہے جو خیر المدارس سے تقریبا ایک میل دور ہے اس میں آپ رہائش پذیر تھے۔ سالہا سال تک اپنے مکان سے خیر المدارس پیدل تشریف لاتے اور پیدل ہی واپس تشریف لے جاتے۔

اس دوران آپ کی صاحبزادیاں بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کے ہمراہ پیدل سفر کرتیں۔ الانبیاء اشد بلاء ثم الامثل فالامثل حدیث شریف کے مطابق حضرت اقدس بھی بہت بڑے امتحان سے گزرے۔ حضرت شیخ الحدیث کے صرف ایک صاحبزادہ مولانا محمد مسعود صاحب رحمہ اللہ تھے اور کوئی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی تھی۔ یہ صاحبزادے نوجوان عالم دین متواضع، خاموش طبع، خیر المدارس کے فاضل تھے۔ مولانا محمد مسعود صاحب نے چیچہ وطنی ضلع ساہیوال۔ پاکستان میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔

اس میں موصوف اہتمام و تدریس کتب کے ساتھ ساتھ جہاد افغانستان کے لئے مجاہد تیار کرتے تھے۔ مسلسل آٹھ سال تک کئی کئی ماہ خود افغانستان کے مختلف محاذوں پر عملی جہاد میں حصہ لیتے رہے۔ ترغیب و تحریض سے طلباء و دیگر احباب کو اپنے ہمراہ جہاد پر لے جاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ ظرافۃً فرمایا کرتے تھے۔ گویا قرآن مجید میں جہاد کی تمام آیتیں ہمارے مسعود کے لئے اتری ہیں۔ فخر الشہداء مولانا محمد مسعود صاحب محاذ جنگ میں فرصت پا کر مجاہدین کو دینی کتابیں بھی پڑھاتے تھے۔ دو سال قبل ارگون کے محاذ پر کمانڈر خالد زبیر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے خود بندہ راقم السطور کو بتلایا تھا کہ انہوں نے پوری کنز الدقائق مولانا مسعود صاحب سے میدان جہاد میں پڑھی ہے۔ گزشتہ سال فخر الشہداء والعلماء مولانا محمد مسعود صاحب عید الاضحیٰ کے موقع پر چیچہ وطنی سے مجاہدین افغانستان کے لئے گوشت اور چرم قربانی کی رقم اپنے ہمراہ لے کر افغانستان تشریف لے گئے۔ میدان جہاد میں بارودی سرنگ پھٹنے سے موقع پر شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر ان کی میت ملتان لائی گئی اور ملتان ہی میں تدفین ہوئی۔

مولانا محمد مسعود صاحب صاحب عیال و صاحب اولاد تھے۔ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ بصارت سے معذور اور چلنے پھرنے سے لاچار و مجبور تھے۔ صاحب فراش محتاج خدمت تھے۔ نظر بظاہر اسباب کے درجہ میں آپ کا واحد سہارا مولانا محمد مسعود صاحب تھے ان حالات میں صاحبزادہ کی جدائی اور ان کی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری کا بوجھ طبعی طور پر ہڈیاں پگھلا دینے والا حادثہ فاجعہ تھا۔ یہ ایک زبردست امتحان تھا ایسے ابتلا و امتحان اللہ تعالیٰ کے خاص بندے پاس کیا کرتے ہیں اور کامیابی کے نمبر لیا کرتے ہیں۔ ان حالات سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ امتحانات ابراہیمی کا ایک باب عملا پڑھا رہے ہیں اور صبر ایوبی کی عملی تشریح فرما رہے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کاملہ۔ فیض احمد۔ مکہ مکرمہ۔

۴۔مکتوب گرامی

مولانا محمد ضیاء القاسمی مدظلہ

عزیز محترم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

محدث کبیر حضرت العلامہ مولانا محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ کا سانحہ وفات نہایت المناک دل کو ہلا دینے والا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کشمیری کی وفات سے پاکستان میں اساتذۂ حدیث کی ممتاز شخصیات کا باب ختم ہوگیا ہے۔ جن لوگوں نے اساتذۂ حدیث کو دیکھا سنا اور ان سے استفادہ کیا ہے انہیں معلوم ہے کہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ ایک انفرادی شان رکھتے تھے۔ آپ کے درس حدیث میں شامل ہونے والا طالب علم شاہ اسماعیل شہیدؒ کے مشن توحید و جہاد کا علمبردار اور حضرت مدنیؒ کے جذبہ حریت اور ولولہ احیائے سنت واخلاص کا پیکر اور اپنے اسلاف کی محبت وعظمت کا امین و پیکر ہوتا تھا۔ عقیدۂ توحید پر استحکام اور شرک و بدعت سے بیزاری حضرت کشمیری کے تلامذہ کا خصوصی طرّہ ہوا کرتا تھا۔ میرے نزدیک آپ کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے توحید وسنت کا عقیدہ اپنے حلقہ تلامذہ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ملائکہ جنت نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہوگا۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیهم الملائکة۔

میں جہادِ افغانستان میں شمولیت کے لئے جا رہا تھا تو مجھے حضرت کی وفات کی اطلاع ملی میں انتہائی کوشش کے باوجود جنازہ میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا جس کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔ میں آپ کے اور تمام اساتذہ خیرالمدارس کے غم میں برابر کا شریک ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو یہ صدمہ فاجعہ برداشت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ میں انشاء اللہ کسی روز خود بھی تعزیت کے لئے ملتان حاضری دوں گا۔

شریکِ غم: ضیاء القاسمی

﴿۱۶﴾

مخدوم العلماء

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۲۲ھ

وفات: ۱۴۱۵ھ

از حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پوری:

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور)

خاندانی حالات:

آپ کا اصل وطن تھانہ بھون ضلع مظفرنگر (انڈیا) تھا سلسلۂ نسب حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے آپ کے والد محترم مولانا سعید احمد تھانویؒ علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے' اخلاق الحمد یہ چار جلدیں ''سیرت صلاح الدین''، ''نساء المسلمین'' وغیرہ کتب کے مصنف تھے۔ ہفتہ وار ''الاسلام'' کے مدیر اور انجمن تبلیغ الاسلام کے مہتمم و ناظمِ اعلیٰ بھی رہے۔ آپ کے دادا حافظ امیر احمد صاحبؒ ۱۸۵۷ء کے قریب پشاور میں کمشنر رہے تھے۔[1]

ولادت وتعلیم:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔ اصل نام جمیل احمد اور تاریخی نام غریب علی رکھا گیا۔ آپ کی ننھیال راجوپور ضلع سہارنپور کی تھی قرآن شریف کی ابتداء وہیں ہوئی' پھر والد صاحب کی ملازمت کی وجہ سے علی گڑھ زیادہ رہنا ہوا اس لئے یہیں ناظرۂ قرآن پاک ختم کر کے اسکول میں اردو کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۳۲ھ میں مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں داخلہ لیا اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی زیرنگرانی فارسی کتب تیسیر المبتدی سے یوسف زلیخا تک اور عربی کتب میزان الصرف سے ھدایۃ النحو تک پڑھیں۔ جب حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ نے جلال آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تو آپ یہاں چلے آئے اور شرح جامی کی جماعت میں شامل کر دیئے گئے۔ (تذکرۂ اکابر علماء دیوبند)

مظاہر العلوم میں دورۂ حدیث:

بعد ازاں حضرت حکیم الامتؒ کے ایماء اور حضرت اقدس مولانا شاہ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد و

---

[1] تاریخ مظاہر العلوم۔

توجہ دلانے سے ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہوئے جو ثانی دارالعلوم دیوبند تھا یہاں کا فیھکبریٰ اور نورالایضاح کے اسباق تجویز ہوئے۔ درجہ ابتدائی میں کل کتابوں کے استاذ مولانا ظہورالحق دیوبندیؒ تھے پھر موقوف علیہ کی تکمیل کر کے دورۂ حدیث کی کتب میں سے مشکوٰۃ شریف مولانا ثابت علی صاحبؒ سے ترمذی و بخاری شریف اور طحاوی مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ سے ابوداؤد ابن ماجہ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ سے مسلم شریف ونسائی وموطائین حضرت شیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے پڑھ کر ۱۳۴۲ھ میں سند الفراغ حاصل کی دورۂ حدیث کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کرنے پر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ نے کئی دینی کتب اور ایک جیبی گھڑی انعام میں عطا فرمائیں اور تمام کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔ آپ مدرسہ مظاہر العلوم میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ کی مشفقتوں اور عنایتوں سے مالا مال ہوتے رہے اور اسی طرح دوسرے اساتذہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور مولانا منظور احمد صاحبؒ کے بھی منظورِ نظر رہے اور ان تمام اساتذہ سے خوب فیض یاب ہوئے۔ (ماخوذ تاریخ مظاہر العلوم سہارنپور)

علمی وتدریسی خدمات:

بعد فراغت کھمم ضلع ورنگل حیدرآباد دکن کے مدرسہ میں اپنے استاذِ مکرم حضرت مولانا شاہ خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے حکم سے تدریس وعظ وتقریر وغیرہ کے لئے تشریف لے گئے پھر کچھ عرصہ بعد مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں نائب شیخ الادب کے عہدہ پر فائز ہوئے ابھی گیارہ ماہ تک ہی اس منصب پر کام کیا تھا کہ حضرت شیخ سہارنپوریؒ کے ارشاد پر واپس سہارنپور تشریف لے آئے اور مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرسِ اعلیٰ مقرر ہوئے جہاں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۰ھ تک اعلیٰ تدریسی وعلمی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۳۴۶ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور سے آپ نے ایک ماہنامہ ''المظاہر'' اور ۱۳۶۸ھ میں ایک دوسرا ماہنامہ ''دیندار'' جاری کیا جو ایک عرصہ تک دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے۔[1]

تھانہ بھون میں قیام:

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مختلف علوم وفنون کی کتب عالیہ کے درس کا سلسلہ جاری تھا کہ آپ ۱۳۵۶ھ میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے پھر ۱۳۶۰ھ میں حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی علالت و تیمارداری کی غرض سے تھانہ بھون قیام فرمایا چونکہ یہ قیام طویل تھا اس لئے مدرسہ مظاہر العلوم سے سال سال بھر کی رخصت لیتے رہے اور خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ امداد العلوم میں فتاویٰ اور درس وتدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔[2]

تحریک پاکستان میں اہم کردار:

تحریک پاکستان میں علماء کرام نے جو کردار ادا کیا ہے وہ ہماری تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل

---

[1] تاریخ مظاہر العلوم۔ [2] تاریخ مظاہر العلوم۔

ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ علماء نے پاکستان کی مخالفت کی تھی کیونکہ علماء کی ایک جماعت جمعیت علماء ہند کھلم کھلا کانگریس کی حمایت اور پاکستان کی مخالفت میں سرگرم تھی حالانکہ اس کے برعکس علماء کی ایک بڑی جماعت ''جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے تحریک پاکستان میں زبردست عملی حصہ لیتی رہی اور سلہٹ و سرحد میں کامیابی اسی جمعیت علماء اسلام کے اکابرین کی کاوشوں کا نتیجہ تھی۔ تحریک پاکستان کے دوران مرکز علوم اسلام دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تھے جو انہی اکابرین جمعیت علماء اسلام کے شیخ و مربی تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی مسلمانوں کی الگ تنظیم اور حصول آزادی کے لئے جدو جہد کو ناگزیر سمجھتے تھے اور مسلم لیگ اور قائم اعظم کے زبردست حامی تھے اسی لئے قائداعظم کی دینی تربیت بھی حضرت حکیم الامتؒ نے فرمائی تھی اور انہوں نے ہی مسلمانوں کی طرف سے مطالبہ پاکستان کی حمایت میں سب سے پہلے ایک اسلامی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا تھا اور اسی لئے انہوں نے اپنے متوسلین وتبعین میں سے جن جید علماء کرام کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی پوری طاقت سے قائداعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیں ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔ مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا شبیر علی تھانویؒ۔ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اور مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

دوقومی نظریہ پاکستان کی وضاحت:

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں تدریس و خدمت افتاء میں مصروف تھے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فرمان اور تحریک پاکستان کی اہمیت اور ملکی و ملّی اشد ضرورت کے مطابق آپ نے خدمت دینی کے جذبہ سے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے مسلک و مشرب کے عین مطابق آپ نے کانگریس سے اختلاف کیا اور متحدہ قومیت کے نظریہ کی سخت مخالفت کی اور اس کے برعکس اسلام و کفر کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دوقومی نظریہ کے سختی کے ساتھ حامی رہے اور اسی لئے آپ نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سیاسی نظریات کی توضیح و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سینکڑوں خلفاء و متعلقین جو گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر درس و تدریس اور تبلیغ و فتویٰ کی خدمات سرانجام دیتے تھے اور جن کو سیاسی ہنگاموں سے قطعاً دلچسپی نہ تھی اور سیاسیات سے تقریباً الگ تھلگ رہتے تھے وہ اپنے شیخ و مربیؒ کے حکم کی تعمیل اور تحریک پاکستان کی اہمیت کے پیش نظر میدان سیاست میں آئے اور اپنے درس و تدریس

---

[1] تحریک پاکستان اور علماء دیوبند۔

اور تبلیغ وارشاد کے مشاغل کے ساتھ ساتھ قائداعظم اورتحریک پاکستان کی تائید وحمایت میں علی الاعلان سرگرم عمل ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہوا کا رخ بدل گیا اورتحریک پاکستان کامیابی سے ہمکنار ہوئی جس کا برملا اعتراف خود قائداعظم محمد علی جناح نے بارہا اپنی تقاریر میں کیا۔'' (اندازِ سخن ص ۹۶)

مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ:

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اوران کے خلفاء ومتعلقین علماء کرام نے صرف زبانی تقریروں تک ہی تحریک پاکستان کی حمایت کومحدود نہ رکھا بلکہ مسلم لیگ کی تائید وحمایت میں اپنے قلم حقیقت رقم کوبھی مصروف رکھا' اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ ارشد مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک مفصل اورطویل فتویٰ بھی صادر فرمایا جوآپ نے ۱۹۴۴ء میں شائع کیا اس تاریخی فتویٰ میں قرآن وحدیث اورائمہ سلف کے اجتہاد وتفقہ کی روشنی میں بارہ سوالات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا گیا تھا پھر اس فتویٰ کی تائید میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ' علامہ سید سلیمان ندویؒ' مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ' مفتی محمد حسن امرتسریؒ' مولانا خیر محمد جالندھریؒ' مولانا شبیر علی تھانویؒ' مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ اورمفتی جمیل احمد تھانویؒ نے اپنی اپنی محققانہ رائے تحریر کردیں اورحضرت مفتی اعظمؒ کے فتویٰ کی تصدیق کی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحبؒ نے فتویٰ کی تائید اس طرح سے کی کہ:

> ''احقر کے نزدیک یہ مضمون بالکل صحیح ہے اور گویا حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ارشادات کی توضیح وتشریح ہے اللہ تعالیٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے اوران کے فیوض میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔'' (مفتی اعظم نمبر البلاغ)

جامعہ اشرفیہ لاہور کی صدارتِ افتا:

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحبؒ نے ۱۳۷۰ھ میں ہندوستان سے پاکستان کے لئے رختِ سفر باندھا اور یہاں پہنچ کر جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد اور جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ کی دعوت پر درس وتدریس اور خدمتِ افتاء کا کام شروع کیا جو ۱۳۹۱ھ تک جاری رہا بعد ازاں طبعی اعذار بلڈ پریشر کے مرض کی وجہ سے اسباق بند کر دیئے گئے اورصرف افتاء کا کام باقی رہا اور پھر آپ کو جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء کا صدر مفتی بنا دیا گیا اور آپ کی قیادت میں مفتی ممتاز احمد تھانویؒ اور مولانا وکیل احمد شیروانیؒ صاحب کو نائب مفتی کے عہدے سونپ دیئے گئے آخر وقت تک آپ جامعہ اشرفیہ لاہور میں صدر مفتی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے جہاں سے ہزاروں فتاویٰ آپ کی صدارتِ افتاء کے دوران جاری ہوئے جو ملک بھر میں مذہبی طور پر آخری شرعی فیصلہ کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے رہے آپ کے قلم سے جاری کئے ہوئے فتاویٰ کو پاکستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اورمفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بعد فتاویٰ میں آپ ہی کو اعلیٰ مقام حاصل تھا اوران

کے بعد آپ ہی پاکستان میں مفتی اعظم کی حیثیت کے حامل تھے۔(اکابر علماء دیوبند)

ممتاز تلامذہ:

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون اور جامعہ اشرفیہ لاہور کی تدریس اور خدمتِ افتاء کے دوران ہزاروں طالبانِ علم حدیث وفقہ نے آپ سے کسب فیض کیا جن میں سے صرف چند ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔ رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ مولانا رئیس الرحمٰن لدھیانویؒ۔ مولانا بشیر اللہ برمی، مولانا عبید اللہ الحسینی، مولانا محمد عامر رام پوری، مولانا مفتی منظور احمد بجنوری، مولانا شاہ ابرار الحق خلیفہ حضرت تھانویؒ مولانا قاضی زاہد الحسینی کیمبلپوری، مولانا مفتی عبدالستار ملتانی، مفتی ممتاز احمد تھانویؒ مفتی قاضی عبید اللہ علویؒ اور مولانا فضل احمد مہتمم قاسم العلوم فقیروالی وغیرہ وغیرہ۔(تاریخ مظاہر العلوم ہفت روزہ لولاک فیصل آباد)

تصنیف و تالیف:

درس و تدریس اور خدمت افتاء کے علاوہ آپ نے بہت سی کتب و رسائل بھی تالیف فرمائے جن میں سے چند تالیفات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

☆ ''زکوٰۃ الحلی اور علامہ سید سلیمان ندویؒ'' یہ کتاب ۱۳۴۵ھ میں لکھنو میں طبع ہوئی۔
☆ دعوات التبلیغ، اس کتاب میں تبلیغ کے متعلق قرآن وحدیث سے دلائل ہیں۔
☆ تفسیر المنطق حاشیہ تیسیر المنطق، یہ تیسیر المنطق کا حاشیہ ہے۔
☆ تراجم الحاسین (عربی) حماسہ کے پہلے باب کے متفرق شعراء کے احوال۔
☆ اظہار العرب شرح اردو ازہار العرب۔
☆ شرح عربی ازھار العرب۔
☆ دعوۃ التجارۃ اردو، تجارت کے فضائل وفوائد پر مشتمل ہے۔
☆ جمال الاولیا، حضرت تھانویؒ کے حکم سے کتاب لکھی گئی۔
☆ دلائل القرآن علی مسائل النعمان، عربی۔
☆ ارشاد المفید، پوتے کی میراث پر محققانہ کتاب ہے۔
☆ حلیۃ اللحیہ (اردو) یہ کتاب یکمشت داڑھی کے اثبات پر دلائل کا مجموعہ ہے۔
☆ التحریر النادر یہ مولانا عبدالقادر رائپوریؒ کے جسم کو قبر سے نکالنے کے مطابق ہے۔
☆ البحث والسفر، یہ کتاب کراچی سے طبع ہوئی۔
☆ نصاب ونظام مدارس، اس کتاب کو ناشران قرآن پاک لاہور نے طبع کیا ہے۔

☆ ضرورتِ مذہب۔فضائل بیعت۔
☆ مثنوی علاج المصائب۔عقائد مشرقی۔
☆ عظمتِ حدیث۔شرح بلوغ المرام۔
☆ اسبابِ شکست۔جمیل الکلام۔نئی کل کائنات وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں سینکڑوں مضامین مختلف جرائد میں شائع ہوتے رہے ہیں۔(ماخوذ مشاہیر علماء دیوبند)

نفاذ اسلام کے لئے جدوجہد:

قیام پاکستان کے بعد آپ نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مفتی محمد حسنؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ مولانا اطہر علیؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے ساتھ مل کر اسلامی آئین کی ترتیب وتدوین میں بڑی سرگرمی سے عملی حصہ لیا قرار داد مقاصد اور ۱۹۵۱ء کے بائیس نکاتی دستورِ اسلامی کے مرتب کرنے میں شیخ الاسلام علامہ عثانیؒ اور مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ کے معاون ومشیر رہے، پھر ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختم نبوت میں تحریر وتقریر کے ذریعے تبلیغ دین کا حق ادا کیا۔ ۱۹۶۹ء میں سوشلزم جیسے لادینی نظام کے خلاف مرکزی جمعیت علماء اسلام کے عظیم رہنما کی حیثیت سے تحریک چلائی اور مولانا ظفر احمد عثانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی طرح بنفس نفیس مرکزی جمعیت کی کانفرنسوں میں شرکت فرماتے رہے اور ان علماء حق کے ساتھ مل کر "سوشلزم کفر ہے" کے فتویٰ پر دستخط فرمائے اور متعدد رسائل ومضامین کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو سوشلزم وکمیونزم جیسے لادینی فتنوں سے آگاہ کیا غرضیکہ جب بھی ملک وملت اور اسلام کے خلاف کوئی نیا فتنہ ابھرا تو آپ نے مصلحت ومداہنت کو بالائے طاق رکھ کر پوری قوت کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق بلند کیا اور ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی۔(تحریک پاکستان اور علماءِ دیوبند)

سلوک وتصوف:

حضرت مفتی صاحبؒ ایک عظیم محدث ومفسر بھی تھے اور ایک عظیم محقق، مدبر، متکلم اور فقیہ بھی تھے اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک شیخ کامل اور عارف کامل بھی تھے۔آپ کو حضرت حکیم الامتؒ نے حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت کروایا تھا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ خود بھی آپ کی تربیت باطنی فرماتے رہے۔بعد ازاں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ بھی آپ کی تربیت واصلاح فرماتے رہے اور پھر اجازت بیعت سے بھی نوازا، ان کے علاوہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثانی صاحبؒ سے بھی آپ فیض یاب ہوتے رہے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بھی قریبی تعلق رہا اور ان حضرات کے محبّ ومحبوب رہے۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی قائم کردہ مجلس صیانۃ المسلمین سے شروع ہی سے وابستگی رہی اور مجلس کے

اصلاحی پروگراموں میں برابر شرکت فرماتے رہے اور مجلس کی فلاح و ترقی کے لئے حضرت مولانا جلیل احمد شیروانیؒ سے معاونت فرماتے رہے۔ کئی برسوں سے مجلس کے سر پرستِ اعلیٰ بھی آپ ہی چلے آ رہے تھے اسی طرح دارالعلوم الاسلامیہ لاہور اور جامعہ اشرفیہ سکھر و کراچی کے بھی آپ ہی سر پرست تھے۔ ماہنامہ الاشرف کراچی اور ماہنامہ الحسن لاہور بھی آپ کی سر پرستی میں دینی و علمی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ (ہفت روزہ لولاک)

علالت و رحلت:

آپ کئی سال سے علیل چلے آ رہے تھے مگر علمی و فقہی خدمات بدستور انجام دیتے رہے۔ ایک عظیم فقیہ اور محدث ہونے کے علاوہ آپ اردو، عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے آپ نے متعدد و نفیس، نظمیں، قصائد اور قطعات لکھے جو مختلف جرائد و اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مخدوم الامت مفتی محمد حسن امرتسریؒ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور دیگر کئی ممتاز علماء کی رحلت پر آپ نے بہت طویل طویل عربی اردو قصیدے اور تاریخی مراثی و قطعات لکھے جو ماہنامہ البلاغ کراچی۔ ماہنامہ بینات کراچی ہفت روزہ خدام الدین لاہور، ماہنامہ انوار العلوم لاہور، اور ہفت روزہ صوت الاسلام لاہور وغیرہ جریدوں میں شائع ہو چکے ہیں الغرض حضرت مفتی صاحبؒ آخر وقت تک دین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہے اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ اپنے اخلاق و کردار سے سلف صالحین کا نمونہ بنے رہے اور آخر کار ۲۱ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ بمطابق ۲۵ ر دسمبر ۱۹۹۵ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں ہزاروں افراد نے نماز جنازہ پڑھی امامت کے فرائض مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ نے سرانجام دیئے۔ آپ کی اولاد صالحہ میں مولانا مشرف علی تھانوی۔ مولانا قاری احمد میاں تھانوی اور قاری خلیل احمد تھانوی قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولانا راحت علی ہاشمی صاحب:

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا سفرِ آخرت

۲۱ رجب کی صبح کو ناگہانی طور پر یہ اطلاع ملی کہ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس سرّہ رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ایک عرصہ سے پیرانہ سالی کے مختلف امراض کا سامنا کر رہے تھے اور کئی بار ضعف و مرض کے شدید جھٹکے لگ چکے تھے مگر ہر بار انہیں حق تعالیٰ صحت وقوت سے تبدیل فرما دیتے تھے۔ آج کی صبح آپ کے دم کی واپسی کے لئے طے ہو چکی تھی۔ نہایت سکون اور اطمینان سے اپنی جان جان آفرین کے سپرد فرما گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔ وادخلہ الجنۃ واعذہ من النار۔

آپ کی ترانوے سالہ زندگی کی علمی فقہی اور اصلاحی خدمات پر تو بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا اور ان خدمات میں آپ کے جانشین اور روحانی اولادیں انشاء اللہ آپ کے فیضان کو آگے بڑھانے میں قائم دائم رہیں گی مگر خود حضرت مفتی صاحب کی مثال اب ڈھونڈے سے بمشکل ملے گی۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو دیکھنے والے تو ابھی بحمد اللہ کچھ نہ کچھ موجود ہیں لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمہ اللہ کو براہ راست دیکھنے والے اور ان کے بلا واسطہ شرفِ تلمذ رکھنے والے اب کہاں؟

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ربیب داماد بھی تھے اور خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت کے آخری دور میں حضرت ہی کے ارشاد پر افتاء کا کام بھی انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت مفتی کی خداداد ذہانت اور پھر حکیم الامت کی توجہ وتربیت نے حضرت مفتی صاحب میں دقت نظر اور نکتہ رسی کا جوہر نمایاں فرمایا تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ سے آپ نے حدیث شریف کے اسباق پڑھے تھے اور روحانی تربیت کے

لئے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے ارشاد پر انہی کے دامن سے وابستہ ہوئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی تربیت و توجہات نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ میں ایک عجیب جامعیت کی شان پیدا کر دی تھی حضرت مفتی صاحب کے انتقال سے نسبت خلیلی اور شان اشرفی کے اس دور کا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کی خبر سنتے ہی احقر اور برادر محمد ریحان سلمہٗ حضرت مولانا محمد اشرف عثمانی مدظلہم کی معیت میں لاہور روانہ ہو گئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی مدد سے ہم تینوں کو سیٹ بھی بآسانی مل گئی اور پونے دو بجے ہم لوگ لاہور پہنچے اور آدھ گھنٹہ بعد ماڈل ٹاؤن میں واقع حضرت مفتی صاحب کی قیام گاہ پر حاضری ہو گئی۔

ماشاء اللہ! تمام عزیز واقارب نے حضرت مفتی صاحب کے جسد خاکی کو غسل دے کر کفن پہنا کر آخری سفر کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے چہرے پر ایک سکون کی کیفیت نمایاں تھی۔ آج کل موسم سرد تھا اور دن کافی چھوٹا تھا۔ ساڑھے سات اور آٹھ بجے کے درمیان وفات کی تصدیق ہوئی تھی۔ نمازِ ظہر تک تجہیز و تکفین اور دفن کے انتظامات باوجود عجلت کے ممکن نہ ہو سکے تھے اس لئے عصر کی نماز کے بعد تدفین طے کر لی گئی تھی۔

تقریباً ۳ بجے جنازہ گھر سے اٹھا۔ گہوارہ ایک ایمبولینس میں رکھ کر جامعہ اشرفیہ لاہور لایا گیا جامعہ اشرفیہ لاہور جہاں حضرت مفتی صاحب گزشتہ ہفتہ تک اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے تشریف لاتے رہے۔ آج یہیں سے رخصت ہو کر اپنی آخری آرام گاہ کی جانب روانہ ہونے والے تھے۔

نماز جنازہ میں حضرت مفتی صاحب کے لاتعداد محبت کرنے والے تعلق رکھنے والے شریک تھے آپ کے شاگرد اور معتقدین کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ لاہور اور اس کے گرد و نواح کے جن لوگوں کو بروقت اطلاع مل سکی وہ سب جنازہ میں شرکت کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ دارالحدیث اور دارالافتاء کے درمیان واقع کشادہ چمن میں نماز جنازہ ادا کرنے کا نظم قائم کیا گیا تھا جو نماز عصر کے بعد فوراً ہی بھر گیا تھا۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہم جو حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کے بیٹے اور حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز ہیں اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم بھی ہیں حضرت مفتی صاحب کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مولانا مشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم نے ان سے درخواست کی۔ حضرت مولانا پر مفتی صاحب کے سانحہ رحلت سے بہت گریہ طاری تھا مگر ہمت فرما کر نماز جنازہ کی امامت فرمائی۔ اس موقع پر نشر و اشاعت کے ذرائع نے تصویر کشی کی کوشش کی لیکن انہیں نہایت سختی سے روک دیا گیا۔ بعد میں سننے میں آیا کہ ان میں سے بعض نے چپکے سے کسی چھت پر جا کر اپنی کاروائی کی تھی۔

جنازہ کو کندھا دینے کے لئے سارا ہجوم مشتاق تھا اس لئے یہ تدبیر کی گئی کہ جنازہ کے گہوارے کے ساتھ دو لمبے بانس باندھ دیئے گئے۔ طلباء اور اساتذہ نے مل کر جنازہ اٹھایا اور جامعہ سے باہر لے گئے۔ کافی دور تک جنازہ پیدل ہی

لے جایا گیا تا کہ شائقین کو کندھا دینے کا موقع مل جائے لیکن چونکہ تدفین کے لئے جو قبرستان تجویز کیا گیا تھا وہ کافی مسافت پر تھا اس لئے جنازہ ایمبولینس میں رکھ لیا گیا اور لوگ بھی مختلف سواریوں میں بیٹھ گئے او۔قبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔

یہ قبرستان علامہ اقبال ٹاؤن میں واقع ہے اس کے قریب ہی جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ہے جس کے ابتدائی دور میں خود حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے افتاء کا کام بھی انجام دیا تھا اور آج کل جبکہ یہ دارالعلوم ان کے بیٹے مولانا مشرف علی صاحب تھانویؒ کے زیر اہتمام سرگرم عمل ہے حضرت مفتی صاحب اپنے آخری دور میں یہاں بھی افتاء کے کام کی نگرانی فرماتے رہے۔ یہاں تشریف لا کر ہی آپ نے ادارۂ اشرف التحقیق کے شعبہ کی صدارت فرمائی اور احکام القرآن عربی کی تکمیل فرمائی۔ تدفین کے لئے اسی کے قریبی قبرستان کا انتخاب کیا گیا تھا۔ غروب آفتاب کے وقت حضرت مفتی صاحب کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا گیا اور قبر کی مٹی دے کر لوگ فارغ ہو رہے تھے کہ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کی مسجد سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور کشتگان غم اللہ کی امانت کو اس کے حوالہ کر کے اللہ کے گھر میں حاضر ہو گئے۔

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام۔

حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے درجاتِ عالیہ میں پیہم ترقیات عطا فرمائیں اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازیں۔ حضرت مفتی صاحب کے باقیات وصالحات کو فیضانِ عام کا ذریعہ بنائیں۔ آمین۔

از جناب مولانا محمود اشرف عثمانی:

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

(صدر مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور)

زیر نظر مضمون جو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر تحریر کیا گیا نہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے نہ ان کے غیر معمولی کمالات و صفات کا آئینہ دار ان سب کے لیے تو مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ یہ آئندہ سطور تو محض اپنے محسن و مشفق استاذ کے ساتھ تعلق کی خاطر چند یاد داشتوں کا مجموعہ ہیں۔ امید ہے کہ یہ مضمون اسی حیثیت سے پڑھا جائے گا۔

۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ بروز اتوار مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کی صبح بعد نماز فجر استاذ محترم، مربی و مشفق فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا انتقال ہوا ایک پوری نسل ایک پورے قرن کا خاتمہ ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ غالباً اس وقت برصغیر کے وہ واحد عالمِ دین تھے جنہوں نے شیخ وقت، محدث بے بدل استاذ الاکابر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ صرف باقاعدہ علمی استفادہ اور کسبِ فیض کیا تھا بلکہ ان دونوں جلیل القدر شخصیات کی صحبت بابرکت اور فیضِ تربیت سے اپنے آپ کو منور کیا تھا اور مفتی صاحب کے انتقال کے بعد مجمع البحرین سے استفادہ کرنے والی کوئی شخصیت اب دنیا میں باقی نہ رہی۔

حالات:

حضرت مفتی صاحب غالباً ۱۳۲۰ھ ۱۹۰۲ء کے لگ بھگ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے، مدرسہ کی ابتدائی تعلیم راجو پور ضلع سہارنپور میں شروع ہوئی جہاں آپ کی ننھیال مقیم تھی پھر اسکول کی ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی جہاں والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ مگر اسکول کی تعلیم سے جلد ہی دل اچاٹ ہو گیا اور مدرسہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

آ کر ابتدائی فارسی اور عربی کتب پڑھنا شروع کیں' مولانا اشفاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جلال آباد میں مدرسہ قائم کیا تو شرح جامی اور اعلیٰ کتب وہاں پڑھیں مگر پھر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے آئے اور بقیہ ساری تعلیم یہیں مکمل کر کے ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث میں تمام طلباء میں سب سے اول رہے۔ جس پر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے انعام میں کئی کتابیں اور ایک جیبی گھڑی عطا فرمائی اور کتبِ حدیث کی خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی آپ پر خصوصی توجہ اور شفقت تھی' ایک مرتبہ انگریزی جوتے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''کیا کھوسڑے سے پہن رکھے ہیں؟'' فرماتے تھے کہ اس کے بعد انگریزی طرز کے جوتے ایسے دل سے اترے کہ پھر پہننے کو دل ہی نہ چاہا۔ چنانچہ عمر بھر دیسی جوتے ہی استعمال کئے۔

فراغت کے بعد حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کے حکم سے کچھ عرصہ کے لیے حیدرآباد دکن کے مدرسہ نظامیہ میں نائب شیخ الادب کے منصب پر خدمت کے لیے تشریف لے گئے مگر جلد ہی وہاں کے ماحول سے ایسے برگشتہ ہوئے کہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ مجھے واپس بلا لیجئے۔ مفتی صاحب فرماتے تھے کہ وہاں پیری و مریدی کا ایسا زبردست ماحول تھا کہ آدمی کا اس سے بچنا ممکن نہ تھا' جب میں وہاں تدریس کے لیے گیا تو لوگوں نے میرے ساتھ عظمت وعقیدت کا وہ برتاؤ شروع کیا جو غلو رکھنے والے مریدین اپنے پیر کے ساتھ کرتے ہیں' تو مجھے کچھ ہی عرصہ میں یہ احساس ہو گیا کہ اگر میں مزید کچھ وقت یہاں ٹھہرا رہا تو سارا علم غتر بود ہو جائے گا اور میں صرف ایک پیر بن کے رہ جاؤں گا چنانچہ میں نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے واپس بلانے کی درخواست کی' چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے واپس بلا لیا اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں بحیثیت مدرس میرا تقرر فرما دیا اور تدریسی کام شروع ہوا۔

مظاہر العلوم میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۷۰ھ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے ہر علم وفن کی کتابیں طلباء کو پڑھائیں اور تشنگان علوم کو سیراب کیا مگر حضرت کی زیادہ شہرت ادب میں تھی اور طلباء دور دور سے استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

اسی دوران ۱۳۴۶ھ میں سہارنپور سے رسالہ ''المظاہر'' اور پھر ۱۳۶۸ھ میں رسالہ ''دیندار'' جاری فرمایا جس کے مدیر اعلیٰ' مضمون نگار' طابع' ناشر' خادم' سب کچھ خود حضرت ہی تھے اور بے سروسامانی کے باوجود بہت استقلال اور ہمت کے ساتھ تدریسی مصروفیات کے ہمراہ ان رسائل کے ذریعہ دعوت وتبلیغ اور علم وحکمت کی خاموش خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد اور مرید باصفا تو تھے ہی مظاہر العلوم قیام کے دوران حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سے خصوصی عقیدت و ارادت کا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص محبت و مودت کا تعلق بھی قائم ہوا۔ حضرت اپنی مجلسوں میں حضرت مولانا اسعد اللہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت و ذکاوت' حسن انتظام اور تقویٰ و تواضع کے واقعات بھی ذکر فرماتے تھے اور پریشانی کے ایک زمانہ میں حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ساتھ جو خصوصی تعلق رکھا اس کا بھی کئی بار ذکر فرمایا۔

بہرحال ۱۳۶۰ھ میں حضرت مفتی صاحب مظاہر العلوم سہارنپور سے تھانہ بھون کی ''دکان معرفت'' پر منتقل ہو گئے جہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا آفتاب عالمتاب چار سو علم و معرفت کی کرنیں بکھیر رہا تھا۔ یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کا زمانہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک طرح سے داماد تھے۔ اس لئے خلوت و جلوت میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا شرف حاصل رہا۔ اس زمانہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ضعف کی بناء پر نہ صرف خطوط کے جوابات بطور املاء حضرت مفتی صاحب سے لکھواتے تھے بلکہ آنے والے استفتاء بھی آپ کے سپرد کرتے تھے۔ جن کے جوابات مفتی صاحب لکھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گذارتے تھے اور پھر وہ فتاویٰ روانہ کئے جاتے' یہ زمانہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی مصروفیات کا زمانہ تھا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شب و روز خدمت کے ساتھ مدرسہ امداد العلوم میں تدریس' اہم فتاوی کی تحریر اور قابل تحقیق مسائل کے حل کے ساتھ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آنے والے حضرات کی دیکھ بھال اس پر مستزاد تھی۔ اسی دوران احکام القرآن عربی کی دو منزلوں کی تصنیف آپ کے سپرد ہوئی۔ جس کا قصہ حضرت مفتی صاحب خود سناتے تھے کہ اولاً احکام القرآن کی تصنیف کا کام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوا تھا مگر جب وہ ڈھاکہ تشریف لے گئے اور کام میں تعویق ہوئی تو حضرت نے ارادہ فرمایا کہ یہ کام اپنے احباب میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے قرآن مجید کی ایک آیت کا انتخاب کیا جس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب پہلے ہی قلم اٹھا چکے تھے آپ نے وہ آیت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھ کر بھیجی کہ بطور نمونہ اس سے عربی زبان میں احکام قرآن مستنبط کر کے بھیجیں۔ اس زمانہ میں چونکہ میں (حضرت مفتی جمیل احمد صاحب) حضرت (تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) کے خط املاء کروا کے روانہ کرتا تھا' جب حضرت نے یہ خطوط ان حضرات کو بھیجا تو مجھ سے بھی فرمایا کہ ''مولوی جمیل تم بھی اس پر لکھو' چنانچہ میں نے حسب الحکم اس پر کچھ لکھا' ادھر ان حضرات کی طرف سے بھی جوابات آئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سب تحریریں ملاحظہ فرمائیں اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی سابقہ تحریر بھی ملاحظہ کی اور پھر فرمایا کہ بحمد اللہ سب حضرات یہ کام کر سکتے ہیں' چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی پہلی دو منزلیں حسب سابق مولانا ظفر احمد صاحب کے پاس رہنے دیں۔ تیسری چوتھی منزل میرے سپرد کی' پانچویں چھٹی منزل مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد ہوئی اور ساتویں مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی۔

فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ کام شروع ہو گیا مگر ابتدائی مرحلہ میں تھا کہ حضرت کا

انتقال ہو گیا۔ میں نے اپنے حصہ کی ایک جلد تحریر کی تھی کہ آنکھ کی تکلیف شروع ہو گئی چنانچہ کام روکنا پڑا۔ تحریر شدہ جلد شروع میں میرے پاس رکھی رہی مگر جب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور دیگر حضرات کے اجزاء طبع ہوئے شروع ہوئے تو میں نے بھی اپنا تحریر شدہ حصہ ان حضرات کو روانہ کیا تاکہ وہ اسے ملاحظہ فرمالیں۔ لیکن ان حضرات کی رائے یہ ہوئی کہ میرے تحریر شدہ مسودہ کا انداز چونکہ باقی حضرات کے تحریر شدہ مسودات سے مختلف ہے اس لئے فی الحال اس کی اشاعت نہ کی جائے۔ (حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسودہ باقی حضرات کا مسودہ سے طویل بھی تھا نیز اس میں فقہی احکام پر اکتفا کرنے کے بجائے دوسرے علوم و نکات بھی مفصل ذکر کئے گئے تھے جو حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں کتاب کے اصل موضوع ''دلائل القرآن فی مسائل النعمان'' سے باہر کی چیز تھی) اس طرح اس مسودہ کی اشاعت ممکن نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ حضرت نے آخری زمانہ میں اپنا مسودہ حاصل کر کے اس کی تبییض اور تکمیل کا کام شروع فرمایا۔ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے مہتمم اور آپ کے بڑے صاحبزادے اور جلیل القدر عالم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم نے اس مقصد کے لیے دارالعلوم میں آپ کے معاونین کا تقرر فرمایا اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد بحمد اللہ احکام القرآن کی یہ تیسری اور چوتھی منزل حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مکمل کر لی۔ جواب زیر اشاعت ہے۔

پاکستان بننے کے بعد حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اہلیہ اور اہلیہ کی حقیقی والدہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہؒ کے ہمراہ پاکستان تشریف لے آئے، جہاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ نے حضرت پیرانی صاحبہؒ کے خصوصی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں وہ کوٹھی الاٹ کروا کے دی جو حکام بالا نے حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کو دی تھی اور جوان کے نام الاٹ ہونے والی تھی۔ اس طرح حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کے کمال عشق میں ان کی اہلیہ محترمہ کے لیے ایک وسیع رہائش گاہ کا انتظام فرمایا اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بحیثیت استاذ اور مفتی جامعہ اشرفیہ میں تقرر فرمایا۔

جامعہ اشرفیہ لاہور اس وقت چار بڑے اکابر کا مرکز تھا، حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ صاحب حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان چاروں اکابر کی محنت اخلاص، فنایت وسعت علم اور تقویٰ کی بدولت جامعہ اشرفیہ پورے پاکستان میں جلد ہی علم دین کا اہم ترین مرکز بن گیا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو شروع سے عربی اُردو ادب کا خاص ذوق تھا۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی ان کے دیوان متنبیؔ، حماسہ وغیرہ کے درس کا شہرہ تھا جامعہ اشرفیہ لاہور میں بھی وہ شہرت برقرار رہی اور اس کے ساتھ فقہ، تفسیر اور حدیث کی بڑی کتابوں کی تدریس رہی جس سے بلا مبالغہ سینکڑوں طالب علموں نے استفادہ کیا۔ تدریس کے آخری

دور میں ابوداؤد شریف اور بیضاوی کا درس کافی عرصہ حضرت کے پاس رہا (جس کے ساتھ دارالافتاء کی مکمل ذمہ داری بھی حضرت ہی کے سپرد تھی) اس زمانہ میں اگر کوئی آپ سے پوچھتا کہ حضرت کیا پڑھاتے ہیں تو فرماتے الف۔ ب (یعنی الف سے ابوداؤد اور ب سے بیضاوی)

اس کے بعد آخر میں صرف ابوداؤد شریف حضرت کے پاس رہ گئی اور بحمد اللہ ۱۳۸۹ھ میں احقر کو بھی حضرت سے ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مگر ۱۳۹۱ھ میں دل کی تکلیف اور دوسرے عوارض کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ جو تقریباً ۴۸ سال تک قائم رہا موقوف ہوکر صرف دارالافتاء کا مشغلہ رہ گیا جو آخری سانس تک جاری رہا۔

انداز تدریس:

حضرت کا انداز تدریس مظاہر العلوم سہارنپور کے رنگ پر تھا۔ طویل بحثیں یا محققانہ کلام کے بجائے حل کتاب پر زور ہوتا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کے ذریعہ الجھے ہوئے مسائل حل فرماتے' اور سوال کی تشریح کے بجائے حدیث کی تشریح اس انداز سے فرماتے کہ سوال ہی پیدا نہ ہو۔ اسی لئے حضرت کے درس سے صحیح استفادہ کرنے اور اس کا لطف اٹھانے کے لیے ضروری ہوتا کہ آدمی ہمہ تن متوجہ ہوکر بیٹھے حضرت کے کلمات کو غور سے سنے تاکہ اندازہ ہوکر کس جملہ سے کس تحقیق کی طرف اشارہ ہے اور کس جملہ سے کون سا سوال دور ہوا ہے۔؟

حضرت کے اسی اندازِ تدریس کی بناء پر ان کے درس میں کتاب کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز ہوتی تھی۔ حضرت بالعموم کتاب کے صفحات کو پورے سال کے درسی ایام پر تقسیم فرما کر ہر روز کی مقدار متعین کر دیتے اور کوشش کرتے کہ وہ مقدار روزانہ لازماً پوری ہو جائے۔ اسی لئے حضرت کے درس میں ہر طالب علم کے لئے عبارت پڑھنا ممکن نہ ہوتا کیونکہ حضرت کے یہاں جلالین اور ابوداؤد جیسی کتب کے روزانہ کئی کئی صفحات پڑھے جاتے اور بالعموم کتاب سال سے پہلے ہی ختم ہو جاتی تھی۔

تحریری خدمات:

حضرت مفتی صاحب شروع میں فتویٰ کے آدمی نہ تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں طویل عرصہ تک حضرت تدریس ہی سے وابستہ رہے۔ مگر تحریر کا خاص ذوق وشوق تھا اسی لئے ۴۶ھ میں رسالہ ''المظاہر'' اور ۱۳۶۸ھ میں رسالہ ''دیندار'' کا اجراء فرمایا جس کے طابع ناشر تاجر سب خود ہی تھے ان رسالوں کے لیے طویل طویل مضامین اور نظمیں حضرت خود تحریر کرتے جن کے ذریعے مختلف جہات سے دین کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاتا۔ تحریر میں حضرت کا ایک خاص رنگ تھا اور کسی بھی موضوع پر دلائل کا انبار لگا دینا حضرت کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ حضرت بالعموم تحریر شروع کرتے وقت ہی طے فرما لیتے کہ مجھے اس میں اتنے مثلاً بیس یا تیس یا چالیس دلائل ضرور دینے ہیں (اور عام طور سے دلائل کی تعداد چالیس سے کم نہ ہوتی) اور پھر حضرت مختلف جہات سے دلائل کی وہ مقدار پوری ہی فرما دیتے تھے۔

لہذا حضرت کی تحریر میں عام اور سامنے کے موضوعات پر بھی دلائل کی خوب کثرت ہوتی تھی۔ جن میں نقلی دلائل بھی ہوتے اور عقلی بھی، آیات بھی ہوتیں اور احادیث بھی اور ان میں قارئین کے لئے بالعموم اور بعد میں آنے والوں کے لئے بالخصوص علم وحکمت کا بڑا سامان ہوتا۔

پاکستان آنے کے بعد بھی مضامین کا یہ سلسلہ مسلسل ہی جاری رہا۔ خدام الدین۔ صوت الاسلام، پیام اسلام، ترجمان اسلام وغیرہ رسائل میں حضرت کے بیسیوں مضامین مختلف موضوعات پر طبع ہوئے مگر افسوس کہ وہ مضامین طبع ہو کر منتشر ہو گئے۔ حضرت نے تو کمال تواضع اور فنائیت کے پیش نظر اس کی نقل رکھنی بھی گوارا نہ کی، ادھر اس زمانہ میں فوٹو اسٹیٹ کا بھی رواج نہ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سب مضامین حضرت مفتی صاحب کے لئے ذخیرہ آخرت بن گئے مگر آنے والوں کے لئے اب ان مضامین کا حصول ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ (وفق اللہ تعالی لہ من یشاء)

افتاء کے کام کی ابتداء:

۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کا آغاز ہوا تو ان کے ایماء پر حضرت مفتی صاحب تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب کی اہلیہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ صاحبزادی اور مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ربیبہ تھیں اس لئے حضرت مفتی صاحب کی حیثیت داماد کی بھی تھی اور صاحبزادہ کی بھی اور اس عرصہ میں حضرت مفتی صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خدمت گزار اور خلوت اور جلوت میں ان کے دست و بازو رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نام آنے والے خطوط کے جوابات حضرت مفتی صاحب کو املاء کرتے نیز بہت سے فقہی مسائل کے جوابات مفتی صاحب سے تحریر کرواتے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ثانی کے بعد روانہ کئے جاتے تھے۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس خدمت اور صحبت نے مفتی صاحب کو دوآتشہ کر دیا۔

تدریسی اور تحریری صلاحیت کے ساتھ اب فقہ اور تصوف کی صلاحیتیں بھی اجاگر ہونی شروع ہوئیں۔۱۳۶۲ھ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ جس کے بعد تحریک پاکستان میں بھی حضرت مفتی صاحب کی علمی اور تحریری شرکت رہی۔ پاکستان بنا تو ۱۳۷۰ھ میں حضرت مفتی صاحب پاکستان تشریف لائے۔ پھر تادم زیست ۴۵ سال تک جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء میں مسلسل اور انتھک طور پر فتویٰ کی خدمت انجام دی جو بلاشبہ جامعہ اشرفیہ کے لئے باعث برکت و شہرت بنی اور سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں افراد نے کسب فیض کیا۔

حضرت مفتی صاحب بہت متواضع غریب المزاج ہونے کے ساتھ انتہائی درجہ کے خوددار تھے، ہمیشہ غرباء فقراء کی طرح زندگی گذاری لیکن خودداری اور استغناء کا عالم یہ تھا کہ اگر کسی شخص کی طرف سے ذرا سی لاپرواہی اور بے اعتنائی

دیکھتے تو اس کے ساتھ دگنی استغناء کا معاملہ کرتے۔ اسی تواضع اور خودداری بلکہ ان دونوں باتوں سے بھی بڑھ کر فنائیت کاملہ اور ثواب عنداللہ کے گہرے جذبات کے تحت انہوں نے اس بات کی بھی کوشش نہیں کی کہ ان کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا ریکارڈ قائم کیا جائے اور محفوظ ہوتے چلے جائیں' اسے مفتی صاحب کی تواضع کہیں یا ارباب مدرسہ کا استغناء کہ جامعہ اشرفیہ میں حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا مطلقاً کوئی ریکارڈ نہیں رکھا گیا اور اب جو لوگ مفتی صاحب کے فتاویٰ کو جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ مختلف ذرائع سے ان فتاویٰ کو متفرق اشخاص اور مختلف رسائل سے حاصل کریں۔ البتہ حضرت مفتی صاحب نے کچھ عرصہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں افتاء کی خدمت انجام دی تو اس زمانہ کے فتاویٰ ایک رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

انداز فتویٰ:

حضرت مفتی صاحب عام مسائل کا جواب مختصر عطا فرماتے جس سے سائل کو مسئلہ معلوم ہو جائے' دلائل اور حوالوں کی فکر نہ فرماتے لیکن جن مسائل میں سوال کرنے والے کو تحقیق ہی مطلوب ہوتی یا حضرت مفتی صاحب اس میں تفصیل مناسب سمجھتے تو پھر وہ فتویٰ خوب شرح و بسط کے ساتھ لکھتے جن میں بالعموم دلائل سات' دس' بیس' چالیس کی تعداد میں ہوتے تھے۔ ان دلائل میں نقلی اور عقلی دلائل دونوں قسم کے دلائل ہوتے۔ شرعی دلائل کو عقلی حکمتوں اور مصالح سے ثابت کرنے کا مفتی صاحب کو خاص ملکہ تھا اور فتویٰ کے اندر اس معاملہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا چنانچہ ان کے مبسوط فتاویٰ عقلی حکمتوں اور مصالح سے بھرپور ہوتے تھے۔

فتویٰ میں احتیاط:

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ لکھنے اور مسئلہ بتانے میں غیر معمولی احتیاط فرماتے احقر سے بار بار فرمایا کہ میں مقلد ہوں اور سلف صالحین کی تحقیق کا پابند ہوں۔ یہ بھی فرماتے کہ ہم مفتی نہیں ہیں ہم ناقل فتویٰ ہیں۔ اکابر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے آگے نقل کر دینا اور مستفتی کو اس سے آگاہ کر دینا ہمارا کام ہے اور بس۔

اسی کمال احتیاط کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب فقہی کتب کی عبارات سے سرمنہ انحراف نہ فرماتے' نابالغہ کے نکاح میں سوء خیار کا مسئلہ درپیش ہوا تو مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شامی کی عبارت سے ہٹنا پسند نہ فرمایا حالانکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور اصول نہیں بلکہ جزئیہ تحریر فرمایا تھا لیکن حضرت مفتی صاحب کا خیال تھا کہ شامی کے اس جزئیہ کی مخالفت بھی کم از کم میرے لئے درست نہیں۔

اکابر کے عمل پر نظر:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بار بار اس کی بھی تاکید فرماتے کہ کتابوں کے ساتھ اپنے اکابر علماء اور فقہاء کے عمل پر لازماً نظر رہنی چاہئے' حضرت مفتی صاحب پورے جزم' مکمل اعتماد اور بھرپور یقین کے ساتھ یہ بات ارشاد فرماتے

کہ ہمارے اکابر کا عمل ہمیشہ راجح پر رہا ہے اگر اکابر کا عمل بظاہر عام کتابوں میں ذکر کردہ مسئلہ پر نظر نہیں آرہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کتابوں میں ذکر کردہ مسئلہ مرجوح ہے۔

اسی لئے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان مفتیان کرام کی تحقیق پر اعتماد نہ فرماتے جن کا مبلغ علم صرف کتب ہوتیں اور جو اپنی تحقیقات کے سامنے اکابر کا تعامل با آسانی رد کر دیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے اسی طرز فکر کی بناء پر اپنے سے کم عمر ایک معاصر صاحب فتویٰ کے فتاوی کی جلدوں پر صاف لکھ رکھا تھا کہ عبارات کے معاملہ میں ان صاحب کے حوالہ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی تحقیق پر فتویٰ دینا درست نہیں۔ مفتی صاحب ان صاحب فتویٰ کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ فلاں صاحب کی فقہ کی کتابوں پر خوب نظر ہے مگر ان کا فتویٰ (جو اکابر کے خلاف ہو وہ) قابل اعتماد نہیں۔ (اوکما قال)

فتویٰ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اعتماد:

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بہت احترام فرماتے۔ کئی بار احقر سے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب فتویٰ کے ہائیکورٹ تھے۔ ادھر ادھر سے جو مسئلہ لکھا جاتا آخری فیصلہ حضرت مفتی صاحب کے یہاں ہوتا تھا۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذاتی مسائل اور ذاتی معاملات میں بھی اپنے آپ سے فتویٰ لینے کے بجائے اس قسم کے معاملات میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھتے اور جو جواب آتا اس پر عمل فرماتے (یہ حضرت مفتی صاحب کی بے نفسی، دین میں احتیاط اور اپنے اکابر پر اعتماد کی ایک ادنیٰ مثال ہے)

جب حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام میں اس سانحہ کو محسوس کیا گیا لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حادثہ کی خاص تکلیف محسوس کی۔ ان دنوں میں احقر کی موجودگی میں ایک صاحب نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب کے سامنے اپنے تاثرات کا ذکر کیا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے بڑا نقصان ہو گیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر تو سنتے رہے پھر ایک خاص کیفیت میں فرمایا:

> ''تمہارا کیا نقصان ہوا؟ تمہیں کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو ہم سے معلوم کر لینا۔ نقصان تو ہمارا ہوا ہے ہمیں اب مسئلہ معلوم کرنا ہوگا تو کس سے معلوم کریں گے؟۔''

صدر ایوب خان مرحوم کے زمانہ میں ایک مرتبہ رویت ہلال کا مسئلہ درپیش آیا آخر شب میں حکومت نے چاند کا اعلان کر دیا۔ شہادتیں ناکافی تھیں۔ فجر کی نماز کے بعد احقر اپنے والد ماجد مولانا زکی کیفی مرحوم کے ہمراہ جامعہ اشرفیہ حاضر ہوا۔ تو مدرسہ کے دفتر میں جو اس وقت مسجد کے حوض کی بالائی سطح پر تھا علماء جمع تھے' حضرت مولانا عبید اللہ مدظلہم شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی تشریف رکھتے تھے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ باہر سے ٹیلی فون کی بھر مار تھی۔ لوگ مہتمم صاحب سے مسئلہ پوچھتے تو مہتمم صاحب حضرت مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کر دیتے۔ حضرت مولانا ادریس صاحب فرماتے کہ بھائی یہ تو شرعی مسئلہ ہے اس میں تو مفتی صاحب کی بات چلے گی اور پھر مفتی جمیل احمد صاحب کی طرف اشارہ فرما دیتے۔ مفتی صاحب فرماتے کہ حکومت جانے اور اس کا مسئلہ میں بہر حال روزہ سے ہوں (یعنی آج عید نہیں ہے) اسی دوران کراچی حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بات ہوئی اور پھر بالآخر مسئلہ کا صاف اعلان کر دیا گیا۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اتنی محبت وعقیدت کے باوجود حضرت مفتی صاحب کو بعض مسائل میں اختلاف بھی رہا اور چند مسائل میں حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے موافق نہ تھا ان میں نابالغہ کے نکاح میں سوء خیار اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز کا عدم جواز جیسے مسائل شامل تھے۔

بعض اہم مسائل میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا حضرت مفتی صاحب فتویٰ کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے وہ اکابر علماء کے فتاویٰ تو در کنار ان کے عمل کے خلاف موقف اختیار کرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ اسی بناء پر معاصر علماء کے بعض فتاویٰ کے بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ ان حضرات سے سابق اکابر کی تصریحات زیادہ قابل اعتناء اور قابل اعتماد ہیں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت نے احقر کو چند مسائل لکھوائے جن پر مفتی صاحب کی رائے دیگر معاصر مفتیان کرام سے مختلف تھی اور فرمایا کہ ان مسائل پر تحقیق کی ضرورت ہے ان میں نابالغہ کے نکاح میں سوء خیار اور لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے عدم جواز کے دو مسائل کے علاوہ چند مسائل اور بھی تھے۔

۳- کیا وطن اقامت ثقل سے باقی رہتا ہے؟ ''مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے تھی کہ محض ثقل کے باقی رہنے سے وطن اقامت باقی نہیں رہتا مفتی صاحب فرماتے تھے کہ سلف اسی پر فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں۔

۴- یہ بات عام طور پر لوگوں میں مشہور ہے کہ جیل میں جمعہ جائز نہیں جبکہ حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ جواز کا تھا اور وہ اس پر مدلل تحریر کے خواہش مند تھے۔

۵- مفتی صاحب کو کسی نے یہ اطلاع پہنچائی کہ ایک معاصر نے ٹی وی کو ''نجس العین'' کہا ہے مفتی صاحب اس ''فتویٰ'' سے سخت نالاں تھے۔ خود ٹی وی کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص ممتاز موقف تھا جو ان شاء اللہ احقر آگے ذکر کرے گا۔

۶- معاصر علماء کی طرف سے بنک کی ہر قسم کی ملازمت کے عدم جواز کے فتویٰ سے بھی مفتی صاحب کو اتفاق نہ تھا۔ اس موضوع پر ان کا موقف بھی چھپ چکا ہے جسے ان شاء اللہ احقر آگے نقل کرے گا۔

۷- تین تسبیح کے بقدر سوچتے رہنے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے مگر تین تسبیح سے کیا مراد ہے؟ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس میں مزید تحقیق کے خواہاں تھے۔''[1]

ٹی وی سے متعلق حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

ٹی وی پروگرام فی الوقت جن کبیرہ گناہوں اور فواحش ومنکرات پر مشتمل ہیں' ان کے پیش نظر گھر میں ٹی وی رکھنا ممکن نہیں اور نہ ان پروگراموں کے بارے میں دورائیں ہوسکتی ہیں۔ لیکن ٹی وی کے حرام استعمال سے قطع نظر اگر ٹی وی کو صرف جائز کاموں میں استعمال کیا جائے تو بطور آلہ اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

اس علمی مسئلہ پر اکابر علماء نے اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس بارے میں ایک موقف تھا۔ چنانچہ ۱۴۰۹ء میں جبکہ احقر جامعہ اشرفیہ لاہور ہی میں خدمت انجام دے رہا تھا ایک صاحب نے ٹی وی سے متعلق ایک استفتاء بھیجا حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا جواب لکھا جس کی نقل احقر نے اپنے پاس تحریر کر لی تھی جو یہ ہے:

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ٹی وی دیکھنا یا گھر میں رکھنا کس حد تک جائز ہے آیا صرف خبریں سننے اور علماء کی تقاریر سننے کے لیے یا کرکٹ میچ دیکھنے کے لیے اور ان جیسے جائز مقاصد کے لیے جائز ہے یانہیں؟ نیز علماء کا ٹی وی پر آنا جائز ہے یانہیں؟ اگر یہ سب صورتیں ناجائز ہیں تو آیا کوئی ایسی صورت بھی ہے جس کا اہتمام کیا جائے اور ٹی وی کا دیکھنا جائز ہو جائے۔ جو علماء ٹی وی کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں ان پر فاسق کا حکم لگا سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب مبسملا محمدلا ومصلیا ومسلما:

بعض آلات تو آلات لہو ولعب ہیں صرف اسی لئے وضع کئے گئے ہیں اس کے سوا کوئی نیک کام ان سے نہیں ہوسکتا یانہیں ہوتا' ان کا استعمال ہرطرح گناہ' اس لئے ان کا رکھنا خرید وفروخت کرنا ان کی مرمت کرنا سب گناہ ہیں جیسے ہارمونیم طبلہ سارنگی ستار اور باجے سب بلکہ ان پر خیر کی توہین ہے۔

اور بعض آلات وہ ہیں جو صرف ایک بات کو دوسرے تک پہنچانے والے ہیں خواہ یہ بات خیر ہو یا شر تو ان کے خیر میں استعمالات جائز اور شر میں گناہ ہیں خیر کے لیے بھی ہو سکنے کی وجہ سے ان کا خریدنا فروخت کرنا مرمت کرنا اور اس انتظام سے کہ شر میں استعمال نہ ہو گھر میں رکھنا بھی جائز ہے۔ ان پر تقریروں اور تلاوتوں اور خبروں' جائز باتوں کا سننا سب جائز ہے جب تک وہ ناجائز امور میں استعمال نہ ہوں یہ استعمالات درست ہیں ناجائز میں استعمال ہونے پر ناجائز ہوگا گناہ ہوگا۔ بہت سے علماء تفصیل نہیں کرتے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

---

[1] بحمد اللہ اس مسئلہ پر حضرت مولانا مفتی عثمانی صاحب مدظلہم کی مدلل تحریر شائع ہوگئی ہے۔۱۲

سنا ہے بعض ٹی وی والے فلم بناتے ہیں تو تصویر کے مجرم وہ ہیں نہ کہ مقرر جب کہ یہ نہ کہے۔

از دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور۔

۹-رجب ۱۴۰۹ھ

اس مسئلہ سے متعلق زبانی گفتگو:

اس فتویٰ کی نقل حاصل کرنے کے بعد احقر نے زبانی کچھ باتیں پوچھیں اس کا جواب حضرت نے ارشاد فرمایا اسے احقر نے اسی وقت ضبط کرلیا تھا وہ گفتگو درج ذیل ہے:

احقر نے زبانی یہ مسئلہ دوبارہ پوچھا تو فرمایا: جو چیز ٹی وی سے باہر دیکھنا ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز اور جو باہر جائز وہ یہاں بھی مثلاً مرد کا مرد کو دیکھنا جائز، مرد کا نامحرم عورت کو دیکھنا ناجائز کشف عورت وغیرہ ناجائز۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرت ٹی وی میں تو فلم بنائی جاتی ہے جس میں تصویر ہے اس کا دیکھنا کیسے جائز ہے؟ فرمایا یہی غلط مشہور ہے کہ تصویر دیکھنا ناجائز ہے ارے بھائی تصویر بنانا ناجائز ہے، تصویر رکھنا ناجائز ہے مگر اس کا دیکھنا ناجائز نہیں، فرمایا: دیکھو کتا حرام، بلاضرورت اسے رکھنا حرام مگر دیکھنا تو حرام نہیں مزید یہ کہ تصویر والی حدیث میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا تھا ''پاؤں کے نیچے بچھالیں'' تو جب رکوع میں جائے گا تو نظر پڑے گی معلوم ہوا دیکھنا جائز ہے۔

فقہاء نے یہ مسئلہ اور اس جیسے دوسرے مسائل لکھے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہے۔

اور ''تصویر کے شرعی احکام'' میں مالکیہ کی کتاب "ویحرم النظر الیه اذا النظر الی المحرم" حرام سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ واضح نہیں۔ بظاہر اس عبارت میں المحرم سے محرم الکشف[1] مراد ہے۔ ورنہ تو گدھے بلی کتاب وغیرہ سب کو دیکھنا حرام ہوگا کیونکہ وہ بھی محرم ہیں اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تصویر کی طرف دیکھنا من حیث التصویر ناجائز نہیں ہاں دوسری وجوہات کی بناء پر ناجائز کہا جا سکتا ہے۔

احقر نے علماء کے ٹی وی پر آنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جب ٹی وی کا استعمال خیر میں جائز ہوا تو علماء کا آنا بھی جائز۔ جو پروگرام براہ راست ہوں وہ تو ایسے ہیں جیسے عکس دیکھا کہ اس میں عدم جواز کیا؟

احقر نے عرض کیا کہ اب تو ہر پروگرام کی فلم بنائی جاتی ہے فرمایا اگر یہ شخص اپنے اختیار سے فلم بنواتا ہے یا اسے کہتا ہے تو گنہگار ہے اور اگر اس نے نہیں کہا اور انہوں نے خود فلم بنالی تو چونکہ واسطہ ذی اختیار ہے اس لئے گناہ اس کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ اس مقرر کی طرف۔۔۔ پھر فرمایا باقی جس جگہ تصویریں بنائی جارہی ہوں وہاں نہ جانا ہی افضل ہے۔

احقر نے آخر میں استطراداً عرض کیا کہ حضرت اگر ٹی وی والے آپ کو بلائیں تو آپ تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا میں کیوں جاؤں گا؟ (یعنی نہیں جاؤں گا مجھے جانے کی کیا ضرورت؟)

---

1. حضرت مفتی صاحب کی بات بڑی موجہ ہے مگر مالکیہ کی اصل محولہ عبارت ہے اس کی تائید مشکل معلوم ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بنک کی ملازمت سے متعلق مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

بنک کی ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں بھی بنک کی ملازمت کے علی الاطلاق ناجائز ہونے کے قائل نہ تھے بلکہ اس مسئلہ میں تفصیل کرتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب کے اس سوال پر کہ بنک میں ملازمت کرنی جائز ہے یا نہیں؟ حضرت نے درج ذیل فتویٰ تحریر فرمایا جو ماہنامہ الحسن شمارہ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ میں طبع بھی ہوا یہ فتویٰ آگے نقل کیا جاتا ہے نمبر، قوسین، اور حاشیہ کی عبارت احقر نے اضافہ کی ہے۔

الجواب:

۱- عالمگیری اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے اور سب جانتے ہیں کہ جس کی کل آمدنی حرام ہو تو اس سے ہر معاملہ حرام ہے اس کے ہاتھ کچھ فروخت کرنا کرایہ پر دینا، فیس لینا، تحفہ ہدیہ لینا دعوت لینا سب بالکل حرام ہیں اور جس کی کل یا اکثر آمدنی حلال ہے اس سے یہ سب معاملے حلال ہیں، اور مخلوط آمدنی میں اگر حرام زیادہ ہو تو یہ سب معاملات مکروہ تحریمی ہیں اور حلال زیادہ ہو تو حلال ہیں۔[۱]

۲- دوسری بات یہ غور طلب ہے کہ جو کام حرام ہے اس کی تنخواہ بھی حرام ہے جو (کام) مکروہ تحریمی اس کی تنخواہ بھی مکروہ تحریمی۔ جو کام حلال اس کی تنخواہ بھی حلال ہے۔ ان دونوں قاعدوں کو مدنظر رکھ کر دیکھنا ہے کہ بنک میں کیا کیا ہوتا ہے؟ کیا حرام؟ کیا مکروہ تحریمی؟ اور کیا (کام) حلال و جائز ہے؟

پہلے قاعدہ سے چونکہ بنک کے خزانہ میں جو رقم ہے اس میں سود بھی ہے، کرایہ بھی ہے، بلٹی چھڑانے کی فیس بھی ہے، کوئی تجارتی شعبہ ہو تو اس کی رقم بھی ہے اور سب سے زائد وہ رقم ہے جو لوگ بنک میں رکھتے ہیں کیونکہ وہ قرض دی ہوئی ہے اسی سے ردوبدل ہوتی ہے۔[۲] تو ان سب آمدنیوں میں صرف سود یا بیع فاسد کی رقم تو حرام، باقی رقمیں جائز ہیں، حلال ہیں۔ اس لئے تنخواہیں تو (فی نفسہ) حلال ہی ہوگی اگر کام حرام نہ ہو۔ تو ان کی (یعنی بنک کے) جمعدار، چوکیدار، چپڑاسی، جلد ساز وغیرہ کی (تنخواہ) حلال ہے۔

دوسرے قاعدہ کی بناء پر حلال رقم سے تنخواہ اس وقت حلال ہو سکتی ہے جب حلال کام کی ہو۔ اگر حرام کام ہوگا تو

---

[۱] اس چوتھی صورت میں جب کہ کسی شخص کا اکثر مال حلال ہو اور اقل حرام ہو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زبانی طور پر کئی مرتبہ سننا یاد ہے کہ ایسی صورت میں جملہ معاملات حلال ہیں مگر خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہیں۔ ۱۲ محمود عفی عنہ۔

[۲] حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ بنک اکاؤنٹس میں جو رقوم جمع کراتے ہیں وہ اگرچہ لوگوں کے نام پر جمع ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ رقوم بنکوں کے ذمہ قرض ہوتی ہیں اور فقہی قاعدہ کے مطابق یہ رقوم بنک کی اپنی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے بنک ان رقوم میں تصرف کرتا ہے اور ان رقوم کو علیحدہ محفوظ رکھنے کے بجائے ان میں ردوبدل کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لئے آزادانہ استعمال کرتا ہے۔ محمود غفر اللہ لہ۔ ۱۲

اس کام کی بقدر اس کی تنخواہ حرام ہوگی باقی جائز کاموں کی تنخواہ جائز۔ لہذا جس کو سود لینا دینا' لکھنا' پڑھنا' سود کی دلالی کرنا اور سود کی جانچ پڑتال کرنا پڑتا ہے اس کی تنخواہ اس کام کے بقدر حرام (ہوگی) اور (اگر دوسرے) حلال (کام) بھی ہوں تو ان کی (تنخواہ) حلال ہوگی۔ (اب) اگر اس کا حلال زائد (زیادہ) ہے تو اس کی آمدنی حلال زائد (زیادہ) ہوئی اس کے ساتھ پہلے قاعدہ والے (یعنی پہلے قاعدہ کے مطابق) معاملات جائز ہوں گے اور اگر حرام کام زائد ہے پھر اس کے ساتھ پہلے قاعدہ (ہی) کے (مطابق) معاملات مکروہ تحریمی ہوں گے۔

اندازِ تحریر:

حضرت مفتی صاحب کی تحریری اور زبانی عبارت بالعموم مختصر اور حشو و زوائد سے خالی ہوتی تھی بلکہ بعض مرتبہ اختصار کی بناء پر مخاطب کے لئے سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ انتقال سے کافی عرصہ قبل آنکھ بنوانی پڑی اور اس کے بعد بینائی کا موٹا چشمہ لگانا پڑا اس کی وجہ سے مفتی صاحب کو اپنی تحریر شدہ عبارت موٹی نظر آتی مگر وہ باریک ہوتی تھی۔ کچھ تو حضرت مفتی صاحب کی عبارت مختصر' نیز شروع سے مفتی صاحب طبعی طور پر باریک خط میں تحریر کرتے تھے جبکہ الفاظ قریب قریب ہوتے۔ بعد میں آنکھ بنوانے کی وجہ سے خط اور زیادہ خفی ہوگیا علاوہ ازیں ضعف کی وجہ سے نقطے اور شوشے بکثرت رہ جاتے تھے اس لئے مفتی صاحب کی تحریر کردہ عبارت پڑھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ احقر ایک مرتبہ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لاہور سے کراچی لے کر حاضر ہوا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ارے بھائی میں یہ تحریر کیسے پڑھوں؟

آخر حیات میں حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برادرِ عزیز مسعود اشرف سلمہ کو ''اصلی نماز'' کے نام سے ایک تحریر لکھ کر دی اور تاکید فرمائی کے اسے جیبی سائز میں چھاپ دو اس کے اتنے (غالباً دو یا تین ہزار) نسخے میں خود خرید کر تقسیم کروں گا۔ مسعود میاں سلمہ نے پڑھنے کی کوشش کی مگر نہ پڑھی گئی کاتب نے کوشش کی مگر اس کے قابو میں بھی نہ آئی۔ نتیجہ یہ کہ حضرت مفتی صاحب کی یہ تحریر ان کی خواہش اور اصرار کے باوجود طبع نہ ہوسکی انتقال کے بعد احقر نے کوشش کی اور اسے صاف کاغذ پر منتقل کیا جہاں احقر کو بھی کچھ سمجھ میں نہ آیا تو قریب ترین الفاظ سے اس تحریر کو مکمل کیا۔ یہ رسالہ بحمد اللہ زیر طبع ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور احقر کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین۔

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں مسلسل تحریری کام کیا۔ وہ تقریر کے نہیں تحریر کے آدمی تھے' ان گنت فتاویٰ ان کے قلم سے جاری ہوئے' بے شمار مضامین اور عربی اردو فارسی نظمیں انہوں نے لکھیں جو معروف دینی رسائل میں طبع ہوئیں اور جیسا کہ شروع میں تحریر کیا گیا ''المظاہر''، ''دیندار'' تو خود ان کے اپنے جاری کردہ رسائل تھے جو ان کے اپنے مضامین سے پر ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں خدام الدین۔ ترجمان اسلام' صورت الاسلام' پیام مشرق' البلاغ اور متعدد دینی رسائل میں ان کے علمی مضامین چھپتے رہے مگر جب حضرت مفتی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کے پاس نہ اپنے مضامین کے اصل مسودات تھے اور نہ مطبوع رسائل۔ سلف کی سی عبدیت و فنائیت' اپنے کمال تواضع' اور بے نفسی کی وجہ سے انہوں نے ان مضامین کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ انہوں نے جو لکھا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لکھا' اور پھر اللہ ہی کے سپرد کر دیا۔ ان للّٰہ ما اخذ و لہ ما اعطی۔

احقر نے ان کی خواہش پر ان کی زیر نگرانی سلمان رشدی کے فتنہ ارتداد کے سلسلہ میں توہین رسالت اور اس کی سزا پر ستر اسی صفحات کا ایک مضمون مرتب کیا تھا جس کی عبارات احقر نے جمع کی تھیں ان کا ترجمہ بھی احقر نے کیا اور باقی مضمون حضرت مفتی صاحب کا تھا۔ احقر کی حیثیت ناقل کی تھی اصل فتویٰ حضرت کا تھا۔ یہ مضمون ماہنامہ ''الحسن'' کی ایک اشاعت میں طبع ہوا تھا۔ حضرت کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل احقر نے چاہا کہ کم از کم حضرت مفتی صاحب کا یہ ایک مضمون ہی کتابی شکل میں طبع ہو جائے چنانچہ احقر نے اسے ترتیب دے کر توہین رسالت اور اس کی سزا کے نام سے طبع کرنے دیا۔ مگر قدرت کا کرشمہ کہ یہ کتاب بھی حضرت کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد ہی طبع ہو کر آئی۔ احقر کو ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت مفتی صاحب نے اپنی زندگی میں اس دنیائے دنی سے کوئی جزا نہ لینے کا تہیہ کیا ہوا تھا جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے ان کے سب کاموں کا پورا پورا اجر آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ من عندہ خیر الجزاء بما ھو اھلہ۔

حضرت مفتی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے سب سے بڑے صاحبزادہ استاذ محترم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب مدظلہم اور سب سے چھوٹے صاحبزادہ عزیزم مولانا خلیل احمد تھانوی سلمھم اللہ نے حضرت کے ماٰثر کو جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اور جناب خلیل میاں بہت تندہی سے یہ کام کر رہے ہیں۔

امید ہے کہ ان شاء اللہ حضرت کے یہ ماٰثر و معارف جمع ہو کر سامنے آئیں گے تو امت کے لیے بہت نفع کی چیز ہو گی۔ خلیل میاں کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ وہ مفتی صاحب کے آخری سالوں میں ان کے دست و بازو بنے رہے بلکہ بلا مبالغہ انہوں نے مکمل ادب' پوری سعادت مندی' اور حکمت و دانائی سے اپنے والد کی ایسی خدمت کی ہے جس کی مثال کم از کم احقر کے سامنے نہیں۔ امید ہے کہ اپنے والد کی یہ محبت بھری جسمانی خدمت ان شاء اللہ اب ان کے لیے روحانی اور علمی خدمت کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔

مسکنت اور بے نفسی:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے احقر کو محض اپنے فضل و کرم خاص سے اولیاء اللہ اور اپنے زمانہ کے اکابر علماء کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے بلا استحقاق نوازا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تو بہت حاضری رہی بلکہ حاضر باش رہا۔ احقر نے حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ) کے یہاں بے نفسی مسکنت اور دنیا سے دل سرد ہو جانے کی خاص کیفیت عجیب و غریب محسوس کی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا' والدہ' بہنوں اور چھوٹے بھائی مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم و بانی

جامعہ اشرفیہ سکھر) کی کفالت انہیں کے سر تھی پھر غربت و افلاس کا دور دورہ رہا۔ اس لئے مفتی صاحب نے بڑی مشقت کی زندگی برداشت کی اور بہت تکلیفیں اٹھا کر علم دین کا پرچم تھامے رکھا۔

شادی کے بعد بھی بعض اقرباء و متعلقین کی طرف سے تکوینی طور پر دل ٹوٹنے کے ایسے واقعات پیش آئے جن سے حضرت مفتی صاحب کی طبیعت پر غیر معمولی اثرات پڑے پھر جن اداروں سے ان کا تعلق رہا وہاں بھی ان کی ہمت افزائی کم ہوئی بلکہ عدم تعاون کا عمل زیادہ جاری رہا اس طرح انہوں نے تقریباً پوری زندگی تنہا گذاری اس تنہائی میں ان کی غمگسار و مونس وہ ذات باری تعالیٰ تھی جس کی پناہ ہر مسکین و غریب کے لیے سرور قلب و نظر ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا مظہر تھے۔

"اللهم احيني مسكينا و امتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين"

اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھئے' مسکنت کی موت عطا کیجئے اور مساکین کے گروہ میں مجھے اٹھایئے۔''

حضرت مفتی صاحب آخر شب میں تین چار بجے اٹھ بیٹھتے تھے پھر وہ ہوتے اور ان کا پروردگار' بعد میں دن بھر وہ ہوتے اور مسلسل دینی کام۔ مفتی صاحب روزانہ پیدل یا بس کے ذریعہ پہلے گولڈنگ روڈ نزد گنگا رام کے گھر سے جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد تشریف لاتے' پھر جب ماڈل ٹاؤن تشریف لے گئے تو وہاں سے مسلم ٹاؤن جامعہ اشرفیہ بس کے ذریعہ تشریف لاتے اور بس کے ذریعہ ہی واپس جاتے۔ ایک پرانے کپڑے کے بٹوہ میں چند سکے ان کے پاس ہوتے جن کے ذریعہ وہ بس کا کرایہ ادا کرتے۔ شدید گرمی کے زمانہ میں وہ ساری دوپہر دارالافتاء میں گذارتے۔ ایسی گرمی میں چند پیسوں کا برف منگوا کر ایک پرانے تھرماس میں وہ برف رکھتے اس تھرماس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر نکالتے۔ ایک اجلے کٹورہ میں پانی نکال کر اس ٹھنڈے یخ بستہ پانی کو گھونٹ گھونٹ پی کر ختم کرتے۔ یہ غالباً ان کی سب سے بڑی ''عیاشی'' تھی جس کے وہ عادی تھے۔ ورنہ چائے یا اور دوسری چیزوں کی انہیں کوئی خاص رغبت نہ تھی۔ عصر کے بعد بس کے ذریعہ ہی واپس گھر روانہ ہوتے۔ کبھی کبھار کوئی صاحب اسکوٹر پر حضرت کو ماڈل ٹاؤن لے جاتے تو مشقت کچھ کم ہو جاتی۔ آخر حیات میں ضعف زیادہ ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ کے منتظمین نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لانے اور لے جانے کے لیے مدرسہ کی کار کا بندوبست کر دیا جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لاتی اور لے جاتی تھی جس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مشقت ختم ہوئی۔

ابتدائی زندگی میں حضرت کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے برابر تھے بچے بھی زیر تعلیم تھے اس لئے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ تنگ رہا۔ البتہ بعد میں صاحبزادگان ماشاء اللہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو وسعت ہو گئی۔

آخر حیات میں فرماتے کہ '' مجھے زندگی بھر یہ خواہش رہی کہ میں شامی کا ایک نسخہ ذاتی طور پر اپنے لئے خریدوں اس کی اس طرح جلد بندی کراؤں کہ ہر صفحے کے بعد ایک صفحہ سفید کاغذ کا لگا ہو۔ پھر ہر مسئلہ سے متعلق شامی کے علاوہ دوسری

کتابوں میں جو کچھ لکھا ہو وہ شامی کے سامنے نقل کر دوں تا کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام پہلو ایک جگہ جمع ہو جائیں۔مگر افسوس کہ زندگی بھر اتنے پیسے ہی نہ ہوئے کہ اپنی شامی خرید سکوں پھر فرمایا کہ اب بحمد اللہ وسعت ہوگئی ہے مگر صحت ہی ختم ہوگئی ہے۔[1]

شگفتگی زندہ دلی اور ہمت:

مسکنت' بے نفسی' اور مشقت کی اس زندگی کے ساتھ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دل زندہ تھا' ان کی ہمت بلا کی تھی اور ان کی شگفتہ طبعی اور چٹکلے اپنی مثال آپ تھے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے دارالافتاء میں ایک دن ایک تاجر جن کا حضرت سے محبت کا پرانا تعلق تھا حاضر ہوئے' دروازہ ہی سے اپنی کمزوری اور بیماریوں کی شکایت کرنے لگے کہ حضرت میں بھی کمزور ہوگیا ہوں اب مجھ سے زیادہ نہیں چلا جاتا۔حضرت نے پوچھا ارے بھائی اب تمہاری عمر کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضرت ساٹھ سال سے زیادہ ہوگئی ہے۔(حضرت مفتی صاحب کی اپنی عمر اس وقت ۸۷ سال تھی) حضرت ان کی بات سن کر سیدھے کھڑے ہو گئے فرمایا تم بڈھے ہو گئے ہو گے مگر میں تو ابھی جوان ہوں ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ ۴۳ اور ۴۴ سال تو کل میری عمر ہے۔(۴۳+۴۴=۸۷)

ایک مرتبہ احقر حاضر ہوا عرض کیا حضرت طبیعت کیسی ہے کیا حال ہے؟ فرمایا بس اب میں دکان دار نہیں رہا؟ احقر نے عرض کیا کہ حضرت تو پہلے بھی دکان دار نہ تھے۔فرمایا نہیں! پہلے میں ''دوکان دار'' تھا میرے دونوں کان صحیح کام کرتے تھے آج کل ایک کان بند ہے دوسرا کام کر رہا ہے۔اس لئے اب میں ''ایک کان دار'' ہوگیا ہوں۔

پھر فرمایا کہ دکاندار کو بھی دوکاندار اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کے دونوں کان اور دونوں آنکھیں گاہکوں کی بات سننے اور انہیں دیکھنے میں منہمک رہتی ہیں۔کبھی ایک گاہک کی بات سنتا ہے کبھی دوسرے گاہک کی۔

ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب کراچی تشریف لائے۔کراچی وسیع شہر ملنا ملانا مشکل۔ایک صاحب حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوئے' ایک کار کا بندوست کیا اور مختلف جگہوں میں حضرت مفتی صاحب کو ملایا۔حضرت مفتی صاحب کی اپنے بھتیجے مولوی راحت علی صاحب سے ملاقات ہوئی تو فرمایا بھائی آدمی کراچی آئے اور سب سے ملنا چاہے تو دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک کار اور دوسرا بیکار۔(یعنی ایک تو کار ہو اور دوسرا کوئی ایسا شخص ہو جو فارغ ہو اور سب سے ملاقات کرادے)

---

[1] حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جتنی کتابیں رہی ہیں وہ کسی دوسرے مصنف کے سامنے نہیں رہیں اس لئے شامی کی تحقیق سب سے زیادہ قابل قبول ہے لہٰذا اگر کچھ کتابیں ان کی نظر سے نہ گذری ہوں یا کوئی تحقیق کسی اور کتاب میں موجود ہو' اور وہ شامی کے حاشیہ پر درج کر دی جائے تو مفتیان کرام کے لیے بہت نافع صورت ہو جائے گی۔

حضرت مفتی صاحب کی عام گفتگو میں یہ لفظی اور علمی لطائف بکثرت ہوتے تھے۔ غالباً حضرت کے صاحبزادہ مولانا خلیل احمد صاحب نے انہیں جمع کرنا بھی شروع کیا ہے۔

احقر پر خصوصی شفقت اور احسان:

اس ناچیز پر حضرت والا کی شفقت بحمد اللہ بچپن ہی سے بلا استحقاق رہی۔ احقر کی عمر دس سال تھی جب حفظ قرآن مکمل ہوا۔ احقر کے دادا حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر فارسی میں ایک نظم تحریر فرمائی جس کے ابتدائی دو شعر یہ تھے:

اے کہ نعمت ہائے تو بالاتر از حسبان ما
ہم بتو فریاد ما از تنگی دامان ما
مانبودی و تقاضا ما نبودہ اے کریم
خود زجود تو وجود ما وہم ایمان ما

اور آخری شعر تھا:

بہر سال حفظ قرانش دعایم یاد دار
عالم قرآن گردو حافظ قرآن ما
۱۳۸۱ھ

اس موقع پر حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اردو میں ایک طویل نظم تحریر فرمائی جو اس شعر سے شروع ہوتی تھی:

خدائے وحدہ کا خاص جب احسان ہوتا ہے
تو پتلا خاک کا یوں حافظ قرآن ہوتا ہے

اور درمیان کے چند شعر یہ تھے:

مبارک ہو میاں محمود تم کو اس قدر نعمت
کہ تم پر حق تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہے
خدا نے آج تو حافظ بنایا تم کو قرآن کا
مگر حافظ وہ ہے جو ماہر قرآن ہوتا ہے
خدا وہ دن کرے تم حافظ وقاری ہو عالم ہو
وہ عالم ہو کہ جس پر سایہ رحمان ہوتا ہے

کرو تم نام روشن خاندان علم و تقویٰ کا
وہ رتبہ پاؤ جو علم و عمل کی جان ہوتا ہے

اردو میں ایک قطعہ تاریخ لکھا جس کا دوسرا شعر یہ تھا:

ہاں ہاں مبارک آپ کو سب اقرباء احباب کو
تاریخ اگر پوچھے کوئی کہہ ''حفظ قرآن ہو گیا''
۱۳۸۱ھ

ایک قطعہ تاریخ فارسی زبان میں تحریر فرمایا جو یہ تھا:

محمود تو حافظ شدی عالم کناد اللہ ہم
تاریخ می پرسند اگر گو حافظ قرآن ام
۱۳۸۱ھ

احقر کی شادی ہوئی تو تاریخ نکالی ''شُغِفَ بِهَا حُبًّا''۔

احقر کو بحمد اللہ حضرت سے جلالین شریف اور ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ جامعہ اشرفیہ لاہور سے دورہ حدیث کرنے کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی میں اپنے جد مشفق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تخصص فی الافتاء کے عنوان سے رہنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کے بعد واپس جا کر جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت استاذ تقرر ہوا تو حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دارالافتاء میں بیٹھنے اور کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ دارالافتاء لاہور میں حضرت کے پاس بیٹھنا اور حضرت سے استفادہ کرنا بہت مشکل ہے لیکن حق تعالیٰ کا کیسے شکر ادا ہو اور حضرت مفتی صاحب کے احسانات کا کیسے شکریہ ادا کروں کہ حضرت نے اس ناکارہ و آوارہ پر بہت ہی شفقت فرمائی اور اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ البتہ دو سال بعد فرمایا کہ ''بحمد اللہ تمہیں مناسبت ہے اور تم یہ کام کر سکتے ہو مگر میرا مشورہ یہ ہے کہ تم کتابیں پڑھاؤ اور جب موقوف علیہ تک کی کتابیں پڑھا لو پھر یہ کام کرو تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔''[1] چنانچہ حسب ارشاد احقر کتب کی طرف متوجہ رہا اور مدرسہ کا سارا وقت تدریس میں لگانے لگا۔

احقر کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی وجہ سے بہن بھائیوں اور ادارہ اسلامیات کی ذمہ داری احقر پر پڑ گئی تو خاصے طویل عرصہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دارالافتاء کے باضابطہ تعلق میں انقطاع رہا اور دارالافتاء

---

[1] حضرت مفتی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ وہی مفتی صحیح طور پر فتویٰ کا کام سرانجام دے سکتا ہے جس نے کم از کم موقوف علیہ تک کی تمام کتب (فنون سمیت) پڑھالی ہوں اور ایک عرصہ کسی جید مفتی کی زیر نگرانی فتویٰ کا کام کرتا رہا ہو ورنہ اس کا فتویٰ کچا رہتا ہے۔

اور دارالافتاء میں باقاعدہ بیٹھنے کی سعادت سے محرومی رہی۔ یہاں تک کہ چھوٹے بھائی بڑے ہو گئے اور احقر کی گھریلو ذمہ داریوں میں کچھ تخفیف ہوگئی ادھر آہستہ آہستہ نیچے کی تمام کتابیں پڑھتا ہوا بحمد اللہ احقر موقوف علیہ تک پہنچ گیا تو حضرت مفتی صاحب احقر کو تاکید کرنے لگے کہ اب تم دارالافتاء میں کام شروع کرو۔ کئی مرتبہ احقر کو دیکھ کر فرمایا: کہ سب کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے مگر تمہیں دیکھ کر رنج ہوتا ہے احقر نے عرض کیا حضرت کیوں؟ فرمایا تم کام کر سکتے ہو مگر آتے نہیں۔

الحمد للہ کہ آخر میں پھر پابندی کے ساتھ احقر دارالافتاء جانے اور حضرت کے پاس بیٹھنے لگا۔ اپنی غفلت کی بناء پر گو حضرت سے وہ حاصل نہ کر سکا جو کرنا چاہئے تھا مگر حضرت کی زیارت، اور صحبت کی برکات سے بحمد اللہ محرومی نہ رہی ؎

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

البتہ اب پچھتاوا ہوتا ہے کہ عمر ضائع کر دی اور ایسی بے مثال شخصیت کی قدر کی اور نہ ان سے صحیح طور پر استفادہ کیا۔ ان کی شفقتیں یاد آتی ہیں تو دل مسوس کر رہ جاتا ہے لیکن اب پچھتانے سے کیا حاصل؟

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ غفر اللّٰہ تعالیٰ لہ ورحمہ رحمۃ واسعۃ واعلی اللّٰہ تعالیٰ درجاتہ فی الجنۃ وجزاہ اللّٰہ تعالیٰ عنا خیر الجزاء۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور اپنی بارگاہ سے انہیں اجر جزیل عطا کریں۔ آمین۔

ازمولانا محمد اکرم کاشمیری صاحب:

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

فقیہ دوراں، امام المعقول والمنقول، مصلح الامہ، شیخ المشائخ، استاذ الاساتذہ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ حیات مستعار و ناپائدار کی تقریباً ترانوے بہاریں دیکھ کر اور ان میں سانس لینے والی مخلوق انسانی کی بڑی تعداد میں علم و ادب کی رہتی دنیا تک باقی رہنے والی خوشبوئیں بکھیر کر مسائل فقیہ میں انمٹ نقوش چھوڑ کر آخر زندگی کی بازی ہار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۱۹۹۴ء دسمبر کی ۲۵ کو علم و عمل کا یہ سورج دنیا سے غروب ہو گیا ایک ایسی ہستی کی موت جس نے ساری زندگی قال اللہ اور قال الرسول میں گذاری ہو جس نے اپنی زندگی کے شب و روز دین متین کی خدمت کے لئے وقف کر رکھے ہوں جو ہزاروں نہیں لاکھوں فتاویٰ پورے عالم میں جاری کر چکا ہو جس کا نام افتاء کی دنیا میں سند کی حیثیت اختیار کر چکا ہو جو لانیحل مسائل کو چٹکیوں میں حل کر سکتا ہو جو قرآن و حدیث کے رموز سے کماحقہ واقف اور روشناس ہو جس کی فقہ علی المذاہب الاربعہ پر گہری نظر ہو جو مسائل جدیدہ کو فقہی اصولوں کے مطابق قرآن و حدیث سے مستنبط کرنے میں ید طولی رکھتا ہو، جو جدید و قدیم مسائل پر گہری نظر رکھتا ہو یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ اور حادثہ فاجعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم برصغیر کے چنداں نامور علماء میں سے ایک تھے جن پر ہندو پاک کی علمی دنیا کو بجا طور پر ناز ہے خصوصاً اہل پاکستان جب بھی کسی مسئلہ میں متردد ہوتے یا کوئی بھی دقت طلب مسئلہ پیش آتا تو مفتی صاحب کی رائے کو حتمی اور آخری سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی ہمت و استقلال کا یہ حال تھا کہ پیرانہ سالی ہو یا بیماری اور ضعف آپ کے معمولات میں ذرہ بھر بھی فرق نہیں آتا تھا۔ ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آخر وقت تک فتویٰ نویسی اور مشکل مسائل کی گتھیوں کو سلجھانا برابر جاری رہا۔ ہفتہ میں تین دن (ہفتہ، اتوار، پیر) جامعہ اشرفیہ کے اس دارالافتاء کو اپنے وجود مسعود سے زینت بخشتے جس پر جامعہ میں تشریف آوری کے دن سے ہی مسلسل براجمان رہے جب کہ بقیہ تین دن دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک میں تحقیق و تالیف کے امور میں استغراق رہتا۔

یہ معمول چند سالوں سے بندھا تھا ورنہ پہلے تمام وقت جامعہ اشرفیہ کے لئے وقف فرما رکھا تھا۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کا وجود ملک وملت کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھا اور پھر اس قحط الرجال کے دور میں تو آپ کا وجود عالم اسلام کے لئے اور بھی زیادہ ناگزیر تھا۔ آپ اکابر اسلاف کے علم وعمل کا قابل تقلید نمونہ تھے۔ آپ جہاں علوم نبوت کی وراثت کے حامل تھے وہاں ہی حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے علم وعمل کے بھی صحیح جانشین و وارث تھے۔

حضرت مولانا انور شاہ ہوں یا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی' حضرت مولانا سید اصغر حسین ہوں یا حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی سب ہی کے علوم و معارف کی جھلک آپ میں نمایاں نظر آتی تھی۔ آپ سے پڑھنے والے حضرات خوب جانتے ہیں کہ درس حدیث میں آپ کا طرز حضرت مولانا انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کی طرح محدثانہ اور فنون میں حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی کی طرح فلسفیانہ اور محققانہ ہوتا تھا۔ قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط اور پھر اس کا فقہی اصولوں پر انطباق آپ کی مجتہدانہ شان کی غمازی کرتا تھا۔ جب کہ مسائل سلوک واحسان کے اخذ واستنباط میں آپ کو حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کا نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی باقیات صالحات میں ہزاروں علماء کے علاوہ لکھوکھا فتاویٰ' بیسیوں تصانیف اور ایک عظیم تفسیر شاہکار دلائل القرآن علی مسائل النعمان بھی چھوڑا ہے (تقریباً ۵ جلدوں میں) احکام القرآن کے نام سے یہ تفسیری مسودہ دارالعلوم الاسلامیہ کے شعبہ تحقیق وتالیف میں موجود ہے امید ہے کہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر جلد ہی منظر عام پر جائے گا۔ اس میں آپ نے فقہ حنفی کے مطابق قرآن کریم سے مستنبط شدہ مفتی بہ مسائل کو جمع فرمایا ہے۔ یہ کام بھی آپ نے اپنے شیخ ومربی حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے حکم پر انجام دیا۔ حضرت حکیم الامت نے قرآن کو چار حصوں میں تقسیم فرما کر ان سے فقہ حنفی کے مطابق استنباط مسائل کے لئے چار حضرات کو مامور فرمایا تھا ان میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی' مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہم اللہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی توجہ کی بدولت ان چاروں حضرات نے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچا کرامت پر عظیم احسان فرمایا۔ وطن عزیز کے باسیوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں مگر افسوس یہ ہے کہ انہوں نے کسی بھی نعمت کی قدر نہیں کی اللہ تعالیٰ نے جن بزرگوں کی محنتوں کوششوں اور کاوشوں کی بدولت وطن عزیز کی یہ دھرتی عطا فرمائی ہم نے اس مملکت خداداد کی طرح ان کی بھی ناقدری کی اس میں ہماری ذاتی کوتاہیوں کا دخل ہے یا اس کے پس پردہ کوئی گہری سازش یہ تو وقت ہی بتائے گا تاہم ان اکابرین امت کے ساتھ بے وفائی ضرور ہوئی ہے۔ بلاخوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر تحریک پاکستان میں ان بزرگوں کا حصہ نہ ہوتا تو یہ کبھی کامیاب نہ ہوتی اللہ تعالیٰ نے ان ہی برگزیدہ صفات شخصیات کے سبب ہم پر فضل فرمایا کہ ایک قطعہ ارضی عنایت فرما دی۔ اس مملکت خداداد کے حصول کے لئے جس قافلہ حریت نے شب وروز ایک کئے اس کے سربراہ حضرت تھانوی تھے اور سپاہیوں میں علامہ شبیر احمد عثمانی' حضرت مفتی محمد شفیع' مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مفتی جمیل

تھانوی جیسی نابغہ روزگار ہستیاں تھیں ارباب اقتدار ہوں یا زعما سیاست سب ہی سے یہ گلہ ہے کہ انہوں نے ان قدسی صفات حضرات کی قدر نہیں کی' حضرت عثمانی رحمہ اللہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ ان کی قبر بھی ایسی جگہ بنوائی گئی جہاں باوجود تلاش بسیار کے پہنچنا اگر محال نہیں تو مشکل ضرور ہے کیا ایک ایسی شخصیت جس نے پاکستان کے لئے وہ گرانقدر خدمات انجام دیں جو تاریخ کا سنہری باب ہیں اگر اتنی خدمات کسی بھی ملک کے لئے کسی بھی شخص کی ہوتیں تو وہ یقیناً اس ملک کا ہیرو ہوتا مگر ہمارے ہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں ایک عامی سے لے کر سربراہ مملکت تک کے قلوب واذہان' علم اور علماء کی محبت' قدرومنزلت' اور عزت وتکریم سے یکسر خالی ہیں جس کا ایک معمولی اندازہ حکمرانوں' سیاستدانوں اور قول وفعل میں وزن رکھنے والوں کے اس طرز عمل سے بھی کیا جا سکتا ہے جو یہ اس طرح کی بزرگ ہستیوں سے روا رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک ایکٹریس کا انتقال ہو جائے ایک فلمی اداکار دنیا سے چلا جائے کوئی بڑا ڈاکو چور بدمعاش انجام کو پہنچ جائے اخبارات صفحات کے صفحات سیاہ کرتے ہیں ریڈیو ٹیلیویژن خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں اگر ان ذرائع ابلاغ کو توفیق نہیں ہوتی تو اس کی نہیں ہوتی کہ وطن عزیز کے لئے قربانیاں دینے والوں میں سے اگر کوئی شخصیت راہی آخرت ہو تو اس کے بارے میں عوام کو مطلع ہی کر دیں یا اس کی رحلت پر چند تعزیتی کلمات ہی کہہ دیئے جائیں۔ ہمیں گلہ ہے اپنے حکمرانوں سے سیاستدانوں سے اور ان علماء کرام سے جو سیاسی میدان کے شہسوار سمجھے جاتے ہیں کہ علماء ربانی کے ساتھ یہ برتاؤ کیوں؟ یہاں اس بات کا ذکر بھی خالی از حقیقت نہ ہوگا کہ ہمارے اسلاف کے اعمال کی بنیاد اخلاص پر تھی ان کا ہر عمل اخلاص کا پرتو تھا وہ اس امر سے بالکل بے نیاز تھے کہ ان کی تعریف کی جائے وہ جو کام بھی کرتے تھے اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے۔ دنیاوی نام ونمود کو وہ پسند کرتے تھے اور نہ ہی یہ ان کا وطیرہ تھا وہ اس بات کے قطعاً قائل نہیں تھے کہ وہ اپنی خدمات کا صلہ اہل دنیا سے طلب کرتے وہ اپنے اعمال کا بدلہ اور دینی خدمات کا صلہ اللہ تعالیٰ سے چاہنے والے تھے مگر ہماری ذمہ داری تو یہ ہے کہ ان کی خدمات جلیلہ کا برملا ذکر کریں۔ اس لئے کہ بزرگوں کا ذکر بھی باعث ثواب اور لائق اجر ہے۔ بہرکیف حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ کے انتقال پر ملال اور اس حادثہ فاجعہ پر حکومت کے کسی بھی ذمہ دار کی طرف سے تعزیتی کلمات کا نہ کہنا یقیناً باعث تعجب اور افسوس ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت پاکستان کے دل میں اس طرح کے اکابرین امت جنہوں نے ملک وملت کے لئے ناقابل فراموش قربانیاں دی ہوں کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جہاں تک حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے سوانحی خاکے کا تعلق ہے تو وہ یوں بیان کیا گیا ہے تاریخ پیدائش ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۲ اور مقام ولادت تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (انڈیا) ہے۔ سلسلہ نسب سیدنا فاروق اعظم سے ملتا ہے اس مناسبت سے آپ کو فاروقی بھی کہا جاتا ہے۔ مولد' مسکن اور مشرب کے لحاظ سے آپ کو تھانوی نسبت بھی حاصل ہے۔ ابتدائی کتب مدرسہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں پڑھیں بعد ازاں ۱۳۳۲ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کے مشورہ بلکہ حکم پر مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا جملہ کتب کی تکمیل یہاں سے فرمائی اور ۱۳۴۲ھ میں سند فراغت اول پوزیشن کے ساتھ حاصل کی حضرت سہارنپوری قدس سرہ' نے آپ کو خصوصی انعام سے بھی نوازا آپ نے جن جبال علمیہ سے

علمی استفادہ اور کسب فیض فرمایا ان میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری' حضرت مولانا عبدالطیف' حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری' حضرت مولانا ثابت علی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی اور حضرت مولانا اسعد اللہ رحمہم اللہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ آپ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں نائب شیخ الادب کے عہدہ پر بھی فائز رہے کچھ عرصہ بعد حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کے ارشاد کی تعمیل میں دوبارہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس اعلیٰ کی حیثیت سے تشریف لائے۔۱۳۶۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی علالت و تیمارداری کے مدنظر تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ مظاہر العلوم میں تدریس کے دوران جن بحار علمیہ نے آپ سے کسب فیض کیا ان میں رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہما اللہ (مشہور بہ حضرت جی) حضرت مولانا زاہد الحسینی کیملپوری مدظلہٗ اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی مدظلہ خلیفہ اقدس حکیم الامت حضرت تھانویؒ جیسے مشاہیر ہیں اس وقت تبلیغی جماعت کے جتنے بھی اکابر اور احباب ہیں۔ یہ حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ کے لیے یقیناً صدقہ جاریہ ہیں ہندوستان میں مظاہر العلوم اور امداد العلوم سمیت مدارس دینیہ میں تدریسی اور فقہی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۷۰ھ (بمطابق ۱۹۵۰ء) میں پاکستان تشریف لے آئے۔ وطن عزیز (جس کی بنیادوں میں آپ کی کوششوں اور کاوشوں کو بھی بڑا دخل تھا) میں تشریف آوری کے بعد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد حسن امر تسری خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے ارشاد گرامی پر جامعہ اشرفیہ کے مسند افتاء و تدریس کو زینت بخشی جو آخر وقت تک برقرار رہی۔

تاہم بوجہ ناسازگی طبع اور دارالافتاء کی مصروفیات شدیدۃ کے باعث ۹۳ھ کے بعد تدریسی خدمات ترک فرما دی تھیں۔ (حضرت نے آخری تدریسی سال ۹۲' ۹۳ھ میں طحاوی شریف کا درس دیا تھا اور یہی سال راقم الحروف کے دورۂ حدیث کا تھا) آنحضرت ﷺ کے اس فرمان ''جب کسی شخص کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں جن کا ثواب مرنے والے کو برابر ملتا رہتا ہے وہ ہیں صدقہ جاریہ۔ علم نافع اور اولاد صالح''۔ کے مطابق الحمدللہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے ان تینوں اعمال کو بہترین صورت میں چھوڑا ہے جہاں تک تعلق صدقہ جاریہ اور علم نافع کا ہے تو اس سلسلے میں حضرت سے مستفیدین کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے اور رہی اولاد صالح تو یہ بھی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ آپ نے اپنی اولاد صالح میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑی ہیں نیکی' زہد' تقویٰ اور شرافت میں ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہ جید عالم شیخ الحدیث اور دارالعلوم الاسلامیہ کے مہتمم ہیں۔ حکیم الامت' مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اقدس حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ مجاز بھی ہیں جب کہ حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی عارفی قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ مجاز بھی ہیں جب کہ حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی بین الاقوامی شہرت کے حامل قاری اور عالم دین ہیں دارالعلوم الاسلامیہ میں شعبہ تجوید وقرات کے صدر المدرسین بھی ہیں اسی

طرح مولانا خلیل میاں بھی جید عالم اور قاری ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی نماز بھی جامعہ اشرفیہ میں اسی دارالافتاء کے سامنے ادا کی گئی جس میں انہوں نے تقریباً پینتیس سال تک فقہی خدمات انجام دیں۔ نماز جنازہ کی امامت کے فرائض جامعہ اشرفیہ کے مہتمم اور شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ' خلیفہ اقدس حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے انجام دیئے۔ نماز جنازہ میں اکابر علماء کرام طلبہ اور عوام کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

جامعہ اشرفیہ میں ایک تعزیتی اجلاس بھی ہوا جس میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ملال پر انتہائی دکھ اور افسوس کا اظہار کیا گیا شیخ الجامعہ کی طرف سے حضرت مفتی صاحب مرحوم کی خدمات جلیلہ پر ان کو بہترین خراج تحسین پیش کیا گیا اور دعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرت مفتی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ضروری اعلان

ادارہ الحسن کی مجلس منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مستقبل قریب میں جامعہ اشرفیہ کی ان شخصیات پر جو راہی عدم ہو چکی ہیں ایک ضخیم نمبر شائع کیا جائے۔ جن شخصیات کی علمی' مذہبی' دینی اور ملکی و ملی خدمات کا تذکرہ مقصود ہے ان میں مندرجہ ذیل شخصیات شامل ہیں۔

۱- بانی جامعہ فقیہ العصر مصلح الامہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ۔

۲- امام المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد رسول خان قدس سرہ۔

۳- خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھویؒ۔

۴- مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ۔

۵- عمدۃ المحدثین حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ۔

۶- حضرت مولانا مفتی ممتاز احمد تھانویؒ۔

۷- عالم باعمل حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم۔

۸- نمونہ اسلاف حضرت مولانا محمد عرفان صاحب قدس اللہ سرہ۔

ان حضرات کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مضامین و مقالات جلد از جلد دفتر الحسن جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور کے نام ارسال کریں تا کہ ان کو مناسب جگہ دی جا سکے۔

محمد اکرم کاشمیری

مدیر اعلیٰ ماہنامہ الحسن لاہور

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ:

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ کی صبح کو میں جامعہ امدادیہ کے ختم بخاری کے اجتماع میں شرکت کے لئے فیصل آباد ائیر پورٹ پر اترا تو حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہم نے یہ المناک خبر سنائی کہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آج صبح رخصت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ ان خوش نصیب ہستیوں میں سے تھے جنہیں خانقاہ اشرفیہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کے زیر سایہ ایک طویل عرصہ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ چونکہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ربیبہ حضرت مفتی صاحبؒ کے گھر میں تھیں۔ اس لئے حضرت مفتی صاحبؒ کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے داماد کی حیثیت بھی حاصل تھی اور ان کا شمار حضرت تھانویؒ کے اہل خانہ میں سے ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے ان کو اس دور میں خانقاہ اشرفیہ کی آخری یادگار کہا جاتا تھا۔

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ضلع مظفرنگر کے قصبہ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے تھے اور ابتدائی تعلیم وہاں اور آس پاس حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور وہیں سے فراغت حاصل کی' مظاہر العلوم کے قیام کے دوران شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ سے شاگردی کا شرف حاصل کیا اور حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر بھی رہے' یہاں تک کہ جب دورۂ حدیث کے امتحان میں اول آئے تو حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جیبی گھڑی انعام میں دی جو اس دور کے لحاظ سے انتہائی قیمتی انعام سمجھا جاتا تھا۔

حضرت سہارنپوری کے علاوہ اس دور میں مفتی صاحب نے مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری' حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی اور حضرت حافظ عبداللطیف صاحب سے بھی خصوصی استفادہ کیا۔ پھر حضرت سہارنپوری ہی کے حکم سے فراغت کے بعد حیدرآباد کے ایک مدرسے میں تدریس کے لئے تشریف لے گئے وہیں کچھ عرصہ مدرسہ نظامیہ

حیدرآباد میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ بالآخر ۱۳۴۵ھ میں واپس مظاہر العلوم تشریف لائے۔ وہاں تقریباً ۲۵ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہاں سے آپ نے ایک ماہنامہ ''المظاہر'' اور بعد میں دوسرا رسالہ ''دیندار'' جاری کیا اور یہ دونوں رسالے دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۳۶۰ھ میں جب حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ بیمار ہوگئے تو حضرت ہی کے حکم سے خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ امدادالعلوم میں فتویٰ اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ نے ''احکام القرآن'' کی تالیف کے لئے اپنے متوسلین میں جن چار بزرگوں کا انتخاب فرمایا۔ ان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی' حضرت مفتی محمد شفیع' حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے بعد چوتھا نام حضرت مفتی جمیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا تھا اور انہوں نے تقریباً پانچ پاروں کی تالیف تھانہ بھون میں رہتے ہوئے ہی کرلی تھی۔ احکام القرآن کی یہ تالیف حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ کی بڑی عزیز آرزوؤں میں سے تھی۔ لیکن اس کے کچھ حصے ابھی تک نا تمام چلے آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ کے خلف رشید جناب مولانا مشرف علی صاحب تھانوی کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضرت حکیم الامت کی اس خواہش کی تکمیل کا قوی داعیہ پیدا فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے ایسے اسباب مہیا کئے کہ ان کے والد گرامی حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ اور جامعہ حقانیہ ساہیوال کے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی مدظلہم العالی اس کام کے لئے تیار ہوگئے اور ان دونوں بزرگوں نے اپنے ضعف اور علالت کے باوجود بڑی تیز رفتاری سے اس عظیم کام کی تکمیل فرمادی۔ فجزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء۔

۱۳۷۰ھ میں مفتی صاحبؒ نے پاکستان ہجرت کرنے کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور سے تعلق قائم کیا تھا۔ جہاں وہ آخری وقت تک فتویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

مجھ ناکارہ پر حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقتیں ناقابل فراموش رہیں۔ بالخصوص جب سے ماہنامہ ''البلاغ'' میرے زیرادارت دارالعلوم کراچی سے نکلنا شروع ہوا۔ اس وقت سے بکثرت خط وکتابت بھی رہتی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ وقتاً فوقتاً البلاغ کے لئے مضامین بھی تحریر فرماتے تھے۔ جو البلاغ میں چھپتے رہے ہیں۔ البلاغ کے بارے میں بہت سے مشورے بھی دیتے رہتے تھے اور رسالے کے مجموعی رخ کی باقاعدہ دیکھ بھال رکھتے اگر کوئی بات قابل اصلاح نظر آتی تو اس سے احقر کو ضرور مطلع فرماتے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریر کا ایک خاص اسلوب تھا۔ جس میں اختصار بھی تھا اور جامعیت بھی' نثر کے ساتھ ساتھ عربی اور اردو دونوں میں شعر بھی کہتے تھے۔ ان کے قصائد اور ان کی نظمیں ان کی پرگوئی کی دلیل ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف واقعات کی تواریخ نکالنے کا آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ وہ اکثر اوقات کی تاریخیں قرآنی آیات سے نکالتے تھے۔ چنانچہ بہت سے بزرگوں کی تاریخ وفات انہیں کے قلم سے البلاغ میں شائع ہوئیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت سی تصنیفات چھوڑی ہیں۔ جو انشاء اللہ اھل علم اور دین دار مسلمانوں کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوں گی۔

حضرت مفتی صاحبؒ ایک عرصے سے بہت ضعیف ہو گئے تھے اور سماعت و بصارت خاص طور سے بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ لیکن یہ قرآن و حدیث کے علوم میں اشغال کی برکت ہے کہ عمر کے اس حصے میں پہنچنے کے بعد اور قوای کے اس انحطاط کے دور میں بھی وہ ذہنی طور پر علمی کاموں کے لئے پوری طرح تیار رہے۔ آخر وقت تک فتویٰ کی خدمت انجام دی۔ قوای کے اس انحطاط کے دور میں ''احکام القرآن'' کی تالیف مکمل کی۔ آخری بار شوال ۱۴۱۴ھ میں جب احقر ان کی زیارت کے لئے ان کے مکان پر حاضر ہوا تو سماعت تقریباً بالکل جواب دے چکی تھی۔ بینائی بھی رخصت ہو رہی تھی۔ لیکن حسب معمول شفقت فرماتے ہوئے اندر سے باہر تشریف لائے اور اس دوران بھی تمام باتیں علمی ہی کرتے رہے۔ اسی وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ چراغ سحری کی آخری ضیاء پاشیاں ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد زیارت مقدر میں نہ تھی۔ جب حضرت مولانا نذیر احمد صاحب نے یہ اندوھناک خبر سنائی تو خواہش ہوئی کہ کم از کم مفتی صاحبؒ کے جنازے میں شرکت ہو جائے۔ لیکن اول تو حضرت مولانا نذیر احمد صاحب نے ختم بخاری کا جو اعلان فرمایا ہوا تھا اس میں شرکت کے ساتھ جنازے میں شرکت ممکن نہیں تھی۔ دوسرے احقر اپنی کمر کی تکلیف کی وجہ سے سڑک کا طویل سفر نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے جنازے میں شرکت سے بھی محرومی رہی۔ الحمد للہ دارالعلوم سے مولانا میرے بھتیجے محمود اشرف صاحب عثمانی اور مفتی صاحب کے بھتیجے مولانا راحت علی ہاشمی جنازے میں شرکت کے لئے لاہور پہنچ گئے تھے اور ان کی وساطت سے الحمد للہ اھل دارالعلوم کی شرکت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے بہت بڑے بڑے کام لئے۔ جن کے فیوض انشاء اللہ ہمیشہ جاری رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے لائق اور فائق صاحبزادوں سے بھی نوازا خاص طور سے حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی ان کے علوم و معارف کے امین ہیں انہوں نے دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں فیض رسانی کا بہترین ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ دل سے دعا ہے کہ ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے علوم و معارف سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

جناب مشرف علی تھانوی صاحبؒ:

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ

تاریخ وفات ۲۲ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء

کون امت کے دکھوں کا اب بتائے گا علاج
آہ رخصت ہو گئے وہ مفتی اعظم بھی آج
نبض امت پر رکھے گا کون انگشت شفاء
کون بیمار ان ملت کے لئے دے گا دوا
کون شفقت سے سنے گا سب کے اشکالات کو
حل کرے گا کون اہل دین کے شبہات کو
راہ رو کو منزل مقصود تک لائے گا کون
قوم کو ظلمت کدہ میں راہ دکھلائے گا کون
ہر عمل میں ہو گا خود قرآن کی تفسیر کون
بن کے دکھلائے گا اب اسلاف کی تعبیر کون
کس سے ہو گا عام اب یہ درس فقہ و اجتہاد
کس کے فتوؤں پر کریں گے اہل دانش اعتماد
اٹھ گیا ہے اجتہاد و فقہ کا در عظیم
ہو گئی ہے بالیقیں اب مسند افتاء یتیم

جا رہا ہے کون یہ اشکوں کا طوفان چھوڑ کر
قلب حیراں، روح بریاں، چشم گریاں چھوڑ کر
کس کی میت ہے یہ کاندھوں پر بتا اے بے خودی
دیکھتے ہیں حسرتوں سے جس کو علم و آگہی
کس کے دم سے تھی بہار جاوداں کی رونقیں
اٹھ گیا ہے کون لے کر گلستاں کی رونقیں
وہ سراپا علم و دانش زہد و تقویٰ کا علم
یاد کر کے رو رہے ہیں جس کو قرطاس و قلم
وہ سراپا دین کا پیکر تھی جس کی زندگی
سنت اسلاف کا مظہر تھی جس کی زندگی
ہر ادا تھی جس کی دین حق کا پیغام ثبات
ہر عمل تھا جس کا ملت کے لئے درس حیات
وہ سراپا مسلک اسلاف دیو بند کا ثبوت
وہ سہارنپور کے درس مظاہر کا سپوت
مسلک تھانہ بھون کی ایک تابندہ شناخت
زندگانی جس کی تھی سنت کی اک زندہ شناخت
اسعد اللہ اور خلیل احمد کا تلمیذ رشید
خانقاہ اشرف و امداد اللہ کا حفید
وہ سعید احمد کا داماد اور سعید احمد کا پوت
خاندان اشرف و امداد اللہ کا سپوت
اب کہاں سے لائیں گے وہ پیکر علم و عمل
کب ملے گا امت مرحوم کو نعم البدل
علم و دانش کے درو دیوار سب افسردہ ہیں
جامعہ کے یہ گل و گلزار سب افسردہ ہیں
ہر جگہ افسردہ ہے ہر آنکھ ہے آج اشکبار
کون اٹھا ہے کہ جس پر آسمان ہے سوگوار

مسند تحقیق لگتی ہے کوئی افسانہ آج
یہ ادارہ اشرف التحقیق ہے ویرانہ آج
ہر افق پر آج کس کے علم و دانش کی ہے دھوم
یاد کرتا ہے کسے ہر گوشہ دارالعلوم
میکدہ سے اٹھ گیا ہے وہ حسیں وہ خوب رو
عمر بھر روئیں گے جس کو جام و مینا و سبو
کون لے کر چل دیا یوسف کو اس بازار سے
سسکیاں سنتا ہوں عارف ہر درو دیوار سے
عارف ان کے نقش پا اک جادہ جمشید ہیں
اپنی سیرت سے وہ اب بھی زندہ جاوید ہیں

﴿۱﴾

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے۔

(مولانا محمد زاہد صاحب جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد)

یہ روح فرسا خبر تو قارئین تک پہنچ ہی چکی ہوگی کہ تھانہ بھون و مظاہر العلوم کی یادگار بقیۃ السلف فقیہ و مفسر کبیر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، جن کا نام لکھتے ہوئے بیساختہ قلم پر مدظلہم اور دامت برکاتہم آ رہا تھا لیکن قضاء قدر کے اٹل اور حکیمانہ فیصلے کے مطابق رحمہ اللہ لکھنا پڑ رہا ہے۔ اس دار فانی سے اپنے اصلی اور دائمی مسکن کی طرف کوچ فرما گئے ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شی عندہ باجل مسمی۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ، بزرگوں کے ایک سنہری سلسلے کی آخری کڑی، مظاہر علوم اور تھانہ بھون کے درخشاں دور کی آخری یادگار انتہائی مغتنم، ہمارے لئے انتہائی باعث برکت اور ایک سہارا شخصیت تھے، ایسی شخصیات کا اٹھ جانا صرف ان کے متعلقین و معتقدین کے لئے ہی نہیں سب مسلمانوں کے لئے بہت بڑا سانحہ ہوتا ہے۔ حضرت کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ، جیسی شخصیات کا محل اعتماد بنایا تھا، حضرت قدس سرہ، نے آپ کے علم اور عمل دونوں پر اعتماد فرمایا، عمل اور حسن معاملہ پر تو اس طرح سے کہ حضرت نے اپنی ربیبہ کے عقد کے لئے ان کا انتخاب فرمایا اس طرح سے آپ چھوٹی پیرانی صاحبہ قدس سرہا (حضرت تھانویؒ کی دوسری اہلیہ جن کا چند سال قبل ہی لاہور میں انتقال ہوا ہے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ، اور آپ کی اولاد کو ان کی خدمت کی بھی خوب خوب سعادت نصیب ہوئی ہے) کے داماد تھے یہ حضرتؒ کی طرف سے آپ کی سلامت طبع اور حسن معاملہ و حسن خلق پر حضرت کی طرف سے بہت بڑی شہادت ہے اور یہی چیز دینی اصلاحات کی بنیاد ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور بہترین اخلاق والا شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھتا ہو۔

اسی طرح آپ کے علمی رسوخ اور سلامت فکر پر حضرت کے اعتماد کی ایک علامت تو یہ ہے کہ حضرتؒ نے آپ کو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اپنی زیرنگرانی افتاء جیسے نازک کام پر مامور فرمایا' دوسرے یہ کہ حضرت نے جب احکام القرآن کی تالیف کا عظیم منصوبہ اپنے قابل اعتماد علماء کے ذریعے شروع فرمایا جس کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم سے مستنبط ہونے والے فقہی احکام کو جمع کیا جائے تو اس عظیم تفسیری و فقہی خدمت کے حضرتؒ نے شیخ الاسلام محدث جلیل حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ جیسی عظیم شخصیات کے ساتھ حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ کا بھی انتخاب فرمایا' اوران کے ذمہ بھی (غالباً) سورۃ یونس سے لے کر سورۃ الشعراء تک کا حصہ لگایا گیا' آپ نے اس کام کی ابتداء تو فرمادی' لیکن بعد میں دوسری مصروفیات کے باعث اس کام کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا دوسری طرف جتنا حصہ آپ نے لکھ لیا تھا اس کا مسودہ بھی ناقابل استفادہ ہوگیا' آخر میں کثرت مصروفیات' ہجوم امراض اور ضعف کی وجہ سے اس کی تکمیل کی توقع بھی ختم ہوگئی تھی' لیکن اللہ تعالیٰ تمام علمی حلقوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم کو کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اوراپنے جامعہ میں ادارہ اشرف التحقیق قائم فرما کر حضرت کے لئے اس کام کی تکمیل کے اسباب مہیا فرمائے اور حضرت کو اس طرف متوجہ فرمایا اور دوسری طرف حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے حصے کا جو کام باقی تھا اس کی طرف نمونہ سلف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب مدظلہم (اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ ان کا سایہ ہم پر دراز فرمائیں) کو متوجہ فرمایا الحمد للہ ان دونوں حضرات نے کئی ضخیم جلدوں میں یہ کام مکمل فرمالیا ہے' حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی' حضرت مفتی اعظم پاکستان' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ اسرارہم کے لکھے ہوئے حصے تو الحمد للہ چھپ چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان دو حضرات کے تکمیل فرمودہ حصوں کی طباعت کے بھی جلد اسباب پیدا فرمائیں' احکام القرآن کے موضوع پر ہر دور میں بہت سی کتابیں بڑی بڑی شخصیات نے لکھی ہیں لیکن احقر کے علم کے مطابق یہ کام مجموعی طور پر آج تک لکھی جانے والی کتابوں میں سے سب سے زیادہ ضخیم ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ' نے جس عمر اور جس طرح کے ہجوم امراض میں یہ کام مکمل فرمایا ہے وہ بذات خود قرآن کریم کا ایک معجزہ اور حضرتؒ کی کرامت ہے۔ اس عظیم تالیف کے علاوہ حضرت کی اور بھی بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں یادگار اور صدقہ جاریہ ہیں۔

اب ضرورت اس چیز کی محسوس ہوتی ہے کہ حضرتؒ کی ایک مفصل سوانح حیات مرتب کی جائے' یہ کام اگر ہو جائے تو ان شاء اللہ اکابر کی محبت میں اضافہ کا ذریعہ بھی ہوگا اور دین کا کام کرنے والوں کے لئے ایک نمونہ اور راہ نما بھی' توقع ہے کہ حضرت سے قریبی استفادہ کرنے والے حضرات بالخصوص بزرگ مکرم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب دامت برکاتہم اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

دعاء ہے کہ حق تعالیٰ حضرت کی مغفرت کاملہ فرما کر قرب کے اعلیٰ درجات عطاء فرمائیں اوران کی تمام خدمات کو شرف قبولیت بخشیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ (اللھم لا تحرمنا اجرہ و لا تفتنا بعدہ)

مولانا شیر محمد صاحب علوی:
دارالافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور:

میرے استاذ مربی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

احقر کے نہایت ہی محسن و مربی استاذ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ ۲۱ر رجب ۱۴۵۱ھ بمطابق ۲۵ر دسمبر۱۹۹۴ء بروز اتوار صبح ساڑھے سات بجے (تقریباً) اس دنیا فانی سے دار بقا کو تشریف لے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے تقریباً ۹۳ سال کی عمر پائی اور پوری زندگی دین کے لئے وقف کر رکھی تھی حتی کہ آخری وقت تک دینی کام میں مشغول رہے۔ وفات سے چند روز قبل (جامعہ اشرفیہ کے تیسرے روز کا آخری دن تھا) بھی ایک تحریر مسئلہ زکوٰۃ سے متعلق عربی زبان میں چھوڑی جو کہ احقر کے پاس محفوظ ہے۔ اتوار ہی کو بعد نماز عصر جامعہ اشرفیہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امامت کے فرائض شیخ الجامعہ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہٗ نے سرانجام دیئے اور ہزاروں علماءٔ طلبہ و دیگر مسلمان شریک ہوئے اور غروب آفتاب کے وقت اس آفتاب علم کو اقبال ٹاؤن کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

جامعہ اشرفیہ میں آنے سے قبل اپنے مشہور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور پھر پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۲ء میں پاکستان جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لائے تو تقریباً بیالیس برس جامعہ میں افتاء و تدریس کی خدمت سرانجام دی اور ہزاروں تلامذہ (بلواسطہ اور بلا واسطہ) کو فیض پہنچایا۔ جن میں سے چند ممتاز تلامذہ کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

◎ حضرت مولانا انعام الحسن امیر تبلیغی جماعت (معروف حضرت جی) دہلی

◎ حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئی انڈیا (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

- حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی اٹک (خلیفہ حضرت لاہوریؒ)
- حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ سابق صدر مدرس مدرسہ کاشف العلوم دہلی
- حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کراچی
- حضرت مولانا سعید احمد خان (مدنی) حال رائے ونڈ
- حضرت مولانا عبید اللہ انورؒ سابق امیر انجمن خدام الدین لاہور
- حضرت مولانا صوفی محمد سرورؒ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
- حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
- حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور انڈیا
- حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی (خلیفہ حضرت رائے پوریؒ)
- حضرت مولانا مشرف علی تھانوی (صاحبزادہ) شیخ الحدیث دارالعلوم اسلامیہ لاہور
- حضرت مولانا علی اصغر عباسی صوبائی خطیب اوقاف لاہور
- حضرت مولانا فضل الرحیم نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
- حضرت مولانا عبدالدیان پشاور یونیورسٹی
- حضرت مولانا قاری فخر الدین مرحوم گیا انڈیا (خلیفہ حضرت مدنیؒ)
- حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ لاہور
- حضرت مولانا عاشق الٰہی البرنی مدینہ منورہ

جہاں آپ نے ہزاروں تلامذہ پسماندگان میں چھوڑے ہیں وہاں نسبی اولاد میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں بھی چھوڑی ہیں۔

اور سب بیٹے ماشاءاللہ دینی کام میں مصروف ہیں اور ایک بڑے دارالعلوم کو نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل اور حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرماویں۔ آمین ثم آمین۔

حضرتؒ کے تفصیلی حالات اور آپ کی تصنیفات کا ذکر کتاب ''علماء مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات'' میں مرقوم ہیں مناسب ہے کہ ان کو نقل کر دیا جائے اور جو کتابیں اس کتاب کی اشاعت کے بعد آپ نے تصنیف فرمائی ہیں ان کا احقر نے اضافہ کر دیا ہے۔

والد محترم کا نام مولانا سعید احمد جد محترم کا نام حافظ امیر احمد ہے۔ موصوف کی پیدائش ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔

تاریخی نام ''غریب علی'' ہے۔ آپ کا وطن اصلی تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے۔ جن کا نام پرانے کاغذات میں محمد پور بھی لکھا ہوا ہے۔ مولانا کی ننھیال راجو پور ضلع سہارنپور کی ہے۔ قرآن شریف کی ابتداء وہیں ہوئی۔ والد محترم کی ملازمت چونکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تھی اس لئے مولانا کو بھی وہیں زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ قرآن پاک ناظرہ وہیں ختم کر کے کسی اسکول میں اردو تعلیم شروع کی۔ اسی زمانے میں جارج پنجم تخت نشین ہوا تو اسکول کے دوسرے طلباء کے ساتھ مولانا کو بھی یادگاری تمغہ دیا گیا۔ ۱۳۳۲ھ میں تھانہ بھون آئے اور مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ میں داخلہ لے کر تیسیر المبتدی سے یوسف زلیخا تک فارسی اور میزان الصرف سے ہدایۃ النحو تک عربی پڑھی۔ یہاں سے جلال آباد چلے آئے اور مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں شرح جامی پڑھی۔ اس عرصہ میں عزیز و اقارب نے بہت زور دیا کہ کسی انگریزی کالج میں داخلہ لے کر علوم مغربیہ پڑھیں۔ مگر موصوف اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ اسی درمیان مفتی صاحب موصوف کی بڑی ہمشیرہ کی شادی مولانا مظہر علی خاں راجو پوری سے ہوئی جو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی اہلیہ کے بھانجے ہیں۔

حضرت سہارنپوری اس نکاح میں شرکت کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں مفتی صاحب موصوف کے والد ماجد مولانا سعید احمد صاحب سے دینی تعلیم کے مسئلہ پر گفتگو فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد والد محترم نے مفتی صاحب موصوف کو مظاہر علوم میں داخل کر دیا۔ موصوف کی آمد مظاہر علوم میں ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ میں ہوئی۔ یہاں پہنچ کر اولیں سال میں کافیہ' کبریٰ' نور الایضاح مرقات وغیرہ اسباق تجویز ہوئے۔ یہاں سے آخر تک کل تعلیم مظاہر علوم میں رہ کر حاصل کی۔ تعلیم کے دوران حضرت اقدس سہارن پوری کی محبتوں اور شفقتوں کا مورد بنے رہے۔ فرط تعلق سے حضرت اپنا عزیز فرمایا کرتے تھے' اپنے حجرہ کے برابر کے حجرہ میں ٹھہرایا۔

مولانا موصوف کے درجہ ابتدائی میں کل کتابوں کے استاد مولانا ظہور الحق صاحب دیوبندی تھے۔ دیگر کتب میں آپ کے اساتذہ یہ بھی رہے۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہٗ' مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی' مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی' مولانا بشیر احمد صاحب نگینوی' مولانا نور احمد صاحب کاملپوری' مشکوٰۃ شریف میں آپ کے استاذ حضرت مولانا ثابت علی صاحب تھے۔ موصوف کی فراغت مظاہر علوم سے ۱۳۴۲ھ میں ہوئی۔ کتب صحاح میں آپ کے اساتذہ یہ ہیں۔

ترمذی' بخاری وطحاوی از حضرت مولانا عبداللطیف صاحب' ابوداؤد وابن ماجہ از حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب' مسلم نسائی' مسلسلات اور موطائین از حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ' حضرت سہارنپوری کی جانب سے تمام کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی آپ کو حاصل ہے۔

کتب صحاح کے ساتھ آپ نے فنون کی یہ کتابیں پڑھیں۔ بیضاوی شریف' تفسیر' مدارک اتقان' ہدایہ اخیرین'

حماسہ، عروض با قافیہ، شافیہ، شاطبی۔

امتحان سالانہ میں مفتی صاحب موصوف پوری جماعت میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ آپ نے تیرہ کتب میں امتحان دے کر (۲۴۷) نمبرات حاصل کئے جس پر مدرسہ کی جانب سے کئی قیمتی کتابیں انعام میں ملیں۔ حضرت مولانا الحاج حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی جانشین خاص اقدس رائپوری مولانا محمد عادل صاحب گنگوہی۔ مولانا محمد حیات صاحب دیوبندی، مولانا اخلاق احمد صاحب سہارن پوری۔ آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء میں ہیں۔

بیعت و ارشاد کا تعلق حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ سے ہے شعبان ۱۳۴۴ھ آپ حضرت سے بیعت ہوئے۔ حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم کی جانب سے آپ کو اجازت بیعت و خلافت حاصل ہے۔

مظاہر علوم سے فراغت کے بعد کھمم ضلع ورنگل حیدرآباد دکن میں آپ نے بحکم حضرت اقدس سہارنپوری۔ دینی و درسی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد میں نائب شیخ الادب کا منصب آپ کو سونپا گیا۔ تقریباً گیارہ ماہ وہاں قیام کے بعد ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ میں مظاہر میں آ گئے اور کتب خانہ مظاہر علوم کے نگراں بنے۔

شوال ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت سہارنپوری حجاز تشریف لے گئے تو آپ شعبہ تعلیم میں آ گئے اور یہ کتابیں آپ کے لئے تجویز ہوئیں۔ میزان الصرف، تہذیب، نور الایضاح، نفحۃ الیمن۔

مظاہر علوم میں آپ نے ۱۳۷۰ھ تک متعدد علوم وفنون کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ اس چھبیس سالہ عرصہ میں بعض ضرورتوں کی بناء پر طویل رخصت لینے کا بھی مولانا کو اتفاق ہوا۔ چنانچہ ۱۳۶۰ھ میں حضرت تھانوی کی علالت کی وجہ سے مفتی صاحب موصوف کی تھانہ بھون قیام کرنے کی نوبت آئی تو مدرسہ سے سال بھر کی رخصت لی۔ اس دوران خانقاہ اشرفیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں فتاویٰ اور درس میں مشغول رہے۔ غالباً شوال ۱۳۲۴ھ میں آپ پھر مظاہر علوم میں تشریف لے آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔

آپ نے مظاہر علوم میں مقامات حریری، سبعہ معلقہ، نور الانوار، دیوان متنبی، میبذی، بحث اسم، ملاحسن، ملا جلال، مختصر المعانی، کنز الدقائق، شرح وقایہ، جلالین شریف، متعدد مرتبہ پڑھائیں۔ ۱۳۷۰ھ میں یہ کتابیں آپ کے زیر درس تھیں۔ قطبی تصدیقات، تفسیر ابن کثیر، شرح تہذیب، مقامات، نور الانوار۔

۱۳۷۰ھ میں ہندوستان کی اقامت وسکونت ترک فرما کر پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد بعد ازاں مسلم ٹاؤن لاہور میں دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہو گئے، فقہ وفتاویٰ، وعظ وارشاد کی ذمہ داریاں بھی انجام دیں۔ ۱۳۹۱ھ سے بلڈ پریشر اور ضعف قلب کی بناء پر اسباق بند فرما دیئے۔ اب صرف دار الافتاء کے ذریعہ دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

مولانا نے جس طرح اپنی تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ دین قیم کی بلند و بالا خدمات انجام دیں اسی طرح اخبارات ورسائل میں بھی وہ بڑے پرمغز اور فکر انگیز مضامین آئے دن لکھتے رہتے ہیں۔

چنانچہ مولانا کے بہت سے طویل مضامین رسالہ خدام الدین لاہور' پیام اسلام لاہور' ترجمان اسلام لاہور' صوت الاسلام لاہور۔ پیام مشرق لاہور میں شائع ہو چکے جو بعد میں اپنی افادیت و نافعیت کی وجہ سے کتابی شکل میں بھی طبع ہوئے۔

ان سب کے علاوہ چونکہ شعروشاعری کا بھی بہترین مذاج اور پاکیزہ ذوق پایا ہے۔ اس لئے منظومات' تاریخی قطعات اور مخصوص شخصیتوں کے حادثہ ارتحال' پر مرثیے بھی کہتے رہتے ہیں جو عربی فارسی' اردو تینوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ مولانا نے اپنا ایک عربی قصیدہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ریاست بھوپال کے ڈائریکٹر تعلیمات کی آمد پر ایک اعزازی جلسہ میں بھی پڑھا تھا۔

تصنیفات وتالیفات

۱-نصاب ونظامی دینی مدارس:

کتاب میں دینی مدرسوں کی شدید ضرورت' اہمیت' قیام مدارس کے تمیں اغراض و مقاصد' عام لوگوں کو غیر شعوری طریقے سے ان کے فائدے ان کے نصاب کے لئے ہر جز کی خوبی' اور ملک میں ان کے ذریعہ ہونے والے اثرات کو ثابت کیا گیا ہے۔ کتاب کے صفحات (۲۰۰) ہیں۔ سب سے پہلے یہ کتاب قسط وار ماہنامہ دین دار سہارنپور میں شائع ہوئی اس کے بعد کتابی شکل میں بکثرت اضافوں کے بعد کتابستان اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی۔

۲-اظہار الطرب علی شرح ازہار العرب:

اس کتاب کی تالیف کے زمانہ میں مولانا مظاہر علوم کے استاذ تھے۔ یہ منشی فاضل کے نصاب میں داخل شدہ کتاب کی شرح ہے۔ اس میں مختلف شعراء کے حالات ان کے اقوال اور ان کے اشعار کی لغوی ولفظی تحقیق کی گئی ہے۔ کتاب کے صفحات (۸۸) ہیں۔ انوار المطابع لکھنؤ سے یہ کتاب طبع ہوئی۔

۳-زکوٰۃ الحلی:

علامہ سید سلیمان ندوی کی تالیف سیرت عائشہؓ میں زیوروں کی زکوٰۃ کے متعلق جو تحقیق لکھی گئی ہے وہ بقول مفتی صاحب غیر وسیع تحقیق پر مبنی ہے جس میں غور وخوض سے کام نہیں لیا گیا ورنہ بعید تھا کہ سید صاحب کی عمیق نظر حقیقت شناس نہ ہوتی۔ اس لئے مفتی صاحب نے اس مضمون کی تردید اپنے اس رسالہ میں فرما کر احناف کا جو مسلک اس بارے میں تھا

اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس کتاب کی تالیف اس زمانہ میں ہوئی جب کہ مولانا جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے استاذ تھے۔ کتاب کے صفحات (۳۴) ہیں۔ ابتداء میں یہ مضمون ماہنامہ المظاہر سہارنپور میں قسط وار شائع ہوا۔ بعدازاں کتابی شکل میں انوار المطابع لکھنؤ سے جناب محمد حسن صاحب کے زیر اہتمام طبع ہوا۔

مفتی صاحب موصوف کی یہ تالیف حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحب کے ارشاد پر ہوئی ہے۔ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کام پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ اس کے فضل کے لئے یہ کافی ہے کہ یہ جن کا جواب ہے وہی اس کی مدح فرما رہے ہیں۔

۴-تفسیر المنطق حاشیہ تیسیر المنطق:

یہ حاشیہ مولانا نے ایک دن اور ایک رات میں تالیف فرمایا: مختلف مطابع سے کثیر تعداد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

۵-تراجم الحماسیین:

یہ تالیف عربی زبان میں ہے اس میں ان شعراء کے حالات ہیں۔ جن کا تذکرہ دیوان حماسہ کے باب اول میں آیا ہے۔

۶-تبلیغ دین محشی:

امام غزالیؒ کی مشہور کتاب اربعین کا اردو ترجمہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے تبلیغ دین کے نام سے کیا تھا۔ مفتی صاحب نے اس پر حواشی تحریر فرمائے جس میں دعاؤں کے ترجمے مشکل و مغلق الفاظ کا حل اور روایات کی تخریج اور تحقیق فرمائی ہے۔ یہ کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو چکی۔ حال ہی میں مکتبہ تالیفات اشرفیہ تھانہ بھون سے شائع ہوئی ہے۔ جس کے صفحات (۳۰۰) ہیں۔

۷-حاشیہ سبعہ معلقہ:

یہ عربی زبان میں ہے اور صرف معلقہ اولیٰ پر ہے۔ اس کی طباعت کی نوبت نہ آسکی۔

۸-دعوت التجارت:

یہ تجارت کے فضائل اور اس کے فوائد پر مفید تالیف ہے۔ یہ پہلے ماہنامہ خالد دیوبند میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد کراچی سے کتابی شکل میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب مظاہر علوم کے زمانہ قیام میں ۱۳۵۸ھ میں لکھی گئی ہے۔ گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ کفلیہ ضلع سورت گجرات سے شائع ہو چکا۔ اس کے صفحات (۴۷) ہیں۔

۹-جمال الاولیاء:

یہ کرامات الاولیاء کا انتخاب اور اس کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت اقدس تھانوی کے حکم سے کیا گیا اس کا معظم حصہ ماہنامہ النور میں شائع ہوا۔ کتاب کے شروع میں ایک بسیط مقدمہ ہے جس میں کرامات کا ثبوت شرعی طریقہ پر بتلایا گیا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں کتاب مکتبہ مدنی گوجرہ ضلع فیصل آباد سے شائع ہو چکی۔

۱۰- دلائل القرآن علی مسائل نعمان:

یہ عربی زبان میں ایک قیمتی تالیف ہے اور حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کے ذمہ جو حصہ تھا وہ سورۂ یونس سے لے کر سورۂ شعراء کے ختم تک تھا جس کو حضرتؒ نے مکمل فرمالیا۔ اندازاً پانچ جلد میں یہ طبع ہوگا۔

۱۱- ارث الحفید:

پاکستان میں یتیم پوتے کی میراث پر دسمبر ۱۹۵۳ء میں فرقہ اہل قرآن کی طرف سے پنجاب اسمبلی میں ایک بل پیش ہوا تھا۔ یہ تالیف اسی کا تردیدی جواب ہے۔ یہ مضمون پہلے ماہنامہ الصدیق ملتان میں شائع ہوا۔ اس کے بعد کتابی شکل میں متعدد ناشران کتب نے شائع کیا۔ ۱۹۶۱ء میں یہ کتاب ایم ثناء اللہ خاں ریلوے روڈ لاہور نے شائع کی۔ یہی اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحات (۲۴۰) ہیں۔

۱۲- حلیۃ اللحیۃ:

داڑھی مومن کے لئے باعث زینت ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس کے لئے کچھ حدود و قیود ہیں جن کو مولانا نے تحریر فرمایا ہے نیز قرآن و حدیث اور ازروئے عقل یکمشت داڑھی کے اثبات پر دلائل بھی لکھے گئے ہیں۔ مودودی صاحب نے اپنے رسالہ ترجمان القرآن (دسمبر ۱۹۶۵ء) میں داڑھی کی مقدار پر اپنی جو تحقیق لکھی ہے اس پر بھی مفتی صاحب نے اپنی اس کتاب میں دلائل کے ساتھ نقد کیا ہے۔ کتب خانہ جمیلی لاہور سے یہ کتاب شائع ہوئی۔

۱۳- التحریر النادر فی حرمہ نبش القبر للشیخ عبدالقادر:

حضرت اقدس رائپوریؒ کے جسم مبارک کو قبر سے نکال کر ہندوستان منتقل کرنے کی جو تحریک اٹھی تھی اس کے عدم جواز وحرمت پر ایک محققانہ مضمون اور عالمانہ تحریر ہے اس کے صفحات ( ) ہیں۔

۱۴- البحث والسفر عن عدم افتراض القبر بالحفر:

رسالہ بالا (التحریر النادر) جب طبع ہو کر شائع ہوا تو ماہنامہ بینات کراچی میں اس پر علمی انداز سے تنقید کی گئی۔ جس پر مولانا نے یہ دوسرا رسالہ (البحث والسفر) تحریر فرما کر ان انتقادات کے جوابات دیئے اور پھر فقہی مسئلہ کی تشریح فرما کر اپنا مسلک واضح کر دیا۔

۱۵- ضرورت مذہب:

مذہب کی ضرورت، اہمیت و واقعیت پر مولانا کی یہ ایک تالیف ہے جو اردو زبان میں ہے اور منظوم ہے۔ یہ پہلے ماہنامہ دیندار (اس رسالہ کے مدیر اعلیٰ حضرتؒ ہی تھے اور اس کے بعد پھر ایک اور رسالہ بھی جاری فرمایا تھا جس کا نام ''المظاہر'' تھا اور کچھ عرصہ آپ جامعہ اشرفیہ لاہور کے ماہنامہ رسالہ ''انوار العلوم'' کے بھی مدیر رہے)۔ سہارنپور میں اور

اس کے بعد کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

۱۶- دعوت التبلیغ:

(اس رسالہ کا ترجمہ سندھی زبان میں حال ہی میں صدیقی ٹرسٹ کراچی نے شائع کیا ہے)۔اس مختصر رسالہ میں بیس آیات اور چالیس احادیث درج کی گئی ہیں۔سب سے مقصد دعوت وتبلیغ کی وضاحت کرنی ہے۔۱۳۴۸ھ میں لکھی گئی۔کتاب کے صفحات (۲۴) ہیں۔

۱۷-مثنوی علاج المصائب:

مصائب کے اسباب' ان کے آنے کی وجوہ اور ان سے بچنے کی تدابیر کا تفصیلی تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ متعدد مرتبہ دینی ماہناموں میں بھی یہ شائع ہوچکی ہے۔

۱۸-مثنوی خرابی سینما:

سینما کے مضر اثرات اور اس کے ذریعہ پیدا شدہ خطرناک ماحول پر یہ ایک پُر درد مثنوی ہے۔اس میں بتلایا گیا ہے کہ فلم بینی سے شرعی اخلاق اور دنیاوی نقصانات کس قدر ظاہر ہوتے ہیں۔یہ چالیس بند ہیں جو چالیس عقلی دلائل پر مشتمل ہیں۔مختلف مطابع اس کو شائع کرتے رہتے ہیں۔

۱۹-مثنوی عظمت حدیث:

حدیث کی اہمیت اور شریعت میں اس کے مقام پر یہ ایک عالمانہ مثنوی ہے۔اس میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں حدیث کی عظمت وقدر کس قدر ہونی چاہئے۔یہ مثنوی پہلے ماہنامہ الصدیق ملتان میں شائع ہوئی اس کے بعد کتابی صورت میں طبع ہوئی۔

۲۰ -مثنوی مسدس اصلاح کالج:

اصلاح کالج کے عنوان پر یہ ایک اصلاحی مثنوی ہے اس میں مغربی اثرات کے مفاسد اور ان سے بچنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔مجلس صیانۃ المسلمین لاہور نے یہ شائع کی ہے۔

۲۱- عقائد مشرقی:

علامہ عنایت اللہ...... کی تحریک خاکساریہ ،کی تاریخ اور ان کے عقائد کا اس کتاب میں تفصیلی تذکرہ ہے۔اس تحریک کے مقاصد پر بھی اس کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۲-شرح بلوغ المرام کتاب الادب:

بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور تصنیف ہے۔اس کا آخری حصہ آداب پر مشتمل ہے۔ مولانا موصوف نے اس کی شرح عالمانہ انداز سے فرمائی ہے اور اسلام میں ادب کا جو مقام ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی

ہے۔ یہ کتاب پاکستان میں بی-اے کے نصاب میں داخل ہے۔ کتابستان اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی۔

۲۳-فضائل بیعت:

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے اس میں بیعت کی تاریخ' اس کی ابتداء اور اس کے فضائل ومنافع کا تذکرہ ہے۔

۲۴-آٹھ تراویح بدعت ہیں:

مفتی صاحب نے تراویح کی بیس رکعات ہونے پر بیس احادیث سے دلائل پیش کر کے آٹھ رکعات تراویح کے بدعت ہونے کو ثابت کیا ہے۔ کتابچہ اور پمفلٹ کی شکل میں مولانا کا یہ مضمون متعدد بار شائع ہو چکا۔ رسالہ خدام الدین لاہور اور پیام مشرق لاہور میں بھی یہ طویل مضمون شائع ہوا ہے۔ (اسی طرح جب بعض لوگوں نے قربانی کے وجوب کا انکار کیا تو حضرتؒ نے ''وجوب قربانی'' کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جو کہ خدام الدین لاہور میں دو قسطوں میں طبع ہوا)۔

۲۵-اسباب شکست:

مسلمانوں کو شکست کیوں ہوتی ہے ان کے لئے فتح ونصرت کے کیا اسباب ہیں۔ کن اعمال پر خدا کی طرف سے مدد آتی ہے اور کن اعمال پر یہ مدد اٹھا لی جاتی ہے۔ اس کا مفصل تذکرہ قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں مفتی صاحب نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔۱۳۹۲ھ میں یہ کتاب پاکستان میں شائع ہو چکی۔

۲۶-احرام جدہ کا قضیہ:

ہندو پاکستان سے جانے والے حاجیوں کو احرم کہاں سے باندھنا چاہئے اور کیوں باندھنا چاہئے۔ اس کے تفصیلی دلائل یلملم پر حرام باندھنا ضروری ہے یا نہیں اس مسئلہ کا تفصیلی تجزیہ اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۷- نبی کل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم:

تمام انسان وجنات وملائکہ' جمادات نباتات' حیوانات کے لئے آپ کا نبی ہونا ثابت کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ آپ کی نبوت کسی خاص ملک' علاقہ یا کسی مخصوص طبقہ کے لئے نہیں تھی بلکہ نبوت محمدی پوری کائنات اور پورے عالم کو محیط ہے' پاکستان کے ممتاز رسالہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' میں یہ مضمون بالاقساط شائع ہوا۔

۲۸-تحریک خاکسار کا مقصد:

علامہ مشرقی کی تحریک کا اصل مقصد کیا ہے اور اس سے کیا کیا نتائج ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور کن ممکنہ خطرات کی بناء پر اہل حق اس کا انکار کرتے ہیں ان سب سوالات کے جوابات اس کتاب میں موجود ہیں۔

۲۹-قصائد عربی:

عربی قصائد میں سب سے پہلا قصیدہ مولانا کا وہ ہے جو بھوپال کے ڈائریکٹر تعلیمات کی مظاہر علوم میں آمد پر

مولانا نے پڑھا تھا۔ اس کے بعد مولانا نے اردو عربی فارسی میں بکثرت قصائد کہے جو آپ کے دیوان میں محفوظ ہیں اور گاہے گاہے اخبارات و رسائل اور علمی مجلات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا نے اپنے تمام عربی قصائد کو یکجا جمع کر کے ''قصائد عربی'' کے نام سے مرتب کرلیا ہے۔

۳۰-تسہیل بیان القرآن:

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کی شہرہ آفاق تفسیر ''بیان القرآن'' اپنی جامعیت' معنویت اور افادیت کے اعتبار سے جیسی کچھ ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ مفتی صاحب موصوف نے اس تفسیر کی تسہیل فرمائی جس کی چھ جلدیں تیار ہوئیں۔ لیکن افسوس ہے کہ طباعت واشاعت کے لئے جس پریس میں وہ بھیجی گئی وہاں کے نااہل لوگوں نے اس کو آپس کی رقابت میں ضائع کردیا۔

۳۱-شرح فیصلہ ہفت مسئلہ:

فیصلہ ہفت مسئلہ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ کی تالیف ہے۔ اس میں حضرت نے ان سات مختلف فیہ مسائل کو تحریر فرمایا ہے۔ جو علمائے دیوبند اور اہل بدعت کے درمیان متنازع فیہ ہیں۔ مفتی صاحب موصوف نے اس رسالہ کو اپنے حواشی وتعلیقات کے ساتھ شائع فرمایا ہے اور چھ ضمیمے بھی اس کے ساتھ لاحق کر دیئے۔ پہلا ضمیمہ حضرت حاجی صاحب کی وہ وصیت ہے جو ضیاء القلوب کے آخر میں ہے۔ دوسرا ضمیمہ اعلیٰ حضرت کا وہ مکتوب ہے۔ جس میں براہین قاطعہ پر کیئے گئے چھ اعتراضات کے جوابات ہیں۔ تیسرا ضمیمہ حضرت اقدس تھانوی کا ایک مضمون ہے جس میں فیصلہ ہفت مسئلہ کے مندرجات کی وضاحت اور توضیح کی گئی ہے۔ چوتھا ضمیمہ حضرت اقدس گنگوہی کی ایک تحریر ہے جس میں ہفت مسئلہ کے متعلق ایک سوال کا جواب اور اس کی وضاحت ہے۔ پانچواں ضمیمہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کا ایک خواب ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حق کی تائید فرمائی ہے اور چھٹا ضمیمہ بوادر النوادر صفحہ (۲۰۹) سے ماخوذ ہے جس میں اعلیٰ حضرت اور آپ کے خلفاء کے مسلک پر کیئے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ کتاب کے مجموعی صفحات (۱۱۸) ہیں۔

۳۲-آسان مسائل نماز:

کتاب کا موضوع و مقصد نام سے ظاہر ہے۔ عام فہم آسان زبان میں مسائل سیکھنے اور سمجھنے کے لئے یہ مفید کتاب ہے۔ کتاب کے صفحات (۱۱۲) ہیں۔ مکتبہ زکریا لاہور پاکستان کی جانب سے یہ کتاب شائع ہوچکی۔

۳۳-الحاوی علی الطحاوی:

یہ طحاوی شریف کی شرح ہے جو مولانا نے عربی میں لکھی ہے یہ کتاب الزکوٰۃ تک مکمل ہوچکی۔ جو حضرات مولانا کے تبحر علم اور تحقیقی ذوق سے واقف ہیں وہ اس شرح کے بارے میں فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ کیسی عالمانہ اور محققانہ تالیف ہے۔

۳۴- ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

عید میلاد النبی ﷺ پر ایک تحقیقی مقالہ ہے۔ (مطبوعہ ہے)

۳۵- فرضیت رجم:

جب پاکستان کی ایک عدالت نے شرعی سزا (رجم) کے انکار کا فیصلہ سنایا تو حضرتؒ نے اس پر قلم اٹھایا اور ایک مستقل کتاب رجم کے شرعی سزا ہونے پر تحریر فرما دی اور اس میں قرآنی آیات اور احادیث اور فقہ کے دلائل کے علاوہ بہت عقلی دلائل سے استدلال فرمایا۔

۳۶- شاتم رسول اور اس کی سزا:

سلمان رشدی نے جب آنحضور علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہراتؓ وغیرہ کے خلاف زہر اگلا تو حضرتؒ نے اس کے خلاف یہ مذکورہ مضمون تحریر فرمایا اور ثابت فرمایا کہ شاتم رسول کافر و مرتد ہے اور اس کی سزا قتل ہے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے ماہنامہ الحسن نے اس کو ایک مستقل اشاعت میں شائع کیا۔

آپ کے قلم سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں فتاویٰ تحریر ہوئے جو لوگوں کے پاس محفوظ ہیں اور قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے ان شاء اللہ۔

افسوس کہ ان تمام فتاویٰ کا ریکارڈ ہمارے پاس محفوظ نہ ہو سکا۔ گو کچھ فتاویٰ احقر کے پاس اور کچھ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک اقبال ٹاؤن لاہور میں حضرتؒ کے بڑے صاحبزادے برادرم مولانا مشرف علی صاحب تھانوی کے پاس محفوظ ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو ان شاء اللہ ان کو مرتب کر کے شائع کیا جائے گا۔ امید ہے کہ قارئین اس بارے میں ہم سے تعاون فرمائیں گے کہ جس کے پاس حضرت کا کوئی فتویٰ ہو تو اصل یا اس کا فوٹو ارسال فرمادیں۔

۳۸- عورت کی دیت کا مسئلہ:

بعض لوگوں نے عورت کی دیت کے بارے میں کتاب و سنت اور اجماع کے خلاف مضامین شائع کئے تو حضرت نے ثابت فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلہ میں نصف ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

۳۹- حاشیہ البدائع:

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی کتاب بدائع کے اوپر مفصل حاشیہ تحریر فرمایا۔

۴۰- حاشیہ المصالح العقلیہ:

یہ بھی حضرت تھانویؒ کی کتاب پر مفصل حاشیہ اور حل مشکلات ہے۔

۴۱ - حاشیہ اسلام اور زندگی (الرفیق فی سواد الطریق)

یہ کتاب حضرت تھانوی قدس سرہ کی ہے اس پر مفتی صاحب نے نہایت مفصل حاشیہ لکھا۔

۴۲ - حاشیہ الائتلاف فی حکم الاختلاف:

یہ کتاب حضرت تھانوی قدس سرہ کی ہے اس پر مفتی صاحب نے نہایت مفصل حاشیہ لکھا۔

۴۳ - خصوصیات اسلام

۴۴ - فدیہ وقضاء

۴۵ - عقد انامل

۴۶ - القول المشحون فی مقدمات الفنون

۴۷ - دید شنید یہ کتاب الحسن میں شائع ہوئی ہے۔

۴۸ - حضرت تھانویؒ اور ذاتی مشاہدات

۴۹ - لاؤڈ سپیکر پر نماز کا حکم

حضرت مولانا مقبول الرحمٰن قاسمی صاحب:
قاضی ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر:

میرے محسن فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی یوں تو شہرت سن رکھی تھی' مگر کبھی حضرت کو دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا۔ حضرت سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب بندہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث میں داخلہ لینے کے لئے حاضر ہوا۔ تو حضرت مولانا عبید اللہ صاحب دامت برکاتہ مہتمم صاحب جامعہ نے داخلہ کے امتحان کے لئے حضرت مفتی صاحب کے پاس بھیجا۔ تو یوں حضرت کو پہلی مرتبہ دیکھنے کا موقعہ نصیب ہوا۔ دورۂ حدیث میں داخلہ ملنے کے بعد حضرت مفتی صاحب ابوداؤد شریف نصف ثانی نسائی شریف طحاوی شریف موطا امام مالک موطا امام محمد اور ابن ماجہ شریف پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب کا اسلوب تدریس منفرد تھا۔ مختصر وقت اور چند جملوں میں مشکل اور پیچیدہ مسائل سمجھا دیتے تھے۔ حضرت کے اس پرکشش انداز نے مجھے آپ کے اسباق میں شمولیت کا گرویدہ بنا دیا تھا اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ راقم نے متذکرۂ کتب احادیث کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنے کی سعادت بھی حاصل کی۔ حضرت مفتی صاحب عربی تلفظ کی صحت پر خاص توجہ دلاتے تھے اور بہت سے ایسے الفاظ جو عام طور پر درست نہیں بولے جاتے۔ حضرت ان کی درستگی کی طرف خاص طور پر توجہ دلایا کرتے تھے' اس طرح راقم نے حضرت سے دوران تعلیم بھرپور استفادہ کیا۔

پھر جب دورۂ حدیث شریف سے فراغت نصیب ہوئی۔ تو حضرت استاذی المحترم مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اشرفیہ نے بکمال مہربانی اور شفقت سے جامعہ اشرفیہ میں بالکل ابتدائی کلاسوں کے لئے معین مدرس کے طور پر راقم کا تقرر فرمایا۔ میری درسگاہ اور حضرت مفتی صاحب رحمت اللہ علیہ کا دارالافتاء آپس میں متصل تھے۔ اس طرح جوں ہی مجھے اسباق سے سے فرصت ہوتی۔ تو جا کر حضرت مفتی صاحب کے پاس بیٹھ جاتا اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی اجازت سے وہ فتاویٰ پڑھتا جو حضرت تحریر فرماتے تھے علاوہ ازیں حضرت کے سامنے زیر درس کتابوں کی مشکلات بھی پیش کرتا۔ تو حضرت بکمال شفقت ان مشکلات کو حل کرواتے۔ اس کے علاوہ مفتی صاحبؒ کے پاس آنے والی علمی شخصیات سے حضرت کی عالمانہ گفتگو سننے کے موقعہ بھی ملتا اور حضرت کے ارشادات کی روشنی میں اپنی بے شمار خامیوں اور کوتاہیوں کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ پھر اسی اثناء میں جامعہ اشرفیہ کی طرف سے فتویٰ نویسی کی عملی تربیت کے لئے ایک کلاس کا آغاز کیا گیا اس پہلی کلاس کے شرکاء صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب زیدہ مجدہ حضرت صاحبزادہ مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہ صاحب زادہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم اور راقم الحروف تھے اور عملی طور پر فتویٰ نویسی کی تربیت کے حضرت مفتی صاحب ہی تھے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ نویسی کے اصول وقواعد سمجھانے کے لئے سب سے پہلے ہمیں شرح عقود رسم المفتی سبقاً سبقاً پڑھائی اور بعد میں یہ طریقہ کار تجویز فرمایا۔ کہ جو فتاویٰ آپ کے پاس آتے۔ آپ ہم شرکاء میں تقسیم فرمادیتے اور مطابق ہدایت پہلے رف جواب تیار کر کے حضرت کے روبرو پیش کیا جاتا۔ اگر جواب درست ہوتا تو مطابق حکم اصل استفتاء پر جواب لکھ دیا جاتا۔ بصورت دیگر کتابوں سے جواب تلاش کیا جاتا اور اس سلسلے میں صرف کسی ایک کتاب سے جواب پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ مختلف کتابوں کی طرف مراجعت کی جاتی۔ اس طرح حضرت کی راہنمائی میں فقہ کی مختصر طویل جدید اور قدیم کتب فقہ کو زیر مطالعہ لانے کا موقعہ ملتا رہتا۔ حضرت کی ہدایت تھی کہ صرف اور صرف مفتی بہ قول کے مطابق ہی جواب دیا جایا کرے حضرت کی نظر فقہ کے ذخیرے پر اتنی وسیع تھی کہ بدوں کتاب دیکھے یہ بتادیا کرتے تھے کہ فلاں قول مفتی بہ نہیں ہے' راقم کو عرصہ دس سال تک حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور استفادہ کا موقعہ نصیب ہوا۔ یہ صرف میری ہی نہیں بلکہ جملہ سنجیدہ علمی حلقوں کی رائے ہے کہ حضرت مفتی صاحب فقہ کے آسمان کے تابناک ستارہ اور اس میدان کے نامور محقق کا درجہ رکھتے تھے۔ برصغیر کے ڈیڑھ دو سو سالہ ادھر کی تاریخ میں جو حضرات نامور اصحاب فتویٰ گذرے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کا مقام ان اکابر مفتیان مظام سے کسی بھی صورت کم نہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے فقہ حنفی کے سرچشمہ سے ہزاروں تشنگان دین کو نصف صدی سے زیادہ عرصے تک سیراب کیا۔ حضرت نے چونکہ زیادہ تر اور ہمہ وقتی طور پر مفتی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔ اس لئے اسی میدان میں لازوال شہرت پائی۔ مگر یہ بات دینی حلقے جانتے ہیں کہ حضرت جملہ اسلامی علوم اور دینی فنون کے بہترین استاد اور عالم بے بدل اور اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ عربی فارسی اور اردو کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ اس صنف میں بھی کافی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ حضرت مفتی صاحب صورت سیرت زہد و تقویٰ اخلاص اور للھیت میں اپنے اکابر کا چلتا پھرتا کامل نمونہ تھے۔ حضرت مفتی صاحب کا تعلق علماء احناف کی اس جماعت سے تھا جنہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں دینی خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں۔ حضرت کی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ بامقصد تھا۔ اس طرح حضرت نے اپنی پوری زندگی میں علم و عمل کی بے شمار شمعیں

روشن کیں۔اس تناظر میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کی حیات طیبہ تھی۔ایک اور اعتبار سے آپ مسلمانان پاکستان کے محسن تھے کیونکہ آپ کا شماران اکابر علماء میں ہوتا ہے۔جنہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں مملکت خداداد پاکستان کے قیام کی پرزور حمایت کی تھی اور قیام پاکستان کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اپنے قلم سے قیام پاکستان کے مقاصد کو اجاگر کرنے میں بھی نمایاں کام سرانجام دیا۔حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے ہمہ پہلو خوبیوں سے متصف کی رحلت یقیناً بہت بڑا دینی نقصان ہے۔شاید ایسی نابغہ روزگار شخصیت پھر دینی حلقوں کو میسر نہ آئے۔رب کریم سے دعا ہے۔کہ وہ کروٹ کروٹ حضرت مفتی صاحب پر اپنی بخششیں اور رحمتیں نازل فرمائے۔آمین ثم آمین۔

مولانا صوفی محمد اقبال قریشی صاحب:
صدر مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد:

سرپرست مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ع اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

ولیٔ کامل حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہم (مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم وصدر مجلس صیانۃ المسلمین منڈی چشتیاں) عمرہ سے واپس تشریف لائے تو ان کی زیارت و ملاقات کے لئے بندہ علی الصبح ۲۳ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ کو منڈی چشتیاں پہنچا تو حضرت موصوف مدظلہم نے اخبار نوائے وقت لاہور میں یہ خبر دکھائی کہ بقیۃ السلف' خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کی آخری نشانی اور حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے نسبتی داماد ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کو ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

داغ فراق یار صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

قحط رجال کے اس دور میں حضرت مفتی صاحبؒ کا وجود مسعود بڑا غنیمت تھا۔ ان کے علم وفضل' تقویٰ و دیانت اور فتویٰ پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ وہ ایک باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے۔ ہمہ وقت علمی مشاغل کے باوجود طویل اصلاحی نظمیں تحریر فرمائیں۔ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر محفل مجذوب میں سٹیج پر تشریف فرما کر ہمہ تن انہماک سے عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کا کلام سنتے تھے۔ ایک اصلاحی منظوم خط کے جواب میں حضرت خواجہ صاحبؒ نے آپ کو خطاب کر کے یوں تحریر فرمایا تھا ؎

پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ
متبع بے دلیل ہو جاؤ

پھر تو سچ مچ جمیل ہو جاؤ
یعنی حق کے خلیل ہو جاؤ

بلا شبہ حضرت مفتی صاحبؒ اسم بہ مسمی تھے استاذ العلماء سیدی و مرشدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ جیسے اساطین امت بھی حضرت مفتی صاحبؒ سے دارالحدیث خیر المدارس' جامع مسجد خیر المدارس کے تاریخی قطعات لکھنے کی فرمائش کرتے تھے۔ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہ سے کوئی فقہی مسئلہ پوچھتا تو فرماتے فقہی مسائل تو حضرت مفتی صاحبؒ موصوف کے پاس جا کر پوچھ لو۔ باغ جنت کے مشہور مصنف حضرت مولانا حافظ عنایت علی صاحب لدھیانویؒ خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی حیات طیبہ ہی میں فرمایا کرتے تھے کہ فقہی مسائل کے حل کے لئے تو حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا چاہئے کیونکہ حضرت مفتی صاحبؒ فقہ النفس ہیں۔

احقر کی درخواست پر احقر کے رسالہ ازدواجی زندگی کے شرعی احکام کے باب دوم وسوم (مباشرت وغیرہ کا بیان) پر نظر اصلاحی فرمائی اور مفید حواشی تحریر فرمائے۔ کتاب کا نام احکام الازدواج تجویز فرمایا اور چند عنوانات بطور اضافہ کرنے کا حکم فرمایا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس رسالہ کو شرف قبولیت عطاء فرمایا اور اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

احقر نے اپنا رسالہ اشرف الاحکام حصہ سوم ارسال کیا تو حسب ذیل تقریظ تحریر فرمائی۔

میسملا و محمد لا و مصلیا و مسلما۔

ایک مدت سے میرے دل میں یہ تمنا تھی کہ کوئی اللہ کا نیک بندہ جو اپنی اصلاح دل کی کیفیت اور دین کی صحیح معلومات کے لئے مجدد الملۃ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ وملفوظات کا خوب مطالعہ کرنے کا شوقین ہو۔ ایسا کرے تو ذاتی فائدہ کے علاوہ تمام مسلمانوں کے بڑے فائدہ کا کام بھی ہو جائے جس کا سلسلہ ان شاء اللہ تا قیامت قائم اور جاری رہے گا کہ وہ چند کا پیاں سادی ہمراہ رکھے اور ان پر تفسیری نکات' حدیثی نکات' فقہی اہم نکات' تصوف کے اسرا' لطائف' عجائب وغرائب عنوانات لکھ کر مطالعہ شروع کرے اور جس جس عنوان کی عجیب تحقیق سامنے آتی جائے وہ اس کی کاپی میں نقل کرے یا کم از کم اس کی کاپی میں اس کا حوالہ ہی لکھ لے تاکہ پھر کبھی وقت فرصت نقل کر دے اور کسی وقت یہ بڑے قیمتی جواہر مدون ہو کر سامنے آ جائیں کہ اب ایسے بزرگوں کا وجود شائد نہ مل سکے اور قیامت تک کی ہدایات کا انوکھا مجموعہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائیں عطاء فرمائے صوفی محمد اقبال قریشی کو انہوں نے فی الحال فقہی نادر معلومات کو تو ایک جگہ فراہم کر کے اپنے لئے تا قیامت اجر وثواب کا بہترین ذخیرہ فراہم کر لیا ہے میرے سامنے صرف اس کا حصہ سوئم ہے۔ اس سے حصہ اول و دوم کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ نادر مسائل جو بہت سے اہل علم کو بھی معلوم نہیں ہوتے

ایسے زبردست محقق ومحق کے قلم سے نکلے ہوئے جمع کر دیئے جس کی بے حد ضرورت اور تلاش مشکل تھی اب انبار کا انبار ہاتھ لگ سکتا ہے خدا کرے کہ باقی انتخابات کی بھی توفیق حاصل ہو اور یہ کار خیر انجام پذیر ہو جائے۔ جمیل احمد تھانویؒ بعدہٗ احقر نے دیگر حصص بھی برائے ملاحظہ ارسال کئے تو تحریر فرمایا بعد تکمیل اس کی تبویب کر کے امداد الفتاویٰ کے ساتھ شائع کرانا چاہئے۔

قیام پاکستان کے تقریباً آغاز میں محترم عبدالجواد صاحب صدیقی کی فرمائش پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فروع الایمان پر ایک مفید حاشیہ تحریر فرمایا تھا حواشی اصل رسالہ سے دو چند ہونے کے سبب کتابت کسی کاتب کے بس کی بات نہیں تھی۔ چند سال قبل مولانا حسین احمد صاحب علوی پروفیسر عربی چشتیاں سے یہ رسالہ میرے ہاتھ لگا تو میں نے اس کے من وعن صاف کاغذ پر نقل کر کے ادارۂ اسلامیات لاہور سے طبع کرا کر حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت اقدس میں پیش کیا تو نہایت مسرور ہو کر دعاؤں سے نوازا۔ اسی نقل نویسی کی بدولت حق سبحانہ وتعالیٰ نے جزاء الاعمال پر اسی انداز میں کام کرنے کی توفیق بخشی جو الحمد للہ ادائرہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد سے شائع ہو چکا ہے اور حضرت مولانا سید نجم الحسن صاحب تھانویؒ نے بھی اسے پسند فرمایا تھا۔

ایک مرتبہ ناچیز نے دارالافتاء جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور حاضر ہو کر ''سبق آموز مزاحیہ حکایات''۔ ''اسلام کی تعلیمات اعتدال'' اور چند رسائل پیش کئے تو مسرت سے فرمایا اچھا اقبال صاحب آ گئے۔ اقبال صاحب آگے بڑھے اور ان رسائل کے مطالعہ میں مستغرق ہو گئے۔ اس وقت اہل فتاویٰ کی جماعت مشورہ کے لئے حاضر تھی۔ برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہ بار بار چائے منگوانے کے لئے کہہ رہے تھے۔ بندہ نے یہ سوچ کر کہ کہیں ان حضرات کا وقت ضائع نہ ہو' اجازت چاہی مگر حضرت مفتی صاحبؒ برابر مطالعہ میں اسی طرح مستغرق تھے۔ اس روز اندازہ ہوا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو افادات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے کس قدر گہرا لگاؤ ہے۔

احکام القرآن کی تصنیف کے دوران ایک بار ناچیز سے فرمایا کہ اگر تم مواعظ اشرفیہ وملفوظات سے (غالباً پارہ ۱۷ تا ۱۹ فرمایا) تفسیری آیات قلم بند کر کے ارسال کر دو تو میں اسے عربی میں منتقل کر کے احکام القرآن میں درج کر لوں گا۔ اس طرح حضرت حکیم الامتؒ کے یہ علوم ومعارف اہل عرب تک پہنچ جائیں گے۔ لیکن مقام افسوس کہ بندہ اپنے معاشی افکار واشغال کے سبب حضرت مفتی صاحبؒ کی اس فرمائش کی تکمیل نہ کر سکا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اور رسالہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔

وفات سے چند ماہ قبل خلاصہ مواعظ اشرفیہ ارسال کیا تو اظہار مسرت فرمایا اور تحریر فرمایا کہ ایک کام یہ کرنے کا ہے کہ تربیت السالک جلد دوم جو پاکستان میں چھپی ہے اس میں حضرت حکیم الامت کے ۱۳۵۰ھ تا ۱۳۶۲ھ کے اصلاحی والا نامے درج ہیں۔ اسے تبویب تربیت السالک جلد اول کے ساتھ اس انداز میں شامل کریں کہ جملہ مواد ایک ہی جلد میں

آ جائے اور ایک ہی عنوان کو دو جلدوں میں دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر کسی ناشر نے طباعت کے وقت یاد دہانی کرائی تو بندہ بشرط زندگی وصحت اس کام کے کرنے کے لئے تیار ہے۔

احقر کے زیر طبع مضمون کا عنوان واردات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تجویز فرمایا اور تنبیہہ فرمائی کہ جہاں حضرت کی عبارت مغلق ہو حاشیہ میں اس کی وضاحت کردی جائے۔ رسالہ تربیت النساء کی تبویب کے سلسلہ میں رائے طلب کرنے کا بار بار ارادہ کیا لیکن حضرت مفتی صاحب کی علالت کے سبب اس کی جرات نہ کر سکا اور ڈاکٹر حضرت حفیظ اللہ صاحب سکھروی مدظلہ کی دعاؤں سے کام چلا لیا۔ بالآخر حضرت مفتی صاحبؒ وہاں تشریف لے گئے جہاں ہم سب کو جانا ہے۔ اصحاب اقتدار پر افسوس ہے کہ تحریک پاکستان کے اس عظیم مخلص رہنما کے انتقال پر پرچم پاکستان کے سرنگوں کرنے کا حکم نہ دے سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب کو مجلس صیانۃ المسلمین سے بے حد تعلق تھا۔ اس کی ترقی وترویج کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً کارکن حضرات کو مشوروں سے مستفید فرماتے رہتے تھے اور مجلس کے سالانہ اجتماع کا تو خاص طور پر پورے سال انتظار رہتا تھا کیونکہ اس اجتماع میں بفضلہٖ تعالیٰ سلسلہ امدادیہ اشرفیہ اور دیگر سلسلوں کے علماء کرام ومشائخ عظام سے ملاقاتیں ہو جاتی تھیں اور سلسلہ اشرفیہ کے جو حضرات اس مرکزی اجتماع میں تشریف نہیں لاتے تھے تو ان کی عدم تشریف آوری پر افسوس کا اظہار فرماتے تھے۔ متعدد بار حضرت اقدس پیرانی صاحبؒ (اہلیہ محترم حکیم الامت حضرت تھانویؒ) اور حضرت مفتی صاحبؒ نے سالانہ اجتماع میں تشریف لائے ہوئے علماء کرام کی گھر پر بلا کر دعوت بھی کی ہے۔

افسوس صد افسوس کہ حضرت اقدس مسیح الامت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ کی وفات کے بعد مجلس ایک اور عظیم المرتبۃ سرپرست سے محروم ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد اقبال قریشی ہارون آباد

وکیل احمد شیروانی:

موت العالِم موت العالَم

احقر اور مولانا عبدالدیان صاحب ناظم عمومی مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان بتوفیقہ تعالیٰ عمرہ پر گئے ہوئے تھے کہ مورخہ ۲۵ دسمبر بروز اتوار مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں ظہر کی نماز کے بعد ہندوستان کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دام ظلہم سے جو سفر افریقہ سے واپس تشریف لائے ہوئے تھے اور ہندوستان جا رہے تھے مسجد نبوی میں ملاقات ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے خدام میں سے ایک خادم نے ایک اندوہناک خبر سنائی اور کہا کہ آج صبح لاہور سے کسی کے پاس فون آیا ہے کہ آج صبح لاہور میں حضرت مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یوں تو حضرت مفتی صاحبؒ ایک عرصہ دراز سے علیل چل رہے تھے‘ اگرچہ درمیان میں کئی کئی دفعہ ایسے مرحلے بھی آئے کہ جن میں بچنے کی بالکل امید نہیں رہی تھی‘ مگر حق تعالیٰ نے فضل فرمایا اور صحت عطا فرمائی۔ عمرہ پر روانگی سے قبل بھی ایسی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ حضرت اقدس مفتی صاحبؒ اتنی جلد ہم سے رخصت ہو جائیں گے‘ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت اقدس جناب مفتی صاحبؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ ہندوستان‘ پاکستان کی ایک مشہور و معروف شخصیت تھے۔ آپ محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے اجل تلامذہ میں سے اور حضرت اقدس مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ سابق ناظم جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ آپ نے تقریباً بیالیس (۴۲) سال جامعہ اشرفیہ لاہور میں درس و افتاء کا کام کیا اور تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ میں جو فتاویٰ کا کام کیا وہ اس کے علاوہ ہے‘ آپ نے ساری تعلیم ہندوستان کے مشہور و معروف دینی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی اور ۲۱ سال کی عمر میں محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور‘ حضرت اقدس مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کامل پوری سابق مدرس جامعہ مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحبؒ بھی تھے۔ تحصیل علم کے بعد آپ کلکتہ تشریف لے گئے‘ جہاں آپ

تقریباً ۸ ماہ تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حیدرآباد دکن میں بھی چند ماہ دینی علوم کی تدریس کی مگر قلبی طور پر مطمئن نہ ہو سکے اس کے بعد حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے اپنے پاس سہارنپور بلالیا۔ جہاں آپ نے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۸ء تک اور پھر ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۲ء تک علوم نبویہ کی تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۳ء تک (پانچ سال) خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے زیر نگرانی بحیثیت مفتی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران اگر کوئی مدرس چھٹی پر چلا جاتا تو اس کی جگہ بھی آپ کتابیں پڑھاتے تھے خانقاہ امدادیہ میں زمانہ قیام کے دوران جو فتاوی آپ نے لکھے حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کے نام کی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام جمیل الفتاوی رکھ دیا تھا۔ ۲۵ سال کی عمر میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی چھوٹی اہلیہ محترمہؒ صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوگیا۔

۱۹۵۳ء میں آپ نے تھانہ بھون (انڈیا) سے پاکستان ہجرت فرمائی اور ملک کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں مدرس اور صدر مفتی مقرر ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ افتاء کا سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔ اس دوران آپ نے جہاں امت مسلمہ کے دینی مسائل کے حل کے لئے لاکھوں فتاویٰ تحریر فرمائے وہاں ہزاروں تشنگان علوم نبویہ کو ابوداؤد شریف، طحاوی شریف اور ہدایہ اخیرین بھی پڑھائی، نیز ایک سال حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی وفات کے بعد اس جامعہ میں صحیح بخاری شریف کا درس بھی دیا۔

اسی دوران آپ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی آخری تصنیف احکام القرآن (دلائل القرآن علی مسائل النعمان) کی تکمیل کا کام شروع فرمایا، احکام القرآن کا جو حصہ حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو لکھنے کو دیا تھا اس کو آپ نے اسی زمانہ میں مکمل فرمالیا تھا۔ مگر وہ حصہ ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ آپ کی بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح سے یہ صاف ہو کر شائع ہو جائے۔ حق تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے بڑے صاحبزادہ برادرم مولانا مشرف علی صاحب تھانوی زید مجدھم مہتمم دارالعلوم اسلامیہ لاہور کہ انہوں نے اس طرف توجہ کی اپنی نگرانی میں حضرت مفتی صاحبؒ کے لکھے ہوئے حصہ کو مولانا خلیل احمد تھانوی زید مجدھم اور مولانا امداد اللہ صاحب سے اس کو صاف کرایا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور کچھ مزید اضافے بھی فرمائے۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ حصہ ۱۹۹۳ء میں بحسن وخوبی مکمل ہوا۔ دعاء ہے کہ خدا کرے کہ جلد از جلد یہ حصہ جو طبع سے رہ گیا ہے طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ آمین۔

غرضیکہ حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت ان چند بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جو برصغیر پاک و ہند پر انگلیوں پر گنی جاتی تھیں۔ جو مدتوں تک اکابر علماء ومشائخ کی نظروں میں رہے، ان حضرات کی صحبتوں سے مستفید ہو کر آفتاب ماہتاب بن کر چمکے۔ آج دنیا میں ان کی مثالیں کہاں اور کس طرح پیدا ہوں، وہ عہد حاضر کے آئمہ فن علماء، اولیاء واتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے، اب ایسے عمیق علم وفہم کے حامل فقیہ محدث، مدبر اور علوم دینیہ کے جامع ترین

عالم کہاں پیدا ہوں گے۔ ان کی موت عالم اسلام کی موت ہے علمی دنیا میں آپ کا ایک خاص درجہ اور مقام تھا۔ ادبیت اور عربی و فارسی کی ادبی قوت بے مثال تھی۔ عربی' فارسی اور اردو کے عظیم شاعر تھے۔ آپ کو فقہ میں امامت کا درجہ حاصل تھا۔ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ جیسے مرشد کامل و ہادی شیخ کامل کی رہنمائی اور سرپرستی میں ایک عرصہ دراز تک علمی خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا' اور اپنی ذہانت و تبحر علمی کی بدولت قرآن پاک کی آیات مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ احکام القرآن جیسی تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔

بفضلہ تعالیٰ اس احقر ناکارہ کو حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہ کی خدمت بابرکت میں ایک عرصہ دراز تک رہنا نصیب ہوا' سب سے پہلی زیارت تھانہ بھون میں ہوئی۔ بفضلہ تعالیٰ احقر کی ولادت بھی تھانہ بھون ہی کی ہے اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے دولت خانہ میں احقر کی ولادت ہوئی احقر نے وہ دور بھی دیکھا اگرچہ اس وقت بچپن تھا مگر کچھ شعور تھا کہ آپ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ایک بالا خانہ پر افتاء کا کام انجام دیتے تھے۔ پھر پاکستان میں ایک عرصہ دراز تک حضرت مفتی صاحبؒ کی زیرنگرانی افتاء کا کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کے زیرنگرانی بے شمار فتویٰ لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ افتاء کے کام میں احقر کو دسترس حاصل ہوگئی' ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ شد بد ہوگئی' حضرت اقدس مفتی صاحبؒ بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ احقر کے لکھے ہوئے فتویٰ پر نظر ثانی فرماتے تھے اور افتاء نویس کے اہم اہم اصول اور ضوابط سے بھی آگاہ فرماتے تھے۔ دعاء ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت اقدس جناب مفتی صاحب قدس سرہٗ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمادیں اور ہم خدام و شاگردوں کو حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وفات سے عوام تو محروم ہوئی ہیں۔ مگر صحیح یہ کہ دراصل ان کی وفات سے مفتیان کرام اور علماء یتیم ہوگئے اور پوری ایک صدی کی تاریخ کا خاتمہ ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو اپنے قریب میں اعلیٰ مقامات سے نوازے۔ آمین یارب العالمین۔

ازمولانا محمد اسعد تھانویؒ:

آہ! حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے کائنات کو تخلیق کیا اور درود وسلام اس ذات مقدس پر جسے ختم نبوت کا تاج پہنایا گیا۔

قارئین اس حادثہ جانکاہ کی خبر سن ہی چکے ہیں کہ جامعہ اشرفیہ کے استاد حدیث اور مفتی، جریدہ الاشرف کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف انتقال کر گئے ہیں۔

اللھم اکرم نزله ووسع مدخله وابدله دارا خیرا من داره واهلا خیرا من اهله ونقه من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وباعد بینه وبین خطایاه کما باعدت بین المشرق والمغرب۔ آمین

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے جن گوناں گوں صفات اور متنوع کمالات سے نوازا تھا ان کا احاطہ مجھ ہیچمدان کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ وہ ہر علم وفن میں معلومات کا خزانہ اور مطالعہ اور ذوق کتب بینی سے سرشار تھے۔ ان کی زندگی اخلاص، للّٰہیت اور سادگی و بے تکلفی کا نمونہ تھے۔ ان کا کردار اسلاف کی یادوں کا آئینہ دار تھا۔ ان کی مجلس عالمانہ نکات واشارات اور اکابر کے واقعات سے آباد اور معطر ہوتی تھی۔

یہ بات تو کسی عامی سے بھی پوشیدہ نہیں کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے علم کی روح اور اس کے نتائج وثمرات حاصل نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لیے کسی علم چشیدہ اور خدارسیدہ انسان کی صحبت وتربیت ضروری ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے خوش قسمت تھے کہ انہیں اپنے دور کے ابرار واخیار کی خدمت میں رہنے اور اس کے فیوض نظر اور دعاؤں سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ انہوں نے تزکیہ وتربیت کے لیے شیخ المشائخ حضرت مولانا اسعد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اصلاح وتزکیہ کے بعد ان کی خلافت سے مشرف ہوئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو مردم شناسی میں جو ملکہ حاصل تھا اس کا ایک زمانہ معترف ہے۔

ان کا انتخاب واقعۃً لاجواب ہوتا تھا۔ کسی بھی شخصیت پر ان کا اعتماد اس کے باکمال ہونے کی سند بن جاتا تھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب ''احکام القرآن'' کی تالیف وترتیب کا ارادہ فرمایا تو اس کی مختلف منزلیں مختلف علماء کے ذمہ لگائیں ان علماء میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کا نام بھی شامل تھا۔ چنانچہ انہوں نے مفوضہ خدمت کو بڑی محنت اور عرق ریزی سے سرانجام دیا۔

وہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے داماد بھی تھے۔ چھوٹی پیرانی صاحبہ کی بیٹی ان کے نکاح میں تھیں اور خود پیرانی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ کا قیام بھی انہی کے ہاں تھا جن کی خدمت کا خوب خوب موقع انہیں ملا۔

حضرت مفتی صاحب اولاد کے اعتبار سے بھی بڑے خوش قسمت تھے۔ اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور چار ہی بیٹیوں سے نواز رکھا تھا۔ چاروں بیٹوں میں سے مولانا مشرف علی دارالعلوم اسلامیہ کے مدیراعلیٰ اور مدرس ہیں' مولانا قاری احمد میاں صاحب مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل اور دارالعلوم کے صدر قاری ہیں' مولانا خلیل احمد صاحب اسی مدرسہ میں تدریس اور افتاء کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں اور مولانا محمد میاں ذاتی کاروبار کرتے ہیں۔

جہاں تک حضرت مفتی صاحب کی روحانی اولاد کا تعلق ہے تو ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ کئی جامعات کے شیوخ احادیث' مدیران گرامی اور مصنفین ومبلغین کا شمار حضرت مفتی صاحب کا تلامذہ اور مستفیدین میں ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مظاہر العلوم سہارنپور کے اس دور میں وہاں کسب فیض کیا جب اس کا نام چاردانگ عالم میں گونج رہا تھا اور وہاں اپنے وقت کے غزالی درازی تعلیم وتربیت کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ راس المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نوراللہ مرقدہ سے انہوں نے بخاری شریف کا درس لیا اور دوسری کتابیں دیگر مشاہیر سے پڑھیں۔ یہ وہ حضرات تھے جو صرف الفاظ ہی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ علمی گتھیاں سلجھانے کے ساتھ ساتھ اپنا دردِ دل اور اخلاص وللّٰہیت بھی اپنے تلامذہ کی طرف منتقل کر دیتے تھے ان کی درس گاہ' درس گاہ بھی ہوتی تھی اور خانقاہ بھی' وہ علم بھی بانٹتے تھے اور جذبہ عمل بھی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ زمانہ طالب علمی ہی میں اپنے اساتذہ کی نظر میں آچکے تھے چنانچہ فراغت کے بعد مظاہر ہی میں تدریس کے لیے ان کا تقرر ہو گیا اور وہ تقسیم ہند سے قبل وہیں اپنی تدریسی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ اجل حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شیخ کے نام پر جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھی تو حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تقرر بحیثیت مفتی ومدرس کیا گیا۔ ان کے فتاویٰ حزم واحتیاط اور علمی تعمق کے شاہکار ہوتے تھے۔ باوجودیکہ انہوں نے قدیم ماحول میں قدیم اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ بایں ہمہ فتویٰ دیتے ہوئے وہ جدید حالات اور جدید تقاضوں کو ضرور سامنے رکھتے تھے۔

ہمارے والد گرامی حضرت مولانا احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ تقریباً دس سال عمر میں بڑے تھے۔ جب ہمارے دادا جان کا انتقال ہوا تو والد صاحب کی عمر صرف چار برس تھی مگر تایا جان نے اپنی محبت وشفقت سے ان کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دیا اور کم سنی کے باوجود ان کی تعلیم وتربیت اور دیکھ بھال کو اپنے ذمہ لے لیا۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان کی شفقت ومحبت ہمیں بھی تا زندگی حاصل رہی۔ جب کبھی لاہور کا سفر ہوتا تھا تو تایا جان کی زیارت وصحبت کی کشش دل میں چٹکیاں لیتی محسوس ہوتی تھی۔ افسوس کہ تقریباً ستر سال تک مسند درس وافتاء کو رونق اور زینت بخش کر بانوے سال کی عمر میں حضرت مفتی صاحب بھی ہمیں اپنے سائے سے محروم کر گئے۔ ان کی رحلت سے علمی دنیا میں ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے اور ہمارے دل حزن والم میں ڈوبے ہوئے ہیں مگر یقیناً رب کریم وحکیم کے ہر فعل اور حکم میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے جس تک ہماری کوتاہ نظریں رسائی حاصل نہیں کر سکتیں ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے امت کو حضرت مفتی صاحب کا نعم البدل، ہمیں صبر کرنے کی توفیق اور انہیں علیین میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

از مولانا محمد ازہر صاحب مدیر الخیر ملتان:

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ کا سانحۂ ارتحال

۲۰ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ (۲۴ دسمبر ۹۴ء) بروز اتوار حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے تربیت یافتہ اور ایک مایہ ناز عالم دین حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ بھی ہم سے بچھڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب ایک جلیل القدر (استاذ وقت کے جید عالم اور سلیم الفکر اور متوازن الرائے مفتی تھے' عوام اور اہل علم میں آپؒ کے فتاویٰ استناد و ثقاہت کے لحاظ سے وقیع حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ ان خوش نصیب افراد میں سے تھے' جن کے علم و افتاء اور اصابت رائے پر مجدد وقت اور حکیم امت حضرت تھانویؒ جیسی شخصیت کو اعتماد تھا۔ قیام پاکستان کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ (خلیفہ ارشد حضرت تھانویؒ) کے قائم کردہ مدرسہ ''جامعہ اشرفیہ لاہور'' میں تفسیر و حدیث اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی تدریس کے ساتھ مسند افتاء کو رونق بخشی۔ اس عرصہ میں ہزاروں طلبہ آپ سے مستفید ہوئے اور ہزارہا مسائل میں آپؒ نے قوم کی رہنمائی فرمائی۔ قرآن و سنت اور دیگر علوم وفنون میں ماہرانہ دسترس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپؒ کے قلم سے متعدد عربی' فارسی اور اردو تحریرات کے علاوہ قصائد و مراثی اور عمدہ نظموں نے اہل علم سے خراج تحسین پایا۔ حضرت مفتی صاحبؒ خالص علمی مباحث کو نظم کرنے کا حیرت انگیز ملکہ رکھتے تھے۔

''حجیت حدیث'' پر آپؒ کی ایک طویل نظم ''الخیر'' میں شائع ہو چکی ہے۔ جس میں آپؒ نے ''حدیث'' کی تعریف اس کی حیثیت و مقام اور اقسام کے علاوہ منکرین حدیث کے تمام شبہات کے مسکت جواب دیئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ جدید درسگاہوں میں مغربیت کی یلغار اور مسلمانوں کے اپنے علمی وفکری ورثہ سے تغافل پر بہت فکر مند رہتے تھے اور کالج کی مروجہ تعلیم کو ایمان و اخلاق اور اسلامی تہذیب کے لئے حد درجہ ضرر رساں قرار دیتے تھے۔

بے پناہ علمی مشاغل کے باوجود طبیعت میں شگفتگی اور زندہ دلی تھی' مگر بایں ہمہ گفتگو اور تقریر و تحریر' ہزل و ابتذال

سے بالکل پاک ہوتی تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ اس دور میں علمائے سلف کے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور اخلاص وللّٰہیت کا نمونہ تھے۔ بلاشبہ ان کے انتقال سے علم وفضل کی دنیا میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل اور دینی وعلمی کمالات کو ان کے اخلاف کی زندگیوں میں باقی رکھیں۔ صاحبزادہ محترم حضرت مولانا مشرف علی تھانوی جو متعدد خصائل وصفات میں الولد سر لابیہ کا مصداق ہیں۔ ہماری خصوصی تعزیت کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور مفتی صاحبؒ کے دوسرے متعلقین کو صبرِ جمیل اور اجر کثیر عطا فرمائیں اور حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے دامانِ رحمت مغفرت میں جگہ دیں۔ آمین یا اله العالمین۔

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جامپور:

حضرت مفتی اعظمؒ کی یاد میں

شیخ عالم فقیہہ ملت حضرت مفتی جمیلؒ
وارث علم نبوت حضرت مفتی جمیل

مفتیان دین قیم کے امیر کارواں
آفتاب علم و حکمت حضرت مفتی جمیلؒ

خلیلؒ و اشرفیؒ فیضان نظر کا شاہکار
جان ارباب بصیرت حضرت مفتی جمیلؒ

گلشن تھانویؒ کی رنگینی فصل بہار
قائد علمائے امت حضرت مفتی جمیلؒ

با یزید عصر حاضر مرد حق روشن ضمیر
عامل قرآن و سنت حضرت مفتی جمیلؒ

پیکر صدق و صفا عاشق خیر الوریٰ
جامع شرع و طریقت حضرت مفتی جمیلؒ

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور:

آہ! مفتی جمیل احمد تھانویؒ

آہ وہ منبع علم و عرفان چل بسے
مفتی دیں، فقیہ دوراں چل بسے
وہ محدث وہ مفسر بے بدل
یادگار بوذر و سلماں چل بسے
صاحب حلم و حیا مخزن جود وسخا
وہ عاشق نبیؐ آخر الزماںؐ چل بسے
یادگار سلف تھے اور اشرفؒ کے جانشین
وہ خلیلؒ وقت رازی دوراں چل بسے
متعارف تھی جن کی شخصیت عرب و عجم میں
وہ محقق وہ مولف احکام قرآں چل بسے
کل جو تھے ہمارے مشفق و مہربان
آج وہ بھی چھوڑ کر سوئے یزداں چل بسے

﴿۱۷﴾

مناظر اسلام

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۲۳ھ

وفات: ۱۴۱۸ھ

م۔خ۔ندوی مظاہری:

مبلغ ومناظر اسلام حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کچھ یادیں کچھ باتیں

حالات وکمالات:

اس دار فانی میں آنے والے ہر مسافر کی آخری منزل موت ہے' یہ اور بات ہے کہ اس منزل تک پہنچنے والوں میں بعض افراد ایسے ہوتے ہیں جو اپنے بعد ایسے انمٹ نقوش تاریخ میں ثبت کر جاتے ہیں جن کا مٹانا مشکل ہوتا ہے اور جن سے تاریخ بنتی اور بگڑتی ہے اور جن کے جانے سے سارا عالم سوگوار ہو جاتا ہے اور جن کی وفات حدیث شریف کی تعبیر میں پورے عالم کی وفات قرار پائی ہے۔ ایسی ہی ایک بلند پایہ تاریخی' علمی' دینی' دعوتی' تبلیغی' تحریکی اور ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے لیے بے چین رہنے والی عظیم ترین شخصیت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی قدس سرہ کی تھی جو افسوس کہ اس جہان فانی سے سب کو سوگوار کر کے رخصت ہوگئی اور طویل ترین بیماری کے بعد بے قرار روح کو حقیقی سکون میسر آ ہی گیا۔ صحیح ہے۔

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اس وقت آپ کی وفات تنہا ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ پوری ایک جماعت کی وفات ہے کیونکہ آپ کے حادثہ وفات سے پوری ملت اسلامیہ سوگوار ہوئی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے عظیم ترین خادم سے محروم ہوگئی ہے اور آپ ایسے ہی تھے۔ آپ پر جتنا رویا جائے کم ہے۔ مگر آنسوؤں کے بجائے صبر وضبط میں جو مزا ہے وہ رونے میں نہیں ہے۔

آپ نے مجموعی طور پر بانوے (۹۲) سال کی عمر پائی جو ایک عظیم نعمت ہے۔ اس سے زیادہ یہ ہے کہ آپ نے اس عظیم نعمت۔ طول عمر۔ کو جس طرح سینے سے لگایا اور اپنی طوالت عمر کے ہر ہر لحہ میں امت کی سر بلندی کے لیے جو جو قربانی پیش کی' اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

پیدائش اور تعلیم:

آپ کا پیدائشی وطن ضلع مراد آباد کا تاریخ ساز قصبہ سنبھل ہے' جہاں آپ ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی چند سال وہیں گذارے' وہیں تعلیم کا آغاز کیا اور وہیں سنبھل ہی میں پرائمری کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا گھر چونکہ خالص دینی اور عملی گھرانہ تھا' اس لیے آپ کے والدین نے "ولد صالح یدعوالہ" کے پیش نظر آپ کو دینی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کرنے کا عہد کر کے اپنے لیے صدقہ جاریہ کا سامان فراہم کیا' اور پھر اس دھن میں لگ کر نہایت تندہی و جانفشانی کے ساتھ آپ کی تربیت کی۔ چونکہ اخلاص کی ہر جگہ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے والدین کی حسب مرضی تعلیم کے ابتدائی چند سال سنبھل ہی میں گذارے۔ اس کے بعد مختصر مدت کے لیے آپ نے عربی کی دہلی میں تعلیم حاصل کی۔

بعدہ درس نظامی کے چند سالوں کی تکمیل آپ نے دارالعلوم مئو میں کی اور یہاں جلالین شریف سمیت درس نظامی کی دیگر کتب درسیہ سے فراغت حاصل کی۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد حدیث شریف کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے ۱۳۴۴ھ میں درجہ ہفتم عربی (مشکوٰۃ شریف) اور ۱۳۴۵ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی' اور سند فراغت حاصل کی واضح رہے کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند میں دونوں سالوں (مشکوٰۃ شریف' دورۂ حدیث شریف) میں نہایت اعلیٰ نمبر حاصل کئے اور تمام طلبہ میں امتیازی پوزیشن حاصل کی۔ جس پر آپ کے اساتذہ کرام خصوصاً محدث عصر' نابغہ روزگار حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے جن سے آپ بہت زیادہ متاثر تھے آپ کو مبارک باد پیش کر کے آپ کی ترقی کے لیے دعائیں کیں۔

درس و تدریس:

آپ نے ابھی تعلیم سے فراغت حاصل کی تھی کہ فوراً اکابر دارالعلوم کی رائے کے پیش نظر آپ کو امروہہ کے چلہ نامی مدرسہ میں درس و تدریس کی ذمہ داریاں سپرد کر دی گئیں اور آپ نے اس مدرسہ میں ۱۳۴۶ھ سے ۱۳۴۸ھ تین سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

ابھی آپ امروہہ میں تدریس میں مشغول تھے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علم حدیث پڑھانے والے کی ضرورت پیش آئی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی انتظامیہ کی نگاہ انتخاب آپ پر ٹھہر گئی چنانچہ امروہہ سے آپ کو بلا لیا گیا۔ یہاں آپ نے علم حدیث شریف کی سب سے اہم اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کا درس ایک عرصہ تک دیا۔

دارالعلوم میں تدریس کا زمانہ آپ کی جوانی کا زمانہ تھا جس میں آپ نے ''شاب نشاء فی عبادۃ اللہ'' کا عملی ثبوت پیش کر کے وقت کی تمام اسلامی تحریکوں سے متاثر ہوتے ہوئے' ان میں شرکت کی۔ جماعت اسلامی کی تحریک میں شرکت اسی دور کی بات ہے کہ آپ اس تحریک سے متاثر ہوئے۔ لیکن جب اس تحریک میں اسلام کے بجائے غیر اسلامی طور طریقوں کا آنکھوں نے مشاہدہ کیا۔ تو اس سے نہ صرف علیحدگی اختیار کر لی بلکہ کلمۂ حق عند سلطان جابر کا فریضہ ادا کرتے

ہوئے ایک مکمل دستاویزی کتاب اس تحریک کے سلسلہ میں آئی اور تحریک دعوت وتبلیغ کے عظیم بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے ملاقات ہوئی اور آپ اس تحریک سے ایسے متاثر ہوئے کہ اخیر دم تک اس میں شرکت اپنے لیے باعث فخر سمجھتے رہے۔

صحافت:

ندوۃ العلماء سے سبکدوشی کے بعد آپ نے میدان صحافت میں قدم رکھا اور ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں ایک اردو ماہنامہ میگزین الفرقان کا بریلی شہر سے اجراء فرمایا چونکہ اس وقت مناظروں اور مباحثوں کا دور دورہ تھا اس لیے الفرقان نامی اردو ماہنامہ بھی اسی رو میں بہہ کر مناظروں اور مباحثوں کا دور دورہ تھا اس لیے الفرقان نامی اردو ماہنامہ بھی اسی رو میں بہہ کر مناظروں اور مباحثوں کی ترجمانی کرتا رہا اور اشاعت کے ابتدائی چند سالوں میں اس کا رخ مناظرہ ہی کی طرف رہا۔ لیکن ۱۹۴۲ء میں جب تحریک دعوت وتبلیغ شروع ہوئی اور اس تحریک کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے ملاقات کی نوبت میسر ہوئی اور اس تحریک کے اثرات سے متاثر ہوئے تو الفرقان کا رخ مناظرہ سے ہٹ کر دعوت وتبلیغ کی طرف ہو گیا اور پھر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دامن سے ایسی وابستگی ہوئی کہ یہ الفرقان نامی ماہنامہ مناظرہ کا ترجمان ہونے کے بجائے خالص علمی دینی دعوتی اور تبلیغی ترجمان کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ جو بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی پابندی سے شائع ہوتا ہے۔

آپ گو کہ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ ہی سے لکھنے پڑھنے کے عادی اور مضمون نگاری کے مشاق تھے۔ نیز آپ کے مضامین القاسم وغیرہ میں شائع ہو چکے تھے لیکن الفرقان کی اشاعت اور اس کے اجراء سے ملت اسلامیہ خصوصاً تاریخ داں حضرات کو غیر معمولی نفع یہ ہوا کہ آپ نے اس زمانہ میں الفرقان کے دو عظیم الشان نمبر نکالے جن میں سے ایک مجدد الف ثانیؒ نمبر' دوسرا حضرت شاہ ولی اللہؒ نمبر کے نام سے موسوم ہے۔ جنہوں نے بعد میں مستقل کتاب کی شکل اختیار کر کے غیر معمولی طور پر قبولیت نامہ حاصل کی۔

آپ کا طرز تحریر نہایت سادہ سلیس اور شگفتہ اور اتنا زیادہ عام فہم اور دل نشیں ہوتا کہ عوام وخواص دونوں ہی حلقوں میں پسند کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ آپ کی تحریر کے شیدائی بن گئے او۔ پھر اللہ رب العزت نے آپ سے بعد میں وہ تحریری کام لیا اور آپ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے لیے وہ زبردست خدمات انجام دیں جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ آپ کی تصانیف جن کی تعداد سو سے متجاوز ہے' ان میں ''اسلام کیا ہے''؟ اور معارف الحدیث (جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے) کو سب سے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی ہے۔

آپ گوناگوں صفات حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے ساتھ متصف تھے۔ مساکین اور فقراء خصوصاً طالبان علوم نبوت کے لیے سب سے بڑے غمگسار اور تواضع وانکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔

آپ کو سرکار دو عالم ﷺ سے عشق و محبت بے پناہ تھی اور حضور ﷺ کا تذکرہ آتے ہی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور کافی دیر تک روتے رہتے تھے۔

آپ کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ آپ نسبت کا بہت ہی زیادہ پاس اور لحاظ فرماتے تھے۔ آپ سے ملاقات کے لیے اگر کوئی صاحب نسبت فرد گو کہ وہ عمر میں آپ سے بہت چھوٹا ہوتا آتا' پھر بھی بڑی نسبت ہونے کی وجہ سے آپ اس سے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتے اور فرماتے کہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں ہے شاید حضور ﷺ کے خاندان والوں اور اہل بیت و سادات سے محبت و عقیدت کے طفیل ہی میری بخشش ہو جائے اور یہ اہل نسبت افراد میری بخشش کا ذریعہ بنا دیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ سے آپ کو غیر معمولی والہانہ عقیدت تھی' بزرگان دین اور مشائخ کرام کی اتباع اور ان کے علوم و معارف سے استفادہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

بیعت وارشاد:

حضرت مولانا اپنے وقت کی تحریکوں سے متاثر ہونے کے نتیجے میں تصوف اور اس کے مشاغل وغیرہ سے بہت متوحش تھے چنانچہ فرماتے ہیں' مجھے مشائخ عظام اور ائمہ سلوک و تصوف سے اگرچہ بڑی گہری عقیدت مندی تھی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہؒ سید احمد شہیدؒ اور حضرت گنگوہیؒ جیسی شخصیتیں میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں لیکن نفس تصوف کی طرف سے مجھے اطمینان نہ تھا بلکہ طبیعت کو اس سے ایک درجہ توحش تھا لیکن بفضل خداوندی مشہور عالم دین' بڑے روشن دماغ' میرے رفیق کار اور سفر و حضر کے برسوں کے ساتھی مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی تحریک پر ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۳۹ء میں اپنے وقت کی عظیم علمی دینی روحانی بلکہ ربانی شخصیت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی اور تصوف کے بارے میں سارے وساوس خود بخود ختم ہو گئے اور میں حضرتؒ کے حلقے میں شامل ہو گیا۔ حضرت رائے پوریؒ آپ سے غیر معمولی محبت کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالی روز قیامت میں سوال کرے گا کہ عبدالقادر کیا لائے ہو۔؟ تو میں جواب میں مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو پیش کروں گا۔

آپ کی ملی دینی قومی اور سماجی بیش بہا خدمات ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ آپ نے تبلیغ دین کا اہم فریضہ نہایت خاموشی سے انجام دیا اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں بے مثال خدمت انجام دی۔ آپ جس تحریک میں شامل ہوئے' پوری سرگرمی سے شریک ہوئے مجلس مشاورت کو ہی لے لیجئے کہ اس کے برسوں ایک اہم کارکن اور فعال منتظم اور اخیر عمر میں سرپرستی فرماتے ہوئے برسوں مجلس مشاورت کو اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور کتنی بار اسے منقسم ہونے سے بچانے کے لیے غیر معمولی طور پر اہم کردار ادا کیا۔ غرضیکہ آپ نے اپنی پوری زندگی اللہ رب العزت کے بتائے ہوئے طریقہ پر گذار کر ہم سب پسماندگان کے لیے وہ نشانات منزل قائم فرما گئے جن پر چل کر خداوند قدوس کی خوشنودی بہت

آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس وقت آپ کی وفات صرف ایک عالم کی نہیں بلکہ پورے عالم کی موت ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے اور واقعتہ آپ علوم اسلامیہ کی ایک ایسی شمع تھے، جس سے پورا عالم اسلام منور ہو رہا تھا۔ افسوس کہ وہ شمع بجھ کر پورے عالم کو تاریکی میں مبتلا کر گئی اور زبان حال سے یہ پیغام دے گئی ۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

راقم الحروف و دارالعلوم ندوۃ العلماء میں دوران تعلیم متعدد بار آپ کی ملاقات سے مشرف ہوا اور بکثرت آپ کی مجلس میں شریک ہوا۔ ابھی ایک سال قبل (۱۹۹۶ء) کی بات ہے کہ آپ کے خادم خاص مولانا محمد ارشاد ندوی نوگانوی (جو میرے ندوہ کے روم پارٹنر ہیں) سے میری ملاقات امین آباد لکھنو میں ہوگئی۔ میں نے حضرت مولانا کی مزاج پرسی کی تو بتلایا کہ اب آنکھوں اور کانوں سے معذور ہو چکے، چونکہ پہلے بھی عیادت کا خیال تھا لیکن انہوں نے کچھ اس طرح بتلایا کہ طبیعت گھبرا گئی، فوراً ان کے ساتھ دولت خانہ پر حاضر خدمت ہوا۔ اب حضرت کی حالت یہ تھی کہ عیادت کرنے والوں کو باہر ہی سے سلام پہنچا کر رخصت کر دیا کرتے تھے اور مولانا خلیل الرحمٰن سجاد صاحب ندوی اس سلسلہ میں واقعتہ معذور بھی تھے اگر چہ ان کا باہر سے لوٹا دینا دور دور سے آنے والوں کے لیے بہت شاق تھا، مگر ڈاکٹروں کی سخت ہدایت تھی، خیر جب میں حاضر خدمت ہوا تو سجاد بھائی نے دیکھتے ہی فرمایا ارے خبیر تم یہاں کیسے؟ میں نے کہا عیادت کے لیے حاضر ہوا ہوں، لیکن آپ نے دروازے پر آنے والوں کے لیے جو ہدایات آویزاں کر دی ہیں، ان کو پڑھ کر افسوس کے ساتھ واپس ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ ابھی میں بات پوری بھی نہ کر پایا تھا کہ سجاد بھائی نے فوراً ہاتھ پکڑ لیا اور اندر لے کر چلے گئے، اندر برآمدہ میں حضرتؒ تشریف فرما تھے، میرے ہاتھ کو ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے زور دار آواز سے کانوں میں سلام پیش کیا۔ سجاد بھائی کے اس احسان کو میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ جب حضرت سے ملنے کی سخت ممانعت تھی اس وقت آخری ملاقات سے بندہ کو مشرف فرمایا۔ اللہ رب العزت موصوف کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ سکون و چین نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ کی وفات سے ملت اسلامیہ میں جو خلا واقع ہوا ہے اسے پر فرمائے۔ آمین۔

مرغوب احمد لاجپوری (برطانیہ):

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

۴ مئی ۱۹۹۷ء مطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ بروز دوشنبہ برصغیر کے مایہ ناز عالم، مسلم مناظر دردمند داعی و مبلغ، مشہور ومعروف مصنف، دین متین کے بے لوث خادم مولانا محمد منظور نعمانی طویل علالت کے بعد ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کے اوصاف:

مولانا مرحوم کو حق تعالیٰ نے بے انتہا اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، آپ کا دینی درد اصلاح امت کی خاطر قلبی اضطراب، تواضع وعبدیت، بے نفسی، اخلاص وللّٰہیت، آخرت میں جوابدہی پر ہر وقت نظر، اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف کسی عقیدے کی نشر واشاعت پر آپ کی غیرت ایمانی، اور اشاعت اسلام کی خاطر آپ کی انتھک محنت ومشقت، یہ وہ اوصاف ہیں جن میں آپ کی پوری زندگی گویا وقف تھی۔

اصلاح امت کی فکر:

مولانا مرحوم کے قلب میں اصلاح امت کی فکر خوب تھی، اسی فکر نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو جماعت اسلامی کے ساتھ بھی منسلک کر دیا ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی تاسیس عمل میں آئی تو مولانا اس میں نہ صرف شریک بلکہ پیش پیش تھے، اور جماعت اسلامی کی امارت کے لیے مولانا مودودی صاحب کا نام مولانا ہی نے تجویز کیا تھا، آپ کو امت کے لیے مولانا مودودی اور ان کی جماعت سے بڑی توقع تھی، اس لئے آپ نے الفرقان میں ''ایک دینی تحریک وتعارف'' کے زیرعنوان ایک مفصل مضمون لکھا جس میں جماعت اسلامی کی تاسیس وتشکیل کا تذکرہ کیا اور اس کے مقصد اور طریق کار کی وضاحت کی۔

پھر عارف کامل حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی تحریک دعوت وتبلیغ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے علم وتجربہ اخلاص وللّٰہیت اور وعظ وتقریر سے اس تحریک کو خوب تقویب پہنچائی۔

مولانا ابتداً مولانا الیاس صاحب سے زیادہ متاثر نہیں تھے مگر حضرت رائپوری ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تاکید و ہدایت سے کہ:

حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تم زیادہ جایا کرو اور ان سے ملتے رہا کرو' اللہ کا خاص تعلق بیک وقت بہت سے بندوں سے بھی ہوتا ہے لیکن خاص الخاص تعلق بس کسی کسی کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور میرے خیال میں اس وقت حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اللہ کا تعلق خاص الخاص قسم کا ہے۔

''مولوی صاحب اور کام تو تم عمر بھر کرو گے اس وقت جتنا ہو سکے ان کے پاس پڑے رہو آج کل یہ بڑے میاں ہزاروں میل کی رفتار سے جا رہے ہیں۔''

اور مولانا کی خدمت میں بار بار حاضری سے مولانا دہلوی کی قدر و منزلت مولانا مرحوم کے دل میں بہت زیادہ بڑھ گئی۔

دعوت و تبلیغ کے کارکنوں پر خصوصاً اور برصغیر کے مسلمانوں پر عموماً مولانا مرحوم اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا یہ عظیم احسان ہے کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا تعارف' مولانا کے عزائم و مقاصد' مولانا کے ملفوظات و مکاتب انہیں دو حضرات رفیقین کے ذریعہ امت تک پہنچے جزاہم اللہ عنا احسن الجزاء۔

تواضع وعبدیت:

وصف تواضع وعبدیت میں مولانا مرحوم اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھے' کبر و نخوت اور بڑا بننے سے آپ کو نفرت تھی' یہی وجہ تھی چھوٹے سے چھوٹے کام مولانا اپنے ہاتھ سے کر لیتے اور اس میں عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی دامت برکاتہم (موصوف مولانا مرحوم کے فرزند ارجمند اور ان کے حقیقی علمی وارث ہیں) نے ایک مرتبہ اپنی ایک کتاب کا انتساب مولانا مرحوم کے نام فرما کر یہ لکھا مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم' جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دامت برکاتہم کا لفظ سنا تو فرمایا بھئی یہ تو بہت زیادہ ہے اگر کچھ لکھنا ہی ہو تو مدظلہ پر اکتفا کرو۔ اللھم الرزقنا اتباعه۔

پٹھان کوٹ کے قریب ''دارالاسلام'' نامی بستی میں قیام کے دوران مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب وعظ و تقریر کے لیے تشریف لے جاتے تو کسی صاحب کے ساتھ سائیکل کے پیچھے بیٹھ جاتے' اور اس میں بھی عار محسوس نہ فرماتے' حالانکہ اس وقت مولانا جماعت اسلامی کے نائب امیر' کے عہدہ پر تھے' گھر کے چھوٹے بڑے کام دکان سے سودا خریدنا وغیرہ خود اپنے ہاتھ سے کرتے مولانا مرحوم کی یہ عادت شریفہ تو واقفین میں معروف ہی تھی کہ احباب و متعلقین میں کسی کی وفات پر نعش کو غسل دینے میں سبقت فرماتے اور نماز جنازہ پڑھانے کی باری آتی تو پیچھے رہتے' کبھی نماز جنازہ کے وقت کسی عالم کو موجود پاتے تو سرنگوں کر کے اپنے کو چھپا لیتے۔

ہر وقت اور ہر کام میں آخرت پر نظر رہتی' حق بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے۔

مولانا ایک کامیاب مناظر:

مولانا مرحوم کو فن مناظرہ میں ید طولی حاصل تھا۔ ایک زمانے میں مسلک اہل سنت کے وکیل بھی رہ چکے ہیں' یہ مولانا مرحوم کی غیرت ایمانی تھی کہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف جو بھی تحریکیں انہیں مولانا نے اس کا پرزور مقابلہ کیا' مضامین لکھے' مناظرے کئے متعدد تصنیفات مولانا کی اس موضوع پر وجود میں آئیں۔

مولانا مرحوم کی زندگی کا طویل زمانہ باطل کے فتنوں کے خلاف حق کا دفاع کرنے میں گذرا' اور تمام باطل نظریات کے خلاف سینہ سپر رہے' ایک عرصہ سے انہوں نے مناظرہ تنقید و مباحثہ کے موضوع سے کنارہ کشی اختیار فرمالی تھی' اور مثبت پہلو پر دعوت و اصلاح کے ذریعہ اپنی توجہ مرکوز کر دی تھی' مگر ایرانی انقلاب جسے عوام تو عوام خواص تک اسلامی انقلاب اور اس کے قائد کو ''امام المسلمین'' اور امت مسلمہ کا ''نجات دہندہ'' سمجھ رہے تھے' مولانا مرحوم نے امت کو اس دھوکے سے نکالنے کے لیے شیعیت کی تاریخ کا مطالعہ کیا اور ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کے بعد ''ایرانی انقلاب'' کے نام سے ایک جامع کتاب تصنیف فرمائی' جس سے مذہب شیعہ کی ایک مستند تاریخ امت کے سامنے آ گئی۔

مناظرہ کا ایک لطیفہ:

احمد آباد میں ایک مرتبہ مناظرہ ہوا مخالف جماعت کے ایک صاحب سردار احمد نے مولانا سے کہا ''مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود'' مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ جواب دیا ''مر گیا مردود بعد ازاں از فاتحہ چہ شود'' پھر فرمایا' ختم نبوت کا منکر تو غلام احمد اپنے کو کہے اور محب رسول سردار احمد بنا بیٹھا ہے' اس پر مخالف مناظر پر سکتہ طاری ہو گیا اور مجمع نے جو گت بنائی وہ مزید براں۔

غلطی پر رجوع:

خطا اور غلطی سے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی پاک نہیں' ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے مگر اپنی غلطی پر اڑا رہنا مزموم و قبیح حرکت ہے اور غلطی سے رجوع کر لینا اہل حق کا شیوہ رہا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تو معمول تھا کہ حضرت کی کسی تحریر پر کوئی اعتراض کرتا تو اس طرح سنتے جیسے پیاسے کو پانی مل جائے پھر غور و تحقیق کے بعد رائے بدلتی تو ماہنامہ ''النور'' میں اس کا اعلان کر دیا جاتا' پھر یہ سلسلہ مستقل ''ترجیح الراجح'' کے نام سے امداد الفتاویٰ کی ہر جلد میں شائع کیا جاتا۔

مولانا مرحوم جماعت اہل حق کے ایک فرد تھے مولانا میں بھی یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی جہاں آپ سے کوئی تسامح ہوا اس پر رجوع کر لیا۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم نے فتاوی رحیمیہ میں ابوداؤد کی ایک حدیث میں

''علی حرف'' کا ترجمہ چت لیٹنے سے کیا' مولانا مرحوم نے الفرقان (ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ) میں اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا کہ:

''ابوداؤد کی ایک حدیث میں دو جگہ لفظ ''علی حرف'' کا ترجمہ چت لیٹنا کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ کروٹ پر لیٹنا یہ ترجمہ صحیح ہے۔''

مولانا مرحوم کے اس تبصرہ پر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرمایا کہ

''مذکورہ حدیث میں ''علی حرف'' کا ترجمہ اور مفہوم چت لیٹنے کا صحیح ہے کروٹ پر لیٹنے کا ترجمہ صحیح نہیں ہے' ابوداؤد میں دونوں جگہ بین السطور چت لیٹنے کی تفصیل ہے۔" ای طرف یعنی یجامعون علی طرف واحد هی حالة الاستلقاء" (چت لیٹنا) ابوداؤد کی مشہور اور مستند شرح "بذل المجهود" میں بھی چت لیٹنے کی تشریح ہے۔''ای علی هینة واحدة وهی الاستلقاء" (چت لیٹنے کی حالت)

جب مولانا مرحوم کے پاس مفتی صاحب دامت برکاتہم کی تحریر پہنچی تو مولانا نے فوراً اس سے رجوع کر لیا اور الفرقان میں اس کا اعلان کیا اور ساتھ ہی ان الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔

''تبصرہ نگار حضرت مولانا (مفتی صاحب) کا مشکور ہے کہ زمانہ طالب علمی سے ذہن میں پڑی ہوئی ایک غلط فہمی ان کی بدولت دور ہوگئی' فجزاهم الله خير الجزاء۔

یہ تو ایک مثال تھی ایک تحریری تسامح کی اس سے بڑھ کر مولانا مرحوم کی یہ صفت جماعت اسلامی سے علیحدگی سے ظاہر ہے۔ جس جماعت کے آپ نائب صدر رہے' ماہنامہ الفرقان میں اس جماعت کی تائید پر بہت کچھ لکھا' مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ جو اعتراضات کئے گئے انٰ کے اپنے مناظرانہ انداز میں کھل کر جوابات دیئے' مگر جب آپ کی رائے بدلی اور آپ نے اس جماعت سے تعلق کو اپنے لئے مضر سمجھا تو اس سے علیحدگی اختیار فرمالی اور اس کا اعلان کر دیا بلکہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ''مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف'' کے نام سے شائع کی۔

تصنیف و تالیف:

تصنیف و تالیف کا کام یکسوئی چاہتا ہے' مگر مولانا مرحوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک خصوصی فضل رہا کہ دعوت و تبلیغ' وعظ و تقریر' ردو تنقید' اور ملی مشغولیت کے ساتھ آپ کے قلم سے مفید سے مفید تر کتابیں وجود میں آئیں' جن میں ''اسلام کیا ہے' دین و شریعت' قرآن آپ سے کیا کہتا ہے' ایرانی انقلاب' آپ حج کیسے کریں' تذکرۂ مجدد الف ثانی'' وغیرہ۔ مشہور و معروف ہیں فن حدیث میں ''معارف الحدیث'' کی سات جلدیں' آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ہے' اس مقبول عام کتاب نے برصغیر میں اور ان کے انگریزی ترجمہ نے امریکہ یورپ اور افریقہ میں لاکھوں انسانوں کو خدا اور رسول کی معرفت اور دین مبین کے تقاضوں پر عمل کی توفیق بخشی۔

خدمت حدیث میں اردو داں طبقہ کے لیے ترجمان السنہ کے بعد ''معارف الحدیث'' کے مثل کوئی کتاب منظر عام پرنہیں آئی، پھر معارف الحدیث کی یہ خصوصیت مزید برآں کہ اس سے اہل علم وعوام دونوں ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جزاهم الله تعالىٰ احسن الجزاء عنا وعن جميع الامة۔

تدریسی خدمات:

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فراغت کے بعد کچھ درسی خدمت بھی انجام دی، ندوۃ العلماء میں منتظمین کے اصرار پر حدیث کی تدریس کی ذمہ داری بھی قبول فرمائی، اور چار سال تک بحیثیت شیخ الحدیث درس دیا، تین سال امروہہ میں پڑھایا۔

ملی خدمت:

اللہ تعالیٰ نے مباحثہ ومناظرہ تدریس وتصنیف کے ساتھ ملت کے اجتماعی مسائل کا درد اور ان کے ساتھ خاص شغف بھی عطا فرمایا تھا، چنانچہ اس سلسلہ میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں، فرقہ وارانہ فسادات کے وقت مسلمانوں کی مظلومیت کو مولانا برداشت نہیں کر سکتے تھے، مقام فساد پر تشریف لے جاتے اس کے خلاف صدائے حق بلند کرتے، قائدین سے ملتے، اسی مقصد کے لیے مسلم مجلس مشاورت کی تجویز ہوئی مولانا اس میں برابر شریک رہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اہم ممبر اور رابطہ عالم اسلامی مکہ المکرمہ کے رکن بھی تھے۔

اصلاحی تعلق:

علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی اور تزکیہ نفس کی بھی فکر فرمائی، اگرچہ شروع میں مولانا مرحوم کو تصوف سے دلچسپی نہیں تھی بلکہ خود ان کے الفاظ میں:

> ''نفس تصوف کی طرف سے مجھے اطمینان نہ تھا بلکہ طبیعت کو اس سے ایک درجہ کا توحش تھا اور ذہن میں اس پر کچھ علمی اشکالات بھی تھے۔''

مگر حق تعالیٰ کی شان کہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا موقع مل گیا اور ایک ہفتہ قیام رہا، مولانا مرحوم نے ان کی خدمت میں اپنے اشکالات عرض کئے مگر حضرت نے اس کا تو کوئی جواب نہ دیا دوسری باتوں میں لگا دیا، اللہ کی شان دو تین دن کے قیام میں وہ سب اشکالات ختم ہو گئے، عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے ۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل قال

بالآخر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت واجازت بھی مرحمت فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آپ معتمد خاص تھے، آپ کے متعلق یہاں تک فرما دیا۔

''قیامت میں جب اللہ تعالیٰ سوال کرے گا کہ کیا لائے ہو تو دو آدمیوں کا نام لوں گا ایک آپ کا (مولانا منظور صاحب کا) اور دوسرے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم) کا''

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ ہر وقت فکر آخرت دامنگیر تھی، بہت زیادہ رقیق القلب تھے، اکثر مجلسوں میں آبدیدہ ہو جاتے۔

نماز کا اہتمام:

نماز با جماعت کے سختی سے پابند تھے، علالت کے طویل عرصہ میں بھی تنہا نماز پڑھنا انہیں گوارا نہ تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ نماز کا وقت آ گیا مگر امام کے انتظار میں بیٹھے رہے، مگر جماعت کی پابندی ضرور فرمائی۔

دعاء کے ساتھ عجیب شغف تھا، دل کی گہرائی کامل اعتماد اور کامل تضرع وتوجہ سے اللہ کے سامنے دست سوال دراز فرماتے۔

مولانا مرحوم کا ایک تعزیت نامہ:

راقم الحروف کے جد امجد حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولانا مرحوم کے اچھے تعلقات تھے، دادا جان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل تعزیت نامہ بھی ارسال فرمایا۔

برادر مکرم ومحترم جناب مولوی اسماعیل صاحب وفقنا الیہ وایاکم لما یحب ویرضی۔

سلام مسنون: گرامی نامہ سے جناب کے والد ماجد اور اس عاجز کے عنایت فرما حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب کے حادثہ وفات کی اطلاع پا کر رنج وصدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرہ وارحمہ واعف عنہ وکرم غفرلہ ووسع مدخلہ۔

دنیا اللہ کے اچھے بندوں سے خالی ہوتی جا رہی ہے، جس حد تک اپنا بشری علم ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے ساتھ رحمت وکرم کا خاص معاملہ فرمائیں گے، آپ کے لیے آپ کی والدہ ماجدہ اور بہنوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے صبر و اجر کی دعا کرتا ہوں، اور خود آپ کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

(یہ خط جواب طلب نہیں ہے)　　محمد منظور نعمانی

راقم الحروف ایک مدت سے یہ کوشش میں تھا کہ جد محترم حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب کی سوانح مرتب کروں، اس کام کے لیے معلومات فراہم کرتا رہا، اور عمر رسیدہ اشخاص واکابر کی خدمت میں ایک سوالنامہ ارسال کیا کہ آپ حضرات کو مفتی صاحب کے متعلق کچھ معلومات ہوں یا آپ کے پاس کوئی مکتوبات ہوں تو ارسال فرمائیں، افسوس کہ ایک بڑی جماعت نے اس سوالنامہ کہ قابل جواب ہی نہ سمجھا مگر میں نے مولانا مرحوم کی خدمت میں اس تعزیت کو پڑھ کر سوالنامہ ارسال کیا تو مولانا نے اس کا جواب دیا اور دعاؤں سے مدد بھی فرمائی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس مختصر حالات

کے ساتھ آپ کا وہ گرامی نامہ بھی حوالہ قرطاس کرتا ہوں۔

راقم کے نام مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد منظور نعمانی

برادر عزیز و کرم مولوی مرغوب احمد صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم و الینا۔

سلام مسنون آپ کا اخلاص نامہ مورخہ ۱۴ جون موصول ہوا۔

میرے عزیز بھائی! میری عمر کا ستاسیواں (۸۷) سال ہے، کبر سنی کے علاوہ مختلف امراض وعوارض میں بھی مبتلا ہوں، سماعت و بصارت اور خاص طور سے حافظہ بہت متاثر ہے بہت کچھ بھول چکا ہوں۔

مولانا مرغوب احمد صاحب علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی اور ان کی وجیہ شکل وصورت تو یاد ہے اس کے سوا کچھ یاد نہیں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے کام میں آپ کی پوری مدد فرمائے۔

خود دعاؤں کا سخت محتاج ہوں اب سب سے بڑی حاجت بس یہ ہے کہ زندگی کے جو دن باقی ہیں ایمان و اعمال مرضیہ کی توفیق و معاصی سے حفاظت، نعمتوں پر شکر، گناہوں سے استغفار کے اہتمام، اور عافیت کے ساتھ پورے ہوں، مقرر وقت آنے پر ایمان کے ساتھ اٹھا لیا جائے اور ارحم الراحمین محض اپنے رحم و کرم سے مغفرت فرما دیں، آپ سے اس دعا کا طالب ہوں، آپ کے لیے فلاح دارین کی دعا کرتا ہوں۔

والسلام

بقلم محمد ضیاء الرحمٰن محمود القاسمی غفرلہ

چھوٹوں کے خط پر توجہ اور حوصلہ افزائی یہ اوصاف اب عنقاء ہوتے جا رہے ہیں، مگر حضرت مرحوم نے باوجود ضعف و پیرانہ سالی کے بہت اہتمام سے اس سوال نامے کا جواب دیا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔

حق تعالیٰ مرحوم کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائیں، آپ کی جملہ دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازیں، اور پوری امت کی طرف سے آپ کو بہتر بدلہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

آخر میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان کا ایک ملفوظ مبارک جو راقم نے براہ راست حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، وہ بھی ناظرین کی خدمت میں پیش کر دوں حضرت نے فرمایا'' حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بڑے آب و تاب کے ساتھ مولانا محمد یوسف کی طرف منتقل ہوئی، اسی طرح مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت منتقل ہوئی مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کی طرف، اسی لئے مولانا نعمانی نے رد شیعیت پر بڑا کام کیا۔ (ماہنامہ دار العلوم ماہ ستمبر ۱۹۹۰، ص ۵۲ ملفوظ نمبر ۲)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

جب سے شعور کی آنکھ کھلی، اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت گھر میں روزانہ آنے والی ڈاک کا ایک پلنداڈا کئے سے وصول کرنا روزمرہ کے معمول میں شامل دیکھا۔ اس ڈاک میں خطوط کے علاوہ ماہانہ اور ہفتہ وار جرائد و رسائل بھی اچھی خاصی تعداد میں ہوتے تھے۔ جب یہ جرائد و رسائل آتے تو انہیں الٹ پلٹ کر ان کی کم از کم ورق گردانی کا شوق مجھے اس وقت سے تھا جب ان جرائد و رسائل کے مندرجات کا تقریباً اسی فیصد حصہ میری سمجھ سے بالاتر ہوتا تھا۔ انہی رسائل میں ایک ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ بھی تھا، جس پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی متواتر دیکھ دیکھ کر یہ نام دل میں بیٹھ گیا تھا اور بچپن میں یہ بات ذہن میں جم گئی تھی کہ یہ بزرگ ایسے اہل قلم میں سے ہیں جن کی نگارشات اپنی فہم کی سطح سے بالاتر ہوتی ہیں۔

جب رفتہ رفتہ حرف شناسی میں اضافہ ہوا تو یہ نگارشات کچھ کچھ سمجھ میں بھی آنے لگیں، بالخصوص ''الفرقان'' میں ''معارف الحدیث'' کے مسلسل عنوان کے تحت احادیث نبوی ﷺ کی جو عام فہم تشریح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے شائع ہو رہی تھی، اس کا بیشتر حصہ فہم سے بالاتر نہ رہا، اور اس طرح مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ ایک انسیت پیدا ہونے لگی۔

پھر طالب علمی کے دوران علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے مسلکی اختلافات پر متعدد کتابیں پڑھنے کی نوبت آئی۔ اکابر علمائے دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی جن بعض تحریروں پر علمائے بریلی کی طرف سے سخت اعتراضات کئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں حقیقت حال کی وضاحت بہت سے حضرات نے کی، لیکن اس موضوع پر جس کتاب نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فیصلہ کن مناظرہ'' تھی، اس کتاب میں حضرت مولانا نے جس مدلل، دل نشین اور مستحکم انداز میں ان تحریروں کی وضاحت فرمائی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد کسی بھی انصاف پسند انسان کے دل میں ان اکابر کے عقائد کے بارے میں کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کتاب کا نام تو

اگرچہ ''فیصلہ کن مناظرہ'' ہے جس سے تاثر یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام قسم کی مناظرانہ کتاب ہو گی' اور ہماری شامت اعمال سے مناظرے کے بارے میں یہ تاثر بن گیا ہے کہ یہ ایک فرقہ وارانہ اکھاڑے کا نام ہے جس میں دو منہ زور پہلوان ہر حق و ناحق حربے سے ایک دوسرے کو زیر کرنے کے داؤں استعمال کرتے ہیں اور اس داؤں پیچ میں حق طلبی کا جذبہ کچل کر رہ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی یہ کتاب اس قسم کی مناظرانہ فضا سے کوسوں دور ہے۔ بلکہ اس کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک نیتی والا مناظرہ کیا ہوتا ہے؟ اصل میں ''مناظرہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''مل جل کر کسی مسئلے پر غور کرنا''۔ مولانا نے اس کتاب میں مناظرے کی اسی حقیقت کی عملی تفسیر پیش کی ہے' ان کا انداز و اسلوب عامیانہ مناظرے کا اسلوب نہیں' خالص علمی' مثبت' معروضی اور مدلل انداز بیان ہے۔ جس کا مطمح نظر حق کی تفہیم ہے' نہ کہ مخالف کی تذلیل۔

پھر ۱۹۶۰ء کے لگ بھگ پاکستان اور ہندوستان کے علماء نے مل کر غلام احمد پرویز صاحب کی کتابوں کا جائزہ لیا اور ایک متفقہ فتویٰ مرتب کیا جس میں کہا گیا تھا کہ پرویز صاحب اپنے بعض گمراہانہ عقائد و افکار کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ فتویٰ پرویز صاحب کی کتابوں کی چھان بین کے بعد مرتب کیا گیا تھا اور اس پر تمام مسلم مکاتب فکر کے علماء کے دستخط تھے۔

اس موقع پر پرویز صاحب کے حلقے نے یہ کہہ کہہ کر آسمان سر پر اٹھالیا کہ علماء کرام کا تو مشغلہ ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کافر بناتے رہتے ہیں' اسلامی عقائد و اصول سے ناواقف بہت سے دوسرے حضرات بھی اس پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس فتویٰ کو اعتراضات کا نشانہ بنانے لگے۔ اس موقع پر فتویٰ کی تائید اور اس پروپیگنڈے کی تردید میں بھی متعدد مضامین و مقالات منظر عام پر آئے' لیکن اس موضوع پر سب سے زیادہ مدلل' زوردار اور دل میں اتر جانے والی تحریر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جو ''الفرقان'' میں شائع ہوئی اور اسے پاک و ہند کے بہت سے علمی مجلات نے نقل کیا۔ مولانا کے مستحکم انداز تحریر کا قائل تو میں پہلے بھی تھا' لیکن اس تحریر سے اندازہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قاری کو اپنے ساتھ بہا لے جانے کی کس غیر معمولی صلاحیت سے مالا مال فرمایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے اس مضمون نے ''تکفیر'' کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کی دھند صاف کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

بعد میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سے تحریریں پڑھنے کا موقع ملتا رہا' اور ان سے غائبانہ عقیدت و محبت پیدا ہوتی گئی' لیکن پاک و ہند کے تباین دارین کی وجہ سے ان کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ بالآخر پہلی بار مکہ مکرمہ میں ان کی زیارت ہوئی اور اس کے نتیجے میں مراسلت کا سلسلہ بھی قائم ہوا۔ کوئی نئی کتاب آتی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ شفقت فرما کر احقر کو ارسال فرماتے اور مختلف مسائل پر خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ افسوس ہے کہ مولانا کے ابتدائی کچھ خطوط میرے پاس محفوظ نہ رہے لیکن بعد میں میں نے اکثر خطوط محفوظ بھی رکھے۔ اس کے بعد مولانا رحمۃ اللہ

علیہ ایک مرتبہ پاکستان تشریف لائے اور دارالعلوم میں خطاب بھی فرمایا۔ اس وقت حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو چکی تھی، اور ان کے ذکر مبارک کے لیے البلاغ کا مفتی اعظم نمبر زیر ترتیب تھا، مولانا نے احقر کی فرمائش پر اس کے لیے مضمون لکھنے کا وعدہ فرمایا، اور ہندوستان جا کر مضمون بھیجا جو مفتی اعظم نمبر کی زینت بنا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ ''الفرقان'' کی ادارت اپنے فاضل صاحبزادے جناب مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سنبھلی کے سپرد کر دی تھی، لیکن وقت کی تقریباً ہر اہم ضرورت پر ان کی تحریریں ''الفرقان'' میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اسی دوران سعودی عرب میں علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں نے وہاں یہ تاثر پھیلانا شروع کیا کہ علمائے دیوبند علمائے نجد کے سرخیل شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معاندانہ رائے رکھتے ہیں، اور ان کے بارے میں توہین آمیز رویہ اختیار کرتے رہے ہیں۔ مولانا نے اس تاثر کے ازالے کے لیے ''الفرقان'' میں ایک سلسلہ مضامین شروع کیا جس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور علمائے دیوبند کے درمیان وجوہ مماثلت شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی تھیں، اور شرک و بدعت کی تردید میں دونوں کے درمیان جو قدر مشترک تھی، اس پر زور دیا گیا تھا۔ اگرچہ یہ مضمون بھی مولانا کی عام عادت کے مطابق مدلل اور مفید تھا، لیکن اس کی چند قسطیں پڑھنے کے بعد مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ تصویر کے صرف ایک رخ ہی پر ختم نہ ہو جائے اور علمائے دیوبند کو شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض نظریات سے جو واقعی اختلاف رہا ہے۔ اس کے تذکرے سے خالی نہ رہ جائے۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اپنے اس طالب علمانہ اندیشے کا اظہار کرتے ہوئے یہ درخواست کی کہ مضمون کا تاثر یہ ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ علماء دیوبند اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات میں کوئی اختلاف ہی نہ تھا۔ اس کے بجائے جس حد تک اور جتنا اختلاف تھا، اس کا اظہار بھی ریکارڈ درست رکھنے کے لیے ضروری ہے جس کے بغیر یہ سلسلہ مضامین ادھورا بھی رہے گا، اور اس سے مزید غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔

میں نے لکھنے کو تو یہ خط لکھ دیا تھا، لیکن بار بار یہ احساس ہو رہا تھا کہ مولانا کے مقام بلند کے آگے میری حیثیت ان کے ایک ادنی شاگرد کی بھی نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ جسارت کر کے میں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا ہو، لیکن میرے خط کے جواب میں مولانا کا جو گرامی نامہ آیا، اس میں انہوں نے اپنی بڑائی کی انتہا کر دی۔ میری گذارش پر کسی ناگواری کا اظہار تو کجا، میری اتنی ہمت افزائی فرمائی کہ میں پانی پانی ہو گیا۔ مولانا کا یہ گرامی نامہ چونکہ متعدد فوائد پر بھی مشتمل ہے اس لئے اسے بعینہ یہاں نقل کرتا ہوں۔

برادر محترم و مکرم جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب احسن اللہ تعالی الیکم والینا۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا نامہ اخلاص واخوت (مورخہ ٦ ربیع الاول) موصول ہوا اور کسی کے قلم سے لکھائے ہوئے الفاظ

سے آپ کو اندازہ نہیں کرا سکتا کہ اس کی بعض باتوں سے کتنی خوشی ہوئی۔

خط و کتابت سے مجھے فطری مناسبت نہیں ہے اس لئے آنے والے خطوط میری طبیعت پر بوجھ بن جاتے ہیں، لیکن آپ کا مکتوب محبت طویل ہونے کے باوجود میرے لئے راحت و فرحت کا باعث بنا۔

آپ سے اصل واقفیت ''البلاغ'' ہی کے ذریعہ ہے اور دل میں آپ کی خاص قدر و قیمت ہے حرمین شریفین کی ملاقاتوں میں آپ کو بس دیکھ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کی ترقیات سے نوازے۔ اب چند باتیں نمبر وار لکھتا ہوں۔

۱۔''علمائے دیوبند اور حسام الحرمین'' کا کوئی نسخہ ڈاک سے یہاں نہیں پہنچا' آپ نے دستی بھیجنے کے لیے لکھا ہے میں منتظر رہوں گا۔ (ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ تبلیغی مرکز (مکی مسجد) والوں کے سپرد کر دیں' وہاں سے کسی کے ذریعہ دہلی پہنچ کر مجھے انشاء اللہ مل جائے گا۔

۲۔''الشہاب الثاقب'' اپنے مواد کے لحاظ سے بڑی قیمتی کتاب تھی۔ ''رجوم المذنبین'' کے ابتدائی واقعاتی حصہ کے علاوہ آگے جوابی حصہ میں ہمارے بزرگوں کے جو واقعات اور قصائد وغیرہ نقل کئے ہیں وہ مقصد کے لیے بہت مفید ہیں' لیکن اس کی زبان اور حضرت مولانا کی غیر معمولی مزاجی شدت کی وجہ سے اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہو سکا' اس کے علاوہ اس میں ایک خاص کمزوری یہ ہے کہ اس میں ''سیف النقی'' کے اعتماد پر۲ حوالے غلط دے دیئے گئے ہیں۔ (یہ ''سیف النقی''،''حساب الحرمین'' کے جواب میں اسی زمانے میں شائع ہوئی تھی) اس میں مولوی احمد رضا خان کے باپ' دادا' پیر' دادا پیر' حتیٰ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے کتابیں گڑھ گڑھ کے ان کے صفحات اور مطابع کے ساتھ حوالے دیئے گئے تھے' (اور یہ سب حوالے بالکل۔ بے اصل تھے) یہ کتاب کسی نے لکھ کر دیوبند بھیجی تھی' اور اسی زمانہ میں (غالباً حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ کی طرف سے) چھپ کر شائع ہوئی تھی' بعد میں جب مولوی احمد رضا خان نے گرنت کی اور حوالوں کو چیلنج کیا تو معلوم ہوا کہ یہ کسی دشمن کی حرکت تھی' اس کا مصنف (محمد تقی اجمیری) نامعلوم تھا۔ جب وہ چھپی تو ہمارے حلقہ میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور اسی زمانہ میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جب ''الشہاب الثاقب'' لکھی تو اس کے اعتماد پر۲ حوالے دے دیئے۔ اس غلطی نے ''الشہاب الثاقب'' کی افادیت کو بہت نقصان پہنچایا۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ یہ غالباً بریلی ہی سے پھینکا ہوا جال تھا' ناواقفی سے ہمارے حضرات اس میں پھنس گئے۔ واللہ اعلم۔

آپ کے مکتوب سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کے آپ نے ''الشہاب'' کا ابتدائی واقعاتی حصہ

زبان کی تبدیلی کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ میں نے ''سیف النقی'' والی بات اس لئے لکھ دی کہ آپ کے علم میں رہے۔ حال ہی میں سنا ہے کہ ناواقفی کی وجہ سے دیو بند کے کسی کتب خانے نے پھر وہ چھاپ دی ہے۔

بڑا افسوس ہے اور قلق ہے کہ میرے لئے اب سفر بہت مشکل ہو گیا ورنہ میں چاہتا تھا کہ ایک دفعہ ہفتہ عشرہ کے لئے ادھر جاؤں۔ کراچی یا لاہور میں قیام کروں اور پھر ذی استعداد نو فضلاء اور منتہی طلبہ کو بریلوی فتنہ سے مسلمانوں کے دین و دنیا کی حفاظت کرنے کی تیاری میں کچھ ان کی مدد کروں۔ یہ طائفہ ضرر کے لحاظ سے قادیانیوں سے بھی بڑا فتنہ ہے۔ اس سے امت کی حفاظت کے لئے کچھ واقفیت کے ساتھ نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ لیکن میری صحت کہ میں سفر سے معذور ہوں۔

۳- ''زلزلہ کا پوسٹ مارٹم'' الگ کوئی کتاب نہیں ہے ''بریلوی فتنہ'' کے دوسرے ایڈیشن میں بطور مقدمہ کے میرے ایک مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جو افادیت کے لحاظ سے اچھا اضافہ ہے اور معمولی ترمیمیں بھی کی گئی ہیں اور ٹائیٹل پر کتاب کے دوسرے نام کے طور پر ''زلزلہ کا پوسٹ مارٹم'' لکھ دیا گیا ہے۔

۴- شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اپنے اکابر سے متعلق جو سلسلہ جاری ہے اس کے بارے میں جس کمی اور قابل اعتراض بات کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اس سے اندازہ ہوا کہ اب تک میں آپ کو (کم عمری کے باوجود) علم و فہم کے جس امتیازی مقام پر سمجھتا تھا اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے آپ اس سے بھی بالاتر ہیں۔ آپ کی اس بات کی میرے دل نے بڑی قدر کی یہ نہایت ضروری اور اہم بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا فرما رکھا ہے اس سے ہزاروں درجہ زیادہ اور عطا فرمائے اور علم کے ساتھ دین میں اور اپنی ذات پاک کے ساتھ خاص تعلق میں بے حساب اضافہ فرمائے۔ ہمارے اکابر اور علمائے نجد کے مسلک میں بلاشبہ اختلاف بھی ہے اور اس مضمون میں اس کا اظہار بھی ضرورت تھا، اور شروع ہی سے میرے خاکے میں یہ جزء بھی تھا، فروری کا شمارہ جس میں اس سلسلہ کی تیسری قسط شائع ہوئی ہے خدا کرے کہ آپ کی نظر سے گذر چکا ہو، اس میں یہ جزء آ گیا ہے۔ احتیاطاً وہ شمارہ مکرر روانہ کرنے کے لئے کہہ دیا ہے۔

سلسلہ کی چوتھی قسط مارچ کے شمارہ میں آ رہی ہے انشاء اللہ وہ زیادہ خوش کن اور دلچسپ ہوگی اس میں کچھ وہ تاریخی واقعات آ گئے ہیں جن کے عینی شاہد اور براہ راست واقفیت رکھنے والے اب بہت کم زندہ ہیں، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ کہیں محفوظ بھی نہیں ہیں اس لئے میں نے ان کو بالقصد اس سلسلہ تحریر کا جز بنا دیا ہے۔

۵- چوتھی قسط میں مولانا مدنی کا جو ''بیان'' شائع کیا جا رہا ہے اس کا مل جانا اللہ تعالیٰ کی خاص مدد کا کرشمہ

ہے۔ مجھے یاد تھا کہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں اس طرح کا بیان دیا تھا لیکن اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے فراہم کرادیا۔ فلہ الحمد ولہ الشکر۔

۶- میری رائے یہ ہے کہ جب چوتھی قسط بھی آپ کی نظر سے گذر جائے تو آپ اس مضمون کو سامنے رکھ کر ایک مستقل مضمون اسی موضوع پر ''البلاغ'' میں ضرور لکھیں۔

۷- یہ میرے علم میں ہے کہ یہ سلسلہ ''ترجمان السلام'' لاہور میں شائع ہو رہا ہے۔ ایک صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب ''المنبر'' میں بھی شائع کر رہے ہیں۔

۸- تیسری قسط میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کی عبادتیں انشاء اللہ ان لوگوں کا پورا علاج کر دیں گی جنہوں نے ''الشہاب الثاقب'' اور ''التصدیقات'' کے اس موضوع سے متعلق مندرجات کو ''وہاں'' پھیلایا ہے۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو اب سے بہت پہلے مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ) مرحوم کا ایک رسالہ عربی میں وہاں بہت بڑی تعداد میں شائع کیا گیا تھا' جس کے ذریعہ وہاں کے علماء اور ذمہ داروں کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے متعلق ''الشہاب الثاقب'' اور ''التصدیقات'' سے واقف کیا گیا تھا' صرف یہی اس کا موضوع تھا' مجھے یہ رسالہ گذشتہ سال وہیں سے ملا تھا' اور اس نے مجھے اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت کا احساس کرایا تھا' اب اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا ہے کہ مرحوم نواب صدیق حسن خان اور ہمارے اکابر ایک ہی مقام پر کھڑے ہیں۔

میں نے نواب صاحب کی طرف سے بھی وہی عذر کیا ہے جو اپنے اکابر کی طرف سے کیا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نواب صاحب ہمارے بزرگوں کی طرح ان کی کتابوں اور دعوت سے ''بالکل ناواقف'' نہیں تھے۔ ''اتحاف النبلاء'' نواب صاحب نے ''ترجمان وہابیہ'' سے قریباً ۲۰ سال پہلے لکھی ہے اور اس میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے تذکرہ ہی میں ان کے فرزند شیخ عبداللہ ابن محمد بن عبدالوہاب کے اس رسالہ کا طویل اقتباس نقل کیا ہے جس کے کچھ اقتباسات میں نے تیسری قسط میں درج کئے ہیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ نواب صاحب ان کے بارے میں پوری طرح مطمئن بھی نہیں تھے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ''ترجمان وہابیہ'' انہوں نے اپنی خاص سیاسی مصلحت یا مجبوری سے لکھی تھی جب کہ ان کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ انگریزی حکومت ان کے ''وہابی'' ہونے کی بنا پر ان کے بارے میں غیر مطمئن ہو جائے گی' ترجمان وہابیہ'' دیکھنے کی کتاب ہے اس کو ضرور دیکھئے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کا غدر صرف حنفیوں نے کیا تھا' اہل حدیث اس سے بالکل الگ رہے...... اس پوری کتاب کا حاصل یہ ہے کہ میرا اور ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کا محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے کوئی تعلق نہیں' وہ مقلد حنبلی

ہیں اور اہل حدیث ہیں اور انہوں نے جہاد کے نام سے فساد برپا کیا اور ہم ''امن پسند'' ہیں..... واقعہ یہ ہے کہ حالات کی مجبوریاں بھی عجیب چیز ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی محفوظ رکھے۔ بھائی مولانا محمد رفیع صاحب کو بھی سلام مسنون اور آپ سب حضرات سے دعا کی درخواست۔ والسلام علیکم رحمۃ اللہ۔

محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر جب مجھے ہندوستان جانے کا اتفاق ہوا تو میں دیوبند کے بعد لکھنو بھی گیا' اس سفر کا بڑا مقصد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات تھی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بہت کمزور ہو چکے تھے' لیکن احقر کو نہ صرف شرف ملاقات بخشا' بلکہ میرے استحقاق سے کہیں زیادہ شفقت اور اکرام کا معاملہ فرمایا۔

مولانا کی آخری ایام حیات کا ایک بڑا تالیفی کارنامہ مولانا کی کتاب ''ایرانی انقلاب'' ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے ''الفرقان'' میں ایک سلسلہ مضامین سپرد قلم کیا تھا جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔ اس موقع پر بھی حضرت مولانا نے احقر کو مندرجہ ذیل خط تحریر فرمایا:

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۳ ذی الحجہ لکھنؤ ۱۴۰۴ھ

برادر مکرم محترم جناب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدکم۔ سلام ورحمت۔

خدا کرے ہر طرح عافیت ہو۔

''البلاغ'' غالباً پابندی سے روانہ ہوتا ہوگا' لیکن کبھی کبھی ہی پہنچتا ہے۔ خدا کرے ''الفرقان'' پابندی سے پہنچتا ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ دفتر سے پابندی سے روانہ کیا جاتا ہے۔

ایران کے انقلاب اور خمینی سے متعلق ''الفرقان'' کے تین شماروں میں جو کچھ لکھا گیا ہے خدا کرے نظر سے گذرا ہو (اس کی پہلی قسط تو ذیقعدہ کے بینات میں بھی شائع ہوگئی ہے) عمر کے تقاضے سے مجھ پر ضعف کا بہت غلبہ ہو گیا ہے میں اس حال میں نہیں تھا کہ کوئی ایسی چیز لکھوں جس کے لیے محنت کرنی پڑے لیکن میں نے اس کو وقت کا اہم فریضہ اور بعض خاص وجوہات سے اپنے حق میں فرض عین سمجھا اور میں نے ایک مستقل کتاب لکھنا شروع کی۔ جس کا ابتدائی حصہ ''الفرقان'' کے تین شماروں میں شائع ہوا۔ وہ کتاب میں بفضلہ تعالیٰ تکمیل کے مرحلہ میں ہے کتابت بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی رہی' اللہ تعالیٰ تکمیل کی

توفیق دے اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے اور قبول فرمائے۔ تقریباً تین سو صفحات ہوں گے۔

اگر باآسانی ممکن ہوتا تو میں آپ کو مکلّف کرتا کہ آپ پوری کتاب کو غور سے دیکھ کر اس پر مقدمہ لکھیں' لیکن ظاہر ہے کہ یہ آسان نہیں اور اس کے لئے انتظار کرنا پڑے گا اور میں جلد سے جلد کتاب کی اشاعت چاہتا ہوں کتاب تیار ہو جانے پر ان شاء اللہ رجسٹرڈ ارسال خدمت ہوگی۔ آپ اس پر اس طرح تبصرہ کریں کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو کتاب کا جز بنایا جا سکے۔ مجھے شبہ ہے کہ بے ادبی نہ ہو لیکن عرض کرتا ہوں۔ ایرانی انقلاب کے نتیجے میں خمینی اور نفس شیعت کے بارے میں خود ہمارے حلقوں میں بھی جو حسن ظن پیدا ہوا۔ اور خاص کر جماعت اسلامی سے متاثر ہونے والے نوجوانوں کا جو حال ہوا اسے دیکھ کر مجھ پر ایسا اثر پڑا کہ میرے لئے یہ سمجھنا آسان ہوگیا کہ قادیانیت کے فروغ کی اطلاعات سے استادنا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کیسی بے چینی ہوئی ہوگی۔ ہم نے ان کا حال آنکھوں سے دیکھا ہے۔

میں نے اس کتاب کے ذریعہ ایک کام شروع کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ جیسے حضرات (جن کے قویٰ بفضلہ تعالیٰ پوری طرح ساتھ دے رہے ہیں) اس مسئلہ کی طرف پوری توجہ فرمائیں اور اس کو اپنے قلم کا خاص موضوع بنائیں۔

برادر مکرم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون اور آپ سے اور ان سے دعا کی درخواست ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ (محمد منظور نعمانی)

شیعہ عقائد کے بارے میں علمائے اہل سنت کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں' لیکن مولانا نے اس کتاب میں ایک نئے اسلوب سے ان مباحث پر گفتگو کی ہے' اور بہت سی ایسی معلومات فراہم کی ہیں' جو پردہ خفا میں تھیں۔ میں نے اس کتاب کے بارے میں اپنے تاثرات بھی حضرت مولانا کی خدمت میں ارسال کئے خود میں نے اس سے جس طرح استفادہ کیا تھا' اس کا تذکرہ کیا' لیکن ساتھ ہی کچھ طالب علمانہ گذارشات مسئلہ تکفیر کے سلسلے میں پیش کیں۔ حضرت مولانا نے یہ کتاب ضعف و علالت کے دور میں لکھی تھی اور اس کے بعد یہ کمزوری بڑھتی ہی چلی گئی' جس کی وجہ سے مراسلت کا سلسلہ بھی برقرار نہ رہ سکا۔ آنے جانے والوں سے مولانا کی مسلسل بیماری اور معذوری ہی کی اطلاعات ملتی رہیں' اور ایک طویل عرصہ ایسا گذرا کہ مولانا سے کوئی قابل ذکر رابطہ نہ رہ سکا' اور بالآخر وہ وقت آ ہی گیا جو ہر انسان پر آنا مقدر ہے۔ مولانا علمی و دینی خدمات کا بڑا سرمایہ ہمارے لئے چھوڑ کر ہم سے رخصت ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی ''سرگزشت حیات'' خود انہی کے قلم سے لکھی ہوئی شائع ہو چکی ہے۔ جو مجھ جیسے ہر طالب علم کے لیے موعظت و نصیحت کے نہ جانے کتنے باب کھولتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو مقعد صدق میں اپنے مقامات قرب سے نوازے۔ ان کی زلات کی مکمل مغفرت فرمائے۔ اور ان کے فیوض کو امت کے لیے جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

﴿۱۸﴾

مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۳۳ھ

وفات: ۱۴۲۰ھ

از مولانا عیسیٰ منصوری لندن:

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شخصیت اور خدمات

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا خاندانی تعلق سادات کے مشہور حسنی سلسلہ سے ہے جو نواسہ رسول سیدنا حضرت حسنؓ تک پہنچتا ہے ہندوستان میں اس خاندان کی علمی وادبی اور دینی وملی خدمات کا دائرہ صدیوں پر محیط ہے آپ کے مورث اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہؒ پھر جد امجد حضرت سید احمد شہیدؒ آپ کے نامور والد گرامی حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی جن کی مشہور زمانہ تالیف ''نزہۃ الخواطر'' پورے اسلامی کتب خانہ میں اپنی مثال آپ ہے جس میں برصغیر کے آٹھ سو سالہ دور کے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء مشائخ' بزرگان دین اور مصنفین کا جامع تذکرہ ہے۔

آپ کا بچپن ایسے گھرانہ میں گذرا جہاں علم وفضل' زہد وتقویٰ' عبادت وریاضت' سادگی وقناعت کی حکمرانی تھی غرض آپ کو بچپن سے علمی ادبی' دینی وروحانی اور مجاہدانہ ماحول نصیب ہوا۔ عربی آپ نے چوٹی کے عرب علماء اور انشاء پرداز مولانا خلیل عرب اور مولانا تقی الدین ہلالی مراکشی سے پڑھی حدیث شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے اور انگریزی لکھنؤ یونیورسٹی میں ایک انگریز سے سیکھی۔ آپ کی اصل تربیت گاہ آپ کا اپنا گھر تھا جہاں بچپن سے ہی دعوت وعزیمت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جانیں قربان کر دینے کی خاندانی روایات اور سینکڑوں داستانیں سنیں جس زمانہ میں بچے طوطا مینا کی کہانیاں سنتے ہیں آپ کے گھرانہ میں دور صدیقیؓ وفاروقیؓ کے جہاد کے کارناموں پر مشتمل واقدی کی فتوح الشام پڑھی جاتی تھی۔

آپ نے ایسے زمانہ میں آنکھیں کھولیں جب برصغیر پر انگریز کی حکمرانی پورے شباب پر تھی اور پورا عالم اسلام یورپ کی سیاسی' عسکری' تہذیبی' تعلیمی' اور فکری غلامی میں جکڑا ہوا تھا برصغیر اور عالم اسلام کے بیشتر مصنفین مفکرین اور اہل قلم مغربی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کے سحر میں مبتلا تھے خواہ مصر کے شیخ محمد عبدہ' رفاعہ طہطاوی قاسم امین ہوں یا

برصغیر کے سرسید احمد خان، منشی چراغ علی اور محمد علی لاہوری سب اسی راہ پر چل رہے تھے۔ یہ حضرات مغربی تعلیم و تربیت کے اثرات اور انگریز حکومت کے دبدبہ کی وجہ سے غالباً یہ سمجھتے تھے کہ مغربی تہذیب وتمدن کی عظمت وشوکت ایک بدیہی و دائمی حقیقت ہے۔ اس میں نقد ونظر کی گنجائش نہیں انسانی عقل اور انسانی علوم کی ترقی کا آخری زینہ ہے ایسے ماحول میں آپ کے گھرانہ کی دینی علمی، روحانی اور مجاہدانہ روایات و ماحول نے آپ کے دل ودماغ پر گہرے اثرات مرتب کئے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''مجھ پر اللہ کی مہربانی تھی اور اس کی حکمت کے ایسے ماحول میں نشو ونما ہوئی جو مغربی تہذیب وتمدن کی سحر طرازیوں اور دل فریبیوں سے محفوظ بلکہ اس کا باغی۔ افراط وتفریط سے دور صحیح اسلامی عقائد وتعلیمات سے معمور تھا پھر ایسے اساتذہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جو علمی مہارت کے ساتھ ذہنی وفکری آزادی اخلاقی جرأت نقد ونظر کی صلاحیت وہمت سے بہرہ ور تھے اس ماحول وتربیت کا نتیجہ تھا کہ ایسی تحریروں کے قبول کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی تھی جن میں کمزوری، شرمندگی، یا شکست خوردگی کے اثرات ہوں یا جو صرف دفاع پر مبنی ہوں (پرانے چراغ حصہ ۳ ص ۲۶-۲۷)

تیئس سال کی عمر میں آپ اچھوتوں کے سب سے بڑے لیڈر بابا امیڈکر کو اسلام کی دعوت دینے بمبئی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ کا دعوتی سفر اور پیغام نہ صرف برصغیر بلکہ عرب وعجم مشرق ومغرب مسلم غیر مسلم ہر جگہ اور ہر وقت جاری وساری رہا۔ آپ نے اپنی دعوت وفکر کا موضوع خاص طور پر عربوں کو بنایا جب آپ نے دیکھا کہ مغرب کا جدید الحادی فتنہ اپنے تمدین علمی وفکری رنگ میں جدید عرب نسل کو غیر معمولی طور پر متاثر کر رہا ہے۔ تو آپ تڑپ اٹھے آپ نے اپنی خداداد بصیرت سے ابتدائی دور سے ہی مغربی فکر وفلسفہ کو اپنی تحریر وتقریر کا موضع بنا دیا جاذب اور دلکش عنوان ”ردۃ و لا ابا بکر لہا“ آپ کی جدوجہد کا عنوان بن گیا اس میں نہ صرف اس فتنہ کی پوری تاریخ کو سمو دیا بلکہ دین کا درد رکھنے والے عرب علماء ومشائخ کو تڑپا کر رکھ دیا عالم عربی میں آپ کے اس مقالے کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اب بھی مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ یہ عنوان آپ نے اس لئے اختیار کیا کہ عرب اہل قلم ادبا، اور مفکرین مغرب کے فکر وفلسفہ اور نظام حیات وتمدن سے بے انتہا متاثر ہو چکے تھے گویا یہ ایک جدید ارتداد تھا چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

مجھے ایسا لگتا ہے کہ عرب اہل قلم کے اسلوب تحریر اور طرز فکر پر سید جمال الدین افغانی کے اسکول نے بہت اثر ڈالا۔ وہ جب میدان سیاست میں آتے تو استعماری طاقتوں پر جرأت وہمت کے ساتھ تنقید کرتے اور ان پر سخت حملہ کرتے نہ سزاؤں اور دھمکیوں سے ڈرتے نہ قید وبند اور ملک بدر ہونے کو خاطر میں لاتے لیکن وہی لوگ جب مغربی تہذیب وتمدن کو موضوع بناتے یا سیاسی نظام اقتصادی فلسفوں اور عمرانی علوم پر لکھنے بیٹھتے تو ان کے قلم جیسے تھک جاتے زبان لڑکھڑانے لگتی اسلوب کمزور پڑ جاتا ان کی تحریروں سے یہ چھلکنے لگتا کہ مغرب ہی ہر چیز میں مثالی نمونہ ہے اور ترقی کا اعلیٰ میعار یہ ہے کہ کسی طرح ان کے مقام تک پہنچا جائے۔ اور انہی کی نقل کی جائے (پرانے چراغ حصہ ۳، ص ۲۹)

تعلیم سے فراغت کے بعد جب آپ میدان عمل میں اترے تو آپ کے سامنے اپنا ملک ہی نہیں پورا عالم اسلام

بلکہ پوری دنیائے انسانیت تھی آپ کا پختہ عقیدہ اور یقین کامل تھا کہ جس طرح ماضی میں اسلام نے دنیا کی رہبری کر کے اسے کامیابی کی راہ دکھائی ہے اس طرح آج بھی صرف اسلام اور قرآن ہی سسکتی دم توڑتی انسانیت کے دکھوں کا مداوا بن سکتا ہے صرف وہی موجودہ دور کی گہرائیوں' بحران و انتشار' انا کی خودفریبی سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے آپ نے عربوں کو اسی خواہش اور آرزو سے اپنا مخاطب بنایا کہ وہ نبی عربی ﷺ اور قرآن کا دامن تھام کر اپنے داعی ہونے کی اصل حیثیت اور مقام کو بحال کر کے دنیا کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی تحریر و تصانیف کی ابتدا' عربی زبان سے کی ابتدائی عمر ہی میں آپ کے مضامین پر چوٹی کے عرب علماء اور دانشور سر دھنتے۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ کا پہلا مضمون مصر کے مشہور معیاری رسالہ المنار' میں نامور و ممتاز عالم و صحافی علامہ رشید رضا نے اہتمام سے شائع کیا۔ پھر آپ سے اجازت لے کر اس مضمون کو کتابچہ کی صورت میں الگ سے شائع کیا۔ آپ کا دوسرا مضمون مشہور عربی ترجمان ''الضیا'' میں شائع ہوا تو اسے پڑھ کر عالم عرب کے عظیم انشا پرداز و ادیب و مفکر شکیب ارسلان نے بڑے بلند الفاظ میں مضمون کی ستائش و تعریف کی ایک ممتاز عرب ادیب و دانشور ڈاکٹر انور الجندی لکھتے ہیں کہ: ''سید ابوالحسن علی ندوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عربوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی انہیں بیدار کیا انہیں اپنے حقیقی مذہب اور ذمہ داری سنبھالنے کی دعوت دی اور انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سرفرازی اسلام کی بدولت عطا کی ہے اور قرآن نے انہیں دنیا کی قیادت کے لئے تیار کیا ہے۔

آپ نے بار بار عرب ممالک جا کر ان کے زعما اور مفکرین علما و دانشوروں سے مل کر ان کو جھنجھوڑا اور ریڈیو و ٹیلی ویژن کے ذریعہ عوام خواص دانشوروں' سلاطین و شہزادگان کو بڑی جرأت و بے باکی سے ان کی کمزوریوں' مغربی تہذیب کے تحت آ جانے' سامراجی طرز' تجدد و ترقی پسندانہ خیالات و نظریات اور رجحانات کے زیر اثر آ جانے پر سخت الفاظ میں تنقید کی۔ ''اسمعیات'' کے نام سے ہر ملک کو خطاب کیا۔ اسمعی یا مصر! اے مصر سن! اے سیریا سن! اے لالہ صحرا (کویت) سن! اے ایران سن! جزیرۃ العرب کا پیغام دنیا کے نام دنیا کا پیغام جزیرۃ العرب کے نام آپ نے عرب عوام' علما' دانشوروں' حکمرانوں اور بادشاہوں تک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا کہ تمہارا وجود و پہچان صرف محمد رسول اللہ ﷺ اور اسلام کا رہین منت ہے۔ اگر ان دو چیزوں سے تعلق ختم ہو جاتا ہے تو پھر عربوں کے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔ غرض آپ نے نصف صدی تک عربوں کو جو پیغام دیا اس کا خلاصہ ہے۔ ؎

نہیں وجود حدود و ثغود سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

نہ محمد رسول اللہ سے پہلے عربوں کی کوئی حیثیت تھی اور نہ محمد عربیؐ سے بیگانہ ہو کر ان کی کوئی حیثیت رہ سکتی ہے۔ عصر حاضر کے ممتاز عالم عظیم دانشور نامور خطیب و رہنما علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

ہم نے شیخ ابوالحسن علی ندوی کی کتابوں اور رسالوں میں نئی زبان اور جدید روح محسوس کی۔ ان کی توجہ ایسے مسائل کی جانب ہوئی جن کی جانب ہماری نظر نہیں پہنچ سکتی۔ علامہ ابوالحسن علی ندویؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہمیں الفاظ وموقف کی اہمیت و قیمت سے روشناس کرایا اوران سے متاثر ہوکر بعد میں دوسرے مصنفین نے لکھنا شروع کیا۔ عربی ادب میں ان کا نام مسلم ہے بلا مبالغہ اس وقت آپ کی سطح کا مؤرخ وادیب عرب وعجم میں نایاب ہے آپ کے علمی و فکری مباحث تو تسلیم شدہ ہیں ہی آپ کی عربی تحریروں کا حال یہ ہے کہ خود عرب علماء وخطباء آپ کی عبادتوں کو رٹتے اور حفظ یاد کرتے ہیں اور جمعہ کے خطبوں تک میں نقل کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حرمین شریفین کے ائمہ آپ کی عبارتوں کو جمعہ کے خطبات میں نقل کرتے ہیں۔ آپ کی عربی کتابیں عرب ممالک کی یونیورسٹیوں کالجوں اور اسکولوں میں داخل نصاب ہیں اور خود بھارت میں کشمیر سے لے کر راس کماری تک عصری کالجوں اور اسکولوں میں آپ کی عربی ادب کی کتابیں داخل نصاب ہیں آپ کی تصنیفی زبان شروع ہی سے عربی رہی ہے۔ پھر دنیا کی مختلف زبانوں میں آپ کی کتابوں کے بے شمار ایڈیشن چھپے۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بلاشبہ آپ عالم عرب میں اس وقت محبوبیت ومقبولیت کے انتہائی عروج پر تھے۔ غرض آپ کو عالم عرب میں وہ مقام حاصل ہوگیا جواس دور میں کسی غیر عربی کو حاصل نہ ہوسکا۔ یہ امتیاز و انفرادیت آپ کو اخلاص وللّٰہیت بےلوثی و بے نیازی کے ساتھ ساتھ عرب مسائل ومشکلات سے گہری واقفیت ان سے دلی ہمدردی اور انہیں بروقت جدید فتنوں اور خطرات سے خبردار کرنے کی بدولت حاصل ہوئی۔ آپ کی جو کتاب اردو میں دس پندرہ ہزار چھپتی' وہ عربی میں لاکھوں کی تعداد میں چھپتی رہی۔ عربوں نے آپ کی حمیت دینی غیرت اسلامی ربانیت وروحانیت کی وجہ سے آپ کی بے انتہا قدردانی کی انہوں نے کھلے دل سے آپ کی عظمت کا اعتراف کیا بقول پروفیسر خورشید احمد صاحب کے عرب دنیا آپ کی فصاحت و بلاغت کا لوہا مانتی ہے غرض آپ کو عربوں میں ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل تھی کہ جب کسی پڑھے لکھے عرب کی کسی ہندی مسلمان سے ملاقات ہوتی تو بسا اوقات اس کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ ابوالحسن علی ندوی کیسے ہیں؟

تاریخ وتذکرہ آپ کے مطالعہ کا خصوصی موضوع رہا آپ نے اسلامی تاریخ اور اکابرین اسلام کے احوال وسوانح پر اس قدر لکھا کہ اس دور میں پورے عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کی تحریروں میں تاریخ وادب ایک دوسرے سے ہم آغوش نظر آتے ہیں آپ کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی وعلمی موضوعات پر بھی نہایت دلکش اور افسانوی انداز میں خامہ فرسائی کی جاسکتی ہے اور دینی تحریریں بھی ادبی دلچسپی رکھ سکتی ہیں آپ کے اسلوب بیاں میں علم وفکر سنجیدگی و متانت اعتماد وٹھہراؤ تو ہے ہی مگر اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی شعلہ کی سی لپک اور طوفان کا سا دبدبہ محسوس ہوتا ہے آپ کی تحریر سے ولولہ وابتہاج کی لہریں دوڑ جاتی ہیں آپ کی اسلوب نثر کی کشش انگیز توانائی خود آپ کی شخصیت کی مرہون منت ہے آپ کی شخصیت بڑی متنوع اور ہمہ گیر ہے جس نے اپنے اندر گلشن دین وادب کے بہت سارے پھولوں کا عطر کشید کر

لیا ہے۔ آپ کی تحریروں اور اسلوب میں آپ کی شخصیت کی طرح مدرسہ و خانقاہ کی طمانیت وسکون بھی ہے علم وادب کی جاذبیت وحسن بھی ساتھ ہی ساتھ تحریک واجتماعیت کی حرارت وسرگرمی بھی ہے۔ یہی جامعیت آپ کی شخصیت کا خاص امتیاز ہے اور آپ کی تحریر کا بھی آپ نے تاریخ وتذکرہ کو اپنے مطالعہ اور انشا کا موضوع بنایا تاکہ نئی نسل اسلاف کے کارناموں سے روشنی وحرارت حاصل کر کے دعوت وعزیمت پر سرگرم عمل ہو جانے کا حوصلہ حاصل کرے۔ آپ کے طرز تحریر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے یہاں بے جا جوش کہیں نہیں ملتا جبکہ زور ہر جگہ نظر آتا ہے یہ زور بیاں درحقیقت آپ کے فکر ونظر کی دین ہے۔ آپ صاحب نظر بھی تھے اور صاحب دل بھی جب فکر کے ساتھ ذکر بھی ہو تو کیا کہنا یہی وجہ ہے کہ آپ کی تحریروں میں سنجیدہ وحسین انداز میں نہایت گہری باتیں ملتی ہیں۔ از دل خیزد بر دل ریز کی جھلک آپ کی ہر تحریر وتقریر کا خاصہ ہے آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک سو ستتر ہے بیشتر کتابوں کے ترجمے اردو' فارسی' ترکی' انگریزی اور دیگر زبانوں میں ہو چکے ہیں جب آپ کی پہلی عربی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' منظر عام پر آئی تو اس نے عرب دنیا میں ہلچل مچادی۔ دمشق یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعۃ کے ممتاز سکالر و نامور مصنف استاذ پروفیسر محمد المبارکؒ نے اسے اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا اور کہا کہ اگر کسی نے یہ کتاب نہیں پڑھی تو اس کا مطالعہ ناقص رہے گا۔ اس کتاب کے متعلق ایسے ہی تاثرات بیشتر عرب زعماء اور مفکرین کے ہیں جیسے ڈاکٹر یوسف موسیٰ استاد سید قطب شہیدؒ علامہ الشام شیخ محمد بہجۃ البطار اور اخوان کے مشہور رہنما ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی عظیم مفکر و عالم استاد علی طنطاوی وغیرہ وغیرہ۔ پوری عرب دنیا' سعودی عرب مصر وشام اور فلسطین وعراق کے چوٹی کے زعماء ومفکرین نے اسے اس صدی کی بہترین کتاب قرار دیا اس کتاب نے پینتیس سال کی عمر میں آپ کی شہرت و ناموری کو عرب دنیا میں گھر گھر پہنچا دیا۔ مشہور و نامور فاضل لندن یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ سیکشن کے چیئر مین ڈاکٹر بکنگھم نے ان الفاظ میں اس کتاب کو خراج تحسین پیش کیا کہ'' اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر طریقہ پر کی گئی یہ اس کا نمونہ اور تاریخی دستاویز ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کا ایک بڑا کارنامہ علامہ اقبال کی شاعری اور فکر سے عربوں کو روشناس کرانا ہے آپ کی منفرد اور دقیع کتاب روائع اقبال (عربی) اور اس کے اردو ترجمہ ''نقوش اقبال'' کے بغیر سلسلہ اقبالیات کی فہرست مکمل نہیں سمجھی جا سکتی۔ اگرچہ آپ سے پہلے عزام اور عباس محمود نے عالم عربی میں اقبال کو متعارف کرانے کی کوشش کی مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ روائع اقبال کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ مولانا ندوی نے فکر اقبال کی بلندی' بلند حوصلگی اور وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کو اپنی زندگی کا حصہ اور مشن بنا لیا ہے۔ غالباً اسی کے پیش نظر جناب ماہر القادری مرحوم نے نقوش اقبال پر اپنے ماہنامہ رسالہ فاران میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:'' یہ کتاب اس مجاہد عالم کی لکھی ہوئی ہے جو اقبال کے مرد مومن کا مصداق ہے اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ نقوش اقبال میں خود اقبال کی فکر و روح اس طرح گھل مل گئی ہے جیسے پھول میں

خوشبو اور ستاروں میں روشنی پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے جیسے شبلی کا قلم غزالی کی فکر اور ابن تیمیہؒ کا جوش و اخلاص اس تصنیف میں کارفرما ہے۔''

واقعہ یہ ہے کہ دینی وعصری علوم کے شناسا ہونے کے ناطے علامہ ندوی کی نگاہ بصیرت نے علامہ اقبال کی خوبیوں اور کمالات کا صحیح ادراک کیا۔ آپ لکھتے ہیں: ''میری پسند وتوجہ کا مرکز وہ اس لئے ہیں کہ بلند نظری اور محبت و ایمان کے شاعر ہیں۔ ایک عقیدہ دعوت و پیغام رکھتے ہیں مغرب کی مادی تہذیب کے سب سے بڑے ناقد اور باغی ہیں اسلام کی عظمت رفتہ اور مسلمانوں کے اقبال گزشتہ کے لیے سب سے زیادہ فکرمند۔ تنگ نظر قومیت وطنیت کے سب سے بڑے مخالف اور انسانیت اسلامیت کے سب سے بڑے داعی ہیں جو چیز مجھے ان کے فن وکلام کی طرف لے گئی وہ بلند حوصلگی محبت اور ایمان ہے جس کا حسین امتزاج اس کے شعر و پیغام میں ملتا ہے۔ میں اپنی طبیعت وفطرت میں انہی تینوں کا دخل پاتا ہوں میں ہر اس ادب و پیغام کی طرف بے اختیار نہیں بڑھتا ہوں جو بلند حوصلگی اور احیائے اسلام کی دعوت دیتا اور تسخیر کائنات اور تعمیر النفس وآفاق کے لئے ابھارتا ہے جو مہر و وفا کے جذبات کو غذا دیتا اور ایمان وشعور کو بیدار کرتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور ان کے پیغام کی آفاقیت وابدیت پر ایمان لاتا ہے۔''

مارچ ۱۹۹۴ء میں جب یہ ناچیز رائے بریلی حاضر ہوا تو عشا کی نماز کے بعد آدھی رات تک اقبالیات پر گفتگو فرماتے رہے۔ اور برجستہ اردو فارسی کلام سنا تے رہے اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا کو اقبال کا تقریباً سارا کلام ازبر ہے مجھے اقبال کی مشہور نظم جس کا پہلا شعر ع

کلیسا کی بیناد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری

سنا کر نوٹ کروائی اور فرمایا آپ مغرب میں رہتے ہیں اس پر خوب غور وخوض کیجئے۔ اقبال نے اس میں پورے مغربی فکر و فلسفہ کو سمو دیا ہے۔

آپ اپنی علمی وفکری اور تصنیفی مشغولیت کے باوصف بھارتی مسلمانوں کی سیاسی وملی خدمات سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ خاص طور پر آخری بیس سالوں میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے بھارتی مسلمانوں کے لئے موثر قیادت اور خدمات انجام دیں آپ کو اپنے ہر دلعزیز اوصاف کی بنا پر تمام مکاتیب فکر کا بھرپور اعتماد حاصل رہا شاہ بانو کیس کی گتھی سلجھانے میں آپ کی رہنمائی نے اہم کردار ادا کیا۔ گزشتہ دنوں جب یوپی حکومت نے اسکولوں میں سرسوتی پوجا کا گیت لازمی قرار دے دیا تو آپ کے ایک جرأت مندانہ بیان نے ملک کے حالات بدل دیئے اور حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہونا پڑا آپ صحیح معنی میں ایک ایسا روشن چراغ تھے جس کی لَو سے ظلم وطغیان کے ایوانوں میں ہلچل ہی نہیں قیامت برپا ہو جاتی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں دیوبند کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا اجلاس کیا تھا انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر

تھا اس اجلاس میں سب سے زیادہ برمحل موثر طاقتور اور مجاہدانہ تقریر جو بھارتی مسلمانوں کی ترجمان کہی جا سکتی ہے آپ ہی کی تھی آپ کی یہ تقریر اس اجلاس کی جان اور پیغام سمجھی گئی آپ نے بھارتی مسلمانوں اور حکومت کو مخاطب کر کے فرمایا: ''ہم صاف اعلان کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گزارنے پر ہرگز راضی نہیں جن کو صرف راتب اور تحفظ (سیکورٹی) چاہئے کہ کوئی ان کو نہ مارے ہم ہزار بار ایسی زندگی گزارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں ہم اس سرزمین پر اپنی اذانوں نمازوں کے ساتھ رہیں گے بلکہ تراویح اشراق تہجد تک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہونگے۔ ہم ایک ایک سنت کو سینہ سے لگا کر رہیں گے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں ہم تو صرف اسلامیت کے دھارے کو جانتے ہیں ہم تو دنیا کی قیادت و امامت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔'' گزشتہ دنوں ۲۸/۲۹/۳۰ اکتوبر ۹۹ء مسلم پرسنل بورڈ کے اجلاس واقع بمبئی میں آپ نے اپنی صدارتی تقریر میں صاف فرمایا: ''ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی اور نظام معاشرت نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اسی طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے۔ یہ ہمارا شہری جمہوری اور دینی حق ہیں آپ عالم اسلام اور خاص طور سے بھارتی مسلمانوں کو اکثر فاتح مصر حضرت عمر بن عاصؓ کا انتباہ آگہی یاد دلاتے انتم فی رباط دائم (تم مسلسل محاذ جنگ پر ہو) تمہیں ہر وقت چوکنا اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برصغیر کے طبقہ علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب کے بعد علامہ ابوالحسن علی ندوی واحد شخصیت ہیں جنہوں نے ملکی حدود سے ماورئی ہوکر پوری ملت اسلامیہ اور پوری انسانیت کی فکر کی ۱۹۸۰ء میں آپ کو ایک رات پے درپے دوبار سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت ہوئی جس میں سرور دو عالم نے فرمایا میری حفاظت کا کیا انتظام کیا ہے اس وقت آپ نے جنرل ضیاء الحق صاحب کو سرور دو عالم کا پیغام پہنچا کر فرمایا۔ کل قیامت کے روز دربار رسالت میں آپ کا دامن ہوگا اور میرے ہاتھ کہ میں نے پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری ادا کر دی تھی آپ خلیج کی جنگ کے بعد سے سرزمین عرب پر امریکی فوجوں کی موجودگی پر سخت پریشان تھے وفات سے چند ہفتہ پہلے جب یہ ناچیز حاضر خدمت ہوا اس وقت فالج حملہ کے بعد سے مسلسل نقاہت کے عالم میں تھے کسی صاحب نے پاکستان کے فوجی سربراہ پرویز مشرف صاحب کا اخباری بیان سنا دیا جس میں انہوں نے ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک کو اپنا آئیڈیل و ہیرو بتا کر ان کے نقش قدم پر چلنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا اس پر آپ تڑپ اٹھے اور فرمایا: ''اس صدی میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان جس شخص نے پہنچایا وہ اتاترک ہیں کاش کوئی میری کتاب اسلام و مغربیت کی کشمکش کا انگریزی ایڈیشن ان تک پہنچا دے (جس میں اتاترک کے متعلق تفصیلی معلومات ہیں) میں نے عرض کی پرسوں میرا پاکستان کا سفر ہے ان شاء اللہ کتاب پہنچ جائے گی۔ اس پر خوش ہوکر فرمایا میں صبح سے دعا کر رہا تھا اے اللہ میرے اس کام کے انجام کے لیے کسی شخص کو بھیج دے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیج دیا اور فرمایا ان شاء اللہ یہ

کام آخرت میں آپ کی نجات کے لئے کافی ہوگا اس کام کے انجام دہی کی اطلاع پر انتہائی پرمسرت اور بلند الفاظ میں گرامی نامہ تحریر فرمایا جو میرے پاس حضرت کا آخری گرامی نامہ ہے واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں آپ کی ہستی پوری ملت اسلامیہ کے لیے ایک سایہ شجر دار اور اس شعر کی صحیح مصداق تھی۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جب بھی آپ نے ضرورت محسوس کی نہ صرف بھارت کے حکمرانوں بلکہ عالم عرب اور مسلم ممالک کے حکمرانوں کو کلمہ حق جرأت کے ساتھ کہا یہ اس دور میں صرف آپ کا امتیاز تھا ورنہ اس زمانہ کے طبقہ علماء ومشائخ میں یہ چیز ناپید ہو چکی ہے۔

علامہ ندوی کا سب سے نمایاں وصف آپ کا فکری کام ہے آپ کی تحریروں میں مغرب کے گمراہ کن الحادی فکر و فلسفہ کا مسکت جواب اور مدلل رد موجود ہے اس وقت دنیا اور خاص طور پر ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اقوام عالم اور پوری انسانیت اور بدقسمتی سے مغرب کے ان افکار ونظریات کی اسیر بن چکی ہے جس نے علم وفکر تہذیب و تمدن اور ترقی وخوشحالی کے نام سے پوری انسانیت کو وحی آسمانی سے مٹا کر خواہش نفسانی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ برصغیر کے طبقہ علماء میں جس چیز نے آپ کی شخصیت کو ممتاز کیا وہ آپ کا یہی کارنامہ ہے مغربی فکر وفلسفہ اور افکار ونظریات کے غلبہ نے عالم اسلام کے لیے بے شمار مسائل پیدا کر دیئے ہیں اور جب تک مغرب کا فکری غلبہ موجود ہے۔ عالم اسلام کبھی سر بلندی، عزت اور غلبہ نہیں پا سکتا۔ آپ ندوۃ العلماء کے طلبا کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس وقت جس طبقہ کے ہاتھ میں زمام کار ہے وہ مغربی تہذیب کو مثالی اور انسانی تجربات کی آخری منزل اور حرف آخر سمجھتا ہے اور اس کو اسلام کے نظام کے قائم مقام خیال کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے اب اس کو دوبارہ کارگاہ حیات میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ ہے وہ زندہ سوال جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح ایک بھڑکی ہوئی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے اور جس کے اثر سے کوئی طبقہ اور کوئی پڑھا لکھا انسان پورے طور پر محفوظ نہیں ہے۔'' ...... یہ ایک سازش چلی آ رہی ہے فکری طور پر بھی سیاسی وانتظامی طور پر بھی ہمیں اسی طور پر اس کا مقابلہ کرنا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا اور اسلام پر اس کا یقین واپس لانا دوبارہ یقین پیدا کرنا ہے کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے قیادت کر سکتا ہے۔ یہ ہے آج کا اصل فتنہ کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام کا اس زمانہ کا ساتھ دینا تو الگ رہا یہ تو اس تنزل کے بعد اس زمانہ کو ہلاکت سے بچا سکتا ہے۔ اسلام زمانہ کو راہ پر لگا سکتا ہے۔ اسلام اس زمانہ کو مبارک بنا سکتا ہے۔ اور اسلام اس زمانہ کو رہنے کا سلیقہ سکھا سکتا ہے۔ اس کے لئے آپ کو تیاری کرنی ہے۔ آج انڈونیشیا، مشرق اقصیٰ سے مراکش تک امریکہ ویورپ کی سازش سے اسلام پر اعتماد متزلزل کر دیا گیا ہے۔ اسلام پر عمل کرنے کو فرسودگی رجعت پسندی فینڈامینٹل ازم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تا کہ ایک پڑھے لکھے آدمی کو شرم

آنے لگے کہ حاشا وکلا وہ فینڈ امینٹلسٹ نہیں۔ آپ کو وہ کام کرنا ہے' لوگ سینہ تان کر اور آنکھیں ملا کر یہ کہیں کہ ہاں ہم فینڈ امینٹلسٹ ہیں ہمارے نزدیک فینڈ امینٹل ازم ہی دنیا کو بچا سکتا ہے ساری خرابی اور سار فساد فینڈ امینٹل ازم نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی اصول نہیں کوئی معیار نہیں کوئی حدود نہیں صرف نفس پرستی ہے صرف خواہش پرستی ہے صرف اقتدار پرستی ہے اس لئے آپ کو تیاری کرنی ہے۔ اس کے بعد آپ مزید وضاحت سے عصر حاضر کی سب سے اہم ضرورت کی طرح توجہ دلاتے ہوئے طلباء سے فرماتے ہیں: ''اسلام کا مجدد کہلانے کا وہی مستحق ہوگا جو اسلامی شریعت کی برتری ثابت کرے زندگی سے اس کا پیوند لگائے اور ثابت کرے کہ اسلامی قانون وضع قانون اور انسانوں کے تمام خود ساختہ قوانین سے آگے ہے زمانہ سے آگے کی چیز ہے زمانہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور دنیا نے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو لیکن اسلامی قوانین اس کی رہنمائی کی اب بھی صلاحیت رکھتے ہیں اس کے تمام سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور انسانی زندگی کے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کے اندر موجود ہے اس میں ایک بالغ معاشرہ کی تنظیم کی بہترین صلاحیت ہے''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی ایسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ملت بلکہ پوری انسانیت کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہیں۔ علی میاں ایک فرد اور ایک ذات کا نام نہیں ایک مشن' ایک تحریک اور ایک دعوت اور ایک انقلاب کا نام ہے آپ کے انتقال سے علم وحکمت کا آفتاب غروب ہو گیا وہ آفتاب جس کی روشنی سے عرب وعجم مستفید ہو رہا تھا آپ ایک عظیم مفکر' مدبر' مورخ' عالم دین' عربی زبان وادب کے ماہر اعلیٰ درجہ کے انشاپرداز وسوانح نگار تھے اسی کے ساتھ زہد وتقویٰ' سادگی وقناعت اور خلوص ومحبت کا پیکر اور سلف صالحین کا نمونہ تھے مغرب کی جدید تہذیب وتمدن اور اس کے گمراہ کن افکار ونظریات پر گہری اور بسیط نظر رکھتے تھے برصغیر کے واحد عالم دین تھے جن کی تحریروں میں مغربی فلسفہ وکفر کا رد اسکے زہد کا تریاق بکثرت موجود ہے مغرب کے برپا کئے ہوئے فساد اور گمراہ کن نظریات کے خلاف آپ کا بے باک مدلل اور موثر قلم جراحت ومرہم دونوں کا کام کرتا تھا عالمی مسائل وامور پر آپ کی نظر گہری اور عمیق اور ملت کے اجتماعی مسائل سے دلی تعلق تھا ملکی وعالمی سیاسی وسماجی حالات ومسائل سے آپ کو وسیع وعمیق واقفیت تھی۔ علمی وفکری ہر موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا اور جس موضوع پر آپ نے جو لکھا وہ اس فن کے لیئے اتھارٹی مانا گیا۔ برصغیر کے اس صدی کے اکابر علماؑ اہل اللہ جیسے حضرت مولانا محمد الیاس ؒ' مولانا احمد علی لاہوریؒ' مولانا حسین احمد مدنی ؒ' شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ دیگر علماء اہل اللہ کے آپ ہمیشہ محبوب ومنظور نظر رہے آپ کے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر خدا نے پوچھا کہ دنیا سے کیا لایا تو علی میاں کو پیش کر دوں گا آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ برصغیر کے اس صدی کے بیشتر اکابر علماء اور اہل اللہ کا تعارف آپ کے قلم سے ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تاریخ دعوت وعزیمت کی ساری جلدیں لکھ کر اسلام کے چودہ سو سالہ مشاہیر اور اکابرین امت کا تذکرہ ایسے موثر دلکش اور تعمیری انداز میں لکھا جس سے نئی نسل بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ آپ کی شخصیت جس طرح علماء مدارس صوفیاء کرام اور

خانقاہوں میں مسلم تھی اسی طرح عصری طبقات عصری تعلیم گاہوں، علی گڑھ، قاہرہ، مکہ، جینوا، لندن اور نیویارک میں بھی مقبولیت رکھتی تھی۔ دنیا بھر کے علماوزعما مفکرین ودانشور حتی کہ حکمران آپ کو عقیدت وعظمت کی نظر سے دیکھتے تھے اپنے اخلاق عالیہ کی بدولت آپ ہر طبقہ میں مقبولیت رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ناظم اعلیٰ ہونے کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر، آل انڈیا ملی کونسل کے سرپرست رابطہ ادب اسلامی (مکہ مکرمہ) کے سربراہ، مدینہ یونیورسٹی (مدنیہ منورہ) کی مجلس مشاورت کے رکن، آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامی سینٹر کے سربراہ، جامعہ الہدیٰ (نوٹنگھم) کے سرپرست دعوت اسلامی کی عالمی مجلس اعلیٰ (قاہرہ) کے ممبر دارالمصنفین وشبلی اکیڈمی (اعظم گڑھ کے صدر، عالمی یونیورسٹیوں کی انجمن، واقع رباط (مراکش) کے ممبر بین الاقوامی یونیورسٹی (اسلام آباد) کی ایڈوائزری کونسل کے ممبر، قاہرہ، دمشق اور اردن کی عربی اکیڈمی کے ممبر اس کے علاوہ سینکڑوں علمی ودینی اداروں اور تنظیموں کے سرپرست تھے۔ آپ برصغیر کی واحد شخصیت تھے جنہیں دوبار خانہ کعبہ کی کنجی حوالے کی گئی اسی طرح شاہ فیصل ایواڈ دبئ (امارت) کا عالمی شخصیت کا ایوارڈ اور سلطان برونائی ایوارڈز سے نوازے گئے۔ آپ کے زہد اور دنیا سے بے نیازی کا یہ عالم کہ ان ایوارڈز کے کروڑوں روپیوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ اسی وقت ساری رقم افغان مجاہدین، مساجد ومدارس اور دینی وتعلیمی اداروں میں تقسیم فرمادی۔ ۹۶ء میں حکومت ترکیہ نے آپ کے اعزاز میں اور آپ کی شخصیت اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جس میں دنیا بھر کے علماء کرام دانشوروں اور یونی کے اسکالروں نے آپ کی علمی فکری ودینی خدمات پر مقالے پڑھے دنیا بھر کی بیشتر دینی تحریکیں اور عالمی اسلامی تنظیمیں آپ کو اپنا سرپرست ومربی سمجھتی تھیں اور آپ کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی کی طالب رہتی۔ جیسے برصغیر کی مشہور تبلیغی جماعت عرب دنیا کی سب سے بڑی دینی تحریک اخوان المسلمین انڈونیشیا کی ماشومی پارٹی اور جماعت اسلامی وغیرہ وغیرہ دیوبند کے علاوہ دیگر تمام مکاتب فکر کے علماء ومشاہیر بھی آپ سے محبت وعقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ ۲۸ اکتوبر ۹۹ء مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس واقع بمبئی میں جب آپ نے اپنی علالت کے سبب استعفیٰ پیش فرمایا تو اس ناچیز نے دیکھا کہ پورے اجلاس پر سناٹا چھا گیا اور کوئی بھی اسے قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھا سب سے پہلے ملی کونسل کے سربراہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے کہا جب کشتی طوفان اور منجدھار میں ہوتی ہے تو ملاح نہیں بدلا جاتا۔ شعیہ رہنما علامہ قلب صادق نے کہا پرسنل لاء بورڈ کی صدارت حضرت مولانا کے لئے کوئی وجہ عزت وافتخار نہیں بلکہ بورڈ کے لئے یہ اعزاز فخر کی بات ہے کہ حضرت مولانا اس کے صدر ہیں جماعت اسلامی کے امیر مولانا سراج الحسن صاحب نے کہا آج یہاں پورے ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے رہنما موجود ہیں اگر پوری دنیائے اسلام سعودی عرب، ترکی، پاکستان، انڈونیشیا، سوڈان وغیرہ وغیرہ کے زعماء ورہنما یہاں ہوتے تب بھی صدارت کے لئے سب کی زبان پر ایک ہی نام ہوتا اور وہ مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا ہوتا۔ اس کے بعد تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے بیک زبان

کہا حضرت مولانا ہی بورڈ کے تاحیات صدر ہیں اسی طرح بھارت کی تمام سیاسی پارٹیاں آپ کا احترام کرتیں۔ بھارت کے وزیراعظم اور وزرائے اعلیٰ آپ کے در دولت پر حاضری دیتے بھارت کی حکومت نے دو بار آپ کو بھارت کا سب سے بڑا قومی ایوارڈ پدم بھوشن اور بھارت رتن دینا چاہا مگر آپ نے قبول کرنے سے سختی سے انکار کیا مسلم پرسنل لاء کی جدوجہد کے دوران شاہ بانو کیس کے موقع پر بھارتی حکومت نے اسلامی پرسنل لاء میں تبدیلی کرنے کا ذہن بنالیا تھا جب ایک نازک موقع پر مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کا ارادہ ظاہر کیا کہ متعدد عرب ممالک نے اسلامی پرسنل لاء میں ترمیم کی ہے تو آپ نے فرمایا الحمد اللہ ہم بھارتی مسلمان اسلام کے متعلق خود کفیل ہیں کسی عرب ملک کے محتاج نہیں جب راجیو صاحب نے اس مسئلہ میں جامع ازہر (مصر) کے علما سے رجوع کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تو حضرت مولانا نے فرمایا الحمد للہ یہاں ایسے علماء موجود ہیں کہ اگر ان کا نام جامع ازھر میں لیا جائے۔ تو احترام میں ازہر کے چوٹی کے علماء کی گردنیں جھک جائیں آپ نے مزید فرمایا بارہا ایسا ہوا ہے کہ دنیا بھر کے مسلم علماء کی سب سے بڑی تنظیم رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) میں پوری دنیا کے مسلم اسکالرز کی رائے ایک جانب اور آپ کے ملک کے ایک اسکالر کی دوسری جانب ہوتی تب آپ کے ملک کے اسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ کیا گیا اور ساری دنیا کے اسلامی اسکالرز نے آپ کے ملک کے اسکالر کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا یہ سن کر راجیو صاحب خاموش ہو گئے اس کے بعد جب انہیں پتہ چلا کہ وہ شخصیت انہیں کے حلقہ انتخاب (رائے بریلی) کی ہے تو انہوں نے اس پر کئی بار فخر کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا کی گفتگو کے بعد راجیو صاحب نے اسلامی شریعت کی روشنی میں (مطلقہ کے نفقہ کے) مسئلہ کو معلوم کرنا چاہا جب انہیں تشفی بخش جواب ملا تو انہوں نے بھارتی پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر بحث کے دوران کہا کہ میں نے امریکہ و یورپ سمیت دنیا بھر کے قوانین کا مطالعہ کیا ہے مگر چودہ سو سال پہلے قرآن اور اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں وہ اب تک دنیا کا کوئی قانون نہیں دے پایا۔ بالآخر انہوں نے کانگریس کے ممبران کے نام ہیپ (لازمی حکم) جاری کر کے بھارتی پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق بل پاس کروایا اس طرح حضرت مولانا کی شخصیت کی بدولت مسلمان پارلیمنٹ میں پرسنل لاء بورڈ کی جنگ جیت گئے غرض اس دور میں ایسی مقبولیت اور محبوبیت کی کوئی دوسری نظیر نہیں ہے۔

آپ کے سانحہ ارتحال پر پوری ملت اسلامیہ نے جس طرح رنج وغم کا اظہار کیا تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا بھر کے اخبارات ورسائل ومجلّات کے اداریوں اور جو مضامین ومقالات آپ کی شخصیت پر چھپ چکے ہیں اگر صرف انہیں یکجا کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں آپ کی زندگی تالیفات اور علمی کاموں پر سیمناروں یادگاری جلسوں کا لامتناہی سلسلہ بھی برابر جاری ہے۔ عربی اردو میں آپ کی متعدد سوانح آ چکی ہیں دنیا بھر کی بیالیس یونیورسٹیوں میں آپ کی شخصیت اور آپ کے کام پر پی۔ ایچ۔ ڈی ہوا ہے۔ یہ آپ کی عند اللہ مقبولیت کی علامت ہے کہ جمعہ کی نماز کے پہلے انتقال فرمایا۔ اسی رات رائے بریلی کے چھوٹے سے قصبہ میں تدفین عمل میں آئی۔ مگر ڈیڑھ دو لاکھ افراد پروانہ دار پہنچ

گئے۔ حرمین شریفین میں ۲۷ رمضان المبارک کو شب قدر کی مبارک رات میں جب کہ حرم اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ بھرا ہوتا ہے۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اسی طرح جدہ' ریاض' اور سعودی عرب کے دیگر شہروں جامع ازہر (مصر) استنبول (ترکی) غداد' کویت' متحدہ عرب امارات' یورپ وامریکہ۔ غرض دنیا کے کونے کونے میں کروڑوں مسلمانوں نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ ریڈیو اور ٹی وی پر وفات کی خبر نشر ہوتے ہی برصغیر اور عالم اسلام میں غم کے بادل چھا گئے۔ یہ سب آپ کی عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے ورنہ محض کسی مفکر' اسکالر' انشا پرداز یا کسی تحریک کے لیڈر کے لئے ایسا کبھی نہیں ہوتا یہاں لندن سے شائع ہونے والے عربی روزناموں الحیاۃ اور الشرق الاوسط میں آپ کی شخصیت پر اس قدر لکھا گیا کہ شاید ہی کبھی کسی شخصیت پر لکھا گیا ہو۔ سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر احمد عثمان تو یجری نے لندن کے معروف روزنامہ شرق الاوسط سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''علامہ ابوالحسن علی ندویؒ دعوت واصلاح کے اماموں میں سے ایک امام تھے۔ ان کے اندر بیک وقت زہد وورع جہاد وسرمستی اور فکر وادب کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔'' علامہ ندویؒ گوناگوں تصنیفی، علمی وفکری، ملی وسیاسی مشاغل کے باوصف عصر حاضر کے مفکرین ورہنماؤں کی طرح کبھی اپنی باطنی اصلاح سے غافل نہیں ہوئے آپ کی شخصیت تصوف وروحانیت میں بھی مسلم تھی آپ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ اجل تھے دنیا بھر کے ہزارہا افراد آپ سے بیعت اور روحانی تربیت کا تعلق رکھتے تھے۔ آپ اس دور میں ع

درکف جام شریعت درکفے سنداں عشق

کا کامل نمونہ تھے۔ آپ کی وفات بھی زندگی کی طرح قابل رشک طریقہ پر ہوئی۔ رمضان المبارک کا مہینہ جمعہ کا دن عجلت کے ساتھ غسل کر کے نیا لباس پہن کر جمعہ کی تیاری فرمائی اور حسب معمول سورۂ کہف پڑھنے لگے درمیاں میں ہی سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع فرما دی۔ اور "فبشرهم عبادي الصالحين" کی معنی خیز آیت پر روح خالق حقیقی سے جا ملی۔ آپ کے متعلق حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ فقرہ جو انہوں نے سرور دو عالم ﷺ کی وفات پر فرمایا تھا طاب حیاً ومیتاً (زندگی و موت دونوں مبارک) پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ کی وفات عیسوی کلینڈر کی صدی بلکہ ہزار سالہ تاریخ کے آخری دن اور تدفین اس صدی اور ہزارویں سال کی آخری رات میں ہونا یہ بڑا معنی خیز اشارہ ہے کہ یہ صدی علامہ ابوالحسن علی ندویؒ کی صدی تھی۔

علامہ ندویؒ نے علماء کرام اور نئی نسل کے لیے بہت کچھ چھوڑا۔ اسی (۸۰) کے قریب تصانیف سینکڑوں مقالات و مضامین لاتعداد تقاریر آپ نے کام کی طلب رکھنے والوں کے لیے کئی راہیں بنائیں اور روشن کیں۔ ان راہوں پر پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ علامہ ندویؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے نوجوان علماء ریسرچ وتحقیق میں قدم بڑھائیں اس کے لیے سب سے موزوں جگہ لندن ہے یہاں آپ کے شایان شان علمی وفکری کاموں کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم:

آہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عام کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنہوں نے حق کا بول بالا کیا

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا ایسی بنائی ہے کہ اس میں غم اور خوشی، راحت اور تکلیف دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں، نہ یہاں خوشی خالص ہے، نہ غم خالص، اس لئے یہاں غموں اور صدموں کا پیش آنا نہ کوئی اچنبھے کی بات ہے نہ کوئی غیر معمولی چیز۔ لیکن بعض صدمے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا اثر پوری امت پر پڑتا ہے، اور ان کے عالمگیر اثرات کی وجہ سے ان کا زخم مندمل ہونا آسان نہیں ہوتا۔ پچھلے مہینے (رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ میں) ایک ایسا ہی عظیم صدمہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا مشق آیا جس نے ہر اس شخص کو ہلا کر رکھ دیا جو حضرت مولاناؒ کی شخصیت اور ان کی خدمات سے واقف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ ہمارے دور کی ان عظیم شخصیات میں سے تھے جن کے محض تصور سے دل کو ڈھارس اور روح کو یہ اطمینان نصیب ہوتا تھا کہ قحط الرجال کے اس زمانے میں بفضلہ تعالیٰ ان کا سایہ رحمت پوری امت کے لیے ایک سائبان کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم وفضل کے شناوروں کی تعداد اب بھی شاید اتنی کم نہ ہو، عبادت و زھد کے پیکر بھی اتنے نایاب نہیں، لیکن ایسی شخصیات جو علم وفضل، سلامت فکر، ورع وتقویٰ اور اعتدال وتوازن کی خصوصیات جمع کر لینے کے ساتھ ساتھ امت کی فکر میں گھلتی ہوں، اور جن کے دل درد مند میں عالم اسلام کے ہر گوشے کے لئے یکساں تڑپ موجود ہو، خال خال ہی پیدا ہوتی ہیں، اور ان کی وفات کا خلا پر ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو انہی خصوصیات سے نوازا تھا، اور اب ان صفات کا جامع دور دور کوئی نظر نہیں آتا۔

حضرت مولاناؒ اصلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے تعلیم وتربیت یافتہ تھے، لیکن اس کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ نے

دارالعلوم دیوبند سے بھی اکتساب فیض کی توفیق عطا فرمائی تھی' اور اس طرح ان کی ذات میں برصغیر کے ان دونوں عظیم اداروں کے محاسن جمع فرما دیئے تھے۔ پھر علم ظاہر کے اس مجمع البحرین کو اللہ تعالیٰ نے علم باطن کا بھی حصہ وافر عطا فرمایا۔ انہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت وصحبت سے فیض حاصل کیا' اور طریقت کے میدان میں بھی حضرت رائے پوری قدس سرہ کے خلیفہ مجاز کی حیثیت سے آپ کا فیض دور دور تک پھیلا۔

آپ کی اردو اور عربی تصانیف انی ایمان افروز فکر انگیز اور معلومات آفریں ہیں کہ وہ دل کو ایمان و یقین سے سرشار کرنے کے علاوہ دین کا صحیح مزاج و مذاق انسان پر واضح کرتی ہیں اور اسے افراط وتفریط سے ہٹا کر اعتدال کے اس جادۂ مستقیم پر لے آتی ہیں جو ہمارے دین کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی تحریروں میں علم وفکر کی فراوانی کے ساتھ بلا کا سوز و گداز ہے جو انسان کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ خاص طور پر مغربی افکار کی یورش نے ہمارے دور میں جو فکری گمراہیاں پیدا کی ہیں' اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں جو فتنے جگائے ہیں' ان پر حضرت مولاناؒ کی نظر بڑی وسیع وعمیق تھی اور انہوں نے اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے ان فتنوں کی تشخیص اور ان کے علاج کی نشان دہی اتنی سلامتِ فکر کے ساتھ اتنے دلنشین انداز میں فرمائی ہے کہ عہد حاضر کے مؤلفین میں شاید ہی کوئی دوسرا ان کی ہمسری کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان کی تحریر وتقریر پر وہ قدرت عطا فرمائی تھی جو بہت سے عرب اہل قلم کے لیے بھی باعث رشک تھی' اس منفرد صلاحیت سے انہوں نے خدمت اسلام کا وہ عظیم الشان کام لیا جو عربی زبان وادب کے معاصر ماہرین میں شاید کسی نے نہ لیا ہو۔ ان کی فصیح و بلیغ تحریروں نے عربوں کو دین کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا' اور مغرب کی فکری یلغار سے سہمے ہوئے عرب ممالک میں دین کا پیغام اتنی خود اعتمادی' اتنے یقین اور اتنے پر جوش انداز میں پہنچایا کہ آج بے شمار عرب مسلمان اپنی اسلامی بیداری کو ان کی تحریروں کا مرہون منت سمجھتے ہیں۔ ان کی تحریر وتقریر میں جو اخلاص' درد مندی اور دلسوزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی' وہ ان کی سخت سے سخت بات کو بھی مخاطب کے لیے قابل قبول بنا دیتی تھی' اس کا نتیجہ تھا کہ عربوں پر کھری کھری تنقید کے باوجود عرب ممالک میں ان کی مقبولیت کسی بھی غیر عرب کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ عرب ملکوں کے مقتدر حلقوں سے بھی ان کے مراسم تھے' اور وہ ان مراسم کو خدمت دین کے لیے استعمال فرماتے تھے۔ اور ان کی بدولت بہت سے منکرات کا سد باب ہوا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بارے میں اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ حضرت مولاناؒ کی قیادت نے اس ادارے کو نئی زندگی بخشی۔ یہ ادارہ درحقیقت حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی اہم وقتی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم فرمایا تھا' اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہاں سے ایسے اہل علم پیدا ہوں جو دینی علوم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی اتنی واقفیت رکھتے ہوں جو ان کی دعوت کو معاصر تعلیم یافتہ حضرات میں زیادہ مؤثر بنا سکے۔ یہ ایک عظیم الشان مقصد تھا' لیکن رفتہ رفتہ اس اداوے پر تاریخ وادب اتنا غالب آتا گیا کہ اس کی

دینی چھاپ ماند پڑنے لگی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو دوبارہ اپنے اصل مقاصد کی طرف اس حکمت اور بصیرت کے ساتھ لوٹایا کہ اس کی نمایاں خصوصیت بھی برقرار رہی' اس کے ساتھ اس میں ٹھیٹھ اسلامی علوم کا معیار بھی پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہوا' اس کی مجموعی فضا پر تدین' تقویٰ اور انابت الی اللہ کا رنگ بھی نمایاں ہوا' اور تاریخ وادب کو دین کی دعوت اور مقاصد شریعت کا خادم بنا کر اس طرح استعمال کیا گیا کہ یہ ادارہ دعوت وخدمت دین کا ایک اہم مرکز بن گیا جس کی خدمات سے پورے عالم اسلام نے استفادہ کیا۔ حضرت مولاناؒ نے اپنی انتھک جدوجہد سے اس ادارے میں اپنے ہم رنگ علماء کی ایک بڑی کھیپ تیار فرمائی جو بفضلہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کے انداز فکر وعمل کی امین ہے اور انہی کے طرز وانداز پر دین کے مختلف شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ کثر اللہ تعالیٰ امثالھم۔

یوں تو حضرت مولاناؒ کی تمام ہی تصانیف ہمارے ادب کا بہترین سرمایہ ہیں' لیکن ''تاریخ دعوت وعزیمت'' اور ''دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' اور ''عالم اسلام میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' یہ تین کتابیں ایسی ہیں کہ راقم الحروف نے ان سے خاص طور پر بہت استفادہ کیا' اور ان کے ذریعے بہت سی زندگیوں میں فکری اور عملی انقلاب رونما ہوا۔ اس کے علاوہ ان کے بہت سے چھوٹے چھوٹے مقالے جو الگ کتابچوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ بلا کی تاثیر رکھتے ہیں' خاص طور پر ''اسمعوها منى صريحة ايها العرب'' اور ''من غار حراء'' اور ''ردة ولا ابا بكر لها'' اور آخر میں ''ترشيد الصحوة الاسلامية'' وہ مقالے ہیں جنہوں نے دلوں کو جھنجھوڑ کر انہیں فکر وعمل کی سیدھی راہ دکھائی۔

عصری ضرورتوں کا احساس ہمارے دور میں بہت سے علماء' رہنماؤں اور اہل قلم کو ہوا' اور انہوں نے اخلاص کے ساتھ دین کی عصری حاجتوں کی تکمیل میں اپنی توانائیاں صرف کیں' لیکن بسا اوقات عصری حاجتوں کی فکر نے ان کو دین کی سکہ بند اور ٹھیٹھ تعبیر سے ڈگمگا کر ایسی راہ اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا جو جمہور امت اور سلف صالحین کے جادہ مستقیم سے ہٹی ہوئی تھی۔ لیکن حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کا معاملہ ان سے کہیں مختلف تھا۔ اس دور کا کوئی بھی حقیقت پسند انسان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ وہ امت مسلمہ کی عصری ضروریات کا مکمل احساس وادراک رکھتے تھے' لیکن ان ضروریات کی تکمیل انہوں نے ہمیشہ جمہور امت کے مسلم عقائد ونظریات کے دائرے میں رہتے ہوئے کی' اور کسی قسم کی مرعوبیت اور معذرت خواہی کی پرچھائیں بھی ان کی تحریروں پر نہیں پڑ سکی۔

جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب مرحوم نے جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی تو وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھ کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کا ساتھ دیا' لیکن جب ان کے طرز فکر وعمل سے اختلاف سامنے آیا تو حضرت مولاناؒ ان سے الگ تو ہو گئے' لیکن جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحبؒ کی مخالفت کو اپنا ہدف نہیں بنایا' بلکہ مغربی افکار کی تردید میں انہوں نے جو قابل قدر کام کیا تھا' اس کی تعریف وتوصیف میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور بالآخر ان کے طرز فکر وعمل پر جو عالمانہ تنقید حضرت مولاناؒ نے ''اسلام کی سیاسی تعبیر'' میں سپرد قلم فرمائی وہ انہی کا حق

تھا۔ اس کتاب کے ذریعے انہوں نے مولانا مودودیؒ اور ان کے طرز فکر کے حامل دوسرے اہل علم سے اپنے اختلاف کو انتہائی متانت کے ساتھ مدلل اور مستحکم انداز میں بیان فرما کر ان بنیادی نکات کی نشان دہی فرمائی جن میں ان حضرات کی سوچ قرآن وسنت کے جادۂ اعتدال سے ہٹ گئی تھی۔

حضرت مولاناؒ کی پوری زندگی ایک جہد مسلسل سے عبارت تھی' دنیا کے کسی بھی خطے میں مسلمانوں کی کوئی تکلیف یا خرابی ان کے دل میں کانٹا بن کر چبھ جاتی تھی' اور وہ مقدور بھر اس کے ازالے کے لیے بے چین ہو جاتے تھے۔ ان کی خود نوشت سوانح حیات ''کاروان زندگی'' کے نام سے چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے' اور اس کے مطالعے سے ان کی ہمہ جہتی خدمات پر تھوڑا بہت اندازہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ اتنی مصروف زندگی میں انہوں نے اپنی یہ سوانح کس طرح تالیف فرمائی جس میں ان کی سرگرمیوں کی تفصیلات اتنی جزرسی کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ سچ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے کام لیتے ہیں تو اس کے اوقات میں بھی برکت عطا فرما دیتے ہیں۔ اس سوانح کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض واقعات زندگی کی داستان نہیں ہے' بلکہ اس میں قدم قدم پر قاری کے سامنے فکر وبصیرت کے نئے نئے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں جن ہمہ جہتی خدمات کے لیے چنا تھا' ان کے پیش نظر وہ کسی ایک ملک کی نہیں' پورے عالم اسلام کی شخصیت تھی' میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے سامنے جب کبھی حضرت مولاناؒ کا ذکر آتا تو اکثر وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ ''مؤفق من الله'' ہیں' اور جوں جوں حضرت مولاناؒ کی خدمات سامنے آتی گئیں' حضرت والد صاحب قدس سرہ کے اس جملے کی حقانیت واضح ہوتی گئی۔ لیکن ان ہمہ جہتی خدمات اور عالمگیر مقبولیت کے باوجود حضرت مولانا تواضع کے پیکر تھے' ان کے کسی انداز وادا میں عجب و پندار کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ قبول حق کے لیے ان کا ذہن ہمیشہ کھلا ہوا تھا' اور وہ اپنے چھوٹوں سے بھی ایسا معاملہ فرماتے تھے جیسے ان سے استفادہ کر رہے ہوں۔

مجھ ناچیز کے ساتھ حضرت مولاناؒ کی شفقت ومحبت اور عنایات کا جو معاملہ تھا' اسے تعبیر کرنے کے لئے الفاظ ملنے مشکل ہیں' اگرچہ پاکستان اور ہندوستان کے بعد کی بنا پر مجھے حضرت مولاناؒ سے شرف ملاقات اور حضرتؒ کی صحبت سے مستفید ہونے کے مواقع کم ملے' لیکن الحمدللہ خط وکتابت کے ذریعے ان سے تعلق قائم رہا' میں نے اپنے بہت سے ذاتی اور اجتماعی مسائل میں حضرت مولاناؒ سے رہنمائی طلب کی' اور انہوں نے ہمیشہ بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ اپنے ارشادات سے نوازا۔

میں ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا تھا جب حضرت مولاناؒ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہو' میرا یہ اشتیاق سو فی صد فطری تھا کہ میرے لئے ان کی حیثیت ایک رہنما کی تھی میں اس بات کا حاجت مند تھا کہ ان کی صحبت جتنی ہو سکے' میسر آئے' لیکن یہ حضرت مولاناؒ کی شفقت کی انتہا تھی کہ وہ بھی محض اپنے الطاف کریمانہ کی بنا پر مجھے اس سعادت

سے بہرہ ور کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مجمع الفقہ الاسلامی ھند کا اجلاس بنگلور میں ہونا تھا۔ احقر نے حاضری کافی الحملہ وعدہ کرلیا تھا' حضرت مولاناؒ کا گرامی نامہ آیا کہ میں نے تم سے ملنے کی خاطر اس سفر کا ارادہ کیا ہے۔ بعد میں اتفاق سے مجھے ایسی مجبوری پیش آ گئی کہ میں وہاں نہ پہنچ سکا' اور اس وقت ان کی زیارت سے محروم رہا۔ میں اپنی نادانی سے یہ سمجھا تھا کہ حضرتؒ نے احقر کی خاطر داری کے لیے مذکورہ بالا فقرہ لکھ دیا ہوگا' لیکن بعد میں انہوں نے اپنے خطوط میں جس طرح اس پر افسوس کا اظہار فرمایا' اور صرف خطوط ہی میں نہیں' اپنی خودنوشت سوانح میں بھی اس واقعہ کا جس طرح ذکر فرمایا ہے' وہ احقر کو غرق ندامت کرنے کے لیے کافی ہے۔ حضرتؒ تحریر فرماتے ہیں۔

''۱۴ر۱۵ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ (۸ر۹ر۱۰ر۱۱ر جون ۱۹۹۰ء کی تاریخوں میں مجمع الفقہ الاسلامی ھند کا تیسرا عالمی مذاکرۂ علمی (سیمینار) بنگلور میں دارالعلوم سبیل الرشاد کے احاطہ میں منعقد ہونے والا تھا۔ میں نے رائے بریلی کے قیام میں احتیاطاً مجلس کے لیے مقالہ عربی میں تیار کرلیا تھا۔ مقالہ اگرچہ تیار تھا' اور بنگلور کا موسم بمبئی سے کہیں زیادہ خوشگوار و خنک بھی ہوتا ہے۔ اس کے باوجود اس موقعہ پر سفر کے بارے میں بڑا تردد تھا۔ اس کی وجہ یہ احساس تھا کہ فقہ پر راقم کو وہ درجہ اختصاص اور مطالعے کی وسعت و عمق حاصل نہیں جو اس اہم مذاکرۂ علمی میں شرکت کے لیے ضروری ہے۔ اس لئے شرکت سے معذرت کا رجحان غالب تھا' پھر صحت و افتادِ طبع کی بناء پر جن علمی مجالس میں بہت ''دھوم دھام'' ہوتی ہے ان میں شرکت کرنے سے بھی طبیعت گریز کرتی ہے۔ لیکن کچھ تو مولانا مجاہد الاسلام صاحب جیسے قابل احترام' قدیم اہل تعلق اور فاضل داعی سے شرم دامن گیر تھی ...... پھر اس سب پر مستزاد یہ توقع تھی کہ فاضل گرامی قدر اور محبت محترم مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب بھی اس مذاکرے میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر کراچی سے تشریف لانے والے ہیں۔ بمبئی میں بھی مجھے ان کا خط ملا تھا جس میں اس سفر کی آمادگی تیاری اور ملاقات کے شوق کا ذکر تھا۔ ان کے برادر محترم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب سے بمبئی میں ملاقات بھی ہوئی تھی جو حیدرآباد کی ایک دعوت پر تشریف لائے تھے اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی آمد و شرکت کے متوقع تھے۔ بہرحال ان اسباب کی بنا پر بنگلور کے سفر کا فیصلہ کرلیا گیا۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب غالباً سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے جس کی ذاتی طور پر مجھے بہت کمی محسوس ہوئی۔ غالباً ان کی عدم شرکت کی بنا پر مجھ ہی کو اس موقر مجلس مذاکرۂ کا صدر فرض کرلیا گیا الخ۔

(کاروان زندگی ص ۲۱۸ تا ۲۲۲ ج ۴)

اللہ اکبر! تواضع و انکسار اور چھوٹوں پر شفقت و عنایت اور ان کی قدر افزائی کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہوسکتی ہے' پھر بنگلور کے اس سفر میں ملاقات نہ ہو سکنے کا تاثر حضرتؒ پر اس وقت تک رہا جب تک تین ماہ بعد ان سے مکہ مکرمہ میں

ملاقات نہ ہوگئی۔ اس ملاقات کا تذکرہ بھی حضرتؒ نے کاروان زندگی میں اس طرح فرمایا ہے:

''راقم کی نگاہیں اس مؤتمر میں پاکستان کے ان مانوس و محبوب چہروں کو ڈھونڈ رہی تھیں جن سے خصوصی دینی و فکری رابطہ اور انس و محبت کا رشتہ ہے۔ اچانک جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور جسٹس افضل چیمہ صاحب پر نظر پڑی۔ یہ حضرات بھی غالباً اسی شوق و جستجو میں تھے۔ یہ حضرات مغرب کے بعد ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان پر تشریف لے آئے، وہیں عشا کی نماز پڑھی، کھانا نوش فرمایا اور دیر تک مجلس رہی۔ اس طرح بنگلور میں فقہی سیمینار کے موقعہ پر جو ۸ تا ۱۱ جون ۱۹۹۰ء کو منعقد ہوا تھا، مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سے (جو ایک مجبوری سے تشریف نہیں لا سکے تھے) نہ ملنے کی حسرت پوری ہوگئی۔ دیر تک مجلس رہی جس میں پاکستان کے حالات پر بھی تبصرہ ہوا۔ آخری دن مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے اچانک ملاقات ہوئی، ان سے بھی راقم کا خاص رابطہ ہے۔ اسی مجموعے میں اگر محترمی مولانا ظفر احمد انصاری صاحب کو شامل کرلیا جائے تو جہاں تک راقم کا تعلق ہے، یہ پاکستان کے وہ معتمد ترین اور منتخب ترین افراد ہیں جن سے راقم کو خصوصی ربط و تعلق ہے، اور وہ بھی اس عاجز پر خصوصی کرم فرماتے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی راقم کے دل میں جو قدر و منزلت ہے اس سے اس کے احباب بخوبی واقف ہیں اور ان کو بھی غالباً اس کا احساس ہے۔'' (کاروان زندگی میں ص ۳۰۴ ج ۴)

حضرتؒ کی خصوصی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی ان کی کوئی نئی تالیف آتی، اس کا ایک نسخہ اپنے دستخط کے ساتھ مجھ ناکارہ کو ضرور بھجواتے، اس معاملے میں ڈاک پر اعتماد نہ تھا، اس لئے کوشش یہ فرماتے کہ کسی آنے والے کے ذریعے دستی پہنچ جائے اور بعض اوقات احتیاطاً کئی آدمیوں کے ذریعے ایک ہی کتاب کے کئی نسخے بھجوادیتے تھے۔ جب حضرتؒ کی معرکۃ الآرا تالیف ''المرتضیٰ'' منظر عام پر آئی تو اس کے کئی نسخے احقر کے پاس بھیجے اور حکم فرمایا کہ اس پر البلاغ میں بے لاگ تبصرہ لکھوں۔ احقر نے حکم کی تعمیل کی اور کتاب کی نمایاں خصوصیات ذکر کرنے کے ساتھ چند طالب علمانہ گذارشات بھی پیش کیں۔ حضرتؒ نے ان گذارشات کی ایسی قدر افزائی فرمائی کہ میں پانی پانی ہوگیا۔ اس واقعے کا ذکر بھی حضرتؒ نے ''کاروان زندگی'' میں کیا ہے۔ ''المرتضیٰ'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''بعض حلقوں میں کتاب کا استقبال اور ردعمل مصنف کی توقع اور کتاب کی قدر و قیمت کے خلاف ہوا، مؤلف کتاب کو ایسے خطوط اور تنقیدی تبصرے بھی ملے جن میں سخت و تیز و تند لہجہ استعمال کیا گیا، اور چبھتی ہوئی طنزیہ زبان میں کتاب اور مؤلف کتاب کو نشانہ تنقید و تضحیک بنایا گیا، رسائل کے تبصرے بھی عام طور پر پھیکے اور خانہ پری کا نمونہ تھے (اس کلیے میں البلاغ کراچی کا وہ منصفانہ، حقیقت پسندانہ اور فراخ دلانہ تبصرہ ایک ممتاز و مستثنیٰ حیثیت رکھتا ہے جو فاضل گرامی

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کے قلم سے نکلا اور رسالہ البلاغ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کے شمارے میں شائع ہوا)۔ (کاروان زندگی ص ۴۴۳ ج ۴)

حضرت مولاناؒ کے جو مکاتیب میرے پاس محفوظ ہیں' ان کی تعداد بھی خاصی ہے' چونکہ ان مکاتیب میں پڑھنے والے کے لیے کوئی نہ کوئی سبق ضرور موجود ہے' اس لئے میں ان میں سے چند مکاتیب البلاغ ہی میں الگ سے اشاعت کے لیے دے رہا ہوں ان میں راقم الحروف کے بارے میں جو شفقت آمیز کلمات ہیں' وہ احقر کے لیے سعادت اور فال نیک ضرور ہیں' اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کا اہل بننے کی توفیق عطا فرمائیں' لیکن انہیں پڑھ کر کوئی صاحب احقر کی حقیقی حالت کے بارے میں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہ ہوں' البتہ یہ مکتوب نگار کی عظمت کی دلیل ضرور ہیں کہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی کس عزت افزائی کا معاملہ فرماتے تھے۔

حضرت مولاناؒ نے میری کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟'' بہت پسند فرمائی' اور اس کے عربی اور انگریزی ترجمے پر بھی زور دیا' جو الحمد للہ ان کی دعاؤں سے شائع ہوا' اور عربی ترجمے کے لیے مترجم کی خدمت میں حد یہ بھی پیش فرمایا اور اس پر مفصل مقدمہ بھی لکھا۔ آخری دور میں حضرتؒ نے میری کتاب ''تکملہ فتح الملہم'' پر بھی اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا۔

امسال دارالعلوم کراچی کی طرف سے شوال کے آخر میں فضلائے دارالعلوم کی دستار بندی کے لیے سالہا سال کے بعد ایک جلسہ منعقد کرنے کا خیال ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس موقع پر اکابر علماء کا ایک اجتماع بھی ہو جائے۔ اس موقع پر جن اکابر علماء کو دعوت دینے کا خیال تھا ان میں حضرت مولاناؒ کا اسم گرامی سرفہرست تھا۔ چنانچہ احقر نے جمعرات ۲۱ رمضان المبارک کو ندوۃ العلماء میں فون کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرتؒ رائے بریلی میں تشریف فرما ہیں' وہاں فون کیا گیا تو حضرتؒ اس وقت فون کے پاس نہیں تھے۔ فاضل گرامی جناب مولانا محمد رابع ندوی صاحب مدظلہم سے بات ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ الحمد للہ حضرتؒ کی صحت بہتر ہے۔ فالج کا جو اثر پچھلے دنوں ہوا تھا' بفضلہ تعالیٰ وہ اب زائل ہو چکا ہے اور حضرتؒ کمزوری کے باوجود روزے بھی رکھ رہے ہیں۔ یہ سن کر الحمد للہ' بہت اطمینان ہوا۔ جناب مولانا رابع صاحب نے میرا پیغام حضرتؒ تک پہنچانے کا وعدہ کیا' اور فرمایا کہ آپ سے حضرتؒ کو جو محبت ہے' اس کے پیش نظر وہ اس دعوت کو ضرور اہمیت دیں گے' تاہم میں نے ان سے وہ مناسب وقت معلوم کیا جس میں ان سے راہ راست بات ہو سکے۔ مولانا نے فرمایا کہ صبح دس بجے کے قریب حضرتؒ فون کے پاس ہوتے ہیں' میں نے ارادہ کیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہفتہ کی صبح کو حضرتؒ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کروں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جمعہ کی رات کو میرے بھتیجے عزیزم خلیل اشرف عثمانی صاحب سلمہ نے فون پر بتایا کہ ریڈیو ٹیلی ویژن سے حضرتؒ کی وفات کی خبر نشر ہوئی ہے' دل پر بجلی سی گری' مگر اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر سر تسلیم خم کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلانے کے لیے رمضان کا مبارک مہینہ' جمعہ کا مقدس دن' اور وہ

وقت منتخب فرمایا جس میں وہ تلاوت قرآن کریم میں مشغول تھے۔ ان کی زندگی جتنی پاکیزہ تھی' اللہ تعالیٰ نے موت بھی ایسی ہی پاکیزہ عطا فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس واقعے پر یوں تو ہر مسلمان تعزیت کی مستحق ہے لیکن خاص طور پر حضرتؒ کے اہل خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے منتظمین اور اساتذہ' نیز حضرتؒ کے تمام متوسلین کی خدمت میں البلاغ کی طرف سے پیغام تعزیت پیش ہے۔

حضرت مولاناؒ اب دنیا میں نہیں ہیں' لیکن انہوں نے جو گرانقدر مآثر چھوڑے ہیں' وہ ان شاء اللہ رہتی دنیا تک امت کی رہنمائی کریں گے۔

اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ اللهم اكرم نزله ووسع مدخله وابدله داراخيرا من داره واهلا خيرا من اهله واغسله بماء الثليج والبردونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الا بيض من الدنس' آمين يا ارحم الراحمين۔

از عمیر الحسینی ندوی:

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ایک نظر میں

ولادت:

۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) بمقام تکیہ کلاں رائے بریلی رائے بریلی۔

تعلیم:

تعلیم کا آغاز والدہ محترمہ سے قرآن مجید سے ہوا پھر اردو اور عربی کی باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں والد صاحب حکیم سید عبدالحئی صاحب کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عمر نو سال سے کچھ اوپر تھی تو تعلیم و تربیت کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ اور برادر بزرگ مولانا حکیم سید عبدالعلی حسنی پر آ پڑی جو خود بھی اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔

☆ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں علامہ خلیل عرب سے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز کیا اور اصلاً انہیں کی تربیت میں عربی تعلیم مکمل کی۔

☆ ندوۃ العلماء کے اجلاس ۱۹۲۶ء منعقدہ کانپور میں شرکت کی اور اپنی عربی بول چال سے شرکاء کو محظوظ کیا' جس کی وجہ سے بعض عرب مہمانوں نے اپنے گھومنے پھرنے میں بطور رہبر مولانا کو ساتھ رکھا۔

☆ ۱۹۲۷ء میں لکھنو یونیورسٹی میں داخلہ لیا اس وقت مولانا یونیورسٹی کے سب سے کم سن طالب علم تھے۔ یونیورسٹی سے فاضل ادب کی سند حاصل کی۔

☆ عربی زبان کی تعلیم کے دنوں میں اردو کے ادبِ عالی کی چوٹی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جس سے مولانا کو دعوت کے کام کی انجام دہی اور عصری زبان و تعبیر میں صحیح اسلامی فکر و عقیدہ کی تشریح میں مدد ملی۔

☆ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان انگریزی زبان کے سیکھنے کی بھی مشغولیت رہی جس کی وجہ سے اسلامی موضوعات اور عربی تہذیب و تاریخ وغیرہ پر انگریزی کی کتب سے مولانا کے لئے براہ راست استفادہ ممکن و آسان ہوا۔

☆ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا اور علامہ محدث حیدر حسن خاں کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ اور ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی۔

☆ اپنے شیخ خلیل انصاری سے منتخب سورتوں کی تفسیر کا درس لیا اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے ان کے ترتیب دادہ نظام کے مطابق ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں لاہور میں مقیم رہ کر پورے قرآن کریم کی تفسیر پڑھی۔

☆ شیخ الاسلام حسین احمد مدنی سے استفادہ کے لیے ۱۹۳۲ء میں چند ماہ کا دارالعلوم دیوبند میں قیام کیا اور صحیح بخاری و سنن ترمذی کے اسباق میں شریک ہوئے اور ان سے تفسیر وعلوم قرآن میں بھی استفادہ کیا' نیز شیخ اعزاز علی سے فقہ کا اور قاری اصغر علی صاحب سے روایت حفص کے مطابق تجوید کا درس لیا۔

علمی دعوتی زندگی:

☆ ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس بنائے گئے اور تفسیر وحدیث اور ادب عربی و تاریخ و منطق کا درس دیا۔

☆ ۱۹۳۹ء میں دینی مراکز سے واقفیت کے لیے ایک سفر کیا جس میں شیخ عبدالقادر رائے پوری اور مصلح کبیر مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے واقفیت حاصل ہوئی اور پھر ان سے مستقل ربط و تعلق رہا چنانچہ اول سے روحانی تربیت حاصل تھی اور دوسرے کی اتباع و اقتداء میں فریضہ دعوت اور معاشرہ کی اصلاح کی انجام دہی کا کام کیا چنانچہ دعوت و تربیت اور اصلاح کے لئے مسلسل سفر کئے اور ان اسفار کا سلسلہ ایک زمانہ تک جاری رہا۔

☆ انجمن تعلیمات دین کے نام سے ۱۹۴۳ء میں ایک انجمن قائم کی اور اس میں قرآن کریم اور سنت نبویہ کے درس کا سلسلہ جاری کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ خاص طور پر تعلیم یافتہ اور ملازمت پیشہ طبقہ بڑی مقدار میں متوجہ ہوا۔

☆ ندوۃ العلماء مجلس انتظامی کے رکن کی حیثیت سے ۱۹۴۵ء میں منتخب کئے گئے اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تجویز پر ۱۹۵۱ء میں نائب معتمد تعلیم کی حیثیت سے متعین کئے گئے اور ۱۹۵۴ء میں علامہ کی وفات کے بعد بحیثیت معتمد قرار پائے اور ۱۹۶۱ء میں برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالعلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ بنائے گئے۔

☆ ۱۹۵۱ء میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی۔

☆ ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام قائم کی۔

☆ عربی میں سب سے پہلا مقالہ سید رشید رضا مصری کے مجلّہ ''المنار'' میں ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا جو سید احمد شہید کی تحریک کے موضوع پر تھا۔

☆ اردو میں اولین کتاب وتالیف ۱۹۳۸ء میں بعنوان سیرت سید احمد شہید شائع ہوئی جو دینی ودعوتی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی۔

☆ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اسلامیات کے نام سے بی۔اے کے طلباء کے لیے نصاب وکورس مرتب کرنے کے لئے متعین کیا۔

☆ اور جامعہ ملیہ دہلی کی دعوت پر ۱۹۴۲ء میں جامعہ کے اندر ایک لکچر دیا جو بعد میں دین ومذہب کے نام سے طبع ہوا۔

☆ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کئی لکچرز دیئے جو "النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن" کے نام سے شائع ہوئے۔

☆ ۱۹۶۸ء میں سعودی وزیر تعلیم کی دعوت پر ریاض تشریف لے گئے تا کہ کلیۃ الشریعۃ کے نصاب ونظام کے جائزہ کے کام میں شریک ہوں اور اس موقع سے وہاں جامعۃ الریاض اور کلیۃ المعلمین میں کئی لکچرز ہوئے۔

☆ ندوۃ العلماء سے عربی میں نکلنے والے پرچے ''الضیاء'' کی ادارت میں ۱۹۳۲ء میں اور اردو پرچے ''الندوۃ'' کی ادارت میں ۱۹۴۰ء میں شریک رہے اور ۱۹۴۸ء میں ''تعمیر'' کے نام سے بزبان اردو ایک پرچہ نکالنا شروع کیا۔ اور دمشق سے نکلنے والے پرچے ''المسلمون'' کے اداریے کی ذمہ داری وہ ۵۸-۱۹۵۹ء میں متعلق رہی پہلا اداریہ بعد میں "ردۃ ولا ابا بکرلھا" کے نام سے شائع ہوا جیسے کہ استاذ محب الدین خطیب کے پرچے ''الفتح'' میں بہت سے مقالات شائع ہوئے۔

☆ ۱۹۶۳ء سے لکھنو سے ''ندائے ملت'' اردو میں نکلنا شروع ہوا تو اس کے شعبہ ادارت کی نگرانی متعلق رہی اور ندوہ سے ۱۹۵۵ء سے نکلنے والے عربی پرچے ''البعث الاسلامی'' اور ۱۹۵۹ء سے نکلنے والے عربی پرچے ''الرائد'' نیز ۱۹۶۳ء سے نکلنے والے اردو پرچے ''تعمیر حیات'' ان تینوں کے نگران عام رہے۔

اسفار:

☆ ۱۹۲۹ء میں لاہور کا سفر کیا جو دور دراز کے مقام کا سب سے پہلا سفر تھا وہاں شہر کے علماء وخواص سے ملاقاتیں کیں اور شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی ملے اس سے پہلے مولانا ان کی بعض نظموں کا عربی نثر میں ترجمہ کر چکے تھے۔

☆ ۱۹۳۵ء میں بمبئی کا سفر اس غرض سے کیا کہ دلتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دی جا سکے۔

☆ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان کے دینی مراکز سے واقفیت کے لیے ایک سفر کیا۔

☆ ۱۹۴۷ء میں حج کا سفر کیا اور چند ماہ حجاز میں قیام رہا۔ یہ بیرون ملک سب سے پہلا سفر تھا۔

☆ مصر کا پہلا سفر ۱۹۵۱ء میں کیا جبکہ مولانا کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" مولانا سے پہلے ہی وہاں کے تمام علمی حلقوں میں پہنچ کر متعارف ہو چکی تھی اس لیے وہ خود مولانا کے لئے تعارف کا بہترین ذریعہ بنی۔

☆ فلسطین کا بھی سفر کیا تو بیت المقدس کی زیارت کی اور مسجد اقصیٰ کی بھی اور رمضان کے آخری دن وہیں گذارے۔ اور ''مدینۃ الخلیل وبیت اللحم'' کی زیارت کی واپسی میں اردن کے شاہ' شاہ عبداللہ سے ملاقات کی۔

☆ ۱۹۵۶ء میں ترکی کا سفر کیا اس موقع سے دو ہفتے کا قیام رہا اس کے بعد کئی سفر ہوئے۔

☆ کویت اور دول خلیج کا بار بار سفر ہوا۔

☆ رابطۃ العالم الاسلامی کے وفد کی سربراہی میں افغانستان و ایران و لبنان و عراق کا سفر کیا۔

☆ ۱۹۷۶ء میں مغرب اقصیٰ کا سفر ہوا اور برما کا ۱۹۷۰ء میں؛ جبکہ پاکستان کے اسفار بار بار ہوئے۔

☆ یورپ کا پہلا سفر ۱۹۶۳ء میں ہوا جس میں جنیوا، لندن، پیرس، کیمبرج و اکسفورڈ وغیرہ جانا ہوا اور اسپین سے اہم شہروں میں بھی اس سفر میں بہت سے عرب اور مغربی فضلاء سے ملاقاتیں رہیں اور کئی لکچر ہوئے۔ اس سفر کے علاوہ بھی یورپ کے سفر ہوئے بالخصوص ادھر آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کی وجہ سے بار بار سفر ہوتا رہا۔

☆ ۱۹۷۷ء میں امریکہ کا پہلا سفر کیا اور دوسرا ۱۹۹۳ء میں۔

☆ ۱۹۸۵ء میں بلجیم کا اور ۱۹۸۷ء میں ملیشیا کا سفر ہوا اور ۱۹۹۳ء میں تاشقند و سمرقند وغیرہ کا سفر ہوا۔

اعزازات:

☆ دمشق کی ''مجمع اللغۃ العربیۃ'' کے مراسلاتی ممبر ۱۹۵۶ء میں قرار پائے۔

☆ رابطۃ العالم الاسلامی کی تاسیس و قیام کا پہلا اجلاس جو ۱۹۶۲ء میں مکہ مکرمہ میں ہوا جس پر جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیز اور لیبیا کے حاکم ادریس سنوسی بھی شریک تھے اس اجلاس میں نظامت کے فرائض مولانا نے انجام دیئے۔

☆ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تاسیس و قیام کے وقت ۱۹۶۳ء سے اس کی مجلس شوریٰ کے ممبر طے پائے اور اس کا نظام بدلنے تک برابر یہ منصب برقرار رہا۔

☆ رابطۃ الجامعات الاسلامیہ کے ممبر ابتداء سے رہے۔

☆ اردن کی مجمع اللغہ العربیہ کے ۱۹۸۰ء میں رکن بنائے گئے۔

☆ ۱۹۸۰ء میں اسلام کی خدمات پر فیصل ایوارڈ سے نوازے گئے۔

☆ کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۸۱ء میں ادب میں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری سے نوازے گئے۔

☆ آکسفورڈ کے مرکز دراسات اسلامیہ کے ۱۹۸۳ء میں صدر بنائے گئے۔

☆ ۱۹۸۴ء میں رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ کے قیام کے ساتھ اس کے صدر قرار پائے۔

☆ رمضان ۱۴۱۹ھ (جنوری ۱۹۹۹ء) میں دبی عالمی حسن قرأت کے مقابلے کے موقع پر سال کی عظیم اسلامی شخصیت کے وقیع ایوارڈ سے سرفراز کئے گئے جس کی قیمت سوا کروڑ ہندوستانی روپے کے قریب تھی۔

☆ ۱۴۲۰ھ (۱۹۹۹ء) میں آکسفورڈ اسلامک سنٹر کی طرف سے تاریخ دعوت و عزیمت کے سلسلے میں سلطان برونائی ایوارڈ سے نوازے گئے۔

ترتیب: عمیر الحسینی ندوی

(ماخوذ از مفکر اسلام کی اردو تصانیف)

پروفیسر محمد واصل عثمانی:

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

اے علم و آگہی کے درخشندہ آفتاب اے درسگاہ فیض نبوت سے بہرہ یاب
افکار حق کے بانی و داعیٔ انقلاب تیرے علوئے فکر یک اللہ رے، آب و تاب
زیر قلم اگر کوئی عنوان آ گیا
اس کا نصیب اوجِ ثریا صفت ہوا

تحریر پر روانیٔ دریا کا ہو گماں تقریر تیری لفظ و معانی کی کہکشاں
تیرے دہن میں قاریٔ قرآن کی زباں ہر حرف ولفریب و دلاویز و دلستاں
سنجیدگی مزاج کی لفظوں میں ڈھل گئی
جو طرز اختیار کی وہ طرز چل گئی

ہے پارہ ہائے نثر میں قرآن کی جھلک بین السطور اسوۂ سرکار کی چمک
اور گفتگو میں شاخ ثمردار کی لچک اخلاص کی، خلوص کی کردار میں مہک
تیرے قلم نے علم کے موتی لٹا دیئے
شیرینیٔ کلام کے دریا بہا دیئے

عجم و عرب میں تیری بصیرت کے غلغلے پیری میں بھی جوانوں کے مانند حوصلے
تیری بساط علم میں حکمت کے ہمہمے اردو زباں میں رومی و رازی کے فلسفے
اسلامیان ہند کی تطہیر تُونے کی
افکار دین کی اس طرح توقیر تُو نے کی

ہر سمت چھا گیا غم و اندوہ ناگہاں افسوس ہم سے ہو گئے رخصت علی میاں
رحلت پہ تیری آج ہے ہر شخص نوحہ خواں کس سے سنیں گے ملت بیضاء کی داستاں
ندوے کے سقف و بام سے شور و فغاں اٹھا
آواز آئی غیب سے خلد آشیاں اٹھا

﴿۱۹﴾

فقیہ العصر

حضرت مولانا سید مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۴۱ھ

وفات: ۱۴۲۱ھ

فقیہ العصر بارگاہ اسلاف حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی

قدس سرہ رحمۃ اللہ علیہ

حیات وخدمات

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

خاندان:

آپ کے آباؤ اجداد کا وطن ترمذ تھا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں سادات کا جو قافلہ ترمذ سے ہندوستان آیا اس قافلہ میں آپ کے آباء بھی شامل تھے۔ پھر یہ خاندان وہاں سے ہجرت کر کے پنجاب کے ضلع سرگودھا میں آیا اور یہیں پر سکونت اختیار کی۔ حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ کے پردادا حضرت مولانا عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے المقولہ ۱۲۱۳ھ علاقہ پنجاب سے ہجرت فرما کر گمتھلہ گڑھو کو اپنا وطن بنایا۔

حضرت مولانا عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے جید عالم اور فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب کرامت بزرگ بھی تھے۔ علاقہ بھر میں آپ کی کرامات زباں زد خواص وعوام ہیں۔ تفسیر حقانی کے مولف مشہور عالم دین حضرت مولانا عبدالحق مفسر حقانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے تلامذہ میں سے تھے آپ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ ۱۲۹۳ھ کو انتقال فرمایا۔

حضرت مولانا عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند (حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا) حکیم محمد غوث شاہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی کے مشہور حکیم تھے، فارسی ادب کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ دہلی کے مشہور نقشبندی خاندان سے بیعت وارادت کا تعلق تھا۔ آخر میں حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بھی اصلاحی تعلق قائم فرمالیا تھا۔ آپ نے اسی سال کی عمر میں ۱۳۵۵ھ ۲۷ رمضان کو انتقال فرمایا:

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ:

حکیم محمد غوث صاحب کے نور نظر، فرزند ارجمند (حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد) حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۵ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ کو ضلع کرنال کے مشہور قصبہ گمتھلہ گڑھ میں ہوئی۔ آپ نے درس نظامی کی تحصیل فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں سہارنپور کے شہرۂ آفاق مدرسہ مظاہر العلوم اور حضرت حکیم الامت کے زیر سایہ مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں فرمائی۔ آپ کو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی قلمی سند بھی حاصل ہے۔

آپ فراغت کے بعد مختلف جگہوں پر تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مدینہ طیبہ کے مدرسہ العلوم الشرعیہ میں بھی درس وتدریس کی سعادت حاصل رہی۔ مسجد نبوی ﷺ کے بعض اساتذہ بھی آپ کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ آخر کار آپ تھانہ بھون میں اپنے پیر ومرشد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں تدریس وتالیف اور تبلیغ وفتاویٰ کی خدمات میں مشغول ہوگئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آپ مجاز صحبت بھی ہیں۔ حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ سے آپ کا تعلق پچیس سال تک رہا۔

تقسیم ہند کے بعد آپ ساہیوال ضلع سرگودھا تشریف لائے اور بہت جلد ۹ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ بمطابق ۸ مئی ۱۹۴۹ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ خانقاہ تھانہ بھون کا یہ سرمایہ گرانمایہ اسی قصبہ کے ایک گوشہ میں مدفون ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

والد ماجد کی دینی خدمات:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ آپ پر حد درجہ اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ بڑے اہم کاموں کی انجام دہی پر آپ کو مامور فرماتے اور علمی، تحقیقی وتبلیغی کاموں میں آپ کو شریک رکھتے تھے۔ آگرہ میں فتنہ ارتداد کے سد باب کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ہی کو مامور فرمایا۔ صوبہ پنجاب میں قانون وراثت کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کے لئے آپ ہی کا انتخاب کیا گیا۔ دہلی میں دینی مدارس کا سلسلہ دوبارہ قائم کرنے کے لئے آپ ہی تشریف لے گئے اور حضرت حکیم الامت کی جانب سے جو وفود قائداعظم کے پاس بغرض تبلیغ ومشورہ پہنچے ان میں بھی آپ شریک تھے۔

ان تبلیغی کاموں کے علاوہ کئی بلند پایہ تصانیف بھی آپ کا صدقہ جاریہ ہیں۔ جن میں سے چند مشہور یہ ہیں۔ حلیہ ناجزہ، رفاق المجتہدین عن وفاق المجتہدین، تجدد اللمعۃ فی تعدد الجمعۃ، القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، ترجمہ نصوص خطبات الاحکام، غصب المیراث، الفضائل والاحکام للشہور والایام اور مسکارم عشرہ۔

آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیرنگرانی سینکڑوں فتاویٰ بھی تحریر فرمائے ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے مفتی تھے۔ جس کی حقیقت اس دور میں فتاویٰ کے سپریم کورٹ کی تھی۔ جہاں کے فتاویٰ پر

آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ جہاں کے فتاویٰ حرف آخر سمجھے جاتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کتاب امداد الاحکام کا جزو بن کر دارالعلوم کراچی سے شائع ہو چکے ہیں امداد الاحکام چار جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ کے علاوہ حضرت اقدس علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ بھی شامل ہیں۔

آپ کے تفصیلی حالات کے لئے کتاب ''تذکرۂ حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی ملاحظہ فرمائیں۔

ولادت با سعادت:

اس دنیا میں بلا مبالغہ روزانہ ہزاروں افراد پیدا ہوتے ہیں۔ مگر ایسی ہستیاں بہت ہی کم ہوتی ہیں جو علم وعمل کے آسمان پر درخشندہ ستارہ ہی نہیں بلکہ آفتاب عالمتاب بن کر لاکھوں کی ہدایت کا باعث ہوں۔ حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ بھی انہی ہستیوں میں سے ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

آپ اس دنیائے تاریک کو اپنے علمی فیوض سے منور کرنے کے لئے ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ بمطابق ۱۹۲۲ء کو اپنے ننھیال موضع اڑدن ضلع پٹیالہ میں مولود ہوئے۔ آپ کا اصل وطن ضلع کرنال کی تحصیل کھتیل کا قصبہ گمتھلہ گڑھ تھا۔ آپ کا نام عبدالشکور تجویز ہوا' بعد میں تاریخی نام مرغوب النبی (۱۳۴۱ھ) نکالا گیا۔

حصول تعلیم:

آپ نے ابتدائی تعلیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر نگرانی حاصل کی۔ پہلے قرآن کریم ناظرہ پڑھا۔ پھر اردو املاء وحساب وغیرہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ خانقاہ کا نصاب بہشتی زیور وغیرہ پڑھا۔ ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں حضرت خلیفہ اعجاز احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ اڑھائی سال میں آپ نے مکمل قرآن کریم حفظ فرما لیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تبرک:

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے بہت شفقت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے والدین کے ہمراہ خانقاہ کے جس مکان میں قیام پذیر تھے اس کی دیوار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مکان کے ساتھ مشترک تھی اور اس میں ایک چھوٹا دروازہ آمد و رفت کے لئے کھلا رہتا تھا۔ اس لئے آپ کا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر ہر وقت آنا جانا اور بچوں کی طرح آمد و رفت تھی۔ پیرانی صاحبہ کو آپ بڑی اماں ہی کہا کرتے تھے' وہ بھی آپ سے بالکل حقیقی ماں ہی کی طرف شفقت وعنایت سے پیش آتی تھیں۔

آپ پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب آپ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ سفر حج کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے

معانقہ فرمایا جب کہ آپ نے غایت ادب کی وجہ سے صرف مصافحہ پر اکتفاء کرنا چاہا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم نے کیا خطاء کی ہے اور کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ یاد رہے کہ اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر خانقاہ کے کنویں کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ کیونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بچوں کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت پیرانی صاحبہ (بڑی اماں) سے درخواست کی کہ آپ سفارش فرما دیں۔ چنانچہ بڑی اماں کی سفارش پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو بچپن ہی میں شرف بیعت سے سرفراز فرمایا۔ جو آپ کی سعادت مندی کی یقیناً بہت بڑی سند ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو بچپن ہی سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی با برکت مجلس عام و خاص میں بھی حاضری کی دولت اور حضرت کے ارشادات طیبات سے استفادہ کا خوب موقع نصیب ہوا۔ آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اکیس سال کی عمر تک اکتساب فیض فرمایا۔

سفر حرمین شریفین:

پندرہ سال کی عمر میں فارسی کی کتابیں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ پھر آپ کے والد ماجد بمع اہل و عیال دوسری مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئے آپ بھی ہمراہ تھے۔ آٹھ ماہ مدرسۃ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ میں متعلم حدیث وفقہ رہے اور آپ اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں ابتدائی عربی کتب' مشق قرآن اور تجوید کی مختصر کتابیں پڑھیں۔ رمضان المبارک میں شیخ القرآن حضرت قاری حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس مقدمہ جزریہ میں بھی شمولیت کی سعادت حاصل رہی۔

پانی پت مظاہر علوم دیو بند میں داخلہ:

آپ نے قرات سبعۃ کی عربی کتب خود اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہی سے پڑھیں بعد ازاں شیخ القراء حضرت مولانا قاری محی الاسلام کو مکمل قرآن کریم سبعہ میں سنانے کا اعزاز حاصل کیا اور شاطبیہ بھی دوبارہ سنائی۔ پھر حضرت مولانا قاری فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ سے الدرۃ المضیۃ قرات ثلاثہ میں پڑھیں نیز شاطبیہ کا بعض حصہ اور مقدمہ جزریہ مکمل سنایا۔

سبعہ عشرہ کے بعد آپ نے کچھ کتابیں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جامعہ حقانیہ میں پڑھیں۔ شوال ۱۳۶۲ھ میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ مگر آب و ہوا مرطوب ہونے کے باعث طبیعت گراں بار ہوئی تو آپ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی تشریف لے گئے اور مزید اکتساب علوم کیا۔ یہاں اس وقت آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز تھے۔

شوال ۱۳۶۳ھ کو برصغیر کی معروف دینی درس گاہ ازہر ہنددارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر اساتذۂ کرام سے بھی پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ امتحان میں آپ نمایاں نمبروں سے کامیاب ہوئے۔ اس وقت ایک کتاب کے کل نمبر ۵۰ تھے۔ آپ نے بخاری شریف میں مکمل پچاس جب

کہ مسلم شریف ۵۲ نمبر یعنی دو نمبر اعزازی بھی حاصل کیے اور درجہ اول کی سند لی۔ جو ان کے علمی رسوخ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سلوک وتصوف:

جب آپ نے عالم شہود میں آنکھیں کھولیں تو آپ کے سامنے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا مقدس ماحول تھا۔ جہاں شب و روز چہار طرف دیانت تقویٰ اور پرہیز گاری کے ارفع و اعلیٰ مجسمے اور طہارت و پاکیزگی کے پتلے نظر آتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ و خانقاہ میں تعلیم سے زیادہ تربیت اخلاق پر زور دیا جاتا اور بات بات پر ٹوک کی جاتی تھی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بحر شریعت و خضر طریقت کے زیر سایہ رہنے اور زمانہ دراز تک مسلسل مصاحبت و مجالست کی دولت و نعمت کی وجہ سے عاجزی، تعلق مع اللہ، ریا و نام و نمود سے تنفر اور دیگر اخلاق حسنہ آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکے تھے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی بھٹی میں جو بھی گیا کندن بن کر نکلا آپ بھی وہیں کے فیض یافتہ تھے۔ اسی لئے آپ میں علمی و عملی کے علاوہ ایسی مسلکی پختگی بھی نظر آتی ہے جو آج کے پر فتن دور میں عنقاء معلوم ہوتی ہے۔

آپ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری بانی جامعہ اشرفیہ سے تربیت کا باضابطہ تعلق قائم کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع فرمایا اور یہاں سے خلعت خلافت بھی حاصل ہوئی۔ پھر سب سے آخر میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی اور حضرت کی طرف سے بھی خلافت حاصل ہوئی۔

تدریسی خدمات:

دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے کچھ عرصہ راجپورہ ریاست پٹیالہ میں تدریس کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال (جس کی ابتداء آپ کے والد ماجد نے فرمائی تھی) میں دینی علوم سے طلبہ کو آراستہ و پیراستہ کرنے میں منہمک ہو گئے۔ پھر تقسیم کے بعد یکم فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳۶۷ھ کو ساہیوال ضلع سرگودھا کی سرزمین پر قدم رنجہ فرمایا۔ علاقہ بھر کے لوگوں نے آپ کے فیوض و ہدایت کے انمول ہیروں سے اپنی جھولیاں بھریں۔

اس قصبہ میں آپ نے مسجد شہانی میں مدرسہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا مگر ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں اور پس دیوار زنداں رہنا پڑا تو تعلیمی کام میں زبردست تعطل پیدا ہو کر یہ مدرسہ بند ہو گیا۔ بعد ازاں آپ نے جامعہ حقانیہ کی داغ بیل ڈالی۔

جامعہ حقانیہ:

جامعہ حقانیہ کی بنیاد حضرت مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ اور ایماء سے ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۹۳۷ء میں قصبہ شاہ آباد مارکنڈا ضلع کرنال (ہندوستان) میں رکھی۔

ابتداء میں اس مدرسہ کا نام قدوسیہ تھا۔ کیونکہ جس مسجد میں یہ مدرسہ قائم تھا اس کے ایک حجرہ میں قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے قیام فرمایا تھا۔ پھر ۱۳۶۱ھ میں جب اس مدرسہ کو ایک وسیع کوٹھی میں منتقل کیا گیا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام حضرت قطب عالم کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ عبدالحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام مبارک کی نسبت سے حقانیہ رکھا۔ تقسیم ہند تک یہ مدرسہ اسی نام سے دینی، علمی و تدریسی خدمات بجالاتا رہا۔

تقسیم ہند کے بعد جب آپ قصبہ ساہیوال سرگودھا تشریف لائے تو آپ نے پہلے مدرسہ قاسمیہ کی بنیاد رکھی پھر ۱۳۵۵ھ میں جامعہ حقانیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز فرمایا۔ جس میں اب مشکوٰۃ شریف تک کتابوں کے علاوہ درجہ تخصص فی الفقہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اس سال درجہ تخصص فی الفقہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد چودہ تھی۔

جامعہ حقانیہ گذشتہ چھیالیس سال سے مسلسل دینی خدمت میں مصروف ہے۔ اس مدرسہ سے اب تک ہزاروں حافظ قرآن سینکڑوں علماء اور بہت سے مفتیان کرام تیار ہو چکے ہیں۔ چند سال قبل جامعہ حقانیہ للبنات کی ابتداء بھی کی گئی ہے۔ اس میں بھی بحمد اللہ قرآن کریم حفظ و ناظرہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دورۂ حدیث شریف تک کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ زیر تعلیم کی تعداد دوسو سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ چمنستان ترمذی جس کی آبیاری آپ نے اپنے خون جگر سے کی ہے ہمیشہ یونہی لہلہاتا رہے اور شاہراہ ترقی پر یونہی گامزن رہے جیسے کہ آپ کی حیات طیبہ میں ترقی کی منزل طے کرتا رہا۔

شان فقہ:

مملکت فتاویٰ کے آپ بے تاج بادشاہ تھے۔ حلقہ میں جب بھی مفتی صاحب کا لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے تو معہود فی الذہن آپ ہی کی ذات بابرکات ہوتی۔ بلا مبالغہ جامعہ حقانیہ کا آج وہی مقام تھا جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا تھا۔ بڑے بڑے متبحر مفتیان کرام آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ کسی کو کوئی اشکال ہوتا تو آپ شافی جواب مرحمت فرماتے، کوئی ایک دلیل مانگتا آپ عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کے انبار لگا دیتے خیبر سے کراچی تک ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے علماء آپ کو فقہ کا آفتاب، فقیہ العصر اور فقیہ ملت کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔

زبانی پوچھے گئے ہزاروں مسائل کے ساتھ ساتھ حضرت کی قلم فیض رقم سے نہ جانے کتنے ہزار فتاویٰ جاری ہوئے۔ صرف ریکارڈ شدہ فتاویٰ کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز ہے۔ بعض فتاویٰ تحقیق مسئلہ پر کثرت دلائل کی وجہ سے ایک مستقل رسالہ اور تصانیف معلوم ہوتے ہیں۔

تصانیف:

آپ کی مطبوعہ تصانیف، رسائل، مضامین اور مقالات کی تعداد ۹۴ ہے۔ جب کہ غیر مطبوعہ ۴۰ ہیں۔ اس طرح آپ کی تصانیف کی کل تعداد ۱۳۴ ہے۔ آپ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں۔ تکملہ احکام القرآن عربی (۳ جلدیں) ہدایۃ الحیران،

بارہ مہینوں کے احکام' اسلامی حکومت کا مالیاتی نظام' سوانح حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ' تذکرۃ الظفر'' دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت' فتویٰ کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت' سفر تھانہ بھون و دیو بند' تعارف احکام القرآن (عربی)' اصلاح مفاہیم پر ایک تحقیقی نظر' حج کا آسان طریقہ' تذکرۂ حضرت مدنی' حیات انبیاء کرامؑ ہیں۔

دینی مدارس اور جبریہ تعلیم' عہد ماضی کی چند یادیں۔

مناصب:

- ☆ بانی ومہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا
- ☆ سرپرست ومہتمم مدرسہ مدینتہ العلوم سرگودھا
- ☆ رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
- ☆ سرپرست جامعہ امدادیہ فتحیہ تعلیم النساء سلانوالی سرگودھا
- ☆ رکن شوری جامعہ خیرالمدارس ملتان
- ☆ سابق رکن شوری مدرسہ حسینیہ حنفیہ سلانوالی سرگودھا
- ☆ سرپرست جامعہ حقانیہ' لاہور
- ☆ سرپرست جامعہ حقانیہ' کراچی
- ☆ رکن مجلس صیانۃ المسلمین' پاکستان

بانی وخطیب جامع مسجد حقانیہ ساہیوال' سرگودھا۔

آخری خدمات:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آخری تحریر قصاص و دیت پر لکھا گیا وہ مقالہ ہے جو آپ نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں پیش کرنا تھا۔ بعد از نماز مغرب اپنی وفات کے چند لمحے قبل بھی برادر مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہ العالی سے اسی موضوع پر گفتگو فرماتے رہے۔

فتویٰ پر آپ کی آخری تصدیق وہ ہے جو آپ نے ۲۹ ر رمضان ۱۴۲۱ھ کو حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ العالی کے لکھے گئے فتویٰ پر درج ذیل الفاظ سے فرمائی۔ھذا ھو الجواب و ھو عین الصواب' کتبہ الاحقر سید عبدالشکور الترمذی الجامعۃ الحقانیہ ساہیوال سرگودھا۔ (۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ)

آپ نے اپنی زندگی کی آخری تقریر عیدالفطر کے موقع پر عید گاہ حقانیہ میں ہزاروں لوگوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کی اور آپ کا آخری اخباری بیان وہ ہے جو آپ نے ضرب مومن کے نمائندہ کو دیا جو ضرب مومن ۲ شوال المکرم ۱۴۲۱ کے شمارہ میں شائع ہوا۔حق تعالی درجات بلند فرمائیں۔آمین۔ (ماخوذ ماہنامہ الحسن لاہور)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم:

حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ

حمد وستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا

اور

درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

اس مہینے (شوال ۱۴۲۱ھ) کا جانکاہ حادثہ ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی صورت میں پیش آیا۔ وہ ان گنی چنی شخصیات میں سے تھے جن کے تصور سے دل کو یہ ڈھارس رہتی تھی کہ ؎

خط ساغر میں راز حق و باطل دیکھنے والے
ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے

وہ خانقاہ تھانہ بھون کے جلیل القدر مفتی حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی صاحبؒ[1] (متوفی ۱۳۶۸ھ) کے لائق وفائق صاحبزادے تھے۔ حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کے خاص دوستوں اور رفقاء میں سے تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے عورتوں کی مشکلات کو حل کرنے کے لیے ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے نام سے مشہور کتاب کی تالیف انہی دو حضرات کے سپرد فرمائی تھی، اور میں نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ سے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میری یہ کتاب دو ایسے حضرات نے تالیف فرمائی ہے جو میرے لیے "بمنزلۃ العینین" (یعنی آنکھوں کی طرح) ہیں۔

---

[1] گمتھلہ ضلع کرنال کا ایک قصبہ ہے جو حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ کا وطن تھا اور وہ اسی کی طرف منسوب ہوئے۔ لیکن چونکہ ان کے آباء واجداد ترمذ کے سادات میں سے تھے جو ضلع سرگودھا میں آ کر مقیم ہو گئے تھے، اس لئے مفتی عبدالشکور صاحبؒ نے اپنے والد کی اجازت سے اپنی نسبت ''ترمذی'' رکھی۔

ایک کے شروع میں عین ہے (یعنی عبدالکریمؒ) اور ایک آخر میں عین ہے (یعنی محمد شفیعؒ) اس سے حکیم الامت قدس سرہٗ کے ساتھ دونوں بزرگوں کے قرب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالکریم صاحب قدس سرہٗ سالہا سال خانقاہ تھانہ بھون میں فتویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے اور ان کے اس دور کے لکھے ہوئے فتاویٰ کا مجموعہ ''امداد المسائل'' کے نام سے موجود ہے۔

مفتی عبدالشکور صاحبؒ کا بچپن خانقاہ تھانہ بھون میں گذرا۔ آپ کے والد ماجدؒ وہاں تدریس اور فتویٰ کی خدمت انجام دیتے تھے اور ان کا مکان حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بڑے مکان سے متصل تھا' اس لئے مفتی صاحبؒ کو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی تربیت و شفقت بچپن ہی سے میسر آئی۔ تھانہ بھون کے مدرسہ امداد العلوم ہی میں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر آپ کے والد ماجد سفر حج کے لیے تشریف لے گئے تو آٹھ ماہ مدینہ منورہ کے مدرسہ شرعیہ میں ان سے ابتدائی عربی کتب پڑھیں' وہاں سے واپسی پر کچھ عرصہ انبالہ میں حضرت مولانا محمد مبین صاحب قدس سرہ اور ان کے صاحبزادے مولانا محمد متین الخطیب صاحبؒ سے (جو بعد میں ہمارے دارالعلوم کراچی کے نائب ناظم ہوئے) عربی کی متوسط کتابیں پڑھیں اور پانی پت میں قراآت سبعہ کا علم حاصل کیا' پھر مظاہر علوم سہارنپور میں اور فقیر والی کے مدرسہ قاسم العلوم میں مشکوٰۃ جلالین تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے کچھ عرصہ ریاست پٹیالہ اور کرنال میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ اسی دوران پاکستان بنا تو وہ ضلع سرگودھا کے قصبے ساہیوال تشریف لائے اور مدرسہ قاسمیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا' لیکن ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے زمانے میں آپ گرفتار ہو کر چند ماہ جیل میں رہے' جس کی وجہ سے تعلیم میں تعطل پیدا ہوا' اور یہ مدرسہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم حقانیہ کے نام سے ایک اور ادارہ قائم فرمایا اور آخر وقت تک اسی کے ذریعے دینی خدمات میں مصروف رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کا فیض تربیت تو آپ کو بچپن ہی سے حاصل تھا' اللہ تعالیٰ نے ان سے بیعت ہونے کی سعادت بھی بخشی۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد آپ کا اصلاحی تعلق یکے بعد دیگرے حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ' حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ' حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے بھی رہا۔ آخر الذکر دونوں بزرگوں نے بیعت وتلقین کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

میرے والد ماجد قدس سرہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحبؒ سے بالکل اولاد جیسا معاملہ فرماتے تھے' انہیں بشرط سازگاری حالات دارالعلوم کراچی آنے کی بھی دعوت دی' لیکن وہ اپنی کچھ مجبوریوں کی بنا پر یہاں تشریف نہ لا سکے جس پر وہ بکثرت حسرت کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں نہایت قوی استعداد کے ساتھ فقہ پر بطور خاص وسیع نظر حضرت مفتی صاحبؒ کو عطا فرمائی تھی' اور تحریر و انشاء کا سلیقہ بھی بخشا تھا' چنانچہ ان کی چھوٹی بڑی تالیفات کی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی' وہ علماء دیوبند کے ٹھیٹھ مسلک کے داعی تھے' اور اس معاملے میں کسی التباس و اشتباہ کے روادار نہیں تھے' چنانچہ انہوں نے حیات انبیاء' سماع موتیٰ' عذاب قبر وغیرہ کے مسائل پر متعدد محققانہ تالیفات سپرد قلم فرمائیں۔ عہد حاضر کے مختلف فتنوں' مثلاً اشتراکیت اور قادیانیت وغیرہ کے تعاقب میں بھی متعدد کتابیں لکھیں۔ مغرب زدہ افکار کی علمی تردید میں متعدد مقالات تحریر فرمائے اور بالآخر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کا عظیم علمی کارنامہ اس ''احکام القرآن'' کی تکمیل تھا جس کا آغاز حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اپنے بعض خلفاء سے کروایا تھا' لیکن اس کے کچھ حصے تشنہ تکمیل رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس تکمیل کی سعادت حضرت مفتی صاحبؒ کو عطا فرمائی' احقر کو جستہ جستہ ان کی اس تالیف سے استفادے کا موقع ملا ہے' اور جس ضعف اور جن امراض کے ساتھ انہوں نے ایسی محققانہ کتاب لکھی ہے وہ ان کی کرامت سے کم نہیں۔

مفتی صاحبؒ اگرچہ ساہیوال ضلع سرگودھا کے ایک چھوٹے سے قصبے میں مقیم تھے' لیکن اس گوشہ عزلت میں بھی ملک وملت کے مسائل سے نہ صرف پوری طرح باخبر بلکہ اپنی استطاعت کی حد تک ان کے حل کے لیے بھی سرگرم عمل رہتے تھے' ان کے والد ماجدؒ نے تحریک پاکستان میں سرگرمی سے حصہ لیا' اور مفتی صاحبؒ بھی ان کے دست و بازو تھے' ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں بھی وہ سرگرم رہے' اور ۵۳ء میں اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ملک میں سوشلزم کا فتنہ ابھرا تو اس کی مقاومت میں بھی انہوں نے زبان وقلم سے یادگار خدمات انجام دیں۔ ملک میں اسلامی دستور اور قانون کے نفاذ کے لیے بھی ان کی کوششیں بقدر استطاعت جاری رہیں' اسلامی نظریاتی کونسل کی حال ہی میں تشکیل نو ہوئی اس میں انہیں کونسل کا رکن مقرر کیا گیا' لیکن ابھی کونسل ان کے علم وفضل سے استفادہ نہیں کر پائی تھی کہ وفات ہوگئی' انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فصل گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

مجھ ناکارہ پر حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقتیں ناقابل فراموش ہیں۔ ''البلاغ'' کے لیے وہ مستقل اپنے مضامین و مقالات ارسال فرماتے رہے' میری تحریریں اکثر ان کی نظر سے گذرتیں اور خط و کتابت کے ذریعے ان کے بارے میں مشورے بھی عنایت فرماتے' اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ میں بھی متعدد مسائل میں ان سے زبانی یا تحریری مشورے لیتا' اور وہ ہمیشہ بڑی شفقت کے ساتھ رہنمائی فرماتے۔ آخر میں انہیں مختلف عوارض و امراض نے گھیر لیا تھا' قویٰ کمزور ہو گئے تھے' لیکن تعلقات نبھانے کی وضع داری کا عالم یہ تھا کہ میں ہر سال جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے ختم بخاری کی تقریب میں جاتا' تو اپنی علالت اور ضعف کے باوجود ساہیوال سے پر مشقت سفر طے کر کے فیصل آباد ضرور پہنچتے' خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں بھی اکثر تشریف لاتے۔ احقر کو بارہا ساہیوال حاضر ہونے کی دعوت دی' مگر میں صرف ایک مرتبہ یہ سعادت حاصل

کر سکا۔ لیکن اس موقع پر جو لمحات ان کی صحبت میں گذرے' آج بھی ان کا کیف و سرور ترو تازہ معلوم ہوتا ہے۔

دارالعلوم کراچی بھی کئی بار تشریف لائے اور کئی کئی دن مقیم رہ کر یہاں کے اساتذہ وطلبہ کو فیض یاب فرمایا۔ انہیں بزرگوں کے واقعات وملفوظات بہت یاد تھے اور ان کی مجلس ان واقعات وملفوظات سے معطر ہوتی تھی' ان کی خدمت میں حاضری کا شوق اس لئے بھی ہوتا تھا کہ ان کی زبانی ہر ملاقات میں اس قسم کی کچھ نئی باتیں حاصل ہو جاتی تھیں۔

پچھلے سال دارالعلوم کراچی میں عرصہ دراز کے بعد جو جلسہ دستار بندی منعقد ہوا' اس میں حضرت مفتی صاحبؒ اپنی علالت کے باوجود تشریف لائے' اور حسب معمول اپنے فیوض سے ہم سب کو سیراب فرمایا۔

ابھی شعبان میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی قدس سرہ کے صاحبزادے مولانا تنویر الحق تھانوی صاحب نے جامع مسجد جیکب لائنز میں مجلس صیانۃ المسلمین کا سالانہ اجتماع منعقد فرمایا تو اس میں بھی تشریف لائے' میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو چہرے پر ضعف اور نقاہت کے آثار نمایاں تھے' گفتگو پر بھی اس کا اثر تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی حیات طیبہ پر ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی تھی جو میرے پاس بھیجی تھی' مگر کسی وجہ سے مجھ تک نہ پہنچ سکی تھی' اس موقع پر مجھے وہ عطا فرمائی۔ میں نے انہی کے سامنے اس کی ورق گردانی شروع کر دی' کتاب اس قدر دلچسپ تھی کہ میں اس مجلس میں اسی کے مختلف حصے پڑھتا رہا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے علمی اور باطنی کمالات کے اس پہلو پر بطور خاص زور دیا تھا جو حضرتؒ کی دوسری سوانح میں ان کے سیاسی کارناموں کے مقابلے میں ماند پڑ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحبؒ کو اس پہلو کی تفصیل بیان کرنے کی خاص توفیق عطا فرمائی۔

ان کی کتاب نے مجھے ایسا محو کیا کہ اس مجلس میں ان سے زیادہ بات نہ ہو سکی' اتفاق سے مجھے اگلے ہی دن بیرون ملک کا ایک سفر درپیش تھا' اس لئے جب وہ صیانۃ المسلمین کے اجتماع سے فارغ ہو کر دارالعلوم تشریف لائے تو میں ان کی صحبت سے مستفید نہ ہو سکا' اور جیکب لائنز کی یہ ملاقات ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ یہ واقعہ شعبان کا ہے' عید کے بعد میں عدالتی کام کے سلسلے میں اسلام آباد گیا تو وہاں اچانک میرے بھتیجے مولانا محمود اشرف صاحب کا کراچی سے فون آیا اور انہوں نے یہ جانگداز خبر سنائی کہ حضرت مفتی صاحبؒ ہم سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی پوری زندگی علم ودین کی خدمت سے عبارت تھی' اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت کام لیا' الحمدللہ' ان کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس صاحب سلمہٗ نے اپنے والد ماجدؒ کی خدمت وصحبت سے بھرپور استفادہ کر کے ان کے علوم و معارف کو جذب کیا ہے' اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ اور ان کا مدرسہ حقانیہ ان کے علوم ومعارف کی نشر و اشاعت اور ان کے شروع کئے ہوئے کاموں کو محفوظ رکھنے اور آگے بڑھانے میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائیں' انہیں مقعد صدق میں مقامات عالیہ سے نوازیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل' اجر جزیل اور ان کے مشن کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

از مولانا محمد اکرم کاشمیری:

موت العالِم موت العالَم

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی بزم کے چراغ آپ کے خلیفہ ومعتمد خاص حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند دارالعلوم جامعہ حقانیہ ساہیوال (سرگودھا) کے بانی مہتمم اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے رکن تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما' قائداعظم محمد علی جناح مرحوم کے مخدوم ومعتمد ساتھی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے برادر خورد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ الرحمہ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ عید الفطر کے چند دن بعد یعنی ۵ شوال المکرّم بمطابق یکم جنوری ۲۰۰۱ء بعد از نماز مغرب اپنے قصبہ ساہیوال (سرگودھا) کے ایک معمولی سے مکان میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم یوں تو پیرانہ سالی کی وجہ سے کمزوری اور نقاہت کا شکار تھے ہی لیکن ساتھ ساتھ کچھ عرصہ سے عارضہ قلب میں بھی مبتلا تھے۔ تاہم روحانی قوت کا یہ حال تھا کہ باوجود اس خطرناک اور مہلک بیماری (جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی) کے کثرت اشغال کا یہ حال کہ انہیں دیکھ کر اچھے خاصے صحت مند' تندرست توانا اور جواں عمر بھی حیراں رہتے تھے' اتنے باہمت کہ اولاد' احفاد اور اقربا' واعزا سمیت کسی بھی عقیدت مند تک کو اپنی بیماری کا احساس نہیں ہونے دیا۔ برادر مکرم مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب زیدہ مجدہ (سرگودھا) کے مطابق حضرت جب بھی بغرض معائنہ ڈاکٹر کے پاس سرگودھا تشریف لاتے تو جملہ پرسان حال سے باقاعدہ حسبِ معمول پوری محبت وشفقت سے مصافحہ فرماتے بعض کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیں دیتے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی اور پھر جس دن انتقال ہوا اس دن کا حال تو اور بھی عجیب وغریب ہے۔ حضرت نے اپنے ملنے والوں کے ساتھ نہ صرف مصافحہ کیا بلکہ ہر ایک کے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈھیروں دعائیں بھی دیں۔ اخی المحترم حضرت مولانا عبدالقدوس ترمذی مدظلہ العالی جو حضرت مرحوم کے ذہین و فطین صاحبزادہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے علمی اور روحانی جانشین بھی ہیں کے مطابق حضرت نے یوم رحلت میں اپنے تمام تر معمولات پورے اہتمام سے مکمل فرمائے۔ ظہر' عصر اور مغرب کی نمازوں کی امامت فرمائی اور پھر اسلامی نظریاتی

کونسل کی طرف سے آئے ہوئے مسودہ کے بارے میں بھی اپنی آراء انہیں (یعنی مفتی عبدالقدوس صاحب زیدہ مجدہ کو) قلم بند کروائیں علاوہ ازیں کئی ایک مسائل کے بارے میں اپنی فقیہانہ آراء کا اظہار بھی فرمایا۔ مغرب کے بعد اچانک گھر (جو جامعہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے) جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ عام معمول یہ تھا کہ حضرت کے ساتھ کوئی خادم گھر تک جاتا تھا مگر اس دن حضرت بغیر خادم ہی چل پڑے اور پھر خلاف معمول اس تیزی کے ساتھ کہ بقول مولانا عبدالقدوس دیکھتے ہی دیکھتے حضرت گھر بھی پہنچ گئے۔

مولانا مفتی عبدالقدوس کا فرمانا ہے کہ یہ سوچ کر والد صاحب اب گھر پہنچ گئے ہیں میں بعض ضروری امور نمٹانے کے لیے مسودات اور متفرق کاغذات کو سمیٹنے میں مصروف ہو گیا ابھی چند لمحے ہی گذرے تھے کہ گھر سے فون آ گیا کہ حضرت کی طبیعت خراب ہو رہی ہے فوراً گھر پہنچو۔ ممکن ہے والد گرامی کو یہ احساس ہوا ہو کہ عبدالقدوس کو پریشانی نہ ہو خود بھی فون پر بات فرمائی کہ میری طبیعت میں اضطراب ہے آپ گھر آ جائیں۔ ڈاکٹر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ تشخیص پر معلوم ہوا کہ دل کا عارضہ لاحق ہے۔ حضرت کو اس قسم کا حادثہ ایک دفعہ پہلے بھی پیش آ چکا تھا۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی اور یہی مرض سفر آخرت کا سبب ثابت ہوا۔ قرآن کریم کی سورۃ لقمان کے آخر میں مغیبات خمسہ کا ذکر فرمایا گیا ہے انہی میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کہ اس کی موت کب اور کس سرزمین میں واقع ہو گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں ایک دفعہ حضرت عزرائیل ایک شخص کو بڑے غور سے گھور گھور کر دیکھتے رہے تھے۔ مجلس ختم ہوئی تو اس شخص نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت مجھے فلاں جگہ جانا ہے اور میرے پیٹ میں شدید درد ہے آپ از راہ کرم ہوا کو حکم دیں کہ مجھے وہاں پہنچا دے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا جس نے چند لمحوں میں اس شخص کو اس کی مطلوبہ منزل پر پہنچا دیا۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی حضرت عزرائیل نے اس کی روح قبض کر لی۔ اگلے دن جب حضرت عزرائیل حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس شخص کو گھور گھور کر دیکھنے کا سبب پوچھا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم تھا کہ میں اس شخص کی روح کو فلاں جگہ اور فلاں وقت میں قبض کروں وہ جگہ یہاں سے ہزاروں میل دور تھی اور وقت بہت قریب تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص وہاں کیسے پہنچے گا؟ جب وقت موعود آیا میں نے دیکھا کہ وہاں موجود ہے میں نے روح قبض کر لی۔ بہر کیف موت جہاں آنا ہوتی ہے وہاں ہی آتی ہے انسان کسی نہ کسی بہانے سے وہاں پہنچ جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح گھر پہنچایا۔

حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی اس وقت پورے پاکستان کے لیے نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ خاص طور پر افتاء کی دنیا میں ان کا ایک خاص مقام تھا۔ صرف ان ہی کی ایک ایسی شخصیت تھی جو مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ کے ساتھ بعض مسائل پر گھنٹوں بحث کرتے تھے۔ حضرت مفتی اعظم خود بھی ان کی انتہائی قدر کیا کرتے تھے۔ مفتی عبدالشکور صاحب قدس سرہ اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اکابرین دیوبند کے رسماً نہیں

حقیقتاً جانشین تھے۔ مشرباً حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ اور درساً حضرت مدنی قدس سرہ کے سلسلے سے وابستہ تھے۔ (اس طرح سے انہیں مجمع البحرین کی حیثیت حاصل تھی) دونوں حضرات کی قدر و منزلت اور عقیدت میں ذرا برابر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ آخری دنوں میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کی سوانح حیات بھی لکھ رہے تھے جس کی ایک جلد چھپ کر بازار میں آ بھی چکی ہے۔ انتہائی شفیق' انتہائی رحم دل' جب لاہور تشریف لاتے تو جامعہ اشرفیہ میں ضرور تشریف لایا کرتے تھے جامعہ کے ساتھ ان کو کئی ایک نسبتیں بھی حاصل تھیں۔ جامعہ کے دارالافتاء میں گھنٹوں بیٹھتے حضرات مفتیان کرام سے مختلف مسائل پر بڑی مدلل اور مفصل گفتگو فرماتے۔ راقم الحروف اگرچہ حضرت کے پاؤں کی خاک کی حیثیت نہیں رکھتا مابنہم انتہائی شفقت فرماتے بالکل اس طرح جس طرح کہ اپنے صاحبزادوں سے فرماتے۔ لاہور میں اکثر و بیشتر قیام ہمارے مرحوم دوست اور مہربان ڈاکٹر مطیع الرحمٰن صاحب کے ہاں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب حضرت کے عقیدت مندوں میں تھے۔ مجھے بھی کبھی کبھی ڈاکٹر مرحوم کے ہاں حاضری کا شرف حاصل ہوتا تو حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت نصیب ہوتی اس طرح شفقت سے اپنے پاس بٹھاتے کہ اپنی حیثیت کو دیکھ کر شرم محسوس ہوتی۔ ہمارے بزرگ بھی عجیب وغریب تھے۔ سراپا شفقت اور حسن خلق سے سرشار۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اُن سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ ساہیوال جیسے ایک چھوٹے سے قصبے میں اتنا بڑا اجتماع شاید وہاں کی تاریخ کا پہلا ایسا اجتماع تھا جس میں ملک بھر سے ممتاز علماء کرام' بزرگان دین اور حضرت کے عقیدت مندوں نے بڑی تعداد میں شرکت فرمائی۔ لاہور جامعہ اشرفیہ سے راقم الحروف مدیر الحسن' مولانا قاری ارشد عبید' مولانا قاری امتیاز الرحمٰن تھانوی' مولانا مفتی محمد زکریا' مولانا امد علی' مولانا عتیق الرحمٰن صاحب' ابن حضرت صوفی صاحب مدظلہٗ جناب مد نصیر اور عبدالرشید صاحب نے شرکت کی جب کہ دارالعلوم الاسلامیہ علامہ اقبال ٹاؤن سے حضرت مولانا مشرف علی صاحب' مولانا قاری احمد میاں تھانوی اور جناب حضرت مولانا قاری خلیل احمد تھانوی نے نمائندگی فرمائی۔ نماز جنازہ کی امامت کی سعادت دارالعلوم الاسلامیہ لاہور کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم العالی کے حصے میں آئی جب کہ اس موقع پر جامعہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کے پوتے حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہٗ نے خطاب فرمایا جس میں انہوں نے علماء کرام کے اس تیزی سے اٹھنے کو قیامت کی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی رحلت علمی دنیا کا ناقابل تلافی نقصان ہے اور حضرت مرحوم کے پسماندگان کو حضرت عبداللہ ابن عباس کا واقعہ جو ان کے والد گرامی کے انتقال کے بعد ایک دیہاتی کی تعزیت کی صورت میں کتب حدیث میں مذکور ہے سنا کر تعزیت اور صبر کی تلقین فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

منظوم خراج تحسین

نتیجہ فکر: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم
مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

وہ فقیہ العصر یعنی مفتی عبدالشکورؒ
نسبت علی و ہدایت میں وہ مثل کوہ طور

وہ کریم الخلق ابن مفتی عبدالکریمؒ
خانقاہ اشرفی کا وہ گل بوئے شمیم

پیکر اخلاق نبویؐ حامل دین مبیں
علم تفسیر و حدیث و فقہ کا در ثمیں

وہ مجاز نسبت شیخ ظفر احمدؒ بھی تھا
خانقاہ مفتی اعظم کا ایک اسعد بھی تھا

حافظ و قاری و عالم پیکر علم و عمل
وہ نحیف و ناتواں علم و ہدایت کا جبل

جو دلائل کی زباں تھا حجتوں کا سینہ تھا
سیرت و کردار میں اسلاف کا آئینہ تھا

ڈھونڈتے پھرتے ہیں جس کو آج قرطاس وقلم
کر گیا وہ اپنی یادیں لوح ہستی پر رقم

روز و شب ہر مسئلہ تھا جس کا موضوع سخن
دست بستہ جس کے آگے تھیں بحوث علم وفن

ہر گھڑی اس کے بڑوں کا اس کے سر پر سایہ تھا
مسلک حق میں تصلب اس کا اک سرمایا تھا

نکتہ سنجی میں یقیناً ترجمان شیخؒ تھا
اور بیان علم و حکمت میں زبان شیخ تھا

اہل عقل و دانش اس کے در پہ تھے دریوزہ گر
طالبان علم اس کے سامنے دست نگر

جس کی ہر مجلس تھی علم و آگہی کی درس گاہ
طالبان حق کا تھا جو چلتی پھرتی خانقاہ

پیکر خلق و ادب تھا جو اکابر کے لیے
اور سراپا حلم و شفقت تھا اصاغر کے لیے

مرجع فتویٰ تھا جو سب اہل فتویٰ کے لیے
زہد و ورع میں سند تھا اہل تقویٰ کے لیے

جس کو حق گوئی میں خوف لومۃ لائم نہ تھا
جو کہ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی شاتم نہ تھا

خوش مزاجی خندہ پیشانی، تبسم تھا شعار
تھی لبوں کی مسکراہٹ جس کے چہرے کی بہار

مدرسہ حقانیہ ہے جس کی تابندہ حیات
ہونہار اولاد جس کی باقیات صالحات

زندگی گذری تھی جس کی دیں کی دوڑ و دھوپ میں
آج بھی زندہ ہے اپنی کاوشوں کے روپ میں

وہ تماشا گاہ عالم تھا جو ساہیوال میں
چل دیا ہے کس تماشے کے لیے اس حال میں

اب کہاں سے لائیں ایسا اہل علم اہل کمال
ہائے دنیا میں ہے اہل علم کا قحط الرجال

الجھنوں کو قوم کی شفقت سے سلجھائے گا کون
دین سے بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھلائے گا کون

ہم بتائیں گے کسے بیتے ہوئے حالات کو
کس کے در پر جائیں گے اب لے کے اشکالات کو

قوم کی کشتی تو ہے گرداب میں اے چارہ گر
نا خدا سب جا رہے ہیں ہر یکے بعد دگر

کھینچ کر گرداب سے ساحل پہ پہنچائے گا کون
ناخدا بن کر بچانے قوم کو آئے گا کون

عارف اب دنیا میں غم کا آسرا کوئی نہیں
غم غلط کرنے جہاں جائیں رہا کوئی نہیں

(ماخوذ حیات ترمذیؒ)

سید مہر حسین بخاری (اٹک):

مفتی سید عبدالشکور ترمذی صاحبؒ

(سال رحلت ۱۴۲۱ھ)

ہو گئے دنیا سے رخصت ترمذی عبدالشکور
''ہدایۃ الحیران'' ہے جن کی کتاب دل نشین
ہے حیات انبیاءؑ پر قابل تحسین کام
ان کے شائع ہوں حبیبؐ حق رسولِ عالمینؐ
ہیں مقرِ جن کی حیاتِ جاوداں کے اہلِ حق
زندگی کے معترف ہیں جن کی اربابِ یقیں
سال رحلت ترمذی صاحب کا مہرؔ یوں کہا
کوکب دائم ''حیات رحمۃ للعالمینؐ''

۲۱ ۴ ۱ھ

جو ادب دانِ محمد مصطفیٰؐ ہیں خوش نصیب
دو جہاں میں کوئی اندیشہ انہیں لاحق نہیں
محترم مرحوم سید ترمذی عبدالشکور
تھا حیات سرور کونینؐ کا ان کا یقیں
ان کی رحلت کا کہا مہرؔ بہ تائید سروش
سال ''عرفانِ حیاتِ سرورِ دنیا و دیں''

۲۱ ۴ ۱ھ

از مولانا ازہر صاحب حفظہ اللہ مدیر الخیر ملتان:

محدث العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ

ابھی شہید العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کے سانحات رحلت سے ہمارے آنسو خشک نہ ہوئے تھے کہ محدث العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ اور خطیب پاکستان مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ بھی ہم سے جدا ہو گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون فان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیی عندہ یا جل مسمیٰ۔"

یہ دنیا اپنے آخری دور میں عجیب تیز رفتاری پر آ گئی ہے جو دن آتا ہے نئے صدمات سامنے لاتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ محدث العصر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی علمی یادگار تھے اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فرزند جلیل تھے۔ پاکستان میں حضرت مفتی صاحبؒ کا شمار ان گنے چنے چند علماء میں ہوتا تھا جو ملت کی رہنمائی کے ساتھ اہل علم کے لئے بھی مرجع اور سند تھے کہ ان کے درس و تدریس میں اکابر اہل علم جیسا تبحر و تعمق اور عمل میں اسلاف امت جیسی استقامت و صلابت تھی۔ میانہ روی اور اعتدال آپؒ کا خصوصی امتیاز تھا۔ آپ مدنیؒ و تھانویؒ خصوصیات و روایات کے امین تھے۔ آپؒ کو بیعت کا شرف حکیم الامت حضرت تھانویؒ قدس سرہ سے حاصل تھا جبکہ نسبت تلمذ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ سے تھی اور خلافت و اجازت محدث العصر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے حاصل تھی۔ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحبؒ جامعہ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، جب آپ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے ملتان تشریف لاتے تو آپؒ کی خدمت میں چند لمحات گزارنے کی سعادت میسر آتی۔ حضرتؒ کی چند لمحوں کی اس مجلس میں کتنے ہی علمی اشکالات حل ہو جاتے، تصوف کی کئی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھ جاتیں، اکابر امت اور اسلاف کی مقدس زندگیوں کے ایمان افروز واقعات و حالات سن کر ایمان میں تازگی آ جاتی اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی حکایات اور قواعد و ضوابط کی پابندی کے واقعات سن کر حیرت ہوتی، بلاشبہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے اسلاف کی صحیح یادگار تھے۔ جامعہ حقانیہ ساہیوال (ضلع سرگودھا) آپ کی باقیات صالحات میں سے ہے

جہاں آپؒ نے پوری زندگی حدیث وفقہ پڑھانے میں گزار دی' اب اس کے مہتمم آپؒ کے فرزند گرامی مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ہیں جو ماشاء اللہ علم وفضل' سنجیدگی ومتانت اور تقویٰ وسادگی میں والد مرحوم کی تصویر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ انہیں حضرت مفتی صاحبؒ کے نہج پر دین وملت کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں اور حضرت مفتی صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں اپنے قرب خاص سے نوازیں آمین۔

☆ خطیب پاکستان حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ اپنے وقت میں ملکی سطح کے خطیب شہیر تھے' شرک و بدعت کی تردید میں ان کی پرجوش اور ساحرانہ خطابت نے انہیں پورے ملک کا محبوب ومقبول خطیب بنا دیا تھا اور ان کے نام جلسے کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ خطابت کے علاوہ میدان سیاست میں بھی آئے اس میدان میں بھی انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ان کے انداز خطابت و سیاست سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا ضیاء القاسمیؒ نے اپنی پوری زندگی شرک و بدعت کی تردید' ناموس صحابہؓ کے تحفظ اور اہل سنت والجماعت کے عقائد نظریات کی تبلیغ میں صرف فرمائی اور ان کی رحلت سے دینی حلقے ایک ولولہ انگیز خطابت سے محروم ہو گئے ہیں۔ آپؒ جمعیت علماء اسلام' عالمی تحریک ختم نبوۃ' تنظیم اہل سنت والجماعت پاکستان اور سپاہ صحابہؓ جیسی دینی تنظیمات میں ہر باطل طاقت اور آواز کے مقابل ہمیشہ ایک نڈر سپاہی کی طرح سرگرم عمل رہے اور کوئی بیرونی دباؤ آپؒ کو اس راہ حق میں مجاہدانہ یلغار کے ساتھ آنے سے روک نہ سکا۔ ان حضرات کے سفرآخرت پر روانہ ہونے سے ملک کے دینی وتبلیغی حلقوں میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ کیسے پر ہوگا۔ وہ اللہ ہی کے علم میں ہے۔

زمانہ انہیں دیر تک یاد کرتا رہے گا لیکن یہ پھول جس گلستانِ علم میں کھلے وہ بہار دوبارہ اس خاکدانِ عالم کو شاید ہی کبھی میسر آ سکے۔ ؎

وہ پھول تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پالا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب مدظلہ:

موتُ العالِم موتُ العالَم

آہ! مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

تاریک ہو گئی شبستان اولیاء
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مخدوم العلماء فقیہ العصر سیدی و مرشدی حضرت مولانا الحاج القاری مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ بھی دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف ۶ شوال ۱۴۲۱ھ مطابق ۲ جنوری ۲۰۰۱ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین، محقق دوراں، مفسر قرآن، فقیہ العصر، عارف کامل اور مفتی اعظم کی حیثیت سے علماء صلحاء کی صف میں اس وقت ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ اپنے علم وعمل، زہد وتقویٰ اور اخلاق و اوصاف میں سلف صالحین کی عظیم یادگار تھے۔ ان کا سانحۂ ارتحال اس وقت پاکستان ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے نقصانِ عظیم ہے۔ آج علمی و دینی حلقے خصوصاً سلسلہ اشرفیہ سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتے ہیں۔ آپ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ جیسے اکابر علماء کے خاص محبّ ومحبوب تھے اور انہی حضرات اکابر کے مسلک ومشرب کے امین اور انہی حضرات کے سیاسی افکار ونظریات کے علمبردار رہے اور سلسلہ اشرفیہ کے عظیم ترجمان رہے۔ آپ کی ولادت باسعادت اپنی ننھیال موضع اردن ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں ۱۱ رجب المرجب ۱۳۴۱ھ کو ہوئی۔ تاریخی نام مرغوب النبی نکالا گیا۔ آپ نے والد ماجد حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلویؒ سلسلۂ اشرفیہ کے معروف ومشہور بزرگ، صاحب تصانیف وافتاء معروف عالم دین تھے اور عرصۂ دراز تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے فیض صحبت سے مستفید ہوتے رہے اور ان کے زیر

سایہ رہ کر تصنیف و تالیف' افتاء و تدریس' نیز تعلیمی و تبلیغی تمام شعبوں میں گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی تعلیم و تربیت کی ابتداء بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی آغوشِ شفقت میں خانقاہِ اشرفیہ امدادیہ تھانہ بھون کے مدرسہ اشرفیہ سے قرآن پاک حفظ و ناظرہ' ریاضی' اردو' دینیات اور بہشتی زیور وغیرہ کی تعلیم سے ہوئی۔ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت حکیم الامتؒ کی بابرکت مجلس عام و خاص میں بھی حاضری کی دولت اور حضرتؒ کے ارشادات طیبات سے استفادے کا موقع نصیب ہوا۔ پھر عربی و فارسی کی ابتدائی اور بعض متوسط کتب ہدایہ جلالین وغیرہ تک اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔

بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ' حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ' حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا جلیل احمد کیرانویؒ جیسے اکابر اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے اور ۱۳۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند الفراغ حاصل کی۔ دوران تعلیم ہی ۱۳۵۹ھ میں اپنے والدین کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی اور مزید ایک سال مدینہ منورہ میں قیام رہا' جہاں شیخ القراء مولانا قاری فتح محمد پانی پتیؒ' قاری حسن شاہ اور قاری محی الاسلامؒ سے سبعہ اور ثلاثہ میں استفادہ کا موقع ملا اور قرأت میں اعلیٰ مقام حاصل ہوا۔

فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور مدرسہ عربیہ راجپورہ ریاست پٹیالہ میں تدریسی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں درس نظامی کی تدریس کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پاکستان بن گیا اور آپ ساہیوال ضلع سرگودھا میں قیام پذیر ہوئے۔ یہاں شہر کی قدیم جامع مسجد میں ایک مدرسہ قاسمیہ جاری کیا جس میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت میں تقریباً چار ماہ کی نظر بندی کے زمانہ میں مدرسہ بند ہو گیا۔ پھر رہائی کے بعد دوبارہ کوشش کر کے آپ نے مستقل مدرسہ کے لئے جگہ حاصل کی اور یکم ربیع الاوّل ۱۳۷۰ھ سے باقاعدہ مدرسہ کا افتتاح کیا گیا۔ اس مدرسے کا نام آپ کے مشفق و مہربان بزرگ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے مدرسہ حقانیہ شاہ آباد کے نام پر ''مدرسہ جامعہ حقانیہ'' رکھا۔ جس میں اکابر کے مسلک و مشرب کے مطابق درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

آپ مدرسے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ مدرسہ میں اونچے درجہ کی کتابیں بھی خود پڑھاتے رہے اور خدمت افتاء بھی انجام دیتے رہے۔ الحمد للہ ہزاروں لوگ آپ کے فیض علمی و روحانی سے فیض یاب ہو چکے ہیں جو آج خود بھی دینی و علمی خدمات میں مصروف ہیں۔ آپ کا سلسلہ روحانی حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے منسلک ہے اور بچپن ہی میں حضرتؒ سے شرف بیعت بھی حاصل کر لیا تھا۔ بعد ازاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کیا اور حضرت عثمانیؒ سے عرصہ دراز تک فیوضاتِ علمی و روحانی سے سیراب و شاداب ہوتے رہے اور بالآخر خلافت و اجازت سے

نوازے گئے۔ حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ کے بعد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے تعلق قائم کیا اور انہوں نے بھی اجازتِ بیعت وتلقین سے سرفراز فرمایا۔

حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ اور مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی مجھ ناکارہ پر بے حد شفقتیں وعنایتیں تھی، مگر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحب نے شروع سے لے کر آخر عمر تک مجھ ناکارہ پر احساناتِ عظیمہ رہے اور یہ حضرات مجھ ناکارہ کو اپنی اولاد کی طرح شفقت، محبت سے نوازتے تھے۔''

الغرض آپ ان حضرات کے محبّ ومحبوب رہے۔ ساری عمر تدریس وتبلیغ و اصلاح اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ متعدد علمی شاہکار آپ کے قلم فیض رقم سے منصۂ شہود پر آئے اور سینکڑوں علمی و اصلاحی مقالات شائع کرائے۔ احقر بخاری غفرلہٗ کے محسن و مربی تھے، بے انتہاء شفقتیں وعنایتیں تھی جنہیں زندگی بھر بھلانا مشکل ہے۔ آج مجھ ناچیز کو دعائیں دینے والا نہ رہا اور آج میں یتیم ہو چکا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ میرے حضرت کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

حافظ اکبر شاہ بخاری، جام پور:
ناظم مجلس صیانۃ المسلمین جام پور:

آہ! مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

اپنی حیات نذر قضاء کر گئے ہیں ترمذیؒ
یہ قرض مسکرا کر ادا کر گئے ہیں ترمذیؒ

دینِ خدا کی شان بڑھا کر گئے ہیں ترمذیؒ
پردے حقیقتوں سے اٹھا کر گئے ہیں ترمذیؒ

اسلام دشمن عناصر کے سامنے
ایمان کا چراغ جلا کر گئے ہیں ترمذیؒ

اسلام ہے ہمارے لئے باعث نجات
دنیا کو یہ پیام سنا کر گئے ہیں ترمذیؒ

دل میں جلا کر عظمت اسلام کے چراغ
انسانیت کی راہ دکھا کر گئے ہیں ترمذیؒ

یہ سرزمین پاک ہے اسلام کے لئے
ایماں کے اس میں گل کھلا کر گئے ہیں ترمذیؒ

بانٹی ہے آپ نے دین محمدؐ کی روشنی
سوئے ہوئے دلوں کو جگا کر گئے ترمذیؒ

احسان نسلِ نو پہ ان کے بے شمار ہیں
احساس فرض ان میں جگا کر گئے ہیں ترمذیؒ

زندہ رکھیں گی آپ کو آپ کی کامرانیاں
روشن خود آگہی کا دیا کر گئے ہیں ترمذیؒ

فقہ کے میدان میں ہے اونچا مقام آپ کا
علم و فقہ کی جوت جگا کر گئے ہیں ترمذیؒ

ان پہ تھا لطف خاص خدائے کریم کا
دیوار نفرتوں کی گرا کر گئے ہیں ترمذیؒ

﴿۲۰﴾

فقیہ ملت

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۳۴۱ھ

وفات: ۱۴۲۲ھ

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

استاذِ محترم یادگار اسلاف حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ

حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانہ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

پچھلے مہینے (۲۶ ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء کو) ہمارے استاذ محترم یادگار سلف حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے اور رشد و ہدایت کا ایک اور عظیم مرکز سونا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہ ان شخصیات میں سے تھے جن کی نظیریں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و فضل کی گہرائی کے ساتھ انابت و تقویٰ اور اتباع شریعت و سنت کا وہ اہتمام عطا فرمایا تھا جو اس پرفتن دور میں کہیں خال خال ہی نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے خدمت دین کے ہر شعبے میں قابل رشک کام لیا اور ان کے فیوض سے دریا مختلف جہتوں میں ان شاء اللہ عرصہ دراز تک مخلوق خدا کو سیراب کرتے رہیں گے۔

وہ ہمارے ان اساتذہ میں سے تھے جن کے احسانات سے ہماری گردن زندگی بھر جھکی رہے گی' حرف شناسی کی جو کوئی مقدار ہمارے پاس ہے' وہ انہی حضرات اساتذۂ کرام کا فیض ہے جن کے احسانات کا حق ادا کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں' اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اپنے فضل و کرم سے اپنے مقامات قرب میں پیہم ترقیات عطا فرمائیں۔ آمین۔

تعلیم:

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم قدس سرہٗ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے مریدین میں سے تھے' اور انہوں نے اپنے اس فرزند ارجمند کو تعلیم کے لیے اس دور میں

دارالعلوم دیوبند بھیجا جب وہ ماضی قریب کی عظیم شخصیتوں سے جگمگا رہا تھا۔ جن حضرات سے انہوں نے علم حاصل کیا' ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ' شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ شیخ المعقولات حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ' بندے کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ اور دوسرے نامور علماء شامل تھے۔

تدریس:

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز صوبہ سندھ سے کیا' جہاں مختلف مقامات پر تدریس کے علاوہ انہوں نے فتویٰ کا کام شروع کیا' اور پھر ضلع خیر پور کے قصبے ٹھیڑی کے مدرسہ دارالہدیٰ کو اپنا مرکز فیض رسانی بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے انہیں تحقیق و تدقیق اور نکتہ رسی کا ذوق عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ اس ابتدائی دور ہی میں انہوں نے مفصل فتاویٰ کے ذریعے قابل قدر علمی تحقیقات قلم بند اور متعدد کتابیں تالیف فرمائیں۔

دارالعلوم میں:

ابتدا میں ہمارا دارالعلوم کراچی شہر کے ایک گنجان محلے نانک واڑہ کی ایک تنگ اور بوسیدہ عمارت میں تھا۔ ۱۳۷۵ھ (مطابق ۱۹۵۵ء) میں شہر سے دور شرافی گوٹھ کے قریب ایک وسیع رقبہ ایک صاحب خیر نے دارالعلوم کے لیے وقف کیا کرنے کو اس جگہ عمارتیں تو تعمیر کر لی گئیں' اور مدرسے کو وہاں منتقل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا گیا' لیکن یہ جگہ شہر سے بہت دور لق و دق صحرا میں واقع تھی یہاں تک پہنچنے کے لیے میلوں تک نہ کوئی پختہ سڑک تھی' نہ مواصلات کے ذرائع تھے' نہ بجلی اور رواں پانی کی سہولت میسر تھی۔ ہمارے متعدد بڑے اساتذہ جو کراچی شہر میں رہتے تھے' مثلاً حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتیؒ' حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ وغیرہ' ان کے لیے اپنی ذاتی مجبوریوں کی بناء پر مدرسے کی نئی عمارت میں منتقل ہونا مشکل تھا' اور دوسری طرف غالباً اسی سال حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرۂ نے جامع مسجد نیوٹاؤن میں اپنا مدرسہ شروع فرمایا تھا' اس لئے ان حضرات نے حضرت بنوریؒ کے مدرسے میں تدریس کا ارادہ فرما لیا تھا۔ ان حضرات کے اس ارادے کی بناء پر دارالعلوم میں بڑے اساتذہ کا ایک بڑا خلا پیدا ہو رہا تھا۔ اس موقع پر حضرت والد صاحبؒ کے ایماء پر دارالعلوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا نوراحمد صاحبؒ نے کچھ نئے اساتذہ سے رابطہ قائم فرمایا ان میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ' حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالیٰ' حضرت مولانا اکبر علی صاحب قدس سرۂ اور بہاولپور کے حضرت مولانا عبید اللہ صاحبؒ شامل تھے۔ چنانچہ جب شوال ۱۳۷۶ھ میں دارالعلوم کی نئی عمارت میں تعلیم شروع ہوئی تو یہ چاروں حضرات دارالعلوم تشریف لا چکے تھے' اور انہوں نے شوال سے تعلیم کا آغاز فرمایا اور اس طرح ہمیں حضرت مفتی صاحبؒ کی زیارت اور ان سے استفادے

کا بہترین موقع اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔[1]

اس سال برادر محترم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی اور راقم الحروف ہدایہ اخیرین وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس اس سال ہمارے تین اسباق ہوئے' ایک ملا حسن دوسرے تصریح اور تیسرے سراجی۔ ملا حسن منطق کی کتاب تھی' اور وہ حضرت مفتی صاحبؒ کا خصوصی موضوع نہ تھا' لیکن انہوں نے جس انداز سے وہ کتاب پڑھائی' اس کے نتیجے میں کم از کم بندے کو منطق سے پہلی بار کچھ مناسبت پیدا ہوئی۔ علم فلکیات حضرت مفتی صاحبؒ کے خصوصی موضوعات میں سے تھا' اس لئے تصریح میں انہوں نے ہمیں نہ صرف فلکیات کے قدیم و جدید نظریات سے باخبر کرایا' بلکہ اس کے ساتھ اپنی اپج سے انہوں نے ہمیں ریاضی کی بھی تعلیم دی' ''خلاصۃ الحساب'' کے منتخب ابواب بھی پڑھائے' اور ریاضی کے مختلف فارمولوں اور اقلیدس کی عملی مشق بھی کرائی۔ علم میراث بھی ان کا خاص موضوع تھا' اور ''تسہیل المیراث'' کے نام سے خود ان کی تالیف طلبہ کے لیے بڑی فائدہ مند تھی' اس لئے انہوں نے سراجی کے بجائے ہمیں اس کتاب کے ذریعے علم میراث کی تعلیم دی' اور اس کی عملی مشق اس طرح کرا دی کہ مناسخہ کے طویل طویل مسائل ہم اسی دور میں آسانی سے نکالنے لگے۔ انہوں نے ہی ہمیں میراث کا حساب نکالنے کا ایک نیا طریقہ سکھایا جس میں مناسخہ کے طویل مسائل زیادہ اختصار کے ساتھ حل ہو جاتے تھے۔

اگلے سال ہم نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھی۔ یہ علم حدیث میں ہماری پہلی باقاعدہ کتاب تھی اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے وہ اس شان سے پڑھائی کہ الحمدللہ حدیث اور اس کے متعلقہ مباحث سے اچھی مناسبت ہوگئی' اسی دوران انہوں نے ہمیں مختلف مسائل کی تحقیق کے عملی کام پر بھی لگایا' وہ کوئی مسئلہ دے دیتے' اور ہمارے ذمے لگاتے کہ کتب خانہ میں جا کر مختلف کتابوں کی مدد سے اس کی تحقیق کریں۔ اس طرح انہوں نے غیر درسی کتب سے استفادے کا سلیقہ سکھایا' چنانچہ جب اگلے سال ہم دورۂ حدیث میں پہنچے اور صحیح بخاریؒ ان سے پڑھنی شروع کی' تو اسی سال انہوں نے ہمیں فتویٰ نویسی سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے مختلف فقہی مسائل کی تحقیق کا کام بھی سپرد کر دیا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا درس بڑا پرمغز' معلومات آفریں اور جچے تلے جملوں پر مشتمل متن متین ہوتا تھا' انہیں ہر موضوع سے متعلق علمی لطائف وظرائف بھی کثرت سے یاد تھے' جن کی وجہ سے درس کبھی خشک نہیں ہو پاتا تھا' بلکہ اس میں شگفتگی اور دلچسپی برقرار رہتی تھی۔

---

[1] یہاں ریکارڈ کی درستگی کے لیے یہ گذارش مناسب ہے کہ ''انوار الرشید'' میں جو مذکور ہے کہ حضرت والد صاحبؒ نے حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ سے دوران سال دارالعلوم آنے پر اصرار فرمایا تھا' وہ بظاہر کسی مغالطے پر مبنی ہے' اول تو دوران سال کسی نئے استاذ کی ضرورت اس لئے نہیں تھی کہ پرانے اساتذہ موجود تھے اس لئے کہ حضرت والد صاحبؒ عمر بھر اس اصول کے داعی اور اس پر کاربند رہے کہ دوران سال کسی مدرسے کو اجاڑ کر کسی دوسرے مدرسے کو آباد کرنا صحیح طرز عمل نہیں ہے۔ اس اصول کی رعایت میں حضرت والد صاحبؒ نے اپنے مدرسے کے مفاد کی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی گریز نہیں کیا۔ (م۔ت۔ع)

نظریاتی تعلیم کے ساتھ طلبہ کی علمی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ جب طلبہ میں کوئی عام خامی دیکھتے تو عموماً نماز عصر کے بعد اس پر مؤثر تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ دارالعلوم کا یہ وہ دور تھا جب یہاں نہ بجلی تھی' نہ پانی' نہ پنکھے تھے' نہ ٹیلیفون' دارالعلوم کی چند عمارتوں کے علاوہ دور دور تک کوئی عمارت نہ تھی' حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے چاہا کہ ہمیں آخر شب میں بیدار ہو کر نماز پڑھنے کی عادت پڑے۔ اس غرض کے لیے وہ مدت تک آخر شب میں اپنے گھر سے اندھیرے میں ہمارے دارالاقامہ کے کمرے تک چل کر تشریف لاتے اور ہمیں بیدار کرتے۔ کچھ عرصہ ایسا بھی کیا کہ ہمیں بیدار کر کے مسجد میں جا بیٹھتے' اور ہمیں حکم دیتے کہ وضو کر کے وہیں آ جائیں' تا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے تشریف لے جانے کے بعد ہم پھر سو جائیں۔

چونکہ دارالعلوم' آبادی سے بہت دور تھا' لہٰذا اگر کوئی طالب علم بیمار ہو جائے تو اسے کسی معالج کے پاس لے جانا کارے دارد تھا' حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے ٹھیڑی میں رہتے ہوئی ابتدائی علاج معالجہ بھی سیکھ لیا تھا' چنانچہ وہ طلبہ کو فوری طبی امداد بھی پہنچا دیتے تھے' اگر کسی طالب علم کو انجکشن لگانے کی ضرورت پیش آ جاتی تو دور دور تک کوئی انجکشن لگانے والا میسر نہیں تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ ایسے طلبہ کو انجکشن لگانے کے لیے خود تشریف لے جاتے' بعد میں یہ خدمت انہوں نے ہمیں بھی سکھا دی تھی' چنانچہ ضرورت کے وقت ہم بھی طلبہ کو انجکشن لگا دیا کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے ایک مثالی استاذ کی طرح ہماری تعلیم و تربیت میں جو محنت فرمائی اس کے احسان کا حق ادا کرنے کا ہمارے پاس ان کے حق میں دعائے خیر کے سوا کوئی راستہ نہیں' اور کم از کم اپنی حد تک میرا سر اس احساس ندامت سے جھک جاتا ہے کہ اساتذہ کی اتنی کوشش کے باوجود نہ میں اپنی اصلاح کر سکا' اور نہ ان کے احسانات کا کوئی ادنیٰ حق ادا کر سکا۔

تبلیغ وارشاد:

ابتدا میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ پر علم و تحقیق ہی کا رنگ کا غلبہ تھا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کے مشورے پر انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق اور بیعت کا رشتہ قائم فرمایا اور کچھ ہی عرصہ میں ان کی طرف سے بیعت و تلقین کی اجازت بھی عطا ہو گئی۔ اس وقت سے ظاہری علم و تحقیق کے ساتھ عشق و محبت اور باطنی علوم کی آمیزش نے ان کے فیوض کو دو چند کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک منفرد مزاج عطا فرمایا تھا' اور ان کے فیوض کے جو ہر اس صورت میں زیادہ کھل سکتے تھے جب وہ اپنے اس مزاج کے مطابق خدمت دین میں مصروف ہوں چنانچہ انہوں نے ناظم آباد کی ایک چھوٹی سی جگہ میں فتویٰ کی تربیت کا ادارہ قائم فرمایا جو شروع میں ''اشرف المدارس'' اور بعد میں ''دارالافتاء والارشاد'' کے نام سے معروف ہوا۔ اور جب دارالعلوم کراچی سے ان کی رسمی وابستگی ختم ہوئی تو انہوں نے شہرت کے معروف ذرائع سے دور رہتے ہوئے اس

ادارے کو اپنا مرکز فیض رسانی قرار دے لیا۔ رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ نے اس ادارے سے بڑے عظیم الشان کام لئے۔ یہاں ان کی ہفتہ وار اصلاحی مجلس عوام وخواص کا مرجع بن گئی، اطراف واکناف سے لوگ اس مجلس میں شرکت کے لیے آتے اور اس کی بدولت سینکڑوں مردوں اور عورتوں کی زندگی میں خوشگوار دینی انقلاب رونما ہوا۔ اسی ادارے سے انہوں نے اپنا مجموعی فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' کے نام سے آٹھ ضخیم جلدوں میں مرتب فرما کر شائع کیا جو گرانقدر علمی اور فقہی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ ان کے اصلاحی مواعظ کثیر تعداد میں طبع ہو کر اصلاح خلق کا باعث ہوئے۔ ادارے سے بہت سے علماء نے فتویٰ کی تربیت حاصل کی اور اپنے اپنے علاقوں میں فتویٰ کی خدمت انجام دی۔ پھر جہاد افغانستان کے موقع پر اس ادارے نے روسی استعمار کے خلاف جدو جہد میں بھرپور حصہ لیا۔ ''الرشید ٹرسٹ'' کے نام سے ایک عظیم رفاہی ادارہ قائم ہوا جس نے افغانستان اور پاکستان میں عظیم رفاہی منصوبوں پر کام کیا، اور اب تک اس خدمت میں مصروف ہے، ''ضرب مؤمن'' کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار جاری ہوا جس نے قلیل عرصہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، اور لاکھوں کی تعداد میں طبع ہو کر ذہن سازی میں نمایاں کردار ادا کیا، اور اب کچھ عرصہ سے ''اسلام'' کے نام سے ایک روزنامہ انہی خطوط پر جاری ہوا۔ جانداروں کی تصاویر اور غیر شرعی اشتہارات کے بغیر اس پیمانے کے کسی اخبار کا تصور اس سے پہلے مشکل تھا۔ لیکن ان دونوں جریدوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اس دور میں بھی منکرات کے بغیر اخبارات و جرائد کامیابی کے ساتھ نکالے جا سکتے ہیں۔ یہ سارے صدقہ ہائے جاریہ ان کے نامہ اعمال کا جگمگاتا ہوا حصہ ہیں۔

شفقت ومحبت:

دارالعلوم کراچی سے رسمی علیحدگی کے بعد بھی حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے دارالعلوم اور اہل دارالعلوم کے ساتھ شفقت ومحبت کا تعلق ہمیشہ برقرار رکھا، دور بیٹھ کر بھی ہم لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہے، ہمیں بھی یہ ڈھارس تھی کہ ہم ان کی شفقتوں کے سائے میں ہیں، اور بوقت ضرورت ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کی بھی توفیق ہو جاتی تھی، حضرت مفتی صاحبؒ وقتاً فوقتاً دارالعلوم تشریف لاتے رہتے، اور بے تکلفی کے ساتھ کچھ وقت گذار کر اور ہدایات دے کر تشریف لے جاتے۔ آخری بار دارالعلوم کے جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے عام معمول سے ہٹ کر تشریف لائے اور دو روز یہاں قیام فرمایا۔

کچھ عرصہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کی آواز بیٹھ گئی تھی، اس لئے اصلاحی مجلس میں بیان موقوف ہو گیا تھا، اس کے باوجود ان کے کیسٹ اور طبع شدہ مواعظ مستفیدین کی پیاس بجھاتے رہتے تھے۔ آخر میں شوگر گردے کی بیماری کی وجہ سے باہر تشریف لانا بھی بند ہو گیا، کمزوری حد سے زیادہ ہو گئی، میں ۵ر ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ کو ایک کام کے سلسلے میں قاہرہ پہنچا، اور ۶ر ذوالحجہ کو مجھے قاہرہ ہی میں اپنے بھانجے مولوی فہیم اشرف صاحب سلمہ کا پیغام ملا کہ حضرت مفتی صاحبؒ دنیا سے منہ موڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ اس دنیا کو قید خانہ فرمایا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قید خانے سے رہائی عطا فرما کر اپنی منزل مقصود کی طرف بلا لیا۔ انہیں اس بات کا بڑا اہتمام تھا کہ کسی کے انتقال کے بعد اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین جلد از جلد ہو' چنانچہ ان کی وصیت کے مطابق انتقال کے بعد تین چار گھنٹے کے اندر اندر ان کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے تمام مراحل مکمل ہو گئے' اور بالآخر انہیں اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری قدس سرہٗ کے پہلو میں ایک ایسی جگہ سپرد خاک کیا گیا جو غالباً خود انہوں نے پہلے سے منتخب فرما رکھی تھی۔

بندے کو سفر پر ہونے کی وجہ سے ان کی نماز جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل نہ ہو سکی' ان کی قبر پر حاضری ہوئی تو ان کے احسانات کے مقابلے میں اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کے تصور سے گردن ندامت سے جھکی ہوئی تھی' دل سے دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے مقامات قرب میں پیہم ترقی عطا فرمائے' اور ہمیں ان کی برکات سے محروم نہ فرمائے۔ آمین۔

اللهم اكرم نزله ووسع مدخله' وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من اهله' واغسله بماء الثلج والبرد' ونقه من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس' اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ آمين يا رب العالمين۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے کمالات اور ان کی عظیم خدمات کا کماحقہ تذکرہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں' امید ہے کہ ان شاء اللہ ان کے تلمیذ رشید مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب ان کی مفصل سوانح حیات ترتیب دینے کی طرف توجہ دیں گے' اور اسی سے یہ ضرورت پوری ہو سکے گی' ان سطور میں تو صرف ان چند تاثرات کا ذکر ہے جو فوری طور سے نوک قلم پر آ گئے۔

مولانا محمد اکرم کاشمیری:

مدیر الحسن کے قلم سے

فقیہ الامت کا سانحہ ارتحال...... نا قابل تلافی نقصان

عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیت' کالعدم الرشید ٹرسٹ' دارالافتاء' والارشاد' اسلامی صحافت کے دو عظیم شاہکاروں' ہفت روزہ ''ضرب مومن'' اور روزنامہ ''اسلام'' کے بانی و سرپرست' برصغیر کی صف اول کے معروف' مشہور عالم دین' عظیم مصلح و مربی' رئیس الاتقیاء و العلماء اور مجاہد کبیر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی اپنی عمر کی اسی بہاریں دیکھ کر ے ذی الحجہ ۱۴۲۲ ہجری بمطابق ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء بروز منگل قبل از دوپہر کراچی میں اپنی رہائش گاہ پر انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے یہاں آپ نے جن اکابر علماء کرام سے استفادہ فرمایا ان میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی' شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی اور مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ ایسی شخصیات شامل ہیں۔ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی اسلام اور اس کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ درس و تدریس کے علاوہ اصلاح و ارشاد آپ کے مستقل مشاغل میں شامل تھے۔ آپ کا ایک بڑا کمال یہ تھا کہ آپ نے ایسے وقت جہاد کی سنت کو زندہ فرمایا جب کہ اعداء اسلام اس سنت کو مٹانے کے لیے تن' من' دھن کی بازی لگانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا منظور نہیں تھا۔ افغانستان پر جب روس نے ناجائز تسلط جمانے کی کوشش کی تو حضرت مرحوم نے اس غاصبانہ اور سفاکانہ قبضے کے خلاف ایسی آواز بلند فرمائی جس پر عالم اسلام نے لبیک کہتے ہوئے اس جہاد میں شرکت کی۔ یہی وہ جہاد تھا جس کے نتیجے میں افغانستان میں ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی جس کے ثمرات اور نتائج پوری دنیا نے دیکھے (یہ بات الگ ہے کہ سردست اس حکومت کو ظالمانہ اور سفاکانہ طریقے پر دنیا کے نقشے سے وقتی طور پر غائب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو کوئی بعید نہیں کہ یہ بلکہ اس سے بھی مضبوط تر اسلامی حکومت پھر سے قائم ہو جائے' مرحوم نے افغانستان کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی جس طرح مدد کی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے مرحوم کا یہ ات کارنامہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی این۔ جی۔ او اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی برسہا برس الرشید ٹرسٹ (جو مرحوم نے ، کے دکھی اور مظلوم مسلمانوں بلکہ موت کے دروازے پر سسکتی انسانیت کے دکھ درد میں مدد کے لئے قائم ف

افغانستان کے لاکھوں مستحقین جن میں بیوائیں' یتیم بچے اور معذور میں شامل ہیں کو اشیاء خورد ونوش کے علاوہ دیگر ضروریات زندگی بھی فراہم کرتا رہا مہاجرین کے لیے ادویات اور خیمے بھی بڑی تعداد میں افغانستان پہنچائے جاتے رہے۔ روسی جارحیت کے نتیجے میں شہید ہونے والی مساجد اور منہدم کئے جانے والے مدارس کی تعمیر نو میں بھی الرشید ٹرسٹ نے بھرپور حصہ لیا قندھار میں ایک بہت بڑی جامعہ مسجد اور اس میں قائم ہونے والا مدرسہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل اور الرشید ٹرسٹ کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہی نہیں کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی اپنی رفاہی اور اصلاحی کوششوں اور کاوشوں کا ہدف افغانستان ہی تھا بلکہ پاکستان اور کشمیر سمیت جہاں کہیں مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی حضرت مفتی صاحب کا دل دھڑکتا تھا آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ مصیبت زدہ مسلمانوں کی ہر طرح سے مدد کی جائے۔ دکھی انسانیت کی خدمت ہمیشہ وہ اپنا اولین فرض سمجھتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جب بلوچستان میں قحط سالی کے آثار نمودار ہوئے تو وہاں کی عوام کی مدد اور ان کے اس دکھ درد میں شرکت کے لیے سب سے پہلے پہنچنے والے الرشید ٹرسٹ ہی کے کارکن تھے انہوں نے نہ صرف وہاں سیکنڑوں کنویں کھدائے بلکہ وہاں کی عوام کو اشیاء خورد ونوش بھی فراہم کیں۔ اس طرح کشمیری مہاجرین کے ساتھ ان کا تعاون بھی ریکارڈ پر موجود ہے۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا ایک عظیم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے فن افتاء کو باقاعدہ ایک شکل دی گو اس سے قبل بڑے بڑے مدارس میں اس فن کی ترویج اور اس کی افادیت کے پیش نظر تخصص فی الفقہ' کے کورسز کروائے جاتے تھے لیکن اس مقصد کے لیے الگ سے کوئی ادارہ قائم نہیں تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ہی تھے جنہوں نے دارالعلوم کراچی سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد ''دارالافتاء والارشاد'' کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم فرمایا اس ادارے نے بھی اپنے دائرہ کار میں رہتے قرآن وحدیث کی روشنی میں ناقابل فراموش فقہی خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ اور ان کی نیابت میں کام کرنے والے مفتیان کرام کے جاری کردہ فتاویٰ کی تعداد یقیناً ہزاروں میں ہے جن میں سے اکثریت کی نقول یا طباعتی شکل میں موجود نہیں تاہم بڑی تعداد میں فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' کے نام سے آٹھ جلدوں میں طبع ہو چکے ہیں جب کہ شنید یہ ہے کہ اس طرح کے کئی ایک فتاویٰ زیر طبع بھی ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کو فن افتاء میں ید طولیٰ حاصل تھا ان کے فتاویٰ کو علماء کرام کے ہاں نہ صرف تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا بلکہ انتہائی مستند بھی سمجھا جاتا تھا۔ مفتی صاحب کے جاری کردہ فتاویٰ انتہائی مدلل اور مستند ہوا کرتے تھے ان کے کئی فتاویٰ مقالات کی شکل میں بھی موجود ہیں جن میں سے اکثر و بیشتر کو احسن الفتاویٰ کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

مولانا مرحوم نے دوسرے کارہائے نمایاں کی طرح اسلامی صحافت کے فن (جو کہ آہستہ آہستہ مٹتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ اسلام میں اس فن کا کوئی تصور ہی نہیں) کو بھی از سر نو

جلا بخشی انہوں نے ہفت روزہ ''ضرب مومن'' اور روزنامہ ''اسلام'' جاری فرما کر دنیا پر واضح کر دیا کہ اسلام میں صاف ستھری صحافت کے تصور کو نہ صرف یہ کہ آج بھی عملی شکل دی جا سکتی ہے بلکہ زرد صحافت کے مقابلے میں اس کو کئی گناہ بڑھ کر پذیرائی بھی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ مولانا کے جاری کردہ ''ضرب مومن'' اور ''اسلام'' کی طباعت لاکھوں میں تھی اور اسے ہر شریف اور دین دار شخص پسند کرتا تھا۔ اندرون ملک کے علاوہ بڑی تعداد میں بیرون ملک پڑھے جانے والے رسائل و جرائد میں ''ضرب مومن'' اور ''اسلام'' کا شمار سب سے زیادہ ہے۔ جب کہ پاکستان میں بھی اس کی اشاعت اور پذیرائی کسی بھی بڑے سے بڑے روزنامے اور ہفت روزے سے بڑھ کر ہے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی ذات بلاشبہ ایک انجمن کی حیثیت رکھتی تھی۔ آپ بیک وقت ایک عالم باعمل' ایک مدرس' ایک محدث' ایک فقیہ' ایک واعظ' ایک خطیب' ایک مجاہد اور ایک مصلح و مربی تھے۔ احسان و سلوک کے سلسلے میں آپ کے مسترشدین کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ آپ نے احسان و سلوک کی یہ منازل اکابر اولیاء کے قدموں میں بیٹھ کر طے کی تھیں جن میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ' مصلح الامت حضرت مفتی محمد حسن امرتسری خلیفہ اقدس حضرت تھانوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوری قدس سرہٗ ایسی شخصیات ہیں۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ بانی جامعہ اشرفیہ آپ سے انتہائی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے حضرت مفتی صاحب جب بھی کراچی تشریف لے جاتے تو آپ کو پیغام بھیج کر بلوایا کرتے تھے۔ اس طرح حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ' حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کا بھی آپ کے ساتھ کمال محبت و شفقت کا برتاؤ تھا۔ حضرت مفتی صاحب مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت کی نعمت سے نوازا تھا۔ آپ قدم قدم پر سنت کا خیال رکھا کرتے تھے خلاف سنت کوئی بھی معاملہ آپ کی قوت برداشت سے باہر تھا یہاں تک کہ آپ نے یہ وصیت نامہ بھی لکھ کر رکھا ہوا تھا کہ میرے انتقال کے بعد مجھے سنت کے مطابق فوراً دفن کر دیا جائے کسی بھی شخصیت خواہ وہ کتنی ہی بزرگ کیوں نہ ہو یا کسی بھی رشتہ دار خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو گا انتظار نہ کیا جائے۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ انتقال کے فوراً بعد جتنا جلد از جلد ممکن ہو دفن کر دیا جائے ہمارے کتنے اکابرین ایسے ہیں جنہوں نے اس کے مطابق وصیت کی اور ان کے اعزاء واقرباء نے ان کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے عین سنت کے مطابق ان کی تجہیز و تدفین کی۔

حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ (جو مفتی صاحب مرحوم کے شیخ طریقت تھے) نے بھی اسی طرح کی وصیت فرمائی تھی چنانچہ جب حضرت کا کراچی میں انتقال ہوا تو (اس وقت حضرت کی اہلیہ قدس سرہا اور حضرت کے منجھلے بیٹے حضرت مولانا عبدالرحیم مرحوم ساتھ تھے) حضرت کے لواحقین نے وصیت کے مطابق فوراً کراچی میں ہی تدفین کا انتظام فرمایا یہاں تک کہ حضرت کے دو صاحبزادگان (حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب' مہتمم جامعہ اشرفیہ اور حضرت مولانا حافظ فضل الرحیم صاحب نائب مہتمم و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ) جو حج سے واپس تشریف لا رہے تھے کا انتظار بھی نہیں

کیا گیا کہ ایسا کرنا نہ صرف یہ کہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی وصیت کے خلاف تھا بلکہ شرعاً بھی درست نہیں تھا۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہ کی اہلیہ محترمہ (آپا جی) نور اللہ مرقدھا خود بھی بڑے درجے کی خاتون تھیں۔ سنت کی پابندی کا زندگی بھر معمول رہا۔ یہی وہ خاتون تھیں جن کو حضرت تھانوی بردا اللہ مضجعہ نے وقت کی رابعہ بصریہ قرار دیا تھا۔

بہر کیف حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی جو اسلاف کا نمونہ تھے کا انتقال عالم اسلام کے لیے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کرام کا اٹھ جانا علامات قیامت میں شمار فرمایا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جن کے اٹھ جانے پر آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی اور پھر ایسی ہی قدسی صفات شخصیات کی موت کو کائنات کی موت قرار دیا گیا ہے۔ اخبارات کے مطابق حضرت مفتی صاحب مرحوم کی نماز جنازہ میں پچاس ہزار سے زائد عقیدت مندوں جن میں علماء کرام' طلبہ' مشائخ غرض زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں نے شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے پسماندگان میں بیوہ' تین بیٹے اور دو بیٹیوں کے علاوہ لاکھوں تلامذہ' مریدین اور عقیدت مند چھوڑے ہیں۔

اس قحط الرجال کے دور میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے سانحہ ارتحال سے پیدا ہونے والا خلا شاید ہی پر ہو سکے اس جانکاہ حادثے کی خبر سنتے ہی پورے ملک میں صف ماتم بچھ گئی۔ جگہ جگہ تعزیتی اجلاس کیے گئے مرحوم کو شرعی طریقے سے ایصال ثواب کیا گیا۔ علماء کرام نے تعزیتی کلمات کہے اس سلسلے میں جامعہ اشرفیہ میں بھی انتہائی مختصر نوٹس پر جامعہ کے مہتمم اور شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب دامت برکاتہم کی زیر صدارت ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا' جس میں جامعہ کے شیخ الحدیث اور نائب مہتمم حضرت مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب مدظلہ' حضرات اساتذہ کرام اور موجود طلبہ نے شرکت فرمائی۔ حضرت مہتمم صاحب نے مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کی علمی' مذہبی اور دینی خدمات کے حوالے سے حاضرین کو مستفید فرماتے ہوئے کہا کہ مفتی رشید احمد کا وجود اس قحط الرجال کے دور میں ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ انہوں نے مذہب اور دین کی جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اور یہ کہ یہ ان کے لیے یقیناً صدقہ جاریہ ثابت ہوں گی۔ حضرت نے مزید فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم کا اصلاحی تعلق حضرت والد صاحب (حضرت مفتی محمد حسن صاحب) قدس سرہ سے تھا جس کی وجہ سے جامعہ اور ہم خدام جامعہ سے بھی انتہائی محبت اور شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ مدتیں ہوئیں کہ آپ کا لاہور آنا نہیں ہوا ورنہ پہلے جب بھی لاہور تشریف لاتے تو جامعہ اشرفیہ ان کی پہلی آمدگاہ ہوتی تھی جامعہ کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ سے ان کا مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ کئی ایک فتاویٰ کے سلسلے میں ان حضرات کے مابین طویل مراسلت بھی ہوا کرتی تھی حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ مفتی رشید احمد صاحب کا ایسے وقت میں اُٹھ جانا جب کہ ان کی شدید ضرورت تھی صرف پاکستان ہی

کے لیے نہیں بلکہ عالم اسلام کے لیے نا قابل تلافی نقصان ہے۔ آخر میں حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفتی صاحب مرحوم کی مغفرت اور رفع درجات کے لیے دعا فرمائی اور حضرت کے پسماندگان سے اظہار تعزیت کے طور پر چند کلمات ارشاد فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

مولانا محمد زاہد صاحب مدظلہ:
استاذ الحدیث، جامعہ امدادیہ فیصل آباد:

ایک فقیہ وقت کی چند یادیں...... چند باتیں

گذشتہ کچھ عرصے میں ہمیں داغ مفارقت دینے والے اہل فضل وکمال کی فہرست میں فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا نام بھی شامل ہو گیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، اس ناچیز کی یہ محرومی ہے کہ اتنی تاخیر سے حضرت رحمۃ اللہ کے بارے میں کچھ سطور لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ کا نام تو بچپن ہی سے سن رکھا تھا، اور شاید خیر المدارس ملتان میں زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہو لیکن حضرت کی پہلی زیارت جو اچھی طرح یاد ہے وہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کی ہے، وہاں ہر سال ختم بخاری شریف کے موقع پر خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ خود بھی تشریف لاتے اور عموماً حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی زحمت دیتے، یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے کہ حضرتؒ ختم بخاری کے موقع پر تشریف لائے اور دارالعلوم کی مسجد میں مفصل اور پر اثر خطاب فرمایا، یہ حضرت کا پہلا خطاب تھا جو زندگی میں سننے کا اتفاق ہوا۔ یہ بھٹو کے خلاف پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کا دور تھا، اور غالباً قومی اتحاد اور بھٹو حکومت کے مابین مذاکرات کا آغاز ہو چکا تھا، حضرتؒ نے انتخابات اور اس کے بعد چلنے والی تحریک کے دوران ہونے والی غلطیوں اور بے اعتدالیوں کی کھل کر نشان دہی فرمائی، بالخصوص دین کا نام لینے والوں کی طرف سے ہونے والی بے اعتدالیوں پر مفصل اور مدلل گفتگو فرمائی، ایسے پر ہیجان دور میں دینی مجلس کے اندر اس تحریک کے دوران ہونے والی بے اعتدالیوں پر گفتگو کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، ہمارا یہ بچپن کا دور تھا، لیکن حضرتؒ کی اس تقریر سے پیدا ہونے والا یہ تاثر کبھی ذہن سے زائل نہیں ہو سکا کہ یہ شخص ہمیشہ وہی بات کہتا ہے جس کو صحیح اور حق سمجھتا ہے، اسے ماحول کے مخالف ہونے کی پروا ہے نہ سامعین وقارئین کا تملق اس کے مدنظر ہوتا ہے۔

یہ تو تھا ذکر حضرتؒ سے پہلے براہ راست استفادے کا، حضرتؒ سے سب سے آخری ملاقات پانچ چھ سال پہلے ہوئی جب میں اور مولانا مفتی محمد مجاہد شہیدؒ دونوں کراچی میں تھے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم مدظلہم کی دعوت پر ایک رات دارالافتاء والارشاد میں قیام کا پروگرام طے پایا، جمعہ کا دن تھا، عصر کے بعد حسب معمول حضرتؒ کی اصلاحی مجلس تھی،

مغرب کے بعد صرف دس منٹ ملاقات کے لئے تشریف رکھنے کا معمول تھا' اس میں ہمیں بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا' بہت شفقت کا برتاؤ فرمایا' بلکہ یہاں تک فرمایا کہ میرا معمول ہے کہ مغرب کے بعد کوئی بھی آ جائے صرف دس منٹ بیٹھتا ہوں' گھڑی سامنے ہوتی ہے جونہی دس منٹ پورے ہوتے ہیں اٹھ کر چل دیتا ہوں' لیکن اس دن خلاف معمول مجلس تقریباً عشاء تک ممتد ہوگئی اور ہم دونوں بھائیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہاری خاطر آج اتنی دیر بیٹھا ہوں' شفقت کی اس انتہاء نے ہمیں اندر سے پسینہ پسینہ کر دیا۔

مجلس میں مختلف علمی موضوعات پر دلچسپ پیرائے میں افادہ کا سلسلہ جاری رہا' حاضرین میں زیادہ تر اہل علم تھے' دوران گفتگو ہم سے یہ سوال بھی فرمایا کہ کون سے اسباق پڑھا رہے ہو' احقر نے اپنے اسباق کا ذکر کرتے ہوئے میبذی کا نام بھی لیا' کیونکہ اس سال اس کا درس بھی احقر کے ذمہ تھا' سوال فرمایا کہ اس کے پڑھنے پڑھانے کا کیا فائدہ؟ احقر کو کوئی جواب نہ سوجھا' صرف اتنا عرض کرنے کی ہمت ہوئی کہ مدرسہ کی طرف سے ذمہ داری سونپی گئی ہے اس لئے پڑھا رہا ہوں اس پر حضرتؒ نے بہت مفصل اور مدلل مگر دلچسپ انداز میں منطق وفلسفہ وغیرہ کی تدریس کے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان فرمایا' حضرتؒ کی اس گفتگو کا بنیادی محور یہ تھا کہ یہ تاثر اور تصور درست نہیں کہ کتاب وسنت اور دین کا سمجھنا اور سمجھانا ان علوم پر موقوف ہے۔ فرمایا کہ ایک عالم یہاں تشریف لائے تھے ان سے جب اس موضوع پر بات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ یہ علوم ہم اس لئے پڑھاتے ہیں کہ یہ علوم مقصودہ کے لئے موقوف علیہ کا درجہ رکھتے ہیں' حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ چند دن یہاں قیام کریں' قیام وطعام کا انتظام میرے ذمہ ہوگا دین کا کوئی ایسا مسئلہ مجھے تلاش کر کے دکھا دیں جو فلسفے کے بغیر سمجھ میں نہ آ سکتا ہو' لیکن وہ کوئی ایسا مسئلہ تلاش نہ کر سکے۔

فرمایا کہ عموماً منطقی مولوی یہ کہہ دیتے ہیں کہ ان علوم عقلیہ کی مخالفت وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں خود فنون نہیں آتے' فرمایا کہ میں نے ان فنون کی وہ وہ کتابیں پڑھی ہوئی ہیں جن کے نام بھی آج کل کئی علماء کو نہیں آتے' بلکہ میں اگر ان کی فہرست بیان کروں تو سن کر بھی ان کے نام نہ دہرا سکیں' اس کے باوجود اب میری یہ رائے ہے کہ ان علوم کی تدریس غیر مفید ہے۔

فلسفہ وغیرہ کی تدریس کی کھل کر اتنی مخالفت کی مثال اکابر میں حضرت گنگوہیؒ کے ہاں بھی ملتی ہے حضرت اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

> ''اس حقیر کا خیال ہر روز یہ ہے کہ فلسفہ محض بے کار امر ہے' اس سے کوئی نفع معتد بہ حاصل نہیں' سوائے اس کے کہ دو چار سال ضائع ہوں اور آدمی خرد ماغ' غبی دینیات سے ہو جائے فہم کج وکور فہم شرعیات سے ہو جائے' اور کلمات کفریہ زبان سے نکال کر ظلمات فلاسفہ میں قلب کو کدورت ہو جائے اور کوئی فائدہ نہیں''۔ (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۹۲)

آج سے دس بارہ سال پہلے حضرت فیصل آباد اور سرگودھا وغیرہ کے سفر پر تشریف لائے تو جامعہ امدادیہ کو بھی شرف قبول بخشا' ائیر پورٹ سے نکلتے ہی جامعہ چلنے کے لئے عرض کیا گیا' فرمایا کہ پہلے مدرسہ ام المدارس جانا ہے' اس لئے کہ ان سے رشتہ داری کا تعلق ہے' حضرت قاری نور محمد صاحب لدھیانویؒ' مؤلف نورانی قاعدہ کی اولاد واحفار حضرتؒ کے رشتہ دار ہیں' اس سے حضرتؒ کے ہاں رعایت حقوق اور صلہ رحمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرتؒ سے جب بھی شرف ملاقات حاصل ہوا حضرت کو ہشاش بشاش شاداں وفرحاں پایا' حضرت کے الفاظ' لب ولہجہ اور چہرے مہرے کسی چیز سے ذرہ برابر یہ تاثر نہیں ملتا تھا کہ یہ کوئی خشک شخص ہیں' بلکہ اداء اداء اور لفظ لفظ سے ذہانت وفطانت' بذلہ سنجی اور ظرافت ولطافت ٹپکتی تھی۔

حضرتؒ کے علمی وعملی کمالات اور خدمات وکارناموں پر گفتگو تو اہل کمال ہی کا کام ہے امید ہے کہ حضرتؒ کے مسترشدین علماء اس کے لئے منصوبہ بندی کر رہے ہوں گے' احقر نے تو جلدی میں اپنی چند یادیں ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔"فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خيرا اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده"

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب:

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار پاکستان کے جید ترین علماء وفقہاء میں ہوتا تھا' ان کے علم وعمل' زہد وتقویٰ' حق گوئی وبے باکی اور اوصاف وکمالات سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ آہ وہ بھی رخصت ہوئے۔ ابھی تو حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ثم مدنیؒ کی مفارقت سے زخم تازہ ہی تھے کہ حضرت صاحبؒ بھی اس کاروان آخرت سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ علماء واولیاء کا یہ قافلہ بڑی تیزی سے سفر کر رہا ہے' جو علامات قیامت میں سے ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔ آمین' حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن مالوف لدھیانہ ہے جو مشرقی پنجاب میں واقع ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے صحبت یافتہ تھے اور بزم اشرف میں'' صاحب الرویا'' کے لقب سے معروف تھے۔ آپ ۳ صفر المظفر ۱۳۴۱ھ/ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور تعلیم ثانوی مختلف دینی مدارس میں پڑھ کر ۱۳۶۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور شعبان ۱۳۶۱ھ میں تمام علوم وفنون اور دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ' شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہیؒ جامع المعقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ' مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ' حضرت مولانا مفتی ریاض الدینؒ حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ اور حضرت مولانا عبدالحق نافعؒ جیسے مشاہیر علماء واساتذہ قابل ذکر ہیں۔ اسی سال دورۂ حدیث کے ساتھ ساتھ کتب تجوید حضرت قاری عزیز احمد صاحبؒ اور حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ صدر قراء دارالعلوم دیوبند سے پڑھیں۔

فراغت کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مدینۃ العلوم حیدرآباد سندھ سے شروع ہوا۔ ۱۳۶۴ھ میں آپ کو صدر مدرس بنا دیا گیا اور اسی سال بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث کی تدریس بھی فرمائی۔ پھر ۱۳۶۶ھ سے دارالافتاء کا کام بھی سنبھالا اور اس طرح آپ ۱۳۶۹ھ تک بیک وقت شیخ الحدیث اور مفتی رہے۔ ۱۳۷۰ھ میں آپ

بحیثیت شیخ الحدیث مدرسہ دارالہدیٰ ٹھیڑھی تشریف لے گئے اور ۱۳۷۶ھ میں سیدی و مرشدی حضرت اقدس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کے حکم پر بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور شعبان ۱۳۸۳ھ تک آپ دارالعلوم کراچی ہی میں رہے۔ اس دوران بڑے بڑے علماء فضلاء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کے تلامذہ ملک بھر میں دینی خدمات میں مصروف ہیں۔ درس حدیث کے ساتھ ساتھ آپ نے فتاویٰ نویسی، شان تحقیق و تفقہ اور تعمق نظر میں اس قدر شہرت حاصل کی کہ ملک و بیرون ملک کے علماء فقہاء بھی مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ کے مستند فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں جو بے حد مقبول ہوئے ہیں۔ فتاویٰ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کی طرح آپ کو بھی بلند مقام حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں تدریسی وفقہی خدمات کے علاوہ ایک سو سے زائد تصانیف مختلف موضوعات پر تالیف کیں۔ ۱۳۸۳ھ میں آپ نے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی خواہش کے مطابق مدرسہ اشرف المدارس کی بنیاد رکھی جو ناظم آباد کراچی میں واقع ہے۔ پھر اسی سے ملحقہ عوام وخواص کی اصلاح کے لئے خانقاہ اشرفیہ کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں دارالافتاء والارشاد کے نام سے ایک عظیم ادارۂ قائم فرمایا، جہاں اعلیٰ استعداد رکھنے والے فارغ التحصیل علماء کو تمرین افتاء کے لئے داخل کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ فیض باطنی اور تقویٰ، استغناء اور تعلق مع اللہ کی دولت سے بھی مالا مال کیا جاتا ہے اور اس کے نشست و برخاست کا مستقل سبق شریعت محمدی پر چلانا ہے اور ہر آنے والے کے کان میں کچھ نہ کچھ دین کی بات پہنچا کر چھوڑتے ہیں۔ آپ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری قدس سرہ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ ساری زندگی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک ومشرب کے مطابق تبلیغ و اصلاح میں مصروف رہے۔ ہزاروں افراد کی اصلاح وتربیت کی۔ دور دراز سے لوگ آپ کے مواعظ حسنہ میں شریک ہوتے تھے اور آپ کے فیض علمی وروحانی سے استفادۂ کرتے تھے۔ ساری عمر شریعت، مقدسہ کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنے رہے اور حق گوئی و بے باکی سے کلمہ حق بلند کرتے رہے اور بالآخر یہ مردحق ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء بروز منگل کو دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے مشن مقدس کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین۔

از مولانا ازہر صاحب مدیر الخیر ملتان:

آہ! فقیہ العصرؒ کی رحلت

ایک جامع الصفات انسان چل بسا

۱۴۲۲ھ کا اختتام ایک انتہائی روح فرسا' کربناک اور مندمل نہ ہونے والے سانحہ پر ہوا۔ ۶ ذی الحجہ بروز منگل ۱۴۲۲ھ بوقت نصف النہار آفتاب شریعت وطریقت اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ فقیہ العصر' مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی قدس سرہ ہمارے اسلاف کی ایمان افروز روایات کے امین' محافظ' منّاد اور داعی تھے جن کے زہد وتقویٰ' ایثار واخلاص' ذہانت وبصیرت' حکمت وفقاہت' ورع وعزیمت' جرأت واستقامت اور حق گوئی وحق پرستی کے اوصاف عالیہ سے منور زندگی مدتوں تک آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

اس دور میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے تجدیدی کارناموں نے علماء دیوبند کی امتیازی روایات کو پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ دین کے بہت سے شعبوں میں ضعف واضمحلال کو محسوس کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحبؒ نے جس استقامت وعزیمت کے ساتھ ان شعبوں کو از سر نو شریعت مطہرہ کے مطابق قائم واستوار کیا وہ آپ کو عصر حاضر کے تمام علماء سے ممتاز کرتی ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی' فقہی' دینی' تدریسی' تحقیقی' تصنیفی' اصلاحی اور تحریکی خدمات کا سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے رفع درجات کے لئے کیا کیا اسباب پیدا فرماتے ہیں۔

آپ بیک وقت فقیہ بھی تھے' محدث بھی' مفسر بھی' متکلم بھی' مجاہد بھی اور زاہد شب بیدار بھی۔ امین ومنتظم بھی اور فیاض ودریا دل بھی' ناقد ومتصلب بھی اور شفیق وکریم بھی' غرضیکہ ایسی جامع الصفات والکمالات ہستی تھے جن کی دور دور تک کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی اور ۱۳۶۱ھ سے تدریسی خدمات کے ساتھ منصب افتاء بھی سنبھالا' اس طرح ۶۰ برس میں ۵۰ ہزار سے زائد فتاویٰ تحریر فرمائے اور ۵۰۰ مفتیوں کی ایک ایسی

جماعت تیار کر دی جو امت کی شریعت وطریقت میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کے مجموعہ ''احسن الفتاویٰ'' (۸ جلد) میں آپ کے علم وفضل، تحقیق واجتہاد ذہانت وفقاہت، تعمق وبصیرت اور مجتہدانہ شان کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو تمام معاصر علماء میں یہ امتیازی وصف بھی حاصل ہے کہ آپ احکام شریعت پر عمل کرنے اور کرانے میں کسی طرح کی مصلحت، رواداری اور چشم پوشی کے قائل نہ تھے۔ بقول حکیم الامت حضرت تھانویؒ عرف عام کے اعتبار سے ایک ''خشک مولوی'' تھے جو خود بھی شریعت کی پابندی کرتا ہو اور دوسروں کو بھی پابندی کرتے دیکھ کر خوش ہوتا ہو۔ حضرت مفتی صاحبؒ بہت بڑے فقیہ تھے لیکن مصلحت میں نہیں بلکہ شریعت وطریقت سے سرمست رہنے والے ایسے بادہ خوار تھے جس کی زبان سے ہمیشہ سچی بات نکلتی تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین اور استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہ کے خاص متعلقین میں سے تھے۔ احقر کے ابتدائی دور تدریس میں ایک مرتبہ جامعہ خیر المدارس میں تشریف لائے تو آپ کی ایمان افروز وحیات آفرین مجلس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی جس کی حلاوت تا حال باقی ہے۔ جس محبت واخلاص اور شفقت ودلسوزی کے ساتھ آپ نے طلبہ کو علم کے ساتھ عمل، درس وتدریس ک ساتھ اخلاص، عبادات کے ساتھ معاملات اور ظاہری احکام شریعت کی پابندی کے ساتھ تزکیہ نفس کی تلقین فرمائی اس کے نقوش ابھی تک دل میں محسوس ہوتے ہیں۔ ہمارے تمام اکابر کتاب وسنت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنے اور استقامت وعزیمت کے اعتبار یکساں شان کے حامل تھے۔ لانفرق بین احد منہم۔ لیکن اگر طریق کار اور ذوق کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی تفریق تسلیم بھی کی جائے تو حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات مجمع البحرین تھی جس میں شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کی استقامت وحق گوئی جذبہ جہاد اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ کی بصیرت واخلاص کی شانیں یکجا تھیں۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحبؒ کی جملہ علمی، دینی، تبلیغی، تدریسی اور جہادی خدمات کو شرف قبول عطا فرما کر ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں اور انہیں جنت الفردوس میں اپنے اکابر واسلاف کا ہم نشیں بنائیں۔

جامعہ خیر المدارس میں حضرت والاؒ کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔ (ماہنامہ الخیر ملتان)

ازمولانا محمد ازہر صاحب مدیر الخیر ملتان:

(حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے خلیفہ خاص)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کا سانحہ ارتحال......!

حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر ﷺ پر جنھوں نے حق کا بول بالا کیا

الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفی۔

چھپ گیا آفتاب، شام ہوئی
اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

آج کا دور برقی قمقموں کا دور ہے، دنیا نئی روشنیوں سے جگمگا رہی ہے مگر ایمان و یقین، تسلیم و رضا، صبر و استقامت اور اخلاص و ایثار ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ ان کے لئے شاید ''پرانے چراغ'' ہی کام آتے ہیں۔ افسوس کہ یہ چراغ بھی اب رفتہ رفتہ بجھتے چلے جا رہے ہیں اور چراغ سے چراغ جلنے کی روایت بھی دم توڑ رہی ہے۔

امام بخاریؒ، امام مسلمؒ امام ترمذیؒ، امام احمد بن حنبلؒ امام ابن ماجہؒ اور امام دارمیؒ جیسے جید محدثین نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ:

حق تعالیٰ شانہ علم کو لوگوں کے سینوں سے قبض نہیں فرمائیں گے (گو وہ اس پر بھی قادر ہیں) بلکہ علماء کو اٹھا لیں گے۔ ان کے ساتھ علم و عمل بھی اٹھ جائیں گے، اس زمانے میں لوگ جاہلوں کو اپنا شیوہ بنا لیں گے جو

خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

ہمارے اس دور کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والی ایسی شخصیات جنہیں اپنے رسوخ فی العلم، تصلب فی الدین اور اخلاص وللّٰہیت میں مرجع کا درجہ حاصل ہوتا ہے ان کی جدائی کے بعد ان کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ ہر ایسا جانے والا اپنے پیچھے ایک ایسا مہیب خلاء چھوڑ جاتا ہے جس کے پر ہونے کے آثار دور دور تک نظر نہیں آتے۔ یہ ہمارے علمی و عملی مستقبل کے لئے شدید خطرے کی گھنٹی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اب جاہلوں کو پیشوا بنانے کا پرخطر دور سر پر آ پہنچا ہے۔

جنوبی پنجاب میں ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ کو پیر کے دن مغرب کے قریب سورج کے ڈوبنے کے ساتھ ساتھ علم وفضل اور اخلاص وعمل کا مہر منیر بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ دارالعلوم کبیر والا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان سنجیدہ ومتین علماء میں ہوتا تھا جن کا وجود مسند تعلیم وتدریس کے لئے زینت تھا اور جو تعلیم وتدریس کے ساتھ طہارت وتقویٰ اور زہد واخلاص کے اوج کمال پر فائز تھے۔ بایں ہمہ تواضع وانکسار اور سادگی کا پیکر مجسم تھے۔ حوصلہ افزائی، اعلیٰ ظرفی اور برخوردار نوازی ہمارے اکابر اور مخلصین کا طرہ امتیاز رہی ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا دامن بھی ان صفات سے مالا مال تھا۔ احقر کو ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا جسے پڑھ کر احقر حقیقتاً ششدر رہ گیا، اس میں مفتی صاحبؒ نے بغایت تواضع تحریر فرمایا تھا کہ:......

''آپ کو چونکہ تحریر سے مناسبت ہے اس لئے میں وقتاً فوقتاً ایک دو صفحے آپ کو لکھ کر بھیج دیا کروں گا آپ اصلاح کر کے مجھے واپس کر دیا کریں۔''

احقر اور حضرت مفتی صاحبؒ کے درمیان علم وفضل، فکر ونظر اور لیاقت وصلاحیت کے اعتبار سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ کہاں وقت کا شیخ الحدیث اور فقیہ، جس کے قلم کا ایک ایک لفظ حزم واحتیاط کے سانچوں میں ڈھلا ہوا اور کہاں مجھ جیسا مبتدی اور طالب علم (اور وہ بھی اپنی خوش فہمی کے اعتبار سے) میں اس کا بظاہر مطلب یہی سمجھتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے لطیف انداز میں احقر کو اکابر کی سرپرستی و رہنمائی کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا تھا جس کی طرف آج کل بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

زاہدان خشک اپنے زہد کے خول میں بند ہو کر مخلوق خدا کو کمتر سمجھنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر حضرت مفتی صاحبؒ تقویٰ کی بلندیوں کو چھونے اور عبادت و ریاضت میں حد درجہ انہماک کے باوجود ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھتے تھے۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں سے بھی ملتے وقت محبت واپنائیت اور تواضع کا رنگ غالب ہوتا تھا۔ آپ کا یہ متواضعانہ طرز عمل آپ کے باطنی کمالات، فنائیت اور بے نفسی کا آئینہ دار ہے۔

دارالعلوم کبیر والا میں تعلیم وتدریس اور افتاء کی گرانقدر ذمہ داریوں کے ساتھ وعظ وتذکیر اور اصلاح وارشاد کے

فریضہ کی ادائیگی بھی معمولات زندگی کا حصہ تھی۔ چنانچہ جمعۃ المبارک اور تعطیل کے دیگر دنوں میں آرام و استراحت کی بجائے آپ مختلف شہروں میں خاص احباب اور اہل عقیدت کی دعوت پر تشریف لے جاتے اور پر تاثیر الفاظ میں اس طرح وعظ و نصائح فرماتے کہ بیسیوں افراد کی اصلاح ہو جاتی۔ گفتگو اور تقریر کے دوران الفاظ نرم' لہجہ شائستہ' انداز دھیما اور اسلوب پر کشش و دلنشین ہوتا۔ پوری تقریر حشو و زوائد سے مبرا اور انتہائی مربوط ہوتی۔ اگر ایک طرف دارالعلوم کبیر والا میں سینکڑوں طلبہ آپؒ کی تعلیم و تدریس اور علمی وفقہی نکات سے بہرہ مند ہوئے تو دوسری طرف ہزاروں افراد آپؒ کی تلقین وتربیت اور اصلاح وارشاد سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے دورۂ حدیث شریف تک تمام کتابیں دارالعلوم کبیر والا ہی میں پڑھیں' تکمیل سند کے بعد تخصص فی الافتاء کے لئے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی خدمت میں دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی اعظمؒ کی صحبت میں آپ کی علمی وفقہی صلاحیتوں کا رنگ مزید نکھرا اور درویشی' قناعت' فقر' اتباع سنت اور اخلاص کا رنگ مزید گہرا ہوا۔ تخصص کی تکمیل کے بعد پانچ برس تک حضرت مفتی اعظمؒ کی سرپرستی میں دارالعلوم کراچی میں تدریسی خدمات انجام دیں' پھر واپس تشریف لا کر اپنی مادر علمی دارالعلوم کبیر والا میں خدمت دین اور تدریس کا آغاز فرمایا اور دم واپسیں تک اسی درس گاہ سے وابستہ رہے۔ علم و افتاء اور تدریس کے مسند نشیں بعض اوقات اپنی دنیا میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ مصروفیت اپنے باطن کی خبر لینے اور روحانیت کی منازل کے لئے آڑ بن جاتی ہے مگر اس سعادت کی تحصیل میں حضرت مفتی صاحبؒ کی راہ میں نہ تدریس آڑے آئی نہ سند افتاء رکاوٹ بنی۔ جن اکابر سے آپؒ کا اصلاحی تعلق رہا انہوں نے بے حد شفقت ومحبت کے علاوہ اپنے بھرپور اعتماد سے نوازا اور اہل تصوف کی اصطلاح میں ''اجازت'' سے سرفراز فرمایا۔ آپ شیخ المشائخ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی قدس سرہ' مخدوم العلماء حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مہاجر مدنیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم کے مجاز اور معتمد علیہ تھے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے فیض صحبت سے بھی بہت سے حضرات مستفید اور سلسلہ کی برکات سے مالا مال ہوئے۔ بعض حضرات کو مفتی صاحبؒ نے اجازت سے بھی نوازا۔ حضرت مفتی صاحبؒ جامعہ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔ آپؒ کی نماز جنازہ میں جامعہ خیر المدارس کے اکثر اساتذہ کرام سمیت ہاروں علماء' صلحاء' طلباء' قراء وحفاظ اور روزے دار مسلمانوں نے شرکت کی۔ دارالعلوم کبیر والا کا وسیع احاطہ کثرت ہجوم کی وجہ سے تنگ نظر آتا تھا۔ کبیر والا کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ کم دیکھنے میں آیا۔ نماز جنازہ استاذ محترم فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم نے پڑھائی۔ بعد ازاں آپ کے جسد خاکی کو دارالعلوم کے عقب میں سپرد خاک کر دیا گیا جہاں بیٹھ کر آپؒ نے تیس سال تک قرآن وسنت کی تعلیم دی۔ آج وہیں آسودۂ خاک ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی صاحبؒ کی بال بال مغفرت فرمائیں

اور جنت میں مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی نے علمائے ربانیین' جو پہلے ہی انگلیوں پر گنے جاتے تھے' کی تعداد میں ایک اور فرد کی کمی کر دی۔

بھیڑ میں دنیا کی' جانے وہ کہاں گم ہو گئے
کچھ فرشتے بھی رہا کرتے تھے انسانوں کے ساتھ

تالیفات سید محمد اکبر شاہ بخاری

- ⊙ اکابر علماء دیو بند
- ⊙ حیاتِ احتشام
- ⊙ تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان
- ⊙ تحریک پاکستان اور علماء دیو بند
- ⊙ خطبات مفتیٔ اعظمؒ
- ⊙ خطباتِ اکابر ۵ جلدیں
- ⊙ حیاتِ ظفر عثمانیؒ
- ⊙ تذکرہ مفتیٔ اعظم پاکستان
- ⊙ بیس علمائے حق
- ⊙ ذکر طیبؒ
- ⊙ سوانح خلیلؒ
- ⊙ حیات مالکؒ کاندھلوی
- ⊙ سیرتِ بدر عالمؒ
- ⊙ پچاس مثالی شخصیات
- ⊙ تحریک پاکستان کے عظیم مجاہدین
- ⊙ ذکر خیر محمدؒ
- ⊙ سو بڑے علماءِ اشرفیہ
- ⊙ چند عظیم شخصیات
- ⊙ تذکرہ اولیائے دیو بند
- ⊙ خطبات احتشام ۔۴ جلدیں
- ⊙ خطباتِ شیخ الاسلام پاکستان
- ⊙ کاروانِ تھانویؒ
- ⊙ مقالاتِ مفتیٔ اعظمؒ
- ⊙ خطباتِ ادریسؒ
- ⊙ مقالاتِ عثمانیؒ
- ⊙ مفتیٔ اعظم پاکستان اور ان کے ممتاز تلامذہ وخلفاء
- ⊙ مفتی محمد حسنؒ اور ان کے خلفاء
- ⊙ ذکر متینؒ
- ⊙ آپ بیتی گیلانیؒ
- ⊙ خطباتِ مالکؒ کاندھلوی
- ⊙ تذکرہ خطیب الامتؒ
- ⊙ چالیس بڑے مسلمان (دوجلدؒ)
- ⊙ اکابرین مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان
- ⊙ یادِ شریفؒ
- ⊙ خطباتِ طیبات
- ⊙ چند عظیم فقہاءِ کرام